فروغ حمد ونعت کا کتابی سلسلہ

دبستانِ نعت

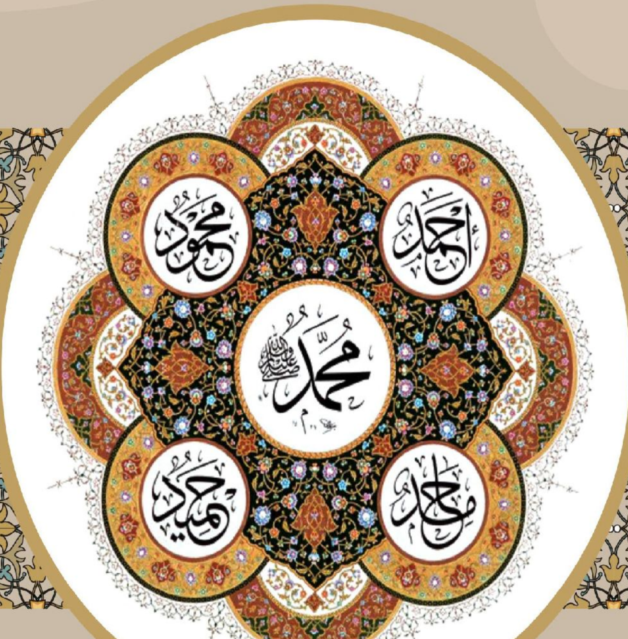

مدیر

ڈاکٹر سراج احمد قادری

ریسرچ سینٹر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فروغ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ

دبستانِ نعت

شمارہ نمبر ۴
جنوری۔دسمبر ۲۰۱۹ء

سرپرست

سید صبیح رحمانی

بانی و مؤسس نعت ریسرچ سینٹر انٹرنیشنل۔کراچی

زیرِ نگرانی

فیروز احمد سیفی۔نیویارک

مدیر

ڈاکٹر سراج احمد قادری

مجلس مشاورت

پروفیسر عبدالحق۔دہلی
ڈاکٹر آصف آدر۔گلاسگو
ڈاکٹر احمد القاضی۔جامعہ ازہر، مصر
ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری
رشید اختر خاں۔دھنباد
ڈاکٹر رضوان انصاری۔سیتاپور
ڈاکٹر شائر اللہ خان۔رام پور
پروفیسر ڈاکٹر مقصود احمد۔بڑودہ
قاضی اسد ثنائی۔حیدرآباد

مجلہ دبستانِ نعت میں شامل نگارشات کی آراء سے اِدارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ جملہ تخلیقات ماہرین کی آراء کے اتفاق سے شامل کی گئی ہیں۔

NAAT RESEARCH CENTER-INDIA
Mohalla Banjaria West,
Khalilabad -272175
Distt. Sant Kabir Nagar, UP
INDIA
Mob: +91-9415875761
7985754611
+ 1-347-561-2447
E-mail:
drsiraj123@gmail.com
anees11435@gmail.com

پاکستان میں رابطہ:
غلام علی-92-302-461-2214

ہدیہ Rs.500/-

صلی اللہ علیک وآلک وسلم

غریبم یا رسول اللہ غریبم
ندارم در جہاں جز تو حبیبم
مرضِ دارم ز عصیاں لا دوائے
مگر الطافِ تو باشد طبیبم
بریں نازم کہ ہستم امتِ تو
گنہگارم و لیکن خوش نصیبم

اردو نعت کے اوّلین تخلیق نگار

حضرت مُلّا داؤد ڈلمئی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام

جنہوں نے ۷۸۱ھ میں ابتدائی اردو زبان یعنی ہندکی میں
مثنوی ''چنداین'' تخلیق کر اوّلیت کا شرف حاصل کیا۔
''تُرکی لِکھ لِکھ ہندکی گائی''

......

برس سات سو ہوئے اکّیاسی
تۂِ ما یہ کوئی سرس ابھّیا سی
مُلّا داؤد ڈلمئی

دبستانِ نعت

ہوئی طلوع دبستانِ نعت کی صورت
اک اور تازہ تر امکان نعت کی صورت

خوش آمدید! تری سعد بخت آمد سے
نکھر نکھر گئی خوبانِ نعت کی صورت

جمالِ نعت کی تابانیوں کے صدقے سے
ہوئی جمیل فدایانِ نعت کی صورت

صبیح کی جہد و سعی 'نعت رنگ' کا عکس
اس آئینے میں ہے پیمانِ نعت کی صورت

زہے! یہ سیّدِ الاصناف فن کا کرّ و فروغ
خوشا! یہ جذبِ فراوانِ نعت کی صورت

رسولِ پاک کی صورت نمائی کا موسم
نمو پذیر ہے وجدانِ نعت کی صورت

ہے سیرت آپ کی، دینِ الٰہ کی تفسیر
ہے چہرہ آپ کا، قرآنِ نعت کی صورت

ثنا سے اُس کی، جو ہے خلق کا گلِ چیدہ
عیاں ہوئی ہے گلستانِ نعت کی صورت

ہے سعی و حیرت فن آشکار ہونے کو
جلال حمد کی شکل، آنِ * نعت کی صورت

ہزار جدّت و ندرت کی ہو گی آئینہ دار
ہے نَو بہ نَو جو یہ رجحانِ نعت کی صورت

ہوئے جو اہلِ ثنا جمع، نزد و دور کے، تو
بہشت رُو ہوئی میدانِ نعت کی صورت

ولا سرشت، محبت نژاد، حُبّ آثار
جدا اک ایک سخندانِ نعت کی صورت

کب ایسے پہلے تھی رونق فزا و ولولہ خیز
جو آج ہے چمنستانِ نعت کی صورت

زہے نصیب! یہ نوواردانِ شہرِ ثنا
خوشا! یہ جذبِ فراوانِ نعت کی صورت

یقین بڑھاتا رہے صنفِ نعت پر اس کا
ہر اک شمارہ ہؤ ایقانِ نعت کی صورت

ہے رازیاب عجب روشنائی نسبت کی
جو اتری کلک میں عرفانِ نعت کی صورت

ثنا نگاروں کا جوش و خروش دیدنی ہے
ہے اب کے اور ہی میلانِ نعت کی صورت

مزید ہو گی ضیاء بار آتے برسوں میں
کرم سے ان کے اِس ایوانِ نعت کی صورت

محبت آپ کی ہر امّتی کے دل میں رکھی
ازل نہاد ہے اس جان نعت کی صورت

دکھائی دیتی نہیں لفظ و لحن کے اندر
ہے جو دلوں میں چراغانِ نعت کی صورت

لبوں پہ روشنیاں ہے سلام کی، فن میں
دکھائی دیتی ہیں برہانِ نعت کی صورت

چمک رہی ہے ستارہ مثال سعیِ ہنر
بیاضِ شوق پہ عنوانِ نعت کی صورت

تجھے سلام ہو فیروز احمدِ سیفی
شریک کار ہے یارانِ نعت کی صورت

سراج الف ہا تہنیت و مبارکباد
بنی ہے تجھ سے دبستانِ نعت کی صورت

اُگی ہے روشنی کی فصل کاغذوں پہ ریاضؔ
ستارے اترے ہیں لمعانِ نعت کی صورت

ڈاکٹر ریاضؔ مجید (فیصل آباد، پاکستان)

* آن: مصطلحاتِ صوفیا میں حسن و رعنائی کی اک قسم جو قابلِ درک ہے لیکن جس کی توصیف ناپذیر ہے۔

پس نوشت

سالِ تاریخ دبستانِ نعت

ہوں سالِ طبع کے کچھ التزام نام سے شعر
رہیں جو یاد دبستانِ نعت کی صورت
زہے! یہ گلشنِ بے مثل ایسی جنتِ نور

۹۶۳

صد آفرین دبستانِ نعت کی صورت

۱۰۳۷

خوش آمدید دبستانِ نعت شاہ زماں

۱۴۴۰

ہے سالِ طبع دبستانِ نعت کی صورت
عطا ہے نسبتِ جانانِ مہرباں کی ریاضؔ

۱۴۰۳

دکھائی دی جو دبستانِ نعت کی صورت

۱۰۳۷

ڈاکٹر ریاضؔ مجید (فیصل آباد، پاکستان)

نور ونکہت

اداریہ		12

تحمید وتقدیس

اے خالقِ و مالک ربّ علیٰ سبحان اللہ سبحان اللہ	حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی سالکؔ	23
ہر گھڑی دل ہے دیتا گواہی تری، تو نے دنیا کو دی		
ارتقائی جھلک	تنویر پھولؔ	24
وہی ہے ارض وسما کا مالک، رؤف ہے وہ رحیم ہے وہ	علامہ اقبالؔ اعظمی	25
مرے خالق	شارق عدیل مارہروی	26
عاصی کو آسرا ہے اے مالک دوعالم	محمد اسماعیل سورہوی قمؔر بستوی	30

تابشِ فکر ونظر

ذکر حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جمالیات قرآن وؔلی		
کے حوالے سے	پروفیسر عبدالحق	32
چندائن، مولانا داؤد ڈلمئ اور نعت شریف،		
ایک تنقیدی وتحقیقی جائزہ	ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری	51
موجِ کوثر کا قرآنی تجزیہ	پروفیسر ابوسفیان اصلاحی	119
علاقۂ گوالیار میں اردو شعروادب اور نعت گوئی		
کی تاریخ ایک تحقیقی جائزہ	ڈاکٹر وسیم افتخار انصاری، برہان پوری	156
اردو نعت کا نفسیاتی مطالعہ	ڈاکٹر محمد آصف امراوتی	194
فنافی النعت حضرت مغمومؔ مدراسی	ڈاکٹر راہی فدائی	207

برہان پور میں سلسلۂ میرؔ کے نعت گو شعراء ایک تحقیقی جائزہ	ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری	217
''نعت'' کا لفظ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی کے لئے ہی زیادہ موزوں ہے	ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیلؔ راٹھوی	242
''وفات النبی، حیات النبی اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم''	تنویر پھولؔ	250
ہندوستان میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری پر تحریر کیے گئے تحقیقی مقالوں کا ایک تعارفی جائزہ	ڈاکٹر سراج احمد قادری (مدیر مجلّہ)	256

افکارِ روشن

عربی اور اردو زبان میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم	ڈاکٹر احمد محمد احمد عبدالرحمٰن	267
علامہ اختر رضا بریلوی کا عربی کلام عروضی اور فنّی محاسن کے تناظر میں	علامہ اقبال اعظمی	286
نعتیہ مجموعہ ''وسیلۂ نجات'' ایک مطالعہ	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم	294
جدید اردو نعت میں روحِ عصر	ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی	307
ثناء کی نکہتیں، ذہنی و فکری مطالعہ	فاروق جائسی	315
مراٹھی نعت	پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد اللہ	322
مولانا سید غیاث الدین حسن چشتی کی فارسی نعتیہ شاعری کا ایک اجمالی جائزہ	ڈاکٹر محمد مختار عالم صابری	324
نعتیہ شاعری کا تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر ایم۔ نصر اللہ نصرؔ	330
احوال ایک محفلِ نعت خوانی کا	ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی	342
بارگاہ رسالت میں عقیدۂ صحابہ اور تجلیات نعت	قاری محمد رفیق فائزؔ	352
میرا سفرِ نعت گوئی	خان حسنین عاقبؔ	366
کتب خانہ ''قادریہ بشیریہ، شاہ جہاں پور'' میں محفوظ نعتیہ دواوین کا اجمالی جائزہ	الحاج سید محمد مفیض الدین قادری	377
ہالینڈ میں محفل نعت	ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی	397

منیؔر خاں اعظمی کی شعری خصوصیات (کوثر وزمزم کے حوالے سے)	محمد عامل بدایونی	411
راجستھان میں نعت گوئی کی روایت	ڈاکٹر شاہد احمد جمالی	416
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری	توصیف بریلوی	446
خیرآباد کے چند نعت گوشعراء	ڈاکٹر رضوان انصاری امجدی	453
امام احمد رضا خاں رضؔا بریلوی کی نعتیہ شاعری میں ہیئتی تجربات (غزل،قصیدہ،مثنوی،قطعہ،اور رباعی کی رو سے)	قاضی سید وحید احمد میر غلام حسین	470
تذکرہ نعت گوشاعرات	رشید اختر خان	478

زاویۂ نگاہ

دبستان نعت۔۳ پر ایک عمیق نظر	اقبال اعظمی گھوسی	514
دبستان نعت شمارہ ۳ پر ایک نظر	پروفیسر فاروق احمد صدیقی	542
ہندوستانی کتابی سلسلہ ’’دبستانِ نعت‘‘ کا تیسرا خصوصی شمارہ	پروفیسر مجید بیدار	546
دبستان ت شمارہ ۳ پر طائرانہ نظر	فاروق جائسی	551
دبستان نعت (۳) ایک مطالعہ	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم	557
’دبستانِ نعت‘ ایک قاموسی مجلّہ	علامہ عتیقؔ اثر ندوی	561
تنقید یا لغزش قلم	قاری محمد رفیق قاضی فائزؔ	566
’’دبستان نعت‘‘ جلد نمبر ۳ / اپنے آئینے میں	شہیر رضوی	580
فروغِ حمد ونعت کا کتابی سلسلہ ’’دبستانِ نعت‘‘	حلیم صابر	590

کائنات نعت

کلیات صبیحؔ رحمانی	پروفیسر مجید بیدار	596
کلیات عزیؔز احسن	ڈاکٹر رضوان انصاری قادری	602
دیوانِ وجیہؔ	مرزا ساجد حسین ساجدؔ امروہوی	606

اَز ہارِ مدینہ	ڈاکٹر رضوان انصاری	610
نفیرِ حرم	توفیق احسنؔ برکاتی	613

گلہائے عقیدت

پھر جنوں کہتا ہے خود کو پابجولاں دیکھیے	علامہ سید محمد نعیم الدین نعیمؔ مرادآبادی	617
یہ دیارِ سرورِ کونین طیبہ چھوڑ کر	علامہ ریحان رضا خاں ریحانؔ بریلوی	618
جب زباں پر مری نام شہِ بطحا آیا	حافظ جلیل حسن جلیلؔ	620
گر رسول ہاشمی دیکھیں پریشانی مری	حضرت شاہ وجیہ الدین احمد خاں وجیہؔ	621
ہو سلام آپ پر اے شہِ بیکساں آپ کو رحمت حق بنایا گیا	علامہ عبدالجبار رہبرؔ اعظمی	622
مل گئی جس کو سعادت صل علیٰ کی دید کی	پروفیسر مجید بیدارؔ	623
''قسم ہے وقت کی!	ڈاکٹر راہی فدائیؔ	624
صدائے صل علیٰ صبح و شام اُن ﷺ کے لئے	تنویر پھولؔ	627
تخیل میں رچی مدح سرائی مصطفےٰ کی ہے	ڈاکٹر آصف آدر	628
جدید فارسی نعتیہ غزلیں	مشہور اور مقبول معاصر شاعر حسین منزوی	630
زمیں نہ ہوتی فلک نہ ہوتا وجودِ شمس و قمر نہ ہوتا	فاروقؔ جائسی	633
نور کے حرف چنوں، رنگ کا پیکر باندھوں	مقصود علی شاہ مقصودؔ	634
محبت کی علامت ہے، وفا کا استعارا ہے	شبنمؔ رومانی	635
وہ خار بھی گلشن کا گلِ تر بھی وہی ہے	عرشؔ صہبائی	636
اے کاش مجھے ہو سکے دیدارِ مدینہ	بشیر الحق بشیرؔ	637
کہیں اُن کی مدحت میں رمزِ رمیٰ ہے	ڈاکٹر مبشر احمد نشترؔ	638
قلم نے جب بھی کئے نعت کے گہر روشن	رئیس احمد نعمانی	644
مجھے حاجتوں سے سوا ملا یہ سخاوتیں ہیں رسول کی	ڈاکٹر سعید روشنؔ	645
تکتا رہا میں گنبدِ خضریٰ کو دھیان سے	سید محمد فاروق چشتی	646
نظر میں اتنی بصارت نہیں تو کچھ بھی نہیں	سید عبدالمنان راہیؔ چشتی	647
میں کروں ثناءِ احمد ہوا غیب سے اشارا	سیدہ مسرّت جہاں بیگم شفیق نوریؔ	648

محمد سے الفت جتاتے رہیں گے	ڈاکٹر سید چندا حسینی اکبرؔ	649
ہو کاش عطا مجھ کو وہ صہبائے مدینہ	الحاج قاری حیدر علی حیدرؔ برہانی	650
اے دل اگر ہے تجھ کو محبت رسول کی	دُرِّ شہوار نرگسؔ	651
میرے رسول کا چہرہ نظر میں بستا ہے	ڈاکٹر شائستہ یوسف	652
ہے ردِّ عمل میرا جو حمد سرائی ہے	ڈاکٹر ظلنی وبھا نازلیؔ	653
نفس نفس ہے پریشاں و بے قرار حضور ﷺ	ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ضیاؔ مدنی	654
ہر سو چمک رہے ہیں جو انوار رات دن	نسرینؔ	655
وہ بزمِ دین و دنیا میں کسی قابل نہیں ہوتا	مشتاقؔ سیوانی	656
ہے یہی آرزو مری ہے یہی مدعا فقط	مولانا نظام الدین نظامؔ بستوی	657
کہاں مجھ میں وہ طاقت ہے کہ میں نعتِ نبی لکھوں	ڈاکٹر فاطمہ زہرا	658
سلام	شاہ خلیل الرحمٰن خلیلؔ بانسوی	659

ستائش نامے

ڈاکٹر محمد شعائر اللہ خاں وجیہی، سلمان کبیر نگری، قاری محمد رفیق قاضی فائزؔ فتح پوری، عرش صہبائی، بشیر الحق بشیر، پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد اللہ، شارق عدیل مارہروی، ڈاکٹر آفاق فاخری، سمیعہ ناز اقبال، رشید اختر خاں، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، الحاج سید محمد مفیض الدین قادری، ڈاکٹر سید چندا حسینی اکبر، امجد جاوید۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اداریہ

''دبستان نعت'' کا چوتھا شمارہ اس وقت آپ کے پیشِ نظر ہے۔اب تک کے تین شماروں کے متعلق اہل علم ونظر نے جس دِقّتِ نظری سے ان کا مطالعہ کر کے اپنی گراں قدر آرا سے ہمیں نوازا یقیناً وہ لائقِ صد ستائش ہیں مگر اعتماد کی اس منزل میں نہیں کہ ان پر تکیہ کر کے ہم فکر فردا سے بے نیاز ہو جائیں اس لیے کہ: ؎

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

میری فہم ودانست میں صنف نعت پر تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی اعتبار سے اب تک جو کچھ بھی لکھا گیا ہے یا لکھا جا رہا ہے وہ اکثر اس کے مزاج اور نفسیات سے ہٹ کر ہے۔نعت کی تخلیق، تحقیق اور تنقید کا اپنا ایک الگ مزاج اور نقطۂ نظر ہے اور وہ اس کا اصناف ادب میں منفرد ہونا ہے۔اس کی انفرادیت و عظمت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات سے ہم رشتگی اور اظہار عقیدت وگرویدگی کے سبب ہے۔

یہ مسلمہ ہے کہ کائنات کی کوئی بھی شئ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے لیے مُمَثّل لہٗ (Any Iconic Illustration) نہیں بن سکتی ہے اس لیے کہ اس عالم رنگ وبو میں حُسن وخوبصورتی اور جمالیات کے جو بھی عناصر ہیں وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سبب ہیں اور اپنی ذات کی بقا میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محتاج ہیں، جو شئ کسی کی محتاج ہو وہ مفضول ہوتی ہے اور جو مفضول ہو وہ افضل کی صفت نہیں بن سکتی ہے اس لیے کہ وہ افضل سے مقام ومرتبے میں فروتر ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ کائنات کی کوئی بھی شئ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت نہیں بن سکتی تو وہی نسبت وتعلق نعت کی تخلیق، تحقیق اور تنقید سے بھی ہے اس لیے کہ نعت کی تخلیق وتحقیق اور تنقید میں فکر کا محور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور ان کی صفات ہی ہوتی ہیں ہاں جس طرح سے مفضول افضل کے لیے وسیلۂ اظہار بن سکتا ہے اسی طرح دیگر اصناف ادب سے

فکری جولانی حاصل کر اُس کو تاباں وتوانا تو بنایا جا سکتا ہے مگر اُن کو مُمَثّل لہٗ نہیں بنایا جا سکتا۔ عاشق رسول علامہ اقبالؔ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے۔

اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار

ممکن ہے کہ میری یہ بات یا میرا یہ نظریہ لوگوں کو نا معقول لگے اور لوگ ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جائیں مگر میں اس حقیقت کو نہایت ہی خود اعتمادی سے ایک مثال کے ذریعے واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اردو کے عظیم نعت گو شاعر حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ہم میں سے کون واقف نہیں اور ان کی نعت گوئی کا کون معترف نہیں وہ اسی نظریے کو اپنی ایک نعت میں پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اُنھیں کی بو مایۂ سمن ہے انھیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انھیں سے گلشن مہک رہے ہیں انھیں کی رنگت گلاب میں ہے

انہوں نے اس شعر میں گلاب کو بطور تمثیل وتشبیہ نہیں پیش کیا ہے بلکہ گلاب کی رنگت اور خوشبو کو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رہین منت قرار دیا ہے اور کائنات میں جو حُسن وخوبصورتی اور جمالیات کی جلوہ باریاں ہیں وہ سب کی سب سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سبب ہیں۔

مگر جب ہم اسی موضوع کے تحت اردو شعرأ کے کلام کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اکثر شعراء کے یہاں لب ولہجہ اور فکری ارتکاز کا رنگ وروپ بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ ’’گلاب‘‘ کے پھول کو انھوں نے مختلف انداز میں اپنی فکر وفن کا موضوع بنایا ہے، کبھی محبوب کے خط وخال، لب ورخسار اور کبھی محبوب کی خوشبو کے لیے بطور تشبیہ وتمثیل استعمال کیا ہے اُنکی یہ تشبیہات وتمثیلات درج ذیل اشعار میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ میر تقی میرؔ فرماتے ہیں۔

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

میر تقی میرؔ نے اپنے اس شعر میں محبوب کے ہونٹوں کو گلاب کی پنکھڑی سے تشبیہ دی ہے۔

اور احمد فرازؔ کی تشبیہ وتمثیل کا لب ولہجہ تو بیسویں صدی میں آکر بالکل ہی جدیدیت کے رنگ میں ڈھل گیا۔ وہ فرماتے ہیں۔

بھری بہار میں اک شاخ پرَ کھلا ہے گلاب کہ جیسے تونے ہتھیلی پہ گال رکھا ہے

نعت کا سب سے بڑا وصف محبت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ دیگر اصناف میں بھی عموماً محبت ہی کے تذکرے ہوتے ہیں مگر دیگر اصناف جیسی محبت کو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

محبت کا معیار نہیں بنایا جا سکتا، دنیاوی معاشقے پر محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ عموماً جب ہم نعت کی پاک باز محفلوں یا نعتیہ مشاعروں میں نعت گوشعراء سے اس طرح کے کلمات سنتے ہیں کہ ''تغزل'' کے پیرایے میں بہت ہی عمدہ کلام یا بہت ہی پیاری نعت کہی ہے تو فوراً ہی ذہن دماغ میں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ''انداز تغزل'' سے کیا مُراد ہے؟ اگر میرؔ و غالبؔ کی غزلوں کے لب و لہجے یا ان کے معاشقے پر قیاس کر کے کہی گئی نعت، اگر ان کے معاشقے پر قیاس کر کے کہی گئی ہے تو اظہر من الشمس ہے کہ یہ نعت گوئی کے تقدس اور اس کی پاک دامانی پر سوالیہ نشان ہے جیسا کہ ابھی اُپر اس کی وضاحت گذری۔ لہٰذا نعت گوئی یا نعت خوانی کے تئیں ہمیں اپنی فکر اور نقطۂ نظر کو بدلنا ہوگا اس کی لفظیات، اس کے استعاراتی نظام کے آداب سے ہمیں کماحقۂ شناسائی حاصل کرنی ہوگی خاص کر بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جو آداب قرآن و حدیث نے ہمیں سکھائے ہیں وہ پیش نظر رکھنے ہونگے بغیر اس کے حقیقی نعت نگاری نہیں ہوسکتی۔ یہاں تو محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاک دامانی کے ساتھ جسم و روح کا باوضو رہنا بھی مشروط ہے۔

نعت کی تخلیق، تحقیق اور تنقید کی حساسیت کو ہم اوج ثریا سے آگے لے جاسکتے ہیں اس کے لیے ہمارے اسلاف کے ادوار و اطوار اور ان کی نقوش فکر ہماری منزل کی رہنمائی کے لیے بے تاب ہیں، انہوں نے میدان نعت گوئی میں جن نئی جہتوں اور سمتوں کی سراغ رسانی کر اس سفر کو آگے بڑھایا ہے ہمیں ان سے عروج و ارتقاء کی منزلیں صاف دکھائی دے رہی ہیں۔

اردو کے ایک نعت گوشاعر جناب ریاضؔ انصاری گوالیری کے درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں جن سے ان کی واردات قلبی اور نعت گوئی کی جہتوں کا آپ کو بخوبی اندازہ ہوگا۔ اُن کی درج ذیل نعت پڑھکر آپ کی جو قلبی کیفیت ہوگی وہی نعت گوئی کا صراط مستقیم اور منزل مقصود ہے۔ کیا اس کا ایک ایک شعر آپ کے تارِ نفس کو نہیں چھور ہا ہے یقیناً چھور ہا ہے میں اذعان و ایقان کی اس منزل میں ہوں کہ آپ اس کی صداقت اور دل و دماغ پر پڑنے والے اثرات سے سرِ مو انحراف نہیں کر سکتے ہیں۔ آپ کا دل عشق رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سرشار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

صبا مدینے پہنچ کے پہلے، نبی سے میرا سلام کہنا
پھر اُن سے احوال شوق والفت، بہ لُطف وصد احترام کہنا

اگر مرا نام تجھ سے پوچھیں، تو عرض کرنا ریاضِ احقر
اگر کہیں کون شخص ہے یہ تو ''آپ کا اک غلام'' کہنا

کریں جو دریافت حال میرا، تجھے قسم ہے بصد دیانت
یہاں جو مجھ پہ گزر رہی ہے، وہ حال میرا تمام کہنا
اگر یہ پوچھیں کہ یاد کرتا ہے، بھول کر وہ ہمیں بھی
زبان پر اُس کی ہر گھڑی ہے، فقط تمہارا ہی نام کہنا
غرض وہاں جا کے سب سُنانا، مرے غم و درد کی کہانی
مری پریشانیوں کی روداد، اُن سے تا اختتام کہنا
جو یاد میں اُن کی حالِ دل ہے، وہ سب تم اُنھیں سُنا کر
جو اُن کی فرقت میں کیفیت ہے، وہ کیفیت لا تمام کہنا
اگر کچھ اُس میں سے بھول جائے، تو خیر لیکن تجھے قسم ہے
مری محبت کا حال اُن سے، تمام بالالتزام کہنا
مجھے بھی ہمراہ لے چلو تم، ارے مدینے کو جانے والو
یہی مرا شغل ہو گیا ہے، ہر اک سے صبح و شام کہنا
کوئی ہمدم نہ کوئی مونس، نہ کچھ وسیلہ نہ کچھ ذریعہ
نہ پاس اُس کے ہے جینے مرنے کا کوئی بھی انتظام کہنا
زیارتِ روضۂ منور کی اُس کو حسرت ہے عمر بھر سے
بُلا لو اس کو بھی پاس آقا، ریاضؔ کا یہ پیام کہنا

نعتیہ ادب پر اب تک لکھی گئی تقریباً تمام تر کتب میرے مطالعے سے گذر چکی ہیں ان میں پیش کیے گئے افکار و نظریات میں دو نظریے مجھے فرسودہ اور قیاس مع الفارق نظر آتے ہیں۔ اوّلاً یہ کہ ''نعت گوئی بہت ہی مشکل فن ہے'' اور دوسرا ''نعت گوئی میں شعراء نے غلو سے کام لیا ہے''۔ پہلے نظریئے کی تردید استاذ محترم پروفیسر سید ابو الحسنات حقّی کی درج ذیل تحریر سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے ذاتِ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں غور خوض کے بعد ایک نئی جہت اور ایک نئے نظریے کو پیش کیا ہے اور وہ نظریہ ہے نعت گوئی کے ذریعے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ تقرب حاصل ہو جاتا ہے جو ہمیں غلطی کے امکان سے محفوظ و مصون رکھتا ہے، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

''نعتیہ شاعری نے ہمیں فروغِ قد و قامت کے مواقع بھی فراہم کیے ہیں۔ پہلے لوگ فنِ نعت کو تلوار پر چلنے کا فن سمجھتے تھے۔ لیکن آج دلوں کو وجدان

کی وہ شکل عطا کر دی گئی ہے کہ وہ شاعر جو دین سے حسب ظاہر کوئی شغف نہیں رکھتے لیکن نعت کی وادی میں ان کا ہر قدم لغزش سے پاک ہوتا ہے۔
اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روح کی سطح پر اتنے قریب ہو چکے ہیں کہ وہ محبوبِ کبریا ہمیں غلطی کے امکانات سے خود بچا لے جاتے ہیں، ہم وجدان کی سطح پر حامل عشقِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔
ہم سے غلطی کیسے ہو سکتی ہے۔ ہمارا لفظ ہمارا حرف ہمارا استعاراتی نظام سب کچھ عشق محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روشن ہے یہ روشنی ہمیں ہر تاریکی سے محفوظ رکھتی ہے، ہم اس روشنی کی امان میں ہیں ہمیں لغزش کا خطرہ کیسے ہو سکتا ہے۔''

سوینیر ''آبشار مدحت''مولانا محمد قسم حبیبی۔ بزم قاسمی برکاتی، کان پور صفحہ-۲۶

مذکورہ قول کی روشنی میں میرا اپنا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر نعت گو شعراء کے نعتیہ کلام میں کوئی لفظی یا معنوی لغزش در آتی ہے تو اس کا مطلب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ نعت گوئی کے لئے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو تقرب شاعر کو درکار ہے وہ اُسے حاصل نہیں۔

اسی طرح سے نعت گوئی میں غلو کا مسئلہ بھی ہے، میری اپنی فہم و فراست میں غلو یا مبالغے کا حکم دیگر اصناف پر تو عائد کیا جا سکتا ہے مگر نعت پر نہیں، اس لیے کہ یہ اس سے ماوریٰ ہے بایں سبب کہ اس صنف سخن میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اور اوصاف کو فکر کا موضوع بنایا جاتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک باعث تکوین عالمین ہے۔ تو نعت میں مبالغہ کہاں سے اور کیسے ہو سکتا ہے۔ میری اپنی دانست میں نعت میں خلافِ شرع کلمے تو در آ سکتے ہیں مگر کسی شاعر کو یہ قدرت ہی نہیں کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ کے لیے مبالغہ کر سکے۔ خود نعت گو کی ذات اور اس کے نعتیہ افکار و خیالات جنہیں وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی جاہ میں بطورِ خراج تحسین پیش کر رہا ہے ان کی عظمت و بزرگی کے مقابلے میں کم تر اور فروتر ہیں تبھی تو عاشقِ صادق عرفی شیرازی نے فرمایا ہے ۔

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب ہنوز نامِ تو گفتن کمالے بے ادبی است

یہی سبب ہے کہ ہر شاعر نعت لاکھ لکھ، پڑھ لینے کے باجود خود کو غالبؔ کے درج ذیل شعر کی گرفت میں محسوس کرتا ہے ۔

غالبؔ ثنائے خواجہ بیزداں گذاشتیم کہ آں ذاتِ پاک مرتبہ دان محمد است

سید نور الحسن نورؔ نوابی فتح پوری کا اعترافیہ دیکھئے کتنے خوبصورانداز میں فرماتے ہیں ۔

میں ذرّۂ حقیر وہ ممدوحِ کبریا کیا شعر کہہ سکونگا بھلا ان کی شان میں

میرے اس نظریے کی تائید وتوثیق ڈاکٹر راہی فدائی (بنگلور) کے درج ذیل اقتباس سے بھی ہوتی ہے وہ تحریر فرماتے ہیں۔

''غلو یا مبالغے کے سلسلے میں ایک اہم بات یہ عرض کرنی ہے کہ جس مقدس و منور شخصیت کی تعریف وتوصیف میں غلو یعنی حد سے تجاوز کرنے کا جو خدشہ ظاہر کیا جاتا ہے، اس کی ذاتِ اقدس کی شانِ رفعت وشوکتِ رسالت کے حدود کون جانے؟ اگر کوئی نعوذ باللہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ کمالِ بلندیٔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حقیقتِ محمدی کا واقف کار ہے تو وہ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹا ہے۔ یہ اس لیئے کہ وہی شخص اس طرح کی بیہودہ گوئی کرسکتا ہے جو رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نعوذ باللہ خود کو بلند و برتر سمجھتا ہے۔ وہ تو صاحبِ ایمان کجا انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں ہے، وہ ذاتِ انور جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی مہمان نوازی سے سرفراز فرمایا ہو، اپنے دیدار سے مشرف کیا ہو اور وہ جس کی شان میں ''وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ'' مژدہ سُنایا گیا ہو جسے ''وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى'' (سورۂ انفعال، آیت ۱۷) کی نسبت خاص عطا فرمائی ہو اور ''اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ۔'' (سورۂ فتح، آیت ۱۰) کی نوری سند بخشی ہو، اس کی ہمسری کا دعویٰ عزازیل بھی کرنے سے قاصر ہے، اس صورت میں کس کی جرأت ہوسکتی ہے کہ یہ کہے رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرتبۂ رسالت کی حد یہاں ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد خدائے عزّ وجلّ کی اُلوہیت کی شروعات ہو رہی ہے جب تمام مخلوق اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ سے کما حقہ واقف نہیں ہے تو کیونکر یہ دعویٰ صحیح ہوگا کہ رسالت کے حدود سے تجاوز کر کے اُلوہیت کی حد میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف داخل ہوگئی ہے۔''

''دبستانِ نعت'' ڈاکٹر سراج احمد قادری شمارہ نمبر ۳ جنوری تا دسمبر ۲۰۱۸ء نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا، خلیل آباد ضلع سنت کبیر نگر، یوپی، انڈیا۔ صفحہ ۱۴۱/۱۴۲

مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نعت گوئی میں ان دونوں فاسد نظریوں کا دخول فارسی نعتیہ شاعری کے

ذریعے ہوا ور نہ جب ہم عربی نعتیہ شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان دونوں نظریوں کا تصور دور دور تک کہیں نظر نہیں آتا۔ عربی کے کسی بھی شاعر نے نعت گوئی کے حوالے سے اس طرح کی کوئی بات تحریر نہیں کی ہے کہ نعت گوئی بہت مشکل فن ہے یا اس کے ڈانڈے ایک طرف اُلوہیت دوسری طرف رسالت سے ملتے ہیں۔ مشہور سیرت نگار حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایۂ ناز تصنیف لطیف ''مدارج النبوۃ'' میں رقم طراز ہیں:

''اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ کسی مسلمان نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے عرض کیا کہ آپ ہم مسلمانوں کی جانب سے اُن لوگوں کی مذمت کیجیے جو مسلمانوں کی ہجو کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے اجازت مرحمت فرمادیں تو میں ایسا کروں۔ جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سُنی فرمایا علی اس کام کے لائق نہیں جیسا ہم چاہتے ہیں اور نہ علی مرتضیٰ اس بات کو چاہیں گے جو تم اُن سے چاہتے ہو، اس کے بعد فرمایا کون ہے جو مسلمانوں کی مدافعت کرے جس نے اپنے ہتھیاروں سے خدا کے رسول کی مدد کی ہے وہ اس میدان میں بھی اپنی زبانوں سے مدد کرے۔ اس پر حضرت حسّان نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اس کام کے لیے حاضر ہوں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم کس طرح ان کی ہجو اور مذمت کروگے جب کہ تمہارا نسب ان میں ہے اور میرا نسب بھی ان کے ساتھ ہے اور ان کا نسب مجھ میں داخل ہے اور تم ابو سفیان کی کیسے ہجو اور مذمت کروگے درآنحالیکہ وہ میرے چچا کے بیٹے ہیں حضرت حسان نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں آپ کو ان میں سے ایسا نکال لونگا جس طرح آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔''

مدارج النبوۃ جلد دوم (اردو ترجمہ) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ادبی دنیا دہلی صفحہ ۱۰۱

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ نعت گوئی میں جو سب سے مشکل چیز تھی اس کا ذکر خود رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زبان پاک سے فرماتے ہوئے اس کا حل بھی فرمادیا۔ اگر نعت گوئی اتنی ہی مشکل ہوتی تو اس کا حل ضرور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمادیا ہوتا اس لیے کہ ان کی بعثت ہی اسی لیے ہوئی تھی کہ امت کا کوئی بھی مسئلہ تشنہ طلب نہ رہ جائے۔

جس طرح سے ہم نے ''دبستان نعت'' کے تیسرے شمارے میں ڈاکٹر محمد آصف مراد آبادی کا

فقید المثال مضمون ''اردو نعت کا اوّلین ناقد تمنا مراد آبادی'' شائع کیا تھا جس کی خوب خوب پذیرائی ہوئی بالکل اسی نہج کا بلکہ اس سے مبسوط اور جامع مضمون ہم نے اس شمارے میں ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتحپوری کا اردو کے اوّلین نعت گو یا تخلیق نگار پر بہ عنوان ''چنداین مولانا داؤد ڈلمئی اور نعت شریف ایک تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' شامل کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب: نے اپنے اس تحقیقی مقالے میں مُلّا داؤد ڈلمئی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اردو ادب کا اولّین تخلیق نگار اور اردو کا پہلا نعت گو ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی تحقیق انیق سے مُلّا داؤد ڈلمئی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی ''چنداین'' کو اردو کی اوّلین تخلیق قرار دیا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

''راقم کے نزدیک جیسا کہ ماقبل میں کہا گیا ہے، چنداین کی زبان ملا داؤ کے خود کے بیان کے مطابق:

''تُرکی لِکھ لِکھ ہندکی گائی''

ہندکی یا ہندوی ہے، جو اردو کا ابتدائی نام ہے۔ اس زمانے کی ملکی زبان یہی ہندکی یا ہندوی تھی۔ اودھی ملا داؤد کے ڈلموٴ اور ردولی ضلع بارہ بنکی کی علاقائی زبان تھی۔ اس مثنوی کا رسم الخط ''تُرکی'' یعنی فارسی ہے۔''

نیز تحریر فرماتے ہیں۔

''جیسا کہ راقم نے اسی مضمون میں پہلے بھی رقم کیا ہے کہ چندائن اردو کی پہلی مثنوی ہے، جس میں ایک نیا پن یہ کیا گیا ہے کہ اس مثنوی کے ہر بند کے چھ ابیات میں سے ابتدائی پانچ ابیات میں مثنوی کے بحر کے ارکان کی تعداد کم اور چھٹے بیت میں ارکان کی تعداد زیادہ رکھی گئی ہے، اس لئے اس مثنوی کے ہر بند کا چھٹا بیت متعلقہ بند کے دیگر ابیات کے مقابلے میں بڑا ہو گیا ہے، چنانچہ راقم نے اس مثنوی کی بحر، اس کے قوافی اور اس کی تقطیع کو مدّ نظر رکھ کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ موضوع بحث سترہویں بند کا پہلا بیت حسب ذیل طور پر ہی درست ہے۔

برس سات سو ہوئے اکیاسی

تہِ ما یہ کوئی سرس ابھیا سی''

اس مثنوی کے بارے میں اگر دوٹوک لفظوں میں یہ کہا جائے کہ اس کے اردو زبان کی پہلی تخلیق ہونے اور اس کی سنِ تخلیق کی وضاحت خود مثنوی نگار حضرت مُلّا داؤد ڈلمئی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کر دی ہے کہ میں نے اس مثنوی کو (ہندکی یعنی اس دور کی اردو زبان) میں ۷۸۱ھ میں تخلیق کیا ہے تو بالکل درست ہو گا۔

ہماری اب تک کی کدوکاوش سے قارئین کرام نے مجلّے کے مزاج کو بخوبی سمجھ لیا ہوگا کہ اس کا مزاج اور اس کے اغراض و مقاصد کیا ہیں۔گذشتہ دو شماروں میں ہم نے نعت کے (دین دیال اُپادھیائے) گورکھ پور یونیورسٹی گورکھ پور اور روہیل کھنڈ یونیورسٹی ، بریلی کے ایم۔اے اردو میں شامل نصاب ہونے کی خوشخبری دی تھی۔اس بار ہم اسی نہج کی خوشخبری لے کر آپ کی خدمت میں پھر حاضر ہیں ۔میرے نہایت ہی کرم گستر محترم جناب ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیلؔ راٹھوی نے یہ خوشخبری دی ہے کہ ہری سنگھ گوڑ یونیورسٹی ،ساگر، مدھیہ پردیش میں بھی ان کی کوششوں سے نعت شامل نصاب ہے اور ان کی کتاب ''خُلقِ پیغمبری'' وہاں پر ۱۹۹۴ء سے پڑھی اور پڑھائی جارہی ہے اس حوالے سے انہوں نے ہمیں یونیورسٹی کے نصاب (Syllabus) کی فوٹو کاپی بھی فراہم کی جو مجلّے کے آخر میں شائع کی جارہی ہے۔ڈاکٹر صاحب کی اس مستحسن کوشش کی ہم دل کی گہرائیوں سے پذیرائی کرتے ہوئے ان کی خدمت میں صدہا مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

''دبستان نعت'' کی شعاعیں اب اکناف عالم میں پھیلتی جارہی ہیں جس کے اثرات کے سبب دیدہ وروں اور دانشوروں کا طبقہ اس کی جانب طبعی اور فکری اعتبار سے متوجہ ہورہا ہے۔ہمیں امید ہے کہ مستقبل قریب میں اس کی آفاقیت اور مقبولیت میں مزید اضافہ ہوتا جائے گا۔(ان شاءاللہ تعالیٰ)

''دبستان نعت'' میں پہلی بار شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی، دہلی کے ایمرٹس پروفیسر ڈاکٹر عبدالحق صاحب کا ایک تحقیقی مقالہ ''ذکر حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جمالیات قرآن ولّی کے حوالے سے'' شامل ہورہا ہے۔یہ تحقیقی مقالہ انہوں نے نہایت ہی عرق ریزی اور جاں فشانی سے قلم بند کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی علمی و ادبی شخصیت پر مجھ جیسے کم علم کا کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانا ہوگا۔ان کی علمی و ادبی شخصیت کسی پر مخفی نہیں ایک زمانہ ان کے علم و فضل کا معترف ہے۔

نیز شعبۂ اردو الازہر یونیورسٹی قاہرہ ،مصر سے بھی ہمیں محترم پروفیسر ڈاکٹر احمد محمد احمد عبدالرحمٰن صاحب کا ایک وقیع مقالہ ''عربی اور اردو زبان میں نعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' دستیاب ہوا ہے جو اس شمارے کی زینت ہے۔یہ مقالہ کئی جہتوں سے اختصاصی خوبیوں کا حامل ہے اولاً انہوں نے اس مقالے کو انٹرنیشنل میگزینس کے پیٹرن پر ترتیب دیا ہے جس میں حواشی اور حوالوں کا خصوصی التزام کیا گیا ہے۔ڈاکٹر صاحب :نے اپنے اس تحقیقی مقالے میں عربی اور اردو نعتیہ شاعری کے ان تمام افکار و ابعاد کا احاطہ کیا ہے جو قارئین کرام کی لذتِ روح و نشاط ثابت ہوں گے۔

''دبستان نعت'' کا یہ شمارہ بھی اپنے پہلے تین شماروں کی طرح درج ذیل موضوعات پر مشتمل

ہے۔تحمید وتقدیس کے تحت تین حمد پاک زینت مجلّہ ہیں جس میں اس بار ایک غیر منقوط حمد پاک شامل ہے جو یقیناً قارئین کرام کی فکر کے لیے ذوق کا بہترین ساماں ہے۔تحقیقی وتنقیدی مقالات ومضامین کو ''تابشِ فکر ونظر''اور دیگر نعتیہ مقالات ومضامین کو''افکار روشن'' کے تحت ہی شائع کیا گیا ہے۔''زاویۂ نگاہ'' دبستان نعت کے تیسرے شمارے کے تبصرے اور تجزیے پر مشتمل ہے۔تیسرے شمارے میں نعتیہ مجموعوں پر تبصرے شامل نہیں ہو سکے تھے اس بار'' کائنات نعت'' کے تحت شامل اشاعت کیے جا رہے ہیں''گلہائے عقیدت'' کے تحت مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عقیدت کیشوں کے نعتیہ کلام پیش کیے جا رہے ہیں جنہیں پڑھکر قارئین کرم ضرور بہ ضرور محظوظ ہوں گے۔

''دبستان نعت'' کا قلمی تعان فرمانے والے سبھی اہل قلم حضرات کے ہم دل کی اتھاہ گہرایوں سے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اپنے گراں قدر مقالات ومضامین ارسال کئے جس سے کہ اتنا خوبصورت اور وقیع مجلّہ ہم آپ کی خدمت میں پیش کر فخر محسوس کر رہے ہیں۔ہمیں امید واثق ہے کہ مستقبل میں بھی اسی طرح آپ سبھی حضرات کا قلمی تعاون ملتا رہئے گا۔ان شااللہ تعالیٰ

''دبستان نعت'' کے اس شمارے کو آراستہ و پیراستہ کرنے میں ہم نے اپنے طور پر کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی لیکن اس کے باوجود اگر آپ کو کہیں بھی کوئی کوتاہی یا لغزش نظر آئے تو اسے ہماری کج فہمی اور کوتاہی فکر تصور کر کے درگزر کرتے ہو آگاہ فرمانے کی زحمت فرمائیں جس سے کہ ہماری اصلاح ہو سکے اور آئندہ شمارہ فروگذاشتوں سے پاک ہوکر اپنی سربلندیاں حاصل کر سکے۔ہم نے پوری پوری کوشش کی ہے کہ اس مجلّے کے ذریعے آپ کو آقا علیہم السلام کا ایسا خاص تقرب حاصل ہو جس کی روشنی، خوشبو اور حسنات وبرکات تادم زیست آپ کو شادکام رکھیں۔ان شااللہ تعالیٰ

خدا جانے یہ کیسا ہے جنونِ شوق کا عالم
کسی کے ذکر پیہم سے نہیں تھکتی زباں میری

(خلیؔق فیض آبادی)

ڈاکٹر سراج احمد قادری

تحمید وتقدیس

کس زباں سے ہو تری حمد و ثنا ربّ کریم
میں ترا بندۂ احقر تو ہے مولائے عظیم

حنیف کیفی

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

اے خالقِ و مالک ربِّ علیٰ سبحان اللہ سبحان اللہ
تُو ربّ ہے مرا میں بندہ ترا سبحان اللہ سبحان اللہ

ہم منگتے ہیں تو مُعطی ہم بندے ہیں تو مولیٰ ہے
محتاج ترا ہر شاہ و گدا سبحان اللہ سبحان اللہ

ہم جُرم کریں تو عفو کرے ہم قہر کریں تو مہر کرے
گھیرے ہے جہاں کو فضل ترا سبحان اللہ سبحان اللہ

تو والی ہے ہر بیکس کا تو حامی ہے ہر بے بس کا
ہر اک کے لیے در تیرا کُھلا سبحان اللہ سبحان اللہ

رازق ہے مور و مگس کا تو، غفار ہے نیک و بد کا تو
ہے سب پر تیری جود و عطا سبحان اللہ سبحان اللہ

ہم عیبی ہیں ستار ہے تو ہم مجرم ہیں غفار ہے تو
بد کاروں پر بھی ایسی عطا سبحان اللہ سبحان اللہ

ترے عشق میں روئے مُرغ سحر، ترا نام ہے مرہم زخم جگر
ترے نام پہ میری جان فدا سبحان اللہ سبحان اللہ

یہ سالکؔ مجرم آیا ہے اور خالی جھولی لایا ہے
دے صدقہ رحمتِ عالم کا سبحان اللہ سبحان اللہ

حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی سالکؔ بدایونی

حمد باری تعالیٰ جل جلالہٗ

ہر گھڑی دل ہے دیتا گواہی تری، تو نے دنیا کو دی ارتقائی جھلک
کور باطن ہی منکر ہوئے ہیں ترے، تیری قدرت کی ہر شے میں آئی جھلک
اپنے محبوب کا کر دے صدقہ عطا، اُن کی سیرت پہ چلنے کی توفیق دے
اپنے کردار میں کاش آ جائے اب، اے خدا! اِک ذرا مصطفائی ﷺ جھلک
تو نے شمس وقمر کو مسخر کیا اور قرآن میں ہم کو بتلا دیا
چاند کو نور تو نے عطا کر دیا اور سورج کو دی ہے ضیائی جھلک
تو ہی خلاق ہے ، تو مصور بھی ہے جیسی چاہے بنا دیتا ہے صورتیں
تیرا شہکار بے شک جمالِ نبی ﷺ ،تو نے یوسفؑ کو دی مہ لقائی جھلک
تجھ کو الفت بہت اپنے بندوں سے ہے، مائیں ستر بھی پیچھے ہیں اس راہ میں
مادرِ مہرباں کی ملی مامتا، ہم نے تیری محبت کی پائی جھلک
تو ہے واحد ، وحید اور یکتا ہے تو، کوئی تجھ سا نہیں ، کوئی تجھ سا نہیں
نورِ عرفانِ حق سے منور ہو دل ، دُور کر دے الٰہی! پرائی جھلک
تو نے نورالہدیٰ ﷺ کو بلایا قریں، شب میں معراج کی قربتیں بخش دیں
طور پر تو نے موسیٰؑ کو اے میرے رب ! اِک ذرا نور کی تھی دکھائی جھلک
اپنے بندوں سے روزِ ازل اے خدا ! یاد ہم کو ہے تیرا سوالِ 'الست'
پھر جوابِ 'بلٰی' میں تھی جو روشنی، قلب میں ہے اُسی کی سمائی جھلک
تجھ سے ہے ملتجی تیرا تنویرؔ پھولؔ، اس کے اشعار کو نکہت و نور دے
اس کو معراجِ حمد و ثنا کر عطا ، اس کے شعروں کو دے ماورائی جھلک

تنویر پھولؔ (نیویارک)

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

وہی ہے ارض و سما کا مالک، رؤف ہے وہ رحیم ہے وہ
وہی ہے جن و بشر کا خالق، خبیر ہے وہ علیم ہے وہ
یہ چاند سورج پہاڑ دریا، اُسی نے سب کو کیا ہے پیدا
وہی خدا ہے وہی ہے مولا حفیظ ہے وہ حلیم ہے وہ
زمین اور آسماں میں جو ہیں اُسی کی تسبیح کر رہے ہیں
شجر حجر اُس کے ہیں ثنا خواں حمید ہے وہ عظیم ہے وہ
طیور گُن اُس کے گا رہے ہیں شجر جبیں کو جُھکا رہے ہیں
دعا کو ہم ہاتھ اُٹھا رہے ہیں غفور ہے وہ حکیم ہے وہ
وہی مصیبت کو ٹالتا ہے وہی گناہوں کو بخشتا ہے
وہ رزق ہر اک کو بانٹتا ہے وہی ہے رازق کریم ہے وہ
اُسی کی دی ساری نعمتیں ہیں اُسی کی دی ساری برکتیں ہیں
اُسی کی ہم پر عنایتیں ہیں مجیب ہے وہ نعیم ہے وہ
وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن نہیں ہے کوئی شریک اس کا
کہ وحدہ لاشریک ہے وہ سمیع ہے وہ قدیم ہے وہ
وہی جو اقبالؔ سب کا رب ہے اُسی کو زیبا ہے کبریائی
وہی ہے روز جزا کا مالک کہ رب عرش عظیم ہے وہ

علامہ اقبالؔ اعظمی (گھوسی، یوپی)

مرے خالق

مرے خالق
میں کوشش کر رہا ہوں حمد پر اظہار کرنے کی
مرے خامہ کو نورانی سیاہی سے فروزاں کر
مرے لفظ و معانی میں ثناء کا وصف پیدا کر
مرے قرطاس کو حمدِ مثالی کی ضیاؤں سے
شفق آثار فرما دے
مرے خالق
زمین و آسماں کی وسعتوں میں جو بھی روشن ہے
تری حکمت سے روشن ہے
مرے خالق
جو ظاہر ہے وہی باطن کی رگ رگ میں مزیّن ہے
یہی احساس ہے جو قوتِ اظہار کی جرأت سے انساں کو
سدا سرشار رکھتا ہے
مرے خالق
مذاہب کی، عقائد کی، جدا رسموں کے اندر بھی
ترے جلوے مزین ہیں
عجب اک پیاس ہے دیدار کی آنکھوں کے اندر بھی
جو موسیٰ کے لبوں پر آ گئی تھی ایک دن یوں ہی

مگر کیسی تجلی تھی
کہ موسیٰ ہوش کے احساس تک سے ہو گئے غافل
مرے خالق
فلک کو چھونے والی آگ ابراہیم کو چھونے سے پہلے ہو گئی ٹھنڈی
کہ تیرے حکم کی تابع زمانے کی ہر اِک شے ہے
مرے خالق
تری حکمت کہ اک مچھلی شکم میں لے کے یونس کو
چلی دریا کے ایسے خطۂ پُر نور کی جانب
جہاں کنکر تری توحید کا عرفان رکھتے تھے
مرے خالق
یہ سارے واقعے ہم کو بتاتے ہیں
یہ دنیا صرف تیری حکمتوں کے ساتھ چلتی ہے
کہیں پر دور تک پھیلے ہوئے صحرا
ہواؤں کی قیادت میں فضا میں اڑتے پھرتے ہیں
کہیں پر شوخ جھرنوں کی صدائیں بھی
فضاؤں کو ترے احساس کے گیتوں سے بھرتی ہیں
مرے خالق
پہاڑوں کے چٹانوں کے چمکتے سخت جسموں پر
جو صنّائی کے دلکش سے حسیں منظر ابھرتے ہیں
تری قدرت
ترے عظمت کا یوں اظہار کرتے ہیں
کہ ذرّہ ذرّہ مہتابی کرن محسوس ہوتا ہے
مرے خالق
درختوں کی لچکتی جھومتی شاخیں
پھلوں سے اور پرندوں سے سدا معمور رہتی ہیں

کرم تیرا
گلوں کی خوشبوؤں کی مثل جب آ کر
چمن میں مسکراتا ہے
بہاریں حمد کے اظہار میں غرقاب ہوتی ہیں
مرے خالق
زمینِ ظاہری کی مثل تیری اور بھی کتنی زمیں ہیں
ازل سے آب تک جن کو بصارت چھو نہیں پائی
مگر دل سے یہی آواز آتی ہے
وہاں کے بسنے والوں کو
تری وحدانیت کے حسن پر کامل یقیں ہوگا
مرے خالق
ہر اک مخلوق تیرے شکر کی محفل سجاتی ہے
ترے ہی فکر سے احساس کی شمعیں جلاتی ہے
مگر اس فرش خاکی پر کچھ ایسے عقل کے اندھے بھی بستے ہیں
جو تیری ذات سے مشکوک رہتے ہیں
اُجالے میں بھی ظلمت کے تراشے لکھتے رہتے ہیں
عجب ویرانیاں آنکھوں میں ان کی رقص کرتی ہیں
عجب اک خوف سا ہر لمحہ چہرے پر برستا ہے
مگر یہ بھی حقیقت ہے
وہ اپنی عمر کی جب آخری دستک کو سنتے ہیں
تو یہ محسوس کرتے ہیں
کہ تیری ذات سے انکار کرنے کی جو جرأت تھی
وہ جھوٹی تھی
میرے خالق
تو جب چاہے دلوں کو پھیر دیتا ہے

جسے چاہے ہدایت کا اجالا بخش دیتا ہے
مرے خالق
تری قدرت کے سب محتاج ہیں لیکن
زمیں پر کچھ دنوں سے اب
فسادوں کے دھماکے جنگ کے شعلے
مکانوں کو جلا کر راکھ کرتے ہیں
مکینوں کو نگلتے ہیں
مسلسل وحشتوں کے زندگی میں رنگ بھرتے ہیں
مرے خالق
زمیں سے اب ہوس کی بادشاہت کو
ہمیشہ کے لئے معدوم فرما دے
سکون و امن سے آباد فرما دے
اگر ایسا نہ چاہے تو
تباہی زاد لمحوں میں
زمین و آسماں کی دسترس سے دور جانے کے
ہنر سے آشنا کر دے

شارق عدیل مارہروی (مارہرہ)

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

(غیر منقوط)

عاصی کو آسرا ہے اے مالک دوعالم
سحر و مساء دعا ہے اے مالک دو عالم

رو رو کے کہہ رہا ہوں آ کے درِ حرم سے
ہر لمحہ مسئلہ ہے اے مالک دوعالم

محروم کوئی در سے مولیٰ کہاں ہوا ہے
کس کو کہاں گلہ ہے اے مالک دو عالم

اس کو کرم کہوں گا گر کر اُٹھا ہوں ہر دم
اک حوصلہ ملا ہے اے مالک دو عالم

اسمِ الٰہی ہر اک ، ہے ورد کے لئے ہی
ہر درد کی دوا ہے اے مالک دو عالم

مدّاح ہوں اے مولیٰ سردارِ کامراں کا
اطہر وہاں صلہ ہے اے مالک دو عالم

ساری کمی مری ہے ہر کام ہے ادھورا
الٹا مرا ہے کاسہ اے مالک دو عالم

ہر مرحلہ اے مولیٰ آدم کا سہل کردے
ہر گام کر دے عمدہ اے مالک دو عالم

محمد اسماعیل سورہوی قمرؔ بستوی (یوپی)

تابشِ فکر و نظر

ایک ذرے کا اگر حُسن نمایاں ہو جائے
آدمی شدت انوار سے حیراں ہو جائے

جگر مرادآبادی

پروفیسر عبدالحق (دہلی)

ذکر حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جمالیات قرآن وؔلی کے حوالے سے

انفس آفاق کی روح مذہب ہے۔فکر وعمل کے لئے یہی راہ ہدایت ہے۔جو معاشرۂ انسانی کے ارتقاء کی انتہا ہے۔اسی سے عظیم اقدار کی تخلیق اور تربیت ہوتی ہے۔اقدار کے مختلف عناصر سے ثقافت کا آمیزہ تیار ہوتا ہے۔اس مرکب سے تہذیب کی شناخت اور سرفرازی کا منہاج مقرر ہوتا ہے۔تہذیبی آثار میں افکار و عقائد کا جوہر رگِ خون بن کر رواں رہتا ہے۔خون گرم سے ہی ثقافتی سرگرمیوں کی نمود ممکن ہوتی ہے۔متحرک مجاہدات سے دین و دانش کو فروغ جاوداں ملتا ہے۔تہذیبی تحریک وتفاعل سے تخلیق وجود میں آتی ہے۔ادبیاتِ عالم کے لافانی شاہ کار شاہد ہیں کی ان کی اساس میں مذہبی روح یا اساطیری عناصر کی کارفرمائی ہی موجبِ تخلیق ہے۔عظیم تہذیبوں کے آغوش میں آسمانی یا اساطیری صحائف اور کتابیں موجود ہیں۔انہیں کے وسیلے سے بزرگی و برنائی کا معیار قائم ہوتا ہے۔قرآن مسلم ثقافت کے بے شمار ستون کی بنائے پائیدار ہے ذکر وفکر میں انقلاب آفریں موثرات کے علاوہ انسانی تہذیب کی تربیت میں اس پاک کتاب کا سب سے اہم کردار ہے کتاب کے اثر ونفوذ کا احاطہ آسان نہیں ہے اس سے نسبت رکھنے والی ادبی تخلیقات کو بھی امتیاز واحترام حاصل ہوا۔وہ لازوال ادبی صحیفوں میں شمار کیے گئے۔مثنوی روم وکلامِ اقبال سب کے مشاہدے میں ہے ان کا سرچشمہ فیض کتابِ آخر ہی ہے فکر وفلسفہ ہو یا روز وشب کے معمولات سب کو روشنی بخشنے والی یہی کتابِ ہدایت ہے جو صحفِ سماوی کی آخری تنزیل ہے۔کرۂ ارض کی مسلم ادبیات کا مصدر بھی یہی کلام ربانی ہے اس نے فن کے ابدی اقدار کی نگہبانی اور لفظ ومعانی کی مشاطگی بھی کی ہے یہی فنی عظمتوں کا وجہ امتیاز اور مردِ ہنرمند کے فن کو ابدیت سے ہمکنار کرنے والی کتابِ تخلیق بھی ہے۔اردو شاعری کو نئی

زندگی دینے والے اور شاعری کو جہانِ ممکنات سے آشنا کرنے والے ولی دکنی ہیں۔ ان کی شعری صناعی میں پرتو نور فراہم کرنے والی یہی کتاب ہے۔

مدار بخش مدن ولی کے ایک قابل ذکر شاگرد ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک شعر میں اشارہ کیا ہے کی ولی حافظِ قرآن تھے۔ ولی کے اشعار میں کتاب اللہ کے حوالے مدن کے قول کی توثیق کرتے ہیں۔ مدن کا شعر ہے:

فضل حافظ ولی کے سبق یارو مدن کا شعر اب اتمام ہے گا

مدن کا یہ شعر بیاضِ آبرو میں موجود ہے۔ یہ بیاض پروفیسر سید محمد حنیف نقوی کے ذخیرے میں ہے۔ ولی کا کلیات ضخیم ہے۔ اس میں بیش از بیش اصنافِ سخن موجود ہیں ان میں جگہ جگہ قرآن کریم کی آیتوں کے حوالے ہیں ولی کی لفظیات میں ایک معقول حصہ عربی الفاظ کا بھی ہے جن سے ولی کے شعری آہنگ کی تشکیل ہوتی ہے ان کی شاعری میں عربی تخیلات و تلمیحات بھی ہیں جن سے ان کی اقدار پسندی اور ایمان و یقین کی پختگی کے ساتھ ذہنی و قلبی واردات کا انکشاف ہوتا ہے۔ شمال و جنوب کے کئی شعرا ہیں جن کے یہاں صحفِ سماوی کے حوالوں سے شعری پیکر تراشے گئے ہیں۔ اس سے ان کی قرآن سے نسبت و قربت کا علم ہوتا ہے فنی تلازمات میں کلاسیکی روایات کی پاسداری کا یہ اہتمام ولی کی رفعتوں تک رسائی کا کارگر وسیلہ ہے۔ عظیم تخلیقات کے خمیر میں عقیدہ و ایمان کے اعلیٰ اقدار ہی فن کو ابدیت کی تصویر میں ڈھالتے ہیں شعرِ ولی کی دائمی اور مقدور بھر مقبولیت کے تجزیہ میں کلام کے پاکیزہ تصورات بہت ہی فکر افروز ہیں روایت کے مطابق ایک لاکھ اشعار اور ضخیم مطبوعہ کلیات کے مالک اور ولی کے پیش رو محمد قلی قطب شاہ بھی قرآن کریم کے حوالوں سے اس طرح کلام کو پرنور نہ کر سکے۔ مثنوی نگاروں کے یہاں بھی یہ صورت پیدا نہ ہو سکی۔ ولی کے اکتساب کے سرچشمے بے حساب ہیں جن میں آخری صحیفے کے مندرجات کو مصدرِ اولیٰ کہہ سکتے ہیں:

رات کو آوں اگر تیری گلی میں اے حبیب زیورِ لب ذکرِ سبحان الذی اسرا کروں

پندرہویں پارہ کی سورہ بنی اسرائیل کی یہ پہلی آیت ہے جو معراج نبوی کے عظیم واقعہ کا حرفِ آغاز ہے۔ ولی نے کس خوب صورتی سے ذکرِ حبیب کے تذکرے اور احترام کے لیے اس آیت پاک کو منظوم کیا ہے۔ ایک دوسرا شعر ملاحظہ ہو۔

چہرۂ گل رنگ و زلف موج زن خوبی منیں آیت جنۃ من تجری تحت الانہار ہے [1]

یہاں قرآن پاک کے آخری پارہ کی سورہ بینہ کی آخری آیت منظوم کی گئی ہے۔

'ان کے رب کے پاس ہمیشگی والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں'

معراج نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق ستائیسویں پارہ کی سورہ والنجم کے پہلے رکوع کی آیت کے حوالے کو دیکھیے:

توں ہے حق سیتی ہم زباں و ہم کلام ترا قاب قوسین ادنیٰ مقام۲

سیرت رسول اور معراج مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پس منظر میں یہ آیت بہت معروف و مقبول ہے۔سورہ والنجم کا ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو جو معراج کے عظیم واقعے کا لطیف ترین اور انتہائی فکر انگیز اشارہ ہے۔ ساتھ ہی یہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارک اور شان نبوت کی عظمتوں کا اقرار نامہ ہے، جسے اسلامی فکر وثقافت میں کثرت سے یاد کیا گیا ہے۔ ہماری شعری روایت میں اس آیتِ کریمہ کا سب سے زیادہ حوالہ ملتا ہے۔ ولؔی سے لے کر اقبال تک اس سرچشمے کی مشک باری موجود ہے۔ اقبال نے تو شعر کے علاوہ اسی آیت سے پانچویں خطبہ کا آغاز کیا ہے۳۔ ولؔی کی وجد آفرینی دیکھیے، یہ مثنوی کا شعر ہے:

الٰہی دل اوپر دے عشق کا داغ یقیں کے نیں میں سب کحل مازاغ۴

اقبال کے دعائیہ شعر کو دیکھیے:

فروغِ مغر بیاں خیرہ کر رہا ہے تجھے تری نظر کا نگہباں ہو صاحب ما زاغ۵

ولؔی کا ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو:

توں ہے حق ستی ہم زباں ہم کلام تیرا قاب قوسین ادنیٰ مقام

پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکرِ جمیل سے ولؔی کا کلام منور ومنزّہ ہے۔نعتیہ قصیدے کے علاوہ مختلف موقعوں پر غزلوں کے اشعار میں عشق رسالت ماب سے بڑی گہری عقیدت کا اظہار ہے۔غزلوں سے قطع نظر مخمس کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

یٰسین وطٰہٰ والضحیٰ نازل ہوئے تج شان میں واللیل اور والشمّس ہیں تج زلف ومکھ کے دھیان میں

شانِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق علامہ اقبال کے 'بالِ جبریل' کے دو شعر لافانی بن چکے ہیں۔ دوسرے شعر کا مصرع ثانی ملاحظہ ہو:

وہی فرقاں، وہی قرآں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

ولؔی نے ایک شعر میں حضور رسالت مآب کو بے مثال عقیدت سے یاد کیا ہے:

محمد وہ کہ جس کے حق میں لولاک کہا ہے خالق املاک و افلاک

ایک اور مخمس میں قرآنی حوالہ موجود ہے گل وگل زار ھل اتی کی قسم یہ انتیسویں پارے کی سورہ الدھر کی ابتدائی آیت ہے۔علامہ اقبال نے بھی اس آیت کریم سے استفادہ کیا ہے۔ولؔی نے ایک رباعی میں ۲۳رویں پارہ میں تخلیق کائنات سے متعلق سورہ یٰسین کی بہت ہی معروف آیت کو نظم کیا ہے:

دیوانِ ازل بیچ خدائے بے چوں　　یہ حکم کیا عام کہ ہاں کن کن فیکون

افرادِ دوعالم کا بندھا شیرازہ　　اس دفترِ کونین پہ فہرست ہے توں[۶]

ہم جانتے ہیں کی اقبال نے ارتقائے کائنات کے تصور میں اس آیت مبارکہ کو اساسی اور سب سے اہم بنیادی عنصر قرار دیا ہے۔اور ہر لمحہ شانِ وجود کے اظہار کو بدیہی حقیقت تسلیم کیا ہے اور ہر لمحہ صدائے کن فیکون کی آواز کو رمزِ کائنات کا بلیغ اشارہ بتایا ہے۔اسے ٹھہرتا نہیں کاروان وجود سے بھی تعبیر کیا ہے۔نعتیہ قصیدے میں اس آیت کو دیکھیے:

وہی پاوے مطلب راضیۃً مرضیۃً　　محض للہ جگ میں جو اعمالِ پنہانی کرے

ولؔی نے **راضیۃً مـرضیۃً** کی آیت کو منظوم کیا ہے جو عمّ پارے کی آیت ہے اور سورہ والفجر میں وارد ہے۔اس میں معبود اور بندے دونوں کی رضا مندی کی طرف اشارہ ہے۔ولؔی نے ایک شعر میں نماز کی تکبیر کے کلمات '**قد قامت الصلوۃ**' کو بھی منظوم کیا ہے اور ان مقدس حوالوں کی مدد سے اپنے کلام کو تقدیس وتنویر سے معمور کیا ہے۔انہوں نے کلاسیکی اسالیب کو ان حوالوں سے مستحکم اور مربوط کیا ہے۔دوسری جانب فن کو بلند اخلاق واقدار کا ترجمان بتایا ہے۔انہوں نے شعر وتخلیق کے دامن کو بے کراں پہنائیوں سے روشناس بھی کیا ہے۔اس پاک کتاب کے حوالوں کے ساتھ ساتھ تاریخ وتلمیح کو ولؔی نے کثرت سے ذکر کیا ہے۔ان اشاروں اور استعاروں سے کلام ولؔی کے حسنِ بیان میں بے انتہا وسعتیں پیدا ہوئیں ہیں۔پورے واقعہ یا کیفیت کو ایک لفظ سے تعبیر کرنے کے ہنر سے ولؔی واقف ہیں۔ان کی شعری دل کشی کا یہ بھی ایک اہم امتیاز ہے کہ ان کی شاعری اشخاص واعلام کی دوکان شیشہ گر ہے جو ہفت رنگ تصویروں کی طرح آویزاں ہیں۔ولؔی نے قصیدے بھی رقم کیے ہیں۔ان میں حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم،صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، بیت الحرام کے علاوہ شاہ وجیہ الدّین،شاہ میران محی الدّین بھی مدح ومنقبت کے سزاوار قرار دیے گئے ہیں۔یہ دنیاوی مال وزر والے ممدوح نہیں ہیں، گویا قلم کی تقدیس کا پاسِ ادب ولی کی حرمتِ فکر کی نمایاں شناخت ہے۔یہی تقدیس وتحریم ان کے فن کا امتیاز بھی ہے۔غزل گوئی میں بھی وہ پردہ داری کا اہتمام کرتے ہیں۔ان کا نور ونظر ان کے قاری کو بھی بے حجاب و بے تکلّف نہیں ہونے دیتا بلکہ وہ جمال وزیبائی کے

ساتھ فطرت سناش، دیدۂ بینا فراہم کرتا ہے۔ ان کا اقرار ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات فکرِ روشن کا مصدر ہے:

جس مکاں میں ہو تمہاری فکرِ روشن جلوہ گر　　عقل اول آ کے وہاں اقرارِ نادانی کرے

اس نعت میں ایک مصرع ہے:

کہ ہے خیر الکلام قل و دل

ولی کے ندرت بیان کی طرف دیکھئے کہ کلیات میں مثنویات کے ذیل میں جو پہلی نظم ہے، وہ تمام وکمال ذاتِ گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ہی وقف ہے۔

اڑتیسویں غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں:

کیتا ہوں ترے نام کوں میں وردِ زباں کا　　کیتا ہوں ترے شکر کوں عنوان بیاں کا

جس گرد اُپر پاؤں رکھیں تیرے سولاں　　اس گرد کوں میں کحل کروں دیدۂ جاں کا

چار مصروں کا ایک مختصر ترین مستزاد ہے فارسی کی مشہور نعت سے مستفاد ہے:

گئے رات معراج وو عرش اُپر　　بلغ العلیٰ بکمالہٖ

کھلے پردے سب بھید کے سر بسر　　کشف الدجیٰ بجمالہ

ہوئی حق کی اُن پر سو حُب کی نظر　　حَسُنَتْ جمیع خصالہ

ہوا حکم حق کا محباں اُپر　　صلوا علیہ و آلہ

اس تذکرے میں حسب ذیل دو اشعار قابل ذکر ہی نہیں، عقیدت و ارادات کی منتہاؤں سے سرگوشیاں کر رہے ہیں:

اسم اللہ دو جسم احمد ﷺ ہے　　حق سیتی حق کوں حق نما پایا

حفظ کرنے کوں مصطفےٰ ﷺ رو کوں　　فیہ خیراً و حافظاً پایا

دین محمدی سوں ہے دو جگ کی آبرو

حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر برکت وسعادت کے لیے ناگزیر تھا۔ اس سے قطع نظر ذکر کتاب اللہ ہو اور جس قلب منذر پر نزول ہوا ہو اس کا تذکرہ ملزوم ہو جاتا ہے یوں بھی روایت ہی نہیں جزوِ یقین ہے کہ آپ کی ذات مبارک پیکرِ قرآن کے نور وجمال کا آئینہ ہے۔ گویا آپ کی سیرت وشخصیت میں قرآن ہی جلوہ نما ہے۔ ولی نے ذکرِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں قرآن کے حوالوں سے بڑے خیال آفریں تصورات پیش کیے ہیں اور شعری حسن سے آراستہ بھی کیا ہے:

وہ نقشِ پاک زینتِ روئے زمیں ہوا

اس میں شرفِ آدم کو بھی شامل کرلیا ہے:

مثلِ خلیل اللہ مجھے دو جنت الماویٰ کیا

ولی غزلیہ شاعری کے بے نظیر فن کار ہیں۔ اساسی طور پر حسن وعشق کے افسانے پر ان کی شاعری کا ارتکاز ہے۔ یہی مضمون ان کا محور ہے اور مرکزِ خیال بھی۔ حسن کے ہزار روپ ان کی شاعری میں موجود ہیں۔ حسن وعشق کے لطیف سے لطیف خیال اس کثرت سے کہیں اور نظر نہیں آتے، ان میں بھی وہ محبوب کے رخ ورخسار پر سب سے زیادہ متوجہ ہیں۔ چہرہ یار رخ کے علاوہ دوسرے اعضائے بدن پر ان کی توجہ کم سے کم ہے۔ چہرے کے انوار وجمال کا تذکرہ ہی ان کو سب سے زیادہ عزیز ہے۔ اس ذکر میں قرآن کریم کا کثرت حوالہ شبیہ یا تجسیم آفرینی کے مرقعے تراشتا ہے ولی کی شعری جمالیات کا یہ اہم عنصر بھی ہے۔ اس موضوع پر الگ گفتگو کی ضرورت ہے ولی کا پورا کلام حسن وجمال کا نگار خانہ ہے اسے سوعنوان سے بیان کیا گیا ہے:

سجن کا مکھ منور، نور آیت، خال مصحف ہے کہ اہل نامراداں پر دعائے ھل اتی حافظ

جبیں پر اس کے دائم جلوہ گر نورِ سعادت ہے کیا ہے حافظ قرآن تو نے جس کوں یا حافظ

یو مکھ ہے ترا موردِ انوارِ الٰہی

قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ تمہاری صورتیں بنائیں اور کتنی ہی خوب صورت بنائیں صورکم فاحسن صورکم اور دوسری آیت میں ہے کہ ہر شئے کو بہترین تخلیق میں پیش کیا اُحسن الخالقین مذہبی جمالیت میں یہ نکات اساسی اہمیت رکھتے ہیں۔

جلوۂ حسنِ دوست کی پاکیزگی کا تقاضا تھا کی اس کی تشبیہ وتمثال کے لئے مقدس اشیائے کائنات کو بروئے کار لایا جائے۔ وہ مثالیں خود نورانی اور ربانی صفات سے مزین اور مظہر ہیں۔ ولی نے ان سے زیادہ سے زیادہ فیضان حاصل کیا ہے۔ اور شاعری کو نور وسرور سے معمور کیا ہے:

دائم نمازِ عشق کوں اول وضو کرو

یو مکھ ترا ہے جیوں مسجد بھواں ہیں جیوں محراب

کتاب الحسن کا یہ مکھ تیرا صفا دستا ترا مکھ حسن کا دریا وموجاں چین پیشانی

تیرے لب ہیں برنگِ حوضِ کوثر محشرِ خوبی یو تل تج مکھ کے کعبہ میں مجھے اسود حجر دستا

زنخداں میں ترے مج چاہِ زمزم کا اثر دستا

لب روح بخش ہے آب حیواں ہے زنخداں چاہ زمزم ہے حسن شور انگیز ہے۔ ابرو طاقِ حرم ہے۔ خط آئینہ سکندر، رخسار لوحِ محفوظ زلف قلم تو کا کل علم ہے۔

مکھ صورت قرآن روشن ہے

آیۂ حسن دیکھ زیر و زبر، مکھ ترے کو قرآن بولیا ہوں، نین نوش کا منظر و تصور ولی کا ہے۔ صورت فائدۂ فوائد کی مانند ہے یہ سب میر زائی ادا کے مظہر ہی نہیں محافظ بھی ہیں۔ مذہبی جمالیات کے یہ دلآویز مرقعے بڑے ہی جاں گداز ہیں اور جاں سوز بھی۔ ان میں انبساط ہے تو اضطرابِ دل کے نور و نار کی آتش توانائی بھی ہے، ارض و سما کی پہنائی و پندار میں صورت انساں ہی نقطۂ نور ہے جو حسن جمال کا مصدر ہے۔ اس مصدرِ حسن کے ہزاروں رنگ و نور کی گہر فشانی کے لیے ولؔی نے اپنے فن کو وقف کیا۔ نعتیہ قصیدے میں یہ حوالہ موجود ہے۔

ہے فقر فخر مجھے، مج کوں فقر سوں نہیں ننگ

غزل کا مطلع ملاحظہ ہو:

میں سورۂ اخلاص تیرے روسوں لکھا ہوں بسم اللہ دیوان تج ابروسوں لکھا ہو ں

ایک بہت ہی معروف نکتے کو نظر میں رکھیے۔ ذات گرامی قدر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخر الزماں کہتے ہیں۔ اس ترکیب کو خوب صورتی سے ولؔی نے محبوب سے منسوب کیا ہے:

ہے نگاہِ شوخ و سرکش فتنۂ آخر زماں

اس غزل کی شعریات کا بڑا دل کش آہنگ ہے آخری مصرع دیکھیے خاطرِ ناشاد ہووے رشکِ گل زار جناں قرآن پاک میں کائنات کے مناظر و مظاہر پر غور وفکر کرنے کی جگہ جگہ دعوتِ نظر دی گئی ہے۔ خود اپنے وجود پر حد درجہ توجہ کی تاکید ہے۔ ولؔی کے اشارے موجود ہیں کہ مظاہر کی عظیم علامت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ نعتیہ قصیدہ کے علاوہ ایک مختصر مثنوی بھی کلیات میں موجود ہے رائج مثنوی کی ہیئت ضرور ہے مگر موضوع ذات گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور نذرانۂ ولؔی ہے، جس میں 'ساقی نامہ' کا روایتی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ ساقیِ ازل سے ساقیٔ کوثر کی محبت واطاعت کی درخواست کی گئی ہے۔ مطلع سے ہی صاحب ما زاغ سے مخاطب ہوتا ہے۔ شاعر فیض رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شعارِ دین کی استقامت کے ساتھ طریقت اور معرفت الٰہی کی سرمستی و رعنائی کی درخواست کرتا ہے مئے معرفت کے ساتھ فکرِ جہاں سے آزادی طلب کرتا ہے، وہ مجلس مجاز سے دوری کی دعا مانگتا ہے، ان گزارشات کے بعد وہ ثنائے خواجہ کی طرف ملتفت ہوتا ہے:

کہا ہو خالق املاک وافلاک محمدﷺ وہ کی جس کے حق میں لولاک

کی ہے اس باغ کا خورشید اک گل عجب گلزار ہے وہ مظہر گل

اسی کا ذکر ہے ایمان مومن اسی کا یاد اطمینان مومن

اکتیس اشعار پر مشتمل یہ مثنوی نما نعتیہ نظم بہ تمام وکمال رحمتِ عالم سے ہی نسبت وعقیدت میں تخلیق کی گئی ہے۔

اس سے قطع نظر ایک دوسری حیرت انگیز نظم ہے جو اردو میں شہر نامے کا حرف آغاز ہے۔ شہر سورت پر دو نظمیں لکھیں گئیں، جن میں شہر کی خوبیاں اور مختلف مناظر کا مرقع پیش کیا گیا ہے۔ نظم کے آخر میں پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر حاصل نظم ہے۔ اس شہر نامے کے موضوع کو حضور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وابستگی کا جواز شاعر کے روحانی واردات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ نظم حسبِ ذیل اشعار پر ختم ہوتی ہے:

مہرباں ہو کے اے ساقیٔ کوثر کرم سوں کشتی مے مج کوں دے بھر

آپس کے لطف سوں کردے عطا مے جو اس نشے میں دریا کو کرے طے

ذات گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے اہل وعیال سے محبت وعقیدت بھی ولؔی کے اکتساب فکر کا ایک اہم پہلو ہے خلیفۂ چہارم کی منقبت کے علاوہ اشعار میں بھی بڑے اہتمام سے ان کے حسن کردار وعمل کا ذکر ملتا ہے۔ مختلف پیغمبروں کے اسمائے گرامی کے علاوہ ان سے منسوب واقعات اور تلمیح کی بھر پور عکاسی کلام میں کثرت سے موجود ہے۔ نور فشانی کی تلمیحات میں حضرت موسیٰ اور حضرت یوسف علیہم السلام کا بار بار ذکر ولؔی کی جمال پسندی کے مظاہر ہیں۔ ان میں رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے شاعر بہ طور خاص متوجہ ہے:

مقصودِ دل ہے اس کا خیال اے ولؔی مجھے جیوں مج زباں پہ نام محمدﷺ مراد ہے

غلام و فدویٔ درگاہِ احمد ﷺ سدا اس کی زباں پر یہ بچن ہے

ولؔی درویش ہے اور دور اندیش بھی ذہن بشاشتوں سے معمور ہے۔ وہ شعارِ دین کی پاسبانی کے ساتھ روئے زمین کو اپنا وطن اور ابنائے آدم کو رشتۂ بشریت میں برابر کی فضیلت کا قائل ہے۔ عقائد وافکار یا دین ومذاہب کے اختلاف کو انسانی ہیئت اجتماعیہ کا خوبصورت مجموعہ قرار دیتے ہیں، جو وحدت آدم سے مربوط ومحترم ہے گلشن آدم کی یہ رنگ برنگ تصویریں ہی ارض وسما کی دل کشی کی ضامن ہیں۔ شہر سورت سے انھیں ایک خاص محبت ہے اردو کے اس پہلے شہر نامہ میں شہر سورت کی

بڑی خوب تصویر کشی کی گئی ہے۔ جائے وقوع کے ساتھ کوچہ و بازار اور باشندگانِ شہر کے دل کش مرقعے دامن دل کو متوجہ کرتے ہیں:

کھلے ہیں ہر طرف رخسار کے گل — ہر اک گل کے نزدیک ہے وہاں ہے سنبل
ہے سورت حقیقت کی نشانی — کہ ہیں معمور اہل معانی
شرافت میں یہ ہے جیوں بابِ مکہ — تو ہے سب ملک پر اس کا جو سکہ

نظم کے آخری شعر میں ولیؔ کی انسان دوستی، قلب ونظر کی کشادگی، وسیع المشربی اور بنی نوعِ بشر کے احترام کا بے کراں جذبہ قابلِ تحسین ہے:

اتی آتش پرستاں کی ہے بستی — سکھے نمرود واں آتش پرستی
فرنگی اس میں اتے ہیں کلہ پوش — عدو وہاں جن کی گنتی میں ہو بے ہوش
وہاں ساکن اتے اہل مذہب — کہ گنتی میں نہ اَدِیں ان کے مشرب
اگرچہ سب ہیں وہ ابنائے آدم — ولے بینش میں رنگا رنگ عالم

ابنائے آدم کا احترام ولیؔ کے فکری نظام کا بڑا معتبر حصہ ہے۔ کلام میں جابجا اس احترام کی پاس داری کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے۔ وہ اخلاقیات کے معلم نہ تھے اور نہ مفکر مگر اپنی بساط کے مطابق بنی آدم کے لیے فکر و کردار کی حفاظت اور فروغ کے لیے دل سوزی کے ساتھ اعلیٰ قدروں کا ذکر کرتے ہیں:

قسمت تیری ہو حق پہ نا ہو نا امید یاں

لاتقنطوا کے فرمان کو شعر کی ترجمانی دی گئی ہے دوسرا قول بھی دیکھئے:

سختی کے بعد عیش کا امیدوار اچھا

دوسری تعلیم بھی دیکھئے:

سب کام اپس کے سونپ کے حق کوں پخت ہو — یہ ہے تمام مقصد گفت و شنید کا
حاجت اپس کی کہنہ و نو اوس سوں کہہ ولیؔ

زندگی کی کامرانیوں کے یہ زریں اصول اور اعمال حسنہ کے اسرار فطرت ہیں، جو جمال دوست شاعر کے زبان قلم سے نکلے ہیں۔ ان نکات کی پنہائیوں میں مذہبی فکر و اقدار کی روح کارفرما ہے، جو مرکز نور و ہدایت ہے، وہی آستانۂ غیر سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ وہ یکتا و یگانہ ہے اسی کے سایۂ لطف و کرم میں انسانی بستیاں آباد ہیں، وہی بنی نوع انسان کی بہبود و فلاح کا ذمہ دار بھی ہے۔ وہ انسانوں کو نکہت و نور سے نوازتا رہتا ہے تو سمندر کی تہہ میں پوشیدہ گہر کو آب و تاب بخشتا ہے۔ ولیؔ نے کہا ہے وہی

مرکز جمال ہے۔اس جمال کے ادراک واستقبال کے لیے قلب ونظر کو صاف وشفاف رکھنا ہے:

صافی دلاں کن بیٹھنا ہے کسبِ عزت کا سبب دریا کے ہو کر ہم نشیں پہنچا ہے موتی آب تک

ولی نے تاکید کی ہے کہ صرف بیٹھے رہنے سے مقدر کے ستارے کا طلوع ممکن نہیں۔اپنی تقدیر تحریر کرنے کے لیے جولاں اور گرم جوش ہونا پڑے گا۔پوری غزل ایک انقلابی بیداری کا پیغام دیتی ہے۔مطلع ملاحظہ ہو:

غفلت میں وقت اپنا نہ کھو ہوشیار ہو ہوشیار ہو
کب لگ رہے گا خواب میں بیدار ہو بیدار ہو

ہر محاذ پر شکست خوردہ، مضمحل اور مفلوج معاشرہ کے لیے بیداری کی یہ آوازِ بانگِ درا بن کر نازل ہو رہی تھی۔حسن و جمال کی تمام خوبیوں کے ساتھ جلال و جبروت کی یہ صدائیں بے سبب نہ تھیں ۔جمال دوست کی نظر میں جلال کا شکوہ بھی اہم تھا۔یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ولی نے جلوۂ جاناں کے اظہار میں سبقت حاصل کی ہے۔اور رخِ ماہ تاباں کے سوسوروپ بیان کیے ہیں۔ان کی تشبیہ کی وسعتوں سے ولی کے بے پناہ مشاہدات کا ادراک ہوتا ہے۔بیانِ حسن ولی کا محبوب موضوع ہے۔حسن کی پیکر تراشی میں وہ یکتائے زماں ہیں۔حیرت ہوتی ہے کہ اردو کا پہلا شاعر مضمون آفرینی کے امکانی وسعتوں سے واقفیت رکھتا ہے۔شعری اسالیب وآہنگ کی بازگشت ہمیں حیرت زدہ کرتی ہے۔حسن وجمال کے ذکر میں ولی کا ادراک وجدان کو آواز دیتا ہے اس شعر کے معنیاتی محاسن اور خیال کی ارتفاعیت دیکھئے، جسے عظیم اقدار کی علامتوں سے منسوب کیا گیا ہے:

روئے سیتی فارغ ہو ولی پیو کوں دیکھا کعبے کی زیارت کیا دریا سوں اتر کر

ایمان وعقائد کے ارکان کو غزل کی شعریات میں تحلیل کرنے کی بھرپور اور فکر انگیز مثالیں ولی کے یہاں بکثرت ہیں۔بعد میں اقبال نے اس فن کو اوجِ آسماں کی بلندی بخشی۔ولی کا شعر ہے:

اے قبلہ رو ہمیشہ محراب میں بھنواں کی کرتی ہیں تیری پلکاں مل کر نماز گویا

مکھ کو مصحف سے تشبیہ دینا ولی کا پسندیدہ اظہار ہے۔گویا روئے دوست جلوہ گاہِ انوار ہے۔نظیری نیشاپوری کی نظر روئے نکو معالجۂ عمر سے آگے نہ جاسکی۔ولی کی پاکیزگیٔ خیال کی پروازشق قمر اور ہفت آسماں کی بلندیوں پر کمند ڈالتی ہے:

مصحف رخ ترا ہے سورت مج کو والنجم اذا ھویٰ کی قسم

سورہ والنجم کا پھر حوالہ ہے۔مصحف رخ کی ایک اور مثال دیکھیے جس میں مشابہت کو طلوع نور

سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مصحفِ گلِ یار کی ترکیب بھی توجہ طلب ہے:

مصحف رخ ترا ہے سورتِ فجر بلبلِ باغ نے جب مصحفِ گل یار کیا

خالقِ کائنات کی جمال پسندی کے ان گنت تخلیقی مظاہر ہیں، جو دل ونگاہ کو انبساط و آسودگی بخشتے ہیں۔ ولی کے جمال دوست کی داستان بہت ہی دل افروز ہے۔ اعضائے بدن کے تذکرے میں صرف چہرہ ہی وجہ التفات ہے اور ان میں بھی نگاہ ناز کو خاص امتیاز ہے۔ نگہِ نیم باز کی ممکنہ کیفیات سے ولی کی شاعری سرشار ہے۔ اس سرشاری و سرمستی کا سبب سب سے بزرگ و برتر ذات اقدس کا کرشمہ ہے۔ ولی جان ودل سے معترف ہیں:

تیری انکھیاں کے پردے میں خدا کے رازِ مخفی ہیں محراب تجھ بھنواں کی اے قبلہ گاہ بس ہے

ولی نے رخِ زیبا کو گونا گوں تشبیہات سے آراستہ کیا۔ ان میں مصحف کی مثال کی کثرت اور خیالِ آفرینی میں معنویت بہت اہم ہے۔ قطعات کے ذیل میں کہے گئے اشعار سے ایک مثال ندرتِ اظہار پر مبنی ہے:

سجن کے حسن کا قرآں پڑھا ہم ہے نظر کر کر نہ پایا کچھ غلط اس میں دکھا زیر و زبر کر کر

قرأتِ قرآن کے لیے تاکید کی گئی ہے کہ آغاز سے پہلے بسم اللہ پڑھنا لازم ہے اور ہر کام کے لیے بھی ہدایت ہے۔ گویا ہر کام کی کارکشائی اور کارسازی کے لیے یہ آیت ہمارے معمولات کا حصہ ہے۔ ولی کا اشارہ ہے:

'گنج مخفی کے نہیں، کنجی ہے بسم اللہ بن'

قرآن میں ہر طرح کی نعمتوں سے نوازنے کی بشارت ہے، ان کا دل کش بیان اور مثالیں ہمارے روزمرہ میں شامل ہیں بلکہ شعری وثقافتی اظہار کے رمز وایما کا جز بن گئی ہیں۔ متفرقات کے اس شعر کو دیکھیے:

کیا کام اس کو پھر کے شراباً طہور سوں پی جس نے تج لباں سوں شراب دوآتشہ

کرۂ ارض کا ہر پتہ اور بوٹا حمد وثنائے ربِ جلیل کے لیے وقف ہے۔ ولی نے قرآن کے حوالے سے دلیل دی ہے:

'تمام پات یسبح بحمدہٖ'

غزل کی شعریات میں یقین وثبات کے اقدار کی ترجمانی آسان نہیں بلکہ خطرات اور اندیشوں کو آواز دینے کے برابر ہے۔ وہی جرأت آزما ہو سکتے ہیں جن کے حوصلے زیادہ ہوں اور تخلیق کو سپرد دریا

کرنے کا عزم بھی رکھتے ہوں۔فن میں نئے اسالیب کی اختراع جنوں خیز طبیعت ہی کر سکتی ہے۔ ہر کس و ناکس کے لیے موزوں نہیں۔اور پھر غزل کی مخصوص اور محدود فضا میں مذہبی معتقدات کی مدد سے جمال آفرینی کے مرقعے ڈھالنا ناممکن نہ سہی آتش کدۂ خلیل کے انجام سے باخبر ہونا لازم ہے۔ولؔی نے اپنے وجود کو آتشِ سوزاں کے حوالے کرنے کی مثال قائم کی ہے۔مذہبی جمالیات کے استفادے سے ولؔی نے صنم خانۂ غزل کو حسن آفرینی کے امکانات سے روشن کیا ہے۔ایسا بھی نہیں کہ یہ فیض لاشعوری طور پر ہو۔ان کے شعور میں تابندہ شعائیں ان کے مشاہدے کا حصہ ہیں وہ بے تکلف اور برملا اظہار پر قدرت رکھتے ہیں۔ولؔی کی ایک نمایاں تخلیق ہماری دنیائے غزل کی پہلی اور غالباً آخری مثال ہے جو مذہبی جمالیات کی بے نظیر تمثیل ہے۔کلیات میں ضمیمے کی غزل ہے:

ہیکل گلے میں جان سیں مصحف نمن دھرتا ہوں میں مانند حافظ یاد کر دو نام کوں پھرتا ہوں میں

لب حمد وابرو دو بسم اللہ دو زلف ہیں واللیل جیوں لے درس قرآں رُخ کا اب شمس الضحیٰ پڑھتا ہوں میں

تجھ ید کوں جب سیں ید لگا تب سیں ید بیضاء ہوا تبت یدا کا ورد دن رات اب جپتا ہوں میں

ہے سورۂ والعصر جیوں اس عصر میں تیرا یہ حسن قد لم یکن کی سیر کا مشتاق ہے پھرتا ہوں میں

دعوت زماں یاسین ہے یاے پریشانی یوں سے ان فتحنا کن مد و تجکوں سجن دھرتا ہوں میں

اب لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار آنکھوں سیں تیری یوں دسے اس واسطے ڈرتا ہوں میں

میرے سجن کو کیوں ہوئے آسیب نازل اے ولؔی احفظنی من شر البلا اس قد اُپر پڑھتا ہوں میں

پوری غزل کو پیش کرنا معیوب سہی لیکن راقم کو بارِ ثبوت کی مجبوری تھی۔ناچیز اس کے لیے معذرت خواہ ہے غزل کی پوری فضا کو صحفِ سماوی کے حوالوں سے چراغاں کیا گیا ہے۔پیکرِ حسن کے مختلف زاویوں کو نورِ مبین کے اشاروں سے قاری کا التفات حاصل کرنا ولؔی کی شعری جمالیات کا دل نواز پہلو ہے۔

کلامِ ولؔی میں نگہِ ناز کی بہت زیادہ اور حیرت خیز مثالیں موجود ہیں۔ولی آنکھوں کی خماری یا سحر آفرینی پر اکتفا نہیں کرتے۔اسے دیدۂ بینا اور کائنات کا سب سے محترم نقطۂ نور کہتے ہیں،جس کے انکشاف وعرفان کے لیے خود اپنا ضمیر کافی ہے جو کسی رازی و کشاف کے بغیر رازِ درونِ مے خانہ منکشف کرتا ہے:

کیا کروں تفسیرِ غم ہر اشکِ چشم راز کے قرآن کا کشاف ہے

دوسو سال بعد علامہ اقبال نے اس خیال کو لامحدود وسعتوں سے ہم کنار کیا اور ضمیر کے روحانی

مجاہدات کی راز کشائی کی:

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب   گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

ولیؔ کا مذکورہ شعر آخری صحفِ سماوی سے شاعر کے روحانی رشتہ و پیوند کا پتہ دیتا ہے اور وارداتِ قلبی کے محسوسات کو تسلیم کرنے کے لیے قاری کو مجبور کرتا ہے۔

ربِّ عالم ہر تمثیل و تشبیہ سے بے نیاز ہے۔قرآن کریم میں اس نے اپنا تعارف زمین و آسمان کا نور کہہ کر کرایا ہے۔وہ نور ہی نور ہے۔اس کا کلام بھی نورِ مبین ہے۔اشرفِ کائنات کا قلب بھی جلوہ گاہِ نور سے معمور ہے۔اس نور کا صوری مظہر انسانی شکل و صورت ہے، جو تجلیات سے منور ہے۔قرآن کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی صورتوں کو بہت ہی خوبصورت بنایا ہے۔حسنِ ازل کا یہ آئینہ خانہ ہے اور جذب و کشش کا نقطۂ پرکارِ حق بھی ہے۔غزل کی شعریات میں یہ ایک اہم عنصر ہے، جس میں مرکبات کا ایک آمیزہ ہے۔شعریات کی ساخت میں لفظ و معنی کا ارتباط، ذخیرۂ الفاظ و آہنگ، اسالیب و اظہار کے لطیف طور طریقے ہی کافی نہیں ہیں بلکہ فروغِ فکر، ثقافتی روحِ تمدن، پاکیزگیٔ خیال، اقدار و اعتقاد کا استحکام، تفکیری بلندی، شعری غنائیت وغیرہ بھی اس کے اہم ارکان ہیں۔ولیؔ کی شعریات میں ان عناصر کی فراوانی ہے اور بہت حد تک دوسروں سے ممتاز و مختلف بھی ہے۔ان کی شعری جہات میں تنوع اور ترسیل کے شیوہ ہائے صد رنگ کی بے مثال صورتیں موجود ہیں۔'روز ایجاد تری چشم سوں اے نورِ نظر' ان کا یہ بیان کچھ غلط نہیں:

ولی رکھتا ہوں سینے میں ہزاروں گوہرِ معنی   دکھاؤں اپنے جوہر کوں اگر کئی جوہری آوے

ولیؔ کی شعریات تجسیم آفرینی اور منزہ مرقع نگاری سے عبارت ہے۔یہاں ہم بے تکلّف نہیں ہوسکتے:

'لوح محفوظ ہے تیرا رخسار'
کھلنے میں اس لباں کے ہوا حل مشکلات
تج مکھ کی آرسی میں ہے نورِ خدا عیاں
تسبیح تیری زلف کو کہتے ہیں اے صنم
تیری بھواں کو دیکھ کر جز دان چھوڑا طاق میں

واللیل، والشّمس، والضحیٰ کی مثالیں کئی اشعار میں وارد ہوئی ہیں:

زلف تیری کو حق نے لام کیا

ذکرِ جمال یا جمال دوستی میں ولیؔ کا کوئی حریف نہیں۔کئی خمسوں میں آدابِ ارادت مندی کی

پوری فضا میں عجز وانکسار کے ساتھ دل کشی کا حسن قائم رکھا ہے:

بندہ ہوں صدقِ دل سوں نبی الکریم کا کہتا ہوں جب سوں ورد الف لام میم کا

رہے گر سگ ہو دائم نبی ﷺ کے آستانے کا

خاکساری ہے حق کے آگے منظور خاکِ در گاہِ مصطفٰے ﷺ کی قسم

ان مذکورہ حوالوں کے علاوہ اور بھی اشاراتِ کلیات میں موجود ہیں، جو نسلوں کے لیے سامانِ سفر فراہم کرتے ہیں۔ ان کے بعد قطبی، شاہ حاتم، شاکر، ناجی وغیرہ کے یہاں ولی کی یہ رہ گزر شاہ راہ میں تبدیل ہو کر شعری اسالیب کے خمیر میں شامل ہو جاتی ہے۔ جوش کی گم رہی بھی 'آہنگ میں سورۂ رحمٰن' کہنے کے لیے مجبور ہوتی ہے۔

اس مضمون کا دوسرا حصہ بھی قارئین کو فکر ونظر کی دعوت دیتا ہے۔ ولی ہندی مسلمان ہیں۔ اسلامی ثقافت کے افکار وعقائد کے ساتھ وہ ہندی تہذیب کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ان کی فکر میں تہذیبی اشتراک ایک محرک جذبہ کے طور پر کارفرما ہے۔ وہ سوادِ اعظم کی دین ودانشوری کا بہ غور مشاہدہ کرتے رہے ہیں بلکہ اسی فضا میں تربیت پائی تھی۔ وہ صلح کل اور اخوت آدم کے داعی بھی تھے۔ ہندی عقائد واساطیر کا اس کثرت سے تذکرہ ولی کا خاص امتیاز ہے۔ ولی نے اردو شاعری کے خاک وخمیر میں ثقافتی ارتباط کی مستحکم بنیاد رکھی ہے۔

ولی کی مذہبی جمالیات کا ایک دوسرا اور بہت اہم امتیاز یہ بھی ہے کہ انہوں نے شبیہ سازی میں صرف قرآن اور اس کے متعلقات سے ہی استفادہ نہیں کیا بلکہ ان کے دوش بدوش ہندی اساطیر وعقائد سے بھی شعری محاسن کو جلا دی ہے۔ ان کی رنگ برنگ تصویریں غزل کو مقامی ممکنات سے ماورا نہیں کرتیں بلکہ ایک نئے اسالیب سے ہم آہنگ کرنے میں مخزن ومصدر فراہم کرتی ہیں۔ جس کا عکس واظہار غزلیہ شاعری میں بہت کم ہوا ہے۔ ولی کے شعری فکر اور کشادگی قلب ونظر کی داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری کے خمیر میں مقامی اشاروں وعلامتوں کو بہ کثرت جگہ دی۔ راقم کا خیال ہے کہ اس سلسلے میں ولی کو سبقت ہی نہیں سرفرازی حاصل ہے غزل کے لب ولہجے میں فارسی رودرواں کی طرح جاری ہے۔ مگر اس کے اہتمام میں ہندی آثار وعلائم بھی ہم دوش ہیں جن کے استعمال سے ولی کا فنی کسب وکمال ہمیں ایک دوسرے زاویہ پر غور کرنے کے لیے مجبور کرتا ہے۔ حسن کی جلوہ گری کے منظر بڑے دل فریب ہیں۔ ولی کا یہ محبوب شعری مشغلہ دامنِ غزل کو وسعتوں سے ہم کنار کرتا ہے:

زلف ہے کشن بدری ولب مصری سخن امرت اے برہمن دیکھ مج کوں بید خواں مجنوں ہوا

ذاتی مخطوطہ کی غیر مطبوعہ غزل کے چند شعر ہیں:

زلف تیری برہمن مکھ ہے تیرا آفتاب — مکھ ہے ترا آفتاب زلف تیری برہمن
جگر کے دل اے برہمن کا پتے ہیں مثل بید — جب سوں یہ ہندو خال دشمن ایماں ہوا
بیراگیوں کے پنتھ میں آکر وہ مہ جبیں — بیراگ کوں اٹھا کے چڑھایا اکاس میں

جمال دوستی کی دوسری مثالیں بھی ملاحظہ ہوں:

تری زلفاں کے حلقے میں رہے یوں نقش رخ روشن — کہ جیسے ہند کے بھیتر لگیں دیوے دوالی میں

حلقۂ زلف اور محبوب کے رخ روشن کو دیوالی کے دِیوں کی روشنی سے تشبیہ دینا اردو کے شعری کمالات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ہندی جمالیات کے مرقعے لامحدود تصورات کے حامل ہیں۔ ان سے منسوب خصوصیات کو ولیؔ نے متعارف ہی نہیں بڑی خوبصورتی سے انہیں شعری جمالیات میں ڈھالا ہے۔ الفاظ کا ایک ذخیرہ ہے جو تصورات کی کہکشاں سے روشن ہے۔ برہمن، شاستر، بید، بیدخوان کنٹھا، امرت، بچن، سجن، موہن، رام، کرشن، لکشمن، راون، ارجن، مورت، گنگا نہان، کاشی، بانسلی، کامرودیس، بنگلہ، کنول، بھبھوت، رام کلی، تربنی، گنگا اشنان، دان وغیرہ صرف لفظ و معنی کے مجموعے نہیں ہیں۔ ان علامتوں میں فکر و نظر، ایمان و عقیدے کی ایک دنیا آباد ہے یہ الفاظ اساطیری جمالیات کے جہان معنی سے آباد ہیں جن میں حسن و عشق کی روایت کا ذخیرہ موجود ہے۔ لفظ بانسلی یا بنسلی کو ولیؔ استعمال کرتے ہیں ایک طرف کرشن لیلا کی داستان سرائی کا اشارہ ہے:

ترے بن رات دن پھرتیاں ہوں بن بن کشن کے مانند — اپس کے مکھ اپر رکھ کر نگہ کی بانسلی انکھیاں

تو دوسری طرف مولانا رومی کو بھی شعری تلازموں میں جگہ دی گئی ہے:

اے زہرہ جبیں کشن ترے مکھ کی کلی دیکھ — گاتا ہے ہر ایک صبح میں اٹھ رام کلی کوں

یہ حرف نے اور نیتاں نہیں ہے بلکہ وحدت و کثرت کی ناز آفریں فکرافروزی کا اہم نکتہ ہے جس نے تصوف کو حکیمانہ استدلال دیا ہے۔ ان اسما و علامتوں کے ساتھ بعض اشارے بھی ولی کی غزل گوئی کے جمالیاتی اظہار کو تاب و توانائی بخشتے ہیں۔ پوری پوری غزلیں ان ناموں سے نسبت رکھتی ہیں:

آج خوش قداں میں کمال گوبند لال — وضع میں میرزا ہے امرت لال
شمع بزم وفا ہے امرت لال — سروِ باغ ادا ہے امرت لال

کھیم داس کا بھی ذکر ہے۔ جمالیات کی پاکیزہ کیفیات کو مذہبی علامتوں کی بنا۔ جس انجمن میں حاضر گوبند لال ہوگا یہ نشینی نے پر کیف بنا دیا ہے۔

گر ہند میں تج زلف کی کافر کوں خبر ہو لینے کوں سبق کفر کا ہر برہمن آوے

دوسری صورتیں بھی قابل ذکر ہیں:

ہوتا ہے جیو مرا شاد اس کی ہنسی سوں
گنگا رواں کیا ہوں اپس کے نیئن سیتی
آ اے صنم شتاب ہے روز نہان آج
جو دھا جگت کے کیوں نہ ریں تج سوں اے صنم
ترکش میں تج نین کے ہیں ارجن کے بان آج[1]

اسی غزل میں ثقافتی اظہار کی دوسری صورت بھی نمایاں ہے جو دوسری ثقافت کی ترجمانی کرتی ہے۔شعری پیکر کے خدوخال کا مشاہدہ ملاحظہ ہو:

گرچہ لچھمن ہے تیرا نام ولی اے سجن تو کسی کا رام نہیں
تب کا مشتاق جی ہے یہ لکھمن سوں کس سوں جب کہ رام رامی ہے
کیا[2] وفادار ہیں کہ ملنے میں دل سوں سب رام رام کرتے ہیں
بندھا ہے اے صنم جو دل ترے ماتھے کے صندل پر عجب نین جو اگر سائے سوں اس کے برہمن نکلے
اس کے خط وخال سوں پوچھ خبر بوجھتا ہندو ہے باتاں بید کی
یاد کرتے خط کو زلف صنم کام ہندو کا بید خوانی ہے

ایک دوسرا پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ مخصوص الفاظ کو شعری محاسن جیسے ایہام وغیرہ کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ولی نے حافظؔ شیرازی کے بخال بندوش کو طرح طرح سے پیکروں میں پیوست کیا ہے۔غزل کی فضا کو ایک نئے رنگ روپ میں پیش کرنے کی ایسی معنی خیز کوشش کہیں اور نہیں دکھائی دیتیں۔حیرت کی بات ہے کہ فارسی سے اتنی قربت رکھنے کے باوجود وہ ہندی روایات کی پاسبانی کرتے ہیں۔

ولیؔ کی تخلیقات میں ثقافتی ترسیل کا منظرنامہ مفید ہی نہیں حد درجہ معنویت کا حامل ہے۔سوادِ اعظم کی ثقافتی شناخت کا سب سے ممتاز پہلو اس کی اجتماعی ترکیب ہے جسے اقدار کے مرکب سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔یہ متضاد اور منتشر عناصر کے باہمی ارتباط کی مخلوط اور مرکب صورت ہے۔ولیؔ کا سرمایۂ سخن مشترک اقدار وتہذیب کا آئینہ خانہ ہے۔رجپوتی حسن کے جلال کا ذکر ہے تو پٹھانوں کا جلال وجمال بھی جاں گداز ہے:

تیرے نین کی تیغ سوں ظاہر ہے رنگ خوں
کس کو کیا ہے قتل اے بانکے پٹھان آج[3]

غمزاں کی فوجاں باندھ کر آئے ہیں راوت نین کے

کہ جیوں برچھی پکڑ نکلا رجپوت

تیغ برکف ہیں میرزا کے نین

کس ناز و ادا سوں آتا ہے اے عزیزاں
ہے میرزا اداس اوس میزا کی گالی

دیکھ دستار بسنتی ساقی سرشار کی
کھل گئی ہیں آج انکھیاں نرگس بیمار کی

میرزائی حسن کا ذکر اس دور میں عام ہے معاشرہ کے نفسیاتی مطالعہ میں یہ ایک اہم نکتہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ادا و ناز و دلبری کے پیکر معاشرے کے محبوب مشاغل کا اہم مرکز ہوتے تھے۔ یہ جاں بازی و جاں سپاری اور قوت و شوکت کی علامت تھے۔ دوسری جانب نگہ التفات کے لیے کرشمہ و کشش کے موجب بھی تھے۔ بعض شعرا نے تو ان کے نام و نسب کی نشان دہی بھی کی ہے۔ شاہ حاتم کو بھی میرزائی حسن مرغوب نظر ہے:

شعر عاشقانہ و حاتم ہے مرزایانہ وضع کہنے والے شاہ حاتم یہ بھی کہتے ہیں
دنیا نہیں ہے شیشۂ دل سنگ دل کش دیجے اگر یہ دل تو کسو میرزا کے ہاتھ
دکنی پسر نیں دل پہ بھواں کا اگر پٹا سر کا تو کیا ہوا وہ سپاہی تھا مرہٹا

یہ نکتہ بھی پیش نظر رہے کہ برہمن، رجپوت، مرزا اور مغلائی سے ذات پات یا نام و نسب ہرگز مراد نہیں بلکہ دلبروں کے حسن و جمال کی تشبیہ و تمثیل کی علامتیں ہیں جن سے جمال و زیبائی کے نگار خانے تعمیر کیے گئے ہیں۔

اردو اور ولی دونوں مخلوط معاشرہ کے پروردہ تھے۔ دونوں کی سرشت میں لسانی اور ثقافتی سرشاری کا جوہر خاک وطن سے عبارت ہے۔ ولی صاحب نظر اور دور اندیش لسانی مبصر تھے۔ وہ مستقبل اور مقبولیت حاصل کرنے والی زبان کو اپنے آئینۂ ادراک میں محسوس کر چکے تھے وہ جنوب و شمال کے فرق

اور فاصلے کے قصے کو ایک جست میں تمام کرنے والے لسانی مفکر کی حیثیت سے پردۂ تخلیق پر نمودار ہوئے۔ کلام میں بکھرے جا بجا اشعار کے حوالے ہی کافی نہیں ہیں پوری پوری غزل مذکورہ بحث کی حمایت میں موجود ہے جن سے وؔلی کی بصیرت کا عرفان ہوتا ہے۔ کلیات کی غزل 441 کے چند اشعار لسانی حوالوں کے لیے توجہ طلب ہیں:

کوچۂ یار عین کاسی ہے — جوگی دل وہاں کا باسی ہے
پی کے بیراگ کی اداسی سوں — دل پہ میرے سدا اداسی ہے
اے صنم تج جبیں اپر یہ خال — ہندوئے ہر دوار باسی ہے
زلف تیری ہے موج جمنا کی — تل نزک اس کے جیوں سنیاسی ہے
گھر ترا ہے یہ رشک دیول چیں — اس میں مدت سوں دل اپاسی ہے

غزل کے لسانی تجزیہ پر نظر رکھیے۔ کاسی، جوگی، بیراگی، باسی، اداسی، ہندو، ہردوار، جمنا، سنیاسی، دیول، اپاسی وغیرہ محض ذخیرۂ الفاظ نہیں ہیں ان میں مذہبی تقدیس، تہذیبی علامتیں، معاشری کوائف کی ہوش ربائی کا منظر نامہ موجود ہے۔ ہر لفظ میں معتقدات کی پاکیزگی سے معمور ہی نہیں ثقافتی اظہار کی منتہاؤں سے سرگوشیاں کررہا ہے۔ وؔلی کی لسانی اور تہذیبی بشارتوں سے شناسائی کے لیے شاید ہمارا ذہن ابھی تک متحمل نہ ہوسکا۔ اس سے بڑا استعجاب یہ ہے کہ یہ سب کچھ مینائے غزل کی ملکیت ہے جس کے مضامین محدود لفظیات متعین اور نام ونسب مسدود ہوں وہاں امکانی وسعتوں کی یہ بے کرانی ولی کی مرہون نظر ہے۔ ولی کے کشادرول کا ایک دوسرا منظر دیکھئے کہ ابنائے وطن سے بہت دور کی آفاقی پہنائی کو بھی زیر کمند لاتا ہے۔ تہذیبی کشاکش غزل کے نقطۂ نور سے جمال افشانی کرتے ہیں ایک غزل کے دو اشعار دیکھئے:

مجھ اوپر کھینچتے ہیں تیغ ہندی — ترے ابرو کہ چیں جن کا وطن ہے
دسے تیرے نین میں کا نور ودیس — تری باتاں میں بنگالے کا فن ہے

دوست کے پیکر خاکی کے مختلف اعضا کی تشبیہ میں روایتی تصورات کے علاوہ محبوب غزل کی پیکر تراشی میں ہمہ گیر حسن آفرینی کو بروئے کار لایا گیا ہے۔ یہ وؔلی کے آفاقی مزاج کی جمال دوستی کا حاصل ہے۔ جسے وہ صلح کل سے تعبیر کرتے ہیں۔ گویا وہ حسن وجمال کے آفاقی اقدار سے اپنے فن کی شادابی کے لیے وسعت مشربی کو ملزوم کہتے ہیں:

ہیں صلح کل کے گوہراں میرے سخن سوں جلوہ گر
از بس کہ وسعت مشربی سوں دل مرا دریا ہوا

حوالہ جات:

۱- کلیات ولی، مرتبہ پروفیسر نورالحسن ہاشمی، مطبوعہ ۱۹۴۵ء، ص ۲۳۷

۲- کلیات ولی، مرتبہ پروفیسر نورالحسن ہاشمی، مطبوعہ ۱۹۴۵ء، ص ۲۸۰

۳- تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ، اقبال، لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۱۸۸

۴- کلیات ولی، مرتبہ پروفیسر نورالحسن ہاشمی، مطبوعہ ۱۹۴۵ء، ص ۳۵۲

۵- ضرب کلیم، اقبال، نظم غزل

۶- کلیات ولی، مرتبہ پروفیسر نورالحسن ہاشمی، مطبوعہ ۱۹۴۵ء، ص ۲۹۲

☆☆☆

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری (فتح پور)

چندائن، مولانا داؤدڈلمئی اور نعت شریف
ایک تنقیدی و تحقیقی جائزہ

ہندی ادب کی تاریخ پیش کرنے والے ابتدائی تین مورّخوں یعنی فرانسیسی مورخ گارساں ڈی۔ٹاسی، انگریزی مورخ گری یرسن اور تاریخ ادب ہندی کے لائق مورخ پنڈت رام چندر شکل کے یہاں مولانا داؤد اور ان کی کتاب چندائن کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا ۱۹۴۰ء تک چندائن کا کوئی نسخہ عالم شہود پر جلوہ گر نہ ہوا تھا۔ مولانا داؤد کا تعارف سب سے پہلے مصر بندھو نے اپنی مشہور کتاب ''مصر بندھو ونود'' میں بغیر کسی حوالہ کے ۱۹۲۸ء میں کرایا تھا اور بتلایا تھا کہ وہ امیر خسرو کے ہم عصر تھے۔موصوف نے ان کا عہد سمبت ۱۳۸۵ کے آس پاس متعین کیا تھا۔مصر بندھو نے یہ اعتراف بھی کیا تھا کہ انہوں نے یہ کتاب نہیں دیکھی ۔اس کے ۷ سال بعد ہری اودھ جی کا ''ہندی بھاشا اور اسکے ساہیتیہ کا وکاس'' شائع ہوا۔اس میں بھی ملّا داؤد کو امیر خسرو ۶۵۱ ہجری تا ۷۲۵ھ =۱۲۵۳ء تا ۱۳۲۴ء کا معاصر بتلایا گیا ہے۔اور ان کی منظوم عشقیہ داستان لورک اور چندا کا ذکر کرتے ہوئے اسے نایاب بتلایا گیا ہے۔مصر بندھو اور ہری اودھ جی دونوں ہی نے اپنے ماخذ کی نشان دہی نہیں کی ۔ ہری اودھ جی نے لکھا ہے کہ ملا داؤد نے لورک اور چندا نام کے دو گرنتھ لکھے ہیں اور انہوں نے ملّا داؤد کو برج بھاشا کا شاعر بتلایا ہے ۔یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں۔وہ خود ہی رقم طراز ہیں کہ۔

''ان (ملّا داؤد) کی زبان کے متعلق کچھ لکھنا ناممکن ہے''۔

چنداین دو گرنتھ نہیں ہیں بلکہ وہ ایک مثنوی ہے ۔مصر بندھو نے ان دو گرنتھوں کو نایاب بتلایا ہے۔ ۱۹۳۶ء میں ہندی ادب کا پہلا تحقیقی مقالہ پیتامبر دت ورما کا ''دی نرگڑ وادا اسکول آف ہندی پوئٹری'' شائع ہوا۔اس میں پیتامبر دت ورما جی نے لکھا ہے کہ قدیم ترین معلوم شاعر ملّا داؤد ہیں، جو

سلطان علاء الدّین خلجی کے عہد ۱۴۳۹ء کے آس پاس موجود تھے۔ ان کی لورک اور چندا کی کہانی کا سراغ ملا ہے۔ ۱۴۳۹ء میں سید خاندان کے محمد شاہ ابن فرید شاہ ابن خضر خاں (۱۹؍فروری ۱۴۳۴ء = ۹؍رجب ۸۳۷ھ تا ۱۴۴۳ء = ۸۴۷ھ[2] تخت شاہی پر متمکن تھے، جبکہ علاؤ الدّین خلجی کا عہد حکومت ۶۹۵ء تا ۷۱۵ھ = ۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء ہے۔ واضح ہو کہ علاؤ الدّین خلجی کا انتقال ۶ شوال ۷۱۵ھ۔ ۴؍جنوری ۱۳۱۶ء میں ہو چکا تھا۔[3]

۱۹۳۸ء میں رام کمار ورما کا ''ہندی ساہتیہ کا آلوچناتمک اتہاس'' منظر عام پر آیا۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ جب امیر خسروؔ کا نام شمالی ہند میں ایک بڑے شاعر کی شکل میں ابھر رہا تھا، ان ہی دنوں مُلّا داؤد کا نام ہندی ادب کی تاریخ میں ملتا ہے۔ مُلّا داؤد کی ایک عشقیہ کہانی مشہور ہے جس کا نام چنداین یا چنداوت ہے۔ یہ کہانی ابھی تک نایاب ہے۔ انہوں نے مُلّا داؤد کو علاؤ الدّین کا ہم عصر مانتے ہوئے ان کا عہد ۱۳۱۷ء بتلایا ہے، جو کہ غلط ہے۔

برج رتن داس نے ۱۹۴۰ء میں ملّا داؤد کے بارے میں کچھ کہنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''کھڑی بولی میں ہندی ساہتیہ کا اتہاس'' میں ''منتخب التواریخ'' از عبدالقادر بدایونی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ملّا داؤد کی چنداین کی تخلیق فیروز شاہ تغلق متولد ۷۰۹ھ = ۱۳۰۹ء متوفی ۲۱؍ستمبر ۱۳۸۸ء = ۱۸؍رمضان ۷۹۰ھ کے عہد میں ہوئی تھی۔ بدایونی کا کہنا ہے کہ ۷۷۲ھ میں مقبول چشتی خان جہاں (اوّل) کا انتقال ہوا اور ان کا بیٹا جونا شاہ اسی عہدے پر فائز ہوا اور اسی کے نام سے ملّا داؤد نے چنداین ہندوی زبان میں لکھی، جس میں لورک اور چندا نام کے عاشق و معشوق کی داستان عشق ہے۔ علامہ عبدالقادر بدایونی کا کہنا ہے کہ وزیر اعظم خان جہاں کا انتقال ۷۷۲ھ میں ہوا۔ واضح ہو کہ وزیر اعظم مقبول کا انتقال ۷۷۲ھ میں نہیں بلکہ ۷۷۰ھ میں ہوا۔[4]

چونکہ چنداین کا کوئی نسخہ ھندی والوں کے پاس بیسویں صدی کی ساتویں دہائی سے پیشتر نہ تھا اس لیے ان کی اس قبیل کی ساری باتیں غیر مستند ہیں۔

مثنوی چنداین کے اب تک جتنے بھی نسخے دریافت ہوئے ہیں ان کی تفصیل بقول پرمیشوری لال گپتا و ڈاکٹر ماتا پرساد گپتا حسب ذیل ہے۔

۱- نسخۂ بنارس، جو بھارت کلا بھون میں محفوظ ہے۔ قیاساً سولہویں صدی عیسوی کا مخطوطہ ہے۔

۲- نسخۂ ہوفر ساچولیٹس (امریکہ) امریکہ کے ہوفر میوزیم میں اس کے صرف دو اوراق محفوظ ہیں۔ ہوسکتا ہے یہ دونوں اوراق بمبئی نسخہ کے ہوں اور اس سے الگ ہو کر امریکہ پہنچ گئے ہوں۔

۳- نسخۂ بمبئی۔ یہ نسخہ بھوپال میں دریافت ہوا تھا۔ یہ مخطوطہ پرنس آف ویلز میوزیم بمبئی میں محفوظ ہے۔اس میں ۶۴ رصفحات ہیں۔اس کا زمانہ کتابت قیاساً سولہویں صدی عیسوی ہے۔

۴- نسخۂ منیر شریف: یہ نسخہ پروفیسر حسن عسکری کا دریافت کردہ ہے، جو ۹۱۱ھ = ۱۵۰۵ء و ۱۵۰۶ء کا مکتوبہ ہے۔اسکی کتابت عہد شاہجہاں میں ہوئی تھی۔اس میں بھی کل ۶۴ رصفحات ہیں۔

۵- نسخۂ مانچسٹر۔ یہ نسخہ مانچسٹر ریلینڈس لائبریری میں محفوظ ہے۔قیاساً یہ سولہویں صدی عیسوی کا مخطوطہ ہے۔اس میں کل ۶۳۶ رصفحات ہیں۔یہ نسخہ ناقص الطرفین ہے۔

۶- نسخۂ پنجاب: اس نسخے میں کل ۸۵ رصفحات تھے، جو گورنمنٹ میوزیم، پٹیالہ میں محفوظ تھے، اس نسخے کا تعارف حافظ محمود خاں شیرانی نے ۱۹۴۱ء میں کرایا تھا۔ ہندوستان میں اس وقت اس نسخے کے کل دس صفحات محفوظ ہیں ۔ یہ نسخہ مصوّر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے چودہ صفحات پاکستان کے حصے میں در آئے تھے،لیکن اس وقت وہاں اس کا ایک صفحہ بھی موجود نہیں ہے، جیسا کہ پاکستان کے لاہور کی لائبریری سے دریافت کرنے پر پتہ چلا ہے۔

۷- نسخۂ شملہ: شملہ میں دو نسخے (مصور) قیاساً سولہویں صدی عیسوی کے مکتوبہ ہیں۔ان میں سے ایک نسخہ عربی رسم الخط میں اور دوسرا فارسی رسم الخط میں ہے۔

۸- نسخۂ بیکانیر۔ یہ نسخہ بنی پارک، جے پور میں محفوظ ہے،اس کی کتابت ۱۰۲۵ھ = ۱۶۱۶ء میں ہوئی تھی۔
چنداین کے ان آٹھ نسخوں میں سے چار کا رسم الخط عربی اور چار کا فارسی ہے۔

چنداین کو اردو میں پہلی بار پروفیسر ڈاکٹر انصاراللہ نظر نے ۱۹۹۰ء میں مدوّن کیا تھا، جس کو عابد رضا بیدار نے ادارۂ تحقیقات اردو، پٹنہ اردو کی مطبوعات میں شامل کرکے ۱۹۹۶ء میں شائع کیا تھا۔ اس نسخے کے حرفِ چند میں لکھا ہوا ہے کہ۔

''جمیل جالبی اس کتاب کو ایک بار منظر عام پر لا چکے ہیں۔''

لیکن ڈاکٹر انصاراللہ کا کہنا ہے کہ ان کے اڈیشن کی ایک اپنی اہمیت ہے، جسے انہوں نے اپنے مقدمہ میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

راقم کو یہ سطور پڑھ کر بہت تعجب ہوا کیونکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس کتاب کی تدوین نہیں کی۔ انہوں نے اپنی تاریخ ادب اردو جلد اوّل کے صفحہ ۵۷ میں مثنوی چنداین کی بابت صرف دو سطریں رقم کی ہیں اور اس میں مرقوم دونوں اطلاعات یعنی یہ کہ یہ مثنوی ''قدیم ہندی بھاشا میں ہے۔'' اور یہ کہ یہ ۷۸۹ھ = ۱۳۷۷ء کی مصنّفہ ہے، غلط ہیں۔ لیکن ۲۴ رجنوری ۲۰۱۹ء میں راقم کو ڈاکٹر انصاراللہ

صاحب ہی کی مدّونہ چنداین کا وہ نسخہ نظر نواز ہوا جو براؤن بک پبلیکیشنز، نئی دہلی کا ۲۰۱۴ء کا نشر کردہ ہے جس کے صفحہ ۳۹ / پر انہوں (ڈاکٹر انصار اللہ) نے یہ رقم کیا ہے کہ۔

''حقیقت یہ ہے کہ جمیل جالبی صاحب کا اس کتاب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے مذکورہ اشاعت میں اپنے کام کی اہمیت جتانے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی، بیدار صاحب نے یہ سب کیوں لکھا اس کی حقیقت انہیں کو معلوم ہوگی۔''

تب راقم کی ڈاکٹر انصار اللہ کی جانب سے پیدا شدہ بدگمانی کا ازالہ ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے مثنوی چنداین کا کوئی نسخہ دیکھا ہی نہیں ورنہ وہ، وہ سب کچھ نہ لکھتے جو انہوں نے اپنی کتاب ''تاریخ ادب اردو'' جلد اوّل کے صفحہ ۴۷۵ میں رقم کیا ہے۔

چنداین کے اب تک دریافت شدہ سبھی نسخوں کا رسم الخط عربی و فارسی ہے اور اس کا کوئی نسخہ دیوناگری رسم الخط میں دستیاب نہیں ہوا۔

مصنفِ چنداین ملّا داؤد نے اس کا نام بھی فارسی زبان میں بایں طور رقم کیا ہے۔

''گفتہ چنداین، گفتار مولانا داؤد ڈلمئی''

علاوہ ازیں اس مثنوی کے سبھی عنوانات فارسی زبان میں ہیں۔ ملّا داؤد نے خود ہی چنداین کی زبان اور اس کے رسم الخط کی بابت مثنوی کے نویں بند کے چوتھے بیت میں صاف صاف کہا ہے:۔

پُن مَین اَکھرَ کی سُدھ پائی   تُرکی لِکھ لِکھ ہِندُکی گائی[۵]

یعنی پھر میں نے اِن حرفوں (نو کالے حرفوں یعنی کلمہ شہادت) کی حقیقت پائی اور تُرکی (فارسی) میں لکھ لِکھ ھندُکی گائی۔ یعنی جو چیز کہی گئی ہے اس کی زبان ہندُکی یعنی اردو ہے، اور اس کا رسم الخط ترکی یعنی فارسی ہے۔ واضح ہو کہ ملّا داؤد نے نویں بند کے چوتھے بیت میں ''اکھرَ'' لکھ کر غلطی کی ہے، کیونکہ انہوں نے بیت نمبر ۳ / اس طرح کہا ہے۔

اُکھر نَین ہیَے اُجیارے پایو لِکھ نوا کھَّر کارے۔[٦]

یہاں ''نوا کھرَّ'' کلمۂ شہادت کے نو کلمے یعنی نو شبد ہیں۔ کلمۂ شہادت ہے: "**اشھد**[۱] **ان**[۲] **لا**[۳] **الٰہ**[۴] **الاّ**[۵] **اللّٰہ**[٦] **محمد**[۷] **رسولُ**[۸] **اللّٰہ**[۹]" اس میں حروف بہت زیادہ ہیں۔ بند نمبر نو کے چوتھے بیت میں مرقوم اکّھر سے مراد وہی نوا کھَّر ہیں۔ ہندی کے اکھر یا اکھّر یعنی اچھر کا اردو متبادل حرف ہے اور شبد کے معنی لفظ ہیں۔ کلمہ شہادت میں نو الفاظ یعنی نو شبد ہیں۔

شانتی کمار چترویدی نے اس کی زبان پوربی ہندی یعنی اودھی بتلائی ہے، جس کا استعمال حضرت

نظام الدین اولیاً اور بابا فرید الدین گنج شکر کرتے تھے۔ لیکن یہ قول نا درست ہے۔ ملا داؤد کی زبان جو چنداین میں استعمال کی گئی متذکرہ بالا نویں بند کی رو سے ہندی ہے، جو اودھی سے متاثر ضرور ہے لیکن اودھی نہیں ہے۔

چونکہ چنداین کو اردو سے ہندی میں منتقل کیا گیا ہے، اسی لیے ہندی والوں نے اردو سے عدم واقفیت کے باعث اس میں کافی غلطیاں کی ہیں، لیکن اس کے باوجود راقم کو اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی باک نہیں ہے کہ ہندی والوں نے فارسی رسم الخط اور فارسی زبان کے مزاج سے ناواقفیت کے باوجود، چنداین کو منصۂ شہود پر لانے اور اس کو شہرت دینے میں جتنا کام کیا ہے اور کر رہے ہیں، اس کا عشرِ عشیر بھی اردو والے نہیں کر پائے اور نہ کر پا رہے ہیں۔

چنداین سلطان کمال الدین فیروز شاہ تغلق کے دورِ امارت، خان جہان ثانی کے دورِ وزارت اور زین الدین کے دور قیادت میں لکھی گئی ہے۔ ملاّ داؤد نے ان تینوں کی مدح میں اشعار لکھے ہیں اول الذکر دونوں حضرات یعنی سلطان اور وزیر اعظم وزیر غیبت جونا شاہ کی مدح میں ملاّ داؤد نے مثنوی کے سترہویں بند میں کہا ہے۔

ساہ پھیروج دِلّی سُرتانا جونا ساہ او جیر بکھانا ۓ

اور اپنے پیر زین الدین کی مدح مثنوی کے نویں بند میں کی ہے۔ ملاّ داؤد کے روابط وزیر اعظم جونا شاہ سے کافی مضبوط اور اُستوار تھے اس لیے انہوں نے ان کی مدح میں پانچ بند یعنی بند نمبر ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ و ۱۴، کہے ہیں اور اس میں کافی غلو کیا ہے۔ ملاّ داؤد نے بند نمبر ۱۵ و ۱۶ میں اپنے والد ملک الامراً ملک مبارک ولد ملک بیاں کی بھی مدح سرائی کی ہے۔ مثنوی کے آغاز میں ۵/ بند حمد باری تعالیٰ سے اور چھٹا بند نعت رسول اکرم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق ہے۔ ان ۱۷/ بندوں کے بعد ۱۸/ اور آگے کے بند راجہ رائے مہر کے دار السلطنت گودر کی رونق کے بارے میں کہے گئے ہیں۔ ان میں حوض، نالے، پوکھر، مختلف پھولوں، متنوع میوؤں، حوض کے جانوروں، حوض کے پانی کی لطافت ،شہر گودر کے ارد گرد کے حصار، باشندگان شہر مع تشخص ذات، شہر کے بازار اور ان کے بازی گروں، رائے مہر کے دربار، اس کے قلعہ اور راجہ رائے مہر کی رانیوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد بند نمبر ۳۲ میں سہدیو یا راجہ مہر کے یہاں چندا کی پیدائش کا تذکرہ ہے۔ بند نمبر ۳۳ سے بند نمبر ۴۵۳ تک اصل داستان لورک اور چندہ کے معاشقہ کی کہانی نظم کی گئی ہے۔

مثنوی چنداین اپنے زمانے کی مشہور و مقبول مثنوی ہے، جو اپنی تخلیق کے چند سالوں بعد پردۂ خفا

میں چلی گئی تھی۔اس کی دریافت کا سہرا ہندی ادب والوں کے سر ہے۔

چنداین کو دیوناگری رسم الخط میں ڈاکٹر وشوناتھ پرساد نے سب سے پہلے مرتب کر کے اُسے آگرہ ہندی وڈیا پیٹھ سے ۱۹۶۲ء میں شائع کیا تھا۔موصوف نے اس کے صفحہ ایک سے صفحہ ۳۸ تک کو ''لورکہا'' اور صفحہ ۳۹ سے ۷۱ تک کو چنداین کا نام دیا تھا۔اس کی دو اشاعتیں ڈاکٹر وشوناتھ پرساد کی رہینِ منّت ہیں۔تیسری اشاعت پرمیشوری لال گپتا کی ہے، جسے انہوں نے ضروری تعلیقات و حواشی کے ساتھ ۱۹۶۳ء میں شائع کیا تھا۔ان کی یہ اشاعت انگلینڈ کے رینالڈس لائبریری میں مخزونہ مخطوطہ پر مبنی ہے۔اس میں ۴۵۲ بند ہیں۔راقم کے پاس اس کا جو مطبوعہ نسخہ ہے، اس میں ۴۵۲ بند ہیں۔ ۴۵۳واں بند شری پرمیشوری لال کو نہیں ملا۔ اس نسخہ کا پرکاشک یعنی ناشر ہندی گرنتھ رتنا کر (پرائیویٹ) لمیٹڈ، بمبئی شاخ دہلی ہے۔اس میں کتاب کا نام ''چنداین'' لکھا ہوا ہے۔چوتھی اشاعت ڈاکٹر ماتا پرساد گپتا کی ۱۹۶۷ء کی مطبوعہ ہے، جس میں ۸۷ بندوں سے متعلق حواشی و تعلیقات ہیں۔

اس میں چونکہ لورک اور چندا کی داستان عشق بیان کی گئی ہے اس لیے ڈاکٹر ماتا پرساد گپتا نے اسے ''لورکہا'' نام سے معنون کیا ہے، جبکہ ڈاکٹر وشوناتھ پرساد نے اسے ''چاندا'' یا چنداین نام دیا ہے اور یہی نام ملاّ داؤد کے بیت:

داؤد کوی جو چاندا گائی جوئی رسنا سوگا مرجھائی ۸

کی بنیاد پر زیادہ مناسب ہے۔مثنویوں کے رواج کے مطابق اس مثنوی کا نام اس کی ہیروئن چاندا کے نام پر چنداوتی یا چنداین ہی مناسب ہے۔ڈاکٹر نتیا نند ورما ریڈر شعبۂ ہندی جودھ پور یونیورسٹی، جودھ پور اور ڈاکٹر وشٹر ودتّ راکیش، سینئر لیکچرر شعبۂ ہندی گروکل کانگڑی یونیورسٹی، ہریدّ وار کا قول ہے کہ چنداین نام کی تصدیق سمبت ۱۶۷۳ میں مرقومہ شیخاوتی میں ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر معنون بہ چنداین سے بھی ہوتی ہے۔۹

لورک اور چندا کی کہانی بھوجپوری میں لورہا اور مگھئی علاقہ میں لورکائن ناموں سے مشہور ہے۔ چنداین میں چندا اور لورک کی داستان عشق بیان کی گئی ہے۔ چندا کا جنم گوور شہر میں، جہاں عیش و عشرت کے سبھی سامان مہیّا تھے، راجا سہدیو یا راجہ رائے مہر کے گھر ہوا تھا۔راجہ کے پاس چوراسی، ایک سے ایک حسین و شکیل رانیاں تھیں، ہر رانی کے تحت اکیاسی باندیاں تھیں، ان میں سب سے بڑی حیثیت کی رانی کا نام پھولا رانی تھا، جس کے بطن سے چندا کا جنم ہوا تھا، چندا کی شادی راجہ جیت کے بیٹے باون سے ۴ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔یہ شادی باون کے عدم التفات کے باعث ناکام ہوگئی اور

چندابعمر ۱۶ر سال اپنے مائکہ لوٹ آئی۔ ایک دن دفعتہً اجین نگر کے باسی بودھ سادھو باجر کی نگاہ چندا پر پڑی اور وہ بے ہوش ہوگیا۔ بات آئی گئی اور ہوگئی ۔ چونکہ باجر چندا کے حسن کی غائبانہ تعریف کیا کرتا تھا، اس لئے وہ ایک دن رائے مہر کے خوف سے گودر کی سکونت ترک کرکے بہار کے مشہور شہر راج نگر چلا آیا، جس کا والی راجہ روپ چند اور وزیر بانٹھا تھا، وہ وہاں بھیک مانگ کر اپنا گزر بسر کیا کرتا تھا وہ چاندا کے بے عدیل حسن سے اتنا متاثر تھا کہ اس نے چاندا کے حسن و جمال سے متعلق تگ بندی کر کے بہت سے اشعار جمع کر لئے تھے، جو چندراول گیت کے نام سے مشہور تھے۔ (بند نمبر ۶۰ بیت نمبر ۶ و بند نمبر ۶۱ بیت نمبر ۵)

چونکہ چندراول میں مشمول اشعار مبنی بر حقیقت تھے اس لئے وہ کافی موثّر اور اثر آفرین تھے باجر کے لفظوں میں!

سُو ن کَ سُناں کہوں ہوں کاہا بولیوں سوئی جو دیکھیوں آہا

اسی مضمون کو سعدؔی نے کس خوبصورتی سے کہا ہے ''شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ'' راجہ روپ چند نے چندراول گیت سماعت کرکے باجر کو اپنے پاس بلوایا۔ وہ بڑی دلچسپی سے محاسنِ اعضاً واندام چاندا سنا کرتا تھا۔ کچھ دنوں بعد بودھ سادھو باجر نے چندا کے بے عدیل حسن و جمال کی تعریف راجہ روپ چند سے کچھ اس طرح کی کہ وہ غائبانہ راج کماری چندا کے نادیدہ حسن پر عاشق ہوگیا اور اس نے راج کماری چندا سے شادی کا پیغام دے دیا، جسے راجہ سہدیو نے نامنظور کر دیا۔ اس نامنظوری سے ناخوش ہوکر راجہ روپ چند نے راجہ سہدیو کے دارالحکومت پر حملہ کر دیا۔ راجہ سہدیو نے اپنی سلطنت کے ایک ماہر جنگجو بہادر اہر لورک سے مدد مانگی۔ دونوں راجاؤں میں جنگ ہوئی۔ نتیجتہً لورک فتحیاب ہوا اور راجہ روپ چند کو شکست ہوئی۔ راج کماری لورک پر دل وجان سے فریفتہ ہوگئی۔ لورک کو بھی چندا سے عشق ہوگیا۔ ایک مدت تک دونوں فراق اور جدائی کی آگ میں جلتے رہے۔ بالآخر دونوں بھاگنے میں کامیاب ہوگئے ۔ چندا کا شوہر باون ان دونوں کا پیچھا کرتا ہے، لیکن لڑائی میں شکست کھا جاتا ہے۔ چاندا کو دوبار سانپ ڈستا ہے لیکن وہ ہر بار منتروں کے سہارے بچ جاتی ہے۔ لورک اور چاندا اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ راہ میں ان کی ملاقات ایک راجہ سے ہوتی ہے جو لورک اور چاندا کے احوال وکوائف معلوم کرکے ان کی دل جوئی کرتا ہے۔ ادھر لورک کی بیوی مَینا اپنی سرگذشت سِرجن بھاٹ سے بیان کرتی ہے اور اس کو اپنی مدد کے لیے آمادہ کرتی ہے، اسی سلسلے میں وہ اپنی دُکھ بھری داستان سِرجن کو بارہ ماسہ کے ذریعہ سُناتی ہے۔ غالبًا ملّا داؤد کا یہ بارہ ماسہ اردو ادب کا پہلا بارہ ماسہ ہے۔ سِرجن اس

بارہ ماسہ سے متاثر ہوکر اس کی مدد کو آمادہ ہو جاتا ہے۔ وہ لورک سے اس کی داستانِ غم پُر اثر انداز میں بیان کرتا ہے۔ لورک پر اس کا خاطر خواہ اثر پڑتا ہے اور لورک کو گھر کی یاد ستانے لگتی ہے۔ اس کا دل تڑپ اُٹھتا ہے اور وہ گھر کے لیے روانہ ہو جاتا ہے۔ راجہ اس کے ساتھ چند سوار اور چند پیادے کر دیتا ہے۔ لورک جب اس لاؤ لشکر کے ساتھ اپنے گھر پہنچتا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ کوئی بڑا راجہ فوج لے کر چڑھ آیا ہے، لیکن مینا خواب دیکھ کر اپنی ساس کو لورک کی آمد کی اطلاع دیتی ہے اور خود حقیقت حال دریافت کرنے کی غرض سے دودھ بیچتی ہوئی لورک کے خیمہ میں پہنچ جاتی ہے۔ چاندا اور مینا میں تو تو میں میں ہوتی ہے۔ لورک دونوں کو سمجھاتا ہے اور بالآخر سب لوگ اپنے گھر آجاتے ہیں۔ لورک کی ماں اپنے بیٹے سے جدائی کے دوران کی پریشانیوں کا تذکرہ کرتی ہے اور یہیں پر چنداین کا متن ختم ہو جاتا ہے۔

اُن دِنوں اہروں کا شمار اعلیٰ ذات میں ہوتا تھا۔ پنچایت میں لورک اپنا تعارف کراتے ہوئے کہتا ہے:

میں اہر ذات سے ہوں میرا نام لورک ہے۔ یہ عورت چاندا، راجہ سہدیو کی بیٹی ہے۔ اس کی شادی راجہ سہدیو نے باون سے کر دی تھی میں باون کی عورت لے آیا ہوں اور چاند جیسی عورت میں نے پائی ہے۔ میں وہ ہوں جس نے بانٹھا کو مارا اور جس نے اسورا اور روپ چند جیسے سورماؤں کو شکست دی۔ اس طرح ''پرسیدن لورک مادر را و جواب دادن مادر'' عنوان کے تحت کہے گئے اشعار کے ساتھ کہانی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

راقم، پروفیسر ڈاکٹر انصار اللہ کے اس نظریہ سے قطعاً اتفاق نہیں کرتا جو انہوں (ڈاکٹر موصوف) نے اپنی مرتبہ چنداین ایڈیشن ۲۰۱۴ء کے صفحہ ۷ میں رقم کیا ہے ''کہ ان کتابوں پر عنوان بالعموم مصنف کے قائم کئے ہوئے نہیں ہوتے ہیں۔ یہ عنوان بعد میں کوئی اور شخص مقرر کرتا تھا'' ان کا یہ عظیم نظریہ بغیر کسی معقول دلیل کے حوالہ قرطاس کیا گیا ہے، جو کہ بادی النظر میں غلط ہے واضح ہو کہ اردو میں جس طرح قصیدہ عربی ادب سے آیا ہے، اسی طرح صنفِ مثنوی فارسی ادب سے آئی ہے۔ فارسی کے قدآور شاعر ابوالقاسم حسن ابن شرف شاہ طوسی کا شاعرانہ لقب یا تخلص فردوسی تھا، جن کی ولادت سن ۳۳۰ھ اور جن کا سنِ وفات ۴۱۱ ہجری ہے۔ موصوف نے اپنی مثنوی شاہ نامہ فردوسی کے سارے عنوانات خود ہی قائم کئے تھے۔ عنوانات قائم کرنے کا یہ سلسلہ فردوسی سے لے کر آج تک کی سبھی مثنویوں میں علیٰ سبیل التوالی والتعاقب چلا آ رہا ہے، خواہ وہ اردو کی بے نظیر مثنوی سحر البیان ہو یا اردو کی شاہ کار مثنوی گلزار نسیم ہو۔ واضح ہو کہ ہر بند کا عنوان اس کے تحتی ابیات کے مضامین کا مختصر ترین خلاصہ ہوتا ہے، جس کے ارد گرد اس عنوان کے تحت مرقوم سارے ابیات کے مضامین گردش کرتے رہتے ہیں۔ یہ کام

اتنا مشکل ہے کہ اس کی بجا آوری مصنف کے علاوہ کوئی دیگر شخص کما حقہٗ نہیں کر سکتا۔ یہاں پر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ مثنوی چنداین کے سارے دستیاب مخطوطات میں عنوانات موجود ہیں اور وہ سبھی یکساں ہیں۔ لائق مرتب مثنوی پروفیسر انصار اللہ نے اتنا بڑا دعویٰ بغیر کسی ایسے نام کی نشان دہی کے کر دیا ہے جس نے یہ بڑا کام انجام دیا ہو۔

چنداین کے مرقومہ بالا صفحات میں بارہ ماسہ کا ذکر آیا ہے۔ بارہ ماسہ سے متعلق محمود خاں شیرانی کے خیالات موجز اور محققانہ وناقدانہ ہیں، اس لیے وہ ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

> ''بارہ ماسہ درحقیقت ایک فراق نامہ یا سرگذشت ہجراں ہے۔ ہندی میں چونکہ عورت عاشق اور مرد محبوب مانا جاتا ہے، اس لیے یہ سرگذشت اکثر عورت کی طرف سے بیان ہوتی ہے۔ وہ اپنے محبوب کی جدائی کا ایک ایک مہینہ الگ الگ گنتی ہے اور خصوصیات موسمی کے ذکر کے ساتھ ساتھ اپنے جذبات عشق اور کیفیت قلبی کو باحسرت ویاس ایک دل گداز پیرائے میں بیان کرتی ہے۔۔۔۔ بارہ ماسہ ہمیشہ طویل نظم میں ہوتا ہے اور مختلف بندوں میں بہ حساب ماہ ہندی تقسیم ہوتا ہے۔۔۔ بند کے آخر میں دوہرا اکثر لایا جاتا ہے۔ بعض وقت دوہرے کے ساتھ فارسی شعر بھی ہوتا ہے۔۔۔ اس کے ادبیات کا اکثر وبیشتر ذخیرہ دیسی زبانوں میں پایا جاتا ہے، جن میں برج، پنجابی، ہریانوی اور اردو قابلِ ذکر ہیں، فی زمانہ بارہ ماسہ متروک ہو چلا ہے۔۔۔ ایران میں اس صنف کا کہیں پتا نہیں چلتا۔'' [۱۰]

جہاں تک چنداین میں عروضی نظام کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اس کے ہر بیت کے دونوں مصرعے ہم وزن وہم قافیہ ہیں، یہ مثنوی غیر مردّف ہے یعنی اس میں ردیف کا التزام نہیں کیا گیا۔ آج بھی بہت سی مثنویوں میں ردیف کا التزام نہیں کیا جاتا۔ مُلّا داؤد کو اس بات میں بھی اوّلیت کا فخر حاصل ہے کہ انہوں نے اس مثنوی میں چھوٹے چھوٹے قطعے یعنی اشعار کے مجموعے استعمال کیئے ہیں۔ مثنوی کے ہر بند میں چھ ابیات ہیں۔ جن میں سے ہر بند کے ابتدائی پانچ ابیات میں بحر کے ارکان کی تعداد کم اور چھٹے بیت میں زیادہ ہے۔ اس مثنوی کا شعری وعروضی نظام ہندی کے شعری وعروضی نظام کے مطابق نہیں ہے۔ مُلّا داؤد کی حیات مبارکہ کی سوانح سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ آپ، جس طرح باطنی وروحانی علوم اور تصوف میں ایک بلند مقام پر فائز تھے، اسی طرح آپ ظاہری ومقامی علوم پر بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ فارسی آپ کی مادری زبان، عربی مذہبی زبان اور ہندکی (آج کی اردو زبان)

ہندی، ہندوی و اودھی معیشتی و معاشرتی زبانیں تھیں ۔ جہاں تک آپ کی عملی زندگی کا تعلق ہے، آپ میں اپنے عالی قدر جدِ امجد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خصائل حمیدہ کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ چنداین کے ہر بیت میں الگ الگ قوافی ہیں۔ اس مثنوی میں ایک داستان عشق مسلسل نظم کی گئی ہے۔ فارسی زبان اور اس کی صنف مثنوی، مثنوی کی ماہیت، اس کے ارکان و اجزائے ترکیبی اور اس کے شعری و عروضی نظام سے ناواقفیت کی بنا پر شری پرمیشوری لال گپتا نے اس مثنوی چنداین مصنّفہ مُلّا داؤد کے ہر بند میں ابیات کی تعداد چھ کی بجائے سات اور اس کی زبان ''ھندکی'' کی بجائے اودھی اور شری ہری اودھ جی نے برج بھاشا بتلائی ہے۔ اس قبیل کی غلطیاں ڈاکٹر نگیندر و ڈاکٹر ہر دیال نے بھی اپنی کتاب ہندی ساہتیہ کا اتہاس'' کے صفحہ ۱۵۳ (ایڈیشن ۴۷-۲۰۱۴ء) میں دہرائی ہیں۔ ہندی ادب کے دیگر محققوں نے بھی وجوہ متذکّرہ بالا کے باعث اپنے تحقیقی مقالوں میں اسی قسم کے اغلاط کا اعادہ کیا ہے۔''

پنڈت رام چندر شکل کا کہنا ہے کہ:

''توجہ طلب بات یہ ہے کہ سب عشقیہ داستانیں پوری پوری ہندی یعنی اودھی بھاشا میں ایک متعین ضابطے کے مطابق صرف چوپائی اور دوہے میں لکھی گئی ہیں۔''[۱۱]

یہی بات رام کمار ورما نے اس طرح کہی ہے:

''دوہا چھند اودھی میں ایسا فٹ ہوا ہے کہ دوسری کسی زبان میں دوہے کے ساتھ اتنا انصاف نہیں ہوا۔ یہی معاملہ چوپائی کا ہے۔ اودھی میں چوپائی کا جو روپ نکھرا ہے، وہ برج بھاشا میں نہیں ہے۔''

راقم کے نزدیک جیسا کہ ماقبل میں کہا گیا ہے، چنداین کی زبان ملا داؤ کے خود کے بیان کے مطابق:

''تُرکی لِکھ لِکھ ہندکی گائی''

ہندکی یا ہندوی ہے، جو اردو کا ابتدائی نام ہے۔ اس زمانے کی ملکی زبان یہی ہندکی یا ہندوی تھی۔ اودھی ملا داؤد کے ڈلمؤ اور ردولی ضلع بارہ بنکی کی علاقائی زبان تھی۔ اس مثنوی کا رسم الخط ''تُرکی'' یعنی فارسی ہے۔

ملا داؤد کو مناظر کی عکاسی میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ انہوں نے مختلف اشیاء و اماکن کا بہت اچھا نقشہ کھینچا ہے۔ انہوں نے باغ اور باغ کے درختوں اور درختوں کے پھلوں اور میووں، حوض، حوض کے پانی کی لطافت اور اس میں آبی جانوروں کا دل کش منظر پیش کیا ہے۔

ملا داؤد نے اپنی مثنوی کے بند نمبر ۲۴ رمیں شہر پناہ کا تذکرہ کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ گودر شہر کے چاروں طرف جو فصیل اُٹھائی گئی ہے، اس کی اونچائی تیس آدمیوں کے برابر اور چوڑائی بیس ہاتھ کے

برابر ہے۔شہر پناہ کی دیوار سفید وسیاہ پتھر گڑھ کر بنائی گئی ہے۔شہر پناہ میں بیس دروازے ہیں۔جن میں سے ہر ایک پر لوہا لگا ہوا ہے اور کواڑوں پر سونا چڑھا ہوا ہے۔ان میں بغرض تحفظ ونظم ونسق دن میں دربان رہتے ہیں اور رات میں کوتوال رہتا ہے۔بند نمبر ۲۵ر میں مختلف ذاتوں از قبیل اہروں برہمنوں ،کھتریوں اور گوالوں وغیرہ کا تذکرہ ہے۔ بازار اور بازیگروں کا بھی مفصل بیان ہے ۔ ملا داؤد کی چنداین میں بیان کردہ نقشہ جاذب قلب ونظر ہے۔

مثنوی چنداین میں ملا داؤد نے باجر کی زبانی چندا کا سراپا بند نمبر ۶۴ر سے بند نمبر ۸۲ر تک بیان کیا ہے ۔اس کے بعد بند نمبر ۸۳ر میں اس کے لباس اور بند نمبر ۸۴ر میں اس کی زیب وزینت کا دیدہ زیب تذکرہ کیا گیا ہے۔ملا داؤد کا چاندا کا یہ سراپا بہت مفصل ہے اور بہت لذت لے لے کر بیان کیا گیا ہے۔راقم کے نزدیک ملا داؤد کا یہ سراپا،سراپا نگاری کی دنیا میں حسین ترین اور درست تر سراپا ہے۔

مثنوی چنداین کے سن تخلیق کی بابت تین نظریے پیشِ نظر ہیں:۔

پہلا نظریہ یہ ہے کہ چنداین کی تخلیق کا سن ۹۷۷ء ہے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اس کا سن تخلیق ۸۹ے ء ہے۔اور تیسرا نظریہ یہ ہے کہ مثنوی کا سن تخلیق ۸۱ے ء ہے۔ان نظریات میں سے پہلا نظریہ اس لئے غلط ہے کیونکہ مثنوی میں ملا داؤد نے سب سے زیادہ مدحیہ ابیات یعنی تیس ابیات (۵ بند) جس شخصیت کی مدح میں کہے ہیں، وہ شخصت وزیر اعظم ، وزیر غیبت ، المخاطب بہ خان جہاں (ثانی) جونا شاہ کی ہے، جو ۷ے ء میں اپنے والد مقبول چشتی کی وفات کے بعد کرسی وزارت پر، متمکن ہوا تھا۔ اُسے کرسیٔ وزارت پر متمکن ہوئے ابھی نو سال ہوئے تھے۔کوئی بھی شخصیت خواہ کتنی ہی اخّاذ کیوں نہ ہو،اتنی قصیر مدت میں ان اوصاف کے ساتھ متصف نہیں ہوسکتی،جن اوصاف کے ساتھ وہ متصف دکھلائی گئی ہے۔ ۹ے ء میں جونا شاہ کا ان صفات کے ساتھ اتصاف عقلاً وعادۃً ناممکن ہی نہیں محال ہے۔

دوسرا نظریہ اس لیے نادرست ہے کیونکہ ممدوح جونا شاہ اس سن کے آتے آتے پہلے مفلوج پھر معتوب اور بالآخر ۸۹ے ء ۔۷۸۱ھ کے ماہ جولائی واگست میں مقتول ہوگئے تھے اب صرف تیسرا نظریہ یعنی ۸۱ے ء ۔۸۰۔۷۹ ۱۳ھ کا نظریہ بچتا ہے جو صحیح و درست ہے۔ان نظریات ثلاثہ میں سے پہلا نظریہ عبد القادر بدایونی اور ڈاکٹر سید حسن عسکری کا، دوسرا نظریہ ڈاکٹر جمیل جالبی المتولد ۱۲ر جون ۱۹۲۹ء والمتوفی ۱۸ر اپریل ۲۰۱۹ء کا اور تیسرا نظریہ راقم کا ہے۔

ملّا داؤد کے جتنے بھی حلیے ملے ہیں، وہ سبھی ان کے عالم شیخوخت کے ہیں اور تقریباً ایک سے ہیں ۔ پروفیسر حسن عسکری کے بموجب ملّا داؤد کی شبیہ کھڑی یا بیٹھی حالت میں دکھائی گئی ہیں ۔ایک

قدرے سانولے، ضعیف، باریش بزرگ، ہاتھوں یا کمر میں تسبیح لٹکائے، سر پر کلاہ دار پگڑی اوڑھے، پوری چست آستینوں والی تکمہ دار صدری یا مرزئی یا دوہرے پیش کا کوٹ یا شلوار نما پائجامہ پہنے نظر آتے ہیں۔ ایک تصویر کھڑے حالت میں ملتی ہے صدری یا کوٹ یا چست پائجامہ کے اوپر مہین جھلمل کپڑے کا ایک لمبا قدموں تک کا نیچا جامہ ہے، جس کے سامنے نیچے کے دو کنارے کٹے ہوئے ہیں۔ ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی نشانی سبحہ گردانی اور تلاوت قرآن مجید ہے۔ تقریباً ہر تصویر میں اس ضعیف العمر، بڑی بڑی آنکھوں والے بزرگ کے سامنے رحل پر ایک مقدس کتاب (غالباً قرآن پاک) دکھائی گئی ہے، جس میں عربی خط نسخ میں کچھ عبارت بھونڈے طرز سے تحریر کی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ تحریر ہر جگہ **مایقرء** یعنی پڑھی جانے لائق نہیں ہے لیکن اللہ کا نام ہر جگہ صاف طور پر موجود ہے۔[۱۲]

آپ کا سلسلۂ نسب خلیفۂ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔

شیخ خواجہ محمد احمد المعروف بہ مَلِک بیان

↓

شیخ شعیب المعروف بہ ملک مبارک

↓

شیخ ملاّ داؤد ردولوی، ڈلمئ

↓

شیخ محمد عمر

شیخ تقی الدین محمد
واعظ ربانی ولادت ۷۷۵ھ
=۱۳۷۳ء وفات ۸۳۵ھ =۱۴۳۲ء
بعمر ۶۰ سال بڑے صاحبزادے

شیخ احمد عبدالحق چھوٹے صاحبزادے
وفات بعمر ایک سو آٹھ سال اور
بقول بعض ایک سو بیس سال

نوٹ:- یہ شجرہ جناب شاہ مبین احمد منظرؔ ایڈوکیٹ ردولی ضلع بارہ بنکی کے خاندانی شجرہ پر مبنی ہے۔

ملاّ داؤد کے احوال زندگی کچھ اس طرح ہیں۔ کہ وہ اپنے وطنِ اصلی بلخ کی سکونت ترک کر کے قصبہ ردولی ضلع بارہ بنکی میں جلال الدّین (۶۸۹ھ۔ ۱۲۹۰ء تا ۶۹۵ھ ۱۲۹۶ء) خلجی کے قتل سے پہلے وارد ہوئے تھے۔[۱۳]

ملّا داؤد کی ولادت و وفات کے صحیح و درست سن پردۂ خفا میں ہیں۔ مختلف مورخین نے انہیں سلطان علاء الدّین، نظام الدّین اولیاء اور مشہور شاعر امیر خسؔرو کا ہم عصر بتلایا ہے۔ سلطان علاء الدّین کا سن وفات ۷۱۵ھ اور حضرت نظام الدین اولیاء اور امیر خسؔرو کا سن وفات ۷۲۵ھ ہے اس لیے ملّا داؤد کا سن ولادت ۶۸۵ھ قرین عقل و قیاس ہے۔ کیونکہ علاء الدین کے ذریعہ اپنے چچا و خسر، کا قتل ۶۹۵ھ میں ہوا تھا۔[۱۴]

یہ سن ولادت تب ہے جب ملّا داؤد کی عمر ورودِ ہندوستان کے وقت ۱۰ رسال مان لی جائے۔ اس طرح مُلّا داؤد سن شعور میں پہنچنے کے بعد اولاً بلخ سے اکیلے ہندوستان تشریف لائے بعد میں ان کے والد ملک مبارک ابن بیان ہندوستان تشریف لا کر عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ ملّا داؤد نے ۷۸۱ھ میں چندائن لکھی۔ ان کا حلیہ چندائن کے متعدد نسخوں میں مندرج ہے جس کے مطابق وہ اس وقت کافی ضعیف العمر تھے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جوانی میں کافی تندرست رہے ہونگے۔ ان کے پوتے شیخ احمد عبدالحق کی عمر بوقت وصال ایک سو آٹھ سال بتلائی گئی ہے۔ ''بزم صوفیہ'' کے صفحہ ۶۲۳ میں محمود احمد قادری نے شیخ ملّا داؤد کے تذکرے کے مابین لکھا ہے کہ مُلّا داؤد نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید تھے، جو کہ غلط اور نادرست ہے کیونکہ مُلّا داؤد نے اپنی مثنوی میں اپنے کو شیخ زین الدین کا مرید لکھا ہے۔

سَیکھ جَینُدّی ہَوں پَتھ لاوَا دھَرم پَتھ جِہہِ پاپ گوا وَا[۱۵]

شیخ زین الدین، نصیر الدین چراغ دہلوی کی بڑی بہن کے صاحبزادے یعنی شیخ نصیر الدین کے سگے بھانجے اور ان کے خاص مرید، خادم و خلیفہ تھے۔ مُلّا داؤد کے والد ملک مبارک بلخ سے ہندوستان آکر ڈالمؤ کے جج ہو گئے تھے وہ ملک الامرأ تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ماتحتی میں کئی امیر تھے۔ مُلّا داؤد نے اپنے والد کی مدح سرائی اپنی مثنوی کے پندرہویں اور سولہویں بندوں میں کی ہے۔ ان دونوں بندوں میں ان کی شجاعت اور ان کی سخاوت پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ ان کی بہادری کے سلسلے میں مثنوی کے پندرہویں بند کے پانچویں بیت کا دوسرا مصرع ملاحظہ ہو:

'' آنی بھاگہنہ رائی چھاڈِنس رانی ''

ترجمہ: راجا ہمیشہ (خوف کے باعث) رانی کو چھوڑ کر بھاگتے ہیں۔

ان کی بخشش اور سخاوت کے بارے میں سولہویں بند کے چوتھے بیت میں کہا گیا ہے کہ:

گرِ دِییاتِ سَوَر کے دیکھا دوسَر رانک نہ چِت مَے لیکھا

ترجمہ: تو نے برابر کی صورت میں سہارا دیا ہے۔ اب دل میں بھی کوئی غریب نظر نہیں آتا۔

مُلّا داوٗد نے مثنوی کے سترہویں بند کے تیسرے بیت میں اپنی سکونت کے بارے میں کہا ہے:

دَلمو نگر بسے نو رنگا اوپر کوٹ تلے بہے گنگا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ردولی سے ڈلموٗ نگر آ کر بس گئے تھے۔ ڈلموٗ کا محلِ وقوع بتلاتے ہوئے سترہویں بند کے اسی بیت نمبر۳ کے دوسرے مصرعے میں کہا گیا ہے کہ ڈلموٗ میں ایک قلعہ ہے جس کے نیچے گنگا بہتی ہے۔ ڈلموٗ کا یہ قلعہ راجہ ڈال دیو نے بنوایا تھا۔ مُلّا داوٗد اپنے والد کی ملازمت کی وجہ سے ڈلموٗ آ کر بس گئے تھے اور اس طرح وہ ان کا وطن ثانی ہو گیا تھا۔

واضح ہو کہ مصنف نے اس مثنوی کے سترہویں بند میں اپنی جائے سکونت دلموٗ بتلائی ہے۔ دلموٗ عربی حرف ''دال'' کے ساتھ ہے، جو ہندی حروف تہجی کا چونتیسو اں حرف صحیح ہے نہ کہ ڈال کے ساتھ، جو ہندی حروف تہجی کا انتیسواں حرف صحیح ہے۔ دلموٗ دو لفظوں ''دال'' اور'' موٗ'' سے مرکب ہے۔ اول الذّکر'' دل'' مراٹھی زبان کا لفظ اور ثانی الذّکر ''موٗ'' تمل زبان کا لفظ ہے۔ تمل کے علاقوں میں'' موَ ''یا ''ماوٗ ''زمینی پیائش سے متعلق ایک اصطلاح ہے، جس کی رو سے ایک موٗ، ایک سو کڑ کے مساوی ہوتا ہے اور ایک ویلی بیس موٗ کے برابر ہوتا ہے۔

''دَل'' مراٹھی زبان کا لفظ ہے جس کے دو معنی ہیں: اوّل فوج کا دستہ دوم پھول کی پنکھڑی۔ اس طرح ''دلموٗ'' کے معنی فوج کا علاقہ یا فوجی چمن زار ہوئے، لیکن دلموٗ نام مقام) میں ''دل'' کے معنی فوجی دستہ ہی موزوں ہے۔ کان پور کا جاج موٗ کا علاقہ چھاونی کے نام سے بھی متعارف ہے اور وہاں در حقیقت چھاونی ہے بھی۔ یہی حالت ''بانگرموٗ'' اور'' چھپراموٗ'' کی ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ایک مرکب زبان (اردو) کے مولِد کے لئے، دلموٗ کے علاقہ کے علاوہ کوئی دوسرا علاقہ موزوں ترین نہ تھا، کیونکہ جس طرح یہ زبان (اردو) مختلف زبانوں سے مل کر بنی ہے اسی طرح اس کے مولِد کا نام بھی دو زبانوں دَل (مراٹھی) اور موٗ (تامل) کا مجموعہ ہے۔ اس میں ایک لطف یہ بھی کہ اس علاقے میں لکھی گئی مثنوی کا مصنف مُلّا داوٗد بھی مختلف زبانوں کا عالم و ماہر ہے۔ یقیناً یہ اتفاق ایک حسین و دلکش اتفاق ہے۔

یہیں اس حقیقت کا انکشاف و اکتشاف بھی مناسب ترین ہے کہ اس مثنوی کے سترہویں بند کے افتتاحی بیت یعنی پہلے بیت کی صحیح قرآت کافی دشوار ہے، کیونکہ اس مثنوی کے متعدد دستیاب مخطوطات میں اس کی ہیئتیں جداگانہ ہیں۔ یہ مختلف ہیأت، متعدد دستیاب نسخوں میں ملاحظہ ہوں: جے پور کے بیکانیر والے نسخے میں یہ بیت اس طرح مرقوم ہے۔

برس سات سے ہوئے اکیاسی تہی یا یہ کبی سر سے بھاسی

نسخۂ منیر شریف میں یہ بیت بایں طور مرقوم ہے۔

برس سات سے ہوئے اناّسی تہی یا یہ کبی سر سے بھاسی

انگلینڈ کے مانچسٹر والے نسخے میں اس کی ہیئت یوں ہے:

برس سات سے ہوئے اکیاّسی تہی ما کوئی سر سو بھاسی

معزز و محترم پرسورام چتر ویدی کو عالی جناب تر لوکی ناتھ دکھِت سے سترہویں بند کے ابتدائی چار ابیات مروّجہ اشکال سے مختلف ہیئت میں ملے تھے، جس میں پہلے بیت کی ہیئت و قرآت مندرجہ ذیل طریقہ میں مرقوم تھی:

برس سات سے ہوئے اکیاّسی تہی ما یہ کوئی سرس ابھّیاسی

جیسا کہ راقم نے اسی مضمون میں پہلے بھی رقم کیا ہے کہ چندائن اردو کی پہلی مثنوی ہے، جس میں ایک نیا پن یہ کیا گیا ہے کہ اس مثنوی کے ہر بند کے چھ ابیات میں سے ابتدائی پانچ ابیات میں مثنوی کے بحر کے ارکان کی تعداد کم اور چھٹے بیت میں ارکان کی تعداد زیادہ رکھی گئی ہے، اس لئے اس مثنوی کے ہر بند کا چھٹا بیت متعلقہ بند کے دیگر ابیات کے مقابلے میں بڑا ہو گیا ہے، چنانچہ راقم نے اس مثنوی کی بحر، اس کے قوافی اور اس کی تقطیع کو مدّ نظر رکھ کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ موضوع بحث سترہویں بند کا پہلا بیت حسب ذیل طور پر ہی درست ہے۔

برس سات سو ہوئے اکّیاسی تہِ مایہ کوئی سرس ابھیا سی

متعدد دستیاب نسخوں میں کتابت کے یہ اختلافات کم سواد خطاطوں اور خوش نویسوں کی مہربانیوں کے نتیجے ہیں، جو اصل نسخہ سے مواد نقل کرنے میں مستعد نہیں تھے، انہوں نے اصل کو نقل کرنے میں غلطی کی اور صحت تک پہنچنے کی کوئی کوشش نہیں کی اور نہ اپنے عہد کے صاحب استعداد اور قابل و با صلاحیت حضرات کی جانب رجوع کیا، جس کے نتیجے میں اس مثنوی کے دستیاب نسخوں کی قرآت و کتابت میں آج تک غلطیاں ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ اب فی الحال مُلاّ داؤد کے مصنفہ اصل نسخے تک پہنچنا تقریباً مستبعد ہے۔ اب اصل تک پہنچنے کا واحد ذریعہ قیاس ہی ہے۔

محققین و ناقدین ادب بالخصوص ہندی ادب کے علماً و فضلاً نے اپنے محدود وسائل کے باوجود یعنی فارسی رسم الخط، فارسی کی صنف مثنوی، اس کے ارکان و اجزا، اس کے نظام عروض و قوافی اور فارسی و عربی کے محاسن شعری سے عدم واقفیت پر بھی چندائن کے مطالعہ میں بڑی کد و کاوش کی اور اس کے

دستیاب مخطوطات کے سہارے مُلّا داؤد کے اصل ملفوظہ ومکتوبہ نسخہ اور اسکی لفظیات ومعنویات تک پہنچنے کی کوششیں کیں۔ موجودہ عہد میں ہر دو زبان وادب کے مَہَرَہ وفضلاء اپنی اپنی مخلص تحقیق وتنقید کے سہارے مثنوی چندائن کو اِس صورت وحالت تک لے آئے ہیں کہ اب اس میں بمشکل دو فی صد حصہ ایسا باقی بچا ہوگا، جو لفظی اعتبار سے شک وشبہ کے دائرہ کے اندر ہو۔ ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں کسی ایسے نویں نسخے کی بازیافت ہو جائے، جس سے اس دو فی صد شکوک وشبہات کا بھی ناازالہ ہو جائے اور مُلّا داؤد کے اصل ملفوظہ ومکتوبہ نسخے تک قارئین کی رسائی ہو سکے، کوششیں فی زمانہ بھی جاری ہیں اور نتائج کا انتظار ہے۔

قدمائے اردو ادب میں حافظ محمود خاں شیرانی نے ۱۹۴۱ء سے اور اس کے بعد پروفیسر سید حسن عسکری نے بھی حتی الامکان اس شعبہ میں تحقیق کا آغاز کیا اور عہد جدید میں مرحوم ڈاکٹر انصار اللہ نے اسے (چندائن) کو اردو زبان میں مدوّن کر کے ایک اہم، وقیع اور قابل قدر کام کیا ہے۔

جہاں تک ہندی ادباء ونقادان شعر وسخن کا سوال ہے، تو وہ بھی اسی سن ۱۹۴۱ء ہی سے باقاعدہ اصل نسخہ کی بازیافت میں منہمک اور سرگرداں ہیں، جس کا تذکرہ راقم ماسبق میں کر چکا ہے۔ ۱۹۴۱ء سے ماقبل ہندی ادبا ونقادان نے جو بھی کام کیا ہے، وہ اصل نسخے کی دریافت سے ماقبل کا ہے اس لئے وہ بے سود ہے۔ درحقیقت ہندی والوں کی دسترس میں دیوناگری رسم الخط میں چندائن کا کوئی نسخہ ۱۹۶۳ء سے پیش تر نہیں تھا۔ ڈاکٹر وشوناتھ پرشاد کی چندائن سے متعلق دونوں اشاعتیں اس لئے غیر مستند ہیں کیونکہ وہ دونوں صرف ۷۱ر صفحات پر مبنی ہیں اور اس وقت تک ہندی والوں کے مابین چندائن کا اصل نام بھی متیقن نہیں تھا۔

واضح ہو کہ مثنوی چندائن اپنی معنوی ومعنویتی حیثیت اور اپنے مفاہیم ومطالب کی وضاحت کے اعتبار سے شک وشبہات سے بالاتر ہے اور مکمل طور پر بیّن، عیاں اور واضح وروشن ہے۔

مفہوم مرقومہ بالا کی وضاحت کے لئے لفظ اور معنی کے رشتوں کو سمجھنا ضروری ہے۔ خیال یعنی معنی اور لفظ (موضوع غیر مہمل) باہم لازم وملزوم ہیں۔ جب بھی کوئی خیال ذہن میں آتا ہے، تو وہ باقاعدہ لفظ ہی کے جامہ میں آتا ہے اور اسی طرح جب بھی کوئی لفظ ذہن میں آتا ہے، تو وہ اپنے معنی کے ساتھ ہی آتا ہے، نہ مجرّد خیال بغیر لفظ ذہن میں آتا ہے اور نہ مجرّد لفظ بغیر اپنے معنی کے ذہن میں آتا ہے۔

''اخبار الاخیار'' کے مطابق مُلّا داؤد کے پیر زین الدین ۷۲۲ھ۔ ۱۳۲۲ء میں ولادت پذیر

ہوئے تھے۔ ان کی عمر شریف بوقتِ تصنیفِ مثنوی انسٹھ سال کے قریب تھی۔ مترجمین ''اخبار الاخیار'' ہی کے مطابق مُلّا داؤد کے بڑے پوتے شیخ تقی الدین محمد ۷۷۵ھ۔۱۳۷۳ء میں ولادت پذیر ہوئے تھے اور ان کا وصال ۸۳۵ھ=۱۴۳۲ء میں بعمر ۶۰ر سال ہوا تھا۔ شیخ تقی الدین واعظ ربانی کا شمار اپنے عہد کے ذی مرتبت افاضل میں ہوتا تھا۔ ان کا علم دریا کے مانند وسیع اور ہمہ آن حاضر تھا۔ موصوف اپنے دادا کی مصنفہ مثنوی، مسجد کے منبر کے اوپر سے، بڑے ذوق وشوق سے سُنایا کرتے تھے۔ عبدالقادر بدایونی ''منتخب التواریخ'' کے صفحہ ۲۵۰ میں رقم طراز ہیں۔

''در ۷۷۲ھ خان جہاں وزیر وفات یافت و پسرش جونا شاہ نام بہ ہماں خطاب مخاطب گشت و کتاب چنداین را کہ مثنوی است بہ زبان ہندوی در بیان عشق لورک و چندا نام عاشق ومعشوق والحق خیلے حالت بخش است مولانا داؤد بنام او نظم کردہ۔ در دہلی بعضے از ابیات تقریبیٔ او را بر سر منبر می خواند و مردم را از استماع آں حالت غریب روے می داد۔ چوں بعضے از افاضل آں شیخ را پرسید کہ سبب اختیار ایں مثنوی چیست؟ جواب داد کہ تمام حقائق ومعانی ذوقیست وموافق بہ وجدان اہل شوق ومطابق تفسیر بعضے از آیات قرآنی وخوش آواز انِ ہند حالا ہم بہ سود اخوانیٔ آں صد دلہا می ربانید''۱۶

آزاد ترجمہ: ۷۷۲ھ میں وزیر خان جہاں (مقبول چشتی) کا انتقال ہو گیا اور ان کا بیٹا جونا شاہ اُسی خطاب (خانِ جہاں) سے مخاطب ہوا۔ اور کتاب چنداین کو جو ہندوی زبان کی مثنوی ہے اور جو لورک وچندا عاشق ومعشوق کے بیان میں وجدان آور ہے اور حال وقال سے لبریز ہے (اسی چندا کے نام سے چنداین کو) شیخ داؤد نے نظم کیا ہے۔ وہ دہلی میں اس کے بعض ابیات کو منبر کے اوپر سے عوام کو سُنایا کرتے تھے۔ جب اس زمانے کے بعض افاضل نے شیخ (تقی الدین) سے دریافت کیا کہ اس مثنوی کو (منبر کے لئے) منتخب کرنے کی وجہ کیا ہے؟ تو شیخ تقی الدین نے جواب دیا کہ یہ اہل وجدان کے ذوق وشوق کے مطابق ہے اور یہ بعض قرآنی آیات کی تفسیر ہے اور یہ ھند کے اچھی آواز والوں اور صاحبان ذوق کے دلوں کو کھینچتی ہے۔

اس اقتباس سے کئی باتیں معلوم ہوئیں جو حسب ذیل ہیں:۔

۱- ۷۷۲ھ میں (صحیح ۷۷۰ھ ہے) میں خان جہاں اوّل مقبول چشتی کا انتقال ہوا۔

۲- جونا شاہ پسر مقبول کو بھی خان جہاں کا خطاب عطا ہوا۔

۳- اس میں لورک وچندا عاشق ومعشوق کے عشق کا بیان ہے۔

۴- یہ مثنوی ہندوی زبان میں ہے۔

۵- یہ مثنوی وجدان آور ہے۔

۶- اس کے مصنف مُلّا داؤد ہیں۔

۷- اس مثنوی کو ''چنداین ا'' کے نام سے معنون کیا گیا ہے۔

۸- شیخ تقی الدین واعظ ربانی (مُلّا داؤد کے پوتے) مثنوی مذکورہ کے بعض ابیات مسجد کے منبر سے پڑھا کرتے تھے۔

۹- بعض علماء وفضلا نے شیخ تقی الدین سے دریافت کیا کہ آپ نے اس مثنوی کو منبر سے پڑھنے کے لیے کیوں چُنا؟

۱۰- شیخ تقی الدین نے جواب دیا کہ یہ اہلِ ذوق کے دلوں کو کھینچتی ہے۔اس میں بعض قرآنی آیات کی تفسیر ہے۔

۱۱- یہ اہل اللہ کے دلوں کو مسخر کرتی ہے۔

مولوی غلام سرور، مُلا داؤد کے دوسرے پوتے شیخ احمد عبدالحق ردولوی کی بابت رقم طراز ہیں:۔

> ''جد بزرگوار وے شیخ داؤد از اولاد عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بود در بلخ سکونت داشت۔آخر در حادثۂ ہلاکو خاں با معدودے چند از بلخ برآمدہ بہ ہندرسید۔سلطان علاؤ الدین خلجی شاہ دہلی وجہ معیشت وے در صوبۂ اودھ مقرر فرمود۔لہٰذا مرقد منورش در قصبہ ردولی واقع شدہ۔''۱۷

ترجمہ: اُن یعنی (شیخ احمد عبدالحق) کے دادا شیخ داؤد جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے تھے، بلخ میں سکونت پذیر تھے۔ بالاخر ہلاکو خاں (۶۵۴ھ=۱۲۵۶ء تا ۶۶۳ھ=۱۲۶۵ء) کے حادثہ کے باعث بلخ سے نکل کر ہندوستان آئے۔سلطان علاؤ الدین خلجی، دہلی کے سلطان، نے ان کی معیشت کی خاطر صوبۂ اودھ میں انتظامات کر دیئے تھے۔اس لیے اُن کا مزار قصبہ ردولی میں واقع ہے۔

عبارت محوّلہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ مُلّا داؤد کی عمر ہندوستان میں آمد کے وقت اچھی خاصی تھی کیونکہ وہ تنہا معدودے چند لوگوں کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔اس سے بھی راقم کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ ان کا سن ولادت ۶۸۵ھ کے آس پاس ہے، کیونکہ ہندوستان میں ان کی تشریف آوری جلال الدین خلجی کے زمانے میں ان کے قتل سے پہلے ہوئی تھی۔ملّا داؤد کا ہند میں ورود حادثۂ ہلاکو کی وجہ سے ہوا تھا سلطان وقت کا انہیں اسباب زندگی کی خاطر صوبۂ اودھ میں انتظام کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا داؤد کی عمر شریف، ان کی عبادت وریاضت، ان کا علم وفضل اور ان

کا تقویٰ وطہارت اس پیمانہ کا رہا ہوگا کہ سلطان علاء الدین خلجی کے ایسے جہاں دیدہ اور تجربہ کار شہنشاہ کی نگہ انتخاب ان کی وجہ معیشت کے لیے ان پر پڑی۔ اس لیے راقم اپنے پہلے نظریہ مرقومہ در کتاب ''مُلّا داؤد اور چنداین'' صفحہ ۳۲ یعنی سن پیدائش کے اغلباً ۶۹۵ھ ہونے سے رجوع کرتا ہے۔

عبارت مرقومہ بالا میں ''لہٰذا مرقد منورش در قصبہ ردولی واقع شدہ'' میں لہٰذا لفظ غیر مربوط وغیر منطقی ہے، کیونکہ ''لہٰذا'' کے بعد کے فقرہ کا سابقہ فقرہ سے کوئی معنوی ربط نہیں ہے۔ لیکن یہ درست ہے کہ اُن کا مزار قصبہ ردولی کے (چوٹی رانا) کے قبرستان میں آج بھی موجود ہے۔

جیسا کہ ماقبل میں مجملاً لکھا جا چکا ہے کہ تاریخ ادب اردو جلد اوّل ڈاکٹر جمیل جالبی طبع اوّل جنوری ۱۹۷۷ء (قدیم دور) کے صفحہ ۵۷ کے دوسرے پیرا گراف میں چنداین کی بابت ضمنی طور پر صرف اس قدر مرقوم ہے۔

> ''مینا ستونتی ایک ہندوستانی الاصل قصہ ہے جو ساتویں صدی ہجری میں ایک عوامی کہانی کی حیثیت سے مقبول تھا۔ اور جسے قدیم ہندی بھاشا میں داؤد نے ''چنداین'' ۷۸۹ھ۔ ۱۳۸۷ء میں فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں لکھا۔''

ڈاکٹر جمیل جالبی نے مرقومہ بالا دو سطروں میں دو غلطیاں کی ہیں۔ اوّل موصوف نے چنداین کو قدیم ہندی بھاشا میں لکھی گئی تخلیق بتلایا ہے، جبکہ چنداین اردو کی قدیم ترین اور اوّلین تخلیق ہے۔ دوم موصوف ڈاکٹر جالبی نے اس کا سن تخلیق ۷۸۹ھ = ۱۳۸۷ء بتلایا ہے، جبکہ یہ اس زمانہ کی تخلیق ہے، جب ایک نئی زبان سنسکرت، پراکرت اپ بھرنش کے محاسن سے مالا مال ہو کر عربی و فارسی کی خوبیاں اخذ کرنے میں لگ گئی تھی۔ اس زبان کو مصنف نے خود ہندکی اور ملّا عبدالقادر بدایونی نے ھندوی بتلایا ہے۔ یہ زبان اودھی سے متاثر ضرور ہے، لیکن اودھی نہیں ہے۔ یہ بات صدفی صد درست ہے کہ مُلّا داؤد کے مسکن ڈلموٗ اور مسکن اوّل ردولی کی علاقائی زبان اودھی تھی لیکن اس زمانہ کی ملکی زبان ہندکی تھی، جس کو ہندوستان کے عوام وخواص سبھی سمجھتے اور بولتے چالتے تھے۔ اس زمانہ کے سلطان فیروز شاہ تغلق اور وزیر اعظم خان جہاں ثانی جونا شاہ، مشہور مورخ شمس سراج عفیف، سلطان کمال الدین فیروز شاہ تغلق کے ماموں رائے بھیر ہو بھٹی، ان کے بھائی قطب الدین وابراہیم غرضیکہ طبقۂ خواص سے متعلق سبھی شرفاء اس زبان سے آشنا تھے اور طبقۂ عوام کے مسجد میں آنے والے علماً وفضلا اور عام آدمی بھی اس زبان سے اچھی طرح واقف تھے۔ واضح ہو کہ سلطان فیروز شاہ تغلق کی والدہ نالا یا نائلہ

راجہ انمل رائے بھٹی کی دختر ارجمند اصلاً وولادۃً ہندو تھیں اسی طرح وزیر اعظم جونا شاہ کے والد خان جہاں اوّل مقبول چشتی اصلاً ہندو تھے ان کا نام کمل تھا۔ موصوف محمد تغلق کے زمانہ میں مسلمان ہوئے تھے اور محمد تغلق ہی نے ان کا نام مقبول رکھا تھا۔ وہ نصیرالدین چراغ دہلوی کے مرید تھے اور اسی نسبت سے وہ اپنے کو چشتی کہتے تھے۔ جونا شاہ پسر مقبول چشتی کے معتوب ومقتول ہونے کا واقعہ جامع تاریخ ہند میں مفصل لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فیروز شاہ تغلق جب بتقاضۂ عمر ضعیف ہو گئے تو اپنے وزیر اعظم جونا شاہ پر بہت زیادہ اعتماد کرنے لگے، جس کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے وہ سلطان فیروز شاہ کو ان کے بیٹے، شہزادہ محمد سے، بدظن کرنے لگا حتیٰ کہ اس نے سلطان کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش بھی کی کہ ان کا پسر ارجمند ان کے خلاف بغاوت کرنا چاہتا ہے لیکن حسن طالعی سے شہزادہ محمد اپنی بیگم کے ساتھ پالکی میں بیٹھ کر اپنے باپ کے پاس آنے میں کامیاب ہو گیا۔ باپ بیٹے میں کُھل کر باتیں ہوئیں، باپ کا دل بیٹے کی جانب سے صاف ہو گیا اور سلطان نے اپنے بیٹے کو وزیر بنا کر اسے جونا شاہ کی بابت کلّی اختیارات سپرد کر دیئے۔ چنانچہ شہزادہ محمد نے جولائی راگست ۱۳۸۷ء۔ ۷۸۹ھ میں ملک یعقوب کو سکندر خاں کے خطاب سے نوازتے ہوئے اُسے گجرات کا گورنر بنا دیا لیکن پروانہ تعیناتی کو جونا شاہ کے سر لانے پر مشروط کر دیا۔ ملک یعقوب اپنی فوج لے کر مہاری پہنچا، جہاں جونا شاہ پناہ گزیں تھا'' گوکہ'' پردھان نے خان جہاں ثانی جونا شاہ کو قیدی بنا کر ملک یعقوب کے حوالہ کر دیا۔ ملک یعقوب نے اس کا سر کاٹ لیا اور دلی پہنچکر وہ سر شہزادہ محمد کے حولہ کر دیا۔ [۱۸]

اس واقعہ سے بھی ۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء میں مثنوی چنداین کی تخلیق والی بات غلط ثابت ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے مثنوی چنداین کے سن تخلیق مقام تخلیق اور اس کی زبان ورسم الخط کی بابت مُلّا داوٗد نے مثنوی کے بند نمبر ۹ کے چوتھے بیت اور سترہویں بند کے ابتدائی تینوں بیتوں میں وضاحت کر دی ہے۔ واضح ہو کہ ہندکی اردو کی قدیم ترین شکل ہے۔ یہ زبان (۱) ہندکی (۲) ہندوی (۳) ہندی (۴) ہندوستانی (۵) دکنی (۶) ریختہ اور (۷) اردوئے معلّٰی کے مراحل سے گذر کر (۸) اردو کے مرحلہ پر پہنچی ہے۔ ھندکی لفظ بمعنی ہندی اہل عرب کے یہاں زمانۂ قدیم سے مستعمل ہے۔ یہ لفظ ہندی کے دال اور یا کے بیچ میں کاف جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ اہل عرب نے ھندکی کی جمع ھنادک بنائی تھی، چنانچہ پرانے زمانے کا مشہور شاعر کثیر کہتا ہے:۔

"طما طم یوفون الوفود ھنادکا"

نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عم محترم جناب ابوطالب ہندکی کو بمعنی ہندی

استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

بنی امۃ محبوبۃ ھندکیہ　　　بنی جمع عبید قیس بن عاقل ۱۹

راقم نے اپنے تحقیقی مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی میں مُلّا داؤد کا ذکر اردو کے اوّلین تخلیق کار، اردو کے پہلے مثنوی نگار اور اردو نعت کے اوّلین شاعر کی حیثیت سے کیا تھا اور اس کی اطلاع یو۔جی۔سی کو اپنی سالانہ رپورٹ مدخلہ ۱۹۷۷ء میں وظیفہ جے۔آر۔ایف کے قوانین وقواعد کے تحت دی تھی اس کی یہ تحقیق اس کی مطبوعہ کتاب اردو شاعری میں نعت جلد اوّل مطبوعہ ۱۹۹۲ء کے صفحات ۴۰ تا ۴۳ اور صفحہ نمبر ۲۵ میں شامل ہے۔

اردو کی تمام علاقائی زبانیں اپنے فروعی اختلافات کے باوجود اردو ہیں، خواہ وہ دکنی ہو، مراٹھی ہو، ہریانوی ہو، گجری ہو، اودھی ہو، کھڑی بولی ہو، یا کوئی اور علاقائی بولی ہو۔

واضح ہو کہ ڈاکٹر جمیل جالبی پاکستانی محقق کی نظر سے چنداین کا کوئی نسخہ نہیں گذرا تھا، کیونکہ چنداین کا کوئی مخطوطہ پاکستان میں نہیں ہے۔ ہندوستان کے مشہور ادیب ومورخ ڈاکٹر وہاب اشرفی نے اردو ادب، کی تاریخ ''تاریخ ادب اردو'' نام سے چار جلدوں میں شائع کی ہے، انہوں نے اس کے تاریخ ہونے کی بابت ''احوالِ واقعی'' یہ تاریخ ادب اردو کیوں؟ کے تحت بہت کچھ لکھا ہے لیکن وہ سب کچھ بے سود ہے۔ اس میں قابلِ ذکر ادباء وشعرا کا تذکرہ کیا گیا ہے، لیکن اس میں تاریخ ادب اردو کے بارے میں کچھ نہیں ہے۔ اسے تاریخ مصنّفین: شعراء وادباء تو کہا جاسکتا ہے لیکن تاریخِ ادب اردو قطعاً نہیں۔

اپنی محولہ بالا کتاب میں ڈاکٹر وہاب اشرفی نے ملّا داؤد یا چنداین کا نام تک نہیں لیا۔ ان کا وطن پٹنہ ہے، جس کا فاصلہ منیر شریف سے ۳۰ میل ہے۔ چنداین کے دو مخطوطے پٹنہ میں یعنی ایک خدا بخش پبلک لائبریری، پٹنہ میں اور دوسرا منیر شریف میں ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے احوالِ واقعی کے ضمن میں خدا بخش لائبریری، پٹنہ اور گورنمنٹ اردو لائبریری، پٹنہ کا ذکر بطور خاص کیا ہے اور دونوں کے لائبریرین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ انکی مشکلیں حل کرتے رہتے ہیں اور فون پر نہایت مستعدی سے ان کی ضرورتیں پوری کرتے رہتے ہیں۔ ۲۰

لیکن اس کے باجود ڈاکٹر موصوف نے چنداین کو لائق مطالعہ نہیں سمجھا۔

موصوف نے تاریخ ادب اردو جلد چہارم میں صفحہ ۲۰۸۳ سے صفحہ ۲۱۱۷ تک اردو شاعری کی صنفیں، اور ان کا مختصر تعارف و''اردو شاعری کی نئی صنفیں'' کے تحت مختلف شعری اصناف سے بحث کی ہے لیکن یہاں بھی انہوں نے صنفِ نعت اور اس پر تحقیق وتنقید کو درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ موصوف نے

''احوالِ واقعی'' کے ضمن میں رقم کیا ہے۔

''ہمیں احساس ہونا چاہیے کہ گذشتہ پچاس برسوں میں نئی تحقیقات کا ایک بیش بہا خزانہ اکٹھا ہو گیا ہے۔''

لیکن اس کے باوجود انہوں نے گذشتہ پچاس برسوں میں نعت اور نعت پر تحقیق وتنقید کے وقیع سرمایہ سے صرفِ نظر کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ نعت، شاعری کے آغاز سے اب تک علیٰ سبیل التوالی والتعاقب چلی آ رہی ہے اور انشا اللہ تعالیٰ تا قیامِ قیامت یہ سلسلہ چلتا رہے گا نعت بیسویں صدی کے نصفِ آخر اور اکیسویں صدی کے آغاز ہی سے بہت توانائی و برنائی کے ساتھ ارتقا پذیر ہے۔ نعت پر تحقیق وتنقید کا سرمایہ بھی کافی وسیع، استوار اور مضبوط ہے۔ دنیائے نعت میں کافی نعت نمبر اشاعت پذیر ہو رہے ہیں جن میں پاکستان کا ''نعت رنگ'' اور ہندوستان کا ''دبستانِ نعت'' نعت نمبروں کی دنیا میں کافی وقیع ہیں۔ آخرالذکر کمیتی وکیفیتی اعتبار سے مثالی ہے۔

محترمی ڈاکٹر سراج احمد قادری کے اداریے متوازن، وقیع اور معلوماتی ہوتے ہیں۔ درحقیقت یہی وہ صنفِ سخن ہے جس میں کہنگی کا گذر نہیں ہے۔ چنداین کی نعت سرسبز اور تر و تازہ ہے۔ اور اپنے مصنف کی اعلیٰ صلاحیتوں کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

مثنوی ''چنداین'' اپنی گوناگوں خوبیوں، بالخصوص زبان و بیان کے محاسن، لائقِ توجہ اسلوب اور چونکا دینے والے لہجہ کے نقاطِ نظر سے آج بھی قابلِ ذکر اور لائقِ مطالعہ ہے۔ درحقیقت چنداین کے سیاق وسباق میں مُلّا داؤد کے جس اعلیٰ وصف اور ان کی جس بے عدیل جبلت نے راقم کو متاثر کیا ہے، وہ ان کا، وہ خلقی وصف ہے، جس کی استمداد سے انہوں نے چندا یا چاندا کے سراپا نگاری میں عالم شیخوخت میں بھی عالم ریعانِ شباب کا احساس ہی نہیں کیا بلکہ اس کا بے محابہ، بے ساختہ اور بے محابا اظہار بھی کیا ہے۔

مثنوی میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، وہ دلکش، جاذبِ قلب ووجدان، اصل کے قریب اور کہیں کہیں اصل سے بہتر محسوس ہوتا ہے۔ مثنوی نگار کو زبان و بیان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ چونکہ مصنفِ مثنوی کا ذہن ژولیدگی اور اغلاق سے مبرّا ہے، اس لیے وہ اپنے مافی الضّمیر اور اپنے مافی الذہن کو سامع تک پہنچانے میں پوری طرح کامیاب رہا ہے کیونکہ ژولیدہ بیانی سدا ژولیدہ ذہنی کے بطن سے جنم لیتی ہے۔

راقم ماسابق میں صاف وشفّاف لہجے میں واضح کر چکا ہے کہ مُلّا داؤد کی مثنوی چنداین کا

سترہواں بند کافی اہم اور لائق توجہ ہے۔ مثنوی کے اجزائے ترکیبی (۱) حمد (۲) نعت (۳) منقبت (۴) مدحِ سلطانِ زماں (۵) تعریف سخن وسخن وراں (۶) اصل قصہ یا واقعہ (۷) دعا اور (۸) خاتمہ ہیں۔ مصنف مثنوی نے تعریف سخن وسخن وراں کے ذیل میں اپنی اور اپنی مثنوی کی بابت چند ضروری باتیں بیان کی ہیں۔ مُلّا داؤد کی مثنوی چنداین کا سترہواں بند تعریف سخن وسخن وراں سے متعلق ہے۔

مصنف چنداین نے اپنے اس بند میں اپنی مثنوی کے سنِ تخلیق، اس کے عہدِ تخلیق، اس کے مقامِ تخلیق، تخلیق کار کے مسکن ورہائش، تخلیق کار کے فن اور اس کی فنّی ندرت، اپنے مسکن شہر ڈلموَ کے امرأو حکّام اور ان کی فن شناسی، ساکنینِ ڈلموَ کی مذہبی حیثیت اور ان کی معاشرتی حالت وکیفیت کی وضاحت بڑے موجز انداز میں کی ہے۔ درحقیقت مصنف کا یہ بند، اپنی گوناگوں اور بیش بہا خصوصیات کی بنا پر، کافی اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن ان تمام خصوصیات کے باوجود کئی محققین نے مثنوی کے اس حصے پر ابہام وتشکیک کے دبیز پردے ڈال رکھے ہیں، اس لیے راقم یہ ضروری سمجھتا ہے کہ اس مسئلہ کا حل سدا کے لیے محفوظ کر دیا جائے۔ راقم کی معلومات کی رو سے ڈاکٹر انصار اللہ اردو کے وہ واحد محقق ہیں، جنھوں نے مثنوی معرضِ بحث کی جانب خصوصی توجہ دیتے ہوہوئے نہ صرف یہ کہ اس کو مرتب کیا بلکہ اس کا ترجمہ کیا اور اُسے ضروری تشریحات سے مزیّن بھی کیا، لیکن پروفیسر موصوف نے بھی اس بند کی، بالخصوص اس کے تیسرے بیت کی، کماحقہٗ تشریح نہیں کی۔

راقم کا اپنا خیال ہے، کہ اس کی تشفّی بخش تشریح کے لیے اس کی لغوی، صرفی ونحوی تراکیب پیش کرنا ضروری ہے، کیونکہ بند نمبر ۱۷ کے تیسرے بیت کی ترکیب سے عدم واقفیت ہی کی وجہ سے اس بیت کا ترجمہ غلط ہوگیا، لہٰذا اس بیت کی صرفی ونحوی ترکیب قلم بند کی جا رہی ہے۔ تشریح طلب بیت میں دو جملے ہیں اس بیت کا ہر مصرع ایک جملہ ہے، پہلا جملہ، جملۂ فعلیہ ہے، جبکہ دوسرا جملہ جملۂ اسمیہ ہے۔ پہلے مصرعے کا لفظ ''بَسَے'' فعلِ مضارع کا صیغہ واحد مذکّر غائب ہے ''ڈلموَنگر'' (موصوف و صفت) مفعول یا متعلق فعل اور ''نورنگا'' فاعل ہے۔ ''نورنگا'' کے معنی نیا رنگ والا یعنی نویلا ہے۔ اس طرح اس جملہ فعلیہ کے معنی ہوئے۔ نورنگا یعنی جدّت پسند شاعر شہر ڈلموَ میں بستا ہے۔ دوسرا مصرع جملۂ اسمیہ ہے۔ اس میں مبتدا یعنی شہر ڈلموَ مبتدا محذوف ہے (جو مصرعہ اولیٰ میں ظاہر اور مصرعہ ثانیہ میں محذوف ہے۔) اس کی دو خبریں ہیں۔ ''اوپر کوٹ'' اور ''تلے بہے گنگا'' اب اس مصرعہ ثانیہ کے معنی ہوئے ''ڈلموَ شہر میں اوپر قلعہ ہے اور نیچے گنگا بہتی ہے'' پورے شعر کے معنی ہوئے: ڈلموَ شہر میں نورنگا یعنی جدّت پسند شاعر، مُلّا داؤد رہتا ہے۔ (ڈلموَ شہر) کے اوپر قلعہ ہے اور اس کے نیچے گنگا بہتی ہے۔

اب پروفیسر ڈاکٹر انصار اللہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''ڈلموَ نگر رنگا رنگ آباد ہے۔ فصیل اوپر ہے، نیچے گنگا بہتی ہے۔''۲۱

واضح ہو کہ پروفیسر انصار اللہ نظر نے نور نگا کا ترجمہ ''رنگا رنگ'' کر کے ایک غلطی اور شہر ڈلموَ کو رنگا رنگ کہہ کر دوسری غلطی اور جملہ فعلیہ کو جملہ اسمیہ بنا کر تیسری غلطی کی ہے۔ مصنف نے چوتھی غلطی ''کوٹ'' کا ترجمہ فصیل کر کے کی ہے۔ فصیل عربی لفظ ہے، جس کے معنی قلعہ کی دیوار ہیں۔ مُلّا داؤد نے اس مثنوی کے تیسویں بند میں قلعہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس میں انہوں نے اس کی ساخت کی بات کی ہے نہ کہ اس کی دیوار کی، قلعہ کا ہندی متبادل گڑھی ہے۔

مصنف مثنوی مُلّا داؤد نے اپنے کو ''نورنگا'' یعنی جدّت پسند شاعر کہا ہے اور اپنے جدّت پسند شاعر ہونے کے متعدد ثبوت اپنی مثنوی چنداین میں فراہم کئے ہیں۔ مثلاً موصوف نے اپنی مثنوی کے بند نمبر ۳۲۹ کے چھٹے بیت میں بتلایا ہے کہ موصوف کا ایک ایک بول ہیرا توڑ موتی کی مانند ہے، جنہیں پرو کر ہار کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ پورا شعر ملاحظہ ہو:

اَور کَبِت میں کَروں بنتی، سیس نائی کَر جور ایک ایک بول مونت جَس پرو، آکھوں جو ہیرا تور

معرضِ بحث سترہویں بند کا آخری بیت بھی ملاحظہ ہو، کیونکہ مصنّف نے اس بیت میں بھی اپنے کلام کو دقیق اور غور طلب بتاتے ہوئے کہا ہے:۔

داؤد یہہ کَب جَئی گائی مَن مَہہِ لیہہُ بچار جَرَت بول چِت راکھہُ ٹوٹَت لیہہُ سَنوار

ترجمہ: داؤد نے یہ نظم گائی ہے، دل میں اُس پر غور کرو یہ مرصّع کلام ہے، اُسے دل میں رکھ لو اور نقص کو تم درست کر لو۔

مثنوی میں ایک تیسرا موقع ملاحظہ ہو۔

مُلّا داؤد نے اپنی اس مثنوی کے ۳۲۹ ویں بند میں کہا ہے کہ ان کا کلام اثر آفریں ہے اور اسی باعث انہوں نے اپنے کلام کو، اس کے لکھنے والے یعنی خود کو، اس کے حروف کو، اس کے مفہوم و مطالب کو لائق مبارک باد اور قابلِ آفریں بتلایا ہے۔ مصنّف کو اپنے کلام کے محاسن کا اس قدر احساس تھا کہ انہوں نے اپنی مثنوی کے سترہویں بند کے آخری بیت میں، اپنے کلام کو مرصّع بتلایا ہے۔

ڈلموَ جو اس وقت رائے بریلی کا ایک قصبہ ہے، کانپور سے ۶۱ میل رائے بریلی شہر سے ۴۴ میل کے فاصلے اور فتح پور شہر سے ۲۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے، یہ قصبہ مُلّا داؤد کے زمانے میں شہر تھا اور اُس وقت شہر رائے بریلی اور شہر فتح پور اُس کے مضافات میں سے تھے۔ مُلّا داؤد کے شہر ڈلموَ کو سلطان التمش

(۶۰۷ھ تا ۶۳۳ھ) نے اپنے عہدِ سلطنت میں ہندوستان گیر شہرت عطا کی تھی۔ سلطان کمال الدین فیروز شاہ تغلق المتولد ۷۰۹ھ والمتوفی ۷۹۰ھ نے یہیں اسلامی تعلیم کی خاطر ایک یونیورسٹی قائم کی تھی، وہ صوفیائے کرام کا مرکز اور ابراہیم شاہ شرقی کا وطن بھی تھا۔ ڈلمؤ شہر کا حاکم ملک مبارک ابنِ ملک بیان ایک عادل اور شجاع حکمراں تھا، جس کا خطاب امیر الامرأ یعنی متعدّد امیروں کا امیر تھا۔ ملک مبارک کی علمی حیثیت مسلّم تھی، اسی لیے ان کے لقب کا سابقہ ملک تھا، موصوف کا اصل نام مَلِک شعیب تھا۔

راقم یہ مناسب سمجھتا ہے کہ وہ قارئین کا ذہن چند در چند ایسی باتوں کی جانب مبذول کرے، جو اس مثنوی کے ساتھ مختص ہیں اور جو اس مثنوی کے لیے یقیناً باعثِ افتخار ہیں۔ ملّا داؤد نے اس مثنوی میں مقامی اثرات، آفاقی و کائناتی صداقتیں، زمانی خصوصیات، مقامی معتقدات، عصری زبان بالخصوص عوامی اور طبقۂ اسافل کی زبان اور ان سب میں مکنوں مفاہیم، قارئین کے رو برو عام فہم اسلوب میں پیش کئے ہیں۔ انہوں نے اپنے زمانہ کے مزعومات اور معتقدات پر اچھی خاصی روشنی ڈالی ہے۔ مُلّا داؤد منظر کشی کے سلطان ہیں۔ انہوں نے اپنی مثنوی میں تشبیہات کم استعمال کی ہیں، استعارات زیادہ اور کنایات و تلمیحات اس سے بھی زیادہ۔ مُلّا داؤد نے اپنی مثنوی چنداین میں محاورات و ضرب الامثال کے استعمال میں اپنی فنی حذاقت کے ثبوت، وافر تعداد میں فراہم کئے ہیں۔

محاسنِ شعری کے باب میں مولانا داؤد کی خاص ادا یہ ہے کہ ان کی وجہ شبہ یا وجہ جامع اکثر و بیشتر مرکّب ہوتی ہے اور ان میں تحرّک و تموّج ہوتا ہے مثلاً منقولہ ذیل ابیات میں سے پہلے بیت میں فراق میں رونے کی کیفیت کو ساون کی بیر بہوٹی سے تشبیہ دینا یا دوسرے بیت میں کسی چیز کو غصب کر کے اس پر قبضہ جمانے کو ''چاہہ وانس''، یعنی چیل جھپٹا، سے تشبیہ دینا کہ جس طرح چیل جھپٹا مار کر شئ مغصوبہ پر قبضہ جمالیتی ہے، اسی طرح چاندا نے لورک کو جھپٹ کر، اس پر قبضہ جمالیا۔ تشبیہات و استعارات کے ضمن میں مولانا داؤد کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ ان کی وجہ شبہ عموماً بدیع و نادر ہوتی ہیں جیسے مرقومہ ذیل تیسرے بیت میں وجہ شبہ افسردگی و پژمردنی ہے نہ کہ تڑپنا جو مندرجہ ذیل چوتھے بیت میں ہے۔ مرقومہ بالا سطور میں محوّلہ ابیات درج ذیل ہیں۔

لورک ناؤں لئی بَہُہ دُکھ روئی　　جَن ساوَن بیر بَہوٹی ہوئی ۲۲ ؎
گوَن بَیروِ مَئیں تو سو کینھاں　　دے رِچِلھ وانس ناہ مور لینھاں ۲۳ ؎
تپِتَیں آچھئ رَیِن بِہائی　　جَس مَنجَھری بِن نیر مُرجھائی ۲۴ ؎
جَس مَنجَھری دیکھیے بِن پانی　　تپَت مہر سَبھ رَئن بِہانی ۲۵ ؎

مثنوی چنداین میں بہت سی ایسی ضرب الامثال استعمال ہوئی ہیں، جو آج سے تخمیناً ۶۵۹ سالوں کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی کہنہ نہیں ہوئیں بلکہ وہ آج بھی اسی طرح سرسبز و تر و تازہ ہیں جیسی وہ شاید مُلّا داؤد کے عصر میں رہی ہونگیں۔صرف ایک ضرب المثل ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

چانٹہِ پنکھ اُٹھی جو آئی رَہَئی نَہ پَر سو مَر ئی اُڑائی ۲۶؎

چیونٹے کے جب پر نکل آتے ہیں (تو) وہ زندہ نہیں رہتا، اڑ کر مر جاتا ہے''چیونٹے کے پر نکل آنا''، ضرب المثل ہے۔

جہاں تک ھندوستانی مزعومات، مذہبی معتقدات اور ھندوستانی روایات کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ مثنوی میں ان پر خاطر خواہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ھندوستان میں اپنے سے بڑوں کو عزت و احترام دینے کے لیے ان کے پیر چھوئے جاتے ہیں اور زبان سے بھی اس کا اظہار کرتے ہوئے'' پاؤں لاگوں'' کا فقرہ استعمال کیا جاتا ہے۔اس دعوے کے اثبات میں بطور شہادت مثنوی کے حسب ذیل ابیات ملاحظہ ہوں

پایَن لاگ مَئں بِنَوَوں ، جو پَردیسی آئی ۲۷؎

ترجمہ: میں پاوں سے لگ کر التجا کرتی ہوں، کیا پردیسی آ گیا ہے؟

پائین پَری اَنکوارین دَھرین کاجَر سینڈُر دوار گَرین ۲۸؎

ترجمہ: دونوں، پاؤں پڑیں، بغل میں لگالیا۔دونوں نے کاجل سیندور لگایا۔ھندوستان میں زیب و زینت کے سلسلے میں کاجل اور سیندور کی بہت اہمیت ہے۔ بالخصوص سیندور کی، جو شوہر کی زندگی کی علامت ہے۔

سینڈُر چھِڑَک بھَئَیں رَتناری مُکھ تنبور وَسَبھ جوبن باری ۲۹؎

ترجمہ: سیندور چھڑک کر وہ سب لال ہوگئیں۔تمام جوان لڑکیوں کے منھ میں پان تھے۔

مثنوی کے حسب ذیل اشعار سے یہ ادراک و احساس ہوتا ہے کہ کہ چنداین کا تخلیق کار مقامی ہندو مذھب، اس کے معتقدات و مزعومات اور اُس کے ماننے والے پجاریوں کی عقیدت سے بخوبی واقف ہے۔یہ ابیات تلمیحات کے نقطۂ نظر سے بھی اہم ہیں اور بہت حسین ہیں۔

ہَنُونت سیتا کَہ دَھَسِ باری لَنکا کھونت کھونٹ پَر جاری ۳۰؎

ترجمہَ ہنومان سیتا کی خاطر محل میں گھس گئے۔انہوں نے لنکا کے گوشہ گوشہ کو جلا دیا۔

ہَوں پھُن چاند ہَری جو پاؤں لَنکا چھاڑِ پَلَنکا دَھاوَوں ۳۱؎

ترجمہ: میں بھی اگر کھوئی ہوئی چاند کو پا جاؤں تو لنکا کی کیا کہوں، پلنکا دوڑ جاؤں۔

رامہہ ہنونت بھئیو سنگھاتا مُہنہ نہ کوئی بِن دَئی بِدھاتا ۳۲ے

ترجمہ: رام کے لیے ہنومان ساتھی تھے۔ میرا دئی (خدا) کے سوا، کوئی ساتھی نہیں۔

لنکا اُریہہ بھَبھیکَن ریہا سَنچے مان دَسکر گئی دیہا

ترجمہ: لنکا اور بھبھیکن کی تصویریں بنی ہوئی تھیں وہاں دس سروں والے (راون) کا مجسمہ تھا۔

چھِتیاں ہَرَن رام سنگراوَوں دُر پانڈو کُرُ کھیت کَ ٹھاوَوں

ترجمہ: سیتا کے غصب، رام کی جنگ کا منظر۔ دریودھن، پانڈو کے مقام کروچھیتر کی تصویر۔

گھر پَر ا چورو ، کوڑیا جو آرو اُجَنی نی نگری آ گیا بیتارو

ترجمہ: گھر پر چور اور کوڑیوں کے جواری۔ اُجّین شہر اور (بکر ماجیت کا) آ گیا بیتال۔

مانچھ ہی پنڈُ کاب لہُہ لاوا چکا بوہ اَرِہہَنہ اُچاوا ۳۳ے

ترجمہ: بیچ میں پانڈو کے قصے کو لے کر لگایا۔ چکر یوہ کی تصویر بھی اٹھائی ہوئی تھی۔

مثنوی سے ماخوذ درج ذیل ابیات میں ایک پنڈت گودر کے برہمن سرجن کی تصویر دیدنی و قابلِ آفریں ہے۔

پوتھی کانکھ، ہاتھ بیَساکھی اَنَت کان دُہنہ بھئی جَئی راکھی

ترجمہ: بغل میں کتاب، ہاتھ میں بیساکھی لیے۔ دونوں کانوں میں اَنتِ راکھی پہنے ہوئے۔

جَنیو کاندھ ، تَر دھوت لکھائی اُوَر دھوت ماتھیں پَہرائی

ترجمہ: کاندھے پر جنیو، اس کے نیچے دھوتی۔ اور ماتھے پر ڈھلی ہوئی پگڑی پہنے ہوئے۔

رِگ ، جَج ، سام ، اتھَر بَن پڑھا آئی پُرَنتر رَورِ ئیں چڑھا

ترجمہ: وہ رگ وید، یجروید، سام وید، اتھروید، پڑھا ہوا ہے۔ وہ اندر کی طرح سوار آپ کے یہاں آیا ہے۔

پَنڈِت بڑا بِدھ بانسک، پوتھا بانچ پُران بَرَہ بھاکھ پئی ، دوسَر بھاکھ نہ جان

ترجمہ: وہ بڑا پنڈت، صاحبِ علم ہے، پُران کی کتابیں پڑھنے والا ہے۔ وہ جُدائی کی زبان بولتا ہے، دوسری بولی نہیں جانتا بطور پند۔ کہا گیا مندرجہ ذیل بیت ملاحظہ فرمائیں۔

ہاتھ کَ مانک سَمندر مَہِنہ رائی بُہُر سو ہاتھ نہ چڑھئی آئی ۳۴ے

ترجمہ: ہاتھ کا موتی اگر سمندر میں چلا جائے۔ تو پھر اُبھر کر ہاتھ میں نہیں آسکتا۔

مثنوی میں ایسے اشعار کی تعداد اچھی خاصی ہے، جن میں اس قبیل کی ضرب الامثال اور محاورے نظم کیئے گئے ہیں، جو آج بھی زندہ ہیں، ان میں بہت سی آفاقی صداقتیں اور بہت سی ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جن میں پند کے گوہر پنہاں ہیں، جن میں سے ایک شعر اوپر لکھا جا چکا ہے۔ سچ کی بابت کہے گئے درج ذیل ابیات، لائقِ تحسین ہیں اور اسی زمرے میں شامل ہیں۔

سَتہِنہ تِرَئی ساَیرِ مَہیِنَہ ناوا   بِن سَت بوڈ ئی تھاہ نہ پاوا

ترجمہ: سچ ہی سے ناؤ سمندر میں تیرتی ہے۔ بغیر سچ کے وہ ڈوب جاتی ہے اور تھاہ نہیں پاتی۔

جِیہَنہ سَت ہوئی سو لاگئی تیرا   سَت گرہَنیں بوڈ منجھ نیرا

ترجمہ: جس میں سچ ہوگا وہ کنارے لگے گا۔ سچ سے خالی پانی میں ڈوب جائیگا۔

سَت گُن کھینچ تیر لئی لاوا   سَت چھاڑیں گُن تور بَہاوا

ترجمہ: سچ رسّہ کھینچ کر کنارے لگاتا ہے۔ سچ کو چھوڑا تو گویا رسّہ توڑ کر بہا دیا۔

سَت سَنبھارِ تَو پاوَئی تھاہا   بِن سَت تھاہ ہوئی اوَگاہا

ترجمہ: سچ سنبھالتا ہے تو تھاہ مل جاتی ہے۔ بغیر سچ کے تھاہ گہری ہو جاتی ہے۔

سَت ساتھی، سَت سانبھل، سَتئی ناوگُن دَھارا   کہ سَت کِت توں آوَسِ، بَروِسدھ دِیئی کَرتار۳۵

ترجمہ: سچ ساتھی ہے، سچ سنبھالنے والا ہے، سچ ہی ناؤ کا مانجھی ہے۔ بتا تو سچ کہاں سے لے کر آیا ہے کہ خالق تیرے کام بنا دے گا۔

ملاّ داؤد کے مرقومہ ذیل بیت میں بھنورے کی یہ جبلّت ملاحظہ ہو کہ وہ جب تک پھول میں رس کی آخری رطوبت باقی رہتی ہے۔ پھول پر بیٹھ کر اُس کو چوستا رہتا ہے اور جیوں ہی وہ آخری نمی بھی چوس لیتا ہے تو وہ اُسی لمحہ اُڑ کر دوسرے پھول کی طرف جا کر اس کا رس چوسنے لگتا ہے اور پہلے پھول کی طرف رُخ بھی نہیں کرتا۔

بھَنوَر پھول پر رَہئی لُبھائی   تَرَس لَئی تا پَہنہ بَہُر نَہ جائی۳۶

ترجمہ: بھنورا پھول پر فریفتہ رہتا ہے۔ رس لے کر اس کی طرف پھر نہیں جاتا۔

ملاّ داؤد کو انسانی نفسیات، مرد ذات کی کمزوری اور عورت ذات کا اپنے حسن و خوبصورتی کا تھوڑا سا نظارہ دکھلا کر اپنا کام بنانے کی جبلت، کا اچھا خاصا احساس ہے۔ یہ ایک کائناتی صداقت ہے کہ عورت اپنے حُسن کا عمداً مظاہرہ کر کے مرد کو بے وقوف بنانے اور اپنا بڑا سا بڑا کام نکالنے کا ہُنر جانتی ہے۔ مثنوی کا وہ اقتباس ملاحظہ کریں، جس میں چاندا ملاّح کی نظروں کے سامنے اپنے حُسن کی تھوڑی

سی نمائش کر کے ملّاح کے ذریعہ بڑھی ہوئی گنگا پار کر لیتی ہے۔ بند نمبر ۲۸۷ میں سے متعلقہ مضمون کا صرف ایک بیت ملاحظہ کریں، جس سے راقم کی صداقت واضح ہو جاتی ہے۔

چاند ا پھر پھر آپ دِکھاوا مکُ کھیَوٹ موہِ دیکھت آوا ۳۷؎

ترجمہ: چاندا گھوم گھوم خود کو دکھانے لگی۔ شاید مجھے دیکھ کر کوئی ملّاح آجائے۔

طبقۂ عوام کی زنان اسافل کی زبان ملاحظہ کریں۔ واضح ہو کہ یہ لفظ یعنی ’’چھنال‘‘ آج بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔

جَس آپَن تَس اَوَرِہنہ جانے جَس چھِنارتَس موک بکھانے ۳۸؎

ترجمہ: جیسی خود، ویسی دوسرے کو سمجھتی ہے۔ جیسی تو چھنال ہے ویسی ہی مجھے کہہ رہی ہے۔

گھنہِ چاند کر پانِ اُتارا ہَم سَنہہ نارِ نہہ چھِنار بٹارا ۳۹؎

ترجمہ: پل بھر میں چاند کی عزت اُتار دی۔ ہم سب عورتیں چھنال بدچلن ہیں؟

سات چھِنار گھال تو کرہی کاہ کروں جو لیتے مر ہی ۴۰؎

تو سات چھینار وں کو زیر کرتی ہے۔ میں کیا کروں (کسی کو) لیتے اگر تو مرتی ہے۔

مندرجہ ذیل مصرعوں میں در آئی کا ئناتی صداقت ملاحظہ ہو۔

جِنہہ یہ چوٹ لاگِ سو جانی ۴۱؎

ترجمہ: جس کے یہ چوٹ لگی ہے وہی جانتا ہے۔

کوئی نہ جان دُکھ کا ہو کیرا سوئی جانِ پَرَی جینہ پیرا ۴۲؎

ترجمہ: کوئی کسی کے غم کو نہیں جانتا۔ جس پر مصیبت پڑتی ہے وہی جانتا ہے۔

مثنوی کے قارئین وسامعین کے ساتھ ساتھ شاعر کو خود بھی احساس ہے کہ اس کے اشعار میں بلا کی تاثیر ہے۔ اس سلسلہ کا اس کا درج ذیل شعر ملاحظہ فرمائیں۔

داوٗد کب جو چاندا گائی جیہَن رسُنا سوگا مُرجھائی ۴۳؎

ترجمہ: شاعر داوٗد نے جب چاندا کی داستان گائی، جس نے بھی سُنا وہ افسردہ ہو گیا یعنی متاثر ہوا۔

مُلّا داوٗد کو اس حقیقت وصداقت کا بھی بخوبی علم تھا کہ انسان کے عناصر ترکیبی میں خطا اور نسیان داخل ہیں۔ انہوں نے جہاں اپنی فنی حذاقت کا ذکر کیا ہے وہیں اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ ان سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں اور انہوں نے قارئین سے یہ درخواست کی ہے کہ وہ خود ہی اغلاط کی اصلاح کر لیں۔ اس سلسلے میں ان کی مثنوی کے بند نمبر ۷۱ کا آخری بیت ملاحظہ کریں۔

داؤد یہہ کب جَئی گائی مَن مَہِہ لیہہُ بچار   جَرت بول چت راکھہُ ٹوٹَت لیہہُ سَنوار۔۴۴؎

ترجمہ: داؤد نے یہ نظم گائی ہے، دل میں اُس پر غور کرو یہ مرصّع کلام ہے، اُسے دل میں رکھ لو اور جو غلط ہو اس کو تم درست کر لو یعنی انہوں نے، عربی کی اس مثل کا خلاصہ نظم کیا ہے کہ " **خذ ما صفیٰ و دع ماکدر** "صاف کو لے لو اور گدلا کو چھوڑ دو۔

مُلّا داؤد کے بارے میں ماقبل میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ان کے کلام میں تشبیہات و استعارات کا حسین استعمال ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ کے دو ایک ابیات نقل کر دیئے جائیں۔

اَگن بَرک بھا چاندہ اَو کٹ چھُئی نہ جائی   جَس اُجیارَیں بھنگا مَر ہِنہہ رائی اُدائی ۴۵؎

ترجمہ: چاندا آتشِ حُسن ہے، اس کی تپش کو انگیز نہیں کیا جا سکتا، جیسے روشنی پر پتنگے گر گر کر فدا ہوتے ہیں، اُسی طرح اُس پر اُڑ کر راجا فدا ہوں گے۔

ذیل میں محاورہ ''ناک میں دم ہونا'' کا لطیف استعمال ملاحظہ ہو۔

جِیَرا مور ناںک ہوئے رہا   پِیَہ بِن مَرَن نَتہِہ کو، سہا ۴۶؎

ترجمہ: میرا دم ناک میں آ کر رہ گیا۔ محبوب کے بغیر مرنا ہے، نتھ کو کون گوارا کرے۔

مثنوی میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو آج بھی اُن ہی معنی میں استعمال ہو رہے ہیں، جن معنوں میں، وہ مُلّا داؤد کے عہد میں مستعمل ہوتے تھے مثلاً لفظ ''بیا'' کا استعمال ملاحظہ ہو۔

لے کئے مَندَر جہاں بَھنڈ سارا   اَو تَو لَئی کیہِہ بَیا ہنکارا ۴۷؎

ترجمہ: مجھے گھر لے گیا جہاں سب سامان تھا۔ تولنے کے لیے اُس نے بیا کو بُلایا۔ ''بھنڈ سارا'' اور ''چھنال'' کا شمار بھی اسی قبیل کے لفظوں میں ہے۔ ماسبق میں منقولہ وہ بیت، جو مثنوی کے بند ۳۵۴ بیت نمبر ۵ سے لیا گیا ہے اس لئے اہم ہے کیوں کہ اس میں مندرج محاورہ آج بھی زندہ ہے ملاحظہ ہو۔ ناک میں دم آنا۔ گھبرانا، تنگ ہونا۔

مُلا داؤد نے اپنی اس مثنوی میں چار اشخاص کا تذکرہ کیا ہے۔ شاعر نے اپنی مثنوی کے ۲۶۵ ویں بند میں میرِ مسعود کا ذکر کیا ہے کہ وہ دو گدّر نوجوان حسین عورتوں کے شوہر ہیں جن کی جوانی کو شاعر نے ''بھنبھر بَھوریں'' یعنی تمتماتی ہوئی کہا ہے۔ شاعر کے بقول وہ عادل شوہر ہیں جو خوشبو میں بسا پان دونوں کو کھلاتے ہیں اور ایک چھاپ کی ساڑھیاں دونوں کو پہناتے ہیں۔ دونوں بیویوں کے ساتھ ان کے مساویانہ رویےّ کو بیان کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے۔

گَئی کھنڈ وانی دواُو پِیاوَیں   کوہی بَر جَریں، چھِرک بُجھا وَیں ۴۸؎

ترجمہ: دونوں کو شربت بنا کر پلاتے ہیں۔(دونوں میں سے) کسی کا جسم جلے تو وہ چھڑک کر بُجھاتے ہیں۔

شاعر نے اپنی مثنوی کے ۳۲۹ ویں بند میں مولانا ملک نتھن کو اپنی شاعری کی اثر آفرینی بتلائی ہے۔کسی شاعر نے فصاحت و بلاغت کی تعریف بتلاتے ہوئے مختصراً کہا ہے۔

سمجھ میں صاف آجائے فصاحت اس کو کہتے ہیں اثر ہو سننے والے پر بلاغت اس کو کہتے ہیں

شاعر نے صاف صاف کہا ہے۔

داؤد کَب جَو چاندا گائی جیَن رِ سُنا سوگا مُرجھائی ۴۹ـہ

ملّا داؤد کا مندرجہ بالا بیت اتنا پر اثر ہے کہ ملّا داؤد نے خود ہی اپنی مثنوی کی اثر آفرینی کی بابت بیت سابقہ سے پیوستہ شعر میں کہا ہے۔

دَھن تے بول، دَھن لیکھَن ہارا دَھن تے اَکھر، دَھن اَرتھ بچارا ۵۰ہ

ترجمہ۔مبارک وہ کلام ہے،قابلِ آفریں ہے اس کلام کا خالق لائقِ آفریں ہے۔شاعر کے حروف اور اسی طرح قابلِ مبارک باد ہے ارتھ یعنی شاعر کے کلام کا مفہوم۔شاعر نے اس بند کے آخری بیت کے دوسرے مصرع میں کہا ہے کہ۔

ایک ایک بول مونت جَس پرو، آ ٘کھوں جو ہیرا تور

ترجمہ: ایک ایک بات موتی کی طرح پرو کر کہی ہے جو ہیرا توڑ ہے۔

مُلّا داؤد نے مولانا نتّھن کو ملک کہا ہے جس طرح ہمارے زمانے میں ہر بزرگ خدا والے کو شاہ کہا جاتا ہے جیسے شاہ عبدالعزیز، شاہ ولی اللہ وغیرہ اسی طرح مُلّا داؤد کے عہد میں ہر اللہ والے صاحبِ طریقت کو ملک کہا جاتا تھا۔مُلّا داؤد نے اپنی مثنوی میں اپنے والد شیخ شعیب اور دادا شیخ سلطان احمد کو ان کے خطابات کے ساتھ یاد کرتے ہوئے ''ملک مبارک'' اور ''ملک بیان'' کہا ہے۔

اغلبًا مولانا ملِک نتّھن ڈلموٗ کے ساکن اور اللہ والے بزرگ تھے۔

مُلّا داؤد نے جس تیسری شخصیت کا ذکر اپنی مثنوی میں کیا ہے، وہ سراج دِین کی شخصیت ہے، جن کی بابت صرف ایک بیت ہے۔

سراج دِین سُنو کب چھند، داؤد کہی سَنوار میر مسعود کا دو اونار یں، لائی دَھری اَنکوار۔۵۱ہ

ترجمہ: مُلّا داؤد نے سلیقہ سے کہا ہے، اے سراج دین، شاعر سے یہ شعر سُنو۔میر مسعود کی دو عورتیں ہیں وہ ان کو بغل سے لگا کر رکھتے ہیں۔

راقم نے ڈاکٹر انصار اللہ کی مرتبہ چنداین مطبوعہ ۲۰۱۴ء کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ وہ راقم کی نگاہ میں ایک قابلِ اعتماد ثقہ محقق ہیں، لیکن پتہ نہیں کیوں انہوں نے سراج دین کے نام کو اپنے ترجمہ میں بدل کر سراج الدین کر دیا جبکہ سراج دین کے دوست مُلّا داؤد نے ان کا نام سراج دین بتلایا ہے۔ مشہور مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کے مصنف کا نام بھی فخر دین تھا لیکن بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق نے اُسے فخر الدین کر دیا تھا (ملاحظہ ہو مضمون ''اردو'' مطبوعہ دائرۂ معارف اسلامیہ، لاہور صفحہ ۳۳۸)

سراج دین سے متعلق بیت، بند نمبر ۲۶۵ کا آخری بیت ہے۔ مُلّا داؤد نے اپنے اس محوّلہ بالا بیت میں سراج دین کو، برہنہ نام سے، کسی سابقہ یا لاحقہ کے بغیر، مخاطب کیا ہے۔ مُلّا داؤد کے اس طرزِ تخاطب سے اس حقیقت کی وضاحت ہوتی ہے کہ سراج دین مُلّا داؤد کے بے تکلف دوستوں میں سے ایک تھے۔

مُلا داؤ کی مثنوی کی ان تین ہستیوں کی بابت علم الیقین کے سہارے کوئی بات عرض نہیں کی جا سکتی، لیکن علم الظّن اور مورخین کی وقیع آرا کی بنیاد پر اتنا عرض کیا جا سکتا ہے کی میر مسعود یا میر مسعود بک، بقول شیخ عبدالحق محدث دہلوی سلطان کمال الدین فیروز شاہ تغلق کے اعزّ امیں سے تھے۔ آپ کا اصل نام شیر خاں تھا۔ آپ ابتداءً، بڑے طُمطراق اور کرّ وفر کے ساتھ رہتے تھے مگر جلد ہی بتوفیق الٰہی مائل بہ تصوّف ہو گئے۔ ۵۲؎

آپ فارسی علم وادب کے متبحّر عالم تھے، اور آپ کو صوفیانہ شاعری میں یدِ طولیٰ حاصل تھا، لیکن آپ نے اپنی شاعری میں فلسفۂ وحدت الوجود کو بڑے شدّ ومد کے ساتھ کچھ اس طرح نظم کیا کہ علمائے دین ومفتیانِ شرع متین نے آپ کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کر دیا چنانچہ آپ مستوجبِ قتل ہو کر ۸۳۶ھ۔ ۱۴۳۲ء میں راہی ملک بقاءً ہوئے۔ ۵۳؎

جہاں تک شیخ سراج دین کا تعلق ہے، تو اِس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ آپ سلسلۂ مخدوم جہانیاں کے ممتاز بزرگ تھے۔ آپ کا سن وفات ۸۰۴ھ۔ ۱۴۰۱ء ہے اس لحاظ سے یہ دونوں حضرات تخلیق چنداین کے دوران رہروان عالم شباب تھے جبکہ تخلیق کار چنداین مسافتِ شیخوخت کے راہی تھے۔

معرض بحث مثنوی میں مذکور تیسری شخصیت مولانا ملک تھن کی ہے۔ مُلّا داؤد کے طرزِ تخاطب سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی علمی وادبی لیاقت مسلم تھی، اسی لیے ان کی توجہ مثنوی مذکور میں رواں دواں محاسن شعری کی جانب مبذول کرائی گئی ہے۔ اور ان سے مثنوی میں مکنون اُن نکات کی طرف توجہ کرنے کی بات کی گئی ہے جن کی حیثیت فصاحت وبلاغت کے نقط ہائے نظر سے تسلیم شدہ ہے۔ بند

نمبر ۳۲۹ سے عیاں ہے کہ مولانا ملک تتّھن نے مُلّا داؤد سے داستان میں شعریت پیدا کرنے کی بات کی ہوگی تبھی تو انہوں نے معرضِ بحث بند کے چوتھے بیت کا آغاز، فقرہ

''تور کہا مئیں یہ کھنڈ گاوَوں'' سے کیا ہے

مثنوی میں

''کتھا کبت کئی لوگ سُناوَوں''۵۴

کا عمل اس خوبی کے ساتھ کیا گیا ہے کہ مثنوی کے مصنف نے تعلّی کرتے ہوئے معرضِ بحث بند کا اختتام یوں کیا ہے۔

اور کبت مئیں کروں بنتی، سیس نائی کر جور

ایک ایک بول مونت جس پرو، آکھوں جو ہیرا تور۵۵

ترجمہ: یعنی اور سر جھکا کر، ہاتھ جوڑ کر عرض کرتا ہوں کہ ایک ایک بات، ہیرا توڑ موتی کی طرح پروکر پیش کی گئی ہے۔موتی کے لیے ''ہیراتوڑ'' کی صفت قابلِ داد ہے۔

مثنوی میں چوتھی ہستی کا ذکر بیکانیر والے نسخے میں بند نمبر ۸۴ کے بعد ایک مستزاد بند کے چھٹے شعر میں آیا ہے، جس کا تخلص محمد ہے۔مُلّا داؤد محمد تخلص والے شاعر سے کہتے ہیں کہ انہوں نے چاندا کے حلیہ میں پیروں کا ذکر نہ کرنے کی فروگذاشت کی تلافی پیر میں چمڑے کی جوتی دے کر دی ہے، جس سے چاندا خوش ہوگئی۔

راقم یہیں اپنا یہ نظریہ حوالہ قرطاس کر رہا ہے کہ مولانا داؤد ڈلمئی کی عمر بوقتِ تخلیق مثنوی تخمیناً ۹۶ رسال تھی۔راقم کے اس تخمینی نظریہ کے بواعث حسب ذیل ہیں۔

اوّل۔مثنوی چنداین کا سنِ تخلیق ۷۸۱ھ اور اس کے تخلیق کار کا، دلائل پر مبنی، سنِ ولادت ۶۸۵ھ ہے لہٰذا اس کا نتیجہ بایں طور ہے ۷۸۱ھ۔۶۸۵ء = ۹۶ رواضح ہو کہ آپ کے خانوادہ کے اشخاص بفضلِ الٰہی طویل عمر کے مالک ہوتے تھے۔آپ کے احفاد میں سے ایک حفد مولانا شیخ احمد عبد الحق ردولوی کی عمر شریف بوقتِ وصال ایک سو آٹھ سال یا ۱۲۰ سال تھی۔

دوم۔مولانا داؤد کی عمر شریف ان کی ان شبیہوں سے، جو ان کی مثنوی کے قلمی نسخوں میں معکوس ہیں ایک سو کے قریب محسوس ہوتی ہے۔اس سے بھی مثنوی مذکور کی تصنیف کے دوران، اس کے تخلیق کار کی عمر کے ۹۶ رسال ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے۔

سوم۔مثنوی چنداین کے بند نمبر ۵۹ کے بیت نمبر ۵ سے مترشح ہوتا ہے کہ مُلّا داؤد کی عمر بوقت

تخلیق چنداین ایک سو سال سے کم تھی، لہٰذا مثنوی کے سیاق وسباق سے، نفسیاتی طور پر، اس امر کی غمازی ہوتی ہے کہ مولانا کی عمر مثنوی کی تصنیف کے دوران ۹۶ رسال رہی ہوگی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مثنوی چنداین کا محوّلہ بالا بیت مع اس کی وجوہ، ذیل میں نقل کردیا جائے۔

بڈَ نہہِ کَ کہا بِسیکھئی کیجا آنئیں پانچ برَسا سَو جِیجا ۵۶

ترجمہ: بڑوں کے کہنے پر غور کرو۔ آئندہ پر دھیان، رکھو، سو سال جیؤ۔

واضح ہو کہ چنداین کا متذکرہ بالا بیت اس باجر یوگی سے بطور پند کہا گیا ہے، جو اپنی گذشتہ بیجا حرکتوں کے باعث مشوّش ومتفکر اور محزون ہے۔ لہٰذا اس کو نصیحت کی جارہی ہے کہ بڑوں کے قول پر غور کر کے اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ ہر کام کے انجام پر غور کرنا چاہیئے۔ ایک سو سال تک جینے کا یہی نسخہ ہے۔ برائی کا سب سے برا خمیازہ یہ ہے کہ وہ اپنے فاعل کو کچوکے دیدے کر ڈراتی اور خوف دلاتی رہتی ہے۔ سارے جہان پر یہ حقیقت آشکارا ہے کہ فکر سے بڑی اور بری کوئی بلا نہیں ہے۔ انگریزی محاورہ ہے۔ TheCatCare Will Kill فکر بلّی کو مار دیتی ہے۔ انگریزی ہی کی ایک دوسری مثل ہے کہ ایک بلّی ۹ رعورتوں کی زندگیوں کی مالک ہوتی ہے جب کہ ایک عورت نو زندگیوں کی مالک ہوتی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر انصار اللہ نے اپنی مرتبہ مثنوی چنداین ۲۰۱۴ء کے مقدمہ صفحہ ۲۳ کی پہلی اور دوسری سطور میں کئی فرگذاشتیں کی ہیں۔(۱) ''راستے میں لورک کا بھائی مویشی چراتا ہوا ملا''، جبکہ مثنوی کے بند نمبر ۲۸۱ کے بیت نمبر ۵ میں صاف صاف مرقوم ہے۔

کھرَگ بِساہت کَنورو بھائی چَلہَہ چاند سو بھیٹتی جائی ۵۷

ترجمہ: میرا بھائی کنورو یہاں تلوار لے رہا ہوگا۔ اے چاند چلو اس سے ملتے ہیں۔

اس بیت سے ڈاکٹر انصار اللہ کے اس فقرے کی تغلیط ہو جاتی ہے کہ ''راستے میں لورک کا بھائی مویشی چراتا ہوا ملا''

(۲) ڈاکٹر صاحب نے چاندا اور لورک کے گنگا پار کرنے کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ ''ایک ملاّح کو دھوکا دے کر اُس نے گنگا پار کیا'' جبکہ مثنوی کے بند نمبر ۲۸۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ چاندا مردذات کی کمزوری سے بخوبی آگاہ تھی لہٰذا اُس نے اپنے حُسن کی ہلکی سی نمائش کر کے ملاّح سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بڑھی ہوئی گنگا پار کی۔ مُلاّ داؤد کے لفظوں میں۔

چاندا پھِر پھِر آپ دِکھاوا کر کنگن چاندئیں جھنکارا ۵۸

بطور جملہ ہائے معترضہ عرض ہے کہ مندرجہ بالا مصرعہائے ابیات شری پرمیشوری لال گپتا کی

مدوّنہ مثنوی چنداین سے منقول ہیں، جبکہ ڈاکٹر انصار اللہ کی مرتبہ مثنوی میں، جو اردو کی پہلی واحد مدوّنہ ومطبوعہ مثنوی ہے، ''جھنکارا'' کی بجائے ''چمکارا'' ہے، جو کہ غیر مرجّح بلکہ نادرست ہے، کیونکہ لورک اور چاندا جب گھر چھوڑ کر بھاگتے ہیں، تب رات اندھیری تھی اور تیز موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور ان دونوں کو بموجب صلاحِ ستارہ بیں آدھی رات گذر جانے کے بعد سورج نکلنے تک گنگا پار کر لینی تھی (بند نمبر ۲۸۰ بیت نمبر ۶، پہلا مصرعہ و بند نمبر ۲۷۹ بیت نمبر ۶) واضح ہو کہ ''چمکارا'' کا تعلق حسِ بصر سے ہے، جس کے لئے داخلی وخارجی دونوں روشنیاں درکار ہیں اور ناظر ومنظور الیہ کے مابین درکار فاصلہ ہو جبکہ ''جھنکارا'' کا تعلق حسِّ سمع سے ہے، جس کے لئے داخلی شنوائی کافی ہے اور کسی دوسری خارجی شئ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں مسموع لہ اور سامع کے درمیان یہاں بھی درکار فاصلہ ہونا چاہئے۔ یہاں صورت حال یہ ہے کہ اگر ابر کھل بھی گیا ہو، تب بھی کسی شی کے چمکنے یا اس کو چمکانے یا دوسروں کو دکھلانے اور اس کی وساطت سے دوسروں کو متاثر کرنے کے لئے جتنی اور جس قسم کی روشنی درکار ہے وہ یہاں اس وقت مفقود تھی، لیکن ہوشمند، ہوشیار اور جبلّی معاملہ فہم چاندا بہر حال چاندا ہے، اس کا خود کا تخیلاتی ہیولیٰ ہو یا اس کی صورت جسمیہ، وہ ان کے سہارے اپنا کام نکالنے کا ہنر بخوبی جانتی ہے اور یوں اس حکمتِ عملی کے سہارے۔

دَئی سَنجو گے گانگ تَر آئے بوڈَت پارا تیرو

ترجمہ: دَئی (خدا) کے فضل سے گنگا پار ہوئے۔

اس طرح معلوم ہوا کہ لورک نے ملّاح کو دھوکہ نہیں دیا بلکہ چاندا نے حکمت عملی کا سہارا لیا اور اس طرح گنگا پار کرنے میں کلیدی حیثیت چاندا کی ہے، نہ کہ لورک کی، جیسا کہ چنداین کے بند نمبر ۲۸۸ کے آخری بیت کے پہلے مصرع سے مترشح ہوتا ہے۔

'' آگیں چاند سِیانی پاچھیں لورو بیرو''

آگے ہوشیار چاندا تھی اور پیچھے لورک بہادر تھا۔

(۳) ''اس نے لورک کو روکا، لیکن لورک بہانہ کر کے آگے بڑھ گیا۔'' میں بھی ڈاکٹر انصار اللہ سے غلطی ہوئی ہے۔ لورک روکا نہیں گیا اور لورک نے کوئی بہانہ بھی نہیں کیا، بلکہ لورک نے چاندا سے یہ کہا تھا کہ میرا بھائی کنورو یہاں تلوار لے رہا ہوگا، اس لیے چاندا چلو اس سے ملتے ہیں۔ لورک نے کوئی بہانہ نہیں کیا تھا بلکہ صاف صاف کہا تھا کہ ہم ہلدی جا رہے ہیں اب تم مجھے چاندا کے ساتھ جانے دو (بند نمبر ۲۸۵ بیت نمبر ۵) مزید برآں لورک نے اپنے بھائی کنورو کے ذریعہ اپنی ماں کھولن اور اپنی بیوی

مَینا کو پیغام بھی بھیجا۔

ڈاکٹر انصار اللہ نے اپنی مرتّبہ مثنوی کے مقدمہ میں صفحہ نمبر ۱۷ میں لکھا ہے کہ ''عام خیال ہے کہ شیخ داؤد نے اپنی کتاب چنداین اسی قصبہ (ڈلموٗ) میں لکھی تھی، لیکن خود چنداین میں ایسا کوئی اشارہ موجود نہیں ہے۔''

ڈاکٹر صاحب کا یہ قول بھی نا درست ہے، کیونکہ مُلّا داؤد نے مثنوی کے بند نمبر ۱۷ کے تیسرے بیت میں کہا ہے۔

ڈلموٗ نگر بسے نو رَنگا اوپر کوٹ تلے بَہے گنگا

ہندوستان کے سلطان التمش نے اپنے عہد (۶۰۷ھ۔۶۳۳ء) میں ڈلموٗ کو مرکزی حیثیت دی تھی۔ڈلموٗ ہجری سن کی ساتویں اور آٹھویں صدیوں میں چشتی صوفیوں کا مرکز تھا۔اسی طرح سترہویں بند کے چوتھے بیت میں کہا گیا ہے۔

دھرمی لوگ بَسہِیں بھگوَنتا گُن گاہکَ ناگر جسوَنتا ۵۹؎

ترجمہ: یہاں باخدا، مذہبی لوگ بستے ہیں۔شہر کا حاکم فن کا خریدار ہے۔

اس طرح مُلّا داؤد نے اس سترہویں بند کے پہلے اور دوسرے بیتوں میں اس مثنوی کا سن تخلیق، اور عہدِ تخلیق بتلایا ہے، تیسرے بیت میں اپنا مسکن اور مثنوی کا مقام تخلیق بتلایا ہے۔اور اس کے چوتھے اور پانچویں بیتوں میں بھی ڈلموٗ کی بابت ہی بات کہی گئی ہے، یعنی بیت نمبر ۴ میں ساکنین ڈلموٗ کا مذہبی رجحان اور حاکم کا خریدارِ فن ہونا اور پانچویں بیت میں ڈلموٗ کے امیر الامرا اور جج ملک مبارک ابن ملک بیان کا ذکر ہے۔اس طرح چونکہ مثنوی کے سترہویں بند کے پانچ ابیات ڈلموٗ سے متعلق ہیں، اس لیے منطقی و ماحولی اعتبار سے چھٹا بیت بھی اسی شہر ڈلموٗ سے متعلق ہوگا۔خاص طور پر جبکہ اس کے برخلاف کوئی اشارہ بھی نہیں ہے۔اب متعلقہ بیت کے بین السطور کو ملاحظہ فرمائیں۔

داؤد یہہ کب جَئی گائی مَن مَہہ لیہہُ بچار جَرَت بول چِت راکھہُ ٹوٹَت لیہہُ سَوار ۶۰؎

ترجمہ: داؤد نے یہ نظم گائی ہے، دل سے اس پر غور کرو۔یہ مرصع کلام ہے، اسے دل میں رکھ لو۔ اس میں جو نقص ہو، اس کو سنوار لو۔ظاہر ہے کہ اس کے مخاطبین اوّل وہیں کے ساکنین ہوں گے، جن کا تذکرہ اس بند میں ہے۔یعنی ڈلموٗ نگر (ڈلموٗ شہر) اور اس کے وابستگان، علاوہ بریں ڈاکٹر انصار اللہ نے اپنی مرتّبہ مثنوی چنداین کے صفحہ ۳۶ میں خود ہی رقم کیا ہے کہ ''چنداین کے بارے میں یہ بات متعین ہے کہ اس کا مصنف اودھ کے علاقے کا رہنے والا ہے۔کتاب میں اس نے پوری صراحت

کے ساتھ ڈلموٗ سے تعلق کا اظہار کیا ہے' اس طرح مرتّب مثنوی نے خود ہی اس بات کو تسلیم کر لیا کہ مصنف مثنوی اودھ کے علاقہ ڈلموٗ کا رہنے والا تھا۔

لیکن ان تمام تسامحات و اسقام کے باجود ڈاکٹر انصار اللہ کی شخصیت قابلِ احترام و لائقِ عظمت ہے اور اردو ادب موصوف کا رہینِ منّت ہے کہ ڈاکٹر موصوف نے مُلّا داؤد کی مصنّفہ چنداین کا فارسی رسم الخط میں ایک بیش بہا نسخہ مدوّن کر دیا۔ مرحوم ڈاکٹر صاحب نے اس نسخہ کی تدوین میں ھندی ادب کے دیوناگری رسم الخط میں مدوّنہ جملہ نسخوں کا استیعابی مطالعہ کیا ہے۔ موصوف کا موضوع بحث یہ نسخہ اردو زبان و ادب کا پہلا مدوّنہ مطبوعہ نسخہ ہے، جو وقیع حواشی و تعلیقات سے مزیّن ہے۔ پروفیسر موصوف نے مثنوی مذکور کے ہر بیت کا موجودہ اردو میں متبادل بھی رقم کر دیا ہے، جس سے اس کی افادیت میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ موصوف ایک عظیم انسان تھے ان کی لائقِ رشک عظمت پر ان کے چالیس صفحات پر مبنی مقدمہ کے اختتام پر مرقوم ان کے دو فقرے دال ہیں، جن میں موصوف نے اس آفاقی و کائناتی صداقت کا بے محابا اظہار کیا ہے کہ "کچھ شک نہیں کہ اس کام میں مجھ سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔" ان کا یہ جملہ ان کی بے عدیل عظمت کا مُعلِن ہے۔ ان کی یہ عظمت ان کے اس جذبۂ احسان مندی میں پنہاں ہے، جس کا اظہار انہوں نے اپنے دوسرے فقرے میں اس طرح کیا ہے کہ "توقع ہے کہ اربابِ علم و دانش ان اغلاط سے نہ صرف درگذر فرمائیں گے، بلکہ ان کی تصحیح بھی کر کے مجھے احسان مند کریں گے۔"

مثنوی چنداین کے مصنف مُلّا داؤد کی علمی لیاقت اور ان کا خزینۂ علم اس قدر وسیع ہے کہ انہوں نے جہاں مختلف اقوام اور اُن کی ضمنی قوموں کا ذکر کیا ہے، وہاں بہت صراحت سے گفتگو کی ہے۔ جہاں تک اُس وقت کی ہندو ذاتوں کا تعلق ہے، مصنف نے ان کا تذکرہ بھی بڑی تفصیل اور صراحت کے ساتھ بند نمبر ۲۵ میں کیا ہے۔ مصنف نے تخمیناً ۳۰ رقوموں کا ذکر ان کے ناموں کے ساتھ کیا ہے۔

مُلّا داؤد نے جب طبقہ نسواں کا تذکرہ کیا ہے، تو اس موقع پر بھی انہوں نے تفصیل کے ساتھ ہر طبقۂ خاص و عام کی فہرست پیش کی ہے۔ انہوں نے یہ فہرست اپنی مثنوی کے بند نمبر ۲۴۵ میں دی ہے۔

مُلّا داؤد نے اپنی مثنوی میں مختلف شہروں اور مقاموں کا تذکرہ بھی کیا ہے مثلاً "گودر" شہر کا تذکرہ مثنوی کے ۱۸ و ۳۳۳ ویں بندوں میں، ہلدی شہر کا تذکرہ بند نمبر ۲۸۵ و ۳۴۱ میں "ہلدی پاٹن" کا ذکر بند نمبر ۳۴۱ و ۳۴۲ میں "مونگیر" شہر کا تذکرہ بند نمبر ۳۳۵ میں "ہلدی گھاٹ" کا تذکرہ بند نمبر ۲۸۵ و بند نمبر ۳۳۰ میں اور ترہت، معبر، گجرات، اَوَدھ اور بدایوں کا تذکرہ بند نمبر ۳۴ کے پہلے اور دوسرے

ابیات میں کیا ہے۔

مُلاّ داؤد کی مثنوی چنداین کا استعیابی مطالعہ کرنے والے ہر شخص پر یہ حقیقت عیاں ہے کہ انہوں نے جس موضوع کو بھی اپنی شعری بیان کے لیے منتخب کیا ہے، اس پر پوری دانائی و بینائی کے ساتھ بالتفصیل گفتگو کی ہے۔ مثال میں اس کمند کو دیکھئے جسے چندا کے بلند و بالا قصر پر جانے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اس کمند پر بھی جزئیات کی تفصیل کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔ شاعر نے بتلایا ہے کہ چندا کی بلند و بالا چھت پر چڑھنے کے لیے، جو کمند تیار کی گئی ہے اس کے لیے کچا ریشم از قبیل پٹسن خرید کر سات ڈوروں کو یکجا کیا گیا اور اس طرح ایک موٹا رسّا تیار کیا گیا، اُسے مضبوطی اور استواری دینے کے لیے موم سے مانجھ کر پختہ کیا گیا اور اس میں ایک فولادی میخ لگائی گئی۔ کمند کی لمبائی تیس ہاتھ تھی۔ لورک نے اس میں چار سو گانٹھیں لگائیں تاکہ اس پر پیر رکھ کر بآسانی چڑھا جا سکے۔ اور جب لورک کی بیوی مینا نے اس سے دریافت کیا کہ وہ کیا بنا رہا ہے تو اس نے بڑی چالاکی سے بات بناتے ہوئے کہا کہ راستے سے بھٹکی ہوئی بھینس کو باندھنا ہے۔ (یہ تفصیل بند نمبر ۱۸۶ میں دی گئی ہے۔)

اس طرح مُلاّ داؤد نے چاندا کی چھت پر جانے کے لیے بنائی کمند کا بیان کافی تفصیل کے ساتھ حوالۂ ابیات کیا ہے۔

راقم نے مرقومہ بالا سطور میں جو کچھ عرض کیا ہے، اس کی بنیاد پر بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ مُلاّ داؤد کی مثنوی چنداین شعر و شاعری کے نقطہ ہائے نظر سے ایک مکمل اور مثالی مثنوی ہے۔ فارسی و اردو کی معیاری مثنویوں کو مدِّ نظر رکھ کر یہ دعویٰ بھی کیا جا سکتا ہے کہ مثنوی چنداین ادب عالیہ کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اس مثنوی میں داستان گوئی کے سبھی عناصر پوری توانائی کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ مُلاّ داؤد کی نعت آج کی اردو میں:

پُرکھ ایک سر جس اُجیارَا
ناؤ محمد ﷺ جگت پیارا

۱۔ اُس (اللہ تعالیٰ) نے آپ کے بشری پیکر کو نورِ مجسم بنایا۔ آپ کا نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے آپ سارے عالم کے محبوب ہیں۔

جَہِ لگ سَبَے پتر تھمی سِری اُوتہِہ ناؤ مونڈی پھری

۲۔ جب سبھی زمینوں کی تخلیق ہوئی تبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی مُنادی کر دی گئی یعنی آپ کے ذکر کو بلند کر دیا گیا۔

جِہِہ جِہا بَہہُ ناؤ نہ لیجا بَر سِیر کاٹ اَگن مُکھ دیجا

۳۔جس کی زبان نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقدس نام نہیں لیا، اس کا سر کاٹ کر جہنم کے منھ کے حوالے کر دیا جائیگا۔

دوسَر ٹھاؤ دَئی یوں کینھا بَچَن سُنائی پَنتھ کے دینھا

۴۔خدا نے آپ کو دوسرے مقام پر فائز کیا۔یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بعد افضل ترین ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اللہ پاک کا) کلام سُنا کر (لوگوں کو) ہدایت کے راستے پر لگا دیتے ہیں۔

تَہِہ مارگ جو چال سِرائی وُہ مَہِہ گت پچھِہ بَڈائی

۵۔جو آپ کے راستے پر چلا، وہ دونوں عالم میں کامیاب ہوا۔اور اسے عظمت ملی۔

پاپ پُن کی تَری کال یوں بَرے تُمھار دَئی لکھا سَبھ ما گھوَں دھرہَر کے ہم بھار

٦۔ جب کل نیکی اور بدی سفینہ پر رکھی جائینگی (یعنی اچھے بُرے اعمال میزان عمل پر رکھے جائیں گے) تب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نظر آئیں گے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے بوجھ سنبھال لیں گے۔

موضوعاتِ نعت:

اس طرح مُلّا داؤد نے اس نعت میں حسب ذیل موضوعات نعت کی نشان دہی کی ہے اور انہیں شعری جامہ پہنایا ہے۔

۱۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور مجسم ہونا۔۲۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا محبوبِ عالم ہونا ۳۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا **رفعنالك** ذکرک ہونا۴۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قابلِ تعریف ہونا۵۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منبع نعت ہونا۔٦۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اللہ پاک کے بعد بزرگ ترین ہونا۔۷۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہادی ہونا۔۸۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر کا باعث رفعت و بلندی ہونا۔۹۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام نہ لینے والے کا مستوجبِ عقاب و عتاب ہونا۔۱۰۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام نہ لینا باعثِ خسران ہے۔۱۱۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی راہ کے رہ رو کا دونوں جہاں میں فائز المرام ہونا۔۱۲۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیرو کا جلیل القدر ہونا۔۱۳۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شافع روزِ جزا ہونا۔۱۴۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مخلوقاتِ خداوندی میں سب سے افضل ہونا۔

نوٹ: نعت وہ شعری کاوش ہے، جس میں محمد اُمّی و عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات وصفات اور

ان کے متعلقات ومنسلکات بیان کئے جائیں، پہلی ناعت وہ ذاتِ اقدس ہے، جولم یزل ولا یزال ہے، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، صنفِ نعت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ تر وتازہ ہے اور اس میں کبھی کہنگی نہیں آئے گی۔ نئے نئے موضوعات آتے رہیں گے۔ اوران سب کو نعت اپنے آغوش میں لیتی رہے گی۔

مُلّا داؤد کی علمی و ادبی حیثیت مسلم ہے۔ ان کا قرآن و احادیث کا مطالعہ مسلمات میں سے ہے۔ آپ کی چنداین میں مشمول نعت قرآنی واحادیثی تلیمحات سے مملو ہے۔ آپ کی اس نعت کے ہر بیت میں کوئی نہ کوئی تلمیح ضرور ہے تفصیل ملاحظہ ہو:۔

پہلا بیت۔ اس بیت کے پہلے مصرع میں قرآنی تلمیح مُلاحظہ ہو۔ **قد جائکم من اللّٰہ نور و کتاب مبین** (پارہ۶ سورۂ مائدہ آیت ۱۵) بے شک تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔ **انا ارسلنٰك شاهد اً و مبشراً و نذيراً و داعياً الیٰ اللّٰه باذنه و سراجاً منيراً** (پارہ۲۲، سورہ الاحزاب، آیت ۴۵-۴۶) ہم نے تمہارے پاس حاضر، خوشخبری دینے والا۔ ڈرانے والا، اللہ کی طرف اس کے حُکم سے بُلانے والا اور روشن آفتاب بھیجا۔ اس میں حدیثی تلمیح بھی ہے آپ نے فرمایا ہے۔ **انا نور من اللّٰه** ۔ میں اللہ کے نور سے ہوں۔ اور "**اوّل ما خلق اللّٰه نوری**" سب سے پہلے اللہ نے میرا نور بنایا۔ پہلے بیت کے دوسرے مصرع میں بھی قرآنی تلمیح ہے۔ **وما محمد الاّ رسول** ۔ پارہ۴، سورہ آلِ عمران آیت ۱۴۴۔ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ **محمد رسول اللّٰه** ۔ پارہ ۲۶، سورہ الفتح، آیت ۲۹۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

نعت کے اس پہلے بیت میں، ''پرکھ'' ''پیک'' ''سرجس'' ''اُجیار'' اور ''ناؤ'' ''محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' ''جگت پیارا'' متناسب غیر متضاد اشیأ کے مذکور ہونے سے صنعتِ مراعاۃ النظیر ہے۔

دوسرے بیت میں قرآنی تلمیح ہے۔ پارہ ۳۰، سورہ الانشراح آیت ۴۔ "**ورفعنا لك ذكرك**" اور ہم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر بلند کیا۔ فقرہ ''مونڈی پھری'' ذکر کے بلند ہونے کی جانب اشارہ ہے۔ ''منادی پھرنا'' مُلّا داؤد کے زمانے کا وہ محاورہ ہے، جو آج بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔ مُنادی پھرنے کی غایت وغرض عام کرنا، بلند کرنا اور ہر جگہ اطلاع پہچانا ہے۔ اس میں حدیثی تلمیح بھی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **اوّل ما خلق اللّٰه نوری**۔ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا اس طرح دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں تلمیح ہے۔ اس میں ''ناؤ'' ''مُنادی'' ''پھری'' غیر متضاد، متناسب اشیاء کے ایک کلام میں اجتماع کی وجہ سے صنعت مراعاۃ النظیر ہے۔

تیسرے شعر میں حدیثی تلمیح ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔وہ شخص بخیل ہے،جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔اور یہاں مُلّا داوٗد نے اس کو جہنمی بتلایا ہے،جس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام نہ لیا۔اس لئے یہ بیت بطورِ کنایہ حدیث نبوی کے عین مطابق ہے۔

چوتھے بیت میں اولیاء اللہ کے اس مقولہ کی جانب تلمیح ہے کہ ''بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' خدا کے بعد بزرگ ترین ہستی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ہے۔

چوتھے بیت کے دوسرے مصرع میں قرآنی تلمیح ہے۔قرآن پاک کے ۲۵ویں پارے کی سورہ الشوریٰ کی باونویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" **انك لتهدی الیٰ صراط مستقیم** " بے شک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ضرور سیدھی راہ کی جانب ہدایت کرتے ہیں۔پارہ ۱۳ کی سورہ ابراہیم کی کی پہلی آیت میں اللہ پاک نے فرمایا ہے۔**الرّاقف کتاب انزلناه الیك لتخرج النّاس من الظّلمٰت الیٰ النّور** ۔ایک کتاب ہے،جسے ہم نے آپ کی طرف اُتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو تاریکی سے نور(اُجالے)کی طرف لائیں۔

اس میں پارہ ۲۲ کی سورہ سبا کی آیت ۲۸ کی جانب بھی تلمیح ہے **وما ارسلنٰك الّا کافة للنّاس بشیرا و نذیرا**۔ ہم نے آپ کو تمام انسانوں کا رسول بنا کر بھیجا۔آپ خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے ہیں۔

پانچویں بیت میں قرآنی تلمیح ہے۔**اولٰك اصحاب المیمنه** ، پارہ ۳۰،سورہ بلد آیت ۱۸۔ یہی لوگ داہنی جانب والے ہیں۔یعنی کامیاب ہیں۔اسی کو مُلّا داوٗد نے اپنے لفظوں میں بڑائی لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

چھٹے بیت میں حدیثی تلمیح ہے۔انسانوں کے اعمال نیک و بد کا محاسبہ میزانِ عمل سے ہوگا،جسے شاعر نے ''تری'' بمعنی سفینہ سے تعبیر کیا ہے،میزان عمل کے پلڑوں کے لئے''تری'' کا استعمال حسین استعارہ ہے۔لوگ ان مشکل لمحات میں شفیع محشر کی تلاش میں سرگرداں ہونگے ،اس سلسلے میں وہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کے ممتاز پیغمبران سے ملیں گے۔وہ سب ہی اپنی دنیوی زندگی کے چند لمحات کو ذہن میں لاکر معذرت کرتے ہوئے ''نفسی نفسی'' کی بات کریں گے ۔بالاخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہیں رسول کے ساتھ ساتھ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا بھی افتخار حاصل ہے،انہیں شفیع محشر محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیں گے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''یارب امتی ، یارب امتی'' کہتے ہوئے بارگاہِ ربّ العزت میں تین بار حاضر ہوکر

شفاعت کریں گے اور ہر بار آپ کی شفاعت قبول ہوگی۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر اُس شخص کو جہنم سے نکال لیں گے جس کے دل میں رائی کے بیج کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ مُلّا داؤد نے اس شفاعت کا تذکرہ ''دھر ہر کے ہم بھار'' سے کیا ہے، جو کہ ایک جدید و نادر استعارہ ہے۔ یہ حدیث بروایت حضرت انس بن مالک وابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بخاری و مسلم میں مروی ہے۔ ۶۱

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی دوسری حدیث میں جو متفق علیہ ہے یہ جملے مستزاد ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں چوتھی بار بارگاہِ ربّ العزت میں پھر حاضر ہوں گا اور عرض کروں گا کہ اے رب مجھے اجازت دیجئے کہ میں جہنم سے ہر اُس شخص کو نکال لوں، جس نے ''لا الہ الاّ اللہ'' کہا ہو، تو ربّ العزت فرمائیں گے ''لیس ذالک لک'' لیکن میری عزّت، میرے جلال، میری بڑائی اور میری عظمت کی قسم، میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاطر ضرور ہر اس شخص کو جہنم سے نکال لونگا، جس نے لا الہ الاّ اللہ کہا ہوگا۔ (بخاری و مسلم بحوالہ المشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۸۹ مع حاشیہ)

جہاں تک صنائع بدائع کا سوال ہے، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ مُلّا داؤد نے اپنی نعت کے پہلے بیت میں استعارہ بالکنایہ اور استعارۂ تخیلیہ کا حسین استعمال کیا ہے۔ اس صنعت میں ایک شی کو دوسری شیٔ کے ساتھ اپنے دل میں تشبیہ دیتے ہیں اور ارکانِ تشبیہ (۱) مشبہ (۲) مشبہ بہٖ (۳) حرفِ تشبیہ، (۴) وجہ شبہ (۵) اور غرض تشبیہ میں سے سوائے مشبہ کے اور کسی رُکن کا ذکر نہیں کرتے۔ اس تشبیہ کا حال اس طرح واضح ہوتا ہے کہ کلام میں وہ شیٔ جو مشبہ بہٖ سے خصوصیت رکھتی ہے، مشبہ کے لئے ثابت کی جاتی ہے۔ اس طرح دل میں تشبیہ دینے کو استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں یعنی استعارہ ہے کنایہ کے ساتھ اس لئے کہ یہاں مشبہ بہٖ کی صراحت نہیں ہوتی اور تصریح نہ کرنا کنایہ ہے اور چونکہ اس میں مشبہ بہٖ کے خواص مشبہ کے لئے ثابت کے جاتے ہیں اس لیے یہ استعارہ تخیلیہ ہے، کیونکہ اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ مشبہ مشبہ بہٖ کے جنس سے ہے۔

مُلّا داؤد کی اس نعت کے پہلے بیت میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روشنی اور فیض پہچانے میں سورج سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ تشبیہ استعارہ بالکنایہ ہے اور یہاں ''اُجالا'' کو، جو سورج کی خصوصیت ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ثابت کرنا، استعارۂ تخیلیہ ہے۔ یہاں ''اُجالا'' اور پیارا یعنی ''محبوبیت''، میں سے ہر ایک اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے، کیونکہ دونوں لفظوں سے ان کے یہی معنی متعارف مراد ہیں۔ اور استعارہ بالکنایہ اور تخیلیہ متکلم کے دو فعل ہیں جو باہم متلازم ہیں۔ اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ تخیلیہ استعارہ بالکنایہ کا قرینہ ہو اور استعارہ بالکنایہ تخیلیہ کا قرینہ ہو۔

اس طرح یہ واضح ہوگیا کہ مُلّا داؤد نے اپنے اس بیت میں تشبیہ کے ارکان خمسہ میں سے مشبہ ''پرکھ پیک''، یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دیگر رُکن کا تذکرہ نہیں کیا اور اپنے دل میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سورج سے ''اُجیارا'' اور ''پیارا'' ہونے میں تشبیہ دی ہے اور مشبہ بہ کے ان دونوں خواص کو آپ کے لئے ثابت کرتے ہوئے آپ کو ''اُجیارا اور پیارا'' کہا گیا ہے۔ اس طرح یہ استعارہ بالکنایہ ہے کیونکہ اس میں مشبہ بہ کی تصریح نہیں ہے اور استعارۂ تخیلیہ ہے، کیونکہ اس میں ''اُجیارا اور پیارا'' جو سورج کے خواص ہیں آپ کے لئے ثابت کئے گئے ہیں۔

نعت میں محاسن شعری کی بابت اس بنیادی بات کی وضاحت لازمی ہے کہ عالم میں کوئی شئ ایسی نہیں ہے، جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے مشبہ بہ یا مستعار منہٗ بن سکے، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والا صفات، وہ ذات اقدس ہے، جو اللہ تعالیٰ کے بعد افضل ترین ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کسی شئ کو مشبہ بہ یا مستعار منہٗ بنانا نادرست فعل ہے لیکن صرف اظہار ما فی الضمیر کی خاطر، اس عقیدت کے ساتھ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افضل الخلائق ہیں، اس قبیل کی تشبیہات و استعارات کے استعمال کا جواز ہوسکتا ہے۔ یعنی عقیدہ کی پختگی کے ساتھ صرف اظہار ما فی الضمیر کی خاطر بحدِّ مجبوری۔

اس سلسلے میں حضرت کعب بن زہیر کا قصیدہ مع اپنی شان ورود مشعلِ راہ ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اوّلاً جناب کعب کا مختصر سا تعارف حاصل کرلیا جائے، اس کے بعد قصیدۂ محوّلہ بالا کے اُن عناصر کی جانب رجوع کیا جائے جو منشائے راقم ہیں۔ آپ سبعہ معلّقہ کے مشہور شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ کے پسر ارجمند ہیں۔ آپ کے بھائی جناب بجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایک ممتاز شاعر تھے۔ آپ مخضرمی شاعر ہیں، جن کا وصال ۲۹ھ میں ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعب کے والد زہیر کو اشعر النّاس یعنی سب سے بڑا شاعر سمجھتے تھے، لیکن محققین و ناقدین نے سبعہ معلّقہ کے شعرا میں زہیر کا تیسرا درجہ متعین کیا ہے۔ حضرت کعب کے خانوادہ کی گھٹی میں شاعری پڑی تھی۔ آپ کے والد سبعہ معلّقہ کے شاعر تھے، آپ کے نانا اوس بن ہجر، آپ کی دو پھوپھیاں سلمیٰ اور خنساؔ مشہور و ممتاز شاعرہ تھیں۔ اتنی ما بہ الامتیاز خصوصیات والے شاعر کے شعر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لاجواب اصلاح فرمائی ہے۔

آپ (کعب بن زہیر) کی شہرتِ دوام کا ضامن آپ کا وہ قصیدہ نعت ہے جو قصیدۂ بردہ کے نام سے مشہور ہے، جس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس قصیدہ کے اکیاونویں شعر پر، اسکی اصلاح فرماتے ہوئے شاعر موصوف کو انعاماً ایک چادر مرحمت فرمائی تھی۔ موصوف کے اس

قصیدہ کی تشبیب عشقیہ وعاشقانہ ہے، جس میں شاعر نے اپنی معشوقہ سُعاد کا نقشہ اتنے حسین وجمیل اور دیدہ زیب طرز پر اُتارا ہے کہ وہ حسیناؤں کے جھرمٹ میں صاف طور پر بآسانی پہچان لی جائے اور کسی بھی حسین عورت پر سُعاد کا دھوکا نہ ہو۔ اس قصیدۂ نعت کی گریز برجستہ اور لائق مدح ہے۔ موصوف نے اس میں کئی آفاقی اہمیت کے اشعار کہے ہیں، جن میں سے صرف ایک شعر بطور مثال درج ہے۔

کل ابن انثیٰ و ان طالت سلامته یوماً علیٰ آلة حد بأ محمول

ہر فرزند زن، خواہ اس کی سلامتی کی مدّت کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو، ایک نہ ایک دن آلۂ مرتفعہ پر اُٹھایا جائیگا۔ یعنی اس کا سابقہ ھادم اللذّت سے پڑے گا۔

اب شاعر کا وہ مندرجہ ذیل شعر ملاحظہ ہو، جس پر نبیِ امّی وعربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اصلاح فرماتے ہوئے اسے ایک بردہ شریفہ مرحمت فرمائی تھی۔

انّ الرّسول لسیف یستضأ به مهند من سیوف الهند مسلول

ترجمہ: بے شک رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ تلوار ہیں، جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ ہندوستانی تلوار ہیں جو ھندوستان میں بنائی گئی ہے اور وہ کھینچی ہوئی ہے۔ اس شعر میں وہی سقم ہے، جس کی طرف راقم نے، شعرائے نعت کی توجہ مبذول کی ہے۔ اس شعر میں پہلا نقص یہ ہے کہ اس میں مستعار منہٗ ''ہندی تلوار'' ہے جو شانِ رسالت کے لئے ناموزوں ہے۔ دوسری خامی یہ ہے کہ اس کو کسبِ ضیاء کا منبع بتلایا گیا ہے، جو کہ اس لئے نامناسب ہے، کہ اس میں وجہ جامع ضوء ہے جبکہ تلوار کی خوبی اس کی کاٹ ہے، نہ کہ روشنی۔ نیز یہ کہ ضوٗ کا تلازمہ نور ہے نہ کہ سیف یعنی تلوار۔ تیسرا نقص یہ ہے کہ مہند کے بعد من سیوف الہند حشو غیر مفسد ہے لیکن نبی اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں صرف دو اصلاحات فرما کر شعر معرضِ بحث کو فرش سے عرش پر پہنچا دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''سیف'' کو ''نور'' سے اور ''سیوف الھند'' میں ''الھند'' کو ''اللہ'' سے متبدّل فرمادیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان اصلاحات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ مستعار منہٗ کو مستعار لہٗ کے شایانِ شان ہونا چاہئے۔ ''سیف'' کی جگہ ''نور'' اور ''ھند'' کی جگہ ''اللہ'' کے استعمال کی وجہ سے مستعار لہٗ یعنی ''بعد از خدا بزرگ توئی'' کی مبارک ذات میں مستعار منہ سے نسبت کی وجہ سے ایک خاص قسم کی مناسبت ورفعت آ گئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اصلاح کے بعد شعر محوّلہ بالا کی ہیئت یوں ہوگئی۔

انّ الرسول لنور یستضأ به مهند من سیوف الله مسلول

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس چادر کو گراں قدر قیمت دے کر حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاصل کرنا چاہا لیکن انہوں (حضرت کعب) نے ان کی اس پیش کش کو یہ فرماتے ہوئے مسترد کر دیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عطا کردہ بردہ شریفہ پر اپنے علاوہ کسی دیگر کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

راقم کا خیال ہے کہ اس نے جو بات مجملاً مندرجہ بالا سطور میں عرض کر دی ہے وہ مافی البحث کی وضاحت کے لئے کافی وشافی ہے۔

قصیدہ مذکورہ کی زمین اور اس کے قوافی پر جتنے نعتیہ قصائد کہے گئے ہیں، اتنے قصیدے بمشکل کسی دیگر زمین وقوافی میں کہے گئے ہوں گے۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے ایسے ۲۲ رقصیدوں کو مع ان کے شعراء کے اسمائے گرامی یکجا کیا ہے، جو قصیدہ مذکورہ بالا پر بطور معارضہ کہے گئے ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ اس قصیدے کی جتنی شرحیں کی گئی ہیں اتنی کسی دوسرے قصیدہ کی نہیں کی گئیں۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس مبارک چادر کو جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ورثائے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی وفات کے بعد، بیس ہزار درہم میں اور بروایت دیگر چالیس ہزار درہم میں خریدا تھا۔ بقول ابن مسیّب اس چادر کو خلفاء عیدین میں زیب تن کیا کرتے تھے۔ یہ بردہ شریف فتنۂ تاتار میں گُم ہوگئی۔ اب اس کا وجود نہیں ہے۔ اس چادر کی قیمتِ خرید کی بابت بیس ہزار درہم کی روایت عتبی کی، تیس ہزار درہم کی روایت علامہ ابوعلی الحسن ابن رشیق قیرانی التوفی ۴۶۳ھ کی اور چالیس ہزار درہم والی روایت احمد حسن زیات کی ہے، جو ان کی کتاب تاریخ الادب العربی میں صفحہ ۱۴۵ میں مرقوم ہے۔

اس قصیدہ میں اولاً ۵۸ راشعار تھے بعد میں حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک پر کہ کاش تم اس میں انصار کا ذکر خیر کرتے! کیونکہ وہ اس کے مستحق ہیں ۶۲

مزید گیارہ اشعار کہہ کر اس قصیدہ کے اشعار کی تعداد ۶۹ کر دی۔ ۶۳

اس طرح یہ قصیدۂ بردہ ان نعتوں کا سرخیل ہے، جن میں نعت ومنقبت کا ادغام ہو۔

راقم نے نعت کے سلسلے میں ماقبل میں جو کچھ بھی عرض کیا ہے، اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ نعت کہنا واقعتہً ایک دشوار امر ہے۔ دنیائے ادب کے باہوش شاعر عرفی نے بالکل درست کہا ہے کہ:

نعتِ شہِ کونین و مدیح کے و جم را ہوشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن

عرؔفی مشتاب، ایں رہِ نعت است نہ صحراست — آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

بابِ بیت العلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پتھر کی گراں باری اور اپنے عجز کا اعتراف بایں طور کیا ہے کہ:

یـــا رب صـــحّ ســقـــمـــه — بـــالــفــضــل دمّــرجــرمـــه

خدیا اس کے نقائص درست فرمائیے اور اپنے فضل وانعامات سے کوتاہیوں کی بیخ کنی کیجئے۔

عراؔقی نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں توانا اور وقیع نعت لکھ کر اعترافِ عجز بایں طور کیا ہے:

چوں شدم عاجز زمدحِ احمد محمودِ خلق — باز گردم بر در قدّوس اکبر مستجیر

اے مقدّس ذاتِ تو از وصف ہر ناپاک وپاک — وی منزّہ ذات تو از نعت ناداں وخبیر

غالبؔ کے ایسے خود پسند شاعر نے جس نے اپنی ریختہ گوئی کی بابت صاف صاف لفظوں میں فرمایا ہے کہ:

جو یہ کہے کہ، ریختہ کیوں کہ ہو رشک فارسی — گفتۂ غالبؔ ایک بار پڑھ کے اُسے سُنا کہ یوں

نعت کی بابت صاف صاف کہا ہے کہ:

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم — کہ آں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

حالانکہ انہوں نے بالخصوص فارسی میں قابلِ تحسین نعتیں کہی ہیں اور اردو میں بھی معراج کی بابت بہت اچھی بات کہی ہے کہ:

اس کی امّت میں ہوں میں، میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے، غالبؔ گنبدِ بے در کھلا

راقم کے نزدیک معراج کی بابت کبھی بھی کہے گئے ابیات واشعار کے مابین عبدالکبیر کبیؔر کا مندرجہ ذیل شعر گل سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے:

نب کا در کھلا نہیں، نبی ﷺ گئے اوہ پار — جیسے چکھ اچکھ ماں چلی جات اوہ پار

آسمان کا دروازہ کھلا نہیں (تو بھی) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آسمان کے اس پار تشریف لئے گئے (بالکل اسی طرح) جیسے نگاہ چشمے کے شیشہ کے اس پار (شیشہ کو توڑے یا اسے ہٹائے بغیر) چلی جاتی ہے۔ کبیؔر نے اپنے محوّلہ بالا شعر کے ذریعہ بطلیموس کے آسمان کی بابت امتناعِ خرق والتیام کے نظریہ وفلسفہ کو حل کر دیا ہے۔ خرق والتیام کے بغیر آسمان کے اس پار جانا اجسام خاکی وناری کے

لئے ممتنع ہے نہ کہ اجسام نوری کے لئے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اصلاً نور ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اوّلین تخلیق بموجب حدیث مقدسہ بہ مادّہ نور ہوئی ہے۔ فرشتے، جو مکمل انسان سے فروتر ہیں، بغیر خرق والتیام آسمان سے زمینوں تک آتے جاتے رہتے ہیں۔ واضح ہو کہ ناری وجنّی اجسام کو روکنے کے لئے فضائے بسیط میں شہاب ثاقب موجود ہیں۔

لیکن یہ امر حقیقت ہے کہ اگر ذہن ہوشمند ہو اور ذاتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفعت کا صحیح احساس ہو، تو بآسانی اچھی نعتیں کہی جاسکتی ہیں۔ کیونکہ اللہ پاک کے ۹۹ صفاتی اسمائے گرامی ہیں جن کو مدِّنظر رکھنے پر مشبہ بہ اور مستعار منہٗ کے باب میں بے کراں وسعت نظر آئے گی صرف اتنے احساس کی ضرورت ہے کہ شاعرِ نعت اس ذات گرامی کے لئے اپنے ذہن کو وا کررہا ہے جو بعد از خدا بزرگ تر ہے۔

مثنوی چنداین کے مقامات اوران کی روشنی میں مثنوی کی تلخیص:

ہر مثنوی ایک داستان ہوتی ہے، جو زبان و بیان و مکان کی محتاج ہوتی ہے۔ اس کے اجزائے ترکیبی میں سے چار یعنی (۱) حمد (۲) نعت (۳) منقبت (۴) اور تعریف سخن وسخنوران کا شمار رسمی عناصر میں ہوتا ہے۔ جبکہ (۵) قصہ (۶) دعا (۷) اور خاتمہ میں سے قصہ یا واقعہ کو مثنوی میں مرکزیت ومقصدیت حاصل ہے۔

اس مثنوی کا کوئی مکمل نسخہ راقم کو ابھی تک دستیاب نہیں ہوسکا لہٰذا وہ ان رسمی اجزا میں سے دعا اور خاتمہ کی بابت کچھ بھی عرض کرنے سے قاصر ہے۔

مصنف مثنوی، مثنوی کے واقعہ یا قصہ بیانی میں بزعمِ خود خواہ کتنی ہی جدّت طرازی کرلے یا واقعہ بیانی میں خواہ کتنے ہی خیالی طوطا مینا اُڑا لے لیکن بہر حال وہ ایک انسان ہے، اس لئے تکلّفات و تصنعات کے دبیز پردوں کے باوجود اُن سے اصلیت ضرور جھلکتی رہتی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ امتدادِ زمانہ کے بعد یہ پردے اس قدر دبیز ہوجاتے ہیں کہ بسا اوقات ان سے اصلیت تک پہنچنا کافی متعذّر اور دشوار ہوجاتا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جو بھی قاری حال سے ماضی تک پہنچنے کی سکت اور حوصلہ رکھتا ہے، وہ بہر حال بہت حد تک ماضی تک پہنچنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ تخلیق کار کی زبان قلم سے اکثر وبیشتر ان جانے میں اور کبھی کبھی عمداً حقیقی اور واقعی باتیں سامنے آجاتی ہیں۔

جہاں تک مثنوی چنداین کا تعلق ہے، اس میں مذکور واقعات وقصص اور راقم کے مابین ۶۵۹ سالوں کا طویل عرصہ حائل ہے جو واقعہ کی اصل تصویر کو خاصا مدّھم بنا رہا ہے، پھر بھی راقم تحقیق وتنقید، تجسس وجستجو اور ظنّ غالب وقیاسات کے سہارے واقعہ کی اصل صورت تک پہنچنے کی کوشش کررہا ہے۔

مثنوی کا قصہ بہت مشہور ہے جسے بہت سے تخلیق کاروں نے نظم کیا ہے۔ اس قصے کو غوّاصی نے مینا ستونتی نام سے، مقیمی نے ''چندر بدن مہیار'' نام سے، دولت قاضی نے بزبانِ بنگالی سترہویں صدی عیسوی کے اوئل میں ''ستی مینا اور لور چندائی'' نام سے اور میاں سادھن نے ''مینا ست'' کے نام سے نظم کیا ہے۔ فارسی زبان وادب کے معروف ومستند شاعر حمیدی نے بھی اس قصہ کو ۱۰۱۶ھ مطابق ۱۶۱۷ء میں عصمت نام سے نظم کیا ہے۔ لورک اور چاندا یا مینا ستونتی کے اس مشہور قصے کو نظم کرنے والوں میں اوّلیت کا شرف مُلّا داؤد کو حاصل ہے، جو راقم کے نزدیک اغلباً ۶۸۵ھ میں متولد ہوئے تھے اور آٹھویں صدی کے آخری عشرے میں واصل الی الحق ہو گے۔

موصوف ملّا داؤد نے یہ مثنوی ۷۸۱ھ ۸۰=۱۳۷۹ء میں تخلیق کی تھی۔ جس کا اعلان موصوف نے مثنوی کے سترہویں بند میں ''۷۸۱ برس سات سوا کیاسی'' کے ذریعہ کیا ہے۔ یہی سنِ تخلیق جے پور کے بیکانیر والے نسخے اور انگلینڈ کے مانچسٹر والے نسخے میں مندرج ہے اور یہی سنِ تخلیق پرشورام چترویدی نے راجستھان کے ایک ناقص نسخہ میں ملاحظہ کیا تھا، جسے انہوں نے اپنی تحقیقی کتاب ''بھارتیہ پریم رچنا کی پرمپرا'' مطبوعہ ۱۹۵۶ء میں لکھا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں ۷۸۱ھ کا سمبت سن مطابقت ۱۴۳۶ رقم کیا ہے۔ جس کا عیسوی سن مطابقت ۸۰۔۱۳۷۹ء ہے۔ صرف منیر شریف والے نسخے میں چنداین کا سنِ تخلیق ۷۷۹ھ لکھا ہوا ہے، جو راقم کے نزدیک غلط ہے۔ مثنوی کے اصل واقعہ اور اس میں رواں دواں امکنہ ومقامات تک پہنچنا کافی متعذّ را ور دشوار ہے، لیکن راقم مثنوی ہی میں موجود کڑیوں کے سہارے اس کی عمارت ازسرِ نو کھڑی کرنے کی حتی الامکان کوشش کر رہا ہے۔

اس مثنوی کی کہانی رائے بریلی (یو۔ پی) شہر اُس زمانہ کے مشہور علاقہ ڈلموٗ میں واقع کسی شہر ''گودر'' کی ہے۔ اس شہر کا بہت شاندار، جان دار اور دیدہ زیب نقشہ کھینچا گیا ہے، جو کسی بھی صورت میں واجد علی شاہ کے لکھنؤ سے فروتر نہیں ہے۔ اس قصہ میں مصنف نے کافی رنگ وروغن لگایا ہے۔ یہ کہانی گودر شہر اور پورب میں واقع شہر ''ہردی پائن'' موجودہ نام ہردی گوٗ گھاٹ کے مابین گردش کرتی ہے۔ کہانی کی ہیروئن چاندا جسے کہانی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے، راجا سہدیو، رائے مہر کی دختر ارجمند ہے۔ چاندا کی ماں پھولا رانی ہے، جو راجا سہدیو کی چوراسی رانیوں میں سب سے زیادہ ذہین اور سوجھ بوجھ والی خاتون ہیں۔ (بند نمبر ۳۱) چاندا کی شادی بعمر ۴/سال راجہ جیت کے لڑکے باون سے ہوئی تھی، جو قصیر القامت تھا اور اس کی ایک آنکھ کانی بھی تھی۔ (چنداین بند نمبر ۴۳ بیت نمبر ۲) یہ شادی باون کے عدمِ التفات کے باعث ناکام ہوگئی تھی اور چاندا اُٹھتی ہوئی جوانی میں بعمر ۱۶/سال

اپنے مائکہ واپس آ گئی تھی (بند نمبر ۴۹) و (بند نمبر ۲۹۶ بیت نمبر ایک)

چاندا بلا کی حسین وشکیل تھی۔ ایک دن ایک بودھ بھکشو باجر بھیک مانگتے مانگتے چندا کے بلند و بالا محل میں آ جاتا ہے۔ اس کی عادت تھی کہ وہ فراق کے گیت گا گا کر سُناتا تھا۔ اتفاقاً اسی وقت اپنے محل کے جھروکے پر چاندا آ گئی (بند نمبر ۵۴، بیت نمبر ۴) اور باجر کی نگاہ چاندا کے بے عدیل اور بے مثال حسن سے دو چار ہو گئی اور وہ تابِ دید نہ لا کر اپنا ہوش کھو بیٹھا۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ کچھ دنوں بعد وہ بھیک مانگتے مانگتے ایک دوسرے رجواڑے راج پور پہنچا، جسے راج نگر بھی کہا جاتا تھا، اس کا موجودہ نام راج محل ہے، جو بہار میں ہے۔ یہاں راج پور کے عالی شان کھنڈرات باقیات کی شکل میں آج بھی موجود ہیں، جو اس کے عالی شان ماضی پر شاہد ہیں۔ باجر راج نگر کے راجہ روپ چند کے سامنے چاندا کے بے نظیر حسن و جمال کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچتا ہے کہ راجہ روپ چند چاندا پر نادیدہ عاشق ہو جاتا ہے۔ اس کا جوبن گدّر تھا۔ مُلّا داؤد نے باجر کی زبانی چاندا کا جو سراپا بیان کیا ہے، وہ اردو شاعری کا بہترین سراپا ہے، جس میں چاندا کا حُسن حسّیاتی، حواسّی، حسّی اور شہوانی ہے۔ اس میں چاندا کے اُن جسمانی اعضاء، کا جیتا جاگتا نقشہ پیش کیا گیا ہے، جو شہوانی، جذباتی اور وجدانی ہیں۔ یہ نقشہ ہر مرد کو مدہوش و مبہوت کرنے والا ہے۔ یہ سراپا مثنوی کے بند ۶۴ سے لے کر ۸۵ تک یعنی ۲۲ بندوں ۱۳۲ راشعار پر مشتمل ہے۔ نسخۂ بیکانیر میں مشمول ایک مستزاد بند ۸۴ کے چھٹے بند میں چاندا کی جوتی کا ذکر ہے، جو چاندا کی حلیہ میں مذکور ہونے سے رہ گیا تھا۔ یہ مکمل سراپا حسّیاتی نقطۂ نظر سے بھی اہم ہے۔ اس سراپا کے ذریعہ چاندا کے بے مثال حُسن سے متعارف ہو کر اور پوری طرح گھائل ہو کر راج نگر کا راجہ روپ چند چاندا سے اپنی شادی کا پیغام راجہ سہدیو کے پاس بھیجتا ہے۔ جسے راجہ سہدیو ٹھکرا دیتا ہے، جس سے تلملا کر راجہ روپ چند، راجہ سہدیو کے دار السلطنت گودر پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ راجہ سہدیو اپنے رجواڑے کے نامی گرامی سورما لورک کی مدد حاصل کرتا ہے۔ دونوں راجاؤں میں جنگ ہوتی ہے، جس میں راجہ روپ چند کا بہت نقصان ہوتا ہے اور اس کا وزیر بانٹھا مارا جاتا ہے۔ اسے بُری طرح شکست ہوتی ہے اور لورک جنگ جیت لیتا ہے۔ راج کماری چاندا، لورک کی مثالی بہادری سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوتی ہے اور اس کا یہ غالی تاثر و التفات جلد ہی عشق میں متبدّل ہو جاتا ہے۔ چاندا کے بے مثال حُسن کو دیکھ کر لورک بھی، حسین مینا کے شوہر ہونے کے باوجود، اس (چاندا) کے بے عدیل حُسن و جمال کے عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہیں چاندا کے اصل نام پر بحث کر لی جائے۔ چاندا کا اصل نام

چنداین ہے، جیسا کہ بند نمبر ۱۸۴ کے بیت نمبر ۴ میں مندرج ہے یا چاندین ہے، جیسا کہ مثنوی کے بند نمبر ۲۹۱ کے بیت نمبر ۱ میں مرقوم ہے اور بقیہ نام چاندا اور چاندا عرفی یا دلار اور پیار کے نام ہیں، جو بطور عزت لئے جاتے ہیں۔ ان دونوں ناموں میں سے ایک کے تعین کی کوشش مندرجہ ذیل سطور کے ذریعہ کی جارہی ہے۔

مثنوی کے بند نمبر ۱۸۴ کے بیت نمبر ۴ میں مُلّا داؤد فرماتے ہیں:-

چَنداین تو بیری اُ ٹھوئی پارَس سَرَگ پَنتھ جو چڑھت سَنبھارَس

اے بہادر! چنداین تیری ہے، جو پارس اٹھوائیگی (یعنی اگر تو ہمتی ہے، تو چنداین تیری ہے، جو پارس اٹھوائیگی) سورگ (بہشت) کا راستہ (اسی کو ملتا ہے) جو سنبھل کر چڑھتا ہے، یعنی جو حکمتِ عملی کو اپناتا ہے، کیونکہ ہمت اور سوجھ بوجھ سے بڑے سے بڑے دریا پار ہو جاتے ہیں۔ مصنف نے یہ نام چاندا کی انّا کی زبانی کہلوایا ہے۔

اس مثنوی کے بند نمبر ۲۹۱ کے بیت نمبر ۱ میں مصنف، بغیر کسی وساطت کے چندا کا نام چاندین بتلاتے ہوئے کہتے ہیں:۔

چاندَئن دیکھا باوَن آوا بَچَن نہ آوَئی دانت کَپاوا

چاندین نے دیکھا کہ باون آ گیا ہے، بات نہیں نکل سکی، دانت کٹکٹانے اور کپکپانے لگے۔

راقم اپنے اسی مقالے میں کہیں پر عرض کر چکا ہے کہ مصنف نے اپنی مثنوی کا نام فارسی رسم الخط میں بزبانِ فارسی بایں طور رقم کیا ہے:۔

''گفتہ چنداین، گفتار مولانا داؤد ڈلمئی''

یعنی کہی گئی (تخلیق) چنداین ہے، بات مولانا داؤد ڈلمئی کی ہے۔ ملّا داؤد کے عہد میں تخلیق اور تخلیق کار سے متعارف کرانے کا یہی طرز تھا۔

راقم نے جب اس مثنوی کے متعدد نسخوں کا استعابی مطالعہ بنظرِ غائر کیا، تو وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ان منقولہ بالا دونوں ناموں میں ''چنداین'' مرجح ہے، کیونکہ اس نام کی راویہ، چاندا کی ''دھائی'' (بند نمبر ۱۳۸ بیت نمبر ۴) اور ''گوہن'' (بند نمبر ۱۳۵ بیت نمبر ۱) ہونے کے باعث زیادہ معتمد علیہا اور ثقہ ہے۔ اسی بند کے بیت نمبر ۶ میں چاندا، لورک کی بابت یہ پوچھتے ہوئے کہ کیسی صورت ہے، مکان کہاں ہے، برسپت کو سادھ (بہن) کہکر مخاطب کرتی ہے۔ برسپت چاندا کی دیکھ بھال اس کے عالم شیر خوارگی سے کرتی چلی آرہی ہے۔ وہ اس سے سبھی راز کی باتیں کرتی ہے۔ بند نمبر ۱۳۸ میں وہ چاندا سے کہتی ہے اے

شہزادی تو شرم نہ کر میں تیری دائی ہوں۔ مجھ سے حیا نہ کر۔ جو کچھ دل میں ہے اگر تو وہ سب مجھ سے کہہ دیگی، تو جب رات گذر جائیگی، دن نکل آئیگا، تو میں تجھے جواب دونگی۔ برسپت کے اس انداز تخاطب سے پتہ چلتا ہے کہ چاندا (چنداین) کی بابت برسپت کی باتیں سب سے زیادہ معتبر ہیں۔

باز آمدم بہ سخن سابق چاندا اور لورک چند دنوں تک چوری چھپے ملتے رہتے ہیں، لیکن بالاخر ایک منصوبہ کے تحت ایک تاریک رات میں موسلا دھار بارش کے بیچ (بند نمبر ۲۸۰) کالے لباس میں ملبوس (بند نمبر ۲۸۱) دونوں بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ بھاگنے کے دوران لورک اپنی اور چاندا کی شخصیتوں کو مخفی رکھنے کی غرض سے چاندا کے سر پر بانس کی ٹوکری رکھ دیتا ہے۔ (بند نمبر ۲۸۱ بیت نمبر ۱) اور بعد میں چاندا مردانہ لباس میں آجاتی ہے اور اس طرح وہ اپنے کو مخفی رکھنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ (بند نمبر ۲۸۳) گودر شہر سے گنگا کی دوری اچھی خاصی ہے، کیونکہ دس کوس چلنے کے بعد بھی گنگا کے درشن نہیں ہوتے۔ یہ لوگ اپنی حکمتِ عملی کے مطابق عام راستہ چھوڑ کر پگ ڈنڈی پر چلتے ہیں۔ (بند نمبر ۲۸۱ بیت نمبر ۴) دس کوس چلنے کے بعد ان کی ملاقات لورک کے بھائی (کُنورو) سے ہوتی ہے، جو وہاں تلوار خریدنے آیا تھا۔ (بند نمبر ۲۸۱ بیت نمبر ۵)

کھڑَگ بِساہت کنورو بھائی چاہَہ چاند سو بھینٹی جائی ۶۴؎

ملاقات ہونے پر کنورو کو چاندا کو لے بھاگنے کا واقعہ اچھا نہیں لگا، چنانچہ اس نے لورک سے کہا کہ مہر کی بیٹی کو لے کر تم کہاں چل دیئے، تم نے یہ اچھا نہیں کیا۔ (بند نمبر ۲۸۲ بیت نمبر ۳) وہ اپنے بھائی لورک کو سمجھاتے ہوئے ایک آفاقی بات کہتا ہے:۔

تریہہِ جَرَم ٹانک بُدھِ ہوئی تِنہہ کے سَنگ نہ لاگئی کوئی ۶۵؎

عورت کے پاس زندگی میں تھوڑی عقل ہوتی ہے۔ ان کے ساتھ کوئی لگا نہیں کرتا۔

وہ یہ بھی کہتا ہے کہ تمہاری ماں کھولن بوڑھی ہے اور تمہاری بیوی مینا بچپن کی بیاہی ہے۔ ۶۶؎

لیکن لورک پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا اور اس نے کنورو سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ چاندا کے ساتھ ہردی پاٹن موجودہ ہردی گوَ گھاٹ جا رہا ہے۔ یہ مقام یو۔پی میں بلیا کے قریب واقع ہے (بلیا یو۔پی کا آخری ضلع ہے) (بند نمبر ۲۸۵ بیت نمبر ۵) گودر اور ہردی پاٹن دونوں اہروں کی بستیاں تھیں اور ان دونوں مقامات کے اہروں کے مابین کے تعلقات تب تک زندہ تھے۔ یہ دونوں عاشق و معشوق جب حسب ہدایت ستارہ بیں و ماہر علم بروج۔

آدھی رات جو جائیہہ تب اُٹھ چالیہہ بیر سپور اُدت تُمسِہ اُترہ، بوڑھ گانگ کے تیر ۶۷؎

گنگا کے کنارے پہنچتے ہیں، تو اپنے اصل بھیس میں آجاتے ہیں اور چاندالبِ گنگا پر ایک جمیل و شکیل صحت مند جسم، توانا خون اور گدّر جوبن کی زنِ نوخاستہ، پدمنی گات اور نرم اندام، جنسی کشش والی حورنما کے دل کش پیکر میں ٹہلتی ہوئی دکھائی پڑتی ہے۔ وہ اپنی دل کش و دل ربا اداؤں ''پھر پھر آپ دکھاوا'' اور ''کرکنگن چاندئین جھنکارا'' (بند نمبر ۲۸۷ بیت نمبر ۲، ۳) ڈاکٹر انصار اللہ کے مرتبہ نسخہ میں ''جھنکارا'' کی جگہ ''چمکارا'' ہے۔

پرمیشوری لال گپتا کے مدوّنہ نسخہ میں ''جھنکارا'' ہے، جو موقع و محل کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہے۔ بند نمبر ۳۰۴ بیت نمبر ۳ (مرتبہ پرمیشوری لال گپتا) اور اس طرح چاندا ''آپ دکھاوا'' اور کرکنگن جھنکارا کی حکمت عملی سے ملاح کو گنگا پار کروانے پر رام کر لیتی ہے اور اس طرح دونوں گنگا پار کر لیتے ہیں (بند نمبر ۲۸۸) یہ دونوں گنگا پار کر کے بتقاضائے مصلحت فتح پور کا رخ کرتے ہیں۔ ڈلموٗ کی جنوبی سرحد گنگا ہے اور گنگا کے جنوب میں اس سے ملا ہوا شہر فتح پور ہے، جسے قطب الدین ایبک نے ہنسوہ کے راجہ ہنس راج کو شکست دے کر حاصل کیا تھا۔ اس نے یہ فتح سلطان شہاب الدین غوری عہد سلطنت ۵۹۸ھ ۱۲۰۲ء ۶۰۲ھ = ۱۲۰۶ء کے صوبہ دار کی حیثیت سے حاصل کی تھی۔ ۱۱۹۴ء میں جب اس نے لکھنؤ اور بنارس فتح کیا تھا تبھی اس علاقہ کو بھی اپنے زیر نگیں کر کے اس کا نام فتح پور رکھا تھا۔ ۶۸ اس زمانہ میں آج کے فتح پور کے اسنی کو، جو اس زمانہ میں قنوج کے زیر نگیں تھا، قطب الدین ایبک نے ۱۱۹۳ء میں فتح کر لیا تھا۔ ۶۹

لورک اور چاندا کو پورب کی جانب جانا تھا اور ان کا مطمحِ نظر پورب میں ہردی پاٹن تھا (چندا ین بند نمبر ۲۷۹، ۲۸۵، ۳۰۶، ۳۰۸، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴) آج سے چھ سو سال پیشتر کے احوال و کوائف کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے فتح پور اور فتح پور سے الہ آباد کے راستے کو اختیار کرنا ہی قرین مصلحت تھا۔ یہ دونوں حفاظت کی مدِّ نظر الہ آباد سے بنارس جا کر وہاں سے گنگا کے ذریعہ بہار جاتے ہیں اور بہار میں کرنکا، مونگیر ہوتے ہوئے گنگا پار کر کے ہردی پاٹن پہنچتے ہیں اور وہاں ایک سال چند ماہ قیام کر کے ڈلموٗ واپس آجاتے ہیں۔

بازآمدم بہ گنگا:۔ لورک اور چاندا گنگا پار کر کے فتح پور شہر کی جانب بہ مشکل چھ کوس آئے ہونگے کہ چاندا کا پرانا شوہر باون ان دونوں کا پیچھا کرتا ہوا گنگا کے کنارے پہنچا اور جب اُسے ملّاح بتلاتا ہے کہ وہ دونوں گنگا پار کر کے جا چکے ہیں (چنداین بند نمبر ۲۸۹) تو وہ تیر کمان سر پر رکھ کر بڑھی ہوئی گنگا میں کود پڑتا ہے اور گنگا پار کر کے (چنداین بند نمبر ۲۹۰) چاندا اور لورک کے قدموں کے نشانات کے

سہارے (بند نمبر ۲۹۰ بیت نمبر ۵) فتح پور کی جانب تیز قدموں سے چلنے لگتا ہے۔ ڈلمؤ نگر سے فتح پور کو آنے والا یہی اکیلا راستہ ہے، جو آج بھی ڈلموٗ روڈ سے جانا جاتا ہے اور سرکاری کاغذات نیز دوکانات ومکانات کی چوحدیوں میں یہ روڈ اسی نام سے درج ہے۔ یہ روڈ فتح پور کے وسط سے مشرق سے مغرب کو جانے والی جی۔ٹی روڈ میں باقر گنج چوکی کے پاس آکر مل جاتی ہے۔ باون بہت تیز چل کر ڈلموٗ سے دس کوس کے فاصلے پر شہر فتح پور میں ان دونوں کو پالیتا ہے اور یہیں لورک اور باون کے مابین زبردست جنگ ہوتی ہے، جس میں باون حالات کا شکار ہوکر شکست سے دوچار ہوتا ہے۔ باون فی الواقع بہت جری، باہمت اور نڈر گبرو جوان تھا، جس کی شجاعت کا قائل لورک بھی تھا، چنانچہ وہ ایک موقع پر کہتا ہے۔

''کئی توں باوَن بیر پٹھاوا'' (بند نمبر ۳۱۸ بیت نمبر ۵) اسی طرح وہ بند نمبر ۱۰۳ بیت نمبر ۶ میں بھی ویر کہا گیا ہے، بند نمبر ۳۹۶ میں اس کی دبنگی دکھائی گئی ہے۔ صرف مینا از راہِ عداوت اسے شکھنڈی یعنی ہجڑا اور زنخا کہتی ہے۔ (بند نمبر ۱۰۷ بیت نمبر ۵) باون دونوں کو گودر چلنے کی دعوت دیتا ہے، لیکن چاندا لورک سے بڑی معقول بات کہتی ہے۔

چاند کہئ سو مورَکھ جو اَپَتِیَہِنہ پَتِیاِئی جا کر بار بیاہی لچّئی سوکَیسے کَس بھائی ۷۰ے

چاندا نے کہا جو ایسی بات کا یقین کرے وہ بیوقوف ہے، جس کی بچپن کی بیاہی لے جا رہے ہو وہ بھائی کیسے ہو جائے گا۔ اور دونوں آگے بڑھ جاتے ہیں۔

مثنوی میں چند مقامات کے نام آئے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں فتح پور سے پریاگ گئے ہوں گے۔ مثنوی میں واقع سمتوں سے اتنی اطلاع ملتی ہے کہ وہ پوربی علاقوں کی جانب گئے تھے۔ ملاحظہ ہوں متعلقہ بند (۲۷۹، ۳۷۳ و ۳۷۲)

اس طرح مثنوی میں فراہم کی گئی اطلاعات کے بموجب وہ اوّلاً پریاگ اور پھر وہاں سے بہ تقاضہ مصلحت مختلف علاقوں سے ہوتے ہوئے پریاگ سے تقریباً ۲۴۰ میل کی دوری پر واقع ہردی شہر کے لئے چل دیے جس کو ان دنوں ہردی گئوگھاٹ کہتے ہیں۔ واضح ہو کہ ہردی گئوگھاٹ یو۔پی میں بلیا کے قریب واقع ہے جو یو۔پی کا آخری ضلع ہے، اس کو ہردی یا ہلدی گھاٹ اس لئے کہتے ہیں، کیونکہ اس کی مٹی ہلدی کے رنگ کی ہے اور وہ گنگا کے کنارے واقع ہے۔

ہردی گھاٹ جاتے ہوئے، وہ بہار کے رائے کرنکا کی سرحد پر پہنچے۔ رائے کرنکا کے محتسب نے لورک کو ذہنی کوفت میں مبتلا کر دیا وہ رشوت خور تھا اور بقول لورک وہ ٹیکس میں چیزیں نہ لیتا تھا بلکہ وہ مرد مانگتا تھا یا اس کی عورت۔ رائے کرنکا کے محتسب بودیا سے لورک اور چاندا کی جنگ ہوئی۔ لورک

نے تلوار اور چاندا نے کمان سنبھالی۔ بودیا کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا۔ انہوں نے اسے اس کا منھ کالا کر کے اور اس کے بالوں سے بیل بندھوا کر چھوڑ دیا۔ راجہ کرنکا نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ ان لوگوں نے راجہ سے درخواست کی کہ وہ مہربانی کر کے انہیں ہلدی تک پہنچادے۔ راجہ نے بیڑا دیا۔ انعامات واکرامات اس پر مستزاد تھے۔ وہاں سے وہ ایک برہمن کے مکان پر پہنچے اور پھولوں کا بستر بچھا کر سو گئے، خوشبو پر فریفتہ ہو کر ایک سانپ آیا اور اسنے چاندا کو کاٹ لیا (بند نمبر ۳۰۸) لورک بہت پریشان ہوا اور اس نے سانپ کو مار ڈالا۔ وہ چندن کی چتا تیار کر کے اُسے جلانا چاہتا تھا کہ ایک گنی (ماہر) آ گیا، جس نے چاندا کے کان سے لگ کر منتر پڑھا۔ چاندا کو فوراً ہوش آ گیا۔ لورک بہت خوش ہوا اور گنی کو انعام میں بہت سے زیور دیئے۔

پھر دونوں چلے اور شام کو جنگل میں بسیرا کیا۔ ایک پاکھر کے گھنے درخت کے نیچے دونوں سو گئے صبح ہونے کو تھی کہ ایک سانپ چاندا کو ڈس کر چھپ گیا۔ چاندا صرف اتنا بول پائی کہ مالک اٹھو عورت کو سانپ نے کاٹ لیا، اس کے بعد وہ بولتی نہ تھی۔ لورک ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگا اور اپنی قسمت کو کوستا رہا۔ (بند نمبر ۳۱۴) ماضی کو یاد کر کے سر پیٹتا رہا۔ وہ یہ کہتے ہوئے ہوش میں نہ آتا تھا کہ ملک ملک میں میری شرم کی بات پھیل گئی۔ سورج رات میں چاندکو لے کر بھاگ گیا۔ (بند نمبر ۳۱۷) چنداین کے بند نمبر ۲۹۶ کے بیت نمبر ۶ میں باون کا یہ فقرہ کہ ''چاندہِ کھائیہہِ سانپ'' اس موقع پر بار بار تحت الشعور سے شعور کے پردے میں آنے کی کاوش و کوشش کرتا ہے۔

وہ بری طرح رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ رام کے پاس ہنومان تھے میرے پاس تو دَئی (خدا) کے سوا کوئی نہیں ہے۔ پرانی باتیں یاد کر کے اس کا بُرا حال تھا۔ اس نے مایوس ہو کر چندن کاٹ کر چتا تیار کی چاندا کو اٹھا کر چتا پر لٹا دیا اور آگ لگانے لگا تبھی ایک ماہر گنی آ گیا، جو منتر پڑھ رہا تھا اور ڈھاک بجا رہا تھا۔ لورک اس کے قدموں پر گر گیا اور اس سے عرض کیا کہ آپ انہیں زندہ کر دیجئے اور انعام دینے کا وعدہ کیا۔ گنی نے انکی ذات دریافت کی اور منتر پڑھکر پانی لے کر چاندا پر چھڑکا۔ زہر اتر گیا چاندا نے انگڑائی لی۔ لورک بہت خوش ہوا اور گنی کو انعام واکرام دیا۔ اس واقعہ کے بعد دونوں پھر اپنی منزل مقصود کی جانب چل پڑے۔

اُن دنوں ہردی گو گھاٹ یعنی ہردی گھاٹن کا راجہ جھیتم تھا (بند نمبر ۳۳۱) راجہ روپ چند کا دار السلطنت راج پور/راج نگر تھا، جو بہار میں ہے۔ اس پرانی بستی کے آثار کھنڈرات کی شکل میں آج بھی موجود ہیں، جو ماضی کی بلند و عظیم شان کی یاد دلاتے ہیں۔ لورک اور چاندا مونگیر بھی گئے تھے۔ (بند نمبر

۳۳۵ بیت نمبر ۴)۔

ہردی پاٹن کا راجہ، جھیتم رائے (بند نمبر ۳۳۱) بہت عالی ظرف، معدلت پسند، اور شریف انسان تھا۔ ہلدی گھاٹ والے اسے اپنا دیوتا مانتے تھے۔ اس نے لورک کو بہت عزت دی۔ اسنے لورک کو رہنے کے لئے ایک عالی شان محل دیا اور بہت سارا سامان معیشت وسامان عیش ونشاط وعشرت دیا۔ لورک وہاں اطمنان وعشرت کے ساتھ رہنے لگا۔ بقول مصنف:

لور چاند گودر بِسارا کتیں ہَر دین باس　　بَرَس دِوَس اَو کتیک مانسا کینھاں بھوگ بِلاس اے

لورک اور چاندا نے گودر کو فراموش کر دیا اور ہلدی میں سکونت اختیار کر لی۔ ایک برس اور کئی ماہ تک عیش وعشرت کرتے رہے۔

واضح ہو کہ مُلّا داؤد نے مثنوی کے بند نمبر ۳۴ میں چند نمایاں مقامات دھور سَمند، مَعبر، گجرات، ترہُت، اَوَدھ، بداؤں کا تذکرہ کیا ہے۔ اور بند نمبر ۶۲ میں راجہ بکرماجیت کے اجّین نگر کا بھی ذکر ہے۔

اُدھر مینا، لورک کی بیوی، بہت پریشان تھی اور رو رو کر اُس کا بُرا حال تھا، گودر کا برہمن سرجن گودر سے ہردی پاٹن یعنی ہردی گوٗ گھاٹ جا رہا تھا۔ مینا اور اس کی ساس کھولن کو جب اس کی اطلاع ملی تو مینا نے فراق زدہ زندگی کے احوال وکوائف بارہ ماسہ کے ذریعہ بڑی رقت آمیز انداز میں سرجن کو سُنائے (بند نمبر ۳۴۳ سے ۳۵۴ تک)

مینا کی دردانگیز کہانی سے سرجن خاصا متاثر ہوا اور اس نے لورک کو گودر لانے کی ہامی بھر لی اور اس نے ہردی شہر جا کر اپنا وعدہ پورا بھی کیا، اور مینا کے دکھ بھرے حالات لورک سے کچھ اس طرح بیان کئے کہ وہ گودر آنے کو بے تاب ہو گیا۔

لورک جھیتم راؤ سے وداعی ملاقات کرنے گیا۔ راجہ نے لورک کے ساتھ دو ہزار زین سے سجے ہوئے گھوڑے اور دوسو پیدل سپاہی کر دیئے (بند نمبر ۳۷۸) راجہ نے بہادروں کی ایک جماعت بھی لورک کے ساتھ یہ کہ کر کر دی کہ وہ لورک کو گودر پہنچا کر واپس آجاویں۔ اس طرح لورک اور چاندا گودر آجاتے ہیں۔ (بند نمبر ۳۸۱ بیت نمبر ۳ و ۴)

چونکہ بیر لورک اور سیانی چاندا واپسی پر اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ بغیر دیر تک کہیں ٹھہرے ہوئے چل رہے تھے، اس لئے انہوں نے بیس دنوں کی قلیل مدت میں اوّلاً جس جگہ باقاعدہ پڑاؤ ڈالا، وہ جگہ گودر سے بیس کوس دوری پر، ظنّ غالب کی رو سے فتح پور کی سرزمین تھی، کیونکہ گنگا فتح پور سے دس کوس کی دوری پر ہے اور گنگا سے گودر کا فاصلہ دس کوس تھا۔ فتح پور زمانۂ قدیم سے اپنی ایک الگ شناخت

رکھتا ہے۔ وہ دو اہم تاریخی مقامات کڑا اور کوڑا کے مابین واقع ہے۔ مُلاّ داؤد جلال الدین خلجی (۶۸۹ھ تا ۶۹۵ھ) کے اواخرِ عہد حکومت میں موجودہ افغانستان کے بلخ سے واردِ ھند ہوئے تھے اور علاؤ الدین خلجی (۶۹۵ھ تا ۷۱۵ھ) نے مُلاّ داؤد کو وجہِ معیشت کے بطور ردولی میں جاگیر عطا کی تھی۔ علاؤ الدین خلجی نے اپنے چچا و خسر جلال الدین خلجی کا سر ۱۷؍رمضان المبارک ۶۹۵ھ = ۲۰؍جولائی ۱۲۹۶ء کو گنگا جمنا کے سنگم (مجمع البحرین) میں ان کے تن سے جدا کرنے اور اس کی تشہیر کرنے کے بعد ہی اپنا جشنِ تاج پوشی فتح پور سے اس کے شرقی جانب متّصلاً واقع مقام کڑا میں منایا تھا۔ (جامع تاریخ ھند صفحہ ۴۶۱ تا صفحہ ۴۶۵ از محمد حبیب و خلیق احمد نظامی، ایڈیشن ۲۰۱۱ء) اسی فتح پور میں چاندا کو گودر سے بھگانے کے آغاز میں باون سے جنگ کے بعد ان دونوں نے ہلدی گھاٹ جانے کے لئے از روئے مصلحت دور دراز کا پیچیدہ راستہ متعیّن کیا تھا اور ہلدی گھاٹ موقوعہ بلیا (یو۔پی) سے اپنے مسکن گودر واپس آنے کے لئے قریبی اور سیدھے راستے کا انتخاب کیا تھا۔ انہوں نے گودر پہنچنے سے قبل آخری منزل فتح پور میں کی ہوگی۔ تصوّف و صفائی قلب اور علم و ذکا میں فتح پور کا ہر دور میں ایک خاص مقام رہا ہے۔ کڑا مانکپور کے صوبہ دار سید سعید و شاہ کا مسکن و مدفن فتح پور ہے۔ صوفیائے کرام میں سے چند فتح پوری صوفیاء و علماء میں سے اکبری عہد کے سید محمد صالح قطبی و دیگر عہد کے ہبۃ اللہ، سید انصار، سید شاہ عبدالسلام اور شہ نجم الدین علیہم الرحمۃ کے اسمائے گرامی اہم ہیں۔ اصول فقہ کی مشہور کتاب نور الانورا کے مصنف شیخ احمد المعروف بہ مُلاّ جیون استاذ عالم گیر نے یہیں کے مُلاّ لُطف اللہ کڑوی سے سندِ فضیلت حاصل کی تھی۔ آپ نے اپنی معرکہ آرا کتاب نور الانوار کی تسوید اپنے انتقال ۱۱۳۰ھ سے ۲۵؍سال قبل مدینہ منورہ میں سفرِ حج کے دوران اپنے مدنی تلامذہ کے اصرار پر سواد و ماہ کے قلیل عرصے میں مکمل کی تھی۔ آپ کا انتقال دلّی میں ہوا تھا، لیکن دفن اپنے وطن امیٹھی میں ہوئے۔

مُلاّ داؤد کے عصر میں فتح پور کے مُلاّ کمال الدین بہت مشہور تھے۔ بہت ممکن ہے کہ ان دونوں مقامات کے اہلِ علم صوفیوں کا فتح پور رو ڈلمؤ آنا جانا رہا ہو۔ ڈلمؤ سے فتح پور میں ہجرت کر کے بسنے والوں کی تعداد اچھی خاصی ہے۔

لورک کی غیر موجودگی میں راجہ سہدیو نے اپنے سپہ سالار مانکر (بند نمبر ۳۹۶) کو پیغام بھیجا کہ لورک ملک سے فرار ہوگیا ہے اور ہردی شہر جا کر وہاں ٹھہر گیا ہے۔ لورک دشمن ہوگیا ہے اور گائے یعنی راج کماری چاندا کو زبردستی لے گیا ہے۔ اسکو سزا ملنی چاہئے، چنانچہ مانکر نے کنورو کے گھر پر چڑھائی کر دی۔ کنورو بھاگ کر راجہ کے پاس چلا آیا ظالم مانکر نے اسے مروا ڈالا۔ جب نائی نے راجہ کو کنورو

کے قتل کی اطلاع دی، تو راجہ نے اسے کپڑے پہنوائے۔ (چنداین بند نمبر ۳۹۷ بیت نمبر ۵)

کنورو کے خاندان میں پانچ نفر تھے۔ (۱) کنورو، کنورو کے (۲) ماں (۳) باپ، (۴) لورک اور اس کی بیوی (۵) مینا (بند ۳۱۵) مگر لورک کے ہلدی گھاٹ جانے کے بعد لورک کے باپ کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

مُلّا داؤد نے اپنی اس مثنوی میں اپنے اس زمانے کی معاشرت و معیشت، میل ملاپ، معدلت اور آپس میں مل جُل کر رہنے کی جبلت پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے اس زمانے میں رائج بچپن کی، شادی اور کئی کئی بیویاں رکھنے کے رواج پر بات کی ہے۔ گودر کا راجہ رائے مہر سہد یو خود ایسا راجہ ہے، جس کے محل میں چوراسی رانیاں ہیں اور ہر رانی کی خدمت میں اکیاسی باندیاں ہیں۔ (بند نمبر ۳۱) اس سلسلے میں مُلّا داؤد نے بیویوں کے مابین مساوات کے سلسلے میں میر مسعود کا ذکر کیا ہے، جن کی دو متوالی بیویاں تھیں، جن کی جوانی کو ملّا داؤد نے ''بھنیھر بھوریں جوبن'' یعنی تمتماتی ہوئی جوانی کہا ہے اور بتلایا ہے کہ میر مسعود ان کو خوشبو میں بسا ہوا پان کِھلاتے ہیں، ایک طرح کی چھاپ کی ساڑی پہناتے ہیں، میٹھے بول بولتے ہیں، شربت بنا کر پلاتے ہیں اور اُوچھی باتیں نہیں کرتے (بند نمبر ۲۶۵)

مُلّا داؤد نے یہ بند بطورِ پند کہا ہے کیونکہ چاندا اور مینا کے مابین بت خانہ میں زبردست جنگ ہوئی تھی مُلّا داؤد کے لفظوں میں نوبت بایں جا رسید کہ ''اتینت کرَ ہنہ ہاتھا پائیں'' (بند نمبر ۲۶۲) یعنی وہ بہت زیادہ ہاتھا پائیں کر رہی تھیں۔

اُس عہد میں بعض ریاستوں میں ظلم و تعدّی اور رشوت کی حکمرانی تھی۔ اس زمانہ میں لوگ طالع و برج اور ستاروں کے اثرات کے قائل تھے۔ لورک چاندا کو بھگا لے جانے سے پہلے، نجومیوں سے مشورہ لیتا ہے اور ان سے وقت سعد پوچھتا ہے۔ مثنوی کے ۲۷۸ ویں اور ۲۷۹ ویں بندوں میں چندا کو لے بھاگنے کے لئے پنڈت نے آدھی رات گذر جانے کی ساعت نکالی تھی اور حتمی فیصلہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''سوراُدت تُمہہ اُترَہ بوڈھ گانگ کے تیر'' سورج نکلنے تک تم بوڑھی گنگا کے کنارے پر اتر جاؤ۔

شادی بیاہ میں بہت فضول خرچیاں ہوتی تھیں۔ ملک میں معدلت تھی اور لوگوں میں میل ملاپ تھا۔ مُلّا داؤد نے اپنی مثنوی کے چودھویں بند میں بتلایا ہے کہ ہندو ترک یعنی ہندو مسلمان دونوں میں برابری ہے۔ حکمراں گائے اور شیر کو ایک راستے پر چلاتے ہیں اور دونوں کو ایک گھاٹ پر پانی پلاتے ہیں۔ مُلّا داؤد نے ملک میں مساوات کی بابت فرمایا ہے کہ حکمراں بے راہ رو نہیں ہیں وہ اعتدال کی راہ پر چلتے ہیں اور دنیا کو ایک نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

اس طرح یہ مثنوی چنداین اپنے عہد، اور اس عہد کی مذہبی، سماجی، سیاسی، معاشرتی و معیشتی زندگی کی سچی عکاسی کرتی ہے اور ایک اچھی اور نمائندہ مثنوی ہے۔

راقم یہاں کچھ ضروری باتیں عرض کرنا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں اولاً دوبارہ یہ عرض ہے کہ معرضِ بحث مثنوی کے ہندی ادبأ و محققین نے اردو مثنوی کی ہیئت اور اس کے عناصرِ ترکیبی سے کماحقہٗ نابلد ہونے کے باوجود، اس مثنوی کی بابت جو کچھ رقم کیا ہے، اس کا عشرِ عشیر بھی اردو کے ادبأ و محققین رقم نہیں کر پائے۔

واضح ہو کہ مُلّا داؤد نے اس مثنوی میں کئی اغلاط کی ہیں جن میں سے چند کی جانب اوّلِ کتاب میں اشارے کئے جا چکے ہیں اور ایک غلطی کی جانب اب اشارہ کیا جا رہا ہے۔

مُلّا داؤد نے اس مثنوی کے عناصرِ ترکیبی کے ایک عنصر ''منقبت خلیفہ'' کے بارے میں جوابیات اس مثنوی کے بند نمبرے میں رقم کئے ہیں ان میں سے پہلے و دوسرے بیت اور تیسرے بیت کے پہلے مصرع میں فاش غلطی کی ہے۔ موصوف مُلّا داؤد نے ان میں خلفأ کی تعداد، بصراحت اسمائے گرامی، چار بتلائی ہے اور تیسرے بیت کے دوسرے مصرع میں حصر سے کام لیتے ہوئے، پانچویں خلیفہ نبیرۂ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صاحبزادہ لختِ جگر حضرت فاطمہ بنت محمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابن خلیفہ چہارم حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے صاف انکار کرتے ہوئے ''چہ مہہِ پنچوا اَدرنہ سُنی'' کہا ہے۔ (یعنی ان چاروں کے درمیان پانچواں کوئی نہیں سُنا) اس طرح مُلّا داؤد نے اپنے تبحر علمی اور وسیع مبلغِ علم کے باوجود پانچویں خلیفہ حضرت امام حسن کی خلافت عظمیٰ سے انکار کر دیا۔ مُلّا داؤد نے ایک فاش غلطی یہ کی کہ انہوں نے پانچویں خلیفہ کو خلیفہ ہی تسلیم نہیں کیا۔ یہاں پر یہ بات اہم ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خلفأ کی تعداد نہیں بتلائی بلکہ مدّتِ خلافت کا تعین فرمایا ہے اور اس مدّت متعینہ میں پانچ خلفأ کا عہد میمنت لزوم آتا ہے۔

خلافت سے متعلق احادیث ملاحظہ ہوں:-

۱۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے "**الخلافة بعدی ثلثون سنة**" (میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی۔)

۲۔ حضرت سفینہ سے مروی دوسری حدیث کے الفاظ مبارکہ حسب ذیل ہیں:

الخلافة فی امتی ثلاثون سنة ثم ملك بعد ذالك (میری امت میں خلافت تیس سالوں تک چلتی رہے گی اس کے بعد شہنشاہیت ہوگی)

۳۔ کتب احادیث میں تیسری متبرک حدیث نقل ذیل ہے۔

"**الخلافة بعدی ثلثون سنة بعدها ملکا عضوضاً**" یعنی میرے بعد خلافت تیس برسوں تک رہے گی،

اس کے بعد وہ کٹھایا کٹکھنا کتا ہو جائے گی۔

خلفائے عظام کی مدت ہائے خلافت درج ذیل ہیں۔

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہد خلافت ۱۱ ہجری تا ۱۳ ہجری ۶۳۳ء تا ۶۳۴ء

خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہد خلافت ۱۳ ہجری تا ۲۴ ہجری۔ ۶۳۴ء تا ۶۴۵ء

خلیفۂ سوم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہد خلافت ۲۴ ہجری تا ۳۵ھ۔ ۶۴۵ء تا ۶۵۵ء

خلیفۂ چہارم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہدِ خلافت ۳۵ ہجری تا ۴۰ ہجری۔ ۶۵۵ء تا ۶۶۰ء

خلیفۂ پنجم حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہدِ خلافت ۴۰ ہجری تا ۴۱ ہجری ۶۶۰ء تا ۶۶۰ء

آپ کی مدّت خلافت کی بابت مورّخین کے مابین شدید اختلافات ہیں، لیکن بعد از مطالعہ بسیار، راقم کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی گئی صلح پر اپنے دستخط ۲۵ ربیع الاوّل ۴۱ ہجری کو ثبت فرمائے تھے۔ اس طرح آپ کی مدّتِ خلافت ۵/ ماہ ۲۱/ دن ہے، جبکہ آپ کی مدّتِ ملوکیت کل ۱۳/ دن ہے، جو صلح کی تیاری میں صرف ہوئی اور یوں آپ کی مدّتِ خلافت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیّنہ مدّت یعنی آپ کے وصال کے بعد تیس سال کے اندر ہے لہٰذا آپ بالیقیں و بلا ریب پانچویں برحق خلیفہ ہیں۔ (تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو مشہد حسین: مصنفہ راقم، دیباچہ صفحہ ۱۹)

رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''سید'' لفظ سے خطاب کیا تھا۔ آپ نے یہ خطاب کل تین اصحاب کو عطا کیا تھا:۔

ا۔ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۔ سیدنا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳) سیدنا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے چونکہ حدیثِ مقدسہ کا ٹکڑا "**بعدھا ملکا عضوضاً**" تھا اس لئے آپ نے مدّتِ انقضائے خلافت کے بعد ہی فوراً "**ملکا عضوضاً**" سے استعفیٰ دے دیا۔ اگر مدّتِ خلافت ختم ہونے کو نہ ہوتی تو آپ قطعاً دستبرداری نہ کرتے جیسا کہ خلیفۂ سوم نے جان دے دی لیکن خلافت سے دستبردار نہیں ہوئے، کیونکہ ایک بار نبی رحمت نے موصوف

سے فرمایا تھا کہ اللہ پاک تم کو عزت کی قمیص پہنائے گا، تم اسے قطعاً نہ اتارنا۔ آپ حضرت حسن کے والدِ محترم نے بھی اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی، لیکن خلافت سے دستبرداری نہیں کی، اسی طرح آپ (حضرت حسن) بھی جان دے دیتے لیکن خلافت سے دست بردار نہ ہوتے اگر خلافت بر قرار رہتی۔ لیکن چونکہ خلافت کی مدّت ختم ہونے والی تھی، اس لئے آپ نے مصالحت میں بہت جلدی کی کیونکہ آپ کٹھی سلطنت کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ راقم نے اس موضوع پر تشفی بخش بحث اپنی مطبوعہ کتاب ''العقائد'' میں کی ہے۔

راقم کی دانست میں مومنؔ وہ واحد شاعر ہیں، جنھوں نے اپنے دیوان کے آغاز میں حمد و نعت کے بعد پانچویں خلیفہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت علیٰ ترتیب الخلافت لکھی ہے۔ مومنؔ نے حضرت حسن کے اس قصیدہ میمیہ میں بھی مدحِ امام مسموم کے ساتھ اپنی ''خود مدحی'' کی انفرادی سرشت برقرار رکھی ہے۔

واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال پُر ملال ۱۲؍ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری میں بوقت چاشت ہوا تھا چونکہ "**کل نفس ذایقة الموت**" ہے، اس لئے وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے آنی تھی یعنی ایک آن کے لئے تھی، تب سے آپ افعالِ حیات پر مکمل قدرت کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علامہ بوصیری المسمّیٰ بہ محمد بن سعید کو ان کی حالت نوم میں ایک چادر مرحمت فرمائی تھی اور ان کے بدن پر اپنے دستہائے مبارک پھیر کر اور انہیں فالج کے موذی مرض سے نجات دلا کر، انہیں شفائے کامل عطا فرما دی تھی۔ آپ علامہ بوصیری ۶۰۸ھ میں اپنے ننیہال دلاص میں ولادت پذیر ہوئے تھے۔ آپ کا ددیہال مصر کے علاقہ بنو سویف میں ابوصیر گاؤں میں تھا۔ اسی گاؤں کی مناسبت سے آپ ابوصیری کہے جاتے تھے، جو کثرتِ استعمال سے بوصیری ہو گیا۔ آپ نے ایک نعتیہ دیوان بطورِ یادگار چھوڑا، جس میں ہر حرفِ تہجی پر کوئی نہ کوئی نعتیہ قصیدہ ضرور ہے، جن میں سے تین نعتیہ قصائد: قصیدہ ہمزیہ، قصیدہ بانت سعاد کا معارضہ اور قصیدہ بردہ منامیہ مشہور ہیں۔ نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ۱۱ ہجری میں بوقت چاشت ہوا تھا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۴۱ ہجری میں دست برداری تحریر فرما کر اپنے دستخط ثبت فرمائے تھے۔ اس طرح ۴۱-۱۱=۳۰۔ آپکی مدتِ خلافت تیس سال کے اندر ہے۔

آخر میں مثنوی چنداین کے تخلیق کار کی بابت چند سطور رقم کر کے اس مقالہ کو اختتام پذیر کیا جاتا ہے۔

مثنوی چنداین کے تخلیق کار مُلّا داؤد ڈلمئی کی حیات کے جو سوانح اب تک اس مقالہ میں جستہ جستہ پیش کئے گئے ہیں، ان کا ماحصل یہ ہے کہ آپ حادثۂ ہلاکو خاں کے عواقب کے بطور سلطان جلال الدین خلجی ۶۸۹ھ ۱۲۹۰ء تا ۶۹۵ھ ۱۲۹۶ء کے عہدِ اواخر میں وارِدِ ہند ہوئے۔ سلطان علاء الدین خلجی ۶۹۵ھ تا ۷۱۵ھ=۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء نے آپ کے گوناگوں خصائص و فضائل سے متاثر ہو کر آپ کے لئے آپ کی وجہِ معیشت صوبۂ اوودھ کی ردولی میں مقرر کر دی۔ چند دنوں کے بعد آپ کے والد شیخ شعیب فاروقی ولد شیخ محمد احمد فاروقی مشہور بہ شیخ بیان بھی بلخ سے ہندوستان تشریف لے آئے اور اس وقت کے چند ممتاز ترین علاقوں میں سے ایک علاقہ ڈلموٗ کے جج مقرر کر دیئے گئے اور چند دنوں کے بعد آپ امیر الامراء کے عہدۂ جلیلہ پر متمکن کر دیئے گئے۔ آپ کو شیخ مبارک کا خطاب بھی عنایت کیا گیا۔

مُلّا داؤد نے ڈلموٗ میں اپنی سکونت کے دوران ۷۸۱ھ=۸۰-۱۳۷۹ء=سمبت ۱۴۳۶ میں اپنی معرکہ آرا مثنوی چنداین تخلیق کی۔

آپ کے والدِ محترم کا انتقال ڈلموٗ میں ہوا اور آپ سینہ بسینہ چلی آ رہی روایت کے بموجب ڈلموٗ کے قلعہ میں مدفون ہوئے۔ ابھی کچھ دنوں پیشتر تک آپ کی قبر ڈلموٗ کے قلعہ کے کھنڈر میں موجود تھی۔ قبر سے متعلق اس روایت کا ذکر محترم پرمیشوری لال گپتا نے بھی اپنی دیوناگری رسم الخط میں مدوّنہ مثنوی کے صفحہ ۸۴ پر کیا ہے۔

مُلّا داؤد اپنے والد کی وفات کے کچھ دنوں بعد اپنے وطنِ اصلی ردولی تشریف لئے آئے اور آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام یہیں گزارے، کیونکہ علاؤ الدین خلجی کی دی ہوئی جائداد یہیں تھی۔ جاگیر کا بڑا حصہ اطراف و اکناف ردولی ضلع فیض آباد میں تھا (مراۃ الاسرار صفحہ ۱۱۴۱۔ آپ کا انتقال اغلباً آٹھویں صدی ھجری کے آخری عشرے میں ردولی میں ہوا اور یہیں آپ دفن ہوئے۔ راقم کو اس بات کا اعتراف ہے کہ اسے تلاشِ بسیار کے بعد بھی آپ کا واقعی سنِ ولادت اور حتمی سنِ وفات نہیں مل سکا۔ آپ کا تخمینی سنِ ولادت ۶۸۵ھ اور سنِ وفات اغلباً آٹھویں صدی ہجری کا آخری عشرہ ہے۔ آپ کا مزار ردولی کے رانا (چوٹی رانا) میں ہے، جو آج بھی مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ آپ کے پسر صالح شیخ محمد عمر کا مرقد بھی وہیں (چوٹی رانا) مخدوم چھوٹے رانا کے قبرستان میں ہے۔

آپ کے بڑے نبیرہ مخدوم حضرت شیخ تقی الدین محمد واعظ ربانی کا سنِ ولادت ۷۷۵ھ =۱۳۷۳ء ہے۔ اور آپ کا انتقال دلی میں بعمر ۶۰ سال ۸۳۵ھ=۱۴۳۲ء میں ہوا، جسے آپ نے اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ آپ کا مزار دہلی میں مرحوم سلطان کمال الدین فیروز شاہ تغلق کے قلعہ کے پاس ہے۔

ڈاکٹر اشفاق انجم نے بھی آپ کے مزار کی نشان دہی قلعہ فیروز شاہ کے نزدیک کی ہے۔ ۳۱ے

مُلّا داؤد کے چھوٹے حقد یعنی شیخ محمد عمر کے چھوٹے صاحبزادے شیخ، احمد عبدالحق نے اپنا مسکن اپنے باپ دادا کے وطن ردولی کو بنالیا تھا اور وہیں آپ کا بعمر ۱۰۸ سال اور بقولِ بعض بعمر ۱۲۰ سال انتقال ہوا اور آپ وہیں ردولی میں دفن ہوئے۔ ردولی ہی میں آپ کی خانقاہ ہے، جو شیخ العالم نام سے مشہور ہے۔ آپ کے اخلاف آج بھی ردولی میں آباد ہیں۔ ان دنوں اس خانقاہ کے سجادہ نشین محترم ومکرم شیخ عمار احمد المعروف بہ نیّر میاں ہیں۔ آپ کے صاحبزادے مولانا محمد احمد میاں خانقاہ متذکرہ بالا کے نائب سجّادہ نشین ہیں، جن کا داخلہ ابھی حال ہی میں (اپریل ۲۰۱۹ء) میں جامعہ ازہر، مصر میں ہوا ہے۔

راقم کو حضرت مُلّا داؤد کا شجرۂ نسب ''سوانح شیخ العالم وتذکرۂ سجّادگان'' مصنفہ مولانا حافظ انتخاب عالم صابری کے صفحات ۱۸۷ و ۱۸۸ میں مل گیا ہے۔ راقم نے مناسب سمجھا کہ وہ اس شجرۂ نسب کو اس مقالہ میں بغرض افادۂ عامۃ الخلائق ذیل میں نقل کر دے۔

۱- حضرت شیخ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲- حضرت شیخ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳- حضرت شیخ ناصر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴- حضرت شیخ منصور بن ناصر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵- حضرت شیخ سلیمان بن منصور رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶- حضرت شیخ ادہم ابن سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷- حضرت شیخ ابراھیم بن ادھم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۸- حضرت شیخ ابوالفتح بن ابراھیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۹- حضرت شیخ عبداللہ واعظ الاکبر بن ابوالفتح رضی اللہ تعالیٰ عنہما
۱۰- حضرت شیخ عبداللہ واعظ الاصغر بن عبداللہ واعظ الاکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
۱۱- حضرت شیخ مسعود بن عبداللہ واعظ الاصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
۱۲- حضرت شیخ خواجہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۳- حضرت شیخ خواجہ فخر الدین محمود بن خواجہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما
۱۴- حضرت شیخ خواجہ نصیر الدین بن خواجہ فخر الدین محمود رضی اللہ تعالیٰ عنہما
۱۵- حضرت شیخ خواجہ شہاب الدین بن خواجہ نصیر الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما (معروف بہ فرخ شاہ کابلی)

۱۶- حضرت شیخ خواجہ احمد یوسف بن خواجہ شہاب الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما

۱۷- حضرت شیخ خواجہ محمد اکبر بن خواجہ احمد یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما

۱۸- حضرت شیخ خواجہ محمد یوسف ثانی بن خواجہ محمد اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

۱۹- حضرت شیخ خواجہ محمد احمد بن خواجہ محمد یوسف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

۲۰- حضرت شیخ خواجہ شعیب بن خواجہ محمد احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما

۲۱- حضرت شیخ خواجہ مُلّا داؤد ڈلمئی بن خواجہ شعیب ڈلمئی رضی اللہ تعالیٰ عنہما (التوطن ردولی ضلع فیض آباد)

۲۲- حضرت شیخ محمد عمر بن خواجہ داؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہما

۳۲- حضرت شیخ تقی الدین محمد واعظ ربانی وحضرت شیخ احمد عبد الحق ردولوی ابنان حضرت شیخ محمد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

بطور جملہ ہائے معترضہ مقالہ کے اختتام پر عرض ہے کہ راقم نے اب تلک مُلّا داؤد اور ان کی مثنوی کی بابت جو کچھ بھی عرض کیا ہے، اس کے آخر میں وہ اپنی اس قلبی کیفیت کا اظہار ضروری سمجھتا ہے کہ اردو ادب پروفیسر ڈاکٹر انصار اللہ کا رہین منت ہے کہ مرحوم ڈاکٹر صاحب نے مُلّا داؤد کی چنداین کا فارسی رسم الخط میں ایک بیش بہا نسخہ مدوّن کیا ہے، مرحوم نے، اس نسخہ کی تدوین میں، ہندی ادب کے جملہ مدوّنہ نسخوں کو اپنے پیشِ نظر رکھ کر، اپنے اس قابلِ تحسین نسخہ کو وقیع حواشی و تعلیقات سے مزیّن کیا ہے۔ مرحوم نے اپنے دیباچہ کے آخر میں اس آفاقی صداقت کا بے محابا اظہار کیا ہے کہ ''کچھ شک نہیں کہ اس کام میں مجھ سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں'' اُن کی یہ عبارت اُن کی بے عدیل عظمت کی مُعلِن ہے۔ ان کی یہ عظمت، اُن کے اس جذبۂ احسان مندی'' میں بھی پنہاں ہے کہ ''توقع ہے کہ اربابِ علم و دانش ان اغلاط سے نہ صرف درگزر فرمائیں گے بلکہ ان کی تصحیح بھی کر کے مجھے احسان مند کریں گے۔

ممنون کرم

محمد انصار اللہ

4/1172 سر سید نگر، علی گڑھ، صفحہ ۴۰

یہ حقیقت ہے کہ ایک عرصہ گزر جاتا ہے تب اس قسم کا ایک عظیم انسان اس عالمِ آب و گل میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اللہ پاک ان کی لحد پر تا حشر شبنم افشانی فرماتے رہیں۔ اللّٰھم آمین

(نوٹ۔ مُلّا داؤد اور چنداین سے متعلق بقیہ معلومات آئندہ!)

حوالہ جات:-

۱- ملت اسلامیہ کی تاریخ جلد دوم صفحہ ۱۶۶۰

۲- جامع تاریخ ھند۔ از محمد حبیب و خلیق نظامی صفحہ ۹۲۸، ۹۳۲

۳- جامع تاریخ ھند صفحہ ۶۰۳

۴- جامع تاریخ ھند صفحہ ۸۶۵

۵- مثنوی چنداین بند نمبر ۹ بیت نمبر ۴۔ مصنف مولانا داؤداودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۵۱

۶- مثنوی چنداین بند نمبر ۹ بیت نمبر ۴۔ مصنف مولانا داؤداودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۵۱

۷- مثنوی چنداین بند نمبر ۱۷ بیت نمبر ۲۔ مصنف مولانا داؤداودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۵۷

۸- چنداین ڈاکٹر وشوناتھ پرساد صفحہ ۵

۹- ہندی ساہتہ کا مدھیہ کال مصنفہ ڈاکٹر نتیانندور ماووشڈودت راکیش صفحہ ۹۸

۱۰- مقالات شیرانی جلد دوم صفحہ ۳۷۷ تا ۳۹۱

۱۱- ہندی کا آلو چناتمک اتہاس صفحہ ۳۲۹

۱۲- معاصر حصہ ۷ اص ۱۳۸/ ۱۳۹

۱۳- ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ۔ صفحہ ۱۵۶

۱۴- جامع تاریخ ہند۔ صفحہ ۴۶۱

۱۵- مثنوی چنداین بند نمبر ۹ بیت نمبر ۱۔ مصنف مولانا داؤداودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۵۱

۱۶- منتخب التواریخ۔ ص ۲۵۰

۱۷- خزینۃ الاولیأ ص ۳۸۶

۱۸- جامع تاریخ ھند از محمد حبیب و خلیق احمد نظامی اشاعت ۲۰۱۱ء صفحہ ۸۱۷ و صفحہ ۸۷۲

۱۹- اردو شاعری میں نعت۔ جلد اول صفحہ ۲۵

۲۰- تاریخ ادب اردو جلد اول صفحہ ۲۲

۲۱- مثنوی چنداین مصنف مولانا داؤداودھی ایڈیشن ۲۰۱۴ءمطبوعہ براُن بک پبلیکیشنز، پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی صفحہ ۵۷

۲۲- مثنوی چنداین بند نمبر ۳۸۵ بیت نمبر ۱۴۔مصنف مولانا داؤداودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصاراللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۳۲۷

۲۳- مثنوی چنداین بند نمبر ۳۵۷ بیت نمبر ۲۔مصنف مولانا داؤداودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصاراللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۳۰۷

۲۴- مثنوی چنداین بند نمبر ۳۳۹ بیت نمبر ۵۔مصنف مولانا داؤداودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصاراللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۹۳

۲۵- مثنوی چنداین بند نمبر ۴۹ بیت نمبر ۲۔مصنف مولانا داؤداودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۸۱

۲۶- مثنوی چنداین بند نمبر ۱۹۸ بیت نمبر ۴۔مصنف مولانا داؤداودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصاراللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۱۸۴

۲۷- مثنوی چنداین بند نمبر ۳۸۵ بیت نمبر ۶۔مصنف مولانا داؤداودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصاراللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۳۲۷

۲۸- مثنوی چنداین بند نمبر ۳۹۵ بیت نمبر ۴۔مصنف مولانا داؤداودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصاراللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۳۳۴

۲۹- مثنوی چنداین بند نمبر ۲۴۶ بیت نمبر ۴۔مصنف مولانا داؤداودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصاراللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۱۶

۳۰- مثنوی چنداین بند نمبر ۳۲۰ بیت نمبر ۴۷۔مصنف مولانا داؤداودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصاراللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۷۳

۳۱- مثنوی چنداین بند نمبر ۳۲۰ بیت نمبر ۵ مصنف مولانا داؤداودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۷۳

۳۲- مثنوی چنداین بند نمبر ۳۲۰ بیت نمبر ۲ مصنف مولانا داؤداودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۷۲

۳۳- مثنوی چنداین بند نمبر ۱۹۲ بیت نمبر ۲، ۳، ۴ اور ۵ مصنف مولانا داؤداودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر

محمد انصاراللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۱۸۰

۳۴- مثنوی چنداین بند نمبر ۳۶۵ بیت نمبر ۳ تا ۶ مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصاراللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۳۱۳

۳۵- مثنوی چنداین بند نمبر ۲۰۴ بیت نمبر ۲ تا ۵ مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصاراللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۱۸۹/۱۸۸

۳۶- مثنوی چنداین بند نمبر ۲۰۸ بیت نمبر ۳ مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۱۹۱

۳۷- مثنوی چنداین بند نمبر ۲۸۷ بیت نمبر ۲ مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۶۴

۳۸- مثنوی چنداین بند نمبر ۲۵۲ بیت نمبر ۳ مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۲۰

۳۹- مثنوی چنداین بند نمبر ۲۶۷ بیت نمبر ۳ مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصاراللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۳۰

۴۰- مثنوی چنداین بند نمبر ۲۵۴ بیت نمبر ۴ مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۲۲

۴۱- مثنوی چنداین بند نمبر ۳۲۳ بیت نمبر اوّل کا پہلا مصرع مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصاراللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۷۵

۴۲- مثنوی چنداین بند نمبر ۳۲۳ بیت نمبر ۳ مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصاراللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۷۵

۴۳- مثنوی چنداین بند نمبر ۳۲۹ بیت نمبر ایک مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصاراللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۸۱

۴۴- مثنوی چنداین بند نمبر ۷۱ بیت نمبر آخری بیت مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصاراللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۵۷

۴۵- مثنوی چنداین بند نمبر ۳۳ آخری بیت مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۷۰

۴۶- مثنوی چنداین بند نمبر۳۵۴ بیت نمبر۵ مصنف مولانا داؤ داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۳۰۵

۴۷- مثنوی چنداین بند نمبر۳۷۲ بیت نمبر۲ مصنف مولانا داؤ داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۳۱۸

۴۸- مثنوی چنداین بند نمبر۲۶۵ بیت نمبر۲ مصنف مولانا داؤ داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۲۹

۴۹- مثنوی چنداین بند نمبر۳۲۹ مصرع نمبر ایک، مصنف مولانا داؤ داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۸۱

۵۰- مثنوی چنداین بند نمبر۳۲۹ مصرع نمبر۲، مصنف مولانا داؤ داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۸۱

۵۱- مثنوی چنداین بند نمبر۲۶۵ بیت نمبر۶، مصنف مولانا داؤ داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۲۹

۵۲- اخبار الاخیار حصّہ ۳، صفحہ ۸۹

۵۳- خزینۃ الاصفیہ صفحہ ۳۸۸ و معاصر حصہ ۱۶ صفحہ ۷۳

۵۴- مثنوی چنداین بند نمبر۳۲۹ بیت نمبر۴ مصنف مولانا داؤ داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۸۱

۵۵- مثنوی چنداین بند نمبر۳۲۹ بیت نمبر آخری مصنف مولانا داؤ داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۸۱

۵۶- مثنوی چنداین بند نمبر۵۹ بیت نمبر۵ مصنف مولانا داؤ داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۹۰

۵۷- مثنوی چنداین بند نمبر۲۸۱ بیت نمبر۵ مصنف مولانا داؤ داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۴۲

۵۸- مثنوی چنداین بند نمبر۲۸۷ بیت نمبر۲ مصنف مولانا داؤ داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی ص ۲۴۶

۵۹- مثنوی چنداین بند نمبر۱۷ بیت نمبر۴ مصنف مولانا داؤ داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار

اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹیڈ، نئی دہلی ص ۵۷

۶۰- مثنوی چنداین بند نمبر ۱۷ بیت نمبر آخری مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹیڈ، نئی دہلی ص ۵۷

۶۱- المشکوۃ المصابیح صفحات ۴۸۸/۴۸۹

۶۲- ابنِ ھشام جلد ۲ صفحہ ۶۱۹

۶۳- انصار ایک دستاویز۔ از راقم صفحہ ۱۳۶/۱۳۶

۶۴- مثنوی چنداین بند نمبر ۲۸۲ بیت نمبر ۴ مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹیڈ، نئی دہلی ص ۲۴۲

۶۵- مثنوی چنداین بند نمبر ۲۸۲ بیت نمبر ۳ مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹیڈ، نئی دہلی ص ۲۴۲

۶۶- مثنوی چنداین بند نمبر ۲۸۲ بیت نمبر ۴، ۵، و ۶ مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹیڈ، نئی دہلی ص ۲۴۲

۶۷- مثنوی چنداین بند نمبر ۲۷۹ بیت نمبر ۶ مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹیڈ، نئی دہلی ص ۲۴۰

۶۸- تاریخ فتح پور۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری صفحہ ۴۴

۶۹- جامع تاریخ ھند صفحہ ۲۶۱

۷۰- مثنوی چنداین بند نمبر ۲۹۵ بیت نمبر ۶ مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹیڈ، نئی دہلی ص ۲۵۲/۲۵۳

۷۱- مثنوی چنداین بند نمبر ۳۳۶ بیت نمبر ۶ مصنف مولانا داؤد داودھی، مع اردو ترجمہ وحواشی پروفیسر محمد انصار اللہ، براؤن بک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹیڈ، نئی دہلی ص ۲۹۱

۷۲- امام حسن مصنفہ راقم سال اشاعت ۲۰۱۳ صفحہ ۴۳

۷۳- اولیائے اسلام (ڈائرکٹری) ڈاکٹر اشفاق انجم، الھدیٰ پریس، مالیگاؤں صفحہ ۱۰۷

☆☆☆

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی (علی گڑھ)

موجِ کوثر کا قرآنی تجزیہ

علامہ اقبال سہیل نے اپنے وطن کی علمی و ادبی زرخیزی کے پیشِ نظر کہا تھا کہ جو ''ذرہ بھی یاں سے اٹھتا ہے وہ نیرِ اعظم ہوتا ہے''۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ آپ کا بھی نیرانِ اعظم گڑھ میں شمار ہوگا۔ یقیناً مبدأ فیاض نے آپ کو غیر معمولی ذہانت و فطانت سے نوازا تھا۔ علامہ شبلی نعمانی، مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا محمد شفیع نے آپ کو سنوارنے میں اہم رول ادا کیا۔ مولانا الطاف حسین حالی، علامہ محمد اقبال، رشید احمد صدیقی، سید سلیمان ندوی، نیاز فتح پوری اور مرزا احسان بیگ نے آپ کی عبقریت اور علمی قدر کا اعتراف کیا۔ اپنی جودتِ طبع کی وجہ سے ہر جگہ ایک نئی راہ نکالی۔ اپنی قلتِ نگارشات کے باوجود ایک خاص آہنگ کے مالک بنے۔ ''سیرتِ شبلی'' آپ کی دقتِ نظری اور منفرد اسلوب بیان دونوں پر دال ہے۔ شاعری میں بھی آپ کا الہامی کردار نمایاں ہے۔ فکر و خیال، لفظیات اور قوافی کے اعتبار سے آپ کی شاعری عظمت کی حامل ہے۔ نثر ہو یا شاعری دونوں کو آپ نے قابلِ اعتنا قرار نہ دیا، اگر ان دونوں موضوعات پر توجہ مبذول کرتے تو نہ جانے کتنے سنگہائے میل دونوں میدانوں میں قائم کرتے۔ رشید احمد صدیقی نے گنجہائے گراں مایہ اور مضامینِ رشید دونوں میں آپ کی اعلیٰ ذہنیت پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ ذاکر حسین نے بھی آپ کی دراکیت اور حذاقیت کو واضح الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔ علامہ اقبال سہیل نے شاعری میں ڈھیر لگا دیا لیکن اسے سنبھالنا یا سینت سینت کر رکھنا ان کے مزاج کا حصہ ہی نہ تھا، کہتے رہے اور گردشِ روزگار اپنا کام کرتی رہی۔ علی گڑھ کی یونین الیکشن اور خود اپنی ایم ایل اے انتخاب کے تعلق سے بہت کچھ لکھا اور بہت کچھ منظوم کیا، لیکن یہ سب منثور و منظوم رقص ہوا ہوئے وہ صرف لٹانا اور ہوا میں اڑانے کے فن سے بخوبی واقف تھے۔ وکالت کی تو نقود کی بارش ہوئی۔ لیکن یہ سب توقیرِ احباب اور اعانتِ مفلسین پر تمام ہوئیں۔ کیوں کہ انھیں نہ تو سرمایہ داری کا خیال تھا اور نہ ہی علم و ادب کی دنیا کی قیادت کا۔ مردِ مومن اور قلندر کی یہ سب کہاں جادہ پیمائیاں؟

علامہ اقبال سہیل کی اصل وجہ ان کی نعتیہ شاعری ہے آج کا نعت گو شاعر اس کی بنیاد پر چرخ شہرت پر چڑھنا چاہتا ہے، دولت وثروت سے اپنے دامن کو لبریز کرنے کا خواست گار ہوتا ہے۔نعتیہ شاعری ایک کشکول اور ڈھونگ بن چکی ہے۔اس کے سہارے ڈھول پیٹے جاتے ہیں۔رقص وسرود کی محافل آباد کی جاتی ہیں، لندن اور دنیا کے مشہور اسفار کیے جاتے ہیں، خواتین نعت خوانی کے توسط سے اپنے حسن اور عریانیت کا مظاہرہ کرتی ہیں۔یہ وہ طریقے اور عزائم ہیں جن سے نعتیہ تقدس مجروح ہو رہا ہے۔قرآن کریم نے اصول نعت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ **"لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی"** (الحجرات: ۲/۴۹)[تم لوگ اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کرو] یعنی جب ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو اور نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برپا ہو تو اپنی آوازوں کو کس لو یعنی اپنے ذہن کو مقفل کرلو، کیا آج کی نعتیہ شاعری اور نعت خوانی اسی قرآنی اصول کی پابند ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ نعت خوانی اور غزل سرائی میں قلیل تفاوت رہ گیا ہے۔نعتیہ مسابقوں میں ذاتی لحن اور ذاتی صلاحیت پر سارا ارتکاز واعتناء ہے۔نعت گوئی اور نعت خوانی خودستائی اور اظہار ذات کے سوا عصر حاضر میں کچھ نہیں۔اس کا حب رسول اور ذکر رسول سے کوئی تعلق نہیں ہے۔بات کچھ آگے نکل گئی مجھے تو صرف یہ کہنا ہے کہ اقبال سہیل کی نعتیہ شاعری محض ذات کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق کا ایک اظہار ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اعلیٰ قدروں کی ترسیل ہے۔ان کے نزدیک نعتیہ شاعری ایک عبادت ہے نہ کہ زینہ شہرت اور تزئین اَنا۔رشید حسن خاں نے اپنے مقالات میں وضاحت کی کہ ادبی خدمات سے زبان وادب کا تفوق مقصود ہو نہ کہ حصولِ دولت وثروت منتہا ہو۔

اس مضمون میں اقبال سہیل کی طویل نعتیہ نظم ''موج کوثر'' قرآن کریم کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی جائے گی۔اس نعت کا بنیادی محور ومرکز قرآن کریم ہے۔معنوی اعتبار سے اس کا اصل انحصار قرآن کریم ہے۔کیوں کہ قرآن کریم اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لازم وملزوم ہیں دونوں کے ارتباط میں کوئی چیز حائل نہیں ہے۔قرآن نے اس تواصل کو یوں بیان کیا ہے: **"قَدْ أَنزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ ذِكْراً. رَّسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّورِ"** (الطلاق: ۶۵/۱۰-۱۱)[بے شک اللہ نے تم لوگوں کے لیے قرآن یعنی رسول اتار جو تم لوگوں کے سامنے اللہ کی واضح آیات پڑھ کر سناتا ہے تاکہ اہل ایمان اور نیک عمل کرنے والوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے]۔لفظی اعتبار سے اگر اس کا جائزہ لیا جائے تو اس کے الفاظ، تراکیب، تعبیرات اور تلمیحات قرآن کریم سے مستفاد ہیں۔اس کی بنیادی

وجہ یہ ہے کہ آپ نے قرآن کریم کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا تھا۔اس کے معانی ومفاہیم آپ کے ذہن وفکر میں مجتمع تھے۔آپ کی تحریروں سے مترشح ہے کہ قرآنیات اور اسلامیات کا آپ نے سنجیدہ مطالعہ کیا تھا۔تاریخ اسلام پر آپ کی نظر تھی۔مختلف تاریخی واقعات کے اشارات اس میں موجود ہیں۔عام اردو داں حلقہ اس نعت کی اہمیت وافادیت کی معرفت سے قاصر ہوگا۔یہاں یہ سوال ذہن میں اٹھنا ناگزیر ہے کہ معارف القرآن کی کلید دست اقبال میں آئی کہاں سے؟ اس کا جواب ہے کہ آپ کے استاذ محترم مولانا فراہی کے سبب جو ترجمان القرآن تھے۔جس کا اظہار سید صاحب نے آپ کے انتقال پر "الصلوٰۃ علی ترجمان القرآن" کہہ کر کیا۔قرآن کریم کے گنجینہ معانی ومطالب تھے۔علی گڑھ میں استاذ محترم کے ساتھ رہتے تھے۔اسی صحبت نے انھیں چمکایا اور قرآن کا شیدائی بنایا۔اپنے دو مضامین ''مولانا حمیدالدین فراہی اور علی گڑھ'' (تہذیب الاخلاق) اور ''مولانا حمیدالدین فراہی چند یادیں'' (ہفت روزہ ایشیاء لاہور، پاکستان) میں اپنے استاذ مکرم کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔یہ بات پیش نظر رہے کہ ''موج کوثر'' شرکیہ خیال سے پاک ہے جب کہ نعتیہ شاعری کا ایک بڑا حصہ شرک اور موضوع روایات سے مملوء ہے۔فراہی اسکول کی شناخت رہی ہے کہ شرک کے اثرات سے عامۃ الناس کو باخبر کرتے رہے ہیں۔مولانا فراہی نے اپنی تفسیر سورہ اخلاص کے ذریعہ شرکیہ مفاسد پر تیشہ زنی کی ہے۔مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنے رسالہ ''حقیقت شرک'' کے ذریعہ شرکیہ مفاتن پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ یہ شئ مذموم اسماء حسنی سے دور کردیتی ہے۔اسی اسماء حسنٰی کی معنوی تحلیل انسان کو شرک وکفر سے دور کرتی ہے۔پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے شرکیہ خرافات کے متعلق اپنی تفسیر ''میزان القرآن'' میں مدلل انداز میں بحث کی ہے۔شفاعت کا قرآنی تصور پیش کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ کی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی کی شفاعت کریں گے جس کی اللہ کی طرف سے اجازت ہوگی، قرآن میں یہ بھی ہے کہ اس دن تمام اعضاء سچ بولیں گے۔یہاں تو صرف یہ بتانا ہے کہ اقبال سہیل موحدانہ ماحول کے پروردہ تھے۔یہی اثرات پال وپرداخت موج کوثر میں ظاہر وباہر ہیں۔مدرسۃ الاصلاح کے بانی اور پروفیسر خلیل الرحمٰن اعظمی کے والد محترم مولانا محمد شفیع بھی ان کے استاذ تھے۔مولانا نے ان کی تربیت میں اہم کردار ادا کیا اور ان کی شخصیت کو پیکر توحید بنایا۔اس نعت کی متعدد جہتیں ہیں۔قوافی کے اعتبار سے اردو کی پہلی نعت ہے۔اس کی تمام جہتوں کو گرفت احقر کے بس میں نہیں۔یہاں اس کے اساسی مزاج اثراتِ قرآن کو دکھانے کی کوشش کی جائے گی۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تھا کہ "**کان خلقہ خلق القرآن**" [آپ کے اخلاق تصویر قرآن کے مطابق ہیں] یہی

فرمودۂ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس نظم میں موجود ہے۔اس میں قرآن کی روح بسی ہوئی ہے۔یہی روح اس میں رواں دواں ہے۔اس نعتیہ نظم کا عنوان ہی قرآنی ہے۔لفظ ''کوثر'' قرآنی مفرد ہے۔کوثر کا مفہوم خیر کثیر ہے۔یعنی ایسی چیز جو حسنات اور بھلائیوں سے لبریز ہو۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس مجموعہ حسنات تھی۔ یہاں کوثر عنوان قائم کر کے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جامعیت و آفاقیت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ یہ بات بھی بتا تا چلوں کہ مولانا حمیدالدین فراہی نے لفظ ''کوثر'' کی عالمانہ تشریح اپنی مفردات القرآن اور تفسیر سورہ الکوثر میں کی ہے: مولانا فراہی کے نزدیک کوثر سے خانۂ کعبہ مراد ہے۔

آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد سے قبل کا زمانہ دورِ جاہلی کے نام سے معروف ہے جہاں انسانی قدریں سسک رہی تھیں، انسانیت قتل و غارت گری، ظلم و تشدد اور افتخار و اظہار کی چکی میں پس رہی تھی، قبائل عرب آپس میں متصادم تھے، اپنے خاندانی وقار کی بلندی کے لیے صدیوں سے برسرِ پیکار تھے۔ کتنی جانیں نسبی افتخار کی نذر ہو جائیں۔اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس منتشر اور بلکتی ہوئی انسانیت کو متحد کیا۔ پروانۂ طمانیت عطا کیا۔بکھرے ہوئے دلوں کو جوڑا، ان کی رفو گری کی۔قرآن کریم کی زبان میں تالیفِ قلب کا کاروبار چلایا۔اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس رفو گری کی تصویر کشی اقبال سہیل نے اس طرح کی ہے:

بچھڑے ہوئے گلے کو ملایا، نسل وطن کا فرق مٹایا
رہ نہ گیا کچھ تفرقہ باہم صلی اللہ علیہ وسلم

یہ شعر کہتے ہوئے یقیناً آپ کے پیش نظر یہ آیت کریمہ ضرور رہی ہوگی:

إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا۔ (آل عمران:۳/۱۰۳)	(یاد کرو) جب تم (آپس میں ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اس کے کرم سے بھائی بھائی بن گئے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ایسی شریعت کے حامل تھے جس میں حفظ مراتب کی تعلیم دی گئی اور اخوت انسانی کا درس دیا گیا ہے یہ شریعت اسلامی حصول رزق کے لیے جدوجہد کی بات کرتی ہے۔اس میں توکل کی تعلیم دی گئی ہے لیکن توکل کا ہرگز یہ مفہوم نہیں کہ گوشہ نشینی اختیار کی جائے۔صوفیہ کرام کا مخصوص توکل اور خود کو غاروں کے سپرد کر دینا قرآنی توکل کے برعکس ہے۔اس شریعت میں لطف و کرم کی تعلیم دی گئی ہے۔تشدد اور بغض و عناد اسوۂ رسول کے برعکس ہے۔اسوۂ رسول

عبادت اور ریاضت دونوں سے عبارت ہے۔اسوۂ رسول عنایت وشفقت کا نقیب ہے۔اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت کی شناخت فتوت ہے۔اسی فتوت کا نام جہاد ہے جس کی غرض وغایت یہ ہے کہ دنیا سے ظلم وتشدد کا خاتمہ کیا جائے۔ان تمام چیزوں کے حدود ہیں اگر کوئی شریعت اسلامی کے حدود کو توڑتا ہے تو گویا وہ نافرمان رسول ہے۔سیرت مقدسہ انسانوں سے اطاعت کی طلب گار ہے۔ اقبال سہیل نے قرآن کریم کے ان فرائض کی انجام دہی کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا ہے:

حفظ مراتب، پاس اخوت، سعی وتوکل رفق وفتوت
تلک حدود اللہ میں منضم صلی اللہ علیہ وسلم

اقبال سہیل نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے طریقہ وحی کو بھی منظوم کیا ہے۔قرآن کریم میں اسے ''دنی فتدلی'' کہہ کر اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔''دنی'' قریب ہونے کے مفہوم میں ہے اور ''تدلی'' جھکنے کے معنی میں ہے۔جب دونوں لفظ ساتھ ساتھ آتے ہیں تو اس میں قربت ومحبت کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔کسی کو کوئی بات بتائی جائے تو اس میں ایک سلیقہ ہو بلکہ معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے تلامذہ کے ساتھ شفقت ومحبت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے خیالات کو ان کے اذہان میں انڈیل دے اس قربت کے اظہار کے لیے "**فکان قاب قوسین**" (النجم:۵۳/۹) آیا ہوا ہے جس سے مزید اس نکتے کا اظہار ہوتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کس قدر ادب واحترام اور عقیدت وچاہت کے ساتھ پیغام الٰہی کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور اقدس میں پیش کرنا چاہتے تھے۔اس سے ایک طرف حضرت جبرئیل کے غایت درجہ اہتمام واکرام کا ترشح ہوتا ہے تو دوسری طرف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تقدس عالی کا اندازہ ہوتا ہے۔اس سے ایک اصول یہ صادر ہوتا ہے کہ انسان جب کسی کو کوئی چیز دینا چاہے تو دیتے ہوئے توقیر وتکریم کا اظہار ہو رہا ہو اس میں کبر ونخوت کا شائبہ نہ ہو، چیزوں کو پھینک کر نہ دیا جائے۔اقبال سہیل کو ان قرآنی نزاکتوں، حضرت جبرئیل علیہ السلام کے تلطف وتکرم اور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گرامی قدر کا پورا پورا ادراک تھا اور اس ادراک قرآنی کو اقبال سہیل نے یوں منظوم کیا:

وہ مصداق "**دنی فتدلی**" جس کی منزل عرشِ معلیٰ
نکتۂ "**ما اوحی**" کا محرم صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث میں آیا ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سینہ مبارک حضرت جبرئیل علیہ السلام نے چاک کیا اور مراحلِ تزکیہ وتصفیہ سے اسے گزارا۔ایک طرح سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو

نبوت کی ذمہ داریاں دینے کے لیے تیار کیا جانے لگا۔اسی تیاری کا ایک اندازہ "**یـاایھـا المزمل**" اور "**یـا ایھا المدثر**" ہے۔حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہانے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے جب ان تیاریوں کا ذکر کیا تو انھوں نے سنتے ہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منصب نبوت سے سرفراز کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔یہ شواہد وقرائن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کا پتا دیتے ہیں۔اس نعت میں اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔اوراس کی اہمیت کو یوں اجاگر کیا گیا ہے:

شرح ''الم نشرح'' وہ سینہ، برق تجلی کا گنجینہ
جگ مگ جگ مگ چم چم چم چم صلی اللہ علیہ وسلم

یہاں ''برق تجلی کا گنجینہ'' سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت کی تشریح کی گئی ہے اور یہ سب اسی تزکیۂ صدر کا نتیجہ ہے اس کی صفائی کا اس طرح اہتمام کیا گیا کہ اس میں کوئی ایسا شائبہ نہ ہو جو موہوم داغ کی علامت بن سکے۔اس کی نظافت پر ایک معمولی دھبے کا بھی احساس نہ ہو۔اسی لیے انبیاء کرام معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ان کی گفتگو،ان کی ذات اوران کے دروس تمام معائب سے پاک رہتے ہیں۔اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبل رسالت اور بعد رسالت تمام معائب و مآثم سے منزہ تھے۔اس آسمانِ رسالت کا مقابلہ کسی سے نہیں کیا جاسکتا ہے۔اسی لیے اسی سورہ میں "**ورفعنا لك ذكرك**" کہہ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوشان اورذات اقدس کی تعبیر وتشریح کی گئی ہے۔اقبال سہیل اس سورہ کے عمود اور حدود وقیود سے باخبر تھے۔یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو ایک بار اس وقت چاک کیا گیا جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چار سال کے تھے اور دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر دل نکالا گیا اور اسے آب زمزم سے دھوکر اسے ایمان وحکمت سے پُر کردیا گیا۔بعض روایات میں دومرتبہ مزید شق صدر کا ذکر آتا ہے۔لیکن اس کی اسنادی حیثیت قابل اعتبار نہیں ہے۔بہرکیف یہاں تو یہ کہنا ہے کہ یہ نعت قرآن حکیم کی روشنی میں ترتیب دی گئی ہے۔

قرآن کریم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مختلف انداز سے مختلف مقامات پر مخاطب کیا گیا ہے۔انہی طرز تخاطب کا دو انداز "**یٰٓاَیھا الزمل**" اور **یٰٓاَیھا المدثر**" ہے۔سورہ مزمل اور سورہ مدثر مکی سورتیں ہیں، جہاں سے وحی کی ابتداء ہوئی۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک میدان سے دوسرے میدان میں منتقل ہورہے تھے۔جب انسان نئے دیوار ودر سے آشنا ہوتا ہے تو اسے اضطراب واستعجاب سے واسطہ پڑتا ہے۔اسی صورت حال کی عکاسی مزمل ومدثر سے کی گئی ہے۔دونوں لفظوں میں قدرے فرق کے ساتھ چادر میں لپٹ کر سونے کا مفہوم ہے۔جب انسان بے قرار ہوتا ہے تو اسی صورت حال کو اپنا

کر قدرے سکون کے لیے سوجاتا ہے۔ عام انسان بھی پریشانیوں میں خود کو انھیں حالات کے سپرد کرتا ہے۔ اقبال سہیل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان احوال سے باخبر تھے۔ فرماتے ہیں:

المدثر، المزمل" ذات اس کی کونین کا حاصل

خاک پہ سجدہ، عرش پہ پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

نعتیہ شاعری میں بہت سے خیالات بے بنیاد ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے بہت سے مستعمل الفاظ کے پیچھے کوئی دلیل نہیں ہے اردو نعتیہ کلام میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو طٰہٰ اور یٰسین کہہ کر اپنا مدعا بیان کیا جاتا ہے۔ جب کہ یہ طرز تخاطب بغیر کسی حجت کے ہے۔ یہ حروف مقطعات ہیں جن پر مفسرین کی جانب سے کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکی ہے۔ یٰسین کے متعلق ایک رائے یہ بھی ہے کہ اس سے بنی نوع انسان مراد ہیں جن کو مخاطب کر کے اللہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ دونوں اسماء حسنیٰ میں سے ہیں۔ نظم قرآن کی روشنی میں ان دونوں کو سرور کائنات سے منضبط کرنا مناسب نہیں ہے۔ اقبال سہیل کا تعلق چوں کہ مولانا فراہی سے تھا اس لیے انھوں نے ان حروف مقطعات سے سرورِ کونین کو مراد نہیں لیا ہے بلکہ ان کے نزدیک ان دونوں سے دو سورتیں مراد ہیں جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل کی گئیں۔ حروف مقطعات کے متعلق مولانا فراہی نے پتے کی باتیں کہی ہیں صرف دو مثالیں ملاحظہ ہوں ایک یہ کہ حرف ''ن'' کا مفہوم مچھلی ہے سورہ نون میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہے جنھیں صاحب الحوت کہا جاتا ہے۔ حوت عربی میں مچھلی کو کہتے ہیں اسی طرح مولانا فراہی نے مزید کہا کہ جن سورتوں کا آغاز حرف ''ط'' سے ہوتا ہے اس میں ''ثعبان مبین'' (یقینی طور سے سانپ) کا ذکر آیا ہے۔ علامہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''طٰہٰ اور یٰسین کا مورد'' یعنی مہبط (جائے نزول) کہہ کر اپنا نقطہ نظر واضح کر دیا کہ ان دونوں کا ارتباط القاب سے نہیں ہے بلکہ دو سورتوں سے ہے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل کی گئیں۔ پورا شعر اس طرح ہے:

طٰہٰ اور یٰسین کا مورد، قبلۂ ایماں کا مولد

دولتِ سرمد جس کا مقدم، صلی اللہ علیہ وسلم

سورہ احزاب کی آیت کریمہ "**ماکان محمد ابا احمد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین وکان اللّٰہ بکل شیئ علیما**" (الاحزاب:۳۳/۴۰) [محمد تم لوگوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے رسول اور تمام انبیاء کے آخری ہیں اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔] یہاں ''خاتم'' سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو قطار میں سب سے آخری ہوتا ہے۔ ایسا اخیر جس کے

بعد کسی اور کے آنے کی امید نہ ہو، جہاں لائن بن کر Dead ہو جائے یہی اس کا لفظی مفہوم ہے۔ ''خاتم'' کا ایک مفہوم مہر ہے۔آیت کریمہ میں خاتم النّبیین کہہ کر یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نبوت پر مہر ثبت کردی ہے اب اس کے بعد کوئی نبی آنے والانہیں ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا خیال یہ ہے کہ جس طرح ڈاک خانے سے مہر لگ کر خطوط ملتے ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی مہر کے ذریعہ لوگوں کو نبوت عطا کرتے ہیں۔لیکن یہ خیال تفاسیر اور لغات کے اعتبار سے مہمل ہے۔اس کا عقل وخرد سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک ذاتی مفہوم ہے۔لغت کی رو سے غلط ہے، بلکہ یہ تصور تفسیر بالرای ہے۔ جو زبان و بیان کے اعتبار سے بے جوڑ ہے۔ یہ تحریف معنوی ہے۔اقبال سہیل نے اس مفہوم کی تردید کرتے ہوئے یہ انداز اختیار کیا ہے:

مہر رسالت، مہر جلالت، عین عدالت، خضر ولادت
اے بہ کمالت ناطقہ ابکم، صلی اللہ علیہ وسلم

ختم رسالت کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مٹ گئے جو متنبّی اٹھے، بجھ گئے جو بولہبی اٹھے
سب کی بساطیں کردیں برہم صلی اللہ علیہ وسلم

یہاں ''بولہبی'' کہہ کر سورہ لہب کی طرف اشارہ ہے۔ یہ خالصتاً قرآنی تلمیح ہے۔علامہ اقبال نے بھی اس تلمیح کا سہارا لیا ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
شرار بولہبی سے شرار مصطفوی

اقبال سہیل سورہ اللہب کے مفاہیم سے اچھی طرح باخبر تھے۔انھوں نے لازماً اپنے استاذ محترم کی تفسیر سورہ اللہب کا مطالعہ کیا ہوگا۔مولانا فراہی نے سورۃ اللہب میں ابولہب اور اس کی بیوی کے کروفر اور بغض وعناد کو بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اللہ نے اسے خاک میں ملا دیا: "**تبت یدا بی لھب و تب**" (المسد:۱۱۱/۴) کہہ کر قرآن کریم یہ اشارہ کرنا چاہتا ہے کہ اللہ نے اس کے اقتدار واختیار کو ختم کر کے اسے بے دست و پا بنا دیا۔ نیز اسی سورہ میں اس کی ہم مزاج بیوی کے اخروی انجام کا بھی ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا کہ وہ ذلت ورسوائی سے عبارت ہے اس کی بیوی بھی کبر ونخوت سے چور تھی۔ زیورات پہن کر اینٹھتی تھی اس کے زعم خود کو "**حمالۃ الحطب**" کہہ کر پاش پاش کردیا گیا ہے کہ وہاں اس کا حال ان بدحال عورتوں جیسا ہوگا جو یہاں وہاں ماری ماری پھرتی رہتی ہیں اور اپنی بدحال

معیشت کو لکڑیاں چن چن کر سہارا دیتی ہیں۔ جس طرح دنیاوی زور وتوڑ کو اللہ نے توڑ کر انھیں مجبور محض بنادیا۔ اسی طرح آخرت میں دہکتی ہوئی آگ سے ان کا سامنا ہوگا۔ اس کی بیوی نت نئے زیورات میں جس طرح اتراتی تھی اسی طرح روز قیامت اس کی گردن میں موٹی رسی ہوگی۔ اقبال سہیل نے ''بولہبی'' کہہ کر ایک خاص تہذیب کی جانب اشارہ کیا ہے جس کا امتیاز استکبار ہے، بولہبی در اصل صدیقی اور فاروقی تہذیب کی ضد ہے۔ ایک طرف مکمل انحراف وانکار ہے تو دوسری طرف مکمل انابت وانقیاد ہے۔ بولہبی ایک غیر اسلامی تہذیب اور غیر اسلامی تحریک ہے۔ اقبال سہیل اس کی اسلام دشمنی اور اس کی ذہنی خباثت، دناءت اور ذہنی پندار سے اچھی طرح واقف تھے۔ نعت نبی کا حق ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نعت گو قرآنی نشیب وفراز، تاریخ اسلام اور تاریخ سیرت مقدسہ سے باخبر اور پھر زبان وبیان کے اعلیٰ اقدار کے مطابق شمائل النبی کو منظوم کرنے پر قادر ہو۔ نعت گو شاعر اگر اسلام اور سیرت کے مزاج وآہنگ سے شناسا نہیں ہے تو وہ پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بلندیوں کی بازیافت سے قاصر ہوگا۔

اقبال سہیل سورۂ احزاب کی آیت کریمہ "**إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس هل البيت ويطهركم تطهيراً**" (الاحزاب:۳۳/۳۳) کی تفسیر اور اہل بیت کے حدود سے واقف تھے۔ اس تعلق سے ایک قول کے مطابق صرف ازواج مطہرات ہی اہل بیت میں آتی ہیں اور ایک قول کی روشنی میں اہل بیت کا اطلاق صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہم پر ہوگا۔ ازواج مطہرات کی اس میں شمولیت نہیں ہے۔ لیکن نص قرآنی اور روایات کی روشنی میں دیکھا جائے تو ازواج مطہرات اور داد اولاد سبھی اہل بیت میں آتے ہیں اقبال سہیل نے اسی نقطہ نظر کی تائید کی ہے جو متوسط موقف ہے۔ لکھتے ہیں:

اور جو چار بناتِ نبی ہیں اور جو سب زوجاتِ نبی ہیں
ان کی طہارت آیہ محکم صلی اللہ علیہ وسلم

یہ شعر آپ کے وسعتِ مطالعہ پر دال ہے۔ یہ نقطہ نظر وہی منظوم کر سکتا ہے جس کی قرآن کریم، حدیث اور تاریخ پر نظر ہو، اقبال سہیل دقت نظر اور وسعتِ نظر دونوں سے سرفراز تھے۔ انھوں نے اس نعت میں مفاہیم قرآن کو سمونے کی کوشش کی ہے۔ اس تاریخ سے باخبر تھے کہ صحف سماویہ اور انبیاء ورسل کی روایات میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد مبارک کا ذکر موجود ہے۔ قرآن کریم میں اس کے اشارات ملتے ہیں۔ سورہ الصّف میں ارشاد ربانی ہے "**مبشراً برسول ياتى من بعدى**

اسمہ احمد"(الصّف:٦١/٦)[اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تو تمہیں خوشخبری سنانے والا ہوں جس کا نام احمد ہے] اس آیت کریمہ اور اس سے قبل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد مبارک کے متعلق جو کچھ آیا ہے وہ سب آپ کے حیطہ مطالعہ میں موجود ہے۔ فرماتے ہیں ؎

جس کی ہراول فوج سلیماں، جس کے منادی موسیٰ عمراں
جس کے مبشر عیسیٰ مریم، صلی اللہ علیہ وسلم

موج کوثر کا بنیادی امتیاز یہ ہے کہ لفظیات کا ایک جلیل القدر اور جامع فرہنگ ہے۔ اگر قاری عربی زبان وادب سے عاری ہے تو وہ اس فرہنگ جلیل سے محروم ہوگا۔ موج کوثر کے ادبی ولسانی امتیازات اس کی دسترس میں آنے سے رہے۔ یہ نعت فکر وفہم کے اعتبار سے جہاں بلندیوں پر فائز ہے وہیں مفردات کی ایک دنیا اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ ہر لفظ کی ایک ادا، باطن اور مزاج ہوتا ہے اگر قاری کو لفظوں کے مزاج، اندرونی سماں، داخلی توڑ پھوڑ اور حسن لطیف اور باغ و بہار سے واقفیت نہیں ہے تو مضامین کے محاسن اور لسانی اتار چڑھاؤ اس کی گرفت میں آنے سے رہے۔ اقبال سہیل کے استحضار میں ایک دنیا آباد تھی۔ الفاظ کے مناظر ان کے فکر کا حصہ تھے بلکہ یہ کہنا مناسب ہے کہ اقلیم مفردات کے عناں گیر تھے۔ یہاں اس نعت کے چند قرآنی مفردات کو موضوع بحث بنا کر یہ دکھانے کی کوشش کی جائے گی کہ اس نعت کے تانے بانے میں مفردات قرآنی کا کتنا اہم رول ہے۔ اور صانعِ نعت کو ان پر کس قدر دست رس حاصل ہے۔ اس نعت کا ایک شعر ہے ؎

جسم مزکیٰ، روح مصور، قلب مجلی، نور معطر
حسن سراپا خیر مجسم، صلی اللہ علیہ وسلم

اس شعر کو درست پڑھنا اور اس میں مذکورہ الفاظ کی درست قرات اسی وقت ممکن ہے جب کہ قاری کی عربی زبان وادب بالخصوص قرآنی کلمات پر اس کی گہری نظر ہو۔ یہاں تمام لفظوں کے حقائق کی تقدیم ممکن نہیں ہے صرف "جسم مزکیٰ" پر گفتگو مقصود ہے۔ مزکیٰ دراصل زکا یز کو سے ہے جو پودوں کی نشو ونما کے لیے آتا ہے۔ ایسا پودا جو اپنی ابتدائی Groth میں خوبصورت اور دنیاوی آلائشوں سے پاک ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں مختلف حوالوں سے مختلف انداز میں آیا ہوا ہے۔ اردو میں بھی اس کا استعمال بکثرت ہے مثلاً ذکاوت ہے۔ زکوٰۃ اسی سے مشتق ہے۔ زکاۃ کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مال واسباب، نجاست وغلاظت سے پاک ہوجاتا ہے۔ زکوٰۃ خود انسان کو آفات وبلیات سے محفوظ کردیتی ہے۔ مال اور صاحب مال دونوں کو چمکا دیتی ہے۔ قرآن کریم میں اس لفظ کو لاکر آلائش

نفس کو دور کرنے کا طریقہ بنایا گیا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی کی کتاب ''تزکیہ نفس'' اس سلسلے کی ایک مستند کڑی ہے۔ اس میں اصلاح نفس کا قرآنی طریقہ کار بتایا گیا ہے جو صوفیۂ کرام کے مناہج سے مختلف ہے۔ گویا اقبال سہیل اس لفظ کو لاکر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "**جسم مزکی**" ملا ہوا تھا جو تمام تر آرائشی ذرات سے صاف تھا اس کی نظافت عدیم النظیر تھی۔ سورۃ الشمس میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اخروی کامیابی کا حق دار وہ ہے جو اپنے دل کی صفائی، منجھائی اور گھسائی پر توجہ منعطف کرتا ہے اور جو اس کے تزکیہ وتصفیہ پر زور نہیں دیتا ہے اس کا نتیجہ اخروی خسران مبین ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

قَدۡ أَفۡلَحَ مَن زَكَّاهَا. وَقَدۡ خَابَ مَن دَسَّاهَا ۔ (الشمس: ۹۱/ ۹)

یقیناً وہی کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کی دھلائی کی اور وہ ناکام ہوا جس نے اسے (غبار سے) آلود کیا۔

اس نعت کا ایک شعر یوں ہے:

بزم ملل تھی نظم سے خالی بکھرے تھے حق کے لآلی
اس نے کیے سب آ کے منظّم صلی اللہ علیہ وسلم

اس میں لفظ ''لآلی'' آیا ہوا ہے۔ یہ لفظ واحد کی صورت میں قرآن کریم میں چھ بار آیا ہے۔ یہ در اصل ''لؤلؤ'' اور لآلی اس کی جمع ہے۔ اس کا معنی موتی ہے۔ یہاں لآلی سے مراد شریعت غرہ اور اس کے احکام مراد ہیں جو تمام شکوک وشبہات سے پاک تھے بالکل موتیوں کی طرح واضح اور چمک دار تھے۔ ذہن انسانی کے مطابق تھے۔ اگر کوئی شریعت فطرت انسانی سے متصادم ہو تو اسے باعتبار احکام لآلی سے تشبیہ نہیں دیں گے۔ حق واضح ہوتا ہے، کفر ظلمت کا پشتارہ ہوتا ہے قرآن کریم میں اہل حقیقت کی خدمت پر مامور لڑکوں کو "**کأنهم لؤلؤ مکنون**" (الطور: ۵۲/ ۲۴) کہا گیا ہے۔ یہ صرف موتی ہی نہیں ہیں بلکہ ایسے موتی جو درِ نایاب ہیں۔ آنکھوں نے ان کا دیدار نہیں کیا ہے۔ انھیں حقیقت کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ اسی طرح اہل جنت کو پیش کی جانے والی حوروں کو "**اللولؤ المکنون**" کہا گیا ہے ان کا مشاہدہ اور ان کے محاسن سے لطف اندوزی صرف جنت میں ہوگی۔ اقبال سہیل قرآنی مفردات کے رموز سے خوب واقف تھے جس کا اظہار اس نعت سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الرحمٰن میں اپنے عجائب، صناعیوں اور نیرنگہائے کائنات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

يَخۡرُجُ مِنۡهُمَا اللُّؤۡلُؤُ وَالۡمَرۡجَانُ ۔ (الرحمٰن: ۵۵/ ۲۲)

ان دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے برآمد ہوتے ہیں۔

اس نعت کا ایک شعر ہے:

اسوۂ اجمل، دین ممثّل، نطق مدلّل، وحی منزل
شرع معدل، سلم مسلم، صلی اللہ علیہ وسلم

یہاں ''سِلم مسلم'' کا مفہوم جاننے کے لیے ضروری ہے کہ مفردات القرآن کے ساتھ اس کی نعت پر گہری نظر ہو۔ یہ دراصل اسلام سے مشتق ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے پورے وجود، اپنے فکری اطراف اور اپنے مادی اسباب کو اللہ کے سپرد کر دینے کا نام اسلام ہے۔ اس میں ذرہ برابر چوں چرا کی گنجائش نہیں۔ قرآن کریم میں اس کی ایک تصویر یوں ہے: **قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا** ۔ (الحجرات:۴۹/۱۴)[اجڈ دیہاتیوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے، کہہ دو کہ تمہارا ایمان غیر معتبر ہے بلکہ تم سب "**اسلمنا**" کہو کہ ہم اسلام لے آئے۔] اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب منافقین عرب نے یہ کہا کہ ہم ایمان لائے تو ان سے کہا گیا کہ تمہارا ایمان اسی وقت معتبر ہوگا جب آمنا کے ساتھ ''اسلمنا'' بھی کہو یعنی تمہارے ایمان کا مفہوم یہ ہو کہ تم نے پوری طرح اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا ہے۔ تمہاری مرضیات و منہیات احکام الٰہی کے مطابق کارفرما ہوں گی۔ اس سپر ربانی کا ذکر قرآن کریم میں مختلف مقامات پر آیا ہے لیکن اس کی تفصیل میں نہ جاتے ہوئے حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی جامع دعا کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلم کیا ہے اور اسلام کسے کہتے ہیں: "**ربنا واجعلنا مسلمين لك ومن ذريتنا أمة مسلمة لك**" (البقرہ:۲/۱۲۸) [اے ہمارے پروردگار! آپ ہمیں اپنا فرمانبردار بنائیں اور ہماری ذریت سے ایک ایسی جماعت پیدا کر جو تیری مطیع ہو] اس آیت کریمہ سے پوری طرح اسلام اور صاحبان اسلام کی تصویر ابھرتی ہے۔ یہی تصور اقبال سہیل کے اس شاندار مذکورہ بالا شعر میں موجود ہے۔ لفظ سلم آیت کریمہ میں یوں آیا ہوا ہے۔ "**ادخلوا في السّلم كافة**" (البقرۃ:۲/ ۲۰۸) یہاں سلم کے ساتھ ''کافۃ'' آیا ہوا ہے جس کی توضیح یہ ہے کہ دین اسلام میں داخل ہوتے ہوئے کوئی لاگ ولپیٹ نہ ہو بلکہ اپنے تمام ذہنی و مادی وجود کو اللہ کے آگے ڈال دیا جائے۔ یہ سب مفاہیم اقبال کے ذہن میں موجود تھے۔ یہی بات حدیث میں یوں بھی ہے کہ کفر اور ایمان ایک ساتھ کسی دل میں مجتمع نہیں ہو سکتے۔ ایک شعر ہے ؎

عالم ناسوتی کا مجاہد، شاہد لاہوتی کا مشاہد
شان میں ارفع، صبر میں اقوم، صلی اللہ علیہ وسلم

اس میں دو قرآنی لفظ ''ارفع'' اور ''اقوم'' آیا ہوا ہے۔ یہاں ارفع اسم تفضیل کو لاکر آپ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی رفعت وسطوت کو بتانا مقصود ہے جس کی انتہاء فطرت انسانی سے ماوراء ہے۔ یہ دراصل ایسی تلمیح ہے جو سورۃ الانشراح کی طرف پلٹتی ہے جب تک قاری کے پیش نظر آیت کریمہ "**وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ**" (الانشرح:۹۴/۴)[اور ہم نے تمہارے لیے تمہارے ذکر کو رفعت بخشی] نہ ہو اس وقت کی تہہ داریوں کی معرفت محال ہے۔قرآن کریم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفعت منزل کا ذکر "**مقاماً محموداً**" کہہ کر بھی کیا گیا ہے جس کی توضیح مولانا آزاد نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں جامع انداز میں کی ہے۔ یہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقام صبر کی تشریح کے لیے علامہ نے ''اقوام'' کا لفظ استعمال کیا جو اسم تفضیل ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو بھی ''اقوم'' کہا ہے۔جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ تنزیل الٰہی تمام معائب، نقائص اور خامیوں سے پاک ہے۔ بالکل ابتداء ہی میں صراحت کردی گئی کہ "**ذلك الكتاب لاريب فيه**" [یہ وہ کتاب ہے جو ہر شک سے پاک ہے]اسی طرح **قُرآناً عَرَبِيّاً غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ**۔ (الزمر:۳۹/ ۲۸)[یہ قرآن عربی بدون نقص ہے تا کہ لوگ تقویٰ اختیار کریں۔] کہہ کر قرآن کریم کو ایک صاف وشفاف کتاب قرار دیا گیا کہ اس میں کسی طرح کی کجی نہیں ہے۔ بالکل کتاب راست ہے۔اسی لیے رہتی دنیا تک کے لیے یہ تحدی موجود ہے کہ عرب وعجم میں کوئی ایسا نہیں جو اس جیسی کتاب اور اس کی آیات کریمہ میں کوئی ایک آیت کریمہ لا سکے۔مولانا داؤدا کبر اصلاحی نے اس موضوع پر ''قرآن مجید کا چیلنج'' کے عنوان سے مدلل مضمون تحریر کیا ہے۔جس کی مثال سے دنیائے قرآنیات خالی ہے۔مولانا کی یہ کتاب اب ''مولانا داؤدا کبر اصلاحی کے قرآنی مقالات'' میں شامل ہے۔''اقوم'' کا مفہوم بہت جامع اور وسیع ہے۔اس لفظ کی معاونت سے اقبال سہیل نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صبر کی تشریح کی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صبر مجسم تھے۔اس لفظ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمال صبر کی مکمل تشریح سامنے آجاتی ہے۔قرآن کریم میں یہ لفظ اس طرح آیا ہوا ہے:

إِنَّ هٰـذَا الْـقُرْآنَ يِهْدِئ لِلَّتِىْ هِىَ أَقْوَمُ۔ (الاسراء:۹/۱۷)	بے شک یہ قرآن ایک ایسی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو نہایت راست ہے۔

اس "**أقــوم**" سے اللہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ طریق قرآنی تمام خطرات اور کج رویوں سے پاک ہے وہ ایک مستحکم مناسب ترین کتاب ہدایت ہے۔اور تمام آلائشوں سے لاتعلق ہے۔اسی لیے اسے صراط مستقیم اور سواء السبیل کہا گیا ہے۔ جو تمام کھٹکوں سے دور ہے۔ بالکل اس مصرعہ کے مطابق کہ ''راستہ سیدھی سڑک ہے، اس میں کچھ کھٹکا نہیں'' بس۔اقوم کی تشریح کے لیے پورا دفتر درکار

ہے۔اس نعت کا ایک شعر یوں ہے:

سید بطحی، مخبر صادق، عروۂ وثقی، مصحفِ ناطق
برزخ کبری، آیۂ محکم، صلی اللہ علیہ وسلم

اس شعر کی تمام تر اکیب عربی مفردات پر مبنی ہیں۔لیکن یہاں صرف "عروۃ وثقی" پر روشنی ڈالی جائے گی۔یہاں یہ صراحت باعثِ افادیت ہے کہ شیخ جمال الدین افغانی نے پیرس سے ''العروۃ الوثقی'' کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا تھا جس کی ادارت کی ذمہ داریاں آپ کے شاگرد شیخ محمد عبدہ پر تھیں۔ عروۃ وثقی دو مرتبہ قرآن کریم میں آیا ہے۔عروہ اس پیچ کو کہتے ہیں جو دو رسیوں کو ایک دوسرے پر چڑھایا جاتا ہے۔وثقی کا مضبوط، مستحکم اور ٹھوس مفہوم ہے۔عروۃ وثقی کہہ کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی استقامت کی نظیر ملنی مشکل ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پائے استقلال میں کبھی لرزش نہیں آئی۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پائے ثبات کو ارتعاش لاحق ہو یہ ممکن نہیں۔صاحب ایمان پر لرزہ صرف خوفِ خداوندی سے پیدا ہوتا ہے۔قرآن کریم نے ان مومنین کی کس قدر بلیغ تصویر کشی کی ہے۔"**اذا تتلی علیهم آیات الرحمن خروا سجداً و بکیا**" [ان کے سامنے جب جب اللہ رحمٰن کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی تھی یہ سجدہ کرتے اور روتے گڑگڑاتے گر پڑتے]۔قرآن کریم میں تعلق باللہ کو عروۃ وثقی کہا گیا ہے۔اس سے جڑنے اور ''حبل من اللہ'' کے بگڑنے سے انسان تمام خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔طاغوتی قوتیں اس سے دور بھاگتی ہیں کیوں کہ ذات الٰہی اس کی معاون ومحسن بن جاتی ہے۔اسی لیے اللہ کو "**خیر الناصرین**" (تمام معاونین سے بہتر ترین معاون) کہا گیا ہے۔عروۃ وثقیٰ کی جامعیت کی معرفت مطالعۂ قرآن کے بغیر ممکن نہیں۔ارشاد ربانی ہے:

وَمَن يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ (لقمان:۲۲/۳۱)	اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی جانب کردے تو وہی نیکوکار ہے پس یقیناً اس نے مضبوط کڑا تھام لیا۔

یہاں عروۃ وثقی قرآن کی زبان میں ''حبل اللہ'' ہے۔اسی لیے اطاعت خداوندی کا تصور اطاعت رسول کے بغیر ہرگز نہیں۔دونوں ایک دوسرے سے مشروط ہیں۔اسی لیے قرآن کریم نے اسے مضبوطی سے تھامنے کی بات کہی ہے۔

واعتصموا بحل الله جميعاً ولاتفرقوا" (آل عمران:۱۰۳/۳)	اللہ کی رسی کو مل کر پکڑ لو اور انتشار سے بچو۔

اس نعت کا ایک حسین شعر یوں ہے:

دو قبلہ نمائے سجدہ گزاراں: شعلۂ سینا، جلوۂ فاراں
صبح بہاراں جس کا مقدم، صلی اللہ علیہ وسلم

یہ سب قرآنی تلمیحات ہیں، اگر قرآنیات خصوصاً قرآنی قصص پر نگاہ ہو تو ان کی وسعت کی تفہیم میں آسانی ہوگی۔ اس تعلق سے سرسید کے قصص القرآن سے متعلق مقالات اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری کی کتاب ''قصص القرآن'' معاون ثابت ہوگی۔ قصص القرآن کے باب میں مزید معلومات کے لیے راقم کی دو کتابیں ''قرآنی مضامین کا اشاریہ'' اور ''کتابیاتِ قرآن'' دیکھی جا سکتی ہیں۔ قرآنیات کے طلبہ کے لیے راقم کی یہ دونوں کتابیں باعث افادیت ہوں گی۔ یہ وہی شعلۂ سینا ہے جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر دیکھا تھا۔ شعلۂ سینا ہی تو جلوۂ ربانی ہے جس کا مشاہدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ اسی جلوۂ ربانی نے آپ کو قبولیت سے سرفراز کیا۔ اگر یہ تمام اکناف قاری کے ذہن میں نہ ہوں تو شعلۂ سینا کے مفہوم تک رسائی مشکل ہوگی۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر کئی سورتوں میں آیا ہے:

آنَسَ مِن جَانِبِ الطُّورِ نَاراً (القصص:۲۸/۲۹) — تو وہ کوہ طور کی جانب دکھائی دینے والی آگ کے مشتاق ہوئے۔

سورہ النمل میں اسی واقعہ کا ذکر اس انداز سے ہے:

إِذْ قَالَ مُوسَى لِأَهْلِهِ إِنِّيٓ آنَسْتُ نَاراً (النمل:۲۷/۷) — تو موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ ٹھہروا! میں نظر آنے والی آگ کا فریفتہ ہو گیا ہوں۔

اس نعت کا ایک شعر یوں ہے:

خلقِ خدا کا راعیٔ آخر، دینِ خدا کا داعیٔ آخر
جس کی دعوت اسلم تسلم، صلی اللہ علیہ وسلم

یہاں ''راعیٔ آخر'' پر قدرے روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔ ''راعی'' کا لغوی مفہوم چرواہا ہے جو اپنی بکریوں کو چراتا اور ان کی دیکھ ریکھ اس طرح کرتا ہے کہ خوں خوار جانوروں کی قاتلانہ حملوں سے وہ محفوظ رہیں۔ وہ ان کے کھانے پینے، ان کی تکالیف اور ان کی اذیتوں کا خیال رکھتا ہے۔ وہ چرتی ہیں خود اپنے ڈنڈے کی سہارے شدید تپش میں کھڑا رہتا ہے۔ اسی لیے ''عصائے موسیٰ'' کے لیے "ولی

فیہ مآرب اخری" [میرے لیے اس میں بے شمار فوائد ہیں] کہا گیا ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اس طرح خلقت خداوندی کی فکر تھی وہ اسے اندھیروں سے نکال کر اجالوں میں لانے کے لیے فکر مند رہتے۔وہ انھیں کفر وشرک کی آلائشوں سے نکالنے کے لیے کوشاں رہتے۔بتوں کے آگے جھکنے سے انھیں روکنے کے لیے اپنی تمام جدوجہد کو لگا دیتے۔ہر وقت قومی درد سے تڑپتے رہتے۔قرآن کریم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس درد کی تصویر اس طرح پیش کی ہے۔ "**فلعلك باخع نفسك علی آثارھم**" (الکھف:۶/۱۸)[تو کیا آپ ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے۔] چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اضطراب اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے قراری کا مشاہدہ ''راعی'' سے کیا جا سکتا ہے۔جس طرح چرواہا اپنے ریوڑ کی نگہہ داشت میں ہر وقت آنکھیں کھولے رہتا ہے اسی طرح ایک نبی اپنی قوم کی نگرانی میں ہر وقت چاق و چوبند رہتا ہے۔اس کا یہ انہماک اسے گلا کر، پگھلا کر رکھ دیتا ہے۔یہود و نصاریٰ عداوت کی وجہ سے قوم کے راعی اور نگہہ داشت کہنے کے برعکس اپنا "**راعینا**" کہا کرتے تھے جس میں تخفیف و تحقیر کا اسلوب ہے۔اسی چیز کو قرآن کریم میں "**راعنا**" یعنی ہمارا خیال رکھیں کہا گیا ہے۔جس کو بوجہ عناد "**راعینا**" پڑھا کرتے تھے۔قرآن کریم نے ان کے اس نفاق و عناد اور غل وغش کو روکنے کے لیے فرمایا کہ اس کے بجائے "**انظرنا**" کہا جائے کیوں کہ ''راعنا'' کا مفہوم اس کے اندر موجود ہے۔ارشاد ربانی ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا اُنْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْکَافِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (البقرہ:۲/۱۰۴)

اے ایمان والو! تم ''راعنا'' مت کہو اور ''انظرنا'' کہو اور سن لو کہ کفار کے لیے دردناک عذاب ہے۔

راعیٔ آخر کی ایک تاریخ ہے جس کا اندازہ اردو قارئین کو نہیں ہوسکتا۔اس لفظ کے پیچھے ایک تاریخ ہے جسے مفسرین نے بیان کیا۔اس نعت کی اس خصوصیت سے اگر ہم واقف نہیں ہیں تو اس کی اساسی عظمت کو پکڑنا آسان نہیں ہے۔

اس نعت میں اور بھی بہت سے قرآنی مفردات ہیں جن پر یہ نعت ٹکی ہوئی ہے۔یہی اسلوب نعت کی تحسین و تزئین کا ضامن ہے۔یہی اس کی فکر، اس کی شناخت اور حقیقی اساس ہے۔اس نعت کا دوسرا امتیاز عربی کلمات ہیں اس کی وجہ سے اس میں ایک حسن اور ایک خوب روئی پیدا ہوگئی ہے۔قارئین کرام کے لیے ضروری ہے کہ ان الفاظ کی روح اور ان کے مفاہیم و معانی تک رسائی حاصل کریں۔اس مضمون میں اس طرح کے الفاظ کو موضوع بحث بناتے ہوئے ان کی تفسیر و تشریح کرنے کی

کوشش کی جائے گی۔اس تعلق سے ایک شعر ملاحظہ ہو:

ربط وتصادم، بلوغ وتحکم فقر وتنعم ، عدل وترحم
سب کے حدود بتائے باہم،صلی اللہ علیہ وسلم

مذکورہ بالا شعر میں آٹھ الفاظ ہیں جو سب کے سب عربی کے ہیں۔اور تصادم کے علاوہ سب کے سب کسی نہ کسی صورت میں قرآن کریم میں موجود ہیں ربط کا لفظی مفہوم باندھنا اور Tight کرنا ہے اسی طرح ٹائی کے لیے عربی میں ''رباط العنق'' آتا ہے۔سلیقے سے باندھے ہوئے گٹھر کو ربط کہا جاتا ہے۔بالکل اسی مفہوم میں قرآن کریم میں آیا ہوا ہے:

وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ لَن نَّدْعُوَ مِن دُونِهِ إِلَهاً لَقَدْ قُلْنَا إِذاً شَطَطاً (الکہف:۱۸/۱۴)

ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے جب کہ یہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے ناممکن ہے کہ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکاریں،اگر ایسا کیا تو ہم نے نہایت غلط بات کہی۔

ربط کے بعد تصادم کا لفظ آیا ہے جو اس کی ضد ہے۔اقبال سہیل کا کہنا ہے کہ جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اصحاب ایمان کے دلوں کو جوڑا ہے۔اسی طرح دشمنانِ اسلام سے ٹکر ہونے کے بعد ان کو شکست بھی دی ہے۔قرآن کریم کی زبان میں یہی جہاد ہے۔جس کے متعلق قرآن کریم میں اللہ کا یہ بھی حکم ہے کہ جہاد اس وقت تک کیا جائے کہ اللہ کی یہ سرزمین تمام فتنوں سے پاک ہوجائے اور اس پر انسانیت کا راج ہو۔ جدید عربی زبان میں Accident کے لیے ''مصادمۃ'' آتا ہے۔اس کا لفظی مفہوم اچانک ٹکرانا ہے۔اس کے بعد ''بلوغ وتحکم'' ہے۔ بلوغ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ کی طاعت کی ہے۔اللہ کے حکموں کے مطابق اپنی زندگی بسر کی اور اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی راہ اطاعت پر لگایا۔اور انھیں بھی شریعت اسلامی کے مطابق ریاست اسلامی کے قیام کی نصیحت کی۔ چنانچہ خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ریاست اسلامی کی تنظیم میں ایک نمونہ قائم کیا۔اس کے بعد ''فقر وتنعم'' کی ایک تاریخ رقم کی۔اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ فقر وفاقہ کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔فقر کا مفہوم خود کو بھوکا رہنے یا چیتھڑوں میں لپٹے رہنے کا نہیں ہے بلکہ جب جب اشاعت اسلام میں مشکلات آئیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قوت برداشت اور کمالِ ضبط کی ایک مثال قائم

کردی۔ فقر کا جو تصور تصوف لٹریچر میں ہے وہ قرآن کریم کی آیت کریمہ **"واما بنعمة رب فحدث"** کے برعکس ہے۔ گویا مفہوم یہ ہے کہ اگر اللہ نوازتا ہے تو اس نوازش کے بعد بھی فقر و فاقہ کا دامن نہ چھوڑنا خلاف اسلام ہے اسی لیے اقبال سہیل نے اس کے ساتھ تنعم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کہ فقر و افلاس کے بعد حالات سازگار ہوں تو ان نعمتوں سے متمتع ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لاؤ لشکر اور قوت و اقتدار کے پیش نظر اللہ کے حضور دست بدعا ہوئے:

وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيْ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صٰلِحاً تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ (النمل: ۲۷/۱۹)	اور انھوں نے کہا! اے رب مجھے توفیق دے کہ تو نے اپنی جس نعمت سے مجھے اور میرے والدین کو سرفراز کیا میں نیک عمل کر سکوں جو تمہاری مرضی کے مطابق ہو اور تو اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے۔

علامہ اقبال کی شاعری میں فقر کا ایک واضح تصور موجود ہے۔ اقبال کی نثر سے بھی واضح ہے کہ وہ متصوفین کے فقر اور عجمی فقر کے سخت مخالف ہیں ان کے نزدیک صوفیہ کرام کا فقر رہبانیت سے عبارت ہے جو انسان کو گوشہ نشینی سکھاتا ہے معاشرتی اقدار سے کٹ کر کھوہ و غار کی سکونت کو ترجیح دیتا ہے۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں جس فقر کو موضوع بحث بنایا ہے وہ اسلامی مزاج کے برعکس ہے۔ قرآن کریم میں صوفیانِ نصاریٰ کے لیے ''رہبان'' کا لفظ آیا ہے۔ اسی رہبان سے رہبانیت ہے جس کا مفہوم معاشرتی انقطاع ہے۔ دنیاوی آسائشوں کو حقارت سے دیکھنا رہبانیت ہے۔ رہبانیت اور فقر دونوں مترادف ہیں۔ علامہ اقبال نے عیسائی فقر، متصوفانہ فقر اور عجمی فقر کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ اقبال کا فقر معاشرتی اقدار سے لاتعلق ہونے کو ناپسند کرتا ہے۔ فقر اقبال جہاد کی بات کرتا ہے۔ دشمنانِ انسانیت سے ستیزہ کار ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ فقر اقبال شاہین ہے، یہ فقر نفس پرستی سے انسان کو روکتا ہے، لیکن نفس کو مارنے کی قطعاً تعلیم نہیں دیتا۔ علامہ نے اس کلیسائی فقر کی اس طرح ترجمانی کی ہے۔

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی
سماتی کہاں اس فقیری میں میری
خصومت تھی سلطانی و راہبی میں
کہ وہ سربلندی ہے یہ سرپزیری

قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان متبعین کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔ جنھوں نے

رہبانیت کو اپنا ضابطۂ حیات بنالیا۔ قرآن کریم نے ان کے اس خود ساختہ کردار کو بدعت قرار دیا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: "رهبانية ابتدعوها ما كتبنا عليهم" (الحدید: ۵۷/ ۲۷)[ہاں رہبانیت، اور ترک دنیا تو انھوں نے خود ایجاد کر دی تھی، ہم نے ان پر اسے واجب نہ کیا] اس آیت کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ متصوفانہ فقر کا تعلق اسی عیسائی رہبانیت سے ہے۔ اس کا اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ اقبال کے قرآنی فقر اور صوفی فقر میں کیا بنیادی فرق ہے۔ علامہ نے خود اس کی تشریح کر دی۔

''قرآن کا فقر زندگی کا احتساب کرتا ہے، وہ (تصوف کا) عجمی فقر نہیں جو مستی اور رقص و نغمہ سے عبارت ہے۔ مومن کا فقر کیا ہے؟ تسخیر عالم، اس کی تاثیر سے بندے کے اندر صفاتِ خدا کا ظہور ہوتا ہے۔ کافر کا فقر (خلوت کی طلب میں) صحرا نوردی ہے، جب کہ مومن کے فقر سے بحر و بر کانپتے ہیں، کافر غار و کوہ کے سکون کو زندگی سمجھتا ہے اور مومن کے نزدیک شان و شوکت کے ساتھ جان دے دینا زندگی ہے۔ کافر ترک بدن کے ذریعہ خدا کا طالب ہوتا ہے جب کہ مومن حق کی سان پر خودی کو چڑھا کر اس کو تلاش کرتا ہے، وہ خودی (یعنی نفس) کو (ریاضتِ شاقہ کے ذریعہ) جلا کر مار ڈالتا ہے، جب کہ مومن (نفی خودی کے بجائے) اس کو چراغ کی طرح روشن رکھتا ہے۔ فقر جب آسمان کے نیچے مکمل طور پر ظاہر ہوتا ہے تو اس کی ہیبت سے چاند اور سورج کانپ جاتے ہیں۔ اس فقر عریاں کی مثال بدر و حنین کی گرمی جنگ اور (کربلا کے میدان میں) تکبیر حسین کا غلغلہ ہے۔ جب تک فقر میں ذوقِ عریانی نہ ہو تو یہ جلال کسی مسلمان کی زندگی کا حصہ نہیں ہوتا''۔

(اقبال کے بنیادی افکار، الطاف احمد اعظمی، فرید بک ڈپو، (پرائیویٹ)، لمیٹڈ، دریا گنج، نئی دہلی، ص: ۱۷۹)

اسی مصرعہ کے آخر میں ''عدل و ترحم'' آیا ہوا ہے عدل و انصاف کی ایک مکمل تصویر سیرت مقدسہ میں موجود ہے کیوں کہ اللہ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ (النساء: ۴/ ۵۸)	اور جب تم سب لوگ بندوں کے درمیان فرمانروائی کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

جس طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عدل کی راہ میں کسی چیز کو آڑے آنے نہیں دیتے تھے۔ اسی طرح ترحم و تلطف میں اپنی مثال آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفقت و محبت میں کوئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہم سری کرنے سے قاصر تھا۔ جنگ کے قیدیوں کے لیے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمان جاری کیا کہ "انتم الطلقاء" کہ تم سب آزاد ہو،

جب کہ دشمنانِ اسلام اپنے کرتوتوں کی بنیاد پر یہ کہہ رہے تھے کہ اب ہماری قسمت میں گردن زدنی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ لیکن سیرت مقدسہ میں انتقام کا تصور نہیں بلکہ جہاد کا تصور ہے جسے مخالفین اسلام نے کچھ سے کچھ بنادیا ہے۔ قرآن کریم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کرم فرمائیوں کی تصویر کشی کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اس کا تعلق جملہ انسانیت سے ہے۔ "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" (الانبیاء: ۲۱/۱۰۷) اور کیا ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث نہیں کیا ہے۔ اقبال سہیل نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اس انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے ؎

بعد خدا ہر ایک سے افضل، اشرف واکمل، اطیب واجمل
اصدق واعدل، اجود واحکم، صلی اللہ علیہ وسلم

اس شعر میں نو قرآنی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور سب کے سب اسم تفضیل ہیں۔ ایک وضاحت ضروری ہے کہ الفاظ میں ترادف نہیں ہوتا بلکہ معانی کے اعتبار سے ہر لفظ کی اپنی معنویت، اپنی انفرادیت اور اپنی خاصیت ہے۔ معروف ادیبہ بنت الشاطی نے اپنی کتاب ''اعجاز البیان القرآنی'' میں اس موضوع پر قابل قدر روشنی ڈالی ہے۔ بالخصوص لفظ ''نعیم'' کی آپ نے دانشورانہ تشریح کی ہے۔ اسی لیے ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے اسے اردو میں منتقل کر کے ایک اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ بظاہر بین الالفاظ ترادف نظر آتا ہے لیکن دقت نظر سے دو لفظوں کے مابین فرق کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ یہی اختلاف لفظ ومعنی لسانیات کی روح ہے اور اس روح کے بغیر فروق الفاظ کو برتا نہیں جاسکتا۔ افضل کا مفہوم یہ ہے کہ جو اپنے فضائل وشمائل کے اعتبار سے لوگوں میں برتر ہو۔ اشرف کا مفہوم یہ ہے کہ جو اپنے حسب ونسب میں اعلیٰ وافضل ہے۔ اکمل کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بتایا جائے گا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کے جس پہلو کا جائزہ لیا جائے وہ پوری طرح مکمل ہے اس میں کہیں کوئی نقص نہیں۔ اطیب کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو جس زاویے سے دیکھا جائے خوشگوار احساس ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یکتائیت حاصل ہے۔ اسی طرح ظاہری اعتبار سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام اعضاء میں ایک کشش ہے۔ احادیث میں موجود ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھنے والا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن وجمال میں کھو جاتا۔ اطیب واجمل کے لفظ سے یہ وضاحت مقصود ہے کہ باطنی اور ظاہری دونوں اعتبار سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت فقید المثال تھی۔ اصدق کہہ کر یہ اشارہ

کرنا چاہتے ہیں کہ صدق وصداقت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ تنہا تھی۔اسی طرح عدل وانصاف میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت اپنی مثال آپ تھی۔اجود کی تفسیر یہ ہے کہ عطاء وبخشش میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا موازنہ کسی سے ممکن نہیں،اسی طرح حکمرانی میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہمسر تلاش کرنا بے سود ہے۔اجود کے علاوہ تمام کلمات قرآن کریم میں آئے ہوئے ہیں۔اگر قاری قرآنیات اور عربی لغات سے واقف نہیں ہے تو سیرت مقدسہ کی اکملیت وافضلیت کی تفہیم اس کے لیے ممکن نہیں ہے۔اقبال سہیل نے عربی الفاظ کی مدد سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوبصورت تصویر گری اور تصویر کشی کی ہے۔اسی طرح ایک دوسرا شعر اس طرح ہے:

کنز دقائق، حصن حقائق، جانِ حدائق، روح خلائق
سب پر فائق سب پر اقدم صلی اللہ علیہ وسلم

یہ شعر لفظی اور معنوی حیثیت سے بام عروج پر ہے۔تراکیب میں ایسا جمالیاتی پہلو کہ پڑھتے ہوئے کیف وانبساط طاری ہوجاتی ہے۔اگر قاری ان الفاظ کے بواطن اور حقائق سے واقف نہیں ہے تو اس شعر کے محاسن سے محظوظ نہیں ہوسکتا۔اس طرح کا شعر دنیائے نعت میں ملنا آسان نہیں ہے۔اقبال سہیل کو یہ معنوی عظمت انھیں ادارہ سرسید،صحبت شبلی اور تلمذ فراہی سے ہاتھ آئی ہے۔''کنز دقائق'' کہہ کر یہ تفسیر مقصود ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت اسرار ورموز اور حکم وجواہر کا گنجینہ تھی،حصن حقائق کہہ کر یہ تفصیل دینا چاہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حقائق اور سچائیوں کا تاج محل تھے۔گلستانِ کائنات کی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روح تھے۔گلستانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ہر گلستاں بے معنی اور غیر پر کیف،اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح خلائق کہہ کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ملل واقوام کے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سردار تھے۔اس سیادت کے بغیر کسی بھی ملت کا وجود بے مقصد ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر شخص پر اولیت حاصل ہے۔اسی کی مزید وضاحت کے لیے علامہ نے ''اقدم'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی افضلیت کی تفسیر مراد ہے۔غیر عربی داں ان لفظوں کی تصاویر کی شناخت سے عاجز ہوگا اور یہ عجز اسے سرور کائنات کے خصائل وشمائل کے ادراک سے محروم رکھے گا۔ایک شعر اسی تناظر میں مزید حاضر ہے ؎

الفتِ قربیٰ، قطع علائق، حب وطن اور حب خلائق
کردیئے سب توحید میں مدغم، صلی اللہ علیہ وسلم

اس کی ابتدائی ترکیب ''الفت قربیٰ'' ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بنیادی شناخت بکھرے

ہوئے برسرِ پیکار عربوں کی جوڑنا اور آپس میں ملانا تھا۔قرآن کریم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تحریک تالیف قلب کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے:

إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً۔ (آل عمران:۳/۱۰۳)

(یادکرو) جب تم (آپس میں) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔

ایک تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمومی الفت ومحبت کا ماحول برپا کیا، بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا عمودی کردار ہی محبت وعقیدت ہے اسی طرح قرآن وحدیث میں رشتوں کو جوڑنے کی تعلیم دی گئی ہے، اسلام صلہ رحمی کا داعی اور قطع رحمی کا شدید مخالف ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صلہ رحمی پر خاصہ زور دیا ہے۔اللہ کا ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً۔(النساء:۴/۱)

اور اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو، بیشک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اشاعت اسلام کی وجہ سے نہ صرف اہل قریش بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقارب کی جانب سے بڑی مشقتوں اور موانع سے گزرنا پڑا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کم از کم تمہارا مجھ سے خونی رشتہ ہے اس انتہائی عداوت میں تم لوگوں نے اسے بھی فراموش کر دیا جب کہ ان سب کے باوجود اس رشتے کا لحاظ ضروری تھا۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے درد کا یوں اظہار کیا ہے:

قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (الشوری:۴۲/۲۳)

کہہ دو! مجھے اس باب میں تم سے کسی اجر کی طلب نہیں۔

اقبال سہیل کے پیش نظر مذکورہ تمام قرآنی مباحث موجود تھے انھوں نے الفت قربیٰ کہہ کر ان قرآنی مضامین کو اس میں سمیٹ دیا ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پوری سیرت مطہرہ قطع علائق کے خلاف شمشیر برہنہ بنی رہی۔یہ عادتِ سیئہ علامت نفاق ہے جن کی اس فطرت کی عکاسی قرآن کریم نے کی ہے۔اللہ کا ارشاد ہے:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ (محمد:۴۷/۲۲)

اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کردو۔اور رشتے ناطے توڑ ڈالو۔

احادیث میں وطن سے محبت کو جزء ایمان بتایا گیا ہے۔ سیرت مقدسہ کے مطالعہ سے یہ صراحت ملتی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے رگ و پے میں یہ جرثومہ موجود تھا۔ جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہجرت کر کے مدینہ گئے تو انھیں اپنا شہر، اپنے شہر کی فضا اور وہاں کی چیزوں سے قلبی وابستگی ستاتی رہی۔ وطن کی محبت میں کراہتے رہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت صرف اپنے قبیلہ تک ہی محدود نہ رہی بلکہ اس کے ڈوروں میں پوری انسانیت لپٹی ہوئی ہے۔

نیر ساطع، صہر پیمبر، حجتِ قاطع، فاتح خیبر
وہ میدان وغا کے ضیغم، صلی اللہ علیہ وسلم

اس شعر میں اقبال سہیل نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف و توصیف میں ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے آپ کی شخصیت کی مناسب رونمائی ہوتی ہے۔ سیرت مقدسہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خصوصی منزلت حاصل ہے۔ جس کی تشریح ''نیر ساطع'' سے کی گئی ہے۔ احادیث میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو ''اصحابی کالنجوم'' کہا گیا ہے۔ انہی ستاروں میں ایک روشن ستارہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جنھیں سرور کائنات کا داماد ہونے کا شرف حاصل تھا۔ جن کے کردار اور قول و قرار کے لیے اقبال سہیل نے ''حجت قاطع'' کی ترکیب استعمال کی ہے یہ خالصتاً قرآنی ترکیب ہے۔ جسے قرآن کریم نے اس انداز سے بیان کیا ہے۔ **"قل فلله الحجة البالغة فلوشاء لهداكم اجمعين"** (الانعام:۶/۱۴۹) اسی اسلوب کو سورہ النمل میں یوں بیان کیا گیا ہے:

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا أَفْتُونِيْ فِيْٓ أَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْراً حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ (النمل:۲۷/۳۲)	(بلقیس) نے کہا: اے سردار! تم میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو میں کسی امر کا قطعی فیصلہ جب تک تمہاری موجودگی اور رائے نہ ہو نہیں کیا کرتی۔

اقبال سہیل نے قرآنی اسلوب ''حجۃ قاطع'' سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فراست و ذہانت کو بیان کیا ہے۔ اس کی توضیح کے لیے **"انا مدينة العلم وعلى بابها"** (میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) کا سہارا لیا جاتا ہے جو ایک موضوع حدیث ہے۔ آپ کا ایک اہم ترین کارنامہ یہ ہے کہ آپ فاتح خیبر ہیں۔ اسی طرح آپ کی شجاعت کو منظر عام پر لانے کے لیے میدانِ وغا کے ضیغم کہا ہے۔ ضیغم کے مفہوم سے اردو قارئین یوں واقف ہوں گے کہ وہ اسے مراثی اور نوحوں میں بکثرت پڑھتے ہوں گے لیکن ''وغا'' سے وہی واقف ہو سکتا ہے جسے عربی زبان سے واقفیت ہو۔

شافعِ محشر، ماحیِ عصیاں، حامئ مضطر، حارس گیہاں
ساقی کوثر، وارث زمزم، صلی اللہ علیہ وسلم

بالعموم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفیع الامم ہیں۔ اپنی شفاعت سے ملت اسلامیہ کے گناہوں کی معافی فرمائیں گے۔ جب کہ یہ تصور قرآن کریم سے متصادم ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت کا فرمان دربار خداوندی سے صادر ہوگا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا اختیار نہیں کہ جسے چاہیں جنت میں داخل کروادیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: **لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا** (النبا:۸۷/ ۳۸)[اس دن لوگ بات نہیں کریں گے مگر اللہ کی اجازت جس کے لیے ہو اور وہ سچ بولے گا]۔ قرآن کریم میں یہ صراحت ہے کہ بروز قیامت کوئی شخص اللہ کی اجازت کے بغیر نہ تو منھ کھول سکتا ہے اور نہ ہی اس کی زبان کذب بیانی کے لیے آمادہ ہوگی۔ پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے اس مسئلہ پر اپنی تفسیر ''میزان القرآن'' میں مدلل اظہار خیال کیا ہے۔ ''ماحی عصیاں'' کہہ کر یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کی خطاؤں اور ان کی سختیوں کو نظر انداز کر دیتے تھے۔ "ماحی" خالصتاً قرآنی لفظ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے۔"**ویمح اللّٰہ الباطل ویحق الحق بکلماتہ**" (اللہ باطل کو مٹاتا اور اپنی باتوں سے حق کو نمایاں کرتا ہے) حامئ مضطر کہہ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس فطرت کو منظر عام پر لانا ہے۔ پریشاں زدہ لوگوں کی حمایت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شناخت تھی۔ حارسِ گیہاں کی تشریح یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محافظ حوادثِ روزگار تھے۔ آشوب روزگار سے پریشاں حال لوگوں کے نگراں تھے۔ لفظ حارس کی جمع قرآن کریم میں اس طرح آئی ہوئی ہے۔"**وانا لمسنا السماء فوجدناھا ملئت حرساً شدیداً و شھبا**" (الجن:۷۲/ ۸)[اور ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے ہم نے سخت چوکیداروں اور سخت شعلوں سے بھرا پایا]۔ اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو صفتوں ساقی کوثر اور وارث زمزم کی بھی تشریح یہاں ہے۔ اقبال سہیل کی عربی دانی کا اندازہ لگانا بہت آسان ہے۔ موج کوثر کی در و بست کی تزئین مفردات قرآنی سے کی گئی ہے۔ اس نعت کے حقائق تک رسائی کے لیے لازمی ہے کہ عربی لغات کی باریکیوں سے انسان باخبر ہو۔

شاہِ نجف، مولائے رسالت، جرعہ کش صہباء رسالت
علم میں راسخ، دین میں اقدم، صلی اللہ علیہ وسلم

اس شعر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''علم میں راسخ'' بتایا گیا ہے۔ اس میں قرآن کریم سے استفادہ کیا گیا ہے۔ سورہ آل عمران میں ارشاد ربانی ہے:

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُوْلُواْ الأَلْبَابِ۔ (آل عمران:۳/۷)

حالاں کہ ان کی حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور پختہ و مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لا چکے۔ یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقل مند حاصل کرتے ہیں۔

اس شعر میں اسی آیت کریمہ سے استفادہ کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علمی رسوخ کو ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے اور بحیثیت نوجوان آغوش اسلام میں آنے کی اولیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ راسخین فی العلم دراصل قرآنی اصطلاح ہے یہ علمی فضیلت جسے حاصل ہوتی ہے اسے وحدانیت کے اقرار میں کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اس نعت کی صنعت وحرفت میں قرآنیات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ روح قرآنی اس نعت کی رگ و پے میں شامل ہے۔ ایک شعر ہے۔ ؎

ابر دُر افشاں، سرور سامی، بدر درخشاں، صدر گرامی
حاذق دوراں، چارہ گرِغم، صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نعت وسیرت میں سرور کائنات اور سرورکونین بکثرت کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''سرور سامی'' کہا گیا ہے۔ سامی دراصل سما یسمو سے ہے جس کا مفہوم بلند ہونا ہے۔ معروف اور نمایاں قائد کو سرور سامی کہا جاتا ہے۔ اقبال سہیل نے اپنے ایک شعر میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف یوں کی ہے:

ارض وسما میں آیۂ رحمت روز جزا میں سایۂ رحمت
اس کے لوائے حمد کا پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن کریم میں رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پوری کائنات کے لیے باعث رحمت قرار دیا گیا، اسی قرآنی مفہوم کی توضیح کے لیے اقبال سہیل نے ''ارض وسما میں آیۂ رحمت'' کہا ہے۔ آج کے قارئین کرام کے لیے'' آیۂ رحمت'' سمجھنا دشوار ہوگا۔ '' آیت'' کا لفظی مفہوم علامت ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ اسی مفہوم میں بار بار آیا ہے۔ آیت ہی کے مفہوم میں قرآن کریم نے ''کلمات'' اور'' آلاء'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ آیاتِ کائنات یعنی اللہ کی صناعیاں وعجائب انسانوں کو

وحدانیت سے قریب کرتی ہیں۔ایک جگہ اللہ کا ارشاد ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ۔(حم السجدۃ:۴۱/۵۳)

عنقریب ہم اپنی نشانیاں آفاق میں اور ان کے انفس میں دکھائیں گے تاکہ واضح ہوجائے کہ وہ ان کے لیے حقیقت بن کر سامنے آجائے۔کیا یہ تمہارے رب (کی برتری) کے لیے کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اقبال سہیل نے قرآنی تصور کو کتنے سلیقے سے شعر میں جڑ دیا ہے۔اقبال سہیل قرآنیات،عربی زبان وادب، فارسی نوادر اور اردو کے لطائف ودقائق پر دسترس رکھتے تھے۔یہی ان کا وسعتِ مطالعہ اس نعت میں ابھرا ہوا نظر آتا ہے۔شاعر اگر مختلف مصادر ومناہل سے سرشار ہوا تو اس کے اشعار نئے زاویوں اور نئی جہات سے مملوء ہوتے ہیں۔یہی شاعری فکر وفلسفہ بن جاتی ہے۔تشکیل جدید اور فکر نو کثرتِ مطالعہ کے بغیر ممکن نہیں۔علامہ اقبال کی جدید تشکیل الٰہیات دقت مطالعہ پر مبنی ہے۔اسی چیز نے علامہ اقبال کو فلسفی شاعر کا رتبہ عطا کیا۔شاعر مشرق کے فلسفیانہ اطراف کی توضیح میں عبدالسلام خاں نے ''افکار اقبال'' میں اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔اقبالیات میں اس حیثیت سے انھیں انفرادیت حاصل ہے۔اقبالیات میں ایک جدید اور فقید المثال اضافہ ''خطباتِ اقبال'' ہے۔بلاخوف لومۃ لائم یہ کہنا چاہوں گا کہ پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے خطبات کا جس ژرف نگاہی سے تجزیہ کیا ہے اس کی نظیر اقبالیات میں مفقود ہے۔علامہ اقبال نے اپنے نعتیہ اشعار کے ذریعہ حب رسول کی ایک نئی کائنات کھڑی کی ہے۔علامہ کے نعتیہ اشعار سے واضح ہے کہ وہ ان کے ذریعہ اپنے فن کا اظہار نہیں بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنا انتساب اور اپنا تعلق دکھانا چاہتے ہیں۔معروف ماہر اقبالیات رفیع الدین ہاشمی نے اپنے ایک رسالہ ''علامہ اقبال اور میر حجاز'' (بزم اقبال لاہور، جنوری ۱۹۹۴ء، طبع اول، صفحات:۷۶) میں علامہ اقبال کی حب رسول کا علمی جائزہ لیا ہے اس تفصیل سے ماہرین اقبالیات میں سے کسی نے ایسا شعری احاطہ نہیں کیا ہے۔جواب شکوہ میں ایک جگہ علامہ اقبال نے عظمتِ رسول پر یوں لَے بلند کی ہے:

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو ‏ چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو،خم بھی نہ ہو ‏ بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو
خیمۂ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے ‏ نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں، دامنِ کہسار میں، میدان میں ہے | بحر میں موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراکش کے بیابان میں ہے | اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے | رفعتِ شانِ رفعنا لک ذکرک دیکھے

علامہ اقبال کی شاعری کا تجزیہ کیا جائے تو جگہ جگہ حب رسول کے بال و پر نکلے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ مدینۃ الرسول کی زیارت انھیں نصیب نہ ہوئی لیکن طائر رسول ان کے اندر مستقل پھڑ پھڑاتا رہا۔ مدینے کے کبوتر کی تعظیم وتوقیر میں سب کچھ کرڈالا۔ مدینہ ان کی آنکھوں کی سرمہ رہا، شہر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسیم صبح سے خود کوتا حیات سرشار کرتے رہے۔ لیکن روضۂ رسول ان کی قسمت میں مرقوم نہ تھا۔ راقم نے جب روضۂ رسول کی جالیوں کو مس کیا تو اندر سے باغ و بہار بن گیا یہ دولت کیا ملی کہ مالدار بن گیا۔ ایسا رنگ، ایسا برستا ہوا نور آنکھوں نے کب دیکھا؟ راقم خوشبوئے رسول میں بس گیا، روضۂ رسول کی لذتِ دیدار کیا ملی کہ دنیا کی ہر لذت بے معنی ہوگئی۔ روضہ رسول کا گنبد ہمارا آسمان اور سائبان وسامان بن گیا، روضہ رسول سے ایمان کی شعائیں پھوٹتی ہیں۔ ان شعاعوں میں نہایا گیا کہ طمانیتِ قلب کا مفہوم سمجھ میں آیا۔ ہر زائر کی نظر روضہ رسول پر ٹکی ہوئی ہوتی ہے۔ وہی اس کا نور نظر اور تاحد نظر ہے۔ علامہ اقبال ان انوار واراوح سے محروم رہے۔ انسان یہاں جا کر ہی روضہ رسول کے روح پرور مناظر کی حلاوت محسوس کرسکتا ہے۔ مگر افسوس کہ علامہ اقبال اپنی تمام چاہتوں کے باوجود روضۂ رسول کی تصاویر رنگین سے محروم رہے۔ جب طرابلس پر اٹلی نے حملہ کیا تو حب رسول ان کے اندر انگڑائیاں لینے لگا:

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا | جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا
قیودِ شام وسحر میں بسر تو کی لیکن | نظامِ کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا

فرشتے بزم رسالت میں لے گئے مجھ کو
حضور آیۂ رحمت میں لے گئے مجھ کو

علامہ اقبال روضۂ رسول، گنبد خضراء، اور تزئینات ترکی کی خوب روئیوں سے محروم رہے۔ لیکن فکر مدینہ ہمیشہ ان کا مرکز التفات رہا۔ رہ رہ کر یہ التفات دار تکاز ان کے اندر متلاطم موجوں کی طرح بغاوت کرتا رہا، بستر مرگ پر بھی حب رسول کا طوفان ان کے اندر امنڈتا رہا۔ حجاز اور یثرب ان کے اندر مستقل نشو ونما پاتے رہے۔

عجمی خم ہے تو کیا؟ لے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا؟ لَے تو حجازی ہے مری

علامہ اقبال کے اندر حبِ رسالت اور حبِ یثرب کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، ان کے وجود اور ان کی شاعری دونوں میں اس کا اظہار ہوا۔ جب کبھی درد و کرب میں مبتلا ہوئے یا امت اسلامیہ گردوں کا شکار ہوئی تو اللہ کے حضور دست بدعا ہوئے اور اس کے رسول کے حوالے سے ملتجی ہوئے۔ یہی التجا و التماس نعتِ رسول بن گئی۔ نعت گو شعراء نے ہمیشہ اللہ کے حضور حاضری کے لیے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بطور ڈھال استعمال کیا:

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابتر — اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں — پوشیدہ ہے جو مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد — اس کوہ و بیابان سے حدی خوان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمد! — آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

اقبال سہیل کی شعری عظمت کا اعتراف شاعر اسلام علامہ محمد اقبال نے بھی کیا ہے۔ بلکہ یہ کہنے میں تردد نہیں کہ اقبال سہیل کی نعتیہ شاعری میں علامہ اقبال کا فکر و فن ضرور ڈھل کر آ گیا ہے کیوں کہ دونوں نے صہبائے سرسید سے خود کو مسحور کیا ہے۔ اقبال سہیل نے اپنے ایک شعر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مختلف محاسن و فضائل کو خاص انداز میں سمویا ہے:

مقصدِ امکاں، مہبطِ قرآں، منبعِ احساں، مرجعِ دوراں
روح کے درماں، قلب کے مرہم، صلی اللہ علیہ وسلم

مقصد، مہبط، منبع اور مرجع سب عربی الفاظ ہیں اور یہ تینوں کسی نہ کسی صورت میں قرآن کریم میں وارد ہیں۔ مہبط کے سوائے بقیہ الفاظ اردو زبان و ادب میں خوب آتے ہیں۔ صرف ''مہبط'' کا استعمال اردو میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہبوط آدم کا استعمال اردو میں ہے لیکن اس کے مفہوم تک رسائی معدودے اردو قارئین کی ہوگی۔ ہبوط اوپر سے نیچے آنے کو کہتے ہیں۔ یہ مشاہدۂ عام ہے کہ چڑیا کبھی کبھی تیزی سے نیچے آتی ہے۔ اصلاً یہی ہبوط ہے۔ کوئی چیز بلندی سے نیچے آئے تو یہی نزول بمعنی ہبوط ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس شعر میں ''مہبط قرآن'' کہا گیا ہے کیوں کہ وحی آسمانی زمین کی طرف آ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی۔ ہبوط میں تیزی سے آنا شامل ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اور دیگر ملائکہ کو یہ نعمتِ سرعت من جانب اللہ ملی ہوئی ہے۔ ان سب چیزوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اقبال سہیل نے مہبط کا لفظ استعمال کیا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ اسی مفہوم میں متعدد آیات میں وارد ہے:

قِيْلَ يَـا نُـوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّـا وَبَرَكَـاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَـى أُمَمٍ مِّمَّن مَّعَكَ وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيْمٌ۔ (ہود:۱۱/۴۸)

فرمایا گیا کہ اے نوح! ہماری جانب سے سلامتی اور ان برکتوں کے ساتھ نیز جو تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ کی بہت سی جماعتوں پر اور بہت سی وہ امتیں ہوں گی جنھیں ہم فائدہ تو ضرور پہنچائیں گے لیکن پھر انھیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔

اس نعت میں خلفاء راشدین کے اوصاف وکمالات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ مندرجہ شعر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس انداز سے ثنا خوانی کی گئی ہے:

دونوں مظہر شانِ رسالت، دونوں پیکرِ صدق وعدالت
دونوں بامِ شرف کے سلم، صلی اللہ علیہ وسلم

یہاں ''سُلَّم'' کا لفظ اقبال سہیل نے مانند نگینہ جڑ دیا ہے۔ تزئین کا یہ فن اسے ہی آ سکتا ہے جسے مبدأ فیاض نے خاص انداز سے سنوارا اور بنایا ہو۔ یقیناً اقبال سہیل اللہ کی خلق خاص تھے بلکہ آیت من آیات اللہ تھے۔ شبلی وفراہی کے پروردۂ خاص تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے اندر ادبی کمالات اور شعری اختراعات جمع ہو گئے تھے۔ مجھے امید ہے کہ پوری اردو شاعری میں شاید ہی کسی نے سلم کا لفظ استعمال کیا ہو؟ اور اگر کسی نے استعمال کیا ہے تو شاید اس کے یہاں یہ حسن وجمال نہ ہو۔ اسے اس انداز سے وہی استعمال کر سکتا ہے جس کے یہاں عربی وارد و دونوں کا بالیدہ شعور موجود ہو اور اس کے ساتھ ساتھ مفردات القرآن کا راغب اصفہانی رہا ہو۔ اقبال سہیل عربی کے راغب اصفہانی تو نہیں ہیں لیکن اردو ادباء وشعراء میں ضرور انھیں مقام راغب حاصل ہے۔ بہرکیف بتانا یہ ہے کہ ''دونوں بام شرف کے سلم'' کہہ کر بڑی خوبصورتی سے دونوں خلفاء کی عظمت ورفعت کو کوزے میں دریا کی مانند بند کر دیا ہے۔ سلم قرآنی لفظ ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيْهِ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم بِسُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ۔ (الطّور:۵۲/۳۸)

یا کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے، جس پر چڑھ کر آئے ہیں (اگر ایسا ہے) تو ان کا سننے والا کوئی روشن دلیل پیش کرے۔

پرتو حق سے روشن سینے، حسن رسالت کے آئینے
قلب فیوض وحی سے ملہم، صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کی تفسیر کے لیے

اقبال سہیل نے یہ شعری اور قرآنی انداز اختیار کیا اور بتایا کہ دونوں فیوض وحی سے سرشار تھے۔ اس کے لیے ''ملہم'' کا لفظ استعمال کیا۔ ''الہم'' دراصل دینے اور عطا کرنے کے مفہوم میں آتا ہے۔ بالعموم اردو قارئین کی اس لفظ کی جامعیت تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ اس کی تہہ داریوں کی بازیافت قرآنیات کے بجز ممکن نہیں اللہ کا ارشاد ہے:

فَـأَلۡهَـمَهَـا فُجُـورَهَـا وَتَقۡوَاهَا۔ (الشمس: ۹۱/۸) پس اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کو (فسق) و فجور کی شناخت عطا کی اور اس سے بچنے کی سبیل عطا کی۔

اقبال سہیل کی قرآنیات پر درک کی مختلف علامات اس نعت میں موجود ہیں۔ یہی مناظر و شواہد اس نعت کی اساس ہیں۔ اس نعت میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارناموں کو بھی منظوم کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق فرمایا: ''ختم خلافت ذات حسن پر'' یعنی اقبال سہیل کے یہاں سلسلۂ خلافت حضرت حسن پر ختم ہوتا ہے۔ اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ان کی طبع موزوں یوں رواں ہوتی ہے:

اور وہ ریحاں باغِ نبی کے، گوہر غلطاں تاج علی کے
شاہِ شہیداں، ذبحِ محرم، صلی اللہ علیہ وسلم

اس شعر میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بستان رسالت کا ''ریحان'' کہا گیا ہے۔ یعنی باغ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشبوؤں کا منبع حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اس کے جلوہ و جمال کے یہی حقیقی سبب تھے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ آیا ہوا ہے۔ اقبال سہیل اس لفظ کے جغرافیہ سے بخوبی واقف تھے۔ غالب کی ''باد پیمائی'' میں وہ بات نہیں ہے جو ریحان قرآن اور ریحانِ حسن میں ہے۔ غالب فارسی کے ساتھ رموز قرآنیات سے واقف ہوتے تو جہاں فارسی نے ان کے کلام کو اعتبار بخشا ہے وہیں گر رموز قرآنیات کو برتتے تو اسے مزید اعتبار و استناد حاصل ہوتا۔ اقبال سہیل کو اس حیثیت سے غالب پر تفوق و تفضّل حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کی تقدیم کے لیے انھوں نے ''ریحان'' استعمال کیا۔ مختلف احادیث سے اس کی توثیق ہوتی ہے۔ سورہ الرحمٰن میں یہ لفظ اس طرح آیا ہے:

وَالۡحَبُّ ذُو الۡعَصۡفِ وَالرَّيۡحَانُ (الرحمٰن: ۵۵/۱۲) اور بھس والے اناج اور خوشبودار پھل ہیں۔

دوسرے مصرعے میں ''ذبح محرم'' آیا ہوا ہے۔ ذبح کا مفہوم قتیل اور ذبیح ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی کی اسی عنوان سے ایک معرکہ آراء عربی کتاب ''ذبیح کون ہے؟ (**الصحیح فیمن**

ھو الذبیح) ہے۔ جس کا ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی نے کیا ہے۔ یہاں ''ذبح'' سے مراد شہید ہے۔ اس قرآنی لفظ سے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لفظ شہید کی جگہ ذبح لا کر آپ کی شہادت کی عظمت کو اجاگر کیا گیا ہے جو بات ذبح میں ہے وہ شہید میں نہیں لیکن یہاں اس کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے قرآن کریم میں ذبح کا لفظ آیا ہے واقعۂ اسماعیل دنیا کا اچھوتا واقعہ ہے۔ ملت اسلامیہ اس شہادت کو بطور بارگاہ بموقع حج مناتی ہے۔ بلکہ پورا حج اسی ذبح سے مربوط ہے۔ قرآن کریم میں اس یادگار کا ذکر اس طرح ہوا ہے:

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ۔ (الصافات: ۳۷/ ۱۰۷)　　اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا۔

اسی تسلسل کا ایک شعر یوں ہے:

اور وہ سرورِ سب شہداء کے، حمزہ فدائی راہِ خدا کے
مشہد بدر کے صدرِ مفخم، صلی اللہ علیہ وسلم

پہلے مصرعہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا ذکر ہے۔ یہ شہادت تاریخ اسلام کا ناقابل فراموش حصہ ہے۔ اس کے بغیر تاریخ بدر کی تکمیل ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عظمت کو ''مشہد بدر کی صدر مفخم'' سے موسوم کیا ہے۔ اس سے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقار اور قدر و منزلت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مشہد بدر سے مراد وہ جنگ میدان ہے جہاں آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا۔ قرآن کریم میں لفظ مشہد آیا ہوا ہے۔ وہاں مشہد سے مراد میدان حشر ہے۔ اقبال سہیل مشہد قرآنی سے اچھی طرح باخبر تھے۔ یہ ان کا مطالعہ قرآن ہے جو اس شعر میں ڈھل گیا۔ اللہ کا ارشاد ہے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ۔ (مریم: ۱۹/ ۳۷)　　ان لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جو یوم عظیم کی جائے وقوع کا انکار کرتے ہیں۔

اسی مصرعہ میں اقبال سہیل نے یہ بھی صراحت کی کہ شہداء جنگ بدر کے آپ صدر مفخم ہیں۔ مفخم ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جو باعث فخر اور باعث امتیاز ہو۔ قوی امکان ہے کہ اردو قارئین کی اکثریت اسے سمجھ سکے۔ یہ سچ ہے کہ یہ نعت مفردات قرآنی اور کلمات عربی کا ایک حسین پشتارہ ہے جس کی تفہیم کے بغیر اس نعت کی ادبی افادیت کو منظر عام پر لانا کار دشوار است۔

آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شمائل مبارکہ کی تفصیل کے لیے مختلف انداز اور مختلف الفاظ کا سہارا اقبال سہیل نے لیا ہے۔ زیادہ تر الفاظ خالصتاً قرآنی یا یوں کہیے حجازی ہیں۔ اور فرہنگ حجازی

کے بغیر اچھی نعت کی تخلیق کا امکان نہیں۔ یہ رتبۂ خاص ان کو اس لیے حاصل ہے کہ قرآنیات ان کے ذکر وفکر کا حصہ رہا ہے۔ان کا یہ امتیاز مندرجہ شعر سے مبرہن ہے۔

جس کا بذل عطائے شامل، جس کا فضل شفائے عاجل
جس کا حکم قضائے مبرم، صلی اللہ علیہ وسلم

''جس کا بذل عطائے شامل'' میں بذل کا مفہوم خرچ کرنا ہے یہ دراصل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انفاق کی طرف اشارہ ہے۔ یہ انفاق شامل ہے۔یعنی اس کا تعلق عام خلقت سے ہے۔ ہر شخص دربار رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فیض یاب ہونے کا مستحق ہے۔ یہ وہ ابر نیساں ہے جو دنیا کے ہر خطے کو جل تھل کر دیتا ہے۔آگے مزید آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کرم فرمائیوں کو ''فضل شفائے عاجل'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔شفائے عاجل کی ترکیب خالصتاً عربی ہے۔شفاء عاجل سے مراد ایسی شفاء ہے جو بہت جلد انسان کو صحت یاب کر دے۔شفاء کا لفظ قرآن میں آیا ہوا ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاء وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ۔ (الاسراء:۱۷/۸۲)
ہم جو یہ قرآن نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لیے تو سراسر شفا اور رحمت ہے۔

دوسرے مصرعہ میں بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمودات کو قطعیت کا درجہ حاصل ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام وفرامین کو بے چوں چرا قبول کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیثیت کو یوں پیش کیا گیا ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا۔ (الحشر:۵۹/۷)
اور جو کچھ رسول نے تم کو دیا ہے پس تم اسے لے لو اور جس چیز سے تم کو منع کیا ہے اس سے رک جاؤ۔

قرآن کریم کے اسی مفہوم کو اقبال سہیل نے ''جس کا حکم قضائے مبرم'' کہا ہے۔مبرم کا مفہوم قطعی اور یقینی ہے۔مبرم کا لفظ وہی منظوم کر سکتا ہے جو قرآنیات کی جہتوں سے واقف ہو اور نعت شناسی اس کا طرۂ امتیاز ہو۔فرہنگ قرآنی معجم حجازی اور قاموس نعت کے مابین وقوعہ تلازم کو سمجھے بغیر اچھا نعت گو ہونا مشکل ہے۔قرآن کریم میں یہ لفظ اس طرح آیا ہوا ہے:

أَمْ أَبْرَمُوا أَمْراً فَإِنَّا مُبْرِمُونَ۔ (الزخرف:۴۳/۷۹)
کیا انھوں نے کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو یقین مانو کہ ہم بھی پختہ کام کرنے والے ہیں۔

مذکورہ بالا شعر منظوم کرتے وقت ضرور بالضرور یہ آیت کریمہ اقبال سہیل کی نظر میں رہی ہوگی۔

یہ بات کہی جاتی رہی ہے کہ علامہ اقبال نے مفاہیم آیات کو اپنے اشعار میں منظوم کیا ہے۔لیکن موازنتاً یہ بات ضرور نکل کر آئے گی کہ رموز قرآنیات پر جو احتواء اقبال سہیل کو حاصل تھا وہ علامہ اقبال کو نہیں۔ علامہ اقبال کی لَے تو حجازی تھی لیکن فرہنگِ قرآنی کا معاملہ کمزور تھا۔ اگر اقبال سہیل اپنے کلام کو سنبھال کر رکھتے تو ان کی قرآنیات کے مزید مظاہر منظر عام پر آتے۔ اقبال سہیل نے اشعار تو تخلیق کیے لیکن ان شعری تخلیقات کو سنبھالنا اور سینت کر رکھنا انھیں نہیں آیا۔ کاش حولیاتِ عرب کی اتباع کرتے۔ اگر انھیں شہرت کے پر لگا کر اڑنا آتا تو آج اقبال سہیل دنیائے شعر کے سرخیل ہوتے۔ اقبال سہیل کی اس نعت کے بیش تر اشعار میں قرآنی مضامین مدغم ہیں۔ اسی ادغام کی ایک مثال مندرجہ ذیل شعر ہے:

آئینۂ الطافِ الٰہی، رحمت جس کی لامتناہی
جس کی ہدایت ارحم تُرحم، صلی اللہ علیہ وسلم

اس شعر میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''الطاف الٰہی'' کا آئینہ قرار دیا گیا ہے۔ الطاف دراصل لطف کی جمع ہے۔ اردو میں اس کا استعمال بکثرت ہے۔ اسی طرح ''الطاف وعنایات'' بھی آتا ہے۔ الطاف حسین حالی، الطاف گوہر اور الطاف احمد اعظمی کو کون نہیں جانتا؟ اسی مفہوم میں یہ قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے:

ان اللّٰہ لطیف بعبادہ یرزق من یشاء وھو القوی العزیز۔ (الشوریٰ:۴۲/۱۹)	بیشک اللہ اپنے بندوں پر کرم فرما ہے۔ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہ انتہائی طاقت ور، انتہائی عزت والا ہے۔

اقبال سہیل نے اللہ کی عنایتوں کا مجسم اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے اور یہ سچ ہے کہ ذات مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا کی سب سے عظیم ترین نعت ہے۔ جسے حالی نے یوں منظوم کیا ہے:

اے خاصۂ خاصانِ رسل! وقتِ دعا ہے
امت یہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

دوسرے یہی پیکر الٰہی اللہ کی رحمتوں اور اس کے اسماء حسنیٰ کا احساس دلاتا ہے۔ آئینہ رسول توحیدی مناظر کا عکاس ہے۔ چشمہ کے خشک ہونے سے جس طرح پانی کا حصول ناممکن ہے اسی طرح آئینہ کے بغیر حقائقِ کائنات کی بازیافت مستبعد ہے۔ آگے اسی مصرعہ میں اللہ کی بے شمار متواتر رحمتوں کے متعلق بتایا گیا کہ ''رحمت جس کی لامتناہی'' یہ دراصل قرآنی مفہوم کی ترجمانی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَإِن تَعُدُّواْ نِعْمَةَ اللّهِ لاَ تُحْصُوهَا إِنَّ اللّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (النمل:۱۶/۱۸)	اور اگر تم اللہ کی نعمت کو شمار کرنا چاہو تو اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ بے شک اللہ بہت زیادہ معاف کرنے والا، بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ زندگی بھر رحمتوں کی بارش کرتے رہے۔ جس بارش نے ظلم و تشدد کے خس و خاشاک کو بہا ڈالا۔ یہ دنیائے انسانیت امن و امان کا گہوارہ بن گئی۔ قہر و کبر کے علمبرداروں کے لیے یہ دنیا تنگ ہوگئی۔ اسی تصورِ رسالت کے ارقام کے لیے اقبال سہیل نے یہ نظم کیا کہ ''جس کی ہدایت ارحم تُرحم'' یہ دراصل قرآن کریم کی مندرجہ آیت کریمہ سے ماخوذ ہے:

وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللّهُ إِلَيْكَ۔ (القصص:۲۸/۷۷)	تم لوگ (اس کے بندوں کے ساتھ) اچھا سلوک کرو جس طرح اللہ نے تم پر اچھا سلوک کیا ہے۔

اقبال سہیل کے قرآنی معارف نے اس نعت کو دنیائے نعت کا عمودی کردار قرار دیا۔ اسے وہ عمودی منزلت حاصل ہے جس کی مثال دیگر نعت گو شعراء کے یہاں نہیں ملتی۔ اقبال سہیل نے کہا بہت کچھ لیکن وہ سب کچھ صفحات کی زینت بننے سے رہا۔ اعظم گڑھ سے علی گڑھ اور علی گڑھ سے اعظم گڑھ تک کے اسفار سے مترشح ہے کہ آپ کے چشمۂ فکر رسا سے اشعار ابلتے رہے۔ متشاعرین انھیں اپنے نام کرتے رہے۔ ذہانت و فراست کا حال یہ تھا کہ ادھر آپ سے درخواست کی گئی اُدھر تحریر ہوگئی۔ آپ سے مختلف مناسبتوں کے حوالوں سے نعت، منقبت اور نظم کی التماس کی گئی چشم زدن میں صفحات اشعار سے مملو ہوگئے۔ دوسروں کے نام سے موسوم ہوگئے۔ آپ کی بچیوں نے فرمائشیں کیں تو فکر حرکت میں آگئی، چشم زدن میں شعری کائنات ڈھل کر منظر عام پر آگئی۔ یہ سب دساتین حیات ان کے امتیازات ہیں۔ رشید احمد صدیقی نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ اگر وہ اپنے اشعار کو سنبھالتے تو جانے کتنے دواوین تیار ہو جاتے اور نہ جانے کتنی نعتیں دنیائے نعت کو روشن کر دیتیں۔ یہ صرف ان کا استغناء تھا جس نے رفاقتِ شہرت سے ان کو قریب آنے نہ دیا۔ اپنے اسمبلی انتخاب کے دوران کتنے اشعار کہے لیکن وہ سب ہوا کی نذر ہوگئے۔ انہی اشعار میں اپنے مخالف امیدوار کے تشنیع کی کتنی خوبصورت تصاویر پیش کیں۔

مذکورہ سطور میں ''موجِ کوثر'' کی خصوصیات بیان کی جاتی رہی ہیں۔ اس کی سب سے اولین خصوصیت اس کا عنوان ہے۔ لفظ کوثر میں اس قدر جامعیت و شاملیت اور وسعت و عمق ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کے تمام پہلوؤں کی اس سے عکاسی ہوتی ہے۔ اس لفظ کی وسعت اور

شمائل النبی کی عظمت کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے ضروری ہے کہ مولانا فراہی کی تفسیر نظام القرآن کا مطالعہ کیا جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ پورا قرآن کریم نعت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔لیکن تین سورتیں صورۃ الضحیٰ،سورہ الم نشرح،اورسورہ الکوثر میں جس طرح نبی امی کی تصویر کشی کی گئی ہے کسی اور سورہ میں نہیں اوران تینوں سورتوں میں سورہ الکوثر کا جوامتیازی مقام ہے بقیہ دونوں سورتوں کا نہیں۔لفظ کوثر میں یہ مفہوم موجود ہے کہ نبی خاتم کی وسعتیں ناپیدا کنار ہیں۔ یہ وسعتیں دین ودنیا دونوں کو چھوتی ہیں۔کوثر کی تین شکلیں ہیں۔ خانۂ کعبہ جس کے عزووقار کی داستان اتنی ہی قدیم ہے جتنی قدامتِ کائنات، روز اولین اس کی بلندی پر گواہ ہے اسی کوثر کی دوسری شکل خاتم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جن کے خزینۂ رحمت یا آفتابِ رسالت سے گھنگھور اندھیرا کافور ہوا۔اسی لیے جامی نعت سرا ہوئے:

نسیما! جانب بطحیٰ گزر کن
ز احوالم محمد ﷺ را خبر کن

کوثر کی تیسری شکل حوض کوثر ہے جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور متبعین اس سے سرشار ہوں گے۔لفظ کوثر سے ان تین کڑیوں کی نمائندگی ہوتی ہے۔مولانا فراہی نے حوض کوثر اور بیت اللہ میں مدلل مناسبت دکھانے کی کوشش کی ہے۔ایسی کوشش مفسرین کی یہاں مفقود ہے۔ پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے اپنی تفسیر میں مولانا فراہی کی اس عالمانہ تفسیر کی ثناخوانی کی ہے۔اقبال سہیل کے ذہن میں یہ عنوان مولانا فراہی کی تفسیر ''تفسیر الکوثر'' سے آیا ،کوثر تاریخ اسلام کا روشن باب ہے۔ کافی حد تک بڑے اختصار کے ساتھ اسے بیان کیا گیا ہے۔ تلمیحات کے ذریعہ قصص القرآن کی جانب اشارکیا گیا ہے۔حضرت آدم علیہ السلام،حضرت سلیمان علیہ السلام،حضرت موسیٰ علیہ السلام،حضرت عیسیٰ علیہ السلام،حضرت مریم علیہا السلام،حضرت اسماعیل علیہ اسلام،حضرت ہود علیہ السلام،حضرت داؤد علیہ السلام کے خصائص بیان کرتے ہوئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام انبیاء ومرسلین پر فائق بتایا گیا ہے۔ اس نعت کا ایک بین پہلو یہ ہے کہ آل مطہرین کی خوبیوں کو بھی منظوم کیا گیا ہے۔خلفاء راشدین کے امتیازات کوابھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس کے علاوہ اس میں بہت سے صحابہ کرام حضرت عباس،حضرت سعد،حضرت سعید،حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت ابن عوف، حضرت ابوعبیدہ، حضرت زید، حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت سلمان رضی اللہ عنہم اجمعین کے ذکر سے نعت کے وقار میں اضافہ کیا گیا ہے۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اورحضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر میں قدرے تفصیل ہے۔اس ذکر میں ایسے

الفاظ اور ایسے اسالیب سے مدد لی گئی ہے جن سے ان کے مقام ومنصب کی مناسب تشریح وتوضیح ہوتی ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیٹیوں اور ازواج مطہرات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ نعت نبی امی کے مختلف گوشوں سے بحث کرتی ہے۔ یہ اس کی تاریخی حیثیت ہے۔

یہ بات پچھلی سطور میں آچکی ہے کہ اس نعت کی اساسی حیثیت قرآنیات ہے۔ایک تو قرآنی مفردات سے اس کی تزئین وتحسین کی گئی ہے۔ان مفردات کو اس میں اس طرح ٹانکا گیا ہے کہ اس کا لسانی رتبہ دوبالا ہوگیا ہے۔اگر شاعر اور نثر نگار الفاظ کے فٹ کرنے اور اس کی تنظیم وترتیب سے بے خبر ہے تو شاعری یا نثر نگاری اپنے تمام تر معنوی ترفع اور فکری تفوق کے باوجود قبولیت عام سے محرو ہوگی۔لفظیات کے اعتبار سے اس کا پہلا پڑاؤ عربی مفردات ۔ دوسرا پڑاؤ قرآنی مفردات اور تیسرا پڑاؤ فارسی مفردات ہیں۔ یہ سب چیزیں اس کی حسن ترتیب پر گواہ ہیں۔مثلاً نور مقطر، فتوت، قطع علائق، توام، خلق متمم، دین مشل، شاہد لاہوتی، اقوم، واصل، فیض مؤید، فوز مخلد، اجود، سرور سامی، کنز دقائق، حصن حقائق، جان حدائق، عطائے شامل، شفائے عاجل، مفروض الطاعت، متنبّی، جود مجسم، نیر ساطع، حجت قاطع، حریم قدس اور ناطقۂ ابکم ایسے الفاظ ہیں جن کی گہرائیوں تک پہنچنا اور گرہوں کا سلجھانا اسی شخص کے لیے ممکن ہے جس کی قرآنی مفردات اور عربی نعتیہ شاعری پر گہری نظر ہو۔عربی نعت نگاری کے مطالعہ کے بغیر اس کی فرہنگ کی شناخت آسان نہیں ہے، یہ الفاظ جہاں معانی کے روزن ہیں۔ ایک قاریٔ مدبر، محقق اور لسانی رموز سے آشنا ہی اس کے لسانی محاسن کا ادراک کرسکتا ہے۔ان الفاظ کی معرفت کے بغیر اس کی درست قرات ممکن نہیں ہے۔اگر درست قرات پر قدرت نہیں ہے تو مفاہیم سے شناسائی بھی ممکن نہیں ہے۔انتخاب الفاظ کے حسن سے اقبال سہیل کے ذہن رسا کی شناخت میں دشواری نہیں۔

اس نعت کی ایک بنیادی شناخت یہ ہے کہ اس میں قرآنی مفردات سے خاصی مدد لی گئی ہے۔ بلکہ یہی مفردات اس کا میزان ومعیار ہیں۔انھی قرآنی الفاظ سے اس میں معنوی عظمت اور فکری منزلت پیدا ہوتی ہے۔حضرت عائشہ نے جو" **کان خلقه خلق القرآن** "کہا تھا اس کی تصویر اس میں نظر آتی ہے۔سیرت مقدسہ کا Primery Source قرآن کریم ہے۔اقبال سہیل کو اس کا مکمل احساس تھا، یہی وجہ ہے کہ قرآنی الفاظ ہی موج کوثر کا لباس ہیں۔یہی لباس ربانی سب سے معتبر ومستند ہے۔یہی وہ چراغ ہے جو نبی امی کی شناخت ہے۔اس چراغ مستند کی ہم نوائی میں سرسید، شبلی، فراہی، خالد مسعود اور امین احسن اصلاحی پیش پیش رہے ہیں۔علمی سیرت نگاری کی پہلی کڑی

خطباتِ احمدیہ ہے۔ اقبال سہیل اسی مکتبۂ فکر کے رکن رکین ہیں جس کی نمائندگی انھوں نے موجِ کوثر میں کی ہے۔ مرسلِ خاتم، حق کی لآلی، طوع ومحکم، تنعم وترحم، الفت قربی، خلق متمم، شرع معدل، اسوۂ اجمل، سلم مسلم، لمعۂ قدس، قضائے مبرم، ابکم، جدِ معظم، ذبح محرم اور طہارت آیۂ محکم وغیرہ ایسے قرآنی مفردات ہیں جن کی معنویت کی تفہیم کے بغیر اس نعت کی معنوی حیثیت کا تعین مشکل ہے۔ موجِ کوثر کی شہ رگ قرآنیات ہے۔ مطالعۂ موجِ کوثر سے متبادر ہے کہ اقبال سہیل تفکرِ قرآن اور تدبرِ قرآن کے ایک سنجیدہ عالم تھے۔ قرآنیات پر آپ کا ارتکاز واعتکاف رہا ہے۔ مولانا فراہی کی صحبت سے انسان کے اندر قرآن کریم سے شغف پیدا ہو جاتا ہے۔ موجِ کوثر اسی قرآنی اشتیاق کا منبع ہے۔ انوارِ قرآن کا مطلع ہے، فکرِ فراہی کا دوسرا نام قرآنی ماحول ہے۔ سید سلیمان ندوی نے انھیں ''ترجمان القرآن'' کہا ہے۔ نیز یہ بھی کہا ہے کہ مولانا فراہی جب دارالمصنّفین آتے تھے تو لگتا جیسے ایمان کی بہار آ گئی ہے۔ شبلی اور فراہی دونوں نے اقبال سہیل کی نشو ونما میں حصہ لیا ہے۔ شبلی کو اپنے شاگرد پر اتنا اعتماد تھا کہ انھوں نے یہ تک کہہ دیا کہ تم اصلاح کے لیے اپنے کلام کو کسی کو مت دکھاؤ۔

اقبال سہیل کے پاس جس جس طرح کلماتِ قرآنی کا ایک بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ جو ان کے مطالعہ قرآن کی دین تھی، نیز قرآنی ماحول کے پروردہ ہونے کی وجہ سے یہ سب چیزیں ان کی تحریر کا حصہ بن گئی تھیں۔ الفاظ کے ساتھ ساتھ قرآنی مضامین کی روشنی میں موجِ کوثر کی تکمیل کی ہے۔ گویا اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن کریم کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی ہے اور آپ کا دیکھنا یوں قابل اعتبار ہے کہ یہ خطوط مضامین قرآن پر مبنی ہیں۔ بہر کیف موجِ کوثر، الفاظ اور مضامین دونوں اعتبار سے قرآن کریم پر انحصار ہے۔ یہی انحصار انھیں اوروں سے ممتاز کرتا ہے۔ موجِ کوثر اردو دنیا میں ایک نئی تخلیق اور نئے اسلوب کی نعت ہے۔ اس کا تتبع اب تک نہیں کیا جا سکا ہے۔ ایسی تقلید، ایسی تخلیق اسی وقت ممکن ہے جب ذہن پر قرآنیات کا استیلاء ہو۔ اب تک کوئی ایسا نعت گو نہیں ہے جسے اقبال سہیل کا متشابہ ومتقارب قرار دیا جا سکے۔ موجِ کوثر دنیائے نعت میں ایک عدیم النظیر اضافہ ہے۔ یہی اقبال سہیل کا وہ امتیاز ہے۔ جو انھیں دیگر نعت گو شعراء سے معظم و مفتخر بناتا ہے۔

زمزمۂ ہود اس کا فسانہ، نغمۂ داؤد اس کا ترانہ
اس کا ثنا خواں صانعِ عالم، صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆

ڈاکٹر وسیم افتخار انصاری، برہان پوری (گوالیار)

علاقۂ گوالیار میں اردو شعر و ادب اور نعت گوئی کی تاریخ

ایک تحقیقی جائزہ

عالمی سطح (International Level) پر بھارت اپنی پُر بہار آب وہوا، صحت افزا موسموں، کوس کوس پر بدلتی بولیوں، مختلف زبانوں، رنگا رنگ تہذیبوں،، مختلف نسلوں، قوموں، مذہبوں کے سبب زمانۂ قدیم سے پُرکشش اور مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ مذکورہ خوبیوں سے مزین بھارت کا مقامِ دل کہا جانے والا صوبہ مدھیہ پردیش ہے۔ اس صوبے کے مختلف خطّے مالوہ، جھابوا، مہا کوشل، نماڑ، بندیل کھنڈ وغیرہ اپنی علاقائی خوبیوں کے ذریعے مدھیہ پردیش کو گوناگوں خصوصیات کا معجون و مرکب بناتے ہیں۔

گوالیار: مدھیہ پردیش کے درج بالا خطوں، علاقوں کی خصوصیات سے مالا مال ہے۔ ساتھ ہی قدرتی، جغرافیائی، لسانی اور تہذیبی اعتبار سے بھی ثروت مند ہے۔ گوالیار متذکرہ قدرتی فیاضیوں اور خوبیوں کا ایسا خزینہ اپنے اندر رکھتا ہے، جو اسے مدھیہ پردیش کے مختلف علاقوں میں منفرد اور نمایاں مقام دلاتے ہیں۔

جغرافیائی لحاظ سے گوالیار مدھیہ پردیش کے نقشے میں شمالی سمت، اُس سرحد پر واقع ہے، جہاں شمالی ہند کے قدیم شہر اکبر آباد (آگرہ)، متھرا، راجستھان کے دھول پور، سوائی مادھو پور، اتر پردیش کے جھانسی وغیرہ شہروں سے قرابت کے سبب تہذیبی، ثقافتی اور ادبی روابط رکھتا ہے۔ دوسری جانب دکن اور شمالی ہند کے مابین ایک گزرگاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لئے طرفین میں جب بھی شاہی لشکر، تاجر یا سفیر، صوفیاء کے قافلے اور شاہی کارواں وغیرہ کی اِدھر اُدھر آمد و رفت ہوتی تو اُن کا قیام لازماً یہاں ہوتا۔ گویا شمال و دکن کے درمیان میں یہ شہر اک پناہ گاہ، پڑاؤ اور گزرگاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

چنانچہ ان سب کے باہمی امتزاج سے جو مشترکہ تہذیب پروان چڑھی، اس کی اپنی ایک مخصوص، منفرد اور الگ پہچان ہے۔

سیاسی اعتبار سے گوالیار بڑی اہمیتوں کا حامل ہے۔ زمانۂ قدیم کی جنگوں کا تذکرہ ہو یا تحریک آزادی میں منہمک سبھاش چندر بوس کی 'آزاد ہند فوج' میں شامل مقبول احمد خان کا تذکرہ ہو۔ ہند کی سیاسی تاریخ میں گوالیار کا ذکر ناگزیر ہے۔ شمالی ہند کے حکمرانوں کے لئے بابِ دکن برہان پور کے ناقابل تسخیر، قلعۂ اسیر کو تسخیر کرنے سے قبل قلعۂ گوالیار کو زیر کرنا ضروری تھا۔ اس لئے شمال و دکن کے درمیان قلعۂ گوالیار کی اہمیت 'عروس مابین' کی ہے۔

تہذیبی نقطۂ نظر سے اُتر پردیش کے متھرا، آگرہ اور جھانسی، راجستھان کے دھول پور اور سوائی مادھو پور سے انسلاک کے سبب گوالیار میں تہذیبی کہکشاں ملتی ہے۔ بالفاظ دیگر یہ شہر تہذیبوں کا سنگم ہے۔ یہاں کی تاریخی عمارات، رسم و رواج، تہذیب و تمدن، کھان پان اور زبان میں مذکورہ تہذیبوں کی رنگارنگی، دل کشی اور رعنائی پائی جاتی ہے۔ گویا گوالیار عواملِ تہذیب اور مرجعِ تہذیب ہے، جسے تہذیبی مرکز (Cultural Hub) سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

حکومت و سیاست، مذہب و ملت، تہذیب و ثقافت کے ساتھ گنگا جمنی تعمیرات، گیت سنگیت، رقص و نقش جیسے فنون نے اس شہر کو پسندیدگی، ہردل عزیزی، مقبولیت اور عظمت بخشی۔ اِن خصوصیات نے اس شہر کو ایسی مقناطیسیت عطا کی، جس سے مختلف علوم و فنون کے ماہرین یہاں کھنچے چلے آتے تھے۔ صوفیاء، مشائخ اور اولیائے کرام نے اس پر اپنا دست شفقت رکھا۔ صوفیاء، مشائخ کی محبت میں ڈوبی مدھر بانیوں نے یہاں کی وانی اور زندگانی میں رس گھولا۔ چنان چہ بادشاہوں کا جاہ و جلال، صوفیاء، سنتوں کا ہم آہنگ کمال، فنِ مصوری کی رعنائیوں، موسیقی کی جادوئی لہروں اور رنگارنگ تہذیبوں نے اظہار کے لئے ایسی بولی ایجاد کی جو خسرؔو سے خان آرزؔو اور آبرؔو تک ادب کو مہکاتی رہی۔ لسانیات اور اُردوئے قدیم کے لحاظ سے گوالیاری بولی کا مطالعہ ادب کے غیر معمولی خزانے کا پتہ دیتا ہے...!

صوفیائے گوالیار نے اُردو کی تخم ریزی، ابتدائی نشو و نما اور نشر و اشاعت میں زبردست خدمات انجام دیں۔ ان خدمات سے کسی طور چشم پوشی تحقیق کے منافی ہوگی۔ ان صالحین اور مشائخین کے ذکر سے قدیم تذکروں کے اوراق روشن ہیں۔ یہ اہل حق صرف '**اللہ ھُو**' کے نعرے بلند کرنے والے نہیں تھے۔ بلکہ اُن کے قلوب ایمان وایقان، اعتقاد و اعتماد کے جواہر سے منوّر تھے۔ اُن کے شب و روز درس و تدریس سے عبارت تھے۔ انہوں نے دنیا میں رہتے ہوئے، دل کو دنیا کی متاع اور طمع سے خالی

رکھا تھا۔ انہوں نے دل کو دل سے، انسان کو انسان سے، قوم کو قوم سے جوڑنے کا اہم فریضہ بڑی انسیت، اخوت و محبت اور اپنائیت کے ساتھ انجام دیا۔ سماجی ہم آہنگی کے فروغ کے لئے بڑی خوش فضا، زبان و ادب کے لئے بڑی صحت افزا فضا قائم کی۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے فن کاروں نے ادب کی ترقی و توسیع میں جو قابلِ قدر خدمات انجام دیں، وہ ایک کامل دفتر کی صورت میں موجود ہے۔ اس دفتر میں نظم و نثر کی دیگر اصناف کے ساتھ حمد و مناجات، نعت و منقبت سے معطّر و معنبر حصہ، قصۂ پارینہ کی طرح محفوظ ہے۔ ذیل میں مذکورہ اصناف میں سے صرف نعت اور نعت گو شعراء کی غیر معمولی خدمات پر زمانے سے جمی گرد کو تحقیق کے ذریعے پہلی بار ہٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔

گوالیار میں نعت گوئی کی ابتداء پہلے پہل فارسی زبان میں ہوئی۔ کچھ عربی میں بھی نعتیں ملتی ہیں۔ فارسی زبان میں فصلِ علی شاہ قادری نے 'کلیاتِ گوالیاری' [1] کے عنوان سے گوالیار کی تاریخ پر پہلی کتاب ترتیب دی ہے۔ اس کتاب میں جہاں تومر خاندان کے راجاؤں کا تذکرہ ہے، وہیں مسلم بادشاہوں میں خلجی، تغلق اور مغل اکبری عہد کے سیاسی حالات کے ساتھ، اُس دور کے مشائخین میں غوث محمد گوالیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سعید الدین خواجہ خانون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تذکرہ اجمالاً کیا گیا ہے۔ مغل عہد کے حالات اور مشائخین کا ذکر تاریخ کی دیگر کتابوں میں مثلاً تزکِ بابری [2]، دربارِ اکبری [3]، تاریخِ فرشتہ [4]، طبقاتِ ناصری [5]، اور تاریخِ سندھیہ [6] وغیرہ کتابوں میں ملتا ہے۔ اُردو شعر و ادب کی تاریخ پر مبنی تذکرے اور کتابیں پتھروں کے شہر میں: گوالیار کا صد سالہ شعری ادب [7] اور گوالیار اور اُردو زبان و ادب [8] وغیرہم میں بھی سرسری طور پر گوالیار کی تاریخ ملتی ہے۔ مذکورہ دونوں کتابوں میں مذکور گوالیار کے شعراء کے تذکروں میں ضمناً نعت گو شعراء کا بھی ذکر ملتا ہے۔ محقق، شاعر، ترقی پسند نقاد جناب وقار صدیقی کے تحقیقی و تاریخی، ادبی و تنقیدی مضامین میں نہ صرف مشائخین، صالحین اور فن کاروں کے متعلق وافر معلومات فراہم کرتے ہیں بلکہ گوالیار کے شعر و ادب اور اصناف کی بتدریج ارتقائی صورتوں کا آئینہ خانہ بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن اِن سب کتب اور تحریری ذخائر کے باوجود ہنوز نعت اور نعت گویان پر باقاعدہ کوئی تصنیف یا تحقیقی مضمون نظر سے نہیں گزرا۔ چنان چہ مذکورہ چیدہ چیدہ اذکار اور بکھرے بکھرے ذرّات سے نعت گو شعراء کی کہکشاں بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اوپر ہم دیکھ آئے ہیں کہ گوالیار میں نعت گوئی کے نقوش اور آثار کون سے سرچشموں اور منبعوں سے نکلے ہیں۔ ظاہر ہے، محسنِ انسانیت، خیر المرسلین، صادق و امین اور آفتابِ کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی کے لئے انسان دوستی، امن و آشتی، بھائی چارگی اور سماجی ہم آہنگی کی فضا کے بغیر

مدحتِ خیر البشر اور نعت کی تفہیم کرانا مخالف سمت سفر کے مترادف ہے۔

گوالیار میں سماجی ہم آہنگی، ہم دردی، انسانیت اور رواداری کی کڑیوں کا سراغ تقریباً ہزار سال پہلے مسلمان فاتحین کی آمد سے فراہم ہوتا ہے۔ بعد میں اہل ہنود راجاؤں نے بھی اسے جاری رکھا۔ مسلمان فاتحین میں سلطان شمس الدین التمش[9] نے ۱۲/دسمبر ۱۲۳۲ء[10] میں گوالیار فتح کیا۔ تعمیرات شروع کی اور عوام کے لئے پانی کے انتظامات کئے۔ عوامی صلاح و فلاح کا یہ سلسلہ اس کی دختر نیک اختر رضیہ سلطان[11] نے بھی قائم رکھا۔ ۱۹/مارچ ۱۲۳۸ء[12] کو گوالیار میں درس و تدریس اور تعلیم کا سلسلہ جاری کیا۔ 'مدرسہ ناصریہ'[13] کی تاسیس و بنیاد رکھی۔ یوں گوالیار کے باقاعدہ پہلے مدرس اور قاضی 'منہاج سراج'[14] ہوئے۔

جلال الدین خلجی کی ۶۹۵ھ (۱۲۹۵ء)[15] میں گوالیار آمد ہوئی۔ چند ماہ قیام کے دوران ایک بڑا گنبد اور چبوترا تعمیر کروایا اور "اپنی ایک طبعزاد رباعی گنبد کے سامنے کندہ کرائی"[16] ڈاکٹر قمرؔ گوالیاری نے گنبد و چبوترے کو سرائے اور طبع زاد رباعی کو فارسی زبان کے کتبے سے تعبیر کیا ہے:

> "اس (جلال الدین خلجی) نے مسافروں کے لیے ایک سرائے کی تعمیر کرائی اور اس میں فارسی زبان میں ایک کتبہ نصب کرایا جس کا مفہوم ہے 'میرے لیے جس کے قدموں میں تخت شاہی ہے، اس عمارت کی تعمیر سے کیا حاصل ہوگا۔ میں نے تو ان پتھروں کو اس لیے یکجا کر دیا ہے کہ ان کے سائے میں کوئی تھکا ماندہ مسافر دل شکستہ راہی آ کر سکون کے چند لمحے گزارے اور میرے لیے دعا کرے۔"[17]

جلال الدین خلجی کے بعد اس کا برادر زادہ (بھتیجا) علاؤالدین خلجی (۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء)[18] کے عہد حکومت میں بھی عوامی فلاح و بہبود کے کاموں کے علاوہ صوفیاء، فقراء کی گوالیار آمد اور زبان کی ترویج و اشاعت نے ترقی کی منزلیں طے کیں۔ گوالیار کے محقق، شاعر اور ترقی پسند نقاد وقارؔ صدیقی کے بیان کے مطابق:

> "دہلی سے دکن جاتے ہوئے حضرت گیسودراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے گوالیار میں کافی دنوں تک قیام کیا۔ یہاں اُن کا حلقۂ ارادت بہت وسیع ہوا۔ اس حلقے میں اردو کو رواج حاصل ہوا۔ ان کے خلیفہ شیخ علاؤ الدین گوالیاری کی درگاہ تحصیل بھانڈیر ضلع گوالیار میں ہے۔ علاء الدین خلجی کے زمانے میں معروف صوفی مولانا محمد یوسف چندیری، گوالیار کے علاقہ چندیری میں

تشریف فرما ہوئے۔ آپ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ تھے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق کی تصنیف ... میں بہت تفصیل سے اردو زبان کی ترقی و ترویج میں کی گئی صوفیوں کی ان خدمات کا تذکرہ ہے۔"[۱۹]

بہرکیف مذکورہ شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان فاتحین و سلاطین نے عوام کے فائدے کے لئے وسیع القلبی اختیار کی۔ سلطنت خلجی کے بعد تغلق خاندان نے بھی گوالیار پر نظرِ عنایت فرمائی۔ اس خاندان کے ہمایوں خان المعروف سلطان علاؤالدین سکندر شاہ (۱۳۹۴ء) کے متعلق مشہور کوی کیشو داس کی کتاب 'کاویہ پریہ' کے حوالے سے ڈاکٹر قمر گوالیاری نے لکھا ہے:

"دلّی کے حاکم علاءالدین (علاؤالدین سکندر شاہ) نے (خاندان مشر گوالیار پر) بڑا اکرم فرمایا۔"[۲۰]

امن و امان اور بھائی چارگی کے ماحول نے آنے والے حکمرانوں کو اِسی راہِ امن پر چلنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ ۱۳۹۴ء[۲۱] سے قائم راج پوت حکومت کے راجا کلیان سنگھ تُومر (۸۸۔ ۱۴۸۰ء)[۲۲] نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے کردار پر ایک کتاب "سلیمان چرتر"[۲۳] کے عنوان سے لکھی۔ یہ کتاب ہندو مسلم تہذیب اور سماجی ہم آہنگی کی عمدہ مثال پیش کرتی ہے۔ اسی عہد میں سلسلۂ شطاریہ کے صوفی بزرگ شیخ ظہور حاجی حمیدالدین حصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی آمد اور سکونت نے باہمی اتحاد کی شمع روشن کی۔ موصوف ہی سے گوالیار میں سلسلۂ شطاریہ کا آغاز ہوتا ہے۔ اُن کی انسان دوستی کے متعلق ڈاکٹر قمر گوالیاری رقم طراز ہیں:

"انھوں (شیخ ظہور الدین حاجی حصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے مسلمانوں اور ہندوؤں کو باہمی اتحاد کی تلقین فرمائی... اس زمانے میں اسلام اور ہندو دھرم ایک دوسرے کے بہت نزدیک آ گئے تھے۔"[۲۴]

کلیان سنگھ تومر نے ۱۴۸۶ء میں دارِ فانی سے کوچ کیا۔ اس کے فرزند و جانشین مان سنگھ تومر کے عہد حکومت کو مؤرخین نے طلائی اور سنہری دور سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے دور میں فنونِ لطیفہ کی ہر شاخ پُرشباب رہی، اسی زمانے میں سلسلۂ چشتیہ کے صوفی بزرگ سعیدالدین خواجہ خانون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ناگور (راجستھان) سے ترک وطن کر کے پہلے گوالیار کے نزدیک چندیری میں قیام فرمایا پھر اجمیر سے ہو کر ۹۰۰ھ[۲۵] (بمطابق ۱۴۹۴ء) میں یہاں مستقل سکونت اختیار کی۔ خواجہ خانون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عربی، فارسی زبان پر دست رس رکھنے کے ساتھ زبردست شاعر و نثر نگار تھے۔ موصوف نے تصنیف "مفتاح الوصول" یادگار چھوڑی ہے۔ یہ ایک مختصر سا رِسالہ ہے، جس میں دس (۱۰) ابواب

ہیں۔ یہ رِسالہ موصوف نے ''سالکانِ راہِ معرفت و طالبانِ وصلِ حقیقت کی ہدایت و رہنمائی کے واسطے لکھا تھا'' ۲۶؎ اس رِسالے کے دسویں باب 'در بیانِ صوم' میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی اس طرح کی ہے:

سُنّتِ رسول بکن تا کہ تو باشی حبیب بگذر کہ تو بوجہل نباشی یعنی ۲۷؎

''تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا راستہ اور یہ طریقہ اختیار کر جس سے تو خدا کا پیارا بن سکے یعنی مراد یہ ہے کہ تو ایسے کام نہ کر جو تجھے انجام کار بوجہل بنا دیں۔ تو اس کی وہ باغیانہ روش چھوڑ دے جو اس نے مذہب کے معاملہ میں اپنے خالق و مالک کے ساتھ اختیار کر رکھی تھی۔ اس کے برخلاف رسولِ خدا کی طرح تو بھی خدا کی مرضی و احکامات کا پوری طور پر تابعدار ہو جا۔'' ۲۸؎

اس سے واضح ہوتا ہے کہ گوالیار کے مدح گویان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں خواجہ خانون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اوّلیت کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت خواجہ خانون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے گوالیار تشریف لانے کے انتیس (۲۹) ۲۹؎ سال بعد سلسلۂ شطاریہ کی عظیم ہستی حضرت غوث محمد گوالیاری غالباً اکتالیس (۴۱) سال ۳۰؎ کی عمر میں ۱۵۲۳ء ۳۱؎ میں گوالیار آمد ہوئی۔ موصوف نے اپنی عمرِ عزیز کے تقریباً انتالیس (۳۹) سال یہاں گزارے۔ یوں خواجہ خانون، حضرت غوث علیہم الرحمہ اور اُن کے استاد شیخ ظہور حاجی حمید الدین حصور رحمۃ اللہ علیہ نے گوالیار میں اسلام کی نشر و اشاعت، شریعت و طریقت اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت اور تعلیمات کو عام کرنے میں غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ خصوصاً حضرت غوث گوالیاری اپنے مریدوں اور عوام سے ''اُردو میں گفتگو'' ۳۲؎ کرتے تھے۔ مولوی عبدالحق نے 'ملفوظاتِ سید ہاشم علوی' کے حوالے سے لکھا ہے کہ موصوف کے ہندی اقوال اور اشعار بھی ملتے ہیں۔ اس سلسلے میں مولوی عبدالحق نے حضرت غوث گوالیاری کا نموتناً ایک قول بھی درج کیا ہے :

''بھیکی بچہ خدا کو نہ میلے یعنی بھکاری کو خدا نہیں ملتا۔'' ۳۳؎

مذکورہ قول سے جہاں اُردو زبان کے ارتقائی عمل کی نشاندہی ہوتی ہے، وہیں اس بات کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے کہ موصوف نے اُردو کو اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ قوموں کو باہم شیر و شکر کرنے کی کوششیں کیں۔ اس ضمن میں شکیل گوالیاری رقم طراز ہیں:

''محمد غوث گوالیاری کی عظیم الشان خانقاہ میں مشہورِ عالم موسیقار تانسینؔ

کی تربیت اور اُنہیں کے توسّل سے متھرا کے سوامی ہریداس تک تانسین کی
رسائی دو قوموں کے باہمی اُنس و محبّت کی جیتی جاگتی مثال ہے۔'' ۳۴

حضرت غوث گوالیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کئی کتابیں تصوف پر تصنیف و تالیف کی ہیں۔ مثلاً بحرالحیات، اورادِ غوثیہ، رسالہ معراجیہ، کلید مخازن اور جواہر خمسہ وغیرہ۔ بحرالحیات کے متعلق وقار صدیقی لکھتے ہیں:

''آپ (حضرت غوث گوالیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی مشہور تصنیف 'بحرالحیات' ہے جو 'امرت کنڈ' کا فارسی ترجمہ ہے 'رودِ کوثر' کے مصنف شیخ اکرام الدین بحرالحیات کے متعلق لکھتے ہیں کہ اِس میں ہندو یوگیوں اور سنیاسیوں کے انتقال اور طریقوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اِس سے حضرت غوث گوالیاری کا فارسی اور سنسکرت دونوں زبانوں پر عبور ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح انھوں نے دونوں زبانوں اور مقامی بولی سے پیدا شدہ زبان اردو کو رائج کرنے میں اہم رول ادا کیا۔'' ۳۵

''جواہر خمسہ'': ۳۶ اذکار و افکار، اشغال و اعمال، وظائف و اوراد اور ریاضت و معرفت پر مبنی ہے۔ اس طرح حضرت غوث گوالیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں کی گنگا جمنی تہذیب سے تصوف کو ہندوستانی رنگ میں رنگنے کی کوشش کی۔ ہندوستانی تصوف میں بھکتی تحریک کی عمدہ مثال 'جواہر خمسہ' پیش کرتی ہے۔ لہٰذا موصوف کا گراں قدر کارنامہ بھکتی تحریک کو اسلامی تصوف سے نزدیک کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے دیگر علاقوں کی بہ نسبت شدید، تنفر حالات میں بھی صوفیائے گوالیار کی اخوت و محبت بھری فضائے بسیط میں یہ شہر امن و امان کی چادر اوڑھے رہا۔ چنان چہ قوموں کے ملاپ، تہذیبوں کے امتزاج نے جہاں انسانیت کی شمع روشن کی، وہیں اردو زبان کی نشر و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ انہیں مضبوط بنیادوں پر محسنِ اعظم، خیر المرسلین کی سیرت و صفات بیان کرنے والوں کا سلسلہ شروع ہو کر کہکشاں کا روپ اختیار کرتا ہے۔

مذکورہ مشائخین اور صالحین کی علمی، تہذیبی، گنگا جمنی اور صوفیانہ روایت کا اثر و سرور صوفی عبدالغفور عرف بابا کپور اور ان کے بعد کے زمانے تک قائم رہا۔ بقول وقار صدیقی:

''ہر دل عزیز صوفی عبدالغفور عرف بابا کپور بھی سماج کے غریب طبقے کی زبان میں گفتگو کرتے تھے اور یہ زبان مقامی بولی اور اردو کے امتزاج کی ایک شکل تھی۔'' ۳۷

اس بات کی تصدیق 'پنجاب میں اردو'، 'دیباچہ خالق باری' حافظ محمود شیرانی اور دربار اکبری وغیرہ سے بھی ہوتی ہے۔ اردو کی اولین تصنیف 'سب رس' میں ملا وجہی نے گوالیار کا تذکرہ کیا ہے۔ گویا اس شہر کی شہرت اور روایت شمالی ہند کے ساتھ دکن و گجرات تک پھیلی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے، اس کے اثرات گوالیار کے اطراف اور ملحقہ علاقوں کو بھی روشن کر رہے تھے۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر کے زمانے میں اس شہر سے ملحقہ علاقہ رنّود (ضلع شیوپوری) میں حاجی شاہ ولی کی منظوم تخلیق 'پریم نامہ' سامنے آتی ہے، اس کے اشعار فلسفۂ الوہیت، تصوف، توحید اور رسالت جیسے مضامین سے پُر ہیں۔ مثلاً ایک شعر بطور نمونے کے پیش کیا جاتا ہے:

احد ہی احمد بھیا ، او کے بیکھ نہ سیک حاجی نقطہ دُور کر، سو عین غین دوئی ایک ۳۸

گوالیار کے شعر و ادب کے ابتدائی دور میں عشق حقیقی کی راہ کو ہموار کرنے کے لئے عشق مجازی کا سہارا لیا گیا۔ شاہ منجھن کی تصنیف 'مدھو مالتی' اس کی عمدہ مثال ہے۔ اس ضمن میں وقار صدیقی لکھتے ہیں:

> ''سولہویں صدی عیسوی میں ہوئے شاہ منجھن بھی گوالیار کے باشندے تھے آپ مشہور تصنیف 'مدھو مالتی' کے مصنف ہیں آپ علم فقہ، فارسی، عربی کے علاوہ ہندی (اُردو) کے بھی ماہر تھے انھیں (زبانوں) کی آمیزش سے بن رہی زبان اردو کی ترقی میں آپ کا نمایاں حصّہ ہے۔'' ۳۹

شمال و دکن کے مابین گوالیار حکومت و سیاست کا اہم مرکز تھا۔ اسی لئے وقتاً فوقتاً شاہی عہدوں پر ایسی شخصیتیں بھی فائز رہیں، جن کا تعلق شمشیر و سناں، تیر و خنجر اور اسلحہ جات کے علاوہ شعر و ادب سے بھی رہا تھا۔ عبدالصمد سخن، غلام علی احسنؔ اور رفیع خاں باذلؔ وغیرہ اہل علم و قلم ہستیاں یہاں مختلف شاہی عہدوں پر فائز رہیں۔ یہ گوالیاری شعراء کی وہ اوّلین صف ہے، جس نے اردو ادب کے ہیرے تراشے۔ ان شعراء میں رفیع خاں باذلؔ کا تذکرہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ انہوں نے صنف مثنوی کے ذریعے نعت و منقبت کی بنیاد رکھی۔ بقول ڈاکٹر قمر گوالیاری:

> ''باذلؔ، جنھوں نے چالیس ہزار ابیات کی مثنوی بعنوان 'حملۂ حیدری' کی تخلیق کی ہے۔ اس مثنوی میں رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات نظم کئے گئے۔'' ۴۰

گوالیار میں نعت گوئی کی روایت اور نعت گویان کی تخلیقات، تصانیف اور نعتیہ ادب کی نشر و اشاعت، ترقی و توسیع کے لئے کی گئی کوششوں اور خدمات کا جائزہ لینے کے لئے، اسے دو

(۲) حصوں میں تقسیم کر کے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔
(۱) علاقۂ گوالیار میں اردو شعر و ادب اور نعت گوئی کی تاریخ کا تحقیقی جائزہ: ابتداء سے آزادی تک
(۲) علاقۂ گوالیار میں اردو شعر و ادب اور نعت گوئی کی تاریخ کا تحقیقی جائزہ: ۱۹۴۸ء سے عصرِ حاضر تک

علاقۂ گوالیار میں اردو شعر و ادب اور نعت گوئی کی تاریخ کا تحقیقی جائزہ: ابتداء سے آزادی تک:

گوالیار کے اوّلین شعراء میں عبدالصمد سخنؔ، غلام علی احسنؔ اور رفیع خاں باذلؔ کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔ ان کے بعد آزادی تک کے شعراء کی ایک طویل فہرست ہے۔ اس فہرست میں خان آرزوؔ، شاہ مبارک آبروؔ، شاہ غمگینؔ دہلوی، پنڈت شیوناتھ کول شاکرؔ، پنڈت شیام نارائن ہکسر مضطرؔ، مضطر خیرآبادی، نارائن پرساد ورماؔ مہرؔ گوالیاری، ضیاء عباس ہاشمی، غنیؔ گوالیاری، حب لال رعدؔ، نواب حکیم احمد نقوی، قاضی فضل الدین فضلؔ، حافظ نور بخش مشتاقؔ، کپتان احمد خاں تاباںؔ، سائلؔ حیدری مینائی، سید عبدالوہاب عاصیؔ گوالیاری، سید مرتضیٰ حسن دعاؔ ڈبائیوی، وشوناتھ کول مشکورؔ، قاضی ریاض الدین ریاضؔ انصاری، جان محمد صدیقی انورؔ نوحی، عبدالرضا قریشی رضاؔ گوالیاری، محبوب علی خاں محبوبؔ گوالیاری، زیب النساء تصویرؔ، فیاض الدین احمد خاں فیاضؔ گوالیاری، پنڈت مہاراج نارائن درخانونی، اوماشنکر شاداںؔ گوالیاری وغیرہم شعراء اہم ہیں۔

شعراء کی مذکورہ فہرست میں زیادہ تر تعداد ایسے شاعروں کی ہے، جنہوں نے خصوصاً غزل اور شعر و ادب کی مختلف اصناف سخن میں بھرپور طبع آزمائی کی لیکن نعتیہ ادب کی طرف توجہ کم مبذول رہی۔ خان آرزوؔ اور شاہ مبارک آبروؔ نے نظم و نثر کی زبردست خدمات انجام دیں، مگر اُن کے دواوین اور تصانیف میں مکمل نعت نہیں ملتی۔

غمگینؔ دہلوی نے گوالیار میں سب سے پہلے صنف رباعی میں نعت کی بنیاد رکھی۔ مثلاً:

نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

لائق تری نعت کے نہیں غمگینؔ آہ ہوتی ہے خیرہ تجھ پر نبیوں کی نگاہ
صلوٰت اللہ یا رسول اللہ اس واسطے رات دن یہ رکھا ہے ورد [۱]

درتعریف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

غمگینؔ کا ان دنوں عجب حال ہے آہ غافل ہے وہ خدا سے نہ کچھ ہے آگاہ
جس شئے کو وہ دیکھتا ہے یہ کہتا ہے صلی اللہ علیک یا رسول اللہ [۲]

نعت

نعت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے　　اس میں ۴۳ اپنا ظہور نام کیا
لا نہایت ہے حمد اے غمگینؔ　　پر تری فکر نے بھی کام کیا ۴۴

پنڈت شیونا تھ کول شاکرؔ (ولادت ۱۸۶۰ء ملتان، وفات ۱۹۵۰ء) کا کلام زیادہ تر پند و نصیحت، تلقین و عبرت سے لب ریز ہے۔ یہاں کی شعری و ادبی محفلوں میں اکثر سنا گیا کہ شاکرؔ نے خوب اچھی نعتیں لکھی ہیں، لیکن تلاش بسیار کے باوجود اُن کی کوئی نعت دست یاب نہ ہوسکی۔ البتہ انہوں نے مسدس کے روپ میں 'درصفت علم' ۴۵ اور 'مرأت الخیال' ۴۶ مثنویاں لکھی ہیں۔ دونوں سے ایک ایک بند پیش خدمت ہے:

درصفت علم

المدد اے خالقِ ارض و سما　　المدد اے رازقِ ہر دوسرا
المدد اے رہبرِ راہِ ہدیٰ　　المدد اے داورِ روزِ جزا
المدد اے بحرِ احساں المدد　　المدد اے ربِّ یزداں المدد ۴۷

مرأت الخیال

یارب رکھ اپنے بندوں پہ الطاف کی نظر　　ہے منحصر نجات تیرے رحم و فضل پر
کیونکر رقم کرے تیری حمد و ثنا بشر　　تیرے یمِ کرم سے زمانہ ہے بہرہ ور
تو خالقِ رحیم زمین و زماں کا ہے　　تو رازقِ کریم تمام انس و جاں کا ہے ۴۸

مضطرؔ خیر آبادی (ولادت: ۱۸۶۵ء، وفات: ۱۹۲۷ء) ملازمت کے سلسلے سے مختلف مقامات پر فائز رہے۔ ٹونک (راجستھان) کے بعد اُن کا طویل قیام گوالیار میں رہا۔ وہ بیسویں صدی کے پہلے عشرے کے ابتدائی سالوں میں یہاں تشریف لائے۔ اُن کے شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ یہاں موجود تھا۔ اُن میں قاضی عبدالرحمٰن دریاؔ جیوری، سخا حسین سخاؔ، عبدالغنی غنیؔ گوالیاری، حافظ نور بخش مشتاقؔ، قاضی فضل الدین فضلؔ، نبی محمد جوہرؔ اور سائلؔ حیدری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ شکیلؔ گوالیاری نے مضطرؔ کے عہد کی شعری محفلوں کی تصویر اور اُن کی ہر دل عزیزی کو یوں بیان کیا ہے:

''اُن کی شہرت خواص کے دائرے سے نکل کر بہت جلد عوام کے حلقوں میں پھیل گئی تھی...کوئی محفل ایسی نہ تھی جو مضطرؔ کے ذکر سے شروع ہوکر مضطرؔ پر ختم نہ ہوتی ہو...شادی بیاہ کے موقعوں پر...مضطرؔ کی غزلوں سے محفل میں...برسات کی رُت آتے ہی مضطرؔ کی ملہار دھوم مچا دیتی...میلاد

خوانوں کی ٹولیاں ہوڑ لگا کر مضطرؔ کا کلام سناتیں کہ دیکھیں کس کو مضطرؔ کا کتنا کلام یاد ہے :

ہمیں دردِ دل کی دوا مل گئی
نصیبوں سے خاکِ شفا مل گئی
ملی طرزِ عشقِ محمد ہمیں
حسینوں کو جیسے دوا مل گئی'' ۴۹

مضطرؔ کا حمدیہ مجموعہ 'نذرِ خدا' اور نعتیہ شاعری کا مجموعہ 'میلادِ مصطفیٰ' شائع ہو کر نایاب ہو چکا ہے۔ 'تذکرہ شعرائے وارثیہ' سے اُن کا ایک نعتیہ مخمس ملاحظہ فرمائیں:

نعتیہ مخمس

سن اے بادِ صبا تو جانب طیبہ اگر گزرے تو جا کر تھامنا بابِ حریمِ خاص کے پردے
درِ اقدس پر اپنا سر جھکا کر میری جانب سے بصد آداب یہ کہنا اے مالک مدینے کے
جوارِ خاص میں دو گز جگہ مضطرؔ کو مل جائے

اور اسکے ساتھ ہی کہنا کہ اے محبوبِ جاں میرے بڑے منجدھار میں ہوں دور ہے کشتی کنارے سے
ہوا بالکل مخالف چل رہی ہے اور دن کھوٹے جو وہ پوچھے کہ پھر کیا چاہتا ہے صاف یوں کہہ دے
جوارِ خاص میں دو گز جگہ مضطرؔ کو مل جائے

اگر پوچھے کہ اب کیا مانگتا ہے مانگ لے مجھ سے تو کہنا آپ نے سب کچھ دیا اور دے چکے پہلے
مگر قسمت بُری تھی بن گئے سب خار گل بوٹے اب آخر وقت میں کیا چاہئے مجھ کو سوا اس کے
جوارِ خاص میں دو گز جگہ مضطرؔ کو مل جائے ۵۰

مضطرؔ خیر آبادی کے بعد نارائن پرساد ورماؔ مہر گوالیاری، ضیاء عباس ہاشمی، اثرؔ گوالیاری، انعام گوالیاری، سروپ نارائن سکسینہ باغؔ گوالیاری، حب لال رعدؔ وغیرہ شعراء کے یہاں غزل کے علاوہ حمد و مناجات، سلام و منقبت وغیرہ پر منحصر کلام ملتا ہے۔

نواب حکیم احمد نقوی (ولادت: ۱۸۷۹ء، وفات: ۲۰/فروری ۱۹۷۲ء) باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ باکمال شاعر و نثر نگار تھے۔ شہر گوالیار کی تاریخ میں جس قدر اہمیت قلعۂ گوالیار کو حاصل ہے، سو (۱۰۰) سال سے زیادہ پرانی ادبی تنظیم 'بزمِ اُردو' بھی یہاں کی ادبی تاریخ میں وہی اہمیت رکھتی ہے۔ ضیاء عباس ہاشمی نے ۱۹۱۶ء میں اس کی بنیاد رکھی۔ نواب حکیم احمد نقوی اس بزم کے پہلے صدر ہوئے۔ ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۱ء تک اور پھر ۱۹۲۳ء سے ۱۹۴۸ء تک بزم اردو کی

مسندِ صدارت پر متمکن رہے۔ بعد میں بھی بزم اردو کی ادبی محفلیں اور نشستیں انہیں کے گھر پر منعقد ہوتی رہیں۔موصوف کثیر التصانیف تھے۔نثر و نظم، تاریخ و تحقیق میں اُن کی کئی کتابیں مثلاً مختصر تاریخ عالم ۵۱ چیستانِ کائنات ۵۲ ذکرِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۵۳ حسینی مثنوی ۵۴ بیاضِ زہرا ۵۵ ویدی لٹریچر ۵۶ سیر افلاک ۵۷ کے علاوہ لندن کے سفر کے منظوم خطوط بنام رفیقۂ حیات رسالہ 'نسیم' ۵۸ آگرہ میں شائع ہوئے۔کتاب 'ذکرِ رسول' کے متعلق موصوف کے نبیرہ (پوتے) سید معتضد احمد نقوی نے تحریر فرمایا :

> ''اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دعوتِ اسلام کے تعلق سے عالمِ انسانیت کے لئے جو ہدایتیں، نصیحتیں اور رہبری سے باخبر کیا، ان تمام علوم کا ذکر اس کتاب (ذکر رسول) میں بیان کیا گیا ہے۔'' ۵۹

نثر میں کتاب ' ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم' کے علاوہ شاعری میں نعت کے ذریعے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توصیف بیان کی ہے:

نعت شریف

کیجئے کس منہ سے توصیف وثنائے مصطفےٰ — مظہر شان خدا ہے ہر ادائے مصطفےٰ
دل نثار مصطفےٰ ہے جاں فدائے مصطفےٰ — دین اور دنیا کی دولت ہے ولائے مصطفےٰ
ہیں ثنا خوانِ نبی ﷺ اہلِ فلک اہلِ زمیں — فرش سے تا عرش پہنچی ہے صلائے مصطفےٰ
ہے یہ دل میں آرزو یارب کہ روزِ حشر ونشر — میں اٹھوں اپنی لحد سے مبتلائے مصطفےٰ
ہم کو بخشی ہے خدا نے دولتِ سمع و بصر — دولت دین مقدس ہے عطائے مصطفےٰ
منزلیں طے کر کے جب طیبہ میں پہنچے تھے حضور — شور برپا تھا مدینے میں وہ آئے مصطفےٰ
مفلسی سب کے دلوں کی دور کرنے کے لئے — دولت اسلام اپنے ساتھ لائے مصطفےٰ
ان کی بتلائی ہوئی راہوں پہ ہم چلتے رہیں — ہم کو اے اللہ حاصل ہو رضائے مصطفےٰ

''ولادتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کے عنوان سے انہوں نے ایک طویل نظم تخلیق کی، جس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے کے حالات کو پس منظر کے طور پر بیان کرتے ہوئے، ولادت اور ولادت کی تاریخوں پر ہجری وعیسوی دونوں لحاظ سے روشنی ڈالی ہے۔ اس نظم کے درمیان سے تین (۳) اور خاتمے کا ایک شعر نموتاً ملاحظہ فرمائیں:

ولادتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ہائے کس دل سے بتاؤں آپ کے والد کا حال چھ مہینے اس سے پہلے ہو چکا تھا انتقال
نام نامی والدہ کا آمنہ خاتون تھا جن کے حُسنِ خُلق کا چھوٹا بڑا ممنون تھا
آپ کے دادا نے ہاتھوں ہاتھ گودی میں لیا پیار سے اسمِ گرامی پھر ''محمدؐ'' کہہ دیا

آخر کا ایک شعر

ختم کرتا ہوں درودِ پاک پر اپنا کلام السلام اے جانِ جاناں دو عالم السلام[۶۱]

حکیم احمد نقوی کے بعد قاضی محمد رفیع الاسلام اختؔر بدایونی، مرزا مصطفیٰ بیگ ارماںؔ دہلوی، کپتان احمد خاں تاباںؔ خورجوی، قاضی عبدالرحمٰن دریاؔ جیوری، فضل الدین فضلؔ، حافظ نور بخش مشتاقؔ، سید فیض الحسن ذکیؔ جیوری، محمد حسین جوہرؔ گوالیاری، محمد اصغر شادؔ بدایونی، قادر بخش شبابؔ گوالیاری، قاضی معین الدین انصاری شیداؔ جیوری، قاضی عبدالرحیم انصاری فضاؔ جیوری اور معراجؔ گوالیاری وغیرہ شعراء نے یہاں کی شعری روایات کو حمد و مناجات، منقبت، سلام اور خصوصاً غزل کے ذریعے شعر و ادب کو مزید ترقیوں سے ہم کنار کیا۔ اُن کی شعری خدمات پر آئندہ کسی مضمون میں تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

میر عنایت علی حیدری سائلؔ مینائی گوالیاری (ولادت: ۱۸۸۲ء، وفات: ۲۰ر ستمبر ۱۹۸۹ء) قلمی نام سائلؔ حیدری مینائی سے مشہور تھے۔ حالاں کہ مضطرؔ خیر آبادی کے تلمیذ یافتہ تھے اور مضطرؔ امیر مینائی سے اسی لئے دادا استاد کے نام کی مناسبت سے نام کے ساتھ مینائی شامل رکھا تھا۔ سندھیا فوج میں کپتان کے عہدے پر فائز تھے۔ بڑے اُصول پسند تھے، جو کہتے اُسے کر دکھاتے۔ شادی نہ کرنے کا فیصلہ لیا اور زندگی بھر مجرد رہے۔ انہوں نے نعتیہ غزل، نظم، خمسہ وغیرہ پر طبع آزمائی کی ہے۔ غزل کے دل دادہ تھے۔ لیکن افسوس کہ اُن کا کوئی مجموعہ طباعت کی روشنائی سے منور نہ ہوسکا۔ اُن کی ایک مثنوی نما نعتیہ نظم گوالیار کے محقق ڈاکٹر قمر الدین برترؔ قمر گوالیاری نے اپنی بیاض سے از راہِ کرم نقل کر کے عنایت فرمائی:

خدا کے نور کا جلوہ نبی ﷺ کے پرَ تو میں ہے جوان کے راستے میں ہے، وہ حق کے راستے میں ہے
وجود اس ذاتِ عالی کا اگر ہوتا نہ دنیا میں تو بہتا رحمتِ حق کا کہیں دریا نہ دنیا میں
عرب میں واقعی قدرت نے پیدا کی ہے وہ ہستی لگائی حق کے سیدھے راستے پر جس نے ہر بستی
بدل ڈالے جہالت کے طریق اک آنِ واحد میں خلوص و اُنس پیدا کر دیا محمود و حامد میں
انہوں نے آتے ہی فوراً بنا ڈالی محبت کی زمانے بھر کو دی تعلیم اخلاص و مروّت کی

سنائے آ کے دنیا میں خدا کے تذکرے سب کو بتائے اتحادِ باہمی کے راستے سب کو
تمام عالم کے لوگوں میں محبت کی ضیا ڈالی عِناد و بغض کی بنیاد دنیا سے مٹا ڈالی
محمد ﷺ نے جہاں میں ایسی ایسی رہنمائی کی کہ راہیں کھول دیں آ کر خدا تک سب خدائی کی
بنایا خُلق اور اخلاص سے اپنا زمانے کو زمانے میں دکھائیں خوبیاں کیا کیا زمانے کو
خدائی بھر میں ایسا خوبیوں والا نہیں دیکھا کوئی ہادی زمانے میں تو ان جیسا نہیں دیکھا
حقیقت ہے کہ شاہِ انبیاء کی شان ہے ایسی تمنا فیض سے جن کے سبھی کی ہوتی ہے پوری
جب آپ ﷺ آئے تو ہر شاہ و گدا نے پائی ہے تسکیں جب آپ آئے تو اے سائلؔ مرادیں سب کی بر آئیں ۶۲

سائلؔ مینائی کے بعد سید عبدالوہاب عاصیؔ گوالیاری، آغا عبدالرحیم عرشیؔ، رام نارائن سخنؔ جوہری، راجیند رناتھ بھان بحرؔ، سید ضمیر محمد صابرؔ، خواجہ سید ظفر غنی سبوؔ، سید صفدر علی خاں بسملؔ، کرشن کمار بھٹنا گر آزادؔ، سید امتیاز علی فخرؔ، محمد اویس درّانی وغیرہ شعراء نے نعت کے علاوہ دیگر اصناف سخن کے ذریعے گوالیار کے شعری خزانے کو مالا مال کیا۔ اس کی تفصیل شکیلؔ گوالیاری کی کتاب 'پتھروں کے شہر میں' اور ڈاکٹر قمرؔ گوالیاری کی کتاب 'گوالیار اور اردو زبان و ادب' میں دیکھی جا سکتی ہے۔

مشتاقؔ حسین ہاشمیؔ (ولادت: ۱۴؍دسمبر ۱۸۹۶ء، وفات: ۶؍جون ۱۹۶۸ء) ڈاکٹر قمرؔ گوالیاری کے مطابق:

> "۱۹۱۸ء میں مشتاق ہاشمی گوالیار آئے ...کوآپریٹیو سوسائٹیز اینڈ بینک میں ڈسٹرکٹ آفیسر کی حیثیت سے ملازمت مل گئی... تقسیم وطن کے باعث آپ مع اہل و عیال ۲۷؍اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان ہجرت کر گئے... ۱۹۴۲ء سے شعر گوئی کی ابتداء کی ...انہوں نے تخلص کے طور پر مشتاق اور ہاشمی دونوں کا استعمال کیا... کراچی سے آپ کا شعری مجموعہ 'اوراق دل' کی اشاعت ۲۰۰۲ء میں ہوئی۔" ۶۳

مشتاقؔ ہاشمیؔ نے ذولقوافی اور سہ قوافی میں نعت کی تخلیق کا تجربہ کیا ہے۔ مثلاً:

غم کی دوائے بے مثال صلی علیٰ محمد ﷺ کیف شفائے لا زوال صلی علیٰ محمد

ذوالقوافی کے بعد سہ قوافی کا نمونہ دیکھیں:

اک نعتِ بستان گلنارِ مدینہ ہے کیا نکہت ریحان گلزارِ مدینہ ہے ۶۴

مشتاقؔ ہاشمیؔ کے بعد مدہوشؔ گوالیاری، سید مرتضیٰ حسن دعاؔ ڈبائیوی، سروپ نارائن رازداں ایمنؔ امرتسری اور وشوناتھ کول مشکورؔ وغیرہ نے شعر و ادب کو پروان چڑھانے میں بھرپور کوششیں

کیں۔خصوصاً دعاؔ ڈبائیوی نے غزل کی روایت کو استحکام بخشا۔دعاؔ کے کلام کی اشاعت ہندوستان کے مختلف رسالوں، جریدوں میں ہوتی رہی،لیکن جو کچھ کلام نظر سے گزرا،اس میں نعت نہیں ملتی۔اسی طرح وشوناتھ کول مشکورؔ کے متعلق یہاں کی محفلوں میں سنا گیا کہ انہوں نے حمد و نعت کی تخلیق کی ہے۔افسوس کہ ان کا کلام دست یاب نہ ہوسکا۔

ریاضؔ انصاری (ولادت :۱۲/جنوری ۱۸۹۹ء، وفات: ۹/جولائی ۱۹۷۴ء) سراپا تعلیم تھے۔اُن کی زندگی درس و تدریس سے عبارت ہے۔ملازمت کے درمیان اور وظیفہ یاب ہونے کے بعد سارے بندھنوں سے آزاد ہوکر اُردو درس و تدریس کا جنون انہیں پا پیادہ دُور دَراز کے علاقوں تک لے جاتا تھا۔اُن میں سے کچھ اُردو آبادی،اس دنیا سے رخصت ہوگئیں اور کچھ بزرگ آبادی اُن کی بے انتہا سعی و عمل،عرق ریز کاوشات اور خدمات کی گواہی دینے کے لئے باقی ہے۔ شکیلؔ گوالیاری نے اعتراف کیا ہے کہ:

> ''ریاض انصاری جیسے شخص اور شاعر کو ایک ہی ذات میں دیکھنے کے لئے سرزمینِ گوالیار کو صدیاں درکار ہیں۔''۶۵

وقارؔ صدیقی نے موصوف کی خدمات کو یوں سراہا ہے:

> ''۱۹۴۷ء کے بعد گوالیار میں ان کے پائے کا اردو اور فارسی میں کوئی دوسرا شخص نہیں تھا...ریاض صاحب نے صرف مدرس کی حیثیت سے اردو زبان کی خدمت ہی نہیں کی بلکہ پوری طرح اردو تحریک کا ساتھ بھی دیا...ہر احتجاج میں انھوں نے ہمارا ساتھ دیا۔۱۹۱۵ء میں گوالیار میں 'بزم ادب' کی سرگرمیوں کے روح رواں رہے۔۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۲ء تک وہ 'بزم اردو' کے معتمد عمومی کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔۱۹۵۵ء میں انجمن ترقی اردو کی گوالیار شاخ کا قیام دوبارہ عمل میں آیا...انجمن کے سرپرست کی حیثیت سے آخری دم تک ہر کام اور ہر موقع پر برابر عملی تعاون کرتے رہے...ان کے دم سے تمام اراکین انجمن کو بڑی تقویت اور ڈھارس تھی۔''۶۶

ریاضؔ انصاری نے غزل،نظم،سلام اور قطعہ وغیرہ پر طبع آزمائی کی۔ان کی غزلیں اُن کے استاد نوحؔ ناروی کے رنگ میں ہونے کے ساتھ کئی نئی رنگت رکھتی ہیں۔یہی رنگ اُن کی نعت پاک میں بھی دکھائی دیتا ہے:

نعت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

صبا مدینے پہنچ کے پہلے ، نبی ﷺ سے میرا سلام کہنا
پھر ان سے احوال شوق و الفت ، بہ لطف وصد احترام کہنا
اگر مرا نام تجھ سے پوچھیں، تو عرض کرنا ریاضِ احقر
اگر کہیں کون شخص ہے یہ، تو ''آپ کا اک غلام'' کہنا
کریں جو دریافت حال میرا، تجھے قسم ہے بصد دیانت
یہاں جو مجھ پہ گزر رہی ہے، وہ حال میرا تمام کہنا
اگر یہ پوچھیں کہ یاد کرتا ہے، بھول کر وہ ہمیں بھی
زبان پر اُس کی ہر گھڑی ہے، فقط تمہارا ہی نام کہنا
غرض وہاں جا کے سب سنانا، مرے غم و درد کی کہانی
مری پریشانیوں کی روداد، اُن سے تا اختتام کہنا
جو یاد میں اُن کی حال دل ہے، وہ حال سب تم انھیں سنا کر
جو اُن کی فرقت میں کیفیت ہے، وہ کیفیت لا تمام کہنا
اگر کچھ اس میں سے بھول جائے ،تو خیر لیکن تجھے قسم ہے
مری محبت کا حال اُن ﷺ سے تمام بالالتزام کہنا
مجھے بھی ہمراہ لے چلو تم ارے مدینے کو جانے والو
یہی مرا شغل ہوگیا ہے ہر ایک سے صبح و شام کہنا
نہ کوئی ہم دم نہ کوئی مونس ، نہ کچھ وسیلہ نہ کچھ ذریعہ
نہ پاس اُس کے ہے جینے مرنے کا کوئی بھی انتظام کہنا
زیارتِ روضۂ منور کی اُس کی حسرت ہے عمر بھر سے
بلا لو اس کو بھی پاس آقا، ریاضؔ کا یہ پیام کہنا ۶۷؎

ریاضؔ انصاری کے بعد جان محمد صدیقی انورؔ نوحی، عبدالرضا قریشی رضاؔ گوالیاری، محبوب علی خاں محبوبؔ گوالیاری، زیب النساء تصویرؔ، پنڈت مہاراج نارائن درؔ خانونی، اوما شنکر شاداںؔ گوالیاری وغیرہ شعراء نے غزل کو شاعری کی روح اور جان تسلیم کرتے ہوئے گوالیار میں اردو غزل کے ارتقائی سفر میں معاونت کی۔ ان میں سے کچھ شعراء نے مناقب اور منظومات کے دامن کو وسیع کیا۔ خصوصاً درؔ خانونی

کی نعت گوئی کے متعلق گوالیار کے محققین وقارؔ صدیقی، ڈاکٹر قمرؔ گوالیاری نے راقم کو بتایا کہ ''درؔ صاحب نے نعتیں بھی لکھی ہیں'' ۶۸؎ درؔ خانونی کا تذکرہ کتاب 'اردو کے ہندو شعراء' ۶۹؎ میں اختصار کے ساتھ ملتا ہے، لیکن تلاش کے باوجود اُن کا نعتیہ کلام دست یاب نہ ہوسکا۔

فیاض الدین احمد خاں فیاضؔ گوالیاری (ولادت: ۲۱/ اکتوبر ۱۹۰۶ء، وفات: ۸/ نومبر ۱۹۸۰ء) اُردو نظم و نثر میں یک ساں مہارت رکھتے تھے۔ اُن کی حب الوطنی سے لب ریز نظمیں اس قدر مشہور ہوئیں کہ حضرت نظام الدین اولیاء درگاہ ٹرسٹ دہلی سے یکم جون ۱۹۷۲ء کو خطاب 'شاعرِ وطن' ۷۰؎ تفویض کیا گیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اُن سے روبرو نظمیں سن کر اپنی رائے دی۔ صدر جمہوریۂ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین کے علاوہ اُس دور کی مشہور ہستیوں نے اُن کی نظموں کی خوبیوں اور خدمات کو سراہتے ہوئے، اعترافی کلمات ادا کئے۔ جگت گرو 'شنکر اچاریہ' نے انہیں 'سدھرم رتن' ۷۱؎ کی سند عطا فرمائی۔ اُن کی نظموں پر ندؔا فاضلی نے یوں اظہار کیا ہے:

> ''قومی اور وطنی نظموں کی طرف اُن کا رجحان، اُس دور میں اُن کی جدّت پسندی کی دلیل تھی۔ حالیؔ اور آزاد کی طرز میں فطرت اور سماج کی تصویر گری اور جوشؔ کے انداز میں قومی اور انقلابی نظمیں، اُن کی شعری رویوں کی ترجمان ہیں'' ۷۲؎

فیاضؔ گوالیاری نے شاعری کے علاوہ نثر کے میدان میں بھی اپنے قلم کو رواں رکھا تھا۔ اپنے بزرگ شعراء اور معاصرین پر اُن کے مضامین ملک کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہے۔ وطنی اور سیاسی نظموں کے علاوہ موصوف نے حمد، نعت، منقبت میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ نموناً اُن کا ایک نعتیہ قطعہ ملاحظہ فرمائیں:

زباں پہ نام محمد ﷺ جو بار بار آیا   جگر کو چین ملا، قلب کو قرار آیا
زمیں سے لے کے فلک تک تو میں پکار آیا   ملا جوابِ محمد ﷺ نہ سارے عالم میں ۷۳؎

گوالیار میں اردو شعر و ادب کے آغاز سے آزادی تک شعراء کی شاعری کے سرسری جائزے سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ گلستانِ سخن کا یہ چمن علم و فن، مختلف اندازِ سخن اور مختلف رنگوں سے سرسبز و شاداب رہا، لیکن آزادی سے قبل کی اس شعری انجمن میں بلبلِ باغِ مدینہ کم کم نظر آتے ہیں۔ گویا گوالیار کا گگن غزل تاروں سے روشن رہا۔ باوجود اس کے جن نعت گویان نے نعت کائنات کو مہکایا، سجایا، سنوارا اور نکھارا، اُن کی خدمات قابلِ ستائش اور لائق قدر ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ نعت گویان نے رباعی، قطعہ، غزل

،مثنوی اور نظم کے پیرائے میں مدحت خیر البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیان کی ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ گوالیار میں نعت گوئی کا فن مضبوط رہا ہے۔نعت گو شعراء کی اہم خصوصیات کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس سے نعت گو شعراء کی شاعری کا مطالعہ تو ممکن نہیں،لیکن گوالیار میں نعت گوئی اور اس کی روایت کا اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے۔یہ ایک تاریخی جائزہ ہے۔اس بنیادی تحریر سے مستقبل کے محققین کو تھوڑی سی امداد مل سکتی ہے۔آئندہ زمانے میں نعت پر تحقیق کرنے والے محققین نعت گویان کی خدمات کو سراہتے ہوئے ،اُن کی کاوشات کو دنیائے ادب کے سامنے پیش کریں گے۔ ممکن ہے کچھ نام چھوٹ بھی گئے ہوں۔یا جن نعت گو شعراء تک اب تک رسائی نہ ہو پائی۔چاہے مواد فراہم نہ ہونے کے سبب،کمزوریِ مطالعہ کی بنا پر یا میری کم مائیگی اور کم علمی کی وجہ سے سامنے نہ آسکے ہوں۔ممکن ہے مستقبل کا مؤرخ،اس کم زور تحریر کے اشاروں سے قعرِ گم نامی میں گُم اُن نعت گویان تک رسائی حاصل کرلیں تو مجھ حقیر فقیر کی عاقبت سنور جائے گی۔

علاقۂ گوالیار میں اردو شعر و ادب اور نعت گوئی کی تاریخ کا تحقیقی جائزہ: ۱۹۴۸ء سے عصرِ حاضر تک:

آزادی تک کے شعراء کی ترتیب سنِ ولادت کے لحاظ سے رکھی گئی ہے۔۱۹۰۷ء تک ولادت پانے والے شعراء کو چالیس (۴۰) سال کی عمر آزادی سے قبل گزارنے کے سبب آزادی تک کے شعراء کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔۱۹۰۸ء کے بعد ولادت پانے والے شعراء کی تاریخ ولادت اور سنِ ولادت کو ملحوظ رکھ کر شعری ادب اور نعت گو شعراء کی تاریخ کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

آزادی کے بعد کے شعراء کی فہرست،آزادی تک کے شعراء کی فہرست سے بہت کم زور ہے۔ کیونکہ ۱۹۴۷ء کے پہلے ہی گوالیار اُردو کے قلم کاروں سے ایسا خالی ہو گیا تھا،جیسے محمد بن تغلق کے دکن جانے کے فرمان کے بعد دہلی کا حال ہو گیا تھا۔بقول وقار صدیقی:

> ’’گوالیار ۱۹۴۰ء کے بعد اُردو والوں سے خالی ہونا شروع ہو گیا تھا۔ بھوپال،دہلی اور کراچی وغیرہ کی طرف اُردو والوں نے رُخ کیا۔اُن میں سے کچھ خاندانوں نے گوالیار کی جانب مراجعت کی اور کچھ خاندانوں نے اُنہیں مقامات کو وطن ثانی بنا لیا تھا۔سُونی محفل کو ریاض انصاری صاحب نے دوبارہ سجایا اور آزادی کے بعد ’بزم اردو‘ کی محفلیں اُنہیں کے دم سے قائم ہوئی۔‘‘ ۴۷؎

مذکورہ بزم اُردو کی نشستوں میں وقار صدیقی صاحب کے مطابق ’’صرف دس پندرہ (۱۵۔۱۰)

شعراء ہی شرکت کرتے تھے۔ اُن میں حکیم احمد نقوی، ریاضؔ انصاری، فیاضؔ گوالیاری، ایمنؔ امرتسری، بحرؔ گوالیاری، تاباںؔ گوالیاری، امتیاز علی فخرؔ، انورؔ نوحی، شاداںؔ گوالیاری، رضاؔ قریشی وغیرہ شامل ہوتے تھے۔ کچھ عرصے بعد وقار قریشی، نثار پرویزؔ، وقارؔ صدیقی، شمیم فرحتؔ، عبدالحمید حامدؔ، شکیلؔ گوالیاری اور ندؔا فاضلی بھی بزمِ اردو کی نشستوں میں شریک ہونے لگے تھے۔

گویا گوالیار میں ۱۹۴۷ء سے قبل ہی قیامت صغریٰ برپا ہوگئی تھی۔ بتایا جاتا ہے کہ کراچی میں ایک محلّہ 'گوالیاری' کے نام سے موسوم ہے۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں کچھ شعراء و ادباء دوسرے مقامات پر جا کر ایسے بسے کہ پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اِن حالات سے جان و مال کے ساتھ ادب کا بھی بڑا نقصان ہوا۔

چنانچہ گوالیار کو خیر آباد کہہ کر دوسرے مقامات میں آباد ہو چکے شعراء کو رسالوں، جریدوں، کتابوں اور اُن کے متعلقین و ورثاء کی مدد سے تلاش کر کے آزادی کے بعد کی ناقص فہرست کو مکمل کرنے کی حتمی کوشش کی گئی ہے۔

آزادی کے بعد کے شعراء کی مکمل فہرست (جسے تحقیق کی رو سے مکمل بھی کہا نہیں جا سکتا) میں سروپ نارائن سکسینہ باغؔ گوالیاری، محمد شیر خاں شیرؔ گوالیاری، ڈاکٹر چاند نارائن ہکسر، جاں نثار حسین رضوی جاں نثار اخترؔ، شفاؔ گوالیاری، مظہرؔ گوالیاری، منظور احمد قریشی منظورؔ گوالیاری، سید ممتاز علی تصورؔ، عبدالکریم شوقؔ، حسن خاں خلشؔ، پریم چند کشیپ سوزؔ، سید علی حیدر نقوی حیدرؔ گوالیاری، منصور علی موجدؔ، سید محمد ساغرؔ زیدی، خواجہ غلام محی الدین ناظرؔ نظامی، نبی بخش حکیمؔ گوالیاری، جہاں قدر چغتائی، عبدالرؤف وقارؔ قریشی، لئیق بیگم لئیقؔ ناظر، برکت علی حیاتؔ، عباس احمد قمرؔ شنکر پوری، نثار احمد نثار پرویزؔ، احمد خاں احمرؔ گوالیاری، رئیسؔ فاطمہ، سید اختر جمیل ڈاکٹر اختر نظمیؔ، وقارؔ صدیقی، فضلیؔ فاروقی، شمیم احمد شمیم فرحتؔ، شمشاد احمد خاں نظامی قلمؔ گوالیاری، عبدالحمید حامدؔ، مشتاق احمد صدیقی عشاقؔ، محمد شفیع شکیلؔ گوالیاری، عبدالحیٔ بقاؔ صدیقی، سید مقتداء حسن ندؔا فاضلی، ڈاکٹر قمرالدین صدیقی برتر قمرؔ گوالیاری، محمد قاسم رساؔ، کشنؔ تلوانی، عبدالقیوم نسیمؔ رفعت، انجمؔ دتیاوی، شفیق حسین شفیقؔ رحمانی، محمد عثمان نصرتؔ گوالیاری، صابر خاں صابرؔ گوالیاری، راحت علی شاہ راحتؔ، رؤف خاں رؤف جاوید، معراج دھول پوری، احسان نبی قاضی تنویر، سلیم احمد نقوی سلیم اشکؔ، بشیرؔ گوالیاری، رفیق عشرتؔ گوالیاری، ڈاکٹر وجے کمار شری واستو وجے کلیمؔ گوالیاری، درویشؔ گوالیاری، فصیح الزماں کاشفؔ، مدن موہن مشرا دانشؔ، اتل اجنبیؔ، عامرؔ فاروقی، رعنا زیبا، نظیر انصاری نظرؔ اور منیش کبیر وغیرہ نام سامنے آتے ہیں۔

آزادی کے بعد گوالیار کی شعری روایت میں غزل کے ساتھ نظم کا حصہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ سروپ نارائن سکسینہ باغؔ گوالیاری، محمد شیر خاں شیرؔ گوالیاری، ڈاکٹر چاند نارائن ہکسر، جاں نثار حسین رضوی جاں نثار اخترؔ نے غزل کے ساتھ نظم کی ترقی میں مزید اضافہ کیا۔ خصوصاً جاں نثار اخترؔ نے ترقی پسندانہ، عاشقانہ اور احتجاجی نظموں سے شعر و ادب کی روایت میں نئی داغ بیل ڈالی۔

شفاؔ گوالیاری (ولادت: ۲۶؍اگست ۱۹۱۴ء، وفات: ۳؍جولائی ۱۹۶۸ء) کا قلم ادب کے دونوں میدان نظم و نثر میں یکساں رواں رہا۔ انہوں نے ۱۹۴۷ء سے پہلے گوالیار کو خیر آباد کہا، بھوپال میں آباد ہوئے۔ انہوں نے گوالیار میں شاعری اور شاگردی کی روایت کو فروغ دیا۔ بقول شکیلؔ گوالیاری:

> ''داغؔ، سیمابؔ اور ابرؔ احسنی گنوری کے بعد شفاؔ گوالیاری ہیں جن کے شاگرد اتنی بڑی تعداد میں ہندو پاک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ شفاؔ صاحب نے مشق سخن ہی کے ساتھ مشق اصلاحِ سخن بھی شروع فرمادی تھی۔'' ۵ے

آیاتِ شفا، نبضِ حیات، شاخِ زیتون اور پرچم اُردو اُن کے مجموعہ ہائے کلام ہیں۔ انہوں نے غزل، رباعی اور نظم پر بھرپور طبع آزمائی کی۔ نعت میں بھی اُن کی استادانہ صلاحیت جھلکتی ہے:

ہے عصمت شب گیسوئے پیچان محمد ﷺ	تنویر سحر ہے رخ تابانِ محمد ﷺ
قرآن سے ظاہر ہے جو ہے شان محمد ﷺ	اللہ کا عرفان ہے عرفانِ محمد ﷺ
خم کرتی ہیں سر گنبد خضرا پہ بہاریں	ہے روکش جنت چمنستانِ محمد ﷺ
اے راہیو پلکوں سے چنو نظروں سے چومو	ملتے ہیں کسے خار بیابانِ محمد ﷺ
ہیبت سے لرز جاتے ہیں سلطانوں کے دل بھی	جب جھوم کے اٹھتے ہیں غلامانِ محمد ﷺ
آدوست تری آنکھوں کو میں آنکھوں میں رکھ لوں	تو دیکھ کے آیا ہے گلستانِ محمد ﷺ
خوش ہو کے فرشتے بھی بچھا دیتے ہیں آنکھیں	پوچھو نہ شفاؔ عظمت مہمانِ محمد ﷺ ۶ے

مظہر حسن خاں مظہرؔ گوالیاری (ولادت: ۱۹۱۵ء، ۱۹۶۸ء تک بقید حیات، کراچی پاکستان) نے اپنے استاد شفاؔ گوالیاری کے ساتھ پہلے بھوپال چھ (۶) سال کے لئے بسایا پھر کراچی پاکستان ہجرت کی۔ ڈاکٹر قمرؔ گوالیاری نے سید رضا محمد حضرت جی کے نام مظہرؔ گوالیاری کے خط کے حوالے سے اُن کی زندگی کے واقعات و حالات قلم بند کرتے ہوئے، نعت کے چند اشعار پیش کئے ہیں۔ نمونتاً انہیں اشعار کو یہاں من وعن پیش کیا جارہا ہے:

محمد مصطفیٰ سے اُنس پیدا کر لیا میں نے — خدا کے نور سے دل کو مجلیٰ کر لیا میں نے

......

سرِ عرشِ معلیٰ آپ کچھ اس شان سے پہنچے — زمانہ آج تک ہے محو حیرت یا رسول اللہ

......

کلیم تم ہو، حبیب وہ ہیں، یہ طورِ سینا، وہ عرشِ اعظم — تمھیں ذرا سی جھلک دکھائی، اُنھیں دکھایا جمال اپنا ؎۷

مظہرؔ گوالیاری کے بعد منظور احمد قریشی منظورؔ گوالیاری، سید ممتاز علی تصورؔ، حسن خاں خلشؔ، پریم چند کشیپ سوزؔ، سید علی حیدر نقوی حیدرؔ گوالیاری، نبی بخش کلیمؔ گوالیاری، جہاں قدر چغتائی، عبدالرؤف وقارؔ قریشی اور منصور علی موجدؔ وغیرہ نے نعت کے علاوہ دیگر اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ بلکہ شعری روایت کو تازہ دم رکھنے میں معاون ثابت ہوئے۔ ان میں کچھ شعراء کی نعت گوئی کا روایتاً تذکرہ ملتا ہے، لیکن اُن کا نعتیہ کلام دست یاب نہ ہو سکا۔

عبدالکریم شوقؔ گوالیاری (ولادت: یکم جون ۱۹۱۶ء، وفات: ۶؍ دسمبر ۱۹۸۳ء) گوالیار کے اُن فن کاروں میں سے تھے، جن کی ذات کئی صفات کا مجموعہ تھی۔ فنون لطیفہ کے بیش تر فن سے وہ واقف تھے۔ مصوری، خطاطی، نقاشی، طغریٰ سازی، موسیقی، گلوکاری، فلمی کہانی، ڈرامے، شاعری وغیرہ فنون کی خدمات اِس اکیلے شخص نے انجام دیں۔ اُن کے بڑے فرزند شکیلؔ گوالیاری نے لکھا ہے:

> ''شوقؔ صاحب اپنے حلقۂ احباب میں ہر فن مولا مشہور تھے۔ لیکن انھوں نے اپنے کسی بھی ہنر کو پیشہ نہیں بنایا۔'' ؎۸

نثر میں فلمی ڈراموں کا مجموعہ 'کہکشاں' اور نعتیہ مجموعہ 'گل عقیدت' شوقؔ صاحب کے چھوٹے فرزند فصیح الزماں کاشفؔ نے شائع کیا۔ نعت کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

وسیلہ جسے آپ ﷺ کا مل گیا — اسے خلد کا راستہ مل گیا
ہمیں آپ ﷺ تقدیر سے کیا ملے — کہ محشر کا اک آسرا مل گیا
سفینہ کہیں ڈوب سکتا نہیں — سہارا جسے آپ ﷺ کا مل گیا
مئے عشق سرور جسے مل گئی — اسے شوقؔ آبِ بقا مل گیا ؎۹

سید محمد ساغرؔ زیدی (ولادت: ۲۵؍ دسمبر ۱۹۱۹ء، وفات: ۱۲؍ فروری ۲۰۰۱ء) کی ولادت اورنگ آباد میں ہوئی۔ آبائی وطن علی گڑھ تھا۔ اس کے بعد بھنڈ، گوالیار، دتیا، حیدرآباد، مدراس، بنگلور وغیرہ میں ملازمت کے سلسلے سے قیام رہا۔ آخر میں بھنڈ مستقل سکونت اختیار کی اور وہیں پیوند خاک

ہوئے۔ وقاؔر صدیقی نے لکھا ہے:

''گوالیار کا محرم ہندوستان بھر میں مشہور تھا...جگہ جگہ مجالس ہوتیں شعراء بھی ان مجالس میں شریک ہوتے...ساغؔر صاحب نے بھی اس دور میں خوب مرثیے، سلام اور رباعیات کہیں۔ اور اتنی کہیں کہ انھیں ایک مجموعے کی شکل میں ترتیب دیا جاسکتا ہے۔''۸۰

ان اصناف کے علاوہ ساغؔر زیدی نے غزلیں اور نظمیں بھی خوب کہی ہیں۔ اُن کی غزلوں اور نظموں میں احتجاجی رنگ پایا جاتا ہے۔ مجموعۂ کلام 'متاعِ ساغر' میں شامل اُن کی ایک نعت بطور نمونہ پیش خدمت ہے:

نظر پھر کیوں نہ آئے ہر گھڑی جلوہ محمد ﷺ کا
ازل سے مہر ہے دل پر مرے نقشا محمد ﷺ کا

نظر میں کھنچ کے رہ جاتی ہے اک تصویر صد حیرت
نظر آتا ہے جب عکسِ رخِ زیبا محمد ﷺ کا

بصدقِ دل جو پڑھ لے کلمۂ طیب وہ نوری ہے
رکھیں گے یاد ہم تا حشر یہ کہنا محمد ﷺ کا

زباں پر ہم شبیہِ مصطفیٰ کا نام آتے ہی
نظر میں سر سے پا تک کھنچ گیا نقشا محمد ﷺ کا

ضرورت تھی ملائک کے سروں پر ابر رحمت کی
فلک پر رہ گیا اس واسطے سایا محمد ﷺ کا

فقط اک حرف سے تفریق کردی ہے دکھانے کی
ہٹا کر میم کو پھر دیکھ لو جلوا محمد ﷺ کا

خدایا میری آنکھوں کو عطا کر ایسی بینائی
میانِ حشر بھی دیکھا کروں جلوا محمد ﷺ کا

ازل سے بادۂ توحید کا مے خوار ہوں ساغؔر
ازل سے سر پہ ہے سایہ فگن سایا محمد ﷺ کا ۸۱

خواجہ غلام محی الدین ناظؔر نظامی (ولادت: ۱۹۲۰ء، وفات: ۱۰؍ جنوری ۱۹۷۷ء) کا تعلق گوالیار کے پہلے فارسی نعت گوشاعر خواجہ خانون کے خانوادے سے ہے۔ ناظؔر نظامی مولوی اور حافظ قرآن تھے۔ درگاہ ٹرسٹ خانون کے سجادہ نشین تھے۔ اس مسند پر فائز رہتے ہوئے، موصوف نے مختلف تقاریب کے ذریعے قوموں کو آپس میں جوڑنے کی کامیاب کوشش کی۔ طریقت کی روح بھی یہی ہے کہ دنیا کے نفع و نقصان سے برطرف ہوکر انسانیت کی شمع روشن کی جائے۔ علاوہ اس کے موصوف کو نظم و نثر پر یکساں عبور حاصل تھا۔ انہوں نے شریعت، طریقت، انسانیت وغیرہ موضوعات پر سمینار اور تقاریب منعقد کیں۔ مصرعۂ طرح پر منقبتی مشاعروں کا انعقاد کیا۔ اُن کی تصانیف کے متعلق ڈاکٹر قمؔر گوالیاری رقم طراز ہیں:

''آپ (ناظؔر نظامی) کی تصانیف مبارکہ میں فیضان ولایت، مشاہدات زائرین، حقیقت فرمان، شجر ہائے طریقت، نذرِ امام، بہارِ نبوّت،

فیض محبوب، تحفہ رمضان ہیں۔'' ۸۲؎

آزادی کے بعد خواجہ ناظرؔ نظامی پہلے شاعر ہیں، جنہوں نے اپنا قلم حمد ومناجات، نعت، سلام، منقبت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ حالانکہ انہوں نے غزل، نظم، سہرے، تہنیت، سپاس نامے، تاریخی قطعات وغیرہ پر بھی طبع آمائی کی ہے۔ لیکن اُن کا اصل میدان نعت ومنقت اور سلام رہا ہے۔ فارسی مناجات کے ساتھ فارسی میں نعت بھی لکھی ہے۔ مثلاً:

چو خاک پائے کوئے تو بیابم یا رسول اللہ   بہ سر پوشم ، برو مالم ، بنازم یا رسول اللہ
غلامے از غلامانت چو گشتم یا رسول اللہ   زِ قیدے دوجہاں آزاد باشم یا رسول اللہ
مکن مایوس مختارِ دو عالم یا رسول اللہ   منِ ناظرؔ کہ بے تو خستہ حالم یا رسول اللہ ۸۳؎

''یارحمت اللعالمین انت شفیع المزنبین'' کے عنوان سے انہوں نے مخمس میں ایسی نعت بھی لکھی ہے، جس کے تین (۳) مصرعے اُردو میں اور دو (۲) مصرعے عربی میں ہیں۔ مثلاً:

کوئی نہیں ہے آسرا ، میں ہوں سراپائے خطا
گھیرے ہے دنیا کی طمع عصیاں کی بندش میں بندھا
ہو رحم کی مجھ پر نظر یا شافعِ روزِ جزا
یا مصطفیٰ، یا مجتبیٰ ارحم علیٰ عصیاننا
مجورۃ اعمالنا طمعاً و ذنباً و الظلم ۸۴؎

نعتیہ غزل کے دو (۲) اشعار ملاحظہ کیجئے:

اپنی آنکھوں کا ہر اِک اُس کو بنائے سرمہ   گر ملے خاکِ کفِ پائے رسولِ عربیﷺ
ہر دمک میں ہے اُسی نور کا جلوہ دیکھو   صاف روشن ہے تجلّائے رسولِ عربیﷺ ۸۵؎

ناظرؔ نظامی نے ایک نعتیہ نظم 'نام سے اس کے مکمل کلمۂ توحید ہے' کے عنوان سے تخلیق کی ہے:

اے بشر سمجھا ہے کیا دنیا کی تو رنگینیاں
بُلبل و گل کی نظر افروز یہ سرمستیاں
یہ مہ و خورشید و انجم، یہ زمین و آسماں
فی الحقیقت ہیں یہ سب آدم کی ہی عظمت کے نشاں
افضل الانسان، فخر المرسلیں جو ذات ہے
بالیقیں وہ باعثِ تخلیقِ موجودات ہے

جس کو اپنے نور سے اللہ نے پیدا کیا
جس کی صورت میں خدا نے اپنی صورت دی دکھا
جس کو اخلاقِ دوعالم نے ہے یہ رتبہ دیا
اشرف الخلوق، محبوب و حبیبِ کبریا
روزِ ازل سے سب ملائک نے جسے سجدہ کیا
نام سے اُس کے مکمل کلمۂ توحید ہے
مختتم اُس پر ہر اِک تمہید ہے تمجید ہے ۸۶

لئیق بیگم لئیقؔ ناظر (ولادت ۱۹۲۴ء، وفات: ۲۹؍اگست ۲۰۱۰ء) خواجہ ناظرؔ نظامی کی زوجہ تھیں۔ اصل میدان شعری غزل تھا۔ حمد، مناجات، نعت اور منقبت کے ساتھ نظم پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ اُن کے شعری مجموعے 'حدیث دل' سے مکمل ایک نعت بطورِ نمونہ کلام پیش ہے:

مری محرومیوں کی داستاں شاہِ اُمم سن لو
زمانے بھر کی سنتے ہو تو میرا بھی الم سن لو
سفارش آپ کی ہی پیشِ داور کام آئے گی
اِسی اعزاز کے صدقے میں شاہِ ذی حشم سن لو
سفینہ ڈوبنے پائے نہ شاہا، بحرِ عصیاں میں
لگا دو اس کو ساحل پر بہ الطاف کرم سن لو
بروزِ حشر پائیں گے نجاتِ اخروی بیشک
شفاعت آپ کی ہی ذات پر ہے مختتم سن لو
چھپا لو دامنِ رحمت میں اپنی ساری اُمّت کو
شبِ معراج کے اسرار کی تم کو قسم سن لو
چھڑا لو بحرِ طوفاں سے، حوادث کے تھپیڑوں سے
زمانے میں ہیں جاری روز و شب تازہ ستم سن لو
بُلا کر اپنی چوکھٹ پر، بسا لو اپنی بستی میں
لئیقؔ ناتوانِ زار کا بھی ہجر و غم سن لو ۸۷

لئیقؔ ناظر صاحبہ کے بعد برکت علی حیاتؔ، عباس احمد قمرؔ شنکر پوری، نثار احمد نثار پرویز، احمد خاں احمرؔ گوالیاری، رئیسؔ فاطمہ، سید اختر جمیل ڈاکٹر اخترؔ نظمی، وقارؔ صدیقی، فضلیؔ فاروقی، شمیم احمد شمیم فرحتؔ، عبدالحمید حامدؔ، مشتاق احمد صدیقی عشاقؔ، عبدالحیٔ بقاؔ صدیقی، سید مقتداء حسن نداؔ فاضلی، کشنؔ تلوانی، شفیق حسین شفیقؔ رحمانی، محمد عثمان نصرتؔ گوالیاری، صابر خاں صابرؔ گوالیاری، راحت علی شاہ راحتؔ، رؤف خاں رؤف جاوید، معراجؔ دھول پوری، احسان نبی قاضی تنویر، سلیم احمد نقوی سلیم اشکؔ وغیرہ نے اپنی شعری خدمات سے گوالیار کی شعری روایت کو غیر معمولی تقویت عطا فرمائی۔ ان شعراء میں ترقی پسندانہ خیالات رکھنے والے شعراء اور نثر نگار بھی شامل ہیں، جن کی شہرت نہ صرف بھارت بلکہ جہاں جہاں اُردو آبادی ہے، پھیلی ہوئی ہے۔ ان شعراء نے غزل کے ساتھ نظم کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا

اور تحقیق و تنقید، کہانی و افسانہ، مضامین و مقالات اور لسانیات پر بھی قلمی نگارشات کے ذریعے نثر کو فروغ دیا۔ لیکن ان سب کے باوجود نعت کا وجود میری دریافت اور مطالعے کی رو سے موجود نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ذائقہ بدلنے کے لئے کسی نے نعت بھی لکھی ہو۔

شمشاد احمد خاں نظامی قلم گوالیاری (ولادت: ۱۹۳۴ء، وفات: ۲۵ر دسمبر ۲۰۱۰ء) کا اصل میدان غزل گوئی رہا۔ حمد، نعت، سلام، منقبت اور نسبت پر طبع آزمائی کی ہے۔ ڈاکٹر قمر گوالیاری کے شاگرد تھے۔ عمر میں قمر صاحب سے بڑے تھے، جس طرح آبرو عمر میں بڑے تھے لیکن اپنی عمر سے چھوٹے آرزو کے شاگرد تھے۔ قمر صاحب بھی قلم گوالیاری سے عمر میں چھوٹے ہیں مگر استاد ہیں۔ قلم کا دیوان 'دیوانِ قلم' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر قمر گوالیاری نے مذکورہ دیوان پر لکھا ہے:

> "یوں تو گوالیار کے شعراء کے شعری مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں مگر اب تک گوالیار میں شاہ غمگین حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مضطر خیر آبادی اور نارائن پرساد ورما مہر، ان تینوں حضرات کے دیوان شائع ہوئے ہیں۔ چوتھا یہ دیوانِ قلم ہے۔ دیوانِ قلم میں عشق ہے، وفا ہے، گلے شکوے ہیں اور معاشرے کے لئے اصلاحی شاعری ہے" ۸۸

دیوانِ قلم سے نعت کے تین (۳) اشعار نموناً پیش ہیں:

قربان دیوانہ وار محمد ﷺ پہ ہوگیا　　بن دیکھے دل نثار محمد ﷺ پہ ہوگیا
حتیٰ کہ جاں نثار محمد ﷺ پہ ہوگیا　　عشقِ رسول پوچھئے حضرت بلال سے
قربان یارِ غار محمد ﷺ پہ ہوگیا　　جنگِ تبوک راہ میں ہر چیز دی قلم ۸۹

بشیر گوالیاری (ولادت، وفات: نامعلوم) کے متعلق وقار صدیقی صاحب نے معلومات سے نوازا:

> "بشیر گوالیاری نابینا تھے۔ شفا گوالیاری کے شاگرد تھے۔ شاعری کا آغاز یہیں گوالیار سے کیا۔ ۱۹۴۷ء کے زمانے میں ہجرت کرنے والوں میں بشیر بھی شامل تھے۔ بھوپال کو اپنا وطن ثانی بنایا۔ شاعری کے لحاظ سے میرے (وقار صدیقی کے) نثار پرویز، شمیم فرحت، شکیل گوالیاری کے معاصرین میں سے تھے۔" ۹۰

نعتیہ مجموعہ 'ثنائے محمد' میں شائع بشیر گوالیاری کی ایک نعت پیش کی جا رہی ہے:

چلتا نہیں کچھ کام دعا اور دوا سے　　دنیا کا ہر اک کام ہے مرضیٔ خدا سے

آئے مری جانب بھی کبھی ٹوٹ کے برسے　کہہ دے یہ کوئی گنبد خضریٰ کی گھٹا سے
مقصد ہو اگر نیک تو جینا ہے عبادت　ملتا ہے سبق ہم کو یہی غارِ حرا سے
آئے جو مری سمت تو ہو روح پہ احساں　اتنا ہی ذرا کہدو مدینے کی ہوا سے
وہ سیدِ کونین وہ انوارِ مجسم　آتی تھی وحی جن کے لئے عرشِ علیٰ سے
بینائی سے محروم بشیر آپ ﷺ کا ہوکر　یہ عرض کروں گا کبھی محبوبِ خدا سے[91]

محمد شفیع شکیل گوالیاری (ولادت: ۲۴/اکتوبر ۱۹۳۶ء بقیدِ حیات) فنون لطیفہ کے ہر فن مولیٰ فن کار شوق گوالیاری کے فرزند اکبر شکیل گوالیاری ادب کے ہر فن مولیٰ فن کار ہیں۔ خصوصاً موجودہ عہد میں گوالیار کی 'آبروئے غزل' ہیں۔ اُن کی غزلیات کا پہلا مجموعہ 'ترکش' ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔ دوسرا مجموعہ 'آسماں پر آسماں' ۲۰۰۰ء، تیسرا مجموعہ 'لمحوں کا رس' (ہندی رسم الخط، دیوناگری) ۲۰۰۳ء، ۲۰۰۹ء میں مرتبہ کتاب 'دوستی زندہ ہے' پرکاش فکری کے ذریعے تحریر کردہ مکتوبات شکیل گوالیاری کے نام، خطوط کا مجموعہ ہے۔ اس سے قبل نثر میں 'گوالیار کا صد سالہ شعری ادب: پتھروں کے شہر میں' کے عنوان سے ۱۹۹۶ء میں منظر عام پر آئی۔ یہ کتاب گوالیار کی تاریخ، تہذیب، شاعری کے ساتھ تحقیق وتنقید، انشائیے اور خاکے وغیرہ اسلوبی خوبیوں کے ساتھ سو (۱۰۰) سال کی شعری تاریخ پیش کرتی ہے۔ غزل موصوف کی جان ہے اور یہی صنف اُن کی پہچان ہے۔ انہوں نے خواجہ خانون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس کے موقعوں پر منعقدہ مشاعروں میں مناقب بھی پڑھی ہیں۔ ان سے ہٹ کر نعت میں بھی ان کا مخصوص انداز ہے۔ یہاں بھی ان کے اسلوب کی دل کشی، رعنائی اور قادرالکلامی جھلکتی ہے۔ مثلاً:

وحی کا نور تری ہر ادا میں شامل ہے　ترا فسانہ حدیثِ حرا میں شامل ہے
یہ آفتاب یہ ماہ و نجوم کیا شئے ہے　ہر ایک ذرہ تری خاکِ پا میں شامل ہے
دراز تر ہے خدائی میں سلسلہ تیرا　ہر اک زمانہ تری ابتدا میں شامل ہے
جو تجھ سے رسالت مآب تھا وہ بھی　کیا جو غور تری اقتدا میں شامل ہے
ترے بغیر تو ہے نا تمام کلمۂ حق　ترا تو ذکر بھی ذکرِ خدا میں شامل ہے
دعائیں رد نہیں ہوتیں ترے غلاموں کی　درودِ پاک جو ان کی دعا میں شامل ہے
مجھے ہے فخر کہ پروانۂ رسالت ہوں　شکیل میری فنا بھی بقا میں شامل ہے[92]

حبیب احمد انجم دتیاوی (ولادت، وفات: نامعلوم) کا تعلق گوالیار کے علاقہ دتیا سے ہے۔ ان کا پہلا مجموعۂ کلام 'ضمیر کی آواز' ۱۹۹۸ء اور دوسرا مجموعہ 'سوزِ دروں' ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا۔ وقار

صدیقی ،کشفی جھانسوی، پروفیسر عزیزؔ اندوری اور قاسم رساؔ کے معاصرین میں سے تھے۔مجموعۂ کلام ’سوزِ دروں: سےنعت پاک کے تین (۳) اشعار ملاحظہ فرمائیں:

محمد مصطفیٰ ﷺ صلی علیٰ نورالھدیٰ تم ہو احد نے جس سے اپنے نور کو ظاہر کیا تم ہو
کہ تخلیق جہاں کی خاص وجہ اور بنا تم ہو خدا نے جس کے خاطر شانِ خلاقی کو دکھلایا
نبوت ختم کی جس پر وہ فخرِ انبیا تم ہو بلاکر عرش اعظم پر جسے اعزاز بخشا ہے ۹۳

ڈاکٹر قمرالدین صدیقی برترؔ قمر گوالیاری (ولادت :۱۹۳۸ءبقیدِ حیات) گوالیار کی ادبی تاریخ میں موصوف کو’محافظِ ادب‘تسلیم کیا جاسکتا ہے۔انہوں نے ۲۰۰۹ء سے ادبی رسالہ ’محفلِ فنکار‘ جاری کیا۔یہ رسالہ اب تک متواتر جاری ہے،جس نے میدانِ صحافت میں سرزمینِ گوالیار کو عقیم ہونے سے بچائے رکھا ہے۔اس رسالے کے ذریعے انہوں نے سیکڑوں شعراء کی اصلاح کا فریضہ انجام دیا ہے۔اس سلسلے میں معاصرین کی غزلیں اُن کے کوائف نامے کے ساتھ ’گلشن غزل‘عنوان سے ترتیب دے کر ۲۰۱۲ء میں شائع کی ہے۔اس میں کم وبیش ڈیڑھ سو(۱۵۰) شعراء اور اُن کی غزلیں شامل ہیں۔مجموعۂ غزلیات ’کشش‘اگست ۲۰۱۳ء میں،کہانیوں کا مجموعہ ’قاتل لکیریں‘(ہندی رسم الخط)۲۰۱۶ءکوجشن صدسالہ(ہندی رسم الخط)۲۰۱۶ءہی میں شائع ہوئی۔چھیالیس (۴۶) صفحات کی اس کتاب میں ۱۹۱۶ء سے ۲۰۱۶ء تک گوالیار کی قدیم ادبی تنظیم ’بزمِ اُردو‘ کی مختصر روداد،فن کاروں کا مختصر تعارف اور نمونہ کلام پیش کیا گیا ہے۔اُن کا دوسرا افسانوی مجموعہ ’بڑی زندگی‘اسی سال ۲۰۱۹ء میں شائع ہوا،جس میں شامل پندرہ (۱۵)افسانوں کا محور سماجی مسائل، اصلاح، فلاح و بہبود ہے۔تحقیق پرمبنی اُن کی کتاب’ گوالیار اور اُردو زبان وادب‘۲۰۱۳ء میں شائع ہوئی،جس میں گوالیار کی ادبی تاریخ کو امیر خسروؔ کے زمانے سے جوڑ کر عصرِ حاضر تک لانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔یہ کتاب موصوف کو ہمیشہ زندہ رکھے گی۔۲۰۱۷ء میں مونوگراف ’حضرت غمگینؔ دہلوی‘مدھیہ پردیش اُردو اکادمی،بھوپال سے شائع ہوا۔۱۲۰صفحات پر مشتمل یہ کتاب غمگینؔ دہلوی پر مختصر مگر اہم معلومات فراہم کرتی ہے۔شاعری کی ہر صنف پر طبع آزمائی کی ہے۔غزل پر روایت پسندی کے ساتھ جدیدیت کے اثرات بھی دکھائی دیتے ہیں۔مناقب پر بھی بھرپور طبع آزمائی کی ہے۔اُن کی استادانہ صلاحیت نعت میں بھی دکھائی دیتی ہے:

کبھی ہم جائیں دربارِ نبی ﷺ میں خدا وہ دن بھی لائے زندگی میں
بتادوں نام ہے جن کا محمد ﷺ خدا ملتا ہے ان کی دوستی میں

زباں پر ہے جو کلمہ لا الہ — سکوں ہے کس قدر اس بندگی میں
محمد ﷺ سے ملی شانِ اخوّت — نہیں ہے فرق محتاج و غنی میں
ہے جبکہ عشقِ احمد ﷺ ہم میں روشن — نہ بھٹکیں گے کبھی ہم تیرگی میں
محمد ﷺ سے ملا انوارِ قرآں — ہمیشہ ہم رہیں گے روشنی میں
نبی ﷺ کا فیض اور رحمت خدا کی — رہے گا ہی گلستاں تازگی میں
محمد ﷺ سے محبت کرکے دیکھو — مزہ آنے لگے گا زندگی میں
مشیّت ایزدی تخلیق ہے یہ — قمؔر جو نعت نکھری شاعری میں۹۴

محمد قاسم رسا (ولادت: ۱۹۳۹ء بقیدِ حیات) اور اُن کے تین (۳) قریبی دوست وقؔار صدیقی، شکیؔل گوالیاری اور ڈاکٹر قمؔر گوالیاری کا دم موجودہ عہد میں غنیمت ہے۔ یہ چار (۴) یار دورِ حاضر کے عہد میں نظم و نثر کی بیش بہا خدمات کے مدنظر گوالیار کے ادب کے لئے نعمت غیر مترقبہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ وہ روشن چراغ ہیں، جنہوں نے گوالیار میں رہ کر دونوں ہاتھوں سے ادب کے ہر میدان میں روشنیاں بکھیری ہیں۔ مستقبل کے مؤرخین وقؔار صدیقی، شکیؔل گوالیاری، ڈاکٹر قمؔر گوالیاری اور قاسم رسؔا کے روپ میں، ادب کے چار (۴) ستونوں کے نام سنہری حروف میں لکھیں گے۔

قاسم رسؔا کی قلم نے نظم و نثر کی ہر صنفِ سخن کا مزہ لیا ہے۔ اُن کی تقریباً ایک درجن کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اُن کا پہلا (۱) شعری مجموعۂ کلام 'سورج کی کرن' ۱۹۷۴ء (۲) 'گلِ عقیدت' ۱۹۸۰ء (۳) 'لفظوں کے چراغ' ۱۹۸۲ء (۴) 'چراغِ نو' ۱۹۸۸ء (۵) 'فکروں کے احاطے' ۲۰۰۲ء (۶) مضامین، خاکے، انشائیے اور افسانے کا مجموعہ 'زاویے نظر کے' ۲۰۰۳ء (۷) غزلوں اور نظموں کا مجموعہ 'پروائیاں' ۲۰۰۹ء (۸) غزلوں اور نظموں کا مجموعہ 'عزم سفر بانٹتے چلیں' ۲۰۱۳ء (۹) افسانوی مجموعہ 'برگ آوارہ' ۲۰۱۴ء (۱۰) غزلیات، قطعات، رباعیات اور منظومات کا مجموعہ 'کچھ دیر ٹھہر جاؤ' ۲۰۱۶ء وغیرہ شائع ہو چکے ہیں۔ حال ہی میں مضامین کا مجموعہ 'جستہ جستہ' شائع ہوا ہے۔ اُن کی ادبی خدمات کے اعتراف میں 'آئینۂ اعتراف' کے عنوان سے ۲۰۰۶ء میں ڈاکٹر رضیہ حامد اور ڈاکٹر تبسم خان نے کتاب ترتیب دی ہے، جس میں رسؔا صاحب کے فکر و فن پر تقریباً پچیس (۲۵) مضامین، چند کتابوں پر تبصرے، دانش وروں کے خطوط آراء اور موصوف کی نظم و نثر کے نمونے بھی پیش کئے گئے ہیں۔ اُن کی نعتوں میں سادگی، عقیدت کے ساتھ توازن پایا جاتا ہے۔ مثلاً:

سوئے طیبہ جب مِرا ذوقِ سفر لے جائے گا — منزلِ ہر آگہی سے بے خطر لے جائے گا

پھول سے، خوشبو سے، تاروں کی ضیا سے دوستو! — مجھ کو ہر اِک راہ سے میرا سفر لے جائے گا
سوچتا ہوں کیا کروں گا وحشتوں کے دور میں — میرا یہ دیوانہ پن جب ان کے گھر لے جائے گا
حسنِ یوسف دیکھنے والو! ذرا ہشیار باش — حسنِ احمد ﷺ آپ کا حسنِ نظر لے جائے گا
آنکھ میں آنسو، لبوں پر آہ، دل میں سوز وغم — اور کیا نذرانہ یہ آشفتہ سر لے جائے گا
روزِ محشر دامنِ رحمت کے سائے میں رسؔا — دیکھنا تم میری توبہ کا اثر لے جائے گا ۹۵

عبدالقیوم نسیم رفعت گوالیاری (ولادت: ۱۷؍اپریل ۱۹۳۹ء، وفات: ۱۴؍فروری ۲۰۱۹ء)
بڑی باغ وبہار اور خوش گوار شخصیت کے مالک تھے۔ اُن کی نعت، غزل، منقبت پر مشتمل کئی کیسٹس نے انہیں شہرت ومقبولیت عطا کی۔ ابتداءً شکیلؔ گوالیاری کے شاگرد ہوئے اور اُن ہی کے توسط سے غنیؔ گوالیاری کے تلامذہ میں شامل ہوئے۔ انہوں نے ملازمت کے بغیر درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا۔ اپنے گھر پر یا گھروں پر جا کر بچوں اور نوجوانوں کو اُردو زبان سے واقف کرایا۔ لہٰذا شاعری اور تدریس کے حوالے سے موصوف کے صدہا شاگرد تھے۔ انہوں نے گوالیار میں غزل کو عام فہم بنانے میں اپنے ذہن وقلم سے خوب کام لیا۔ غزل کے علاوہ انہوں نے مذہبی شاعری یعنی حمد، مناجات، نعت، سلام ومنقبت وغیرہ کے لئے ذہن وقلم کو وقف کر رکھا تھا۔ مذکورہ اصناف شعری پر مبنی تخلیقات جب بھارت کے مشہور گلوکاروں مثلاً پنکج اداس، چھایا گانگولی، چندن داس، احمد حسین محمد حسین، تسلیم عارف، اسلم صابری، اکرام صابری، سعید صابری، چنچل بھارتی، افروز بانو، اقبال حیدرآبادی وغیرہ کی آوازوں سے گزری تو نسیم رفعت کی شہرت میں چار چاند لگ گئے۔ مذکورہ اصناف پر مبنی اُردو اور ہندی رسم الخط میں اُن کی تقریباً دس (۱۰) تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے۔ (۱) 'ہم تم' (دیوناگری، ہندی رسم الخط) ۱۹۸۵ء (۲) 'کسک' (دیوناگری، ہندی رسم الخط) ۱۹۹۵ء (۳) 'احساس کے پھول' (دیوناگری، ہندی رسم الخط) ۲۰۰۰ء (۴) 'نذرِ حبیب' ۲۰۰۱ء (۵) 'پرواز' ۲۰۰۸ء (۶) 'ہم تم' ۲۰۰۹ء (۷) 'احساس کے پھول' ۲۰۰۹ء (۸) 'فیض وعطا' ۲۰۰۹ء (۹) 'وادیِ نور' (دیوناگری، ہندی رسم الخط) ۲۰۱۷ء (۱۰) 'عاشقانہ مقابلۂ قوالی' ۲۰۱۸ء۔

مذکورہ مجموعہ ہائے کلام میں تین (۳) مجموعے نذرِ حبیب، فیض وعطا اور وادیِ نور: حمد ومناجات، نعت ومنقبت اور سلام ونسبت پر مشتمل ہیں۔ ان شواہد سے واضح ہوتا ہے کہ ناظرؔ نظامی کے بعد نسیم رفعت نے نعتیہ ادب کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے غزل، قطعات، رباعیات کی ہیئت میں نعتیں تخلیق کی ہیں، جن کے نمونے درج ذیل ہیں:

نعتیہ غزل

رنگ ہے عقیدت کا التجا کی خوشبو ہے
مومنوں کے سینوں میں مصطفیٰ کی خوشبو ہے
عرش بھی مہکتا ہے ، فرش بھی مہکتا ہے
دو جہان میں رب کے دلربا کی خوشبو ہے
سرورِ دو عالم کی عظمتوں سے وابستہ
ابتدا کی خوشبو ہے ، انتہا کی خوشبو ہے
وہ چمن خزاؤں کی زد میں آ نہیں سکتا
جس چمن میں محبوبِ کبریا کی خوشبو ہے
میرے دل میں رہتی ہے جستجو مدینے کی
اور میری سانسوں میں حق نُما کی خوشبو ہے
آپ ہی سے یہ عالم فیضیاب ہے آقا
آپ ہی کی خوشبو تو اولیاء کی خوشبو ہے
میں نسیم نازاں ہوں اپنی خوش نصیبی پر
میری فکر میں شاہِ انبیا ﷺ کی خوشبو ہے ۹۶

رباعی

اسلام کو وحدت کی ضیا بخشی ہے
ایماں کی دل آویز فضا بخشی ہے
سرکارِ دوعالم کی عنایت کے نثار
بہتر ہمیں جینے کی ادا بخشی ہے ۹۷

قطعہ

یاد جس وقت مدینے کی مجھے آتی ہے
ایک خوشبو سی مرے ذہن میں گھل جاتی ہے
بات جب کرتا ہوں آقا کے پسینے کی نسیم
فکر الفاظ میں ڈھل کر مجھے مہکاتی ہے ۹۸

رفیق عشرتؔ گوالیاری (ولادت :۶؍اپریل ۱۹۵۸ء، بقیدِ حیات) کی ولادت سہاگ نگری یعنی کانچ کی چوڑیوں کے شہر فیروز آباد میں ہوئی ۔ پرورش اور تربیت گوالیار کے علاقہ لشکر کے عیدگاہ ،کمپو میں ہوئی ۔ گوالیار ہی میں نسیم رفعت کے سامنے زانوئے ادب تہہ کئے ۔ تلاش معاش کے سلسلے میں شیو پوری میں مقیم ہیں ۔ اُن کا ایک شعری مجموعہ 'رودادِ عشرت' گذشتہ سال ۲۰۱۸ء میں شائع ہوا۔ اسی سے ایک مکمل نعت پیش کی جارہی ہے:

ہر اک حسرت میرے مولیٰ تیرے فضل وکرم نکلی
رہی یہ آرزو باقی مدینہ میں نہ دم نکلی
قضا آئی مدینہ میں کہیں یہ رشک سے حاجی
تیری قسمت ہر اک قسمت سے آگے دو قدم نکلی
نظر میں اک سے اک اعلیٰ و افضل ہیں میری لیکن
مرے پیارے نبی ﷺ کی شخصیت ہی محترم نکلی
بیاں کیا کیا کروں اوصاف میں شاہ دوعالم کے
بلندی آسماں کی آپ ﷺ کی رفعت سے کم نکلی
حد کعبہ میں رکھتے ہی قدم ایسا لگا عشرتؔ
سبھی ارماں ہوئے پورے تمنائے ارم نکلی ۹۹

وجے کمار شری واستو وجے کلیمؔ گوالیاری (ولادت :۸؍اکتوبر ۱۹۶۰ء، بقیدِ حیات) فراقؔ

گورکھپوری کو پروفیسر شمیم حنفی نے اردو تہذیب کا نمائندہ کہا ہے۔ ہم نے فراق کو تو نہیں دیکھا، لیکن وجے کلیم کو دیکھا ہے۔ اُن کے کردار، گفتار اور شاعری سے اُردو تہذیب ٹپکتی ہے۔ اُن سے گفتگو کرنے پر محسوس ہوتا ہے کہ کسی اہل زبان سے گفتگو کی ہے۔ شاعری میں استاد شاعر قاسم رسا کے شاگرد ہیں۔ اُن کے یہاں نازک خیالیِ شعر، احساس کی پرتیں، آہستگی اور لہجے کی رعنائی پائی جاتی ہے۔ حسنِ عقیدت، شدتِ احساس اور تہہ داری نے مل کر اُن کی شاعری کو پُرکشش بنادیا ہے۔ مثلاً ان کی ایک نعت دیکھیں:

زمیں ہے ازل سے فدائے محمد ﷺ فلک کر رہا ہے ثنائے محمد ﷺ
زمیں سے فلک پر بلائے گئے وہ خدا کو جو بھائی ادائے محمد ﷺ
عمر کو ملی دولت دین و دنیا بڑی کام آئی دعائے محمد ﷺ
جو اوڑھے وہ ہوجائے ایمان والا کہ اسلام ہے وہ ردائے محمد ﷺ
شفاعت کرے حشر میں جو ہماری بتاؤ ہے کوئی سوائے محمد ﷺ
رضائے محمد ﷺ رضائے خدا ہے رضائے خدا ہے رضائے محمد ﷺ
کلیم اب یہ دنیا مجھے کچھ بھی سمجھے مگر میں تو بس گدائے محمد ﷺ [100]

فصیح الزماں کاشف گوالیاری (ولادت: ۲۴/اپریل ۱۹۶۵ء، بقیدِ حیات) گوالیار کے مشہور شاعر عبدالکریم شوق کے فرزند اصغر اور شکیل گوالیاری کے برادرِ اصغر ہیں۔ والد کی طرح شاعری، نثر نگاری، کتابت، خطابت کا ہنر جانتے ہیں۔ درس و تدریس سے وابستہ ہوکر گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری اسکول، واقع ماما کا بازار، گوالیار میں مدرس ہیں۔ طریقت کے مختلف سلاسل مظہریہ، مداریہ، قادریہ، شطاریہ سے وابستہ ہیں۔ عہد حاضر کے شعراء میں غزل کے علاوہ حمد و مناجات، نعت و منقبت کے تخلیق کار کی حیثیت سے اُن کی شناخت ہوتی ہے۔

سرورِ انبیا تاجدارِ حرم اپنی رحمت کے صدقے میں کردو کرم
جس گھڑی آئے دنیا میں شاہِ امم ﷺ سر کے بل گر گئے بت کدوں کے صنم
آمدِ مصطفیٰ سے خدا کی قسم سب بلائیں ٹلیں مٹ گئے درد و غم
ہے زباں پر دعا بس یہی رات و دن روزِ محشر میں امت کا رکھنا بھرم
حاضری کے لئے کب سے بے چین ہے اب تو کاشف پہ کردو نگاہِ کرم [101]

رعنا زیبا گوالیاری (ولادت: ۱۰/اکتوبر ۱۹۶۸ء، بقیدِ حیات) نے گوالیار کے مشہور شاعر نسیم رفعت سے اپنے کلام پر اصلاح لی۔ ابتداء میں مقامی ادبی انجمن 'بزم اردو'، انجمن ترقی اردو شاخ

گوالیار کے زیرِ اہتمام ہونے والی ماہانہ شعری نشستوں اور سالانہ مشاعروں میں شرکت کرتی رہیں۔ پھر اطراف کے مشاعروں جھانسی، دتیا، بھنڈ، مورینا کے مشاعروں میں کلام پر داد پائی۔ یہ مشاعروں کے ذریعے بھارت کے بڑے بڑے شہروں میں شرکت کرتی رہتی ہیں۔ غزل کے علاوہ درگاہ خواجہ خانون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سالانہ طرحی منقبتی مشاعروں میں کئی برس سے متواتر شرکت اور منقبت کی تخلیق کا سلسلہ جاری ہے۔ لئیق ناظر صاحبہ کے بعد گوالیار میں نعت کی تخلیق کرنے والی رعنا زیبا دوسری شاعرہ ہیں۔ اُن کی ایک نعت پیش ہے:

کیوں نہ دل یہ پکارے رسولِ خدا ہیں خدا کے دلارے رسولِ خدا
عرش اعظم پہ خالق سے ملنے گئے اتنے برتر ہمارے رسولِ خدا
جب گنہگار امت کی یاد آگئی پھوٹ کر روئے پیارے رسولِ خدا
مجھ کو طیبہ کسی دن بلا لیجئے میں دیکھوں نظارے رسولِ خدا
آپ ہی کے تصدق میں پیدا ہوئے عرش پر چاند تارے رسولِ خدا
ہم گنہگار بخشش کی بس آس میں ہیں تمہارے سہارے رسولِ خدا
کیوں نہ زیبا کہے غم کے مجدھار میں کردو کشتی کنارے رسولِ خدا ۱۰۲

غرض کہ گوالیار شمال و دکن کے درمیان گزرگاہ کے ساتھ پناہ گاہ بھی ہے۔ سیاسی، سماجی، ثقافتی، جغرافیائی، اقتصادی، ادبی، لسانی اور شعری تاریخ کے خزائن کا سنگم اور مرکز و مسکن ہے۔ سلاطین، صالحین، مشائخین، مختلف مکتبۂ فکر اور فنونِ لطیفہ کے فن کاروں کے لئے اپنی خوبیوں کو مانجھنے، چمکانے، تراشنے اور پھیلانے کی تجربہ گاہ (.Lab) اور دفتر (Office) بھی ہے۔

نعت گوئی کی بنیادی ضرورتیں: انسان دوستی، ہم دردی، رواداری، امن و آشتی، بھائی چارگی، سماجی ہم آہنگی کا ماحول چاہتی ہیں۔ اس بنیادی ضرورت کی تحقیق میں یہ بات سامنے آئی کہ ہزار سال پہلے مسلمان فاتحین، سلاطین، مشائخین اور بزرگانِ دین نے نعت کے بنیادی ماحول کو استوار کیا۔ اسی کے زیرِ اثر ہندو راجاؤں نے بھی سماجی ہم آہنگی کو اولیت دی، جس کی مثال راجا کلیان سنگھ تومر کی کتاب 'سلیمان چرتر' ہے۔ شیخ ظہور حاجی حصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اُن کے شاگرد غوث محمد گوالیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انسانیت کی شمع روشن کی۔ ۱۴۹۴ء کے بعد سعید الدین خواجہ خانون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رسالہ 'مفتاح الوصول' کے ذریعے فارسی زبان میں نعت کا آغاز کیا۔ غوث گوالیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصوف کو ہندوستانی رنگ دیا اور نثر میں 'بحر الحیات'، اوراد غوثیہ، رسالہ معراجیہ، کلید

مخازن اور جواہر خمسہ' کے ذریعے بھکتی تحریک کو اسلامی تصوف سے قریب کرتے ہوئے، سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات پر روشنی ڈالی۔حاجی شاہ ولی رنودی (ضلع شیوپوری) کی تخلیق 'پریم نامہ' سے گوالیار میں اُردو نعت گوئی کی ابتداء ہوتی ہے۔رفیع خاں باذلؔ مثنوی 'حملہ حیدری' کے ذریعے سرورکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات بیان کرتے ہیں۔نعت کی بھرپور مثالیں میرؔ وغالبؔ کے زمانے کے شاعر غمگیںؔ دہلوی کے یہاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔گوالیار میں سب سے پہلے نعت کو رباعی کی ہیئت میں غمگیںؔ دہلوی ہی نے مضبوطی کے ساتھ پیش کیا۔مضطرؔ خیرآبادی نے نعتیہ غزلیں، مخمس اور نعتیہ شعری مجموعہ 'میلادِ مصطفیٰ' کے ذریعے نعت گوئی کو ہر دل عزیز بنایا۔نواب حکیم احمد نقوی وہ پہلے شاعر ونثر نگار ہیں، جن کے ذریعے نظم ونثر میں مثلاً نثر میں 'ذکرِ رسول' اور مجموعۂ کلام میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت وشخصیت پر اظہار خیال کیا۔سائلؔ حیدری مینائی، مشتاقؔ ہاشمی، ریاضؔ انصاری اور فیاضؔ گوالیاری نے آزادی تک نعتیہ ادب کی خدمات انجام دیں۔گویا گوالیار میں آزادی تک شعروادب کی تاریخ بڑی تابناک رہی۔لیکن مختلف اصناف سخن کے مقابلے نعت گویان کی تعداد کم نظر آتی ہے۔باوجود ان سب کے جن نعت گویان نے مثنوی، غزل، قطعہ، رباعی، مخمس اور نظم کے ذریعے جو نعتیہ ادب کی خدمات انجام دیں، وہ قابل ستائش ہیں۔اس سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ آزادی تک نعت گوئی کا فن مضبوط رہا ہے۔

آزادی کے بعد ناگفتہ بہ حالات نے شعرائے گوالیار کو ترک وطن کرنے پر مجبور کیا۔گوالیار میں جہاں سیکڑوں شعراء موجود تھے، آزادی کے بعد اُن کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔اس لئے کوشش کی گئی کہ تحقیق کے ذریعے مختلف مقامات پر مقیم گوالیاری شعراء کو یکجا کیا جائے۔اس لحاظ سے آزادی کے بھی شعرائے گوالیار کی طویل فہرست دکھائی دیتی ہے۔جن میں شفاؔ، مظہرؔ، شوقؔ، ساغرؔ زیدی وغیرہ نے نعتیہ ادب کے خزانے کو مالا مال کیا۔ناظرؔ نظامی نے نظم ونثر کے ذریعے سیرت اور نعت گوئی کو پروان چڑھایا۔لئیقؔ ناظر، قلمؔ، بشیرؔ نے نعت کی روایت کو تازہ دم رکھا۔شکیلؔ گوالیاری نے اسے جدید اسلوب بخشا۔انجمؔ دتیاوی، ڈاکٹر قمرؔ اور قاسم رساؔ نے نعت گوئی میں سادگی اور توازن سے کام لیا۔نسیمؔ رفعت نے نعت کی ترقی میں غیر معمولی خدمات انجام دیں۔رفیق عشرتؔ رعنا زیباؔ نے نعت کی روایت کو برقرار رکھا۔موجودہ عہد میں وجے کلیمؔ اور کاشفؔ سے امیدیں وابستہ ہیں کہ نعت گوئی کی روایت کو نہ صرف قائم رکھیں گے، دیگر نوآمدہ شعراء کی توجہ اس طرف مبذول کریں گے، بلکہ مختلف اصناف سخن کے ذریعے نعتیہ ادب کو تقویت عطا کریں گے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ گوالیار میں ابتداء تا حال شعروادب کی تاریخ کا جائزہ لینے پر ادبی تاریخ تمام اصناف سخن اور خصوصاً غزل کے ذریعے بڑی روشن اور تابناک رہی ہے۔ موجودہ عہد میں جو شعراءنظم، آزادنظم، نثری نظم، گیت، دوہا، ہائیکو وغیرہ کے ذریعے شعروادب کی خدمات انجام دینے میں منہمک ہیں، اس سے یہاں کا ادبی مستقبل روشن نظر آتا ہے۔

حواشی:

(۱) کلیات گوالیاری: فضل علی شاہ قادری، ترجمہ انگریزی موہن کمار ماتھر، ۲۰۰۰ء

(۲) تزک بابری: ظہیرالدین بابر، مترجم رشید اختر ندوی، مکتبہ الحسنات دہلی ۲۰۰۲ء

(۳) دربارِ اکبری: شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی ۲۰۰۰ء

(۴) تاریخ فرشتہ: ابوالقاسم فرشتہ، جلد اول، ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد ۱۹۲۶ء

(۵) طبقات ناصری: (جلد اول) منہاج سراج، مترجم غلام رسول مہر، مرتبہ عبدالحیٔ حبیبی قندھاری، عدن پرنٹرز لاہور ۲۰۰۴ء (حصہ دوم) ۲۰۰۴ء

(۶) تاریخ سندھیا: مؤلف رگھناتھ داس، مطبع مفید عام آگرہ ۱۹۰۷ء

(۷) پتھروں کے شہر میں: شکیل گوالیاری، آزاد بک ڈپو، گوالیار ۱۹۹۶ء

(۸) گوالیار اور اردو زبان وادب: ڈاکٹر قمر گوالیاری محفل فنکار گوالیار، ۲۰۱۳ء

(۹) گوالیار کی تسخیر، بشمول طبقات ناصری: (جلد اول) منہاج سراج، مترجم غلام رسول مہر، مرتبہ عبدالحیٔ حبیبی قندھاری، عدن پرنٹرز لاہور ۲۰۰۴ء ص ۷۹۶

(۱۰) ایضاً...ص ۸۰۱

(۱۱) ایضاً...ص ۸۰۷

(۱۲) ایضاً...ص ۸۱۵

(۱۳) ایضاً...ص ۸۱۰

(۱۴) ایضاً...ص ۸۱۰

(۱۵) گوالیار اور اردو زبان وادب: ڈاکٹر قمر گوالیاری محفل فنکار گوالیار، ۲۰۱۳ء ص ۱۷

(۱۶) تاریخ فرشتہ: ابوالقاسم فرشتہ، جلد اول، ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد ۱۹۲۶ء ص ۳۴۵

(۱۷) گوالیار اور اردو زبان وادب: ڈاکٹر قمر گوالیاری محفل فنکار گوالیار، ۲۰۱۳ء ص ۱۷

(۱۸) علاؤالدین خلجی: پرویز اشرفی، رحمانی پبلی کیشنز، مالیگاؤں ۲۰۱۰ء ص ۳ اور ۲۷

(۱۹) گوالیار اور ملحقہ علاقوں میں اردو زبان وادب کا جائزہ: وقار صدیقی، بشمول مدھیہ پردیش میں اردو زبان وادب: مرتبہ پروفیسر آفاق احمد ۱۹۹۶ء ص ۱۶۲ تا ۱۶۳

(۲۰) گوالیار اور اردو زبان وادب: ڈاکٹر قمر گوالیاری، محفل فنکار گوالیار، ۲۰۱۳ء ص ۱۸
(۲۱) ایضاً..ص ۱۸
(۲۲) گوالیار کے تومر: ہری ہرنواس دویویدی ۱۹۷۶ء
(۲۳) گوالیار کے تومر: ہری ہرنواس دویویدی ۱۹۷۶ء ص ۱۱۷
(۲۴) گوالیار اور اردو زبان وادب: ڈاکٹر قمر گوالیاری، محفل فنکار گوالیار، ۲۰۱۳ء ص ۱۹
(۲۵) جلوۂ خانون: مرتبہ خواجہ ثاقب خانونی ۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۹۸۲ء ص ۱۳
(۲۶) مفتاح الوصول: سعید الدین خواجہ خانون، مترجم سید عزیز احمد، روحانی اکاڈمی درگاہ حضرت خواجہ خانون، گوالیار جنوری ۱۹۸۶ء ص ۱
(۲۷) ایضاً..ص ۲۷
(۲۸) ایضاً..ص ۲۷
(۲۹) حضرت محمد غوث گوالیاری: ڈاکٹر قمر گوالیاری، بشمول سہ ماہی تمثیل بھوپال، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۸ء ص ۹
(۳۰) مولوی عبدالحق نے 'اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام' میں ۱۵۶۲ء میں وفات کے وقت عمر ۸۰ر سال تحریر کی ہے۔
(۳۱) گوالیار اور اردو زبان وادب: ڈاکٹر قمر گوالیاری، محفل فنکار گوالیار، ۲۰۱۳ء ص ۲۱
(۳۲) اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام: مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد ۱۹۳۲ء ص ۳۶
(۳۳) ایضاً..ص ۳۶
(۳۴) پتھروں کے شہر میں: شکیل گوالیاری، آزاد بک ڈپو، گوالیار ۱۹۹۶ء ص ۱۰
(۳۵) گوالیار اور ملحقہ علاقوں میں اردو زبان وادب کا جائزہ: وقار صدیقی، بشمول مدھیہ پردیش میں اردو زبان وادب: مرتبہ پروفیسر آفاق احمد ۱۹۹۶ء ص ۱۶۲
(۳۶) اصلی جواہر خمسہ کامل: حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری، مترجم مولانا مرزا محمد بیگ نقش بندی دہلوی، دارالاشاعت کراچی ۱۹۷۶ء
(۳۷) گوالیار اور ملحقہ علاقوں میں اردو زبان وادب کا جائزہ: وقار صدیقی، بشمول مدھیہ پردیش میں اردو زبان وادب: مرتبہ پروفیسر آفاق احمد ۱۹۹۶ء ص ۱۶۳
(۳۸) ایضاً..ص ۱۶۳
(۳۹) ایضاً..ص ۱۶۴
(۴۰) گوالیار اور اردو زبان وادب: ڈاکٹر قمر گوالیاری، محفل فنکار گوالیار، ۲۰۱۳ء ص ۳۷
(۴۱) ایضاً..ص ۵۳

(۴۲) شاہ غمگین حضرت جی اور ان کا کلام: پروفیسر عبدالشکور، ۲۰۰۷ء ص ۶۸ تا ۶۹

(۴۳) مخزن الاسرار: حضرت شاہ غمگین دہلوی، دنیائے ادب کراچی ۲۰۰۹ء ص ۲۸ پر 'اُس' کی بجائے 'اوس' لکھا ہے اور یہی صحیح ہے۔

(۴۴) شاہ غمگین حضرت جی اور ان کا کلام: پروفیسر عبدالشکور، ۲۰۰۷ء ص ۸۹

(۴۵) بہار گلشن کشمیر (جلد اول) مرتبہ و مؤلفہ پنڈت برج کشن کول بیخبر ۱۹۳۱ء ص ۴۸۸

(۴۶) ایضاً..ص ۴۹۱

(۴۷) ایضاً..ص ۴۸۸

(۴۸) ایضاً..ص ۴۹۱

(۴۹) پتھروں کے شہر میں: شکیل گوالیاری، آزاد بک ڈپو، گوالیار ۱۹۹۶ء ص ۲۸ تا ۳۰

(۵۰) تذکرہ شعرائے وارثیہ: ساگر وارثی، فائن بکس پرنٹرس ۱۹۹۳ء ص ۲۷

(۵۱) مختصر تاریخ عالم (نثر): حکیم احمد، عالی جاہ دربار پریس گوالیار، ۱۹۳۴ء

(۵۲) چیستان کائنات (منظوم): حکیم احمد، مطبع سرفراز قومی پریس لکھنؤ ۱۹۴۴ء

(۵۳) ذکر رسول (نثر): حکیم احمد، ناشر بزم اردو گوالیار ۱۹۴۸ء

(۵۴) حسینی مثنوی (منظوم): حکیم احمد، سرفراز قومی پریس لکھنؤ ۱۹۶۲ء

(۵۵) بیاض زہرا (منظوم): حکیم احمد، سرفراز قومی پریس لکھنؤ ۱۹۵۹ء

(۵۶) ویدی لٹریچر (نثر): حکیم احمد، نگار بک ایجنسی لکھنؤ ۱۹۶۰ء

(۵۷) سیر افلاک (نثر): حکیم احمد، انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ ۱۹۶۲ء

(۵۸) منظوم خطوط: حکیم احمد، بشمول رسالہ نسیم آگرہ مختلف شمارے ۱۹۳۰ء

(۵۹) مجموعۂ کلام تفہیمات: نواب سید حکیم احمد نقوی (حنفی) بدایونی ۲۰۱۱ء ص ۲۰ تا ۲۱

(۶۰) ایضاً..ص ۳۵

(۶۱) ایضاً..ص ۴۲ تا ۴۳

(۶۲) نعت سائل حیدری: بیاض قمر گوالیاری سے نقل شدہ

(۶۳) گوالیار اور اردو زبان و ادب: ڈاکٹر قمر گوالیاری، محفل فنکار گوالیار، ۲۰۱۳ء ص ۹۱ تا ۹۲

(۶۴) ایضاً..ص ۹۳

(۶۵) پتھروں کے شہر میں: شکیل گوالیاری، آزاد بک ڈپو، گوالیار ۱۹۹۶ء ص ۶۳

(۶۶) مجموعۂ کلام نور فکر: ریاض انصاری، مرتبہ وقار صدیقی ۲۰۱۰ء ص ۳۰

(۶۷) ایضاً..ص ۸ تا ۹

(۶۸) گوالیار کے محققین وقار صدیقی اور ڈاکٹر قمر گوالیاری سے درخانونی سے متعلق راقم کی گفتگو
(۶۹) اردو کے ہندو شعراء (حصہ دوم) مرتبہ جگدیش مہتہ درد، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ دہلی ۱۹۷۴ء ص ۳۰
(۷۰) سند خطاب: فیاض گوالیاری، بشمول رباب غزل: فیاض گوالیاری ۲۰۱۲ء ص ۸-الف
(۷۱) مجموعۂ کلام رباب غزل: فیاض گوالیاری ۲۰۱۲ء ص ۱۳
(۷۲) ایضاً...ص فلیپ کور
(۷۳) ایضاً...ص ۱۵
(۷۴) مسلمان اور تعلیم: مقرر وقار صدیقی، بتقریب مسلم طلباء و طالبات کے تقسیم انعامات، منجانب مدھیہ پردیش مسلم ایجوکیشن سوسائٹی گوالیار ۲۵ ستمبر ۲۰۱۶ء
(۷۵) پتھروں کے شہر میں: شکیل گوالیاری، آزاد بک ڈپو، گوالیار ۱۹۹۶ء ص ۹۲
(۷۶) ثنائے محمد: مرتبہ اقبال بیدار، بزم اقبال بھوپال، اپریل ۱۹۹۹ء ص ۳۶
(۷۷) خط بنام سید رضا محمد حضرت جی: مظہر حسن خاں مظہر گوالیاری ۱۹ فروری ۱۹۶۸ء کراچی، بشمول گوالیار اور اردو زبان و ادب: ڈاکٹر قمر گوالیاری ص ۱۳۲ تا ۱۳۳
(۷۸) کہکشاں (ڈراموں کا مجموعہ) محمد عبدالکریم شوق گوالیاری، ناشر فصیح الزماں ۲۰۱۰ء ص ۵
(۷۹) گوالیار اور اردو زبان و ادب: ڈاکٹر قمر گوالیاری، محفل فنکار گوالیار، ۲۰۱۳ء ص ۱۳۹
(۸۰) متاع ساغر: ساغر زیدی، مرتب وقار صدیقی ۲۰۰۷ء ص ۷
(۸۱) ایضاً...ص ۱۸
(۸۲) گوالیار اور اردو زبان و ادب: ڈاکٹر قمر گوالیاری، محفل فنکار گوالیار، ۲۰۱۳ء ص ۱۴۱
(۸۳) حدیث نظامی: خواجہ ناظر نظامی، روحانی اکادمی درگاہ خانون، گوالیار ۲۰۱۳ء ص ۹۴
(۸۴) ایضاً...ص ۱۰۲
(۸۵) ایضاً...ص ۹۷
(۸۶) ایضاً...ص ۹۹
(۸۷) حدیث دل: لئیق ناظر، روحانی اکادمی درگاہ خانون، گوالیار ۲۰۱۰ء ص ۲۷
(۸۸) دیوان قلم: قلم گوالیاری، ویلکم آفسیٹ، گوالیار ۲۰۱۵ء ص ۶
(۸۹) ایضاً...ص ۸
(۹۰) وقار صدیقی صاحب سے بشیر گوالیاری کے متعلق معلومات
(۹۱) ثنائے محمد: مرتبہ اقبال بیدار، بزم اقبال بھوپال، اپریل ۱۹۹۹ء ص ۱۰۱
(۹۲) شکیل گوالیاری صاحب سے دست یاب شدہ نعت پاک

(۹۳) سوز دروں: انجم دتیاوی ۲۰۰۷ء ص ۱۲
(۹۴) ڈاکٹر قمر گوالیاری صاحب سے دست یاب شدہ نعت پاک
(۹۵) عزم سفر بانٹتے چلیں: قاسم رسا ۲۰۱۳ء ص ۲۴
(۹۶) پرواز: نسیم رفعت گوالیاری ۲۰۰۸ء ص ۱۳
(۹۷) نذر حبیب: نسیم رفعت گوالیاری ۲۰۰۱ء ص ۳۶
(۹۸) ایضاً...ص ۳۷
(۹۹) شعری مجموعہ روداد عشرت: عشرت گوالیاری ۲۰۱۸ء ص ۲۰
(۱۰۰) وجے کلیم صاحب سے دست یاب شدہ نعت شریف
(۱۰۱) فصیح الزماں کاشف سے دست یاب شدہ نعت پاک
(۱۰۲) رعنا زیبا سے دست یاب شدہ نعت شریف

☆☆☆

ڈاکٹر محمد آصف امراوتی (مہاراشٹرا)

اردو نعت کا نفسیاتی مطالعہ

خدائے بزرگ و برتر نے انسان کو شعور جیسی اعلیٰ وارفع نعمت سے سرفراز فرمایا ہے۔ یہ ایک ایسی نعمت عظمیٰ ہے جس کے ذریعے انسان روز بہ روز ترقی کرتا جارہا ہے۔ حتیٰ کہ بیداری شعور کے نتیجے میں اس نے خود اپنی ذات کے تعلق سے ہی سوالات کھڑے کر دیے ہیں۔ وہ اپنی ذات میں غور وفکر کرنے لگا ہے۔ بعدازاں یہی مسائل نفسیات کا موضوع مطالعہ بن گئے۔ نفسیات کو انگریزی میں psychology کہا جاتا ہے یہ لفظ psycheاور logos کا مرکب ہے psyche کا مطلب ہوتا ہے ''روح'' اور logos کا مطلب ہوتا ہے ''مطالعہ کرنا'' اس ترکیب کا مطلب ہوا ''روح کا مطالعہ کرنا''۔ اردو میں اسے نفسیات کہا جاتا ہے۔ زمانے نے جب مزید ترقی کی تو کہا گیا کہ دماغ سے متعلق علم ''نفسیات'' کہلاتا ہے۔ جب غور وفکر کی مزید منزلیں طے کی گئیں تو اسے ''مطالعہ شعور study of consciousness'' کا نام دیا گیا اور جدید ماہرین نے اسے study of human behaviourکے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس کے تحت انسانی کردار کے تمام پہلوؤں کا مطالعہ کرنا ممکن ہو گیا۔ اس علم کے ذریعے فرد کی ذات، اس کا سلیقہ وطرز عمل، اس کے احساس و جذبات، سوچ وفکر اور اس کی باطنی کیفیات کے تمام معمے سائنسی نقطہ نظر کے زیر بحث آنے لگے اور اس پر غور وفکر کیا جانے لگا۔ رفتہ رفتہ انسانی شخصیت کے تمام پہلو علم نفسیات کا موضوع مطالعہ بن گئے۔ اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ نفسیات کردار و نفسی کیفیات کی وجوہات کے تعلق سے آگہی حاصل کرنے کا نام ہے۔

علم نفسیات میں انسان کی روح اور اس کے باطن پر بھی غور وخوص کیا جاتا ہے۔ لہٰذا انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کی ابتدا میں تحلیل نفسی کا تصور وجود میں آیا۔ اس کی ابتدا فرائڈ کے'' تعبیر خواب کے نظریہ'' سے ہوتی ہے۔ تحلیل نفسی انگریزی لفظ psychoanalysis کا اردو ترجمہ ہے۔ psycho کا مطلب ہوتا ہے ''ذہن یا دماغ'' جبکہ analysis کا مطلب ہوتا ہے

''تجزیہ''، یعنی انسانی ذہن و دماغ کا تجزیہ کرنا تحلیل نفسی کہلاتا ہے۔اس میں انسان کے ذہن و دماغ میں پوشیدہ باتوں کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تحلیل نفسی خارج سے باطن کی طرف بڑھتی ہے اور انسان کی خواہش و روایات اور نظم و ضبط کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔اس کا تعلق psychic determinism سے ہوتا ہے یہ لاشعوری قوتوں کی پیداوار ہوتا ہے،نظریہ تحلیل نفسی ہماری اس طرف راہنمائی کرتا ہے۔فرائڈ نے اس تھیوری میں انسانی ذہن کو تین خانوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱-شعوری ذہن Consciouss Mind

۲-لاشعوری ذہن Unconsciouss Mind

۳-تحت الشعور Sub Conscioussness

شعور کے لغوی معنی علم رکھنا یا جاننا ہوتے ہیں۔حال اور ماضی قریب کے واقعات خواہشات اور اشیاء ہمارے شعور میں محفوظ رہتے ہیں۔ ہمارا شعور وقت اور سامنے موجود حالات کی مناسبت سے کام کرتا ہے۔اس سطح پر غور و فکر اور عقل سے کام لیا جاتا ہے۔اس عمل کا تعلق ظاہری و خارجی دنیا سے ہوتا ہے۔شعوری سطح پر غور و فکر کا عمل جاری وساری رہتا ہے اس لیے اس سطح پر مسلسل تبدیلی آتی رہتی ہے۔اس میں یکے بعد دیگرے خیالات و تصورات آتے رہتے ہیں اور انسانی حافظے میں محفوظ ہوتے رہتے ہیں۔شعور ضرورت کے اعتبار سے ان سے مستفید ہوتا چلا جاتا ہے۔

لاشعور۔غیر تکمیل شدہ خواہشات جو پس پردہ چلی جاتی ہیں اس پر انسان کا اختیار بھی نہیں ہوتا اسے لاشعور کہتے ہیں۔اس میں ماضی کے تجربات اور موروثی خیالات و جذبات محفوظ ہوتے ہیں۔فرائڈ نے لاشعور کو یادوں کا ذخیرہ بتایا ہے،ایسی یادیں جنھیں شعور سے نکال کر لاشعور میں ڈھکیل دیا جاتا ہے اور یہ ذہن کا سب سے توانا حصہ ہوتا ہے۔اس میں موجود خیالات و خواہشات کو ہم کوئی نام نہیں دے سکتے۔

تحت الشعور۔انسانی ذہن کی تیسری کڑی ہے،ان میں وہ خواہشات و تجربات ہوتے ہیں جو کبھی شعور کا حصہ تھے۔ یہاں لاشعوری خیالات شعور کی سطح پر ابھرتے ہیں اس طرح شعور اور لاشعور کے درمیان آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ایک لمحے کے لیے مواد ذہن میں نمودار ہوتا ہے اور اس کے بعد تحت الشعور میں چلا جاتا ہے۔اسے دوبارہ شعوری سطح پر لایا جاسکتا ہے۔اسی لیے تحت الشعور کو ماضی کے تجربات کا اسٹور ہاؤس کہا جاتا ہے۔یہ اس وقت فعال ہوتا ہے جب ہم بے توجہی کی دنیا میں ہوتے ہیں۔ جب غور و فکر کے بعد بھی کوئی بات، چیز یا واقعہ یاد نہیں آتا تو اس کا رخ شعور کی طرف موڑ دیا جاتا ہے۔ادیب ادب پارہ تخلیق کرنے میں اسی قوت سے کام لیتا ہے۔ادب ایک ایسا میدان

ہے جہاں جذبات واحساسات کے ساتھ ساتھ تجربات ومشاہدات کی بھی جلوہ گری ہوتی ہے۔اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ادب میں شعوری اور غیر شعوری عمل ناگزیر ہے۔ادب میں خارجی و داخلی تصورات وخیالات کوفن کے قالب میں ڈھالا جاتا ہے۔ادب میں ہمیں انسانی ذہن کی کشمکش وتصادم اورفطرت انسانی کی جھلکیاں نظر آتی ہے۔

نعت گوشاعر کا تعلق بھی شعوری اور لاشعوری طور پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جڑا رہتا ہے۔اس کے لاشعور میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق جس طرح کے جذبات خیالات و مشاہدات ہوتے ہیں وہ اسی طرح اسے شعوری سطح پر لاتا ہےاورفن کی شکل میں زمانے کے سامنے پیش کر دیتا ہے جسے ہم نعت سے موسوم کرتے ہیں۔شاعر کی شخصیت اوراسکے ماحول ومعاشرت کے اعتبار سے اس کے ذریعے لکھی گئیں نعتوں کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔شاعر کے لاشعور میں جو باتیں پنہاں ہوگی وہی نکل کر باہر آئے گی۔جن شعراءنعت کا تعلق بالقرآن مضبوط ہوتا ہے یا مطالعہ قرآن وسیع ہوتا ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری میں جا بہ جا قرآنی حوالے ملتے ہیں۔مثلاً مولانا احمد رضا خان کی نعتیہ شاعری لیجیے ،ان کے اشعار میں قرآنی آیات کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔مثال کے لیے درج ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے۔

ورفعنا لك ذكرك کا ہے سایہ تجھ پر بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا

ہے کلام الٰہی میں شمس الضحیٰ ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم
تیرے خلق کوحق نے عظیم کہا تری خلق کوحق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالق حسن وادا کی قسم
وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

مزید

شب اسریٰ قمر حیرت زدہ پھرتا رہا شب بھر بھلایا ڈھنگ ان کی چال نے سیر منازل کا
بڑھا اس درجہ رعب حسن والا لیلۃ الاسریٰ سمٹ کر بن گیا چرخ ایک پایا ان کے محمل کا

اس طرح اور بھی اشعاران کے کلام میں موجود ہیں جس سے ان کا تعلق بالقرآن ظاہر ہوتا ہے۔

علامہ اقبال کی شاعری بھی قرآنی حوالوں سے مزین ہے ان کے ذریعے لکھی گئیں نعتوں میں بھی

قرآن کی آیات ملتی ہے۔ ؎

وہ دانائے سبل ختم الرسل دانائے کل جس نے غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

مولانا ظفر علی خاں کے یہاں بھی قرآن سے مواد اخذ کیا گیا ہے۔

عرب کے واسطے رحمت عجم کے واسطے رحمت وہ آیا لیکن آیا رحمۃ العالمین ہوکر

مزید اشعار دیکھیے ۔ ؎

پھوٹا جو سینہ شب تار الست سے اس نور اولین کا اجالا تم ہی تو ہو
جو ماسوا کی حد سے بھی آگے گزر گیا اے رہ نورد جادۂ اسریٰ تم ہی تو ہو
پیتے ہی جس کے زندگی جاوداں ملی اس جانفزا زلال کے مینا تم ہی تو ہو

محمد الیاس برنی کی نعتوں میں بھی قرآنی حوالے پائے جاتے ہیں۔

رحمت جو عالمین میں بنے آشکار ہے رحمٰن کے فیض وجود کا ان پر مدار ہے
رحمت بھی ہیں کریم و رؤف و رحیم بھی گلزار کائنات میں کیسی بہار ہے

مزید

اسے رؤف و رحیم اور کریم کہتے ہیں وہ ایسا عبد کہ عالم کو سرفراز کرے
صلوٰۃ اس پہ سلام اس پہ انس و جاں وملک سب ہی ہیں بھیجتے کافر جو احتراز کرے

قرآنی آیات سے مواد حاصل کر کے دیکھیے کتنے احسن انداز میں اشعار کی محفل سجائی ہے۔ شاعر کے تخیل میں کس طرح سے سیرت مصطفیٰ سمائی ہوئی ہے۔

خلق ان کا خلق ہے کونین میں خلق عظیم ان کی سیرت ہے کتاب اللہ سے ملتی ہوئی
غلغلہ کیسا رفعنا لک ذکرک سے ہوا شہرت ان کی بھی ہے حمد اللہ سے ملتی ہوئی
کیسے ہیں سیاح سبحان الذی اسریٰ تو دیکھ سیر ان کی بھی ہے سیر اللہ سے ملتی ہوئی
چشم حق میں کیا ہے ما زاغ البصر و ماطغیٰ دید ان کی بھی ہے علم اللہ سے ملتی ہوئی
کیا تقرب کیا اطاعت مارمیت اذرمیت ان کی جنبش بھی ہے فضل اللہ سے ملتی ہوئی
جن کی شان قل یعبادی ان کا ہے الیاس عبد اس کی نسبت بھی ہے عبداللہ سے ملتی ہوئی

محمد مظہرالدین معلّٰی نے قرآنی تراکیب کا کس خوبصورتی سے استعمال کیا ہے ملاحظہ کیجیے۔ ؎

جو آیا فقلنا کن لہ مضمون قرآن میں بیان حال وصف صنعت چالاک دستی ہے

بیان فاتبعونی سے یہ حجت مسلم ہے | کہ طاعت احمد مرسل کی عین حق پرستی ہے
ما ینطق عن الھویٰ الا دلیل ہے | ناطق تھی وحی حق سے گفتار مصطفیٰ
ما رمیت اذ رمیت میں جو معنی ہیں عیاں | کیا کوئی سمجھے سر نہان مصطفیٰ
جان کو محو رضائے حق کیا اللہ نے | انک لا تھدی کہہ کر امتحان مصطفیٰ
قرآن میں جو آیا ہے بیان قاب وقوسین | ادنیٰ ہے مقام شرف افزائے محمد
حاصل ہوا انھیں سرمہ مازاغ کہاں سے | آنکھیں ہوں مری کیسے شناسائے محمد

شاعر قرآن کے ان ہی آیات والفاظ کو استعمال کرتا ہے جس نے اسے حد درجہ متاثر کیا ہو۔ وہی باتیں جو شاعر کو اپیل کرتی ہے انھیں کو وہ اپنے نعتیہ اشعار میں برتتا ہے۔ مذکورہ شعراء کی زندگی پر نگاہ ڈالئے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کا تعلق بالقرآن گہرا تھا۔ نتیجے میں نفسیاتی طور پر ان کی نعتوں میں قرآنی حوالے کثرت کے ساتھ در آئے ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کے ذہن وفکر پر قرآن کی حکمرانی ہے۔ تخیل میں قرآن اور صاحب قرآن سمایا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ انھیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ یہ فطری امر ہے کہ جو دل ودماغ میں ہوگا وہ زبان پر آئے گا۔

بعض نعت گو شعراء وہ ہیں جو یا تو سیرت نگار ہیں یا سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کا موضوع مطالعہ رہا ہے، ایسے حضرات جب نعت لکھنے کی طرف مائل ہوتے ہیں تو خود بخود ان کے قلم سے سیرت منظوم ہوتی چلی جاتی ہے کہ ان کے ذہن کے شعور ولاشعور میں واقعات سیرت ہی جلوہ گر رہتے ہیں۔ ان شعراء میں مولانا باقر آگاہ، مولانا شبلی نعمانی، نظم طباطبائی، سید محمد ہادی ہادیؔ، حفیظ جالندھری اور مولانا ماہرالقادری کے نام نمایاں ہیں۔ یہ ایک نفسیاتی عمل ہے کہ شاعر کا مطالعہ اور سوچ وفکر کی سطح ہی اس کی شاعری کا مواد قرار پاتی ہے اور یہی موادفن پارے کی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔

سیرت کو منظوم کرنے کے حوالے سے ایک اہم نام نوازش علی شیداؔ کا ہے۔ شیداؔ نے ایک مثنوی ''اعجاز احمدی'' کے نام سے قلمبند کی جس میں سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منظوم کیا ہے۔ مولانا باقر آگاہ نے بھی نعتوں میں سیرت النبی ہی کو پیش کیا ہے۔ مولانا کی تصنیف ''ہشت بہشت'' کا موضوع سیرت ہی ہے جس میں انھوں نے آٹھ رسالوں میں سیرت کو بیان کیا ہے، اسی نسبت سے اس کا نام بھی ہشت بہشت رکھا ہے۔ مولانا شبلیؔ نعمانی کی شہرت ایک سیرت نگار کی ہے۔ شبلیؔ شاعر بھی تھے۔ انھوں نے جہاں شاعری میں اصلاحی مضامین بیان کیے وہیں سیرت کے چند گوشوں کو بھی نظم کی ہیت میں پرویا ہے۔ سید علی حیدر نظم طباطبائی نے نعتیہ قصائد تحریر کیے ہیں۔ انھوں نے نعتیہ قصائد میں

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیش کیا ہے۔ طباطبائی نے سات نعتیہ قصائد لکھے اور ساتوں قصائد میں سیرت کا بیان ملتا ہے۔ سید محمد ہادی ہادیؔ بھی ایک ایسے نعت گو شاعر گذرے ہیں جن کی نعتوں میں واقعات سیرت کی جھلکیاں نمایاں نظر آتی ہیں۔ ابوالاثر حفیظ جالندھری نے بھی شاہ نامہ اسلام میں سیرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو پیش کیا ہے۔ حفیظؔ کے یہاں بھی کلام میں اسوۂ حسنہ کا بیان ملتا ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری میں سیرت کے وہ گوشے پیش کیے گئے جن سے جوش وجذبات حرکت میں آتے ہیں۔ منظور حسین ماہر القادری کی نعتیہ شاعری میں بھی سیرت کی جھلکیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مذکورہ تمام شعراء کا میدان مطالعہ سیرت ہی تھا اس لیے نفسیاتی طور پر ان کی شاعری میں سیرت کا بیان ہی ملتا ہے۔ مذکورہ تمام شعراء کرام پر IMPACT ہے سیرت و مطالعہ سیرت کا ،سو سیرت سے پرے نہ سوچتے ہیں نہ لکھتے ہیں۔ جب بھی شعر کی آمد ہوتی ہے تو سیرت کا کوئی نہ کوئی نمایاں گوشہ لیے ہوتی ہے۔

نعت میں بڑے پیمانے پر جذبہ عشق احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیان ملتا ہے۔ نفسیاتی طور پر شاعر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق میں گرفتار ہوتا ہے۔ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جزو ایمان ہے۔ شاعر عشق کی جس منزل پر ہوگا اسی اعتبار سے ہی وہ شدت و کیفیت کو شعر میں رقم کرے گا۔ عشق جتنا پائیدار ہوتا ہے اظہار بھی اتنا ہی موثر ہوتا ہے۔

نعت گو شعراء کی ایک تعداد ہے جو عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مختلف جہتوں کو شعر کے قالب میں ڈھالتی ہے۔ ان کے اشعار عشق رسول کی گرمی سے تابناک و روشن نظر آتے ہیں۔ یہ بھی نفسیاتی عمل ہی ہے کہ وہ عشق کی کیفیت سے گذر رہا ہے اور اسی کیفیت کو شعر کے سانچے میں ڈھال رہا ہے۔ عشق شاعر پر جس قدر حاوی ہوگا، اظہار میں پختگی بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ ایک شاعر وہ ہوتا ہے جو تبرکاً عشق کا اظہار کرتا ہے اس کے یہاں اثر نام کو بھی نہیں ہوتا۔ حقیقی نعت گو شاعر وہ ہوتا ہے جو دل و دماغ پر گذرتی ہے وہی رقم کرتا ہے۔ نفسیاتی طور پر وہ چوبیس گھنٹے عشق میں مچلتا رہتا ہے۔ اس کے شعور و لاشعور میں سوائے عشق حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ نہیں ہوتا ہے۔ عشق میں فنا کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کا اظہار اپنے اشعار میں کرتا رہتا ہے۔ مختلف کیفیات کو شعراء نے اپنے انداز میں پیش کئے ہیں۔ درج ذیل شعراء کے اشعار دیکھیے ۔

مولانا کرامت علی شہیدیؔ کے اشعار میں عشق کی کیفیت ملاحظہ کیجیے۔

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

خدا منہ چوم لیتا ہے شہیدؔی کس محبت سے		زباں پر میری جس دم نام آتا ہے محمد کا

شہیدؔی اس thought process سے گذر رہے ہیں کہ انھیں موت مدینے کی معطر معنبر گلیوں میں آئے۔نفسیاتی طور پر شعور ولاشعور میں ان کی یہ بات بس چکی ہے۔اس کا اظہار بڑے ہی موثر انداز میں کرتے ہیں۔عشق کی انتہا دیکھیے

ذاکر کو ہے لاالہ الا اللہ کا شغل		یاں ورد محمد رسول اللہ ہے

مذکورہ شعر کو دیکھے اوران کی زندگی پر نظر دوڑائے تو کیفیت بالا سچ ثابت ہوتی ہے۔نعت گو شاعر کے کلام کا صحیح درک حاصل کرنے کے لیے ہمیں اس کی زندگی کا نفسیاتی مطالعہ بڑی مدد فراہم کرتا ہے جس کے ذریعے ہم شعر کے تعلق سے درست فہم حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔

ایک وہ عشق ہے جہاں دعوائے غلامی بھی بے ادبی تسلیم کیا جاتا ہے یعنی تمام حواس پر صرف عشق کی حکمرانی ہوتی ہے۔ہر کوئی اس درجہ پر نہیں پہنچتا اور ہر شاعر کے قلم سے اس طرح کے اشعار کا ظہور نہیں ہوتا جیسے لطف علی خاں لطفؔ کا شعر دیکھیے۔

محبوب خدا ہے وہ رسولوں کا نبی ہے		دعوائے غلامی بھی وہاں بے ادبی ہے

نفسیاتی طور پر عشق کا اس قدر خمار کہ زبان بھی گنگ ہوجاتی ہے بندہ سوچتا رہتا ہے کہ آیا میں اس مقام تک پہنچا بھی یا نہیں۔جب تک شاعر حقیقت میں اس کیفیت سے نہیں گذرتا اس طرح کا مضمون اس کے قلم سے ترتیب ہی نہیں پا سکتا۔

عشق ہے جس کو جناب سید ابرار کا		لطف حاصل ہوگا اس کو لطفؔ کے اشعار کا

قاری کو بھی تو اسی thoght process سے گذرنا ہوگا ورنہ وہ بھی نعت سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا۔مطلب یہ کہ قاری بھی عاشق صادق ہونا چاہیے تب جا کر ہی وہ نمدیدہ ہوسکتا ہے۔اسی نفسیاتی امر کی طرف لطفؔ نے اشارہ کیا ہے۔

لے چلے ہیں اس جہاں سے داغ عشق مصطفےٰ		اور اب کیا چاہیے روز جزا کے واسطے

سنتا نہیں میں بجز افسانہ رسول		دیوانہ رسول ہوں دیوانہ رسول

ان دونوں اشعار سے شاعر کے عشق رسول کا اندازہ ہوتا ہے۔

امیر مینائی نعت گو شعراء میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ان کے چند اشعار بھی ملاحظہ کیجیے۔

دوئی کیسی کہاں ثانی کہ یہ دونوں ہیں لاثانی		خدا کا دوسرا کوئی نہ سایہ آپ کے قد کا

پکارتے ہیں تمہیں کو یہ یارسول اللہ		جو مسجدوں میں موذن اذان دیتے ہیں

مال آپ پر تصدق جان آپ پر سے صدقے
آنکھوں سے سر ہے قربان آنکھیں ہیں سر سے صدقے
مفتاح باب خلد جسے کہتے ہیں امیرؔ
الفت رسول کی ہے وہ الفت رسول کی

اشعار میں کیفیت عشق کا والہانہ بیان ہے۔ جذب وشوق کا اظہار ہے۔ یہ اشعار شاعر کے دماغ میں مضمر باتوں کو بیان کر رہے ہیں۔ شاعر کی کیفیت کا حقیقی بیان امیر مینائی کے اشعار میں ملتا ہے۔ ان کی زندگی عشق سے تعبیر تھی اور اسے انہوں نے اشعار میں رقم کیا ہے۔

محسن کاکوروی کے اشعار بھی دیکھیے ۔ ؎

اے بحر فیض لے خبر اپنے حباب کی — محسنؔ کی التجا ہے فنا فی الرسول ہو
نہ اٹھے بوجھ مجھ سے اہل دنیا کی خوشامد کا — یہ ہے خواہش کروں میں عمر بھر تیری ہی مداحی
میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل — سب سے اعلیٰ تیری سرکار ہے سب سے افضل

حقیقت بھی یہی ہے اگر محسن کے ظاہر و باطن کا معائینہ کیا جائے تو یہی بات منکشف ہوتی ہے کہ وہ ہمہ وقت عشق رسول میں بے تاب رہتے تھے اور جس خواہش کا اظہار وہ کر رہے ہیں جب تک شعوری ولاشعوری سطح پر اس سے نہ گذرے زبان پر آ ہی نہیں سکتی۔ انسان وہی بولتا اور کرتا ہے جو ذہن و دماغ میں ہو۔ شعراء کا اس طرح کا اظہار بھی اسی بات کا ثبوت ہے کہ اگر وہ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اظہار کر رہا ہے تو حقیقت میں اس سے گذر بھی رہا ہے۔

مولانا احمد رضا خان کا درج ذیل شعر دیکھیے ۔ ؎

جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے — اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
یوں ہی زندگانی گذاروں کروں میں — تیرا ذکر لب پر خدا دل کے اندر

ان دو شعروں کے تناظر میں ان کی زندگی کا مطالعہ کیجیے۔ واضح رہے کہ مولانا ان عاشقان رسول میں سے تھے جو فنا فی الرسول کے درجے میں پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ مولانا کی پوری شاعری اس بات کی ترجمان ہے۔ مولانا کا تحریر کردہ سلام تو ان کے عشق رسول کا اظہار ہے اور اسے چاردانگ عالم میں جو مقبولیت حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ سلام کو مقبول عام حاصل ہونا ہی قبولیت کی دلیل ہے۔

علامہ اقبال کا عشق رسول بھی کس سے چھپا ہے اور ان کا درج ذیل شعر تو زبان زد خاص و عام ہے جو مسلمانوں میں تحریک، جوش و جذبہ پیدا کرتا ہے۔

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

مولانا ظفر علی خان عاشق رسول تھے اور مجاہد آزادی بھی۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق میں اس قدر گرفتار تھے کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آپ کی نگاہوں میں کوئی جچتا ہی نہیں تھا۔ اس بات کا اندازہ درج ذیل اشعار سے کیا جا سکتا ہے۔

میرے ہزار دل ہوں تصدق حضور پر　　میری ہزار جان ہوں قربان مصطفیٰ
رشتہ میرا خدا کی خدائی سے ٹوٹ جائے　　چھوٹے نہ مگر ہاتھ سے دامان مصطفیٰ
فقط دو حقائق پہ دنیا ہے قائم　　بقائے خدا و دوام محمد
دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تم ہی تو ہو　　ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تم ہی تو ہو

مذکورہ بالا اشعار پڑھیے اور مولانا کی زندگی پر نگاہ دوڑائیے بات صاف ہو جائے گی۔ اس بات کا انھیں شعور حاصل ہو چکا تھا کہ کائنات کا حاصل صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ہے اور وہ اس کا اظہار اپنے اشعار میں کرتے رہے ہیں۔

سردار احمد خاں بہزاد لکھنوی تو اپنی زندگی میں یاد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسری چیز کی طلب ہی نہیں کرتے۔ عشق مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو تسکین روح و جاں تسلیم کرتے ہیں۔

خدایا نئی زندگی چاہتا ہوں　　فقط دل میں یاد نبی چاہتا ہوں
پلا سا قیا جام عشق محمد　　کہ ہر وقت ایک بے خودی چاہتا ہوں

اے شاہ ہدیٰ سبحان اللہ جب نام تمہارا آتا ہے
ایک روح کو تسکین ملتی ہے اک کیف سا دل پہ چھا جاتا ہے

مذکورہ تمام شعراء اور ان کے کلام میں بیان کردہ اظہار عشق دونوں کا مطالعہ کریں تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان کی زندگیاں ان کے اشعار کے موافق تھیں۔ وہ تمام معزز شعراء عشق کی آگ میں جل رہے تھے۔ ان کی نفسیات اور شعریات دونوں میں مناسبت پائی جاتی ہے۔ تضاد کہیں بھی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے چند شعراء کے یہاں نعت میں اظہار عشق رسول ملے لیکن زندگی اس کے برعکس ہو تو آپ دیکھیں گے کہ ان کے اشعار جذب وکیف سے خالی ہیں۔

انسان فطرتاً کسی واقعہ، شخصیت، قدرتی مناظر و مظاہر سے متاثر ہوتا ہے۔ اور شخصیت جب پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسی ہو تو پھر کون اعتدال پسند طبیعت کا مالک شخص آپ سے متاثر نہیں ہوگا۔ یقیناً آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت وہ ہستی ہے جس نے نہ صرف اپنے بلکہ غیروں کو بھی متاثر

کیا ہے، اسی لیے تو شاعر کہتے ہیں کہ

اپنے تو اپنے ہیں غیر بھی بولے — اعلیٰ ہے کردار مدینے والے کا

مسلمان تو ظاہر ہے اس قدر متاثر ہے کہ آپ کے نام پر مرمٹنے کو تیار رہتے ہیں بلکہ اسے جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ متاثر ہو کر ذہن و دماغ میں انتہائی تعظیم کے جذبات پیدا ہوتے اور وہ انتہا اتنی کہ ہمیں شرک کی حد میں داخل ہونے سے بچا لیں جائز ہے۔ اب تعظیم کی ایک صورت سجدہ بھی ہے۔ فطری طور پر مسلمان میں سجدہ کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں لیکن وہ نہیں کر سکتا وہاں پہنچنا اس کے لیے جرم عظیم قرار دیا گیا۔ البتہ اس کیفیت کا ذکر شعرائے نعت نے کیا ہے مثلاً

سجدہ کرتا اگر مجھ کو اس کی اجازت ہوتی — کیا کروں اذن اس کا مجھے خدا نے نہ دیا

پیش نظر وہ نوبہار سجدے کو دل ہے بے قرار — روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے

نہ ہو آقا کو سجدہ آدم و یوسف کو سجدہ ہو — مگر سب سے کڑا حساب ہے اپنی شریعت کا

محبوب سے عشق کی بنا پر اس سے جڑی ہر چیز سے انسان کو عشق ہوتا ہے۔ نفسیاتی طور پر وہ اسی محبوب سے متعلقہ چیزوں اور باتوں کے تعلق سے سوچتا رہتا ہے۔ لہٰذا نعت گو شعراء نے بھی اسی اصول کے تحت وہ تمام چیزیں جن کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے اپنی شاعری میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں بڑے پیمانے پر ذکر مدینہ اور بیان گنبد خضریٰ کیا گیا ہے۔ مسلمان کی نفسیات میں شامل ہے کہ وہ زندگی میں ایک بار مدینہ ضرور جانا چاہتا ہے بلکہ وہاں مدفن چاہتا ہے۔ مدینہ و دیدار گنبد خضریٰ کے لیے بے قرار و بے چین رہتا ہے۔ شاعر بھی اس کیفیت سے گذرتا ہے اور اسے فن پارے میں پیش کرتا ہے۔

ہر وقت تصور میں مدینے کی گلی ہو — اور یاد محمد کی میرے دل میں بسی ہو (عطار)

بے نگاہی پہ میری نہ جائے دیدہ ور میرے نزدیک آئے
میں یہیں سے مدینہ دکھا دوں دیکھنے کا سلیقہ سکھا دوں

(پروفیسر اقبال عظیم)

کہاں میں اور کہاں یہ مدینے کی گلیاں — یہ قسمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے (اقبال عظیم)

کبھی لوں شوق کامل سے درودیوار کے بوسے
لگاؤں سرمہ آنکھوں میں کبھی اس خاک مرقد کا

(امیر مینائی)

مدینے جاؤں پھر آؤں دوبارہ پھر جاؤں ‏ تمام عمر اسی میں تمام ہوجائے (امیر مینائی)
جب گنبد خضریٰ کے مینار نظر آئے ‏ اللہ کی رحمت کے آثار نظر آئے
چھوڑ آیا ظہوری میں دل وجان مدینے میں ‏ اب جینا میرا یہاں دشوار نظر آئے (ظہوری)

غیر مسلم شعراء نے بھی نعتیں لکھیں ہیں۔ان غیر مسلم نعت گوشعراء کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے جس ماحول ومعاشرے میں پرورش پائی اس ماحول ومعاشرے کا تعلق مسلم معاشرے سے تھا۔دوسرے وہ تاریخ مذہب اسلام کا کچھ درک رکھتے تھے۔پیغمبر اسلام کے تعلق سے پڑھا یا سنا تھا۔آپ کے اخلاق حسنہ کا بیان سن کر آپ سے متاثر تھے۔کچھ اردو زبان کا کردار بھی ہے کہ اس زبان میں مسلمان ادیبوں نے طبع آزمائی کی نتیجے میں اسلام سے متعلق باتیں ادب کا حصہ بنیں۔غیر مسلم نعت گوشعراء جو اردو جانتے تھے ان کی تعداد زیادہ ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ زبان اور معاشرے کی وجہ سے نفسیاتی طور پر اسلام اور پیغمبر اسلام سے متاثر ہوئے آج بھی اردو میں غیر مسلم شعراء ہیں جو نعت بھی لکھتے ہیں۔انھوں نے اپنی شاعری میں عقیدت کا اظہار کیا ہے لیکن ان کے اظہار میں جذب وکیف کسی قدر کم ہے۔دوسرے بیشتر غیر مسلم شعرائے نعت اشعار میں اپنے ہندو ہونے کا احساس بھی بیان کرتے ہیں جو ایک نفسیاتی امر ہے کہ انسان اپنی شناخت ظاہر کرنے میں شان سمجھتا ہے۔مثال کے لیے دوتین اشعار ملاحظہ کیجیے

کافر عشق محمد ہوں میں شآد ‏ سبحہ سے بڑھ کر مرا زنار ہے
(مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد)

کرائے ہندو بیان اس طرز سے تو وصف احمد کا ‏ مسلمان مان جائیں لوہا سب تیغ مہندکا
ہندو سہی مگر ہوں ثنا خوان مصطفیٰ ‏ اس واسطے نہ شعلہ ترا مجھ تک آ سکا
لے کہ دلورام کو حضرت گئے جنت میں جب ‏ غل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے
(چودھری دلورام کوثری)

دلورام کوثری کے کلام میں جابہ جا اس طرح کے اشعار ملتے ہیں۔اس کے علاوہ غیر مسلم شعرائے نعت نے حضور کے اخلاق حسنہ اور حضور سے محبت کا اظہار بھی کیا ہے۔

لفظیات کا تعلق بھی نفسیات سے ہے۔شاعر کے ذہن ودماغ میں جس طرح کی لفظیات کا ذخیرہ ہوگا انہی الفاظ کی مدد سے وہ اپنے خیالات کو پیش کرے گا۔اسی لیے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی مضمون کو مختلف شعراء مختلف لفظوں کے ذریعے بیان کرتے ہیں۔نعت میں بھی ذکر میلاد عموماً شعراء

بیان کرتے آئے ہیں لیکن لفظیات وتراکیب ہر ایک کی جدا ہوتی ہے۔ کتنے ایسے شعراء ہیں جنھوں نے معراج نامے اور نور نامے تحریر کیے ہیں۔ سب کی اپنی اپنی لفظیات اور اپنا اپنا اسلوب نگارش ہوتا ہے۔ حسن حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیان، عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر، جذب وکیف، ذکر مدینہ و یادطیبہ نعتوں میں کثرت سے ملتا ہے۔ اسلوب ولفظیات جدا جدا ہوتی ہے۔ ان کا تعلق شاعر کی نفسیات سے ہوتا ہے۔ بعض مخصوص الفاظ کسی ایک شاعر کے یہاں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں جس سے شاعر کی شناخت قائم ہوجاتی ہے۔ شعراء نے سیرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی منظوم کیا ہے۔ واقعات سیرت مشترک ہوتے ہیں مگر شعراء کا ایک دوسرے سے جدا طرز اظہار اسے حسین بنا دیتا ہے۔ ایک ہی واقعہ سیرت کو مختلف شعراء کے کلام میں پڑھنے پر قاری کو اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ الگ الگ اسلوب ولفظیات میں پڑھنے کا لطف بھی غیر معمولی ہوتا ہے۔

بعض شعراء کے یہاں مفسدات کا بیان ملتا ہے۔ کچھ لوگ لغویات کو نعت میں شامل کر لیتے ہیں۔ من گھڑت وموضوع روایات نعت میں درآئیں ہیں۔ الوہیت اور شان الوہیت کے زمرے میں حضور کو داخل کرلیا جاتا ہے۔ بعض نعتیں ایسی ہوتی ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہوتی ہیں۔ بعض نعتوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عام معشوق کی طرح خطاب کیا جاتا ہے جو سرتاسر غلط ہے۔ ایسی نعتیں تحریر کرنے والے شعراء کا تعلق عام زمرے سے ہوتا ہے۔ انھیں دین وشریعت کا کچھ درک نہیں ہوتا۔ بس سنی سنائی باتوں کو ضبط تحریر میں لے آتے ہیں۔ ایسے شعراء کی نفسیات کی طرف توجہ دی جائے تو وہی بات پتہ چلتی ہے کہ ان کے ذہن ودماغ میں یہی مواد ہے اور وہ بغیر تصدیق کے اسے شعر کی شکل پیش میں کرتے ہیں اور اسے نعت کا نام دیتے ہیں۔ ایسی نعتیں ان کے لیے بجائے کار ثواب ونجات کے مصیبت وپکڑ کا سامان بن جاتیں ہیں۔

اس طرح ہمیں پتہ چلتا ہے کہ شاعر کا تعلق بالقرآن قوی ہے تو وہ قرآن کے حوالے پیش کرے گا۔ اگر سیرت اور مطالعہ سیرت شاعر کا موضوع ہے تو وہ سیرت کا بیان اپنی نعتوں میں کرے گا۔ عاشق صادق ہے تو عشق اور کیفیات عشق کو اپنی نعتوں میں پیش کرے گا۔ شاعر صوفی ہے تو اس کے ذریعے لکھیں گئیں نعتوں میں صوفیانہ خیالات ونکات پائیں جائیں گے۔ مفسدات، لغویات، من گھڑت و موضوع روایات کا ذخیرہ اگر اس کے پاس ہے تو وہ انھیں کو پیش کرے گا۔ لفظیات واسلوب کا تعلق بھی شاعر کی نفسیات سے ہے۔ اس کی طبیعت نفسیاتی طور پر جن باتوں کی طرف مائل ہوگی وہ انھیں کو پیش کرے گا۔ اسلوب اور لفظیات بھی وہی استعمال کرے گا جو اس کے من کو بھاتی ہو(لیکن چونکہ نعت لکھ

رہا ہے اس لیے اسے پہلے میزان کی کسوٹی پر پرکھنا ہوگا کہ وہ حضورﷺ کی ذات کے لیے اس طرح کا لفظ اور اسلوب اختیار کر سکتا ہے یا نہیں۔ ذرا سی لغزش اس کے ایمان کو برباد کر سکتی ہے) شعور اور لا شعور میں موجود مواد کا پتہ نعت کے ذریعے چلتا ہے۔ اس کے ذریعے شاعر کی ظاہری اور باطنی دونوں کیفیات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ پھر ہم اس کے ماحول اور معاشرہ اور شخصیت کے ذریعے اسے جوڑ کر آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ یہ ہمیں شاعر کے مافی الضمیر کو سمجھنے میں بھی مدد دیتا ہے اور ہم فن پارے سے متعلق ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

ڈاکٹر راہی فدائی (بنگلور)

فنافی النعت حضرت مغموم مدراسی

جنوبی ہند کا مشہور و معروف عظیم ساحلی شہر مدراس (موجودہ نام چنّائی) صدیوں سے علوم وفنون کا منبع اور خانقاہ و مدارس کا مرکز رہا ہے۔ ماضی بعید میں یہاں وقوع پذیر ہونے والے علمی و اصلاحی کارناموں سے صرف نظر کرتے ہوئے محض عہد والا جاہی (۱۱۶۲ھ۔۱۲۷۲ھ) کا ہی اجمالی جائزہ لیں تو شہر مدراس میں بیسیوں علم و عرفان کے منارۂ نور نظر آئیں گے جن کی تابندگی وضَو پاشی سے جنوب بعید کے دور دراز علاقے بھی منور و مستنیر ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ علامہ باقر آگاہ (متوفی ۱۲۲۰ھ)، علامہ عبدالعلی بحرالعلوم (متوفی ۱۲۲۵ھ)، مولانا غلام محی الدین معجزؔ (متوفی ۱۲۲۹ھ)، مولانا محمد اولیا نائطی معرف بہ حفیظ اللہ خاں بہادر (متوفی ۱۲۶۶ھ)، میر مرتضیٰ پینش (متوفی ۱۲۶۶ھ) قاضی القضاۃ ارتضیٰ علی خاں فاروقی (متوفی ۱۲۷۰ھ)، خان عالم خان بہادر فاروقی (متوفی ۱۲۷۱ھ)، سراج العلماء غلام محمد سعید اسلمی (متوفی ۱۲۷۲ھ) مولانا محمد صبغۃ اللہ معرف بہ قاضی بدرالدولہ (متوفی ۱۲۸۰ھ)، استاذ العلماء علامہ غلام قادری مدراسی (متوفی ۱۲۹۳ھ)، افضل الشعرا مولانا محمد حسین شیریں سخن خاں راقمؔ (متوفی ۱۳۰۳ھ)(۱) وغیرہ جبال العلم نے اپنی معرکہ آرا تصنیفات و تالیفات سے دنیائے علم و ادب کو متاثر کیا تھا۔

انہیں پیش رو اہل علم و اصحاب کمال مصنّفین کے خوشہ چین وصحبت یافتہ شخصیات میں مولانا سید صادق حسین شریف (متوفی ۱۳۲۲ھ) مدیر "طلسم حیرت" خطیب قادر باشاہ صاحب بادشاہؔ (متوفی ۱۳۳۳ھ)، مولانا سید شاہ عبدالغفار بخاری مسکینؔ (متوفی ۱۳۳۶ھ)، علامہ زاہد حسین (متوفی ۱۳۴۱ھ)، مولانا محمد عبدالمجید شررؔ الندوری، مدیر 'قومی رپورٹ' (متوفی ۱۳۴۲ھ)، مولانا سید شاہ ولی اللہ شطّاری قادری (متوفی ۱۳۴۲ھ)، علامہ مفتی محمود (متوفی ۱۳۴۵ھ)، مولانا تجمل حسین ایمانؔ گوپاموی (متوفی ۱۳۶۱ھ)، شمس العلما عبدالرحمٰن شاطرؔ (متوفی ۱۳۶۲ھ) وغیرہ ماہرین فکر وفن اور اصحاب شعر و سخن بھی تھے۔ جن کی بیش بہا علمی و ادبی کاوشیں مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ ماضی کے گرد و غبار میں چھپ کر رہ گئیں

اور جنہیں دبیز چادر غفلت نے طاقِ نسیاں کی زینت بنا کر رکھ دیا۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ تاحال دورِ حاضر کے دستِ شوق کی رسائی ان گرانقدر مخطوطات و مطبوعات تک نہیں ہو پائی۔

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ راقم الحروف کے دست ناتواں میں ان بزرگ و برگزیدہ شخصیتوں میں سے ایک ممتاز و مایہ ناز سخنور و ادیب اور جید عالم و فاضل حضرت مولانا محمد اسماعیل سیٹھ مغمومؔ مدراسی (ولادت ۱۲۷۵ھ وفات ۱۳۴۸ھ) کی کلیات پہنچی، اس بوسیدہ اور نایاب نسخے کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ کلیات مغمومؔ کی طباعت مصنف کے حین حیات ۱۳۴۷ھ میں ہونے کے باوجود جلد بندی میں تاخیر کے سبب کتاب مصنف کے شوق دیدار کا مداوا ثابت نہ ہوسکی، اس دوران مصنف موصوف نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، پھر تو اس کی اشاعت معرض التوا میں پڑی رہی، بعدازاں پھر جب حالات سنبھلے تو مصنف حضرت مغمومؔ کے برادر خرد جناب محمد اسحاق سیٹھ نے اس کی تکمیل کی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہوئے حضرت مغمومؔ کے تلمیذ خاص مولانا محمد عبدالستار مشیرؔ ویلوری کو ''کلیات مغموم'' کا پیش لفظ تحریر کرنے پر آمادہ کیا۔(۲) اور اس تحریر کو اصل کتاب کے ساتھ شامل کر کے اس کی رسم رونمائی بحسن خوبی انجام دی۔

حضرت مغموم بلند پایہ نعت گو شاعر تھے، شاعری کا ذوق مدراس شہر کے ادبی ماحول کی دین تھا، مدراس میں محفل مشاعرہ کا باقاعدہ آغاز کرناٹک کے بارہویں نواب، غلام محمد غوث خاں اعظمؔ (تا ۱۲۷۲ھ ۱۳۴۱ھ) کے ''مشاعرۂ اعظم'' سے ہوا، جہاں نہ صرف شعرائے کرام اپنا کلام باذوق سامعین کی نذر کرتے تھے بلکہ اس پر نقد و تبصرہ بھی بر سر محفل ہوا کرتا تھا، شاعر کو اس اشکال و انتقاد کا کافی و شافی جواب دینا ہوتا تھا، پھر ساری بحث ضبط تحریر کی جاتی تھی جس کا واحد ثبوت ''تذکرۂ گلزار اعظم'' کی صورت میں آج بھی موجود ہے۔(۳)

اس دور کے بعد یہ روایت نہ صرف اہل ثروت کی کوٹھیوں کی زینت بنی بلکہ اصحاب طریقت کی خانقاہوں میں بھی جاری ہوگئی، یہی ادبی محفلیں نومشق شعراء کے شوق سخنوری کو مہمیز لگانے کا سبب بنی تھیں۔ چنانچہ اسی شعر و سخن کی فضا نے حضرت مغمومؔ کی طبع موزوں کو بھی متأثر کیا اور آپ کے شاعرانہ ذوق کو نہ صرف نشو و نما پانے کا زرّیں موقع عطا کیا بلکہ آپ کی فکر رسا و جذبۂ نکتہ رسی کو بالیدگی و استحکام بخشا، علاوہ ازیں اساتذۂ سخن کے دفاتر و دواوین کا مستقل و مسلسل مطالعہ بھی آپ کی جمالیاتی حس اور آپ کے تخیل کی بلند پروازی میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا۔ حسب روایت آپ نے ابتدا میں غزلیہ و بہاریہ شاعری میں خوب طبع آزمائی کی، مضامین نو بہ نو باندھے اور معنی آفرینی کی فضا قائم کی، زمانۂ

دراز تک آپ اس راہ پر گامزن رہے، پھر اچانک آپ کے مزاج میں ایک صالح انقلاب آیا جس کے زیرِ اثر آپ نے غزلیہ شاعری کو یکسر ترک کر کے خود کو حمد و نعت کے لئے وقف کر دیا اور تادمِ آخر یں اسی مشغلۂ پاک کو حرزِ جان بنالیا۔

وہ کون لمحہ تھا جس نے آپ کو زندگی بھر نعت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت حاصل کرنے کا مشتاق بنادیا، اس کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے یوں رقم کیا:-

''اربابِ علم و فن و دل دادگانِ سخن کی خدمات میں خاکسار خوشہ چین اربابِ علوم محمد اسماعیل مغموؔم عرض پرداز ہے چونکہ عہدِ طفولیت سے مجھے شعر و سخن کا شوق دامن گیر ہوا، لہٰذا میں نے اپنی بساط کے مطابق کچھ کچھ لکھنا شروع کیا، یہاں تک کہ مشقِ سخن پختہ ہوتی گئی، اخبار و رسائل میں اپنا ناچیز کلام شائع کراتا رہا، شاعری کی ابتدا فرضی عشق سے ہوئی، خیالی معشوق کے فراق میں کوہ و بیابان کی خاک چھانی، زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے اور اپنا اعمال نامہ خوب سیاہ کیا، یہاں تک کہ شباب ڈھلنے کے ساتھ عہدِ شباب کی سرمستیاں کم ہونے لگیں، اور عمر گزشتہ کی سیاہ کاریوں پر تاسف خیز نظر پڑنے لگی، ہجومِ غم سے طبیعت بے چین رہا کرتی تھی، اسی اُدھیڑ بُن میں تھا کہ عمر گزشتہ کی تلافی کیوں کر کیجئے، عین اسی حالت میں میرے ہمدم اور شفیق جناب حاجی خطیب قادر بادشاہ صاحب بادشاؔہ مرحوم (ولادت ۱۲۷۰ھ وفات ۱۳۳۳ھ) نے جن کی عنایت کا میں نہایت شکرگزار ہوں، طبیعت میں ایک نئی تحریک پیدا کی جس سے میرا ڈگمگایا ہوا قدم سنبھلا اور میں سلامتی کی راہ پر گامزن ہوا، انہوں نے گم گشتگیٔ ضلالت سے مجھے نجات بخشی، چونکہ مجھے ہر دن ان سے نیاز حاصل ہوتا تھا، ایک روز انھوں نے نہایت رقّتِ قلب سے کہا کہ فرضی عشق کے کوچے میں ہم نے اپنی عمر برباد کر دی اور موئے سفید نے آپ کو اور مجھ کو اجل کا پیغام پہنچا دیا، کب تک اس گمرہی میں پڑے رہیں گے؟ ایک روز خدا کو منہ دکھانا ہے، میں آج سے تائب ہوتا ہوں اور اپنا قلم حمد اور نعت کے لئے وقف کرتا ہوں، آپ بھی میرا ساتھ دیں تو مناسب ہے۔ ان کے اس دردناک بیان سے طبیعت نہایت متأثر ہوئی گویا کہ علمِ غیب نے مجھے خوابِ غفلت سے بیدار کیا، اور یاوریٔ بخت نے ساتھ دیا۔ میں نے کہا ''بسم اللہ'' اس دن سے ہم دونوں نے خیالی معشوق کو طلاق دیدی، حمد و نعت اور نصائح میں طبیعت کو جولان کیا۔'' (۴)

حضرت مغموؔم نعت شریف کی طرف متوجہ کیا ہوئے، ایک قلیل مدت میں دو سو گیارہ (۲۱۱) نعتیہ غزلیں کہیں، علاوہ ازیں انتالیس (۳۹) اشعار پر مشتمل نعتیہ قصیدہ، گیارہ (۱۱) اشعار کا مربع جس میں وزن ''فعلولن'' کی چار مرتبہ تکرار موجود ہے، جناب یوسف بن حاجی اللہ رکھا سیٹھ کی دو فارسی نعتیہ

غزلوں پر بالترتیب نو(۹)اور پندرہ(۱۵)بندوں میں تضمین اور پانچ نعتیہ مسدّس جس میں بالترتیب سولہ(۱۶)، پندرہ(۱۵)، سترہ(۱۷)اور پندرہ(۱۵)بند ہیں تحریر کیں، مزید براں گیارہ نعتیہ رباعیات اور چودہ (۱۴) فارسی نعتیہ غزلیں آپ کی کلیات کی زینت میں اضافہ کر رہی ہیں۔ حضرت مغمومؔ کا نعتیہ اسلوب شستہ وسادہ ہے، مگر آپ کا کمال یہ ہے کہ آپ نے اس سادگی میں بھی لطائف شعری کو بخوبی ملحوظ رکھا، آپ کے کلام میں تخیل کی بلندی، فکر کی جولانی کے ساتھ روایات کی مکمل پاسداری ملتی ہے، اس پر مستزاد یہ کہ آپ کا ہر شعر حُبِّ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ دار اور عشق سرور کائنات کا عکّاس ہے، آپ کے اشعار میں موجود محبت مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فراوانی اور جنون شوق کی وارفتگی کا حسین وجمیل منظر قلب ونظر کی تابندگی ونور افشانی کا ضامن ہے۔ بقول شمس العلماء لسان الحکمہ مولانا نواب عبدالرحمٰن بہادر شاطرؔ مدراسی (متوفی ۱۳۶۲ھ)

> ''مشفقی جناب مولوی اسماعیل سیٹھ صاحب مغمومؔ ذی علم ہیں، سخنور ہیں، کہنہ مشق ہیں، متواضع ہیں، مہذّب ہیں، پاک باطن ہیں، یہ باتیں میں جانتا ہوں اور آپ کے احباب میں سے کون نہیں جانتا۔
>
> سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ مضغہ جو جسد خاکی میں ہے اور جس کی صلاح وفساد سے تمام لطائف متاثر ہوتے ہیں، اس پر نبی امّی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فداہ روحی کا عشق حکومت کر رہا ہے۔ ع ''ایں سعادت بزور بازو نیست''
> یہی وہ چیز ہے جو آپ کے کلام کی رگ رگ میں ساری ہے، اور یہی وہ چیز ہے جس کی تاثیر کلام کو اکسیر بنا دیتی ہے۔ خراج تحسین یہ نہ لے تو کون لے؟
>
> **اللّٰھم صلی علی محمد و علیٰ آلہٖ و اصحابہ وسلم۔''(۵)**

حضرت مغمومؔ کے کلام پر اظہار خیال فرماتے ہوئے اس دور کے مشہور ومعروف استاذ شاعر علامہ سید رضا علی وحشتؔ کلکتوی (متوفی ۱۳۷۶ھ) تلمیذ ابوالقاسم محمد شمس (متوفی ۱۳۲۳ھ) رقم طراز ہیں:

> ''میرے محترم کرم فرما مولانا سیٹھ محمد اسماعیل صاحب مغمومؔ کے کلام بلاغت نظام کا مجموعہ موسوم بہ ''کلیات مغمومؔ'' کئی حیثیتوں سے قابل تحسین و ستائش ہے۔ اوّل یہ کہ صحیح اردو کا نمونہ مدراس سے پیش ہوا ہے، جہاں اردو کی اشاعت کی بڑی ضرورت ہے۔ دوّم یہ کہ کلام کا بیشتر حصہ حمد ونعت میں ہے جس سے بہتر مصرف شاعر کی جولانی طبع کے لئے نہیں ہوسکتا۔ سوم یہ کہ یہ ایک اہل دل، اہل محبت، اہل مروت کا کلام ہے جو دلوں میں اثر کئے (بنا) نہیں رہ

سکتا۔ چہارم یہ کہ یہ ایک ایسے بزرگ کا کلام ہے جس کی عمر شریف ستر سال سے تجاوز کر گئی ہے۔'' (۶)

حضرت مغمومؔ قادر کلام شاعر ہونے کے ساتھ معرفت آگاہ و بلند نگاہ سخنور بھی تھے آپ کے درج ذیل اشعار فکری طلاقت وفنّی مہارت کے حسین امتزاج کی بہتر مثال ہیں۔

''یثرب میں ہے مرغ جاں کی پرواز طوبیٰ پہ ہے قصد آشیاں کا''
(ص:۶)

''گلشنِ الفت احمد ﷺ کا گلِ تر میں ہوں فلک نظم کا اب مہر منوّر میں ہوں
حُسنِ معنی یہ کہے نور کا پیکر میں ہوں کلک کہتا ہے کہ جبریل کا شہپر میں ہوں''
(ص۹۴)

''ہے لطف زباں میں تو حلاوت ہے سخن میں مصروف ہوں میں مدحتِ سلطان زمن میں
گر عشق پیمبر نہ ہو کیوں سینے میں دل ہو گر مدحِ نبی ہو نہ زباں کیوں ہو دہن میں
ہم حال سے مغمومؔ کے واقف نہیں لیکن تاثیر تو کچھ درد کی پاتے ہیں سخن میں''
(ص۹۵)

''تصدّق روضۂ احمد ﷺ پہ دل ہر بار ہونے دو مری جاں کو فدائے سیدالابرار ہونے دو
مئے حُبّ نبی ﷺ سے دل مرا سرشار ہونے دو زباں میری کلیدِ مخزن اسرار ہونے دو
سخن سنجی سے اے مغمومؔ کر دو گرم محفل کو کہ اعجاز دُرافشانی دمِ گفتار ہونے دو''
(ص۱۰۶، ۱۰۷)

''مضطر تھی نگہہ، جلوۂ جاناں سے لڑی آنکھ مسرور تھی جب حُسن پیمبر پہ پڑی آنکھ
منظور تو تھی سیر مجھے عرش بریں کی روضہ پہ پیمبر کے جو پہنچی تو اڑی آنکھ
ذکر شہہ کونین ﷺ سنا کر مجھے دیکھو رونے کو تیار ہے ہر وقت کھڑی آنکھ
اشکوں کا نہیں تار یہ فرقت میں نبی ﷺ کے رکھتی ہے مگر ہاتھ میں پھولوں کی چھڑی آنکھ
ہے چشم بصیرت کے لئے راحت جاوید تصویر نبی ﷺ دل میں ہے اور اس میں جڑی آنکھ''
(ص:۱۱۶)

خدا وہ دن دکھائے جب مدینہ کو چلوں سر سے جو دم نکلے تو نکلے سر اٹھے کیا آپ کے در سے
نہ ہو کامل جو بے گانہ ہوا عشق پیمبر ﷺ سے نہ ہوگا آشنا ہرگز وہ عرفاں کے سمندر سے

نہیں میں بوالہوس جو آنکھ ڈالوں حور وغلماں پر — نہ بدلوں ساغرِ عشق نبی ﷺ کو جام کوثر سے
اٹھادو پردۂ دوری دکھا دو جلوۂ اقدس ﷺ — تمہاری دید کو مغموم کب تک یا نبی ﷺ ترسے"
(ص:۱۲۱)

"کیوں کر شناوری ہو دلِ ناصبور سے — قاصر ہوں بحرِ عشق نبی ﷺ کے عبور سے
وارفتہ جو ہوئے مئے عشقِ رسول ﷺ سے — بیدار خاک ہوں وہ قیامت کے صور سے
مقصود خلد سے ہے لقائے رسولِ ﷺ پاک — کیا ذوق ورنہ دیدۂ بینا کو حور سے"
(ص:۱۲۰)

حضرت مغموم دریائے نعت کے شناور تھے، آپ نے اس بحر زخار سے بے شمار گوہر آبدار برآمد کئے۔اس میں سے کئی ناسفتہ ونایاب کہلانے کے حقدار ہیں،آپ نے کئی سنگلاخ زمینوں میں نعت پاک کی سرسبز وشاداب لہلہاتی فصل اگائی ہے،اور ایسے ردیف وقوافی کا برمحل و برملا استعمال کیا ہے جنہیں غزلوں میں برتنا بھی سخت آزمائش کا باعث ہوتا ہے جیسے چوکھٹ، حوادث، کاغذ، گھمنڈ، شکستہ پا، باہر، حرص وغیرہ۔اس ضمن میں چند شعر ملاحظہ ہوں:

"ہے نور فشاں عرش کے سیّار کی چوکھٹ — مسجود ملک، روضۂ سالار کی چوکھٹ
دیکھو اسے، زینہ ہے یہی عرش بریں کا — اور باب شفا احمد مختار کی چوکھٹ
دل ہو مرا، اور سوزشِ عشقِ شہ کونین ﷺ — سر ہو مرا اور سید ابرار ﷺ کی چوکھٹ"
(ص:۶۳)

"ہوتے ہیں کہیں باعث آزار حوادث — کب عشق نبی ﷺ میں ہیں گراں بار حوادث
کر سینہ سپر ہو کے دم عشق سے برباد — عاشق کے تو ہوتے ہیں طلبگار حوادث
مصروف زباں نام محمد ﷺ میں ہو پیہم — اس ورد سے ہوجاتے ہیں بیکار حوادث"
(ص:۶۳)

"روح گر فکر مری کہئے تو عنصر کاغذ — کلک میرا جو مسافر ہے تو کشور کاغذ
روضۂ پاک پہ کیوں جائے نہ اڑ کر کاغذ — عرض لے جائے گا خود بن کے کبوتر کاغذ
چوم لیں سدرہ سے جبریل اتر کر کاغذ — نعت احمد کا سناؤں جو میں پڑھ کر کاغذ"
(ص:۶۹)

"افلاک کو جو مہر منوّر پہ ہے گھمنڈ — ہم کو رسول ﷺ کے رخ انور پہ ہے گھمنڈ

معدن کو زر پہ، بحر کو گوہر پہ ہے گھمنڈ
ہم کو جہاں میں اپنے پیمبر ہے گھمنڈ
زاہد کو حور، خلد کو کوثر پہ ہے گھمنڈ
ہم کو تو جانفزا لبِ سرور پہ ہے گھمنڈ''
(ص:٦٨)

''میکش وہ ہوں ایاغ سے دور اور شکستہ پا
بلبل ہوں باغ و راغ سے دور اور شکستہ پا
میں عندلیب نعت ہوں لیکن اسیرِ غم
بیچارہ اور باغ سے دور اور شکستہ پا
کیا سیرِ لامکاں کا نبی ﷺ کے ہو کچھ بیاں
وہم و گماں سراغ سے دور اور شکستہ پا''
(ص:٧١)

''نزع میں لب سے ہوا نامِ پیمبر ﷺ باہر
اجل آئی تھی، کھڑی رہ گئی در پر باہر
دشتِ طیبہ کو چلو گھر سے نکل کر باہر
دیکھو فردوس سے فردوس کا منظر باہر
دل ہو گر عشقِ نبی ﷺ، دل سے ہو کیوں کر باہر
نہیں تلوار سے تلوار کا جوہر باہر''
(ص:٧٧)

''دنیا کے عزّ و جاہ کی کچھ رہ نہ پائے حرص
عشقِ رسول ﷺ کی دلِ مومن میں آئے حرص
شوقِ لقائے سرورِ دیں ﷺ میں بڑھائے حرص
قربِ رسولِ پاک کا جلوہ دکھائے حرص
داخل ہے حرصِ دیں میں محبت رسول ﷺ کی
مغموم اس نوید پہ ہوں میں فدائے حرص''
(ص:٨٣)

قدیم اساتذۂ سخن اپنی مہارت فنّی اور قادرالکلامی کا اظہار کرنے کے لئے حروف غیرمنقوطہ کا استعمال کرتے ہوئے غزلیں یا نظمیں کہتے تھے، آج بھی کہیں کہیں اس روایت کی بازگشت سنائی دیتی ہے، مگر فرق یہ ہے کہ دورِ حاضر کے قلمکاروں نے حرف 'ی' کو غیر منقوطہ میں شامل کرلیا ہے، حالانکہ 'ی' کے نیچے دو نقطوں کا ثبوت اظہر من الشمس ہے، چاہے انہیں ظاہر کریں یا نہ کریں۔ اساتذۂ قدیم کی راہ مستقیم پر چلتے ہوئے حضرت مغموم نے بھی بے ''نقط'' نعت پاک کہی ہے۔ تیرہ اشعار پر مشتمل یہ فصیح و بلیغ شہکار ''کلیات مغموم'' کی نورانی فضاؤں میں اپنی شانِ تقدس کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

''ہو ہما طالع، ارادہ ہو گر اس درگاہ کا
درد دل کو، سر کو سودا ہو رسول اللہ ﷺ کا
روح آرا عالم اس کا اور اسرارِ الٰہ
کس طرح ہمسر مَلک ہو اس دلِ آگاہ کا
مدح احمد ﷺ ہو مگر ہموار ہو راہِ عمل
ہو کلام اس کا روا، حاصل صلہ ہو واہ کا
سہل ہو، ہمراہ ہو گر ماہرِ ملکِ عدم
سالکِ ہمدم دل آگاہ ہوگا راہ کا

سرورِ کُل ﷺ کا گدا ہو، گر ہوا طالع رسا اور ہو ہر لحہ دلدادہ رسول اللہ کا''

(ص:۸۵)

حضرت مغموم نے سینکڑوں غزلوں کے علاوہ نعتیہ رباعیات کثیر تعداد میں کہی ہیں، جو آپ کے فن کی پختگی، روح کی بالیدگی اور کمال سخنوری کا اعتراف اصحاب نظر سے کروانے کے لئے کافی ہیں، یہاں نموتاً چند رباعیات پیش کی جارہی ہیں:

''رتبہ سے ترے کون ہوا ہے آگاہ یا صاحب لولاک تو ہے ظلّ الٰہ
درماندہ ہیں فہم و خرد و ہوش یہاں کیا کنہ حقیقت کو ترے پائے نگاہ''

......

طالع کی رسائی پہ قلم نازاں ہے وصفِ شہ ذیشان میں گہر افشاں ہے
غُل صلّ علیٰ کا ہو بروح اکرم ﷺ آرائش محفل کا یہی ساماں ہے

......

ہرلب پہ یہاں ذکر نبی ﷺ جاری ہے ہر آن ظہور رحمت باری ہے
اللہ اللہ بزم میلاد نبی ﷺ کیا نعت رسول ﷺ کی گہر باری ہے

......

ہے شوق اسیری تو گرفتار بھی ہو مجرم ہے تو رحمت کا سزا وار بھی ہو
عشق شہ مرسل میں فنا کر خود کو بخشش کے لئے کوئی مددگار بھی ہو

......

مداح جناب شاہ ذیشاں ہوں میں اس در کا گدا، جہاں کا سلطاں ہوں میں
یہ دولتِ دارین ہے دامن بھر لو وصف احمد میں گوہر افشاں ہوں میں (۹)

......

حضرت مغموم صاحب علم وفضل ہونے کے ساتھ عجز وانکسار کا پیکر بھی تھے، آپ اہل نظر ہونے کے علاوہ ذی بصیرت بھی تھے، آپ کے درد محبت سے بھرے دل کو اپنے آخری سفر کا ادراک واحساس ہوگیا تو یہ اشعار آپ کی باطنی کیفیت کے غماز بن گئے:

''گھل گھل کے عشق سرور عالم میں شمع داں مغموم ہوگیا ہے اجل کا شکار آج
بے خود ہوں مگر نام نبی لب پہ ہے جاری میں نزع کے عالم میں بھی غافل نہیں ہوتا

خدا کو علم ہے یہ، وہ ہے مدح خوان رسول ﷺ(۱۰) نجات، حشر میں مغمومؔ کی یقینی ہے

......

حضرت مغمومؔ کا وصال بتاریخ ۲۵؍ربیع الاوّل ۱۳۴۸ھ مطابق ۳۱؍اگست ۱۹۲۹ء بروز شنبہ شب کے دس بجے ہوا۔ متعدد احباب نے تعزیتی پیغامات ارسال کئے، بہت سے شعرا نے تاریخی قطعات کہے، ان میں سے یہاں دو قطعے نقل کئے جارہے ہیں: قطعہ تاریخ وفات حضرت مغمومؔ مدراسی۔ از علامہ رضا علی وحشتؔ کلکتوی:

''ہوئے دنیا سے جب مغمومؔ راہی ہوئی جنسِ وفا عالم سے معدوم
بڑے تھے نیک نیت نیک باطن پس از رحلت ہوئے مغفور و مرحوم
سخن دان و سخن فہم و سخن سنج انہیں اس فن کی تھی ہر بات معلوم
ہوئی تاریخ کی جب فکر، وحشتؔ کہا ہاتف نے ''نیک اعمال مغموم''
۱۳۴۸ھ

قطعہ بر رحلت مغموم، از تلمیذ خاص مولانا محمد عبدالستار مشیرؔ ویلوری:

حضرت مغموم ما استاذ عصر زیں جہاں رخت سفر افسوس بست
ساقئی مئے خانۂ شعر و سخن رفت، و بزم شاعری بے نور گشت
ہست و پنجم از ربیع الاولیں بُد کہ از دنیا رہِ عقبیٰ گرفت
عالمے در رنج ہجرت بے قرار سینہ سوزاں دل کہ پُر از داغ ہست
سالِ رحلت زد رقم کلک مشیرؔ ''حیف مغمومِ علوپایہ'' برفت (۱۱)

مآخذ وحواشی:

(۱) مذکورہ اصحاب اہل علم کے وصال کی تاریخیں افضل العلما محمد یوسف کوکن کی ضخیم انگریزی تصنیف ''عربک اینڈ پرشین اِن کرناٹک 1710-1940''(Arabic and Persiain in Carnatic) کے مختلف صفحات سے ماخوذ ہیں۔ یہ مؤقر کتاب ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء میں امیرا اینڈ کمپنی (Ameera & Co.) مدراس سے شائع ہوئی۔

(۲) مغمومؔ سیٹھ محمد اسماعیل ''کلیات مغموم'' مطبوعہ ۱۳۴۷ھ مدراس۔ پیش لفظ از محمد عبدالستار مولانا مشیرؔ ویلوری۔ ص:۶

(۳) محمد غوث خاں نواب بہادر متخلص بہ اعظمؔ ''تذکرۂ گلزار اعظم''، مطبع سرکاری، مدراس مطبوعہ ۱۲۷۲ھ

(۴) ’’کلیات مغموم‘‘ مقدمہ از محمد اسماعیل سیٹھ مغموؔم۔ص:۱۔۲

(۵) ایضاً ص:۴۳۶

(۶) ایضاً ص:۴۳۶۔۴۳۷

(۷) ایضاً ص:۶۔۹۴۔۹۵۔۱۰۶۔۱۰۷۔۱۱۶۔۱۲۱۔۱۲۰۔

(۸) ایضاً ص:۶۳۔۶۸۔۶۹۔۷۱۔۷۷۔۸۲

(۹) ایضاً ص:۱۸۴۔۱۸۵

(۱۰) ایضاً ص:۱۰

(۱۱) ایضاً ص:۷

☆☆☆

ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری (گوالیار، ایم پی)

برہان پور میں سلسلۂ میّر کے نعت گو شعراء
ایک تحقیقی جائزہ

نعت عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی مدح، ثناء، تعریف، توصیف اور بزرگی کے ہوتے ہیں۔ ادب کی وہ صنف، جسے پڑھنے اور سُننے کے بعد ہم آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف راغب و متوجہ ہوجاتے ہیں، نعت کہلاتی ہے۔

نعتِ پاک میں سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ، اخلاقِ حسنہ، حیاتِ طیّبہ، سیرت و شخصیت، بصیرت و فضیلت، کمالات و معجزات وغیرہم کا ذکر کیا جاتا ہے۔ پروفیسر سید محمد گیلانی 'نعت' کی تعریف یوں تحریر کرتے ہیں :

> ''نعت کا مفہوم اہل لغت کے نزدیک ان اچھی صفات عادات و خصائل کا بیان کرنا ہے، جو خلقۃً و طبعاً کسی شخص میں پائی جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ نعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی تعریف و توصیف کے لئے مختص ہوگیا ہے'' [1]

نعت کی تخلیق ایک مشکل ترین فن ہے۔ جب تک کسی شخص میں گہرائی و گیرائی نہیں آتی، اس کے پایۂ ثبات میں لغزش بنی رہتی ہے۔ اسے تلوار کی تیز دھار، سوئی کی باریک نوک اور پُل صراط سے گزرنے کا عمل قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعت گو حضرات کو بڑی باریک بینی، عرق ریزی اور قدم قدم پر احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں محققین کی مختلف آراء کا بیان ناگزیر ہے۔

اُردو میں سندی تحقیق کے تحت نعت گوئی پر سب سے پہلے محقق ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاقؔ (ناگ پور، مہاراشٹر، انڈیا) ہیں۔ اُن کے مطابق نعت گوئی محنت شاقہ کی متقاضی ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ یہ موضوع (نعت) ایسا نہیں جس پر ہر کس وناکس تخیل اندازی اور خامہ فرسائی کر سکے۔اس راستے میں شاعر کو جگہ جگہ رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ایک تو موضوع کا احترام شاعر کو مجبور کرتا ہے کہ وہ نپے تلے الفاظ،حسن خطاب اورحسن بیان کے ساتھ عقیدے کی تفصیلات اور باریکیوں کوصحت کے ساتھ لے کر چلے اورقدم قدم پراس کا لحاظ کرے کہ تخیل کی پرواز کہیں ان مقامات تک نہ پہنچادے جن سے صادق البیانی پرحرف آئے اور نتیجۂ نعت،نعت نہ رہے ''۲؎

نعت کے متعلق امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ارشاد ہے :

''حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے۔جس کولوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے ''۳؎

نعت پاک زمانۂ قدیم سے عصر حاضر کی دہلیز تک عربی،فارسی اور دیگر زبانوں کے ساتھ اُردو میں طویل مسافت طے کرنے کے بعد ہرادب کی مقبول ترین صنف رہی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ ہی سے نعت گوئی کا مبارک سلسلہ شروع ہوا۔نبی اکرم کے چچا حضور حضرت ابو طالب نے اس کا آغاز کیا۔بھتیجے اور داماد حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام میں حسان بن ثابت،عبداللہ بن رواحہ اورکعب بن مالک رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام قابلِ ذکر ہیں۔چنان چہ مدحت خیر البشر کی فضیلت سے حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو'شاعرِ اسلام' اورکعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو'قصیدہ بانت سعاد' کی تخلیق پر دربار حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بردہ مبارک جیسے عظیم اعزاز سے نوازا گیا۔اسی لئے کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بانت سعاد کو دنیا کا پہلا بردہ شریف تسلیم کیا جاتا ہے۔فارسی میں امام بوصیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصیدہ بردہ شریف کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ اُردو میں اکثر منظوم اور نثری تراجم کی طویل فہرست پیش کی جاسکتی ہے۔

اُردو میں امیر خسرؔو سے دور حاضر تک مدحت گویان رسول کی کہکشاں دکھائی دیتی ہے۔اس کہکشاں میں برہان پور سے سلسلہ میرؔ کے شعراء بھی شامل ہیں۔ضروری معلوم ہوتا ہے کہ برہان پور میں سلسلہ میرؔ کے نعت گوشعراء کا تحقیقی جائزہ لینے سے قبل یہ سلسلہ برہان پور کس طرح پہنچا...؟ کی تحقیق

کے علاوہ یہاں تہذیبی وثقافتی تاریخ پر بھی سرسری نظر ڈال لی جائے۔

برہان پور اپنی ادبی، سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی تاریخ کے سبب صدیوں تک علوم و فنون کا گہوارہ رہا ہے۔ اس کی اہمیت سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے استاد عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ برہان پور کے باشندے تھے۔ عبدالوہاب متقی، محدث اعظم شیخ علی متقی برہان پوری کے شاگرد تھے، جن کا شمار ہندوستان کے جید عالموں اور مایہ ناز ہستیوں میں ہوتا ہے۔ اُن کا اہم ترین کارنامہ 'کنز العمال' ہے۔ اس طرح برہان پور، صوبہ مدھیہ پردیش ہی نہیں بلکہ وسط ہند کا قدیم ادبی و تاریخی شہر ہے۔ اسی لئے یہاں علم و فن، شعر و ادب کا ایک بہتر اور سازگار ماحول پایا جاتا ہے۔

برہان پور کی سیاسی، سماجی، ثقافتی، علمی اور ادبی تاریخ کا باقاعدہ آغاز فاروقی سلاطین سے ہوتا ہے۔ فاروقی خاندان کے تقریباً ۱۴ر سلاطین نے ۲۳۱ر سال برہان پور پر حکومت کی ہے۔ فاروقی عہد تمام تر تاریخ کے لحاظ سے بڑا ہی اہم دور گزرا ہے۔ اس دور کے اوّلین شعراء میں سعدیؔ دکنی کا شمار ہوتا ہے۔ حالیؔ کے لحاظ سے سعدیؔ کی وفات کا تعین چودھویں صدی عیسوی ہے۔ نکات الشعراء، چمنستان شعرا، مجموعۂ نغز، مخزن نکات، تذکرہ شعرائے اردو وغیرہ میں ۲ (دو) ۳ (تین) اور 'اردوئے قدیم' میں سعدیؔ کے ۵ (پانچ) شعر ملتے ہیں۔ شاہ باجنؔ سے برہان پور میں اردو شاعری کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے۔ پروفیسر شیخ فرید نے شاہ باجنؔ پر بڑی عرق ریزی اور تحقیقی ریاضت کے بعد 'شاہ بہاؤالدین باجنؔ: حیات اور گجری کلام' قلم بند کی ہے۔ باجنؔ کے بعد جن شعراء نے شعر و ادب کی مشاطگی کی، اُن کے کلام پر زیادہ تر سلوک و معرفت، پند و نصیحت اور عربی و فارسی زبان کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ فاروقی سلاطین صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے، اسی لئے ان کے دربار سے وابستہ شعراء کی شاعری پر مذکورہ اثرات کا دکھائی دینا لازمی ہے۔ دربار سے ہٹ کر جن شعراء نے شاعری کی، اُن کے یہاں مذکورہ خصوصیات کے ساتھ مقامی رنگ، تغزل، عصری مسائل وغیرہ نظر آتے ہیں۔

مغل عہد ۱۶۰۱ء سے ۱۷۲۰ء میں برہان پور نے تمام شعبہ ہائے حیات میں ترقی کی منزلیں طے کیں۔ خاص طور پر یہاں کی شعری و ادبی، فنی و تعمیری ترقی کے لحاظ سے سنہری دور گزرا ہے۔ مغل دور میں سب سے اہم شخصیت عبدالرحیم خانِ خاناں کی ہے۔ ان کا اہم کارنامہ بابر کی خود نوشت سوانح ''تزک بابری'' کا ترکی سے فارسی میں ترجمہ ہے۔ اسی دور کا دوسرا اہم کارنامہ 'تاریخ مآثر رحیمی' ہے، اسے میر عبدالباقی نہاوندی نے ۱۰۲۴ھ مطابق ۱۶۱۵ء میں خانِ خاناں کے حکم پر اسی شہر میں

تالیف کیا، جسے محمد اسماعیل فہمی برہان پوری نے فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔اس دور میں فنون لطیفہ کی ہر شاخ پُر شباب تھی۔ یہ عہد فارسی اور اردو شاعری کے لئے بڑا ہی اہم دور رہا۔ کچھ شعراء نے عربی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔

نظام آصفی دور ۱۷۲۰ء سے ۱۷۶۰ء تک یعنی تقریباً ۴۰ (چالیس) برس پر محیط ہے۔ نظام حکومت کے پہلے حاکم نظام الملک آصف جاہ اوّل نے مغلوں کی طرح اس شہر کو سجایا، سنوارا اور نکھارا۔ ماہرین فن کو دکن میں جمع کیا۔ وہ خود شاعر تھے۔ شعراء کی سرپرستی فرماتے تھے۔ شاعری میں شاکرؔ اور بعد میں آصفؔ تخلص اختیار کر کے ۲ (دو) دیوان یادگار چھوڑے ہیں۔ اورنگ زیب کے عہد حکومت میں پایۂ تخت اورنگ آباد بنایا گیا تو برہان پور کے شعراء کو اورنگ آباد میں منتقل کر دیا گیا۔ جب نظام آصفی حکومت قائم ہوئی تو نظام نے اپنا پایۂ تخت حیدر آباد بنایا اور جو برہان پور کے شعراء اورنگ آباد میں مقیم تھے، انہیں حیدر آباد منتقل کر دیا۔ اردو ادب کی تاریخ میں جو اہمیت حیدر آباد دکن کو حاصل ہے، اس میں برہان پور کے فن کاروں کا بڑا ہاتھ ہے۔

برہان پور کی سیاسی، سماجی، ثقافتی اور ادبی تاریخ کی روشنی میں تجزیاتی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی تاریخ ہر دور میں تاب ناک رہی ہے۔ فاروقی دور کی ادبی تاریخ، ادب کی قدیم تاریخ سے بڑے گہرے رشتے رکھتی ہے۔ مذکورہ خصوصیات اور روایات مغل دور میں نہ صرف برقرار رہتی ہیں، بلکہ اس دور نے تمام تر شعبہ ہائے حیات میں چار چاند لگائے۔ مراٹھا اور انگریزی دور میں سیاسی رسّا کشی ہونے کے باوجود ادب پروان چڑھتا رہا۔ اسی دور میں حیدر آباد سے درگاہی خاں حاذقؔ برہان پوری کے ذریعے برہان پور میں سلسلۂ میر تقی میرؔ کی آمد ہوتی ہے۔ غرض کہ برہان پور کی تہذیب و ثقافت جس طرح یہاں کے سیاسی نشیب و فراز کے زیر اثر سفر طے کرتی ہوئی موجودہ دور کی دہلیز پر اپنی یگانگت قائم رکھے ہوئے ہے اسی طرح اس شہر میں علم و فن اور شعر و سخن کا ارتقائی سفر بھی یہاں کی شعری و ادبی تاریخ کا اہم حصہ ہے، اس حصے کی نشر و اشاعت اور ترقی و توسیع میں سلسلۂ میرؔ کے شعراء کی قابل ذکر خدمات رہی ہیں۔

میر تقی میرؔ اردو ادب کی ایک نابغۂ روزگار (Genius) شخصیت تھے۔ اردو شاعری میں ان کی حیثیت شہنشاہ کی ہے۔ ان کی شخصیت کی ہمہ گیری میں کئی جہتیں ہیں۔ میرؔ کی غزل کا سب سے اہم وصف اور انفرادی پہلو یہ ہے کہ انہوں نے معشوق کو عام انسانی کردار میں پیش کیا ہے۔ گویا میرؔ کا معشوق ناول کے جیتے جاگتے کردار کی طرح ہے۔ ناقدین، محققین اور قلم کاروں کے علاوہ ان کی

عظمت کو سلام کرنے والے شعراء کا سلسلہ ان کے ہم عصروں سے دورِ حاضر کے شعراء تک چلا آتا ہے۔ آئندہ بھی اس سلسلے کے قائم رہنے کے قوی امکانات ہیں۔ میرؔ کی تین اولادمیں دو(۲) فرزند اور ایک صاحب زادی یعنی تینوں نے شاعری میں اپنے والد سے اصلاح سخن کیا۔ میرؔ کے قریبی رشتہ داروں میں بہنوئی میر محمد حسین کلیم اور کلیم کے فرزند حسن علی تجلی نے میرؔ سے استفادہ کیا۔ میرؔ کے سوتیلے اور بڑے بھائی حافظ محمد حسن کے فرزند محسنؔ نے اپنے چچا حضور کو ہی استاد بنایا۔ میرؔ کی اولاد اور قریبی رشتے داروں کے علاوہ، ان کے اور بھی کئی شاگرد ملتے ہیں۔ جن کی تعداد تقریباً پچاس(۵۰) ہے(یہ تعداد اگرچہ مکمل نہیں)۔ یہ سب مختلف علاقوں، خطوں، صوبوں، شہروں اور مرکزوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ وہ اوّلین چراغ ہیں، جن سے چراغ روشن ہو کر سلسلے کی توسیع ہوئی۔ اس طرح مذکورہ سلسلوں کو میرؔ کے ''مختلف سلاسل'' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

میرؔ کے مختلف سلاسل میں شاہ جہاں آباد/ دہلی، عظیم آباد/ پٹنہ، اکبر آباد/ آگرہ، لکھنؤ، الہ آباد، فیروز پور، امروہہ، فرخ آباد، جھانسی، جے پور اور حیدر آباد جیسے شہر اور مراکز شامل ہیں۔ خصوصاً برہان پور میں سلسلۂ میرؔ کی آمد کی کڑیاں حیدر آباد سے منسلک ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ درست اور بجا کہ میرؔ نے حیدر آباد کا کبھی سفر کیا اور نہ ہی برہان پور کا...! لیکن ان کا سلسلہ ان کے شاگردوں کے ذریعے حیدر آباد پہنچا اور ان کے شاگردوں کے شاگرد نے سلسلۂ میر کو حیدر آباد سے برہان پور پہنچایا۔

نظام آصفی دور میں سلسلۂ میرؔ کی ترقی اور توسیع ہوئی۔ نصیر الدین ہاشمی نے 'دکن میں اردو' میں میرؔ کے ایک شاگرد ذوالفقار علی صفاؔ کا ذکر کیا ہے۔ 'تاریخ برہان پور' میں مؤرخ مولوی خلیل الرحمٰن برہان پوری نے میر تقی میرؔ کے ایک شاگرد 'مشتاقؔ' کا سب سے پہلے ذکر کیا ہے۔ تاریخ برہان پور ایک مستند تصنیف ہے۔ مستند اس لئے کہ اس کے حوالے اردو کے باوقار محققین اور ناقدین نے اپنی مستند تحقیقی اور تنقیدی تصانیف، مقالات اور مضامین میں بڑے وثوق کے ساتھ درج کئے ہیں۔ مستند ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مولوی خلیل الرحمٰن درگاہی خاں حاذقؔ اور میر خیرات علی مشتاقؔ دہلوی کے ہم عصر تھے، ممکن ہے ملاقاتیں بھی کی ہوں۔

برہان پور میں سلسلۂ میرؔ کی آمد میر خیرات علی مشتاقؔ دہلوی ولکھنوی کے ذریعے درگاہی خاں حاذقؔ برہان پوری کے وسیلے سے ہوتی ہے۔ ان کا نام میر خیرات علی اور تخلص مشتاقؔ قرار پاتا ہے۔ دہلی اور لکھنؤ میں سکونت کے سبب دہلوی اور لکھنوی کہلائے۔ رشتے میں خدائے سخن میر تقی میرؔ کے نواسے تھے۔ شاعری میں اپنے نانا حضور میر تقی میرؔ کے شاگرد تھے اور مشتاقؔ ہی سے برہان پور کے

درگاہی خاں حاذقؔ نے اصلاح سخن کیا تھا۔اس طرح درگاہی خاں حاذقؔ برہان پوری سے قادر خاں واثقؔ نے، واثق برہان پوری سے فقیرالدین واصفؔ نے، واصفؔ برہان پوری سے مولوی عثمان خان راغبؔ ہاشمی برہان پوری نے اصلاح سخن کیا اور یہ سلسلہ دورِ حاضر تک جاری ہے۔اسے آسانی کے ساتھ سمجھنے کے لئے ہم نے تین (۳) ادوار میں تقسیم کیا ہے:

(۱) پہلا دور: ابتداء سے آزادی تک (۲) دوسرا دور: ۱۹۴۸ء سے ۲۰۰۰ء تک (۳) موجودہ دور: ۲۰۰۱ء کے بعد

(۱) پہلا دور: ابتداء سے آزادی تک

برہان پور میں سلسلۂ میرؔ کے اوّلین شاعر درگاہی خاں حاذقؔ برہان پوری (متوفی ۱۸۶۳ء) تھے۔حاذقؔ نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں قصائد وغزلیات کے دو (۲) ضخیم دیوان بطور یادگار چھوڑے تھے لیکن زمانے کے بے رحم ہاتھوں نے اسے نایاب بنا دیا۔ برہان پور میں سلسلۂ میرؔ کی بنیاد رکھنے والے، اِس اوّلین چراغ سے چراغ روشن ہوئے نیز چراغوں سے چراغ روشن ہونے کا سلسلہ اب تک جاری وساری ہے۔

الٰہی از کرم برمن دری از لطف بکشائی — تو ستاری و غفاری گناہم را بہ بخشائی
ہمی دانم خداوندا کہ من عاصی گنہ گارم — بجز عصیاں نمی دارم باحوالم تو دانائی
منم عاصی منم مجرم منم بیکس خدا وندا — گناہم را بہ بخشائی و راہ خویش بنمائی
خدا وندا بفضل خود طفیل احمد مرسل — بریں عاجز بریں مسکیں تو لطف خویش فرمائی ؎

قادر خاں واثقؔ:

(ولادت: ۱۸۱۳ء، وفات: ۱۸۹۰ء) درگاہی خاں حاذقؔ برہان پوری کے شاگرد اور جانشین تھے۔ برہان پور میں سلسلۂ میرؔ کی روایت کو مضبوطی عطا کرنے اور سلسلے کی ترقی وتوسیع میں موصوف نے اہم کردار ادا کیا۔موصوف نے نعت گوئی کے میدان میں بھی خوب طبع آزمائی کی ہے۔ان کی ایک نعت نموناً پیش کی جارہی ہے:

پیدا ہوا جب سرورِ مکی مدنی ہے — تب سے یہ شروع محفلِ شاہِ زمنی ہے
اللہ کو مولود کی جس کے ہوئی فرحت — کیا رتبہ ہے کیا مرحمتِ ذوالمننی ہے
دوں اشک بہا کوئی کہے گیسو کو تیرے — لو چادرِ خورشید سے یہ مشک چھنی ہے

یا مشکِ ارم مشک کی جاں یا حسد مشک　　یہ مشک ہے اور ہیچ یہ مشکِ ختنی ہے
ہے قدر اسی کو ترے اشعار کی واثقؔ　　جو بحرِ محبت میں کیا غوطہ زنی ہے۵؎

فقیر الدین واصفؔ برہان پوری:

(ولادت: ۱۸۴۱ء، وفات: ۱۹۱۶ء) واثقؔ کے جانشین تھے۔ برہان پور میں سلسلۂ میرؔ کے استاد شاعروں میں واصفؔ کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ انہیں کی سرپرستی میں اس سلسلے کو فروغ حاصل ہوا۔ گویا سلسلے کے فروغ میں، اُن کی حیثیت ایک محنت کش باغباں کی ہے۔ ان سے بے شمار شاگردوں نے اصلاحِ سخن کیا، جن میں مولوی عثمان خان راغبؔ ہاشمی، جان محمد تائبؔ، سید روشن آصفؔ وغیرہ کے نام مختلف تذکروں میں ملتے ہیں۔ مذکورہ تینوں اساتذہ حاذقؔ، واثقؔ اور واقفؔ کی شخصیت و شاعری پر تصوف و مذہب کے اثرات زیادہ دکھائی دیتے ہیں، اس کی خاص وجہ شعراء کی مذہب و تصوف اور طریقت سے وابستگی ہے، اسی سے متاثر ہو کر زیادہ تر شعراء نے نعتیہ شاعری کی زبردست خدمات نجام دیں۔ خصوصاً واقفؔ نے نعت گوئی کے لئے خود کو وقف کر رکھا تھا۔ سلسلۂ میرؔ کے نعت گو شعراء میں اُن کی شخصیت روشن مینار کی ہے۔ مثالاً نعتیہ کلام پہلی مرتبہ پیش کیا جا رہا ہے۔

جو داغ دل ہوا عشقِ شہِ لولاک سے پیدا　　میں سمجھا ہو گیا اِک آفتاب افلاک سے پیدا
جو نورِ حق ہوا ذاتِ رسول پاک سے پیدا　　ہوئی کیا کیا تجلی صورتِ بیباک سے پیدا
تڑپ کر برق ہر نقشِ قدم پر لوٹ جاتی تھی　　تھی ایسی تیز قدمی توسنِ چالاک سے پیدا
رسول اللہ ﷺ کی یہ شانِ انگشتِ شہادت تھی　　ہوا شق القمر کا معجزہ افلاک سے پیدا
دکھایا رنگِ شاہینِ طبیعت نے عجب واصفؔ　　شکارِ طائرِ مضموں ہوا فتراک سے پیدا
یہ ادنیٰ وصف ہے شان گل گلزار سبحاں کا　　کہ ہے کونین گلدستہ مدینے کے گلستاں کا
جو ہر ذرہ ہے خاک کوچۂ سلطان ذیشاں کا　　ضیا باری میں ہم پایہ ہے وہ خورشید تاباں کا
نرالا ہوں میں دیوانہ نبی کی زلف پیچاں کا　　بیاباں ایک ٹکڑا ہے مرے جیب و گریباں کا
تمنا ہے گدا اس کے درِ دولت کا بن جاؤں　　کہ جبرئیل امیں ہے نام جس سلطان کے درباں کا
مہ و خورشید اس کے گرد پھر کر صدقے ہوتے تھے　　یہ عالم تھا جوان ہاشمی کے روئے تاباں کا
خلش جاتی رہی دل کی تڑپ جاتی رہی دل کی　　نشانہ دل بنا جب سے نبی کی تیر مژگاں کا
یہ عالم تھا زمین و آسماں میں چاندنی پھیلی　　جو چمکا حسن دنیا میں عرب کے ماہ تاباں کا
جو وہ نورِ خدا آیا تو نور اسلام کا چمکا　　ہمارے دل میں جلوہ ہے اسی کے نور ایماں کا

مدینہ جاؤں کھل جائیں دل امید کی کلیاں　　کسی دن تو چلے جھونکا نسیم صبح خنداں کا[۶]
ہوا ہے جب سے سودا یار کی زلف معنبر کا　　بڑھی وحشت بنا زنجیر پا چکر میرے سر کا
جو ہاتھ آئے قلم بھی طائر سدرہ کے شہپر کا　　مصور سے مگر نقشہ نہیں کھنچنے کا دلبر کا
اگر جلوہ نظر آ جائے اس کے موئے انور کا　　فلک پر شرم سے ہو زرد منھ خورشید خاور کا
اگر چھڑکے نمک زخم جگر پر میرے وار اس کا　　مزے لے لے کے میں منھ چوم لوں قاتل کے خنجر کا
مسیحا سے ترا اعجاز ہے اے فتنہ گر بڑھ کر　　جلا دیتا ہے مردے، ہے عجب انداز ٹھوکر کا
تصور میں نظر آتی ہے مشکل یار گھر بیٹھے　　جلا ایسی کہاں رکھتا تھا آئینہ سکندر کا
رسائی اپنی کیوں کر بام قصرِ یار تک ہوگی　　گذر ہونا تھا مشکل جس جگہ ناموس اکبر کا
رگڑ کر اپنی پیشانی کروں سو بار میں سجدے　　اگر تقدیر سے مل جائے پتھر ان کے در کا
مری تشنہ لبی پر کر کرم بحر سخا اتنا　　لگی دل کی بجھا دے دیکے ساغر آب کوثر کا
قیامت میں ملے گا قصر جنت اس کو بعد مرگ　　تہہ دل سے جو واصفؔ ہے حبیب رب اکبر کا[۷]

ہر چند کہ مذکورہ اساتذہ کی شاعری نعت گوئی پر مشتمل ہے لیکن غزل کی چاشنی کو کہیں بھی کم نہیں ہونے دیا ہے۔

مولوی عثمان خان راغبؔ ہاشمی برہان پوری:

(ولادت: ۱۸۵۸ء، وفات: ۱۹۵۳ء) راغبؔ طریقت کے سلسلے سے مجدد الف ثانی کے سلسلۂ تلامذہ میں شامل تھے۔ یہ سلسلہ خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعے اُن تک پہنچا تھا۔ برہان پور میں سلسلۂ میرؔ کی کاشت کو سرسبز بنانے والے شاعروں میں راغبؔ کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے سلسلے میں نئی روح پھونکی، شعری خزانے کو مالا مال کیا۔ سیکڑوں شاگرد شہر اور بیرون شہر بنائے۔ نوع بہ نوع شاگردوں سے اور مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی وجہ سے برہان پور میں سلسلۂ میرؔ کا چمنستاں مہک اٹھا۔ ان کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اردو شاعری کی مقبولیت کے دائرے کو وسیع کیا اور اپنے استادانہ کلام سے نئے آنے والوں کی راہیں روشن کیں، جس پر چل کر منزلیں ملتی ہیں۔

ابن مریم سے یہ کہہ دو ہر مرض کی ہے دوا　　آمنہ بی بی کے عبداللہ کے دلبر کے پاس

چھوٹی بحروں میں غزل کہنا، بلکہ نعت کہنا، بڑی مشاقی اور عرق ریزی کا طلب گار ہے۔ جذبات اور کیفیات کے سمندر کو کوزے میں بند کرنا، کمالِ فن ہے۔ پختہ کار شاعر ہی اس پر عبور رکھتا ہے۔ اس فن کی خوبصورت مثالیں راغبؔ کے یہاں وافر مقدار میں ملتی ہیں:

خدا کی خدائی نظر آ گئی مدینہ جو جانا ہمارا ہوا
جواب آپ کا کوئی نکلا نہیں کچھ ایسے محمد ہوئے لا جواب
ہم یہ سمجھیں کہ بجلیاں چمکیں جب بر آمد وہ آفتاب ہوا
جو زمانے کے کام آئے گا وہی انساں فروغ پائے گا
آفتیں آتی رہیں ہر دور میں انقلاب دہر ہوتا ہی رہا

شہر برہان پور سے وابستہ راغبؔ کے چند شاگردوں کے ناموں میں عبدالغفور مشتاقؔ پٹواری، منشی وجیہہ الدین جاگیردار طالبؔ، منشی گوہر خان گوہرؔ، منشی محمد بیگ خنداںؔ عرف کلومیاں، منشی عبدالشکور شاغلؔ، محمد خان صاحب افضلؔ بریلوی، محمد بسم اللہ بسملؔ، الٰہی بخش تائبؔ برہان پوری، منومیاں بیدلؔ، منشی عبدالرحیم رحیمؔ، سید عنایت علی آغازؔ، محمد عبدالمجید نسیمؔ راغبی، عبدالرحمٰن بیدلؔ، حمید اللہ خلیقؔ برہان پوری، برکات احمد غالبؔ وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔

راغبؔ کے دو (۲) جانشین خلیقؔ برہان پوری اور غالبؔ ہاشمی تھے۔ خلیقؔ برہان پوری نے اپنے استاد راغبؔ ہاشمی کی طرح بے شمار شاگرد پیدا کئے، برہان پور میں سلسلۂ میرؔ کو تقویت عطا کرنے میں ان کا ذکر ناگزیر ہے۔ دوسرا دور (۱۹۴۸ء تا ۲۰۰۰ء) زیادہ تر انہیں کے تلامذہ سے لب ریز ہے۔ یہاں چند نعت گو شعراء کا انفرادی تذکرہ نہایت اختصار کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔

منومیاں بیدلؔ:

برہان پور میں سلسلۂ میرؔ کے شاعروں نے نعت گوئی کی ترقی و توسیع میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ مشتاقؔ دہلوی و لکھنوی کے شاگرد درگاہی خاں حاذقؔ اور اُن کے شاگرد قادر خاں واثقؔ پھر واثقؔ کے شاگرد فقیر الدین واصفؔ نے سخن گوئی کے لئے نعتیہ شاعری کو اپنا میدان عمل بنایا۔ استادوں اور بزرگوں کی اِس روش کو منومیاں بیدلؔ نے قائم و دائم رکھا۔ راغبؔ نے شاگرد کی ذہنی کیفیت کے مدنظر اسے نعت پاک کی تخلیق کا مشورہ دیا، جس پر بیدلؔ ہمیشہ قائم رہے۔ لہٰذا ایک نعت گو شاعر کی حیثیت سے مشہور و معروف ہوئے۔ بیدلؔ کے یہاں نعتیہ غزلیں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ گویا موصوف نے اپنا قلم نعت گوئی کے لئے مخصوص کرلیا تھا۔ اُس دور کے رسائل و جرائد میں اُن کا کلام متواتر شائع ہوتا رہا، لیکن افسوس اُن کا کوئی دیوان، مجموعۂ کلام کتابی شکل میں شائع نہ ہوسکا۔ مختلف رسائل و جرائد میں شائع شدہ کلام سے چند نعتیہ غزلیں نموناً پیش کی جارہی ہیں:

سوا اس کے ہم حشر میں کیا کرینگے محمد ﷺ کی صورت کو دیکھا کرینگے

مرے ساتھ ہیں داغ عشق محمد
یہی قبر تیرہ میں چمکا کرینگے
گرادینگے نظروں سے گلزار جنت
جو زوار سیر مدینہ کرینگے
نظر آئیگا نور و وحدت کا نقشہ
جو بے پردہ رخ شاہ والا کرینگے
کسی دن ہوائے مدینہ کے جھونکے
مرا غنچۂ دل شگفتہ کرینگے
مرے گھر قدم تو محمد کے آئیں
تصدق ہم ان پر دل اپنا کرینگے۸

......

ادا ہو شکر ہم بندوں سے کیا بتلائیں داور کا
کیا ہے امتی ہم کو شفیع روز محشر کا
اگر نظارہ ہو جائے تمہارے روئے انور کا
غبار آلودہ ہو غیرت سے آئینہ سکندر کا
کیا کرتے ہیں ہم درشن خیال زلف دلبر کا
کھلا رہتا ہے در آٹھوں پہر کالی کے مندر کا
عزیزو میں مرا ہوں اک بت کافر کی الفت میں
بنانا قبر کا تعویز تم نے سنگ مر مر کا
لب شیریں کا تیرے ایک بوسہ لے لیا جس نے
زباں پر بار بار آیا مزہ وقت مکرر کا
جگر کو کر کے چھلنی سو جگہ سے دل میرا چھیدا
نشانہ کس قیامت کا لگا ہے تیرے نشتر کا
خدا کے واسطے کر رحم اب تو اے بت کافر
ہمارے ہی لئے تو کیوں بنا بیٹھا ہے پتھر کا
سنا ہے آج اس کے حسن کی خیرات بٹتی ہے
چلو بیدلؔ وہاں مل جائے گا جو ہے مقدر کا۹

منشی عبدالرحیم رحیمؔ :

برہان پور میں سلسلۂ میرؔ کے بیسویں صدی کے نصف اوّل کے شاعروں میں رحیمؔ برہان پوری کا شمار ہوتا ہے۔ایک نعت گو اور غزل گو شاعر کی حیثیت سے اُن کی شناخت ہوتی ہے۔انہوں نے ۱۹۲۵ء کے بعد شائع ہونے والے رسالوں میں مسلسل اشاعت کے باعث اعتبار حاصل کیا۔خاص طور پر شہر عزیز دارالسرور، برہان پور سے شائع ہونے والا ماہ نامہ 'نسیم بہار' میں اُن کا کلام مسلسل اور متواتر شائع ہوتا رہتا تھا۔اس طرح ایک فعال شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔وقت گزرنے کے ساتھ دیوان اور مجموعۂ کلام کی اشاعت نہ ہونے کے سبب یہ فعال شاعر قعر گمنامی میں گُم ہو گیا تھا۔اُن کا ذکر کسی تحقیقی مقالے میں نہیں ملتا۔رسائل و جرائد میں شائع شدہ کلام سے ایک نعت پیش کی جارہی ہے۔

ہوئی یہ شان ظاہر آمد ختم پیمبر سے
کہ کعبہ گونج اٹھا نعرۂ اللہ اکبر سے
شب معراج محبوب خدا جس دم چلے گھر سے
ہوا دیتے رہے فردوس تک روح الامیں پر سے

انہیں پہچان لے گا دور سے ہر امتی ان کا — جو نکلیں گے محمد مصطفیٰ میدان محشر سے
ہوں مسلم غیر مسلم سب اسی کا نام لیتے ہیں — کوئی کہتا ہے حق حق ہے کس کو شغل ہر ہر سے
ہمیں تو جلوۂ محبوب کی خواہش ہے اے زاہد — غرض دیر و حرم سے ہے نہ مسجد اور نہ مندر سے
رحیمؔ اشعار کے نقطے ضیا دیتے ہیں کاغذ پر — فصاحت کا مرقع بن گیا ہے سلک گوہر سے ١٠

سید عنایت علی آغازؔ برہان پوری:

(ولادت: ١٩٠٢ء، وفات: دسمبر ١٩٤٤ء) آل رسول خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ موصوف مدرس تھے۔ آمدنی بے حد قلیل تھی، زندگی بڑی تنگ دستی میں گزری، جس طرح میرؔ کی زندگی رنج و غم میں بسر ہوئی، اس کی جھلک دونوں کے کلام میں دیکھی جا سکتی ہے۔ آغازؔ کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں۔ وہ ایک وقت میں مدرس، شاعر، غزل گو، نظم نگار، سلام نگار، تاریخ گو اور ایک نیک انسان تھے۔ وہ کہنہ مشق شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین نثر نگار بھی تھے۔

آغازؔ برہان پوری کو تاریخ گوئی میں بھی مہارت حاصل تھی۔ کئی کتابوں کی اشاعت پر، پیدائش و وفات پر انہوں نے تاریخی قطعات قلم بند کئے ہیں۔ مولانا محمد ابوالحسن، حسن چشتی نظامی (امام جامع مسجد، فیض پور، مہاراشٹر) کے نعت و مناقب کے مجموعے ''کلام حسن'' تاریخی نام ''برکاتی سخن ١٣٤٣ھ'' کی تصنیف پر آغازؔ نے اشاعت کی تاریخ پر تاریخی قطعات لکھے تھے۔ نمونہ ملاحظہ کریں:

تیرے محبوب کے ہیں وصف و کرم — ہے یہ دیوان بھی عجب یا اللہ
یہ سن و طبع کہو تم آغازؔ — گلشن نعت ہے ماشا اللہ ١٣٤٣ھ

......

کیا مضامین بہار افزا ہیں — نعت کا بوستاں ہے یہ لاریب
کہدو آغازؔ مصرعِ تاریخ — گلشنِ بے خزاں ہے یہ لاریب ١٣٤٣ھ

خلیقؔ برہان پوری:

(ولادت: ١٩٠٦ء، وفات: ١٩٨٧ء) مصور غم خلیقؔ برہان پوری دیو قامت شخصیت کے مالک تھے۔ سلسلۂ میرؔ کے لئے مینارۂ نور تھے۔ والد اور اساتذہ کی خصلتیں اور عادتیں خلیقؔ نے روح اور لہو میں اس طرح بسائیں، گویا یہ شیوہ ہائے اساتذہ ابر کرم بن کر اس طرح برسیں کہ سیکڑوں تلامذہ اور تشنگانِ شعر و ادب سیراب ہوئے، جس کی نظیر برہان پور کی شعری و ادبی تاریخ میں نہیں ملتی۔ موصوف طالب علمی کے زمانے ہی سے مشقِ سخن کرنے لگے، نامساعد حالات کی چکی میں پس کر یہ شوق خاموش

آتش فشاں کی طرح روح کی گہرائیوں میں پکتا رہا۔ بالآخر کثرتِ مطالعہ، یورش حالات، تجربات و جذبات کی بھٹی میں تپ کر پھوٹ نکلا۔ مجموعی طور پر برہان پور میں اور خصوصی طور پر سلسلۂ میرؔ کے شعراء میں خلیقؔ جیسا جامع خصوصیات اور قادرالکلام شاعر نہیں گزرا۔ انہوں نے مروجہ تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی، غزل کو محبوبیت کے مقام پر رکھا، ان کی قادرالکلامی کی مثالیں نعت میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ مشاعروں میں جب وہ نعت شریف پڑھتے تو سامعین جھوم جھوم اٹھتے تھے۔ ان کا کلیات ڈاکٹر وسیم افتخار انصاری ترتیب دے رہے ہیں، جس میں وافر مقدار میں نعتیں شامل کی گئی ہیں۔ اسی سے ایک مشہور نعت بطور مثال پیش کی جاتی ہے:

جلووں کا یہ فروغ جو ہے مہر و ماہ میں　　اُڑتا ہے گرد بن کے مدینے کی راہ میں
کی رہنمائی رحمت عالم کی ذات نے　　دنیا بھٹک رہی تھی گناہوں کی راہ میں
تفسیر مختصر شب معراج کی یہ ہے　　جلوے سمٹ کے لوٹ گئے جلوہ گاہ میں
میں اک فقیر ہوں مگر اس بارگاہ کا　　خادم ہے جبرائیل بھی جس بارگاہ میں
اے کاش! پھر کبھی دل مسلم کو ہو نصیب　　تاثیر جو ہے اشہد ان لا الہ میں

......

کیوں رحمت خدا سے نہ ہوں فیض یاب ہم　　مشہور ہیں غلام رسالت مآب ہم
احسان ہے حبیب خدا کا خدا گواہ　　رکھتے ہیں اپنے پاس خدا کی کتاب ہم
یہ سیرت رسول کا اعجاز ہی تو ہے　　ہر دور میں جہاں کے رہے کامیاب ہم
پڑھ کر رسول پاک پہ شام و سحر درود　　کرتے ہیں ختم سلسلۂ اضطراب ہم
لا تقنطو کا ورد ہے شام و سحر خلیقؔ　　رکھتے نہیں ہیں فکر عذاب و ثواب ہم[11]

(۲) دوسرا دور: ۱۹۴۸ء سے ۲۰۰۰ء تک

برہان پور میں سلسلۂ میرؔ کے نعت گوشعراء کا دوسرا دور ۱۹۴۸ء سے ۲۰۰۰ء تک محیط ہے۔ اس دور کے شعراء کی مختلف اصناف سخن پر مبنی تخلیقات وتصانیف اور کاوشات کا جائزہ لیتے ہیں تو سلسلۂ میرؔ کے شعراء کی شاعری برہان پور میں بتدریج ترقی کی منزلیں طے کرتی نظر آتی ہے۔ اس میں ایسے شعراء کی تعداد بھی کافی ہے، جنہوں نے عمدہ نعتیں تخلیق کی ہیں۔ اُن کی کاوشیں صرف رواداری کے طور پر نہیں ہیں بلکہ ان میں کچھ ایسے شعراء بھی ہیں، جن کی کوششوں اور تخلیقات کو معیاری کہا جاسکتا ہے۔ تحقیقی تناظر میں یہ کہنا حق بجانب ہے کہ سلسلۂ میرؔ کے مختلف شعراء کے ذریعے یہ نہ صرف

ہندوستان کے مختلف گوشوں تک پہنچا بلکہ بین الاقوامی سطح کو عبور کر چکا ہے۔اس میں ایسے شعراء بھی شامل ہیں،جن کے علم وقلم تخلیقات وتصنیفات سے علم کا دریا رواں دواں ہے۔اس دور میں یہ سلسلہ راغبؔ ہاشمی کے دو(۲) جانشینان خلیقؔ برہان پوری اور غالبؔ ہاشمی کے ذریعے ترقی کی منزلیں طے کرتا ہے۔اس میں بیش تر شعراء خلیقؔ کے تلامذہ میں شامل ہیں اور چند غالبؔ ہاشمی کے شاگرد ہیں۔ان میں سے چند قابل ذکر نعت گوشعراء کا مختصراً تذکرہ پیش خدمت ہے۔

غالبؔ ہاشمی:

(ولادت: ۱۹۰۸ء،وفات: ۱۹۸۴ء) استاذ الاساتذہ راغبؔ ہاشمی برہان پوری کے فرزند اور جانشین تھے۔برادر اکبر ایڈوکیٹ بشیر محمد خان بھی اعلیٰ شخصیت کے مالک تھے۔اُن کی تحقیقی تصنیف 'تاریخ اولیائے کرام برہان پور' ہے۔غالبؔ ہاشمی نہایت ہی زود گو اور ذہین تھے۔اُن کی خوبیوں کے مدنظر راغبؔ ہاشمی نے سلسلے کی توسیع کے لئے انہیں اپنی زندگی میں جانشین مقرر کر دیا تھا۔غالبؔ ہاشمی نے شاعری کی مختلف اصناف پر طبع آزمائی کی،لیکن نعت،غزل اور سلام پر زیادہ توجہ صرف کی۔اُن کے نعتیہ اشعار میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت وصفات کا بیان والہانہ انداز میں ملتا ہے۔اُن کا ہر شعر عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ڈوبا ہوا ہے:

سب حسینوں میں نہ کیوں حسن ہو یکتا تیرا ۔۔۔ دیکھ کے حسن ازل ہوگیا شیدا تیرا
بھول کر نام بھی لیتی نہ کبھی یوسف کا ۔۔۔ دیکھ لیتی جو زلیخا رخ زیبا تیرا
ہو بیاں کس سے تیرے حسن کی رعنائی کا ۔۔۔ بزم کونین میں پھیلا ہے اجالا تیرا
تجھ کو اللہ نے بخشا ہے مقام محمود ۔۔۔ سب رسولوں میں کیا مرتبا اعلیٰ تیرا
جن کے سینوں میں ہے روشن تری الفت کے چراغ ۔۔۔ دیکھ لیتے ہیں ہر اک شئے میں جلوہ تیرا
تو تو نعت نبی ﷺ پڑھتا ہے زمیں پر غالبؔ ۔۔۔ آسمانوں میں ہوا کرتا ہے چرچا تیرا ۱۲؎

غالبؔ ہاشمی کی نعتوں میں تاریخی واقعات،تلمیحات وتشبیہات اور جمالیاتی عناصر پائے جاتے ہیں۔ان شعری لوازمات نے ان کے نعتیہ کلام میں دلکشی پیدا کر دی ہے:

لکھتا ہوں میں قصیدہ رسالت مآب کا ۔۔۔ پیش نظر ورق ہے خدا کی کتاب کا
زندہ یہ معجزہ ہے شہ بو تراب کا ۔۔۔ ہوکر غروب لوٹنا پھر آفتاب کا
انگلی اٹھا رہا ہے جو شان رسول ﷺ پر ۔۔۔ بے شک وہ مستحق ہے خدا کے عذاب کا
دیکھا ہے جب سے آپ کا رنگ رخ جمال ۔۔۔ بدلا ہوا رنگ رخ ماہتاب کا

دنیا کی بے ثباتی کا احساس جب ہوا
انجام یاد آگیا مجھ کو حباب کا
غالؔب مرے حضور ﷺ کی آمد سے پیشتر
نقشہ کچھ اور ہی تھا جہان خراب کا ۱۳؎

محمؔود درّانی:

(ولادت: ۱۹۱۷ء، وفات: ۱۹۷۹ء) برہان پور میں سلسلۂ میؔر کے چند مشہور و معروف، نام ور شاعروں میں خلیؔق برہان پوری کے بعد محمؔود درّانی کا شمار ہوتا ہے۔ مشاعروں میں مسلسل شرکت کرنے اور رسائل وجرائد میں مستقل اشاعت نے محمؔود درّانی کو ملک گیر شہرت عطا کی۔ انھوں نے اپنی فن کارانہ خوبیوں سے نہ صرف ملک گیر پیمانے پر بلکہ بین الاقوامی سطح پر شہر عزیز کا نام روشن کیا۔ وہ نظم و نثر کی مختلف اصناف میں زود خامہ فرسا اور ہر فن مولا فن کار تھے۔ انہوں نے مختلف عنوانات مثلاً شہنشاہِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی، بحیثیت امام الانبیاء، بحیثیت رحمت اللعالمین، بحیثیت سپاہی، بحیثیت مزدور، بحیثیت ناخدائے ملت، بحیثیت انسان کامل، بحیثیت مصلح اعظم وغیرہ کے تحت نعتیہ قطعات پیش کئے ہیں۔ ان میں سے دو قطعات مثالاً درج کئے جارہے ہیں:

بحیثیت سپاہی

سکّہ شجاعتوں کا دلوں پر جما دیا
فنِ سپہ گری کا کرشمہ دکھا دیا
آئی جب حق پہ آنچ تو خود تیغ باندھ کر
ہر امّتی کو حق کا سپاہی بنادیا

بحیثیت مزدور

حق کی تبلیغ و اشاعت پہ جو مامور ہوئے
آپ اس کام سے تھک کر نہ کبھی چور ہوئے
ہنس کے پتھر کبھی ڈھوئے کبھی خندق کھودی
درس محنت کا دیا وقت پہ مزدور ہوئے ۱۴؎

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت وشخصیت، بصیرت وفضیلت وغیرہ عنوانات پر اردو شعر وادب میں سیکڑوں اشعار ملتے ہیں۔ محمؔود درّانی کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اس میں جدت سے کام لیا اور قطعات کی پیرائے میں نظم کیا ہے۔ انھوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت کو الگ انداز سے دیکھا ہے۔ اکثر ایسے پہلوؤں پر اردو شاعری میں کم ہی روشنی ڈالی گئی ہے۔ محمؔود درّانی کی انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے ایسے پہلوؤں کو قطعات کی شکل میں عنوان کے تحت تخلیق کیا ہے۔

ساؔز برہان پوری:

(ولادت: ۱۹۲۲ء، وفات: ۲۰۱۰ء) برہان پور میں سلسلۂ میؔر کے اچھے، سچے اور باوقار شاعروں میں ساؔز برہان پوری کا شمار ہوتا ہے۔ ان کی شاعری سے برہان پور میں سلسلۂ میؔر کے معیار اور وقار

کو مزید اعتبار حاصل ہوتا ہے۔ میرؔ کی طرح سنگلاخ زمینوں میں سلاست اور روانی کے ساتھ شعر تخلیق کرنا، بڑا مشکل کام ہے۔ سازؔ نے اس مشکل کام کو اپنی کہنہ مشقی، قادرالکلامی اور پختگی سے آسان کرلیا ہے۔ اس کی مثالیں نعتیہ شاعری میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ مثالاً ایک نعت پاک ملاحظہ فرمائیں:

اپنی وفا کو دے دوں اک بانکپن لہو سے
سینچوں نبی کا یارب سارا چمن لہو سے

میں عاشق نبی ہوں شیوہ ہے سرفروشی
رکھتی ہے خاص نسبت میری لگن لہو سے

تاروں کا خوان جیسے دن کو سنوارتا ہے
اس طرح میں سجاؤں اک انجمن لہو سے

عشق نبی میں یارب کٹ جائے سر یہ میرا
یوں سرخرو ہو میرا دیوانہ پن لہو سے

جلاد وقت میرا کیا امتحان لے گا
میں تو بھگو کے رکھ دوں دار و رسن لہو سے

وقت جہاد میرے سر سے کفن بندھا ہو
ہوجائے تر بتر پھر میرا کفن لہو سے

اے سازؔ خون دل سے کیوں نعت میں نہ لکھوں
مجھ کو نکھارنا ہے رنگ سخن لہو سے ۱۵؎

حسین الدین شاداںؔ خلیقی:

(ولادت: ۱۹۲۵ء، وفات: ۱۹۹۵ء) کے استاد مشہور زمانہ شاعر خلیقؔ برہان پوری تھے۔ غالبؔ ہاشمی برہان پوری کے جانشین مرزا محمود بیگ سازؔ نے اپنی زندگی میں جانشین مقرر کردیا تھا، لیکن افسوس سازؔ برہان پوری کی زندگی ہی میں شاداںؔ خلیقی اس دارفانی سے رخصت ہوگئے۔ شاداںؔ خلیقی اردو شعروادب کے حقیقی شیدائی تھے۔ انھوں نے شعروادب کی شمع سے پروانوں کی طرح پیار کیا۔ مشاعرے، شعری نشستیں اور ادبی محفلیں منعقد کرنا، اس میں شریک ہونا، اُن کے معمول میں شامل تھا۔ اساتذہ کا حددرجہ احترام اور ہم عصر شاعروں کی قدردانی میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ انھوں نے برہان پور میں سلسلۂ میرؔ کے وقار اور معیار کو برقرار رکھنے میں بڑی کوششیں کیں۔ یہی کوششیں انھیں برہان پور کے شعری ادب میں ہمیشہ زندہ رکھیں گی۔

مٹی کی ضرورت ہے لادو درِ احمد سے
آواز یہ آتی ہے ٹوٹے ہوئے مرقد سے

آتش کدۂ فارس ٹھنڈا ہوا بت ٹوٹے
ماحول جہاں بدلا سرکار کی آمد سے

تسکین کے سب ساماں مل جائینگے اے شاداںؔ
دامان محمد ﷺ میں دامانِ محمد ﷺ سے ۱۶؎

شفیق رازؔ:

(ولادت: ۱۹۲۶ء، وفات: ۱۹۷۹ء) کی ذات، کئی صفات کا مجموعہ ہوکر شعروادب کی ایک چلتی پھرتی درس گاہ تھی۔ استاد خلیقؔ برہان پوری کی طرح باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے۔ دونوں

کے نام اور کام میں بڑی یکسانیت تھی۔ استاد خلیقؔ انتہائی خلیق اور شاگرد شفیقؔ بے پناہ شفیق تھے۔ شاعری کے حوالے سے وہ عصری نباض کی حیثیت رکھتے ہیں۔ غزل اور قطعات کے علاوہ سلام اور نعت میں بھی بھرپور طبع آزمائی کی ہے۔ استاد شعراء میں سے تھے، لیکن اُن کا کوئی مجموعۂ کلام شائع نہ ہوسکا۔ ایک نعت پاک ملاحظہ فرمائیں:

پیارے رسول پیارے نبی ﷺ کی یہ بات ہے	قبضے میں جس کے آج بھی کل کائنات ہے
آنکھوں سے دور گنبد عالی صفات ہے	اے دل تری حیات بھی کوئی حیات ہے
جنت کا ذکر تم کو مبارک ہو شیخ جی	لب پر مرے ابھی تو مدینے کی بات ہے
کب سے تڑپ رہا ہوں مدینے کی دید کو	یہ بھی حضور آپ ﷺ سے کہنے کی بات ہے
وردِ زباں حبیب خدا کا ہی نام ہے	اس کی خبر نہیں مجھے دن ہے کہ رات ہے
گرمِ سفر ہے اور مدینہ قریب ہے	محسوس ہو رہا ہے کوئی میرے ساتھ ہے
ہاتھوں میں رازؔ دامنِ احمد ﷺ جو آ گیا	خوش ہوں کہ مجھ پہ رحمتِ عالم کا ہاتھ ہے [۱۷]

احسانؔ خلیقی:

(ولادت: ۱۹۳۰ء) احسانؔ خلیقی کی شاعری تقریباً ستّر (۷۰) سالوں پر محیط ہے۔ اُن کی شاعری خصوصاً غزل میں ذات اور سماج کی ہم آہنگی دکھائی دیتی ہے۔ نعت کے میدان میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ نمونتاً نعت پاک پیش کی جارہی ہے:

اے کاش ہمیں بھی طیبہ کی گلیوں کا نظارا ہوجائے	یوں اوج پہ اک دن اپنی بھی قسمت کا ستارا ہوجائے
اے ہادیٔ کل اے ختمِ رسل گر آپ کرم فرمادیں تو	بگڑی ہوئی قسمت بن جائے رحمت کا اشارا ہوجائے
سرکار کے اسوۂ حسنیٰ کو مرکز جو بنالیں ہم اپنا	اس درد کی ماری دنیا میں جینے کا سہارا ہوجائے
سرکار کی مدحت کے نغمے تا حشر زمانے میں گونجیں	یہ شوق ہمارا بن جائے یہ شغل ہمارا ہوجائے
احسانؔ جہانِ ہستی میں کچھ اور نہیں ہے ان کے سوا	وہ چشم کرم فرمادیں تو کچھ اور نظارا ہوجائے [۱۸]

قیصرؔ انصاری:

(ولادت: ۱۹۳۱ء) کا شمار برہان پور کے استاد شعراء میں ہوتا ہے۔ استاد خلیقؔ برہان پوری نے اپنے اوّل و دوم جانشینان محمودؔ درّانی اور شفیق رازؔ کے یکے بعد دیگرے انتقال کر جانے سے اپنا جانشین سوم قیصرؔ انصاری کو نامزد کیا۔ قیصرؔ انصاری کی شاعری بطور خاص غزل، حیات و کائنات کی ترجمان ہے۔ سلام کے علاوہ نعتیں بھی کثرت سے تخلیق کی ہیں۔ افسوس کہ نعت وسلام کا مجموعہ ترتیب دے

رہے تھے کہ عمر نے بے وفائی کی۔ ممکن ہے اُن کے ورثا مذکورہ مجموعہ شائع کرائیں۔ استاد شاعر تھے۔ ان کی نعت شریف سے بھی ان کی قادرالکلامی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

پڑھوں درود تو لطف زبان خوش بو دے
نبی کا ذکر نبی ﷺ کا بیان خوش بو دے

نسیمِ صبحِ چمن آئے جب مدینے سے
ہوائے گل سے سحر کی اذان خوش بو دے

ہو جس مکاں میں درود و سلام کی محفل
بیانِ وصفِ نبی ﷺ سے مکان خوش بو دے

رسول پاک کی معراج کا ہو ذکر اگر
زمیں سے تا بہ فلک داستان خوش بو دے

نبی ﷺ کا ذکر حقیقی اگر ہو سینے میں
یقیں کی بات الگ ہے گمان خوش بو دے

نبی ﷺ کی شان بیاں ہو اگر عقیدت سے
اثر زبان کو شایانِ شان خوش بو دے

اگر نبی ﷺ کے پسینے کا ذکر ہو لب پر
زباں کے وصف سے نطق و بیان خوش بو دے

اگر ہو نعت محمد ﷺ کا حق ادا قیصر
عروج فکر و رسا کی اڑان خوش بو دے ۱۹

محمود نیپانگری:

(ولادت: ۱۹۳۲ء) خلیق برہان پوری کے شاگردوں میں محمود نیپانگری کا بھی شمار ہوتا ہے۔ محمود نے شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ نعت، غزل، دوہا اور قطعہ وغیرہ میں زیادہ طبع آزمائی کی ہے۔ خاص طور پر دوہے کے لئے کافی مشہور تھے۔ انھوں نے نیپانگر میں شعری نشستوں اور مشاعروں کے انعقاد کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اُن کے برادر اصغر خورشید احمد صاحب سے جتنا کلام دست یاب ہو سکا، اس میں سے نعت پہلی مرتبہ پیش کی جا رہی ہے۔ تاکہ مستقبل میں ریسرچ اسکالرس کو تحقیق کرنے میں آسانی ہو سکے۔

دل و نظر کو ازل سے ہے جستجوئے رسول ﷺ
مری تلاش کی حد میں نہ کیوں ہو کوئے رسول ﷺ

در حضور ﷺ سے جاری ہے فیض کا چشمہ
رواں ہے سارے زمانے میں آب جوئے رسول ﷺ

کسی کے لب پہ جو آیا کبھی رسول ﷺ کا نام
تو مڑ کے دیکھا عقیدت سے میں نے کوئے رسول ﷺ

ہر اک چمن سے الگ ہے بہار طیبہ کی
چمن کے پھولوں میں ہے جذب رنگ و بوئے رسول ﷺ

نہ انتقام لیا اپنے دشمنوں سے کبھی
پسند طبع نہ کیوں ہو جہاں میں خوئے رسول ﷺ

مجھے یقین ہے کہ ہوگا رسول ﷺ کا دیدار
مری نظر کو ہے محمود جستجوئے رسول ﷺ ۲۰

ستار انجم خلیقی:

(ولادت ۱۹۳۸ء/ وفات: نا معلوم) نے شاعری کی مختلف اصناف حمد، نعت، سلام، غزل، شخصی

مرثیے، رخصتی، سہرے وغیرہ پر طبع آزمائی کی، لیکن غزل پر زیادہ توجہ صرف کرتے تھے۔ شاعری کے علاوہ ستار انجمؔ خلیقی کا ایک قابلِ اعتراف کام یہ بھی رہا کہ انھوں نے مشہور شخصیات کی تاریخِ وفات قلم بند کی ہے۔ ان کا کلام روزنامہ اردو ٹائمز اور روزنامہ انقلاب ممبئی کے چند شماروں میں شائع ہوا ہے۔ غیر مطبوعہ کلام جو بذاتِ خود موصوف نے مقالہ نگار کو عنایت کیا تھا، اس میں مختلف اصناف پر مشتمل ان کا کلام ملتا ہے۔ اسی منتخب کلام سے ایک نعت پاک پہلی بار اس مقالے میں پیش کی جا رہی ہے:

ہم عاصیوں کے سر پہ ہے سایہ رسول ﷺ کا	محشر میں مل گیا ہے وسیلہ رسول ﷺ کا
سرکارِ دو جہاں ﷺ کی ولادت کے ساتھ ہی	ہر چیز سے عیاں ہے جلوہ رسول ﷺ کا
معراج کے سفر سے جو گزرے رسولِ پاک ﷺ	حوریں اتارنے لگیں صدقہ رسول ﷺ کا
اللہ کا کرم ہے نبی ﷺ کے کرم کے ساتھ	دل آج اپنا ہوگیا شیدا رسول ﷺ کا
اللہ نے بچالیا محشر کی دھوپ سے	سامانِ مغفرت ہے سایہ رسول ﷺ کا
اے کاش ہو قبول خدا کے حضور میں	شام و سحر زباں پہ ہو کلمہ رسول ﷺ کا
دنیا ترے کرم کی ضرورت نہیں ہمیں	ہے زندگی میں ہم کو سہارا رسول ﷺ کا
اللہ بخش دے گا میرے گناہ کو	محشر میں مل گیا جو وسیلہ رسول ﷺ کا
آکر یہاں مجھے مری قسمت پہ ناز ہے	انجمؔ ہے میرے سامنے روضہ رسول ﷺ کا[۲۱]

مرزا حفاظت بیگ ماہرؔ:

(ولادت: ۱۹۴۴ء، وفات: ۲۰۱۹ء) ممبئی میں بہترین تدریس کے ساتھ ساتھ طلباء میں تقریری، تحریری، علمی و ادبی جوش پیدا کیا۔ بے شمار غیر اردو داں حضرات کو اردو سکھائی اور اردو سے واقف کرایا۔ حفاظت بیگ ماہرؔ خطاطی میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ حمد، نعت، مناجات، منقبت، قطعات، سلام، تضمین، غزل، نظم کے علاوہ ادبِ اطفال میں بھی بہت ہی آسان اور عام فہم لفظوں میں سبق آموز اور اخلاقی نظمیں تخلیق کی ہیں۔ اب تک اُن کے پانچ شعری مجموعے (۱) لڑکپن ۲۰۰۲ء (۲) الف میم ۲۰۰۸ء (۳) دل کشا ۲۰۰۸ء (۴) انجمن دل ۲۰۱۲ء (۵) رگ جاں ۲۰۱۴ء منظر پر آچکے ہیں۔ نعتیہ شعری مجموعہ 'الف میم' سے کچھ نعت کے اشعار پیش خدمت ہیں:

تاریخ کے اوراق کی تنویر محمد ﷺ	قرآن کے صفحات کی تفسیر محمد ﷺ
تہذیب کے ادوار کی تصویر محمد ﷺ	تخریب کے ہر دور کی تعمیر محمد ﷺ

نام نبی ﷺ کو سن کر صل علیٰ کہا ہے ارض و سما کی ساری مخلوق نے ادب سے

نبی ﷺ کی سیرت پر نور کے جلوے ہزاروں ہیں

ہے سیرت آپ ﷺ کی امّ الکتاب اول سے آخر تک

......

پائی نبی ﷺ سے ہم نے صداقت کی روشنی امت پہ چار سو ہے عنایت کی روشنی

غارِ حرا سے لائے نبی ﷺ نے قرآن کو قرآن میں سراپا ہے سیرت کی روشنی

تاریکیاں جہاں کی ضیا بار ہوگئیں بخشی ہے تیرگی میں ہدایت کی روشنی

اعلیٰ مقام پایا رسولوں میں آپ ﷺ نے پھیلی ہے دو جہاں میں نبوت کی روشنی

جنت سے بڑھ کے طیبہ نگر کی ہے ہر گلی دیکھا کئے مدینے میں جنت کی روشنی

حسن عمل سے سرورِ عالم ﷺ کے فیض سے بے دینوں نے پائی قیادت کی روشنی

ماہرؔ بھلا ہو کیسے قیامت کا ڈر ہمیں حاصل نبی ﷺ سے ہوگی شفاعت کی روشنی[۲۲]

خلیلؔ جہاں گیر:

(ولادت: ۱۹۴۶ء، وفات: ۲۰۱۶ء) نے شاعری میں استاد خلیقؔ برہان پوری کو اپنا راہ نما بنایا اور غزل کو اظہار کا ذریعہ بنایا۔ سہل ممتنع میں عمدہ شاعری کی۔ اُن کی نعتیہ شاعری میں تغزل کے اثرات نمایاں ہیں:

قلب روشن ہوا ہے ظلمت میں آپ کے دم سے روشنی آئی

آپ سے لو لگایا جب میں نے ذکرِ حق میں نہ پھر کمی آئی

پا لیا میں نے منزلِ مقصود آپ کی کام رہبری آئی

تھے جو سجدے سرور سے خالی ان میں اب شانِ بندگی آئی

وجد کرتی ہے زندگی میری روح میں آج تازگی آئی[۲۳]

اقبالؔ نقیبؔ:

(ولادت: ۱۹۴۷ء، وفات: ۱۹۹۴ء) کی شاعری اپنے دور، ماحول، ذات اور تحریکات سے اثرات قبول کرتے ہوئے، اس کی ترجمانی کرتی ہے۔ اُن پر اپنے استاد خلیقؔ برہان پوری اور علامہ اقبالؔ کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ طریقت میں سلسلۂ چشتیہ کے مدنی میاں کے سلسلے میں بیعت کا شرف حاصل تھا۔ اُن کے فرزند طارق سعید سے حاصل بیاض سے ایک نعت پہلی مرتبہ پیش کی جارہی ہے:

شاہ کار دید یزداں ہیں رسول عربی ﷺ لائق فخر رسولاں ہیں رسول عربی ﷺ
اپنی بے پایاں محبت سے نوازا ہم کو آپ کے ہم پہ یہ احساں ہیں رسول عربی ﷺ
یاد سرکار سے خالی نہ کبھی دل کو رکھو مومنو حاصل ایماں ہیں رسول عربی ﷺ
گنگناتے ہوئے جھرنوں سے یہ آتی ہے صدا آپ ہر چیز میں پنہاں ہیں رسول عربی ﷺ
آپ کے نقش قدم پر جو چلے دنیا میں اب کہاں ایسے مسلماں ہیں رسول عربی ﷺ
ہم کو عشاق محمد ﷺ نے بتایا یہ نقیبؔ اہل ایماں کی رگ جاں ہیں رسول عربی ﷺ ۲۴

ناصرؔ شاہی:

(ولادت: ۱۹۴۸ء، وفات: ۲۰۱۸ء) قیصرؔ انصاری کے جانشین اور خلیقؔ برہان پوری کے شاگرد تھے۔ ان کی شاعری میں سنجیدگی اور آہستگی نے دوراندیشی کے دیے روشن کئے ہیں۔ عشق و عاشقی سے پرے دیگر مسائل پر غور و فکر کیا۔ ان کے یہاں مشاہدے کی چمک، چوٹ، صدمے اور زخموں سے حاصل شدہ تجربات شاعری میں رنگ بھرتے ہیں۔ اسی لئے متوازن اور سنبھلا ہوا انداز پایا جاتا ہے۔ یہ انداز نعت میں بھی برقرار ہے۔

کچھ کم نہیں جو دنیا تیرا ستم ہے ہم پر ہم عاشق نبی ﷺ ہیں ان کا کرم ہے ہم پر
محشر کی فکر کیوں ہو ہم ان ﷺ کے امتی ہیں روز ازل سے نظر شاہ امم ہے ہم پر
عشق نبی ﷺ نے دل کو بخشی ہے وہ تجلی روشن تمام حال دیر و حرم ہے ہم پر
ہر دم زباں پہ اپنی ذکر حبیب حق ہے سرکار دوجہاں کا کتنا کرم ہے ہم پر
نظر کرم خدارا امت پہ کیجئے گا عرصہ ہوا نگاہِ اہل ستم ہے ہم پر
فرمان مصطفیٰ پر ہم چل رہے ہیں ناصرؔ آسان زندگی کا ہر پیچ و خم ہے ہم پر ۲۵

بسم اللہ عدیمؔ:

(ولادت: ۱۹۴۸ء) برہان پور میں سلسلۂ میرؔ کے شعراء میں راغبؔ برہان پوری، عنایت علی آغاز اور خلیقؔ برہان پوری کے بعد اخبارات اور رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے شعراء میں موصوف کا شمار ہوتا ہے۔ شاعری کی دیگر اصناف نعت وسلام غزل، ماہیے، قطعات، نظم کے علاوہ بچوں کے لئے بھی بے شمار نظمیں اور کہانیاں تخلیق کیں۔ ۲۰۰۳ء میں نعت و سلام کا مجموعہ ''جلوہ نور'' کے نام سے شائع ہو کر منظر عام پر آیا۔ 'جلوہ نور' سے نعت کے چند اشعار نموتاً پیش خدمت ہیں۔

انسان کی بات کیا ہے فرشتے بھی چرخ پر کرتے ہیں احترام نبی ﷺ کے مقام کا

جتنی بھی مشکلات ہیں حل ہوگی اے عدیم — قول رسول ﷺ دل میں تم اپنے اتار لو
آنے والی مصیبت بھی ٹل جائے گی — نام فخر دو عالم ﷺ ذرا لیجئے
عرش بریں پہ نبیوں سے اللہ نے کہا — رونق یہ کائنات کی شمس الضحیٰ سے ہے ۲۶

ساغر خلیقی:

(ولادت: ۱۹۵۲ء) نے شاعری کی دیگر اصناف حمد، نعت، سلام، منقبت اور غزل میں طبع آزمائی کی تھی۔ آپ نے غزلوں کے ذریعے انسان دوستی اور سبق آموز باتیں بڑے اچھے ڈھنگ سے پیش کی ہیں۔ غرض کہ ساغر خلیقی کی شاعری میں عرفان ذات سے حیات و کائنات، عصری آگہی، علامتی انداز اور صالح معاشرے کی فکریں پائی جاتی ہیں۔ ان کی غزلوں کا مجموعہ ''تازہ گلاب'' ۲۰۱۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ موصوف نے اپنے مجموعۂ کلام کا انتساب جس طرح منسوب کیا ہے، اس سے ان کی فکر، شخصیت اور عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے۔

> ''میں اپنی اس کتاب کو تمام کائنات کے مالک و خالق خدائے بزرگ و برتر سرور انبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین، اہل بیت صحابۂ کرام، بزرگانِ دین اور اپنے والدین اور ہندوستان کے مشہور و معروف شاعر استاد خلیق برہانپوری کے نام منسوب کرتا ہوں۔'' ۲۷

یہ مصطفیٰ کے روضۂ اطہر کی بات ہے — ثانی نہیں ہے جس کا اسی در کی بات ہے
جس سرزمیں پہ آپ ﷺ سکونت پذیر ہیں — اس سرزمیں پہ جانا مقدر کی بات ہے
عرش بریں پہ چمکا جو دنیا سے بیش تر — دنیا میں چار سو اسی اختر کی بات ہے
سائے کو جس بشر کے ترستی رہی زمیں — یہ اس بشر کے نور کے پیکر کی بات ہے
جس کو گہن سے حق نے مبرا رکھا سدا — یہ آمنہ کے ماہ منور کی بات ہے
جس کے لئے وہ گنبد بے در بھی کھل گیا — یہ بات کائنات کے سرور کی بات ہے
کوثر کا جام دیں گے جو امت کو حشر میں — ساغر یہ بات ساقیِ کوثر کی بات ہے

رحمٰن ثاقب:

(ولادت: ۱۹۵۴ء) کے یہاں میر کی طرح داخلیت اور خارجیت، آپ بیتی اور جگ بیتی کے ساتھ ضمیر اور وجودیت کا اظہار ملتا ہے۔ سادہ زبانی میں روانی خوب ہے۔ رحمٰن ثاقب نے نظم ونثر کے مختلف میدانوں میں طبع آزمائی کی ہے، مگر غزل گو شاعر کی حیثیت سے ان کی شناخت ہوتی ہے۔ اُن

کی شاعری مسلسل ارتقاء کی منزلیں طے کرتی رہی ہے۔ وہ طریقت سے وابستہ ہیں۔اس لئے کلام میں تصوف اور تغزل کا خوب صورت امتزاج پایا جاتا ہے:

سرور و کیف ہے منظر بہ منظر	نظر میخوار ہوتی جارہی ہے
حیات جاودانی مل گئی ہے	جو مرنے کا ارادہ کرلیا ہے
پل بھر کیلئے ڈولی وہاں اسکی رکی تھی	خوشبو سے مہکتا رہا جنگل متواتر
کسی کی جو معجز بیانی کرے	وہ کام آپ کی بے زبانی کرے

عشق میں تصوف اور تغزل کا امتزاج جب شدت کو پہنچتا ہے تو شعروں میں کیف وسرور کی لذت طاری ہوتی ہے۔ یہی کیف وسرور کی شدت جب نعت کے شعروں میں ڈھلتی ہے تو قلم حدیث دل بیان کرتا ہے:

کر رہی ہے سارے عالم کو منور چاندنی	مست ہے نور نبیﷺ کا جام پی کر چاندنی
ساری دنیا استفادہ کر رہی ہے نور سے	آرہی ہے گنبد خضریٰ سے چھن کر چاندنی
چاند آکر گنبد خضریٰ کا کرتا ہے طواف	بھیک لیتی ہے در اقدس پہ آکر چاندنی ۲۸

(۳) موجودہ دور: ۲۰۰۱ء کے بعد:

برہان پور میں دور حاضر میں سلسلۂ میر تقی میرؔ شجر سایہ دار کی طرح تناور ہو چکا ہے۔اس کی جڑیں ماضی سے اس قدر مضبوط رشتہ قائم کئے ہوئے ہیں کہ اب اِس پر موسم خزاں کے اثرات نہیں پڑ سکتے...! اس دور کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں وہ نعت گو شعراء بھی شامل ہیں جو عہد جدید کے تمام مسائل اور تقاضوں کو اپنی نگاہ میں رکھتے ہوئے کامیابی کے ساتھ سفر طے کر رہے ہیں۔اُن کی شعری تخلیقات میں موجودہ انسانی مسائل کی عکاسی اور اُن کے مصائب کو جس انداز سے پیش کیا ہے، اسے سلسلے کی تازگی اور روشن وتابناک مستقبل سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ان نعت گو شعراء میں سے کچھ کا ذکر یہاں ناگزیر ہے۔

اظہارؔ خلیقی:

(ولادت: ۱۹۶۰ء) قرب وجوار کے حالات اور سماجی حقائق کو اشعار میں ڈھالتے رہتے ہیں۔ یوں تو شاعری کی ہر صنف میں اپنے ذہن وقلم کو جنبش دی ہے لیکن نعت، منقبت اور غزل کو محبوبیت کے مقام پر رکھا ہے۔شعر گوئی میں ان کا اصل میدان غزل ہے۔اسی میں ان کے وجود کا اظہار ملتا ہے۔ سہل ممتنع میں اچھے اور سچے شعر تخلیق کرنا، اُن کی پہچان ہے۔ان کی شاعری میں عصر حاضر کے سماج کی

تصویریں ابھرتی اور ڈوبتی رہتی ہیں۔ حالاتِ حاضرہ کی عکاسی کے ساتھ سبق آموزیاں اور تلقینات سے ان کی شاعری مزین ہے۔

اگر ہو کوئی، ہمارے بھی شاہ سے آگے		ہم اس کو مانیں گے، ہر عالی جاہ سے آگے
کہ میری راہ نہ تھی، ان کی راہ سے آگے ۲۹		اگر میں جاتا تو، پر میرے خاک ہو جاتے

کوثرؔ خلیقی:

(ولادت: ۱۹۶۲ء) غزل اور قطعات کے ذریعے برہان پور اور مہاراشٹر کے تجارتی شہر بھیونڈی کی ادبی محفلوں اور مشاعروں میں کوثرؔ خلیقی برہان پوری کا نام بڑے احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ کہیں کہیں اُن کا تیکھا لب ولہجہ، حق گوئی اور بے باکی، جدید لب ولہجہ قاری کو حیرت واستعجاب میں ڈال دیتا ہے۔ صنعت تضاد، استعارات، وجودیت کا اظہار، اردو دیوانگی کا ثبوت، نصیحت وعبرت کے ساتھ علامتی انداز اور حسن تعلّی نے شاعری کو موضوعاتی اور اسلوبیاتی خوبیوں سے مزین کردیا ہے، اسی لئے ان کی شاعری لائق مطالعہ اور قابل داد ہے۔

آپ کو زہر پلا دوں تو دوا ہوجائے ۳۰		نام ہے ساقیٔ کوثر کے غلاموں میں مرا

ایڈوکیٹ عابد احمد خان طالبؔ ہاشمی:

(ولادت: ۱۹۸۱ء) کا سلسلہ نو (۹) واسطوں سے ہوکر میر تقی میرؔ کو پہنچتا ہے۔ برہان پور کی شعری و نثری ترقی وتاریخ میں موصوف کے خاندان کا اہم کردار رہا ہے۔ طالبؔ برہان پوری موروثی شاعر ہیں۔ اس جدید دور میں اُن کا کلام گذشتہ نسل کی یاد تازہ کرتا ہے۔ مثالاً ان کی ایک نعت پیش کی جارہی ہے:

سلیقہ ان کو آجاتا ہے مرنے اور جینے کا		خلوص دل سے کرتے ہیں نظارہ جو مدینے کا
میں دیوانہ ہوں دیوانہ محمد ﷺ کے پسینے کا		ترے پھولوں کی خوشبو دل مرا بہلا نہیں سکتی
عطا ہوجائے مجھ کو بھی شرف وہ جام پینے کا		بلال و بوذر و سلمان جس کو پی کے جھومے تھے
محافظ بن گیا طوفان خود میرے سفینے کا		زباں پر آگیا جس وقت میری نام پاک ان کا
صبا لائی ہے پھر پیغام رحمت کے مہینے کا		چلے طیبہ کی جانب قافلے اللہ والوں کے
کہ میں بھی دیکھ لوں طالبؔ کبھی منظر مدینے کا ۳۱		فقط اتنی تمنا ہے میرے ٹوٹے ہوئے دل کی

بلا شبہ برہان پور میں سلسلۂ میر تقی میرؔ کے نعت گو شعراء کا ایک طویل اور مضبوط سلسلہ موجود ہے۔ یہاں شاعری کے مختلف میدان میں اپنے اپنے طور پر جن سخن وروں اور شاعروں نے انفرادی

کوششیں کی ہیں، چاہے وہ غزل، قطعات، نظم، مثنوی کی شکل میں ہوں یا جدید اصناف نظم، آزاد نظم، نثری نظم، گیت وغیرہ کی صورت میں، اُن کی کوششیں تخلیقات، تصنیفات، کاوشات اور کارنامے لائق تحسین، قابل تعریف اور مستحق داد ہیں۔ اردو نعتیہ شاعری کے توسیعی فروغ میں سلسلۂ میرؔ نے جو خاموش سفر طے کیا ہے۔ اس تحریر کے ذریعے وقت کی گرد میں دبی ہوئی اُن کاوشوں کو تلاش کرنے کی ہر ممکن سعی کی گئی ہے۔

حواشی:

(۱) نعت کا تاریخی پس منظر: شاہد کمال بشمول ماہ نامہ نیا دور لکھنؤ، جلد ۷۰، شمارہ ۹، دسمبر ۲۰۱۵ء ص ۴، از: تذکرہ گویان اردو، حصہ اول، ص ۳

(۲) ایضاً...ص ۹، از: اردو میں نعتیہ شاعری، مطبوعہ اردو اکیڈمی سندھ کراچی ص ۵۴

(۳) شاہ جہاں پور کے چار معتبر نعت گو: فہیم بسمل (شاہ جہاں پوری) بشمول دبستان نعت، شمارہ ۳ جنوری تا دسمبر ۲۰۱۸ء ص ۳۴۶

(۴) تاریخ برہان پور: مولوی خلیل الرحمٰن برہان پوری، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۸۹۸ء ص ۱۹۰

(۵) سلک گہر۔ جاوید انصاری برہان پوری ۱۹۴۸ء ص ۱۷۱

(۶) تذکرہ شعرائے برہان پور: مولوی افتخار احمد خلیل، بشمول رسالہ سہ ماہی ''اردو'' انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن، جلد ۱۱، حصہ ۴۴، اکتوبر ۱۹۳۱ء ص ۶۹۵

(۷) غزل: واصفؔ برہان پوری، بشمول رسالہ نظام لودیانہ، مطبع اشرف پریس لودیانہ، ماہ اگست ۱۹۱۴ء ص ۲۴

(۸) غزل: منومیاں بیدلؔ، بشمول رسالہ 'نسیم بہار': برہان پور، جلد ۲، نمبر ۳، نومبر ۱۹۲۴ء ص ۳

(۹) غزل: منومیاں بیدلؔ، بشمول رسالہ نظام لودیانہ، مطبع اشرف پریس لودیانہ، ماہ اگست ۱۹۱۴ء ص ۲۸ تا ۲۹

(۱۰) غزل: منشی عبدالرحیم رحیمؔ، بشمول رسالہ 'نسیم بہار': برہان پور، جلد ۶، نمبر ۳، نومبر ۱۹۲۹ء ص ۱۴

(۱۱) بیاض غیر مطبوعہ خلیقؔ برہان پوری سے نعت

(۱۲) تذکرۂ شعرائے برہان پور (بیسویں صدی کے آئینہ میں) ڈاکٹر عارف انصاری، فاضلی اردو سوسائٹی برہان پور ۲۰۰۹ء ص ۷

(۱۳) عابد احمد خان طالبؔ ہاشمی سے غالبؔ ہاشمی کا دست یاب شدہ کلام

(۱۴) جبر و صبر: محمودؔ درّانی، رحیمی پریس ممبئی ۸، سن اشاعت درج نہیں، ص ۱۶ تا ۱۷

(۱۵) نعت: مرزا محمود بیگ سازؔ، بشمول مجموعہ کہکشاں: مرتب و ناشر ایڈوکیٹ عابد احمد خان طالبؔ ہاشمی ۲۰۱۸ء ص ۲۱

(۱۶) برہان پور کے اہم مرثیہ نگار: ڈاکٹر جلیل الرحمٰن، رشید بک ڈپو برہان پور ۲۰۰۳ء ص ۹۴

(۱۷) نعت: شفیق رازؔ، بشمول مجموعہ کہکشاں: مرتب و ناشر ایڈوکیٹ عابد احمد خان طالبؔ ہاشمی ۲۰۱۸ء ص ۲۳

(۱۸) نعت: احسان اللہ احسانؔ خلیقی، بشمول مجموعہ کہکشاں: مرتب و ناشر ایڈوکیٹ عابد احمد خان طالبؔ ہاشمی ۲۰۱۸ء ص ۲۴

(۱۹) نعت: قیصرؔ انصاری، بشمول مجموعہ کہکشاں: مرتب و ناشر ایڈوکیٹ عابد احمد خان طالبؔ ہاشمی ۲۰۱۸ء ص ۲۵

(۲۰) ماسٹر خورشید احمد (برادر اصغر محمودؔ نیپانگری) سے دست یاب شدہ کلام

(۲۱) قلمی بیاض: ستار انجمؔ خلیقی برہان پوری

(۲۲) نعتیہ شعری مجموعہ 'الف میم' مرزا حفاظت بیگ ماہرؔ، ۲۰۰۸ء

(۲۳) خلیلؔ جہانگیر کے فرزند اشفاق انجم سے دست یاب شدہ نعت

(۲۴) اقبال نقیبؔ کے فرزند طارق سعید سے دست یاب شدہ نعت

(۲۵) عابد احمد خان طالبؔ ہاشمی سے ناصرؔ شاہی کی دست یاب شدہ نعت

(۲۶) مجموعہ نعت و سلام 'جلوۂ نور'، بسم اللہ عدیمؔ ۲۰۰۳ء

(۲۷) مجموعۂ کلام تازہ گلاب: ساغرؔ خلیقی مئی ۲۰۱۰ء

(۲۸) رحمٰن ثاقبؔ سے دست یاب شدہ کلام، نیز مختصر کوائف نامہ: رحمٰن ثاقبؔ برہان پوری، ۲۴ر اکتوبر ۲۰۱۴ء

(۲۹) اظہارؔ خلیقی سے دست یاب شدہ کلام

(۳۰) تذکرۂ شعرائے برہان پور (بیسویں صدی کے آئینہ میں) ڈاکٹر عارف انصاری، فاضلی اردو سوسائٹی برہان پور ۲۰۰۹ء ص ۱۹۵

(۳۱) ایڈوکیٹ عابد احمد خان طالبؔ سے دست یاب شدہ نعت

☆☆☆

ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیلؔ راٹھوی (راٹھ۔ یوپی)

''نعت'' کا لفظ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی کے لئے ہی زیادہ موزوں ہے

''عربی محاورہ: (هُوَ نَعةٌ) وہ خوبی میں بہترین ہے۔'' (فن نعت گوئی کا مختصر جائزہ۔ ڈاکٹر ظفر اقبال۔ بحوالہ کائنات رحمۃ العالمین نمبر کراچی ص: ۴۵۵)

عربی کے اس محاورے سے لفظ نعت کے مفہوم کی روح کا پتہ چلتا ہے یعنی لفظ نعت کا استعمال اسی کے لئے ہے جو خوبی میں بہترین ہو۔ کون خوبی میں بہترین ہے یہ معلوم کرنے کے لئے قرآن کریم کے فرمان ہیں۔

﴿لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم﴾ (پارہ۔۳۰، التین)

''ہم نے انسان کو تمام مخلوق میں بہترین صورت میں بنایا''

﴿هو الذی خلق لكم ما في الارض جميعاً﴾ (پارہ۔۱، البقرۃ)

''وہ (رب) وہی ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے''۔

﴿وَاذقَالَ رَبّكَ لِلمَلٰئكَةِاِنّی جَاعِلٌ في الارَضِ خَلِيفَةً﴾ (پارہ۔۱، البقرۃ)

''اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں''۔

قرآن کے مطابق اللہ نے انسان کو تمام مخلوق میں بہترین صورت میں بنایا۔ زمین میں جو کچھ بنایا سب انسانوں کے لئے بنایا۔ زمین میں انسانوں کو اپنا نائب بنایا وغیرہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ انسان خوبی میں بہترین ہے اور تمام مخلوق پر اسے فضیلت بخشی ہے۔

آدم علیہ السلام کی تخلیق اور تمام فرشتوں کو تعظیمی سجدہ کرنے کا حکم۔ فرشتوں کا سجدہ کرنا۔ ابلیس کا انکار کرنا اور اسے لعنت کا طوق ڈال کر نکالا جانا۔ آدم کے فرشتوں اور جناتوں سے بہتر ہونے کا ثبوت ہے۔

آدم علیہ السلام انسانی تخلیق کی بنیاد ہیں ۔قرآن کے فرمان کے مطابق آدم کی فرشتوں اور جناتوں پر افضلیت نے انسان کو روز اول ہی سے تمام مخلوق میں افضل اور بہتر بنادیا ۔عربی محاورے کے مطابق نعت کا لفظ دوسری مخلوقات کے مقابلے انسان کی تعریف کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ قرآن میں انسانی مراتب کا سلسلہ افضلیت اور بہتری کے اعتبار سے یوں ہے۔

انبیاء ورسل، صحابہ کرام، شہداء، اولیاء اللہ اور بزرگان دین۔

انبیاء کا مقام سب سے افضل سب سے اعلیٰ اور بہتر ہے اور انبیاء میں ہی رسول وہ ہوئے جن پر اللہ نے کتاب نازل فرمائی اس طرح وہ نبی جو رسول بھی ہیں دوسرے انبیاء میں افضل ہوئے۔

قرآن میں اللہ کا فرمان ہے:

﴿**نرفع درجٰتٍ من نشاء**﴾ (پارہ ۱۳۔ یوسف)

(ہم جسے چاہیں درجات میں بلند کریں)

﴿**تلك الرّسل فضلنا بعضهم علیٰ بعض**﴾ (پارہ ۳۔البقرۃ)

(یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا)

یعنی رسولوں میں بھی اللہ نے کسی کو دوسرے رسولوں سے افضل اور بہتر بنایا ہے ۔قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے۔

﴿**سبحان الذی اسریٰ.......سمیعُ البَصیر**﴾ (پارہ ۱۵ بنی اسرائیل) (پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرد ہم نے برکت رکھی ہے کہ اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں ۔ بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔)

یہ سفر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا جس کی تفسیر میں مفسرین نے مسجد اقصیٰ میں انبیاؤرسل کے نماز پڑھنے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نماز پڑھانے یعنی امامت کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معراج کو جاتے ہوئے سارے نبیوں کو نماز پڑھائی ۔'' (مراۃ المشکوٰۃ۔احمد یار خاں ادارۂ استقامت ریل بازار کانپور ص:۳۷۵)

سرور القلوب میں تحریر ہے:۔

> ''الغرض آپ وہاں سے روانہ ہو کر مسجد اقصیٰ میں پہنچے۔ حضرت ابراہیم اور موسیٰ اور داؤد اور سلیمان اور عیسیٰ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امام ہوئے اور پیغمبروں نے آپ

کے پیچھے نماز پڑھی' (سرور القلوب۔ مولانا شاہ نقی علی خان بریلوی ۱۹۸۵ء
رضا اکیڈمی بمبئی ۳ ص: ۲۷۸)

انبیاء ورسل کی امامت نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام انبیاء ورسل میں سب سے افضل اور بہتر ثابت کر دیا۔ اس طرح نعت کا لفظ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہوا۔

اللہ نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بے شمار مراتب اور خوبیوں سے نوازا ہے۔

﴿وما ارسلنٰك الا رحمةً للعالمين﴾ (پارہ ۱۷۔ انبیاء)

(اور ہم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا)

﴿انّك لعلى خُلقٍ عظيم﴾ (پارہ ۔۲۹۔ القلم)

(تحقیق کہ آپ اخلاق میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں)

﴿ورفعنا لك ذكرك﴾ (پارہ ۔۳۰۔ الم نشرح)

(اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو بلند کیا)

﴿انّا اعطينٰك الكو ثر﴾ (پارہ ۔۳۰۔ کوثر)

(اے محبوب! بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائی ہیں)

اللہ نے جسے رحمۃ للعالمین بنایا۔ جس کا اخلاق سب سے بڑھا ہوا تصدیق کیا۔ جس کے ذکر کو بلند فرمایا اور جس کو بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں، بس اسی کے لئے **ھُـوَ نَـعةٌ** کے مفہوم کی روح کے مطابق لفظ ''نعت'' کا استعمال موزوں ہے۔ اور وہ ذات محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے۔ اس لئے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوبیاں بیان کرنے کے لئے لفظ ''نعت'' ہی سب سے زیادہ موزوں ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی تعریف وتوصیف کے لئے لفظ ''نعت'' کا استعمال کیا۔

(ترجمہ) حضرت انس سے مروی ہے: کہ ایک یہودی کا لڑکا جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف حاصل کرتا تھا، بیمار ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیادت کو اس کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ نے لڑکے کے سرہانے اس کے باپ کو تورات پڑھتے ہوئے دیکھ کر اس سے (لڑکے کے باپ سے) فرمایا:

''اے یہودی! میں تجھ کو اس خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں جس نے

حضرت موسیٰ پر تورات نازل فرمائی کہ کیا تورات میں میری نعت، میری صفت اور میرے مخرج (بعثت ہجرت، مدفن) کا تذکرہ پاتا ہے؟ اس نے (لڑکے کے باپ نے) جواباً انکار کیا۔ تو لڑکا بول اٹھا کہ خدا کی قسم میں تورات میں آپ کی نعت، آپ کی صفت اور آپ کے مخرج کا تذکرہ پاتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بلاشبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔'' (المشکوٰۃ المصابیح: ۵۱۸ مطبع مجیدی پریس کانپور بحوالہ نعتیہ شاعری کا ارتقاء ڈاکٹر محمد اسماعیل ص: ۲۲۔۲۳)

معلم اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نثری نعت:

''اور میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور مجھے کوئی فخر نہیں ...... میں پہلا شخص ہوں گا کہ جنت کے دروازوں کو حرکت دے کر اس میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ مسلمان فقیر ہوں گے اور مجھے کوئی فخر نہیں ...... اور اس دن اللہ کی حمد وثنا کا پرچم میرے ہاتھ میں ہوگا اور حضرت آدم اور ان کے سوا دوسرے لوگ میرے پرچم کے نیچے ہوں گے اور مجھے کوئی فخر نہیں۔'' الحدیث

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی افضلیت خود بیان فرمادی اور انداز خطابت کی بے مثل نظیر پیش کردی۔ ''یہ سوال کیا جائے کہ دنیا میں کون ہستی ہے جس میں جامعیت کبریٰ کا وصف نمایاں ہے، تو ہر طرف سے مختلف صدائیں آئیں گی۔ لیکن اگر یہی سوال اس پیرائے میں بدل دیا جائے کہ دنیا میں وہ کون شخص گزرا ہے جس کا نامۂ زندگی اس طرح قلم بند ہو کہ ایک طرف تو صحت کا یہ انتظام کہ کسی صحیفۂ آسمانی کے لئے بھی نہ ہوسکا اور دوسری طرف وسعت اور تفصیل کے لحاظ سے یہ حالت کہ اقوال وافعال، وضع وقطع، شکل وشباہت، رفتار وگفتار، مذاق طبیعت، انداز گفتگو، طرز زندگی، طریق معاشرت، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی ہو۔ تو اس سوال کے جواب میں صرف ایک صدا بلند ہوسکتی ہے۔ ''محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فدیتہٗ بابی وامّی'' (سیرۃ النبی۔ حصہ اول۔ شبلی نعمانی ص: ۵ (فہرست مضامین کے بعد)

انسان کو جہاں جہاں بھی رہبری کی ضرورت ہے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلیٰ قسم کی رہبری فرمائی ہے۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام اور مرتبہ بس یہ کہ۔ ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' ویسے تو قرآن اور حدیث کے بعد کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں۔ پھر بھی دنیا کی دوسری مقدس

اور اہم ترین کتب محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افضل اور خوبی میں بہترین ہونے کا ثبوت پیش کر رہی ہیں۔ کیوں نہ ان سے کچھ کا حوالہ بھی پیش کرتے چلیں۔

قدیم کتب و عظیم ہستیوں کی پیشین گوئیاں حضرت سلیمان کی کتاب میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر میں ان کے مراتب کا پتہ چلتا ہے۔

''میرا محبوب سرخ و سفید ہے۔ دس ہزار آدمیوں میں وہ جھنڈے کی مانند کھڑا ہے اس کا سر ایسا ہے جیسے چوکھا سونا، اس کی زلفیں پیچ در پیچ ہیں اور کوے کی سی کالی ہیں اور اس کی آنکھیں اس کبوتر کے مانند ہیں جو دودھ میں نہا کر لبِ دریا تمکنت سے بیٹھے' اس کے رخسار پھولوں کے چمن و بلسان کی اُبھری ہوئی کیاری کے مانند ہیں جس کے ہونٹ سوسن کی طرح، اس کے ہاتھ ایسے جیسے سونے کی لڑیاں جن میں ترسیں کے جواہر جڑے ہیں۔ اس کا پیٹ ہاتھی دانت کی طرح ہے جس پر نیلم کے گل بنے ہوں، اس کے پاوں ایسے سنگ مرمر کے ستون جو سونے کے پایوں پر کھڑے کئے جائیں، اس کا قد لانبا اور خوبی میں رشک سرو ہے' اس کا منہ شیریں ہے۔ سراپا عظیم ہے۔ اے یروشلم کے بیٹو! یہ میرا پیارا یہ میرا جانی ہے'۔

(غزل الغزلات ۵!۱۶۔۱۰ (بحوالہ کائنات رحمۃ اللعالمین نمبر کراچی ص: ۲۰۔۲۱)

یہ تمام خوبیاں کسی سے منسوب کی جاسکتی ہیں تو وہ ذات محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے یوں خطاب کیا۔ ''اور میں باپ سے دعا کروں گا کہ وہ تمہیں ایک دوسرا فارقلیط دے جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔''

(یوحنا ر۔۱۴:۱۶ (بحوالہ کائنات رحمۃ اللعالمین نمبر کراچی ص: ۱۹)

''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کرونگا کیوں کہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ بھی نہیں۔'' اور عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے سردار محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہیں۔ (یوحنا۔۱۴:۳۰ (بحوالہ کائنات رحمۃ اللعالمین نمبر کراچی ص: ۱۹)

"مگر جب فارقلیط آئے گا جیسے میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے
بھیجوں گا۔روح حق جو باپ کی طرف سے آئے گی وہ میری شہادت دے گی۔"
(یوحنا۔۱۵:۲۶ (بحوالہ کائنات رحمۃ اللعالمین نمبر کراچی ص:۱۹)
البتہ جب وہ روح حق آئے گی تو وہ تمہیں ساری سچائی کی طرف
رہنمائی کریگی۔کیونکہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گی۔مگر وہ جو کچھ سنے گی
کہے گی،اور وہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گی۔"
(یوحنا۔۱۶:۱۳ (بحوالہ کائنات رحمۃ اللعالمین نمبر کراچی ص:۱۹)

فارقلیط عبرانی لفظ ہے اس کے معنیٰ "احمد" ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے کچھ نہ کہا ہمیشہ وہی کہا جو اللہ کا حکم ہوا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غیب کی خبریں دیں۔آنے والے مستقبل کی خبریں دیں۔جو آگے چل کر اور آج تک سچ ثابت ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔اس طرح عیسائی مذہب کے مطابق محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افضل اور بہترین ہیں۔

وید بیاس کی پیشین گوئی

وید بیاس نے ایک کتاب "پوتھی رام سنگ رام" لکھی ہے اور گوسائیں تلسی داس نے بزبان بھاشا اس کا ترجمہ اسی کے حاشیہ پر کیا ہے۔اس کے کانڈ منتر ۱۲،ص۔۲۱۱ پر تلسی داس لکھتے ہیں:-

یہاں نہ میں کچھ بات راکھوں　　وید پران ست ست بھاگوں
برکھ سین دس سنبدم ہوئی　　نہ کہ بعد نہ پائے کوئی
دیس عرب میں بھرکتا ہائی　　سوتھل بھوم گت سنو کتھک رائی
سمنو ست ساگر ہوئی　　سندرم دیس تھتھ موئی
سمت بکرم کہے دو دو انگا　　مہا کرک نس چتر تپ گا
چتر سلام ست جاری　　تن کی تلسی ہوئی بہو بہاری
تب لگ وج سندرم چھہ کوئی　　نیا بن محمد پار نہ ہوئی
ہوئے سنگ لنگ اوتار　　مہدی کہیں سنگل سنسار
پھر سندرم تمام نہ ہوئی　　تلسی بچن ست ست گوئی

ترجمہ:-میں اپنی جانب اور طرفداری سے کچھ نہ کہوں گا بلکہ جو وید اور پرانوں میں لکھا ہے وہی

سچ سچ کہوں گا۔ دس برس تک ولایت تمام ہوگی بعد کو یہ مرتبہ کوئی نہیں پا سکے گا۔ دیس عرب میں خوشنما تارہ طلوع کرے گا، جس جگہ یہ ستارہ طلوع کرے گا وہ اچھی شان کی زمین ہوگی۔ ان ہونی بات یعنی معجزے اس سے ظہور میں آئیں گے۔ زمین میں ولی کامل قائم کیا جائے گا۔ سمت بکرماجیت کے سمندروں کی تعداد کے مطابق ہوگا۔ نہایت اندھیری رات میں مثل چار آفتاب کے چمکے گا۔ اس کے چار خلیفہ ہونگے ان سے نسل بہت بھاری ہوگی۔ اس کے دین کے جاری رہنے تک جو خدا تک پہنچنا چاہے وہ بغیر محمد کے پار نہ ہوگا۔ تب ایک مرد کامل ہوگا جہاں والے اس کو مہدی کہیں گے۔ بعد ان کے ولایت نہ ہوگی۔ تلسی داس سچ سچ کہتے ہیں۔ (مولوی دہلی۔ رسول نمبر جلد ۱۷ ماہ صفر ماہ ربیع الاوّل ۱۳۵۲ھ)

دوسرا حوالہ

بیاس جی کی لکھی ہوئی مشہور کتاب "پوتھی سنگ رام" میں تحریر ہے جس کا ترجمہ تلسی داس نے کیا ہے:-

> "عرب کے دیس میں ایک ستارہ ہوگا۔ سمت بکرم کی ساتویں صدی میں پیدا ہوگا۔ ان سے اَن ہونی بات ظہور میں آئے گی۔ اندھیری رات میں مثل آفتاب چمکے گا۔ بادشاہی طریقے پر خلق و محبت کرے گا اور اپنا مذہب سب کو سمجھائے گا۔ اس دین کے رہنے تک جو کوئی خدا تک پہونچتا ہے بغیر محمد کے پار نہ ہوگا۔"

(کائنات ورحمت اللعالمین نمبر ص:۳۶)

اس طرح بیاس جی نے جس کا ترجمہ تلسی داس نے کیا اپنی کتاب میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق جو کچھ بھی لکھا ہے اس سے آپ کے مراتب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی افضلیت کا ثبوت ملتا ہے۔

مہا تما گوتم بدھ نے اپنے چیلے کو آخری زمانے میں نصیحت کی تھی۔ اور ایک آنے والی برگزیدہ ہستی کا نام "متیریا" بتایا تھا۔ جس کے معنیٰ "محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کے ہیں۔

مہا تما گوتم بدھ نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو برگزیدہ بتا کر آپ کی عظمت کا ثبوت پیش کیا ہے

لین پول نے کہا: -"ظلم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سرشت میں نہیں تھا۔

پاس ورتھ اسمتھ کا بیان ہے: -"انھوں نے عمر بھر کسی کو اپنے ہاتھ سے نہ مارا کوئی مصافحہ کرتا تو نہ وہ اپنا ہاتھ الگ کرنے میں پہل کرتے نہ خود اس سے علیٰحدہ ہوتے۔ گفتگو بہت نرم اور شیریں کرتے۔"

۱- قرآن کریم کے مطابق محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلق کو عظیم بتایا۔ آپ کے ذکر کو بلند کیا اور آپ کو بے شمار

خوبیاں عطا کیں۔

۲- توریت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کا تذکرہ افضلیت کے ساتھ موجود ہے۔

۳- انجیل مقدس میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد، اوصاف اور اسم مبارک کا ذکر ہے۔

۴- مہاتما بدھ نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم شریف بتا کر اوصاف بیان کئے۔

۵- ویدوں میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم شریف بیان ہوا اور تعریف ہوئی۔

۶- عظیم مصنفوں نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوبیاں بیان کیں۔

۷- کفار مکہ نے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن تھے آپ کی خوبیوں کو تسلیم کیا۔

دنیا کی تقریباً تمام مستند مذہبی کتابوں میں جس کی خوبیوں کو بہترین بتایا گیا۔ جس کی تعریف کی گئی۔ جسے سردار، پاک ذات بتایا گیا ہے وہ ذات محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔

بلاشبہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوق میں سب سے افضل اور خوبی میں بہترین ہیں۔

اس طرح **هُوَ نَعتٌ** ' کا مفہوم ذات محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گرد گھومتا نظر آتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے لئے لفظ نعت کا خود استعمال کر کے اس کی تصدیق کر دی کہ یہ لفظ انھیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے موزوں ہے۔

☆☆☆

تنویر پھولؔ (نیویارک)

''وفات النبی، حیات النبی اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم''

مشاہدے میں آیا ہے کہ کچھ لوگ بلا سمجھے بوجھے مذکورہ بالا موضوع پر بحث میں اپنی توانائیاں صرف کرتے ہیں، ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں اور فریق مخالف کو شیطان اور گمراہ قرار دیتے ہیں جبکہ سورۃ الحجرات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہوسکتا ہے وہ اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں مبتلا ہونا بہت بری بات ہے، جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔'' یہاں ایک نکتے کی طرف توجہ دلانی مقصود ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ ''شہیدوں کو مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں اور رزق پا رہے ہیں لیکن تم یہ بات نہیں سمجھ سکتے''۔ ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ شہید سے بڑا ہے اس لئے ہمیں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں تردد کا شکار نہیں ہونا چاہیئے۔ ہم اسے سمجھ نہیں سکتے، یہ غیب کی باتیں ہیں اور ایمان کی پہلی شرط ہی غیب پر ایمان لانا ہے (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۳)۔ اس بحث کے نتیجے میں ایسا نہ ہو کہ شان رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی گستاخی سرزد ہو جائے اور سارے اعمال اکارت ہو جائیں (سورۃ الحجرات، آیات نمبر ا، اور ۲)۔ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو عام لوگوں کی موت کی طرح سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بڑا بھائی سمجھو۔ اس بات پر ہنسی آتی ہے کہ زمرۂ علما میں شامل ہونے کا دعویٰ کرنے والے ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟ ذرا قرآن پر ہی غور کر لیتے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا کو قرآن نے امہات المومنین قرار دیا ہے۔ جب وہ مسلمانوں کی مائیں

ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کم از کم باپ کے برابر تو ہوئے، بڑے بھائی کیسے ہو گئے؟

اب آیئے وفات اور حیات کے مسئلے کی طرف، قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی وفات (**انی متوفیک**) کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے جبکہ وہ آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے۔

(سورہ آل عمران، آیت نمبر ۵۵)۔

دنیا کی دائمی زندگی کسی کو نہیں ملی، ہاں شیطان کو قیامت تک کی زندگی اُس کی خواہش پر عطا کی گئی ہے۔ آخرت کی زندگی حسب مراتب عطا کی جاتی ہے جس کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ ایک بات یہ بھی غور کرنے کی ہے کہ شہیدوں کو زندہ کہا گیا لیکن ان کی بیوائیں دوسری شادی کر سکتی ہیں جبکہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسا کرنا یا کسی کو اُن کے بارے میں ایسا سوچنا بھی سختی سے ممنوع ہے (سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۵۳)۔ یہ بھی دیکھیں کہ لفظ ایک ہی استعمال ہوتا ہے لیکن دیکھنا پڑتا ہے کہ یہ کس تناظر میں اور کس کے لئے استعمال ہوا ہے؟ قرآن میں فرمایا "**کل نفس ذآئقة الموت**" (ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے) لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بھی لفظ ''نفس'' استعمال کیا ہے (سورۃ الانعام، آیت نمبر ۱۲)، نعوذ باللہ کسی کو غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہئے قرآن کو مکمل طور پر سمجھنا چاہئے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہیں۔ دونوں جگہ لفظ ''نفس'' ہے لیکن یہ دیکھا جائے گا کہ کس کے لئے ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات الحی القیوم ہے اس لئے یہاں نفس کے معنی دوسرے ہوں گے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو عام لوگوں کی طرح سمجھنا صریح غلطی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور وفات (دونوں کا دن پیر بتایا جاتا ہے) کی تاریخوں کے بارے میں اختلاف ہے، ولادت کی تاریخ ۹/ربیع الاول، ۱۲/ربیع الاول اور اہل تشیع کی روایات میں ۱۷/ربیع الاول بتائی جاتی ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی تاریخ وہ ۱۲/ربیع الاول نہیں بلکہ ۲۸/صفر بتاتے ہیں۔ بارہ وفات کے مہینے کی ترکیب عوام الناس کی زبان ہے جس طرح وہ صفر المظفر کو تیرہ تیزی اور ذیقعد کو خالی کا مہینہ کہتے ہیں، اس کی کوئی مستند حیثیت نہیں ہے۔ شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے یا نہ دیکھنے کا معاملہ بھی نزاعی بنا لیا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ کوئی نظر اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جو روشنی دیکھی تھی اور جسے وہ آگ سمجھے تھے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہی تھا، انھوں نے اسے دیکھا لیکن جب مزید کی خواہش کی تو تاب نہ لا سکے اور بے ہوش ہو گئے۔ اپنی وسعت کے مطابق دیدار تو انھوں نے بھی کیا۔ اسی طرح شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں زیادہ ہی دیکھا لیکن کتنا دیکھا؟

یہ ہمیں نہیں معلوم، اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ معراج کی شب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا (اور قیامت میں جنتی بھی کریں گے جو حدیث سے ثابت ہے) جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اس کے خلاف ہے لیکن جب معراج کا واقعہ ہوا تھا اُس وقت وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں نہیں آئی تھیں اس لئے اس مسئلے میں جھگڑنا نہیں چاہئے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب ''فیوض الحرمین'' کے صفحہ نمبر ۳۳ پر مکہ مکرمہ میں جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس موقع پر انوار کے ظہور کا تذکرہ کیا ہے جو انھوں نے مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں خود محسوس کیا۔ وہ رقمطراز ہیں: ''اس سے پہلے میں مکہ معظّمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد مبارک میں تھا، میلاد شریف کے روز لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے تھے اور وہ معجزے بیان کرتے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت ظاہر ہوئے تھے اور وہ مشاہدے جو اعلان نبوت سے پہلے ہوئے تھے تو میں نے دیکھا کہ یکبارگی انوار ظاہر ہوئے ہیں۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا ان آنکھوں سے دیکھا اور نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ فقط روح کی آنکھوں سے۔ خدا جانے کیا امر تھا ان آنکھوں سے دیکھا یا روح کی۔ پس میں نے تامل کیا تو معلوم ہوا کہ یہ نور اُن ملائکہ کا ہے جو ایسی مجلسوں اور مشاہد پر موکل و مقرر ہیں اور میں نے دیکھا کہ انوار ملائکہ اور انوارِ رحمت ملے ہوئے ہیں''۔ صفحہ نمبر ۳۵ پر رقمطراز ہیں: ''میں نے دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر امور میں اصلی صورت مقدس میں بار بار، باوجودیکہ مجھے بڑی آرزو تھی کہ روحانیت میں دیکھوں نہ جسمانیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو، پس مجھ کو دریافت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے روح کو صورتِ جسم میں کرنا اور یہ وہی بات ہے جس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا ہے کہ انبیاء نہیں مرتے اور اپنی قبروں میں نماز پڑھا کرتے ہیں اور انبیاء حج کیا کرتے ہیں، اپنی قبروں میں وہ زندہ ہیں وغیرہ وغیرہ اور جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجا تو مجھ سے خوش ہوئے اور انشراح فرمایا اور ظاہر ہوئے اور یہ اس واسطے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین ہیں''۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب ''فیوض الحرمین'' اس لنک پر دیکھی جاسکتی ہے:

https://archive.org/stream/Fuyooz-ulHaramainarabicWithUrduTranslation/00357_FUYOOZ-UL-HARAMAIN-ur#page/n6/mode/2up

جان لو، جاوداں کوئی اُن ﷺ سا نہیں وہ بھی زندہ، شہادت ہے جس کو ملی

پھولؔ! بعد از خدا اُن ﷺ کا ہے مرتبہ خلق میں بے گماں کوئی اُن ﷺ سا نہیں

لاہور سے شائع ہونے والے ایک جریدے میں دارالعلوم اٹک سے تعلق رکھنے والے ایک حافظ صاحب نے ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ اپنی آخری علالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دختر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی۔ میں نے جواباً لکھا کہ حدیث میں ''قیامت کے دن'' کے الفاظ میں نے نہیں پڑھے، یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور یہ ایک پیش گوئی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اہل بیت رضی اللہ عنہم میں سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ حافظ صاحب موصوف حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تردد کا شکار تھے اس لئے انھوں نے حدیث میں ''قیامت کے دن'' کے الفاظ بڑھا دیئے۔ دراصل ہم حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح ادراک نہیں کر سکتے جس طرح شہدا کی حیات کا، جو قرآن سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ شہید سے بڑا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شعر میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس طرح کیا:

تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ ! مری چشمِ ظاہر سے چھُپ جانے والے

صبیح رحمانی کا یہ خوب صورت نعتیہ شعر بھی اسی کیفیت کی عکاسی کر رہا ہے:

میں لب کشا نہیں ہوں کہ یہ جانتا ہوں میں سنتے ہیں وہ ﷺ صدائیں سکوتِ نگاہ کی

ایک صاحب نے راقم الحروف کے مجموعۂ نعت ''قندیلِ حرا'' میں ایک نعت پڑھی جس کا مطلع یہ تھا:

آپ جیسا یا نبی ﷺ! با حوصلہ کوئی نہیں کھا کے پتھر دشمنوں کو دے دعا، کوئی نہیں

فرمانے لگے، نعت تو اچھی ہے لیکن آپ نے ''یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم!'' کہہ کر اسے قابل اعتراض بنا دیا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ قائد اعظم محمد علی جناح کو اُن کی وفات کے بعد ''اے قائد اعظم!'' کہنے پر تو اعتراض نہیں کرتے، میرا اشارہ اس مشہور شعر کی طرف تھا:

یوں دی ہمیں آزادی کہ دنیا ہوئی حیران
اے قائد اعظم! ترا احسان ہے احسان

لیکن نعت میں ''یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم!'' کہنے پر اعتراض کر رہے ہیں! اس پر وہ لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار بھی سند کی حیثیت رکھتے ہیں:

یا مصطفی ﷺ ! یا مجتبیٰ ﷺ ! اِر حم علیٰ عصیا ننا
مجبورۃ اعمالنا ذنب وّ طمع وّ الظلم
یا رحمۃ للعالمین ﷺ ! اَد رِك لزین العابدین
محبوسِ ایدی الظالمین فی الموکبِ و المزدحم

ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ یہ اشعار حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے نہیں ہوسکتے کیونکہ ''زین العابدین'' اُن کا تعریفی لقب تھا اور وہ خود اسے اپنے لئے استعمال نہیں کر سکتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا تعریفی لقب ''صدیق'' اپنی مناجات میں بطور تخلص استعمال کیا ہے:

انت وافی انت کافی فی مھمّات الامور
انت حسبی انت ربی انت لی نعم الوکیل
ابن موسیٰ ابن عیسیٰ ابن یحییٰ ابن نوح
انت یا صدیقِ عاصٍ تب الی المولی الجلیل

جو لوگ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ جو سال میں ایک ایک مرتبہ آتی ہیں لیکن وہ یہ بھول گئے کہ حدیث میں جمعہ کو بھی عید المومنین کہا گیا ہے جو سال میں ہر ہفتے ہی ہے۔ عید اُس خوشی کے دن کو کہتے ہیں جو بار بار آئے۔ یہ لوگ ''بدعت بدعت'' کی تکرار کرتے ہیں لیکن "**بدعت سیئہ**" اور "**بدعت حسنہ**" کا فرق نہیں سمجھتے۔ بدعت کا مطلب ہے نئی چیز ایجاد کرنا۔ "**البدیع**" اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنٰی میں شامل ہے جو اسی کا اسم فاعل ہے۔ اچھی بات اچھی ہوتی ہے اور بُری بات بُری ہوتی ہے۔

اگر یہ لوگ ہر نئی بات کو بدعت کہہ کر ممنوع قرار دیتے ہیں تو قرآن کو کتابی شکل میں لانے اور نماز تراویح کی پابندی کرنے کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے؟ مساجد میں برقی پنکھے اور ایئر کنڈیشنر کیوں لگاتے ہیں؟ اونٹ پر سواری کی جگہ کاریں اور ہوائی جہاز کیوں استعمال کرتے ہیں؟ خصوصاً حج اور عمرے کے سفر کے لئے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک صاحب نے رکوع کے بعد **سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا لك الحمد** کے بعد **حمداً کثیراً طیباً مبارکا فیہ** بھی کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا اور اُن کی تحسین کی۔ یہ بھی عجیب ستم ظریفی ہے کہ سعودی عرب والے جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کے خلاف ہیں

لیکن ہر سال اپنا قومی دن بڑے دھوم دھام سے مناتے ہیں! اُن کے فلسفے کے مطابق تو یہ بھی بدعت ہے اس لئے ممنوع ہونا چاہئے۔

حمد و نعت میں لفظ ''عشق'' استعمال کرنے کے خلاف جاپان کے ایک اردو اخبار میں ایک صاحب نے یہ بے تکی دلیل پیش کی کہ لفظ ''عشق'' بہت ہی خراب ہے، کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ اپنی بہو سے عشق کرتے ہیں؟ اتنا خراب لفظ حمد و نعت میں کس طرح استعمال ہو سکتا ہے۔ راقم الحروف نے انھیں جواب دیا کہ کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ اپنی بہو کا بوسہ لیتے ہیں؟

آپ کے کہنے کے مطابق لفظ ''بوسہ'' بھی قبیح و مردود ٹھہرا پھر آپ حجر اسود کا بوسہ لینے کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ دیکھا یہ جاتا ہے کہ لفظ کس کے لئے اور کس تناظر میں استعمال ہو رہا ہے؟ اس مقالے کے شروع میں ''وفات'' اور ''نفس'' کے بارے میں بھی یہ وضاحت موجود ہے جسے ایک بار پھر ملاحظہ کر لیجئے۔

☆☆☆

ڈاکٹر سراج احمد قادری (مدیر مجلّہ)

ہندوستان میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری پر تحریر کیے گئے تحقیقی مقالوں کا ایک تعارفی جائزہ

تحقیق وتنقید کا موضوع فن کی تخلیق سے ہم رشتہ ہے، علوم وفنون کی ارتقاء کے ساتھ تحقیقی وتنقیدی مدارج بھی ہمیشہ ارتقاء پذیر رہے اور صورتِ حال یہ ہے کہ ماہرین علوم فنون کی توجہات اور ان کی علمی بصیرت کے سبب اس میدان میں روز بروز نئے نئے زاویے اور گوشے وجود میں آ رہے ہیں اور مستقبل میں بھی آتے رہیں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

ماہرین فن نے تحقیق وتنقید کے فن پر باقاعدہ کتابیں تصنیف کر اس کے اصول وضوابط بھی متعین کیے ہیں جو ہمارے لیے مشعلِ راہ کا درجہ رکھتے ہیں، مگر عصر حاضر میں یونیورسٹی لیول پر قلم بند کیے جانے والے کچھ تحقیقی وتنقیدی مقالے اعتراضات کی زد میں ہیں اس کی وجہ معیار کا فروتر ہونا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب ایسے ہی غیر معیاری تحقیقی وتنقیدی مقالوں کا ذکر اپنے ایک تحقیقی مقالہ ''تحقیقِ نعت: صورتِ حال اور تقاضے'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

> ''اب تک دوسو سے زیادہ مقالات پی ایچ ڈی اور ایم فل دونوں سطحوں پر، ادبی شخصیات کے احوال وآثار پر لکھے جا چکے ہیں، لیکن کتنے ہیں جنہیں ''مولوی نذیر احمد'' (از افتخار امام صدیقی)، ''رجب علی بیگ سرور'' (از: نیر مسعود) اور ''امین الدین علی اعلیٰ'' (از حسینی شاہد) کے معیار کا کہا جا سکے۔ یہ شخصیات بھی اپنے زمرے میں تاریخ ادب میں ہمیشہ زندہ رہنے والی ہیں اور حسنِ اتفاق سے انہیں محققین اور مصنّفین بھی ایسے ملے جنھوں نے

اس قدر محنت، تلاش وجستجو اور سلیقے کا ثبوت دیا کہ ایک نظیر پیش کردی کہ شخصیات پر اگر کام کیے جائیں تو وہ ایسے ہوں۔(ورنہ کراچی یونیورسٹی میں ۲۰۰۳ء میں تو ایک کام زندہ شاعر، کالم نویس اور ایک ادبی ادارے کے ایک عالی مقام منصب دار پر، جن کا ذکر معاصر ادب پر لکھی جانے والی کسی معیاری تاریخ ادب میں شاید کبھی نہ آسکے گا۔لیکن ان پر ان کی زندگی ہی میں ان کی خواہش اور ان کے سماجی اثرات کے نتیجے میں، پی ایچ ڈی کا مقالہ ایک ''فاضل'' نگران نے صرف دو ماہ کے عرصے میں لکھوادیا اور ایسے ناجائز طریقے بھی اختیار کیے کہ تمام ضوابط پس انداز کرکے سند بھی دلوادی جس کے صلے میں اسی بااثر شخصیت کے زیر اثر ''فاضل'' نگران صاحب موضوعِ مذکور کی زیر اثر ایک یونیورسٹی میں ایک اعلیٰ عہدے پر ''سرفراز'' بھی ہوگئے! شخصیات پر ''تحقیقی'' کاموں کی ایسی داستانیں مزید بھی ہیں۔'' [۱]

ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب نے تحقیق وتنقید کے موضوع پر ایک کتاب ''اردو تحقیق: صورتِ حال اور تقاضے'' تحریر کی ہے۔ان کی یہ کتاب ان کے تحقیقی وتنقیدی مقالات ومضامین اور تبصروں پر مشتمل ہے جو اوّلاً ۲۰۰۸ء میں مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد اور دوسری بار مزید اضافے کے ساتھ القمر انٹر پرائزز، لاہور، پاکستان سے ۲۰۱۴ء میں شائع ہوچکی ہے۔ چونکہ اس کتاب میں تحقیقی امور سے بحث کی گئی ہے لہٰذا اُس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کتاب کو پاکستان کی بعض یونیورسٹیز نے اسے ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے نصاب میں بھی شامل کیا ہے۔

لیکن تحقیق وتنقید کے میدان میں کوئی بھی تحریر حرف آخر قرار نہیں پاسکتی اس لیے کہ ''علم'' کی صفت اللہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات میں سے ایک ہے اور ''علم'' کا اللہ اور اس کے رسول عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت ہوجانا اس کے بے کراں ہونے کے لیے کافی ہے۔

محترم جناب ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب کی مذکورہ کتاب کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے چنانچہ ڈاکٹر جابر حسین، لیکچرار اردو، اسلام آباد ماڈل کالج برائے طلبہ، ایف ٹین فور، اس کی فروگزاشتوں کے حوالے سے اپنے مضمون 'اردو تحقیق: صورتِ حال؛ اور تقاضے'' کی بعض فروگزاشتیں' میں تحریر فرماتے ہیں:-

''کتاب بنیادی طور پر اپنے تحقیقی موضوعات اور واجب الاحترام ڈاکٹر صاحب کی تحقیقی کدوکاوش کے اعتبار سے بلاشبہ لائق ستائش وقابلِ قدر

ہے لیکن بعض سہویات اور کچھ ایسے فنی مسائل کتاب میں راہ پا گئے ہیں جن کے باعث اس وقیع کاوش کی Orignality اور اس کی ''اردو تحقیق کی رہنما کتاب'' ہونے کی حیثیت کو ٹھیس پہنچی ہے۔ زیرِ نظر مضمون کو تحریر کرتے وقت کتاب کا پہلا ایڈیشن پیشِ نظر رہا۔ امید و توقع تھی کہ کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں ڈاکٹر صاحب متذکرہ مسائل اور سہویات کی جانب خود ہی متوجہ ہو جائیں گے یا ان کا کوئی فاضل دوست ان کی توجہ اس طرف مبذول کرائے گا اور کتاب کا دوسرا ایڈیشن ان کی سہویات سے مبرا ہو کر سامنے آئے گا لیکن ایسا نہیں ہوا اور کتاب کا دوسرا ایڈیشن (۲۰۱۴ء) بھی پہلے ایڈیاشن (۲۰۰۸ء) میں موجود سہویات و مسائل سمیت سامنے آیا۔ زیرِ نظر مضمون محض انہی مسائل و فروگزاشتوں کی جانب واجب الاحترام ڈاکٹر صاحب کی توجہ دلانے کی خاطر خالصتاً نیک نیتی کی بنیاد پر تحریر کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر مسائل و فروگزاشتوں کی نوعیت چار طرح کی ہے۔ ان فروگزاشتوں اور سہویات کا تعلق زیرِ نظر کتاب میں ذکر کردہ کتابوں کے ناموں اور ان کے سنین کے اندراج، مواد کی تکرار اور پہلے بیان کردہ کسی مدعا کی دوسری جگہ تردید جیسے امور سے ہے۔ اس مضمون میں انہی امور کا تفصیل سے جائزہ پیش کیا گیا ہے نیز درست سنین کے اندراج اور تکراری مواد و صفحات کی کمیت و کیفیت کی نشان دہی کی گئی ہے۔''[۲]

مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علمی و ادبی نقوش پر اب تک ملک و بیرون ملک کی یونیورسٹیز میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے تقریباً ۳۵/ کے مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ خود ہندوستان کی چار یونیورسٹیز (۱) بہار یونیورسٹی، مظفر پور، بہار (۲) ہری سنگھ گور یونیورسٹی، ساگر، مدھیہ پردیش (۳) روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی (۴) کان پور یونیورسٹی، کان پور سے چار پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے قلم بند کئے جا چکے ہیں۔ اُن مقالوں میں جن گوشوں کو موضوع بحث بنایا گیا اُن کو یہاں پیش کیا جا رہا ہے جس سے کہ مستقبل میں اگر کوئی ریسرچ اسکالر ان کی نعت گوئی پر کسی یونیورسٹی سے تحقیقی و تنقیدی مقالہ قلم بند کرنا چاہے تو یہ ساری تفصیلات اس کے پیشِ نظر رہیں اور موضوعات یا عناوین کی تکرار نہ ہو اس لیے کہ موضوعات یا عناوین کی تکرار سے تحقیقی و تنقیدی مقالوں کا کمزور ہونا یقینی ہے یا جن موضوعات یا گوشوں پر تحقیق کی جا چکی ہے اُن گوشوں کو اگر تحقیق کا موضوع بنانا ہی ہے تو اس سے

آ گے تحقیقی وتنقیدی کام کوانجام دیا جانا چاہیے جس سے کہ کسی نئی سمت و جہت کا انکشاف ہو سکے اگر ایسا کرنے میں ریسرچ اسکالر کامیاب ہوجاتا ہے تو اس کی تحقیق معیاری اوراعلیٰ قرار پائے گی ورنہ تحصیل حاصل بن کررہ جائے گی۔

حضرت رضاؔ بریلوی بحثیت شاعرنعت۔ڈاکٹر جوہر شفیع آبادی:

ڈاکٹر جوہر شفیع آبادی صاحب کی شخصیت اور مقالے کا تعارف پیش کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر مجیداللہ قادری تحریرفرماتے ہیں۔

''زیرنظر مقالہ'' حضرت رضاؔ بریلوی بحثیت شاعرنعت'' حضرت مولانا جوہر میاں شفیع آبادی کا تحقیقی مقالہ ہے جس پر انہیں بہار یونیورسٹی (بھارت) نے ۱۹۹۲ء میں ڈاکٹریٹ (Ph.d) کی ڈگری (سند) تفویض کی ہے۔

> ''یہ مقالہ اس لحاظ سے منفرد و واحد ہے کہ حضرت علامہ جوہر میاں صاحب خطۂ ہند کے اوّلین باسی ہیں جنہوں نے امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر اوّلین تحقیقی مقالہ لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے اور ادارہ ہٰذہ کو یہ اعزاز حاصل ہورہا ہے کہ وہ اس مقالہ کی طباعت واشاعت کی ذمہ داری بطوراحسن نباہ رہا ہے اور عنقریب عوام الناس کے علمی ذخیرے میں ایک نایاب کتاب کا اضافہ ہونے والا ہے۔''[۳]

ڈاکٹر جوہر شفیع آبادی نے اپنا یہ مقالہ پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی سابق صدر شعبۂ اردو بہار یونیورسٹی ،مظفر پور، بہار کی زیرنگرانی قلم بند کیا ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری کے لیے لکھا گیا ہے جواس وقت میرے پیشِ نظر ہے جسے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی نے جنوری ۲۰۰۶ء میں شائع کیا تھا۔ یہ مقالہ چھ ابواب پر مشتمل ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱- پہلا باب: نعت کی صنفی حیثیت۔
۲- دوسرا باب: اردو میں نعتیہ شاعری کی روایت۔
۳- تیسرا باب: امام احمد رضا کی شخصیت۔
۴- چوتھا باب: حضرت رضا کے چند معاصر شعرأ۔
۵- پانچوں اور چھٹا باب: حضرت رضاؔ کی نعتیہ شاعری کا تفصیلی مطالعہ اوراس کے ادبی وفنی محاسن۔

اس مطبوعہ مقالے کی کل ضخامت ۱۲۴ صفحات کی ہے اور سب سے خاص بات یہ ہے کہ اس میں

کتابیات کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی حوالے دیے گئے ہیں جبکہ حوالے کے لیے نمبرنگ کی گئی ہے مگر حوالے نہیں دیے گئے ہیں، ایسا کیوں کیا گیا اس کی کوئی وجہ بھی نہیں بتائی گئی ہے جبکہ تحقیقی مقالوں میں حوالوں کو اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔نہایت ہی ادب کے ساتھ عرض گزار ہوں کہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تحقیق کی دنیا میں اب تک پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری کے لیے لکھے جانے والے مقالوں میں یہ مختصر ترین مقالہ ہے اس سے جامع تو ایم۔فل کے مقالے ہوا کرتے ہیں۔

۲۔اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی اور انکی نعت گوئی۔ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیلؔ راٹھوی:

ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیلؔ راٹھوی نے اپنا یہ پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ ڈاکٹر ہری سنگھ گور یونیورسٹی، ساگر، مدھیہ پردیش سے ڈاکٹر محمد شفیع (مرحوم) سابق صدر شعبہ اردو، فارسی، سیوا سدن ڈگری کالج برہان پور کی زیرِ نگرانی قلم بند کیا ہے انہیں بھی ۱۹۹۲ء میں ہی ڈاکٹریٹ کی ڈگری ایوارڈ ہوئی ہے۔

ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیلؔ راٹھوی ایک صاحب اسلوب شاعر اور انشأ پرداز ہیں انہوں نے صنف شاعری میں اپنے فکر وفن کا مظاہرہ کرتے ہوے ایک نئی صنف (ابر حروف) کو بھی ایجاد کیا ہے۔شعروشاعری کا شغف ہونے کے سبب وہ اکثر وبیشتر مشاعروں کا بھی اہتمام کیا کرتے ہیں۔ان کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے راٹھ کے ایک مشاعرے میں جناب پروفیسر وسیمؔ بریلوی صاحب سے ملاقات ہوئی اور ان سے امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے موضوع پر تحقیقی کام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا جس کی انہوں نے تائید کرتے ہوے پزیرائی کی اور اس طرح یہ تحقیقی مقالہ معرض وجود میں آیا۔ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ ایک طویل وقفے کے بعد یعنی ۲۰۱۸ء میں طبع ہوکر منظر عام پر آیا ہے، یہ مقالہ ۴۴۰صفحات کی ضخامت پر مشتمل ہے۔اس مقالے میں کل چھ ابواب ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔باب اوّل: حمد ونعت کی تعریف اور مختصر تاریخ ہندوستان میں عربی، فارسی، اور اردو نعت گوئی کی ابتدأ۔

۲۔باب دوم: اردو نعت گوئی۔

۳۔باب سوم: اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی:

(ا) پس منظر۔

(ب) حالاتِ زندگی (ج) عصری حالات (د) مذہبی، ادبی خدمات اور سیاسی نظریات۔

۴۔باب چہارم: اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں اور ان کے ہم عصر شعرأ۔

(ا) شبلی نعمانی (ب) نظم طباطبائی (ج) اقبال

۵۔باب پنجم: اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی کی اردو نعت گوئی کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ۔

(ا) پہلا دور (۲) دوسرا دور (۳) تیسرا دور

۶۔باب ششم: دیگر اردو خدمات۔

(ا) قرآن پاک کا اردو ترجمہ کنز الایمان (۲) فتاویٰ رضویہ اور اردو (۳) مکتوبات اعلیٰ حضرت اور اردو (۴) اہم شخصیات کے تبصرے۔

مقالے کے آخر میں کتابیات ہے جس میں ۱۳۷/کتب اور ۱۷/اخبار ورسائل کی تفصیلات کا ذکر ہے جن سے انہوں نے استفادہ کیا ہے۔

۳۔اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی۔ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی:

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی (مرحوم) نے اپنا یہ مقالہ پروفیسر زاہد حسین وسیم بریلوی کی نگرانی میں روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی سے اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی کے موضوع پر مقالہ قلم بند کر ۱۹۹۴ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی۔یہ مقالہ ۶۷۷ صفحات کی ضخامت پر مشتمل ہے جسے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی، پاکستان نے فروری ۲۰۰۸ء میں شائع کیا تھا۔ڈاکٹر عبد النعیم (مرحوم) کے مذکورہ مقالے کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، پٹنہ تحریر فرماتے ہیں:-

> ''اس تصنیف لطیف سے متعلق کچھ کہنا چھوٹا منہ بڑی بات ہوگی۔اس بھاری پتھر کو چوم کر چھوڑ دینا بھی ایک سعادت ہے۔یہ کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے جس میں الگ الگ نعت شریف کی تعریف، تاریخ اور عہد بعہد اس کے ارتقاً کا جائزہ لیا گیا ہے بخصوص اردو زبان میں اس کی ابتدا اور موضوعات کا اجمالی خاکہ پیش ہوا ہے۔فاضل بریلوی کے عہد اور اس کا سیاسی، سماجی، تہذیبی، تمدنی اور مذہبی پس منظر دکھایا گیا ہے۔امام احمد رضا کی حیات و شخصیت کا واشگاف جائزہ ہے۔ان کے تخلیقی رویے اور محرکات شعری پر واضح روشنی ڈالی گئی ہے۔موصوف کی نعت گوئی اور اختصاصات اور انفرادیت سے بحث کی گئی ہے، معاصر اور معتبر نعت گویوں سے تقابلی مطالعہ کر کے اس کی قدریں متعین کی گئی ہیں، ان کی نعتوں میں عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

والہانہ کیفیات اور ان کی گہرائیاں دکھائی گئی ہیں، اس کی اہمیت وعظمت کی تعین کی گئی ہے اور نعت نویسی میں امام احمد رضا کے مقامِ بلند و بالا کی بھرپور نشان دہی بھی۔ مصنف نے جس دیدہ وری و دقیقہ سنجی سے شرح و بسط کے ساتھ اس موضوع پر سیر حاصل کام کیا ہے، مجھے یہ لکھنے میں حاشا کوئی تردد و باک نہیں کہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا یہ قابلِ قدر کارنامہ فاضل بریلوی پر اس جہت سے کام کرنے والوں کے لیے ایک انسائکلو پیڈیا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ اس سے صرفِ نظر کر کے اس موضوع پر کوئی گفتگو کی جا سکے۔''[۴۲]

اس مقالے میں کل نو ابواب ہیں جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ پہلا باب: نعت کی تعریف مختصر تاریخ اور عہد بعہد ارتقا کا جائزہ۔

۲۔ دوسرا باب: اردو میں نعت گوئی کی ابتدا اور موضوعات نعت کا اجمالی خاکہ۔

۳۔ تیسرا باب: امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا عہد (سیاسی، سماجی، تہذیبی، تمدنی اور ادبی پس منظر)۔

۴۔ چوتھا باب: امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی حیات اور شخصیت کا تفصیلی جائزہ۔

۵۔ پانچواں باب: تخلیقی رویے اور محرکات شاعری کا جائزہ، شاعری وہبی ہے، کسبی نہیں۔

۶۔ چھٹا باب: امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی نعت گوئی کے انفرادی خدوخال اور اردو کے معتبر نعت نگاروں سے تقابل۔

۷۔ ساتواں باب: احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی روحانی و عشق نبی کی مخلصانہ تہداریاں۔

۸۔ آٹھواں باب: امام احمد رضا خاں فاضل کی نعت گوئی کا ادبی مقام اور علمی مرتبہ۔

۹۔ نواں باب: اردو نعت گوئی کی تاریخ میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کا مقام و مرتبہ۔

اس تحقیقی مقالے میں ۱۹۴ر کتب اور ۲۳ر اخبارات و رسائل سے استفادہ کیا گیا ہے جس سے ان کی وسعت مطالعہ اور مقالے کی جامعیت پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔

۴۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری

راقم نے اپنا یہ تحقیقی مقالہ کان پور یونیورسٹی، کان پور سے پروفیسر سید ابوالحسنات حقی سابق صدر شعبۂ اردو و پرنسپل حلیم مسلم ڈگری کالج، کان پور کی زیرنگرانی میں قلم بند کیا تھا۔ جس پر ۱۰ر مارچ ۱۹۹۵ء کو مجھے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض ہوئی۔ اشاعت کی سہولت کے پیشِ نظر میں نے اپنے اس مقالے

کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس کا پہلا حصہ ''نعتیہ روایت کا عروج و ارتقا'' جو ۲۷۲ر صفحات کی ضخامت پر مشتمل ہے بعد میں ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا اور بعد والا حصہ جو تحقیق کا اصل موضوع تھا یعنی ''مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری'' ۳۸۴ر صفحات کی ضخامت پر مشتمل ہے یہ پہلے ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا۔ مگر اب میں دوسرے ایڈیشن میں پورے مقالے کو ایک جلد میں شائع کرنے جا رہا ہوں کمپوزنگ ہو چکی ہے ان شاءاللہ تعالیٰ عنقریب ہی طبع ہو کر منظر عام پر آئے گا اور آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔

میں نے اپنے اس مقالے پر کسی بڑی علمی و ادبی شخصیت سے کوئی پیش لفظ یا مقدمہ نہیں تحریر کرایا بلکہ استاذ محترم پروفیسر سید ابوالحسنات حقّی صاحب کے دعائیہ کلمات پر ہی اکتفا کیا اس لیے کہ استاذ محترم سے بہتر میرے اور میرے مقالے کے بارے میں کون جان سکتا ہے چناچہ وہ میرے مقالے کے بارے میں اظہار خیال فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

> ''اہلِ فکر و نظر اس مقالے کو ان شاءاللہ تعالیٰ درجۂ اعتبار عطا فرمائیں گے۔ میں نے بھی نعت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر چند تحقیقی مقالے دیکھے ہیں سراج صاحب سلمہ کی کوشش کو میں خود بنظرِ استحسان کے دیکھتا ہوں کہ جو تفحص ان کے یہاں ہے وہ دوسری جگہ نظر نہیں آیا۔ انہوں نے اس مقالے کی تہذیب و تدوین میں جس دقت نظر سے کام لیا ہے وہ اس زمانے میں شاذ ہی نظر آتا ہے۔ یہ مقالہ دراصل دو مقالوں کا ایک مقالہ ہے۔ تاریخ نعت گوئی کا حصہ اپنے آپ میں ایک بھرپور مقالہ ہے۔ دوسرا حصہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری کے لیے مختص ہے۔ اس حصہ میں سراج سلمہ کی شعرفہمی کی صلاحیتوں پر خوب روشنی پڑتی ہے۔'' ۵؎

مقالے کی تفصیل باب وار ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ ابتدائیہ۔

(ا) عربی کی مستند لغات سے نعت کے ممکنہ معانی و مطالب۔

(ب) عربی میں نعت گوئی کا چلن۔ اوّلین نعت گو۔

(ج) عجمی زبانوں میں خصوصاً فارسی زبان مین نعت گوئی کا اجمالی منظر نامہ۔

(د) ہندوستان مین نعت گوئی کا تاریخی منظر نامہ۔ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں نعت گوئی کا سراغ خصوصاً ہندوی، دکنی اور اردو کے حوالے سے۔

۲۔ پہلا باب: مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے حالات زندگی۔
(ا) خاندانی حالات، والدین، بہن بھائی اور اولاد (ذکور اناث) کا تفصیلی ذکر۔
(ب) اساتذہ اور کسبِ علم کا مکمل نقشہ۔
(ج) مخصوص احباب، نعت گوئی کی ابتدا اور اس سے خصوصی شغف۔
(د) مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی علمی، ادبی اور سیاسی خدمات۔
۳۔ دوسرا باب: نعت گوئی کا فن۔
(ا) احتیاط۔
(ب) ہیئت۔
(ج) ضمائر کا استعمال۔
(د) خیال آوری۔
۴۔ تیسرا باب: فن نعت گوئی فاضل بریلوی کے خصوصی حوالے سے۔
(ا) حضرت مولانا احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے عہد میں نعت گوئی کا معیار اور عام روش۔
(ب) نعت اور اور منقبت کے درمیان حدفاصل۔
(ج) صنائع بدائع اور علم عروض سے ماہرانہ واقفیت۔
(د) زبان و بیان سے واقفیت۔
(س) علاقائی بولیوں سے واقفیت، مقامی بولیوں میں نعت گوئی۔
(ص) حضرت رضاؔ بریلوی کے قصائد و رباعیات، مثنوی و مسدس میں نعتیہ شاعری کا جائزہ۔
(ض) حضرت رضاؔ بریلوی کے قصائد اور انکی تشابیب۔
۵۔ چوتھا باب: حضرت رضاؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری کے اثرات مستقبل کے نعت گوشعراء پر۔
(ا) حضرت رضاؔ بریلوی کی طرزوں کی اتباع۔
(ب) حضرت رضاؔ بریلوی کے نعتیہ رُجحانات اور افکار و خیالات کی پذیرائی۔
(ج) حضرت رضاؔ بریلوی کی نعتوں کا انگریزی زبان میں ترجمہ۔
(د) بحیثیت نعت گو حضرت رضاؔ بریلوی کا مقام۔

کتابیات:

کتابیات کے تحت ان تمامی ماخذ ومراجع کا ذکر کیا گیا ہے جن کی مدد سے اس مقالے کی تدوین وتہذیب کی گئی ہے جس میں ۱۲۲ر کتب ۵۷ر میگزینس ورسائل سے حوالے کوڈ کیے گئے ہیں۔ یہ پورا مقالہ ۶۵۴ر صفحات کی ضخامت پر مشتمل ہے۔

عالمی سطح پر یونیورسٹیز اور جامعات میں قلم بند کیے جانے والے تحقیقی مقالوں کو معیاری بنائے جانے کے لیے ایک ایسا ادارہ ہونا چاہیے جو ہر سال ایم۔فل، پی۔ایچ۔ڈی اور ڈی۔لٹ میں انرول کرانے والے ریسرچ اسکالرز کا نام ان کے عناوین یونیورسٹی کا نام، نگراں مع دیگر اہم معلومات کے تفصیلات شائع کرے جس سے کہ موضوعات وعناوین کی تکرار سے بچتے ہوئے معیاری تحقیقی کام انجام پاسکیں۔ میری دانست میں ابھی تک اس طرح کا کوئی ادارہ نہیں ہے جو اس طرح کی مذکورہ تفصیلات شائع کرتا ہو۔ ہندستان میں یہ کام یونیورسٹی گرانٹ کمیشن اور یونیورسٹیز سے شائع ہونے والے جرنلس بخوبی کر سکتے ہیں اور انہیں کرنا بھی چاہیے اور اگر کوئی ادارہ اس طرح کا کام انجام دے رہا ہے تو ارابِ علم ودانش سے عرض گزار ہوں کہ مجھے اس کی اطلاع فراہم کی جائے جس سے کہ میں مستفیض ہوسکوں۔

حوالہ جات:

۱- نعت رنگ شمارہ نمبر ۲۵ (سلور جبلی نمبر) سید صبیح رحمانی، نعت ریسرچ سینٹر۔ کراچی صفحہ ۸۲

۲- ماہنامہ اخبار اردو۔ مدیر سید سردار احمد پیرزادہ، شمارہ جنوری، فروری ۲۰۱۷ء مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد صفحہ ۳۴

۳- حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعر نعت۔ ڈاکٹر جوہر شفیع آبادی۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی صفحہ ۴

۴- اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی ۱۳/۱۴

۵- مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری، رضوی کتاب گھر، دہلی صفحہ ۶

☆☆☆

افکارِ روشن

ہزاروں جبرئیل اُلجھے ہوئے ہیں گردِ منزل میں
نہ جانے کس بلندی پر ہے کاشانہ محمد کا

علامہ آرزو سہارن پوری

ڈاکٹر احمد محمد احمد عبدالرحمٰن (قاہرہ، مصر)

عربی اور اردو زبان میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مقدمہ:

اسلامی ادب اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیاں بیان کرنے اور نعت پاک کی شکل میں آپ کی خدمت میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے کی دلچسپی سے خیالی نہیں ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، دعوت اور کارناموں کو شعری پیرائے میں بیان کرنا ہر زبان کے مسلم شعراء کا پسندیدہ مشغلہ رہا ہے۔

جب ہم عربی زبان پر غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر اب تک بے شمار نعتیں لکھی گئی ہیں اور عام و خاص میں انہیں مقبولیت بھی حاصل ہوئی ہے لیکن ان میں مشہور ترین قصیدۂ بوصیری ہے جسے بے شمار مسلمانوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔

عربی زبان کے شعراء کے علاوہ فارسی اور اردو زبان جیسی دیگر اسلامی زبانوں کے شاعروں نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم اخلاق کے نغمے گائے ہیں آپ کے معتدل، واضح اور سیدھے راستے کی نشاندہی کی ہے، خلفائے راشدین کے عمدہ اخلاق و اوصاف بیان کئے ہیں، صحابہ کرام کی کرامتوں پر روشنی ڈالی ہے اور اہل بیت سے اپنی غایت درجہ محبت کا اظہار کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مختلف اسلامی زبانوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر ثنا خوانی اور تعریف کی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اتنے قصیدے کہے گئے ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ چونکہ ہم اس مقام پر ان سب کا احاطہ نہیں کر سکتے اس لئے صرف اردو زبان میں کہی گئی بعض نعتوں پر سرسری نظر ڈالیں گے اور ان کے مابین پائے جانے والے اتفاق واختلاف سے پردہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے ہم نے اپنے مقالے کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

1-عربی شاعری میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔
2-اردو شاعری میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

اختتام پر مقالے کے اہم نتائج بیان کئے گئے ہیں۔قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے مقالے میں سیرت کی کتابوں میں موجود تفصیلات میں داخل ہوئے بغیر صرف مفید اور ضروری پہلوؤں پر توجہ مرکوز رکھی ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح اور مفید بات لکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری اس ناچیز کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔آمین۔

1-عربی شاعری میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

زمانۂ جاہلیت سے لے کر دور حاضر تک ثنا خوانی ایک حقیقی فن کی حیثیت سے موجود ہے اور عربی شاعری کے موضوعات میں اسے اہم مقام و مرتبہ حاصل ہے،اس لئے کہ شعراء نے اسے اپنے قبیلوں کے عمدہ اخلاق و اوصاف کی ستائش کرنے اور اپنے سرداروں کے نمایاں کارنامے بیان کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ بنایا۔آغاز اسلام میں پائے جانے والے شاعروں نے بھی اسلام اور مسلمانوں کی نصرت و حمایت اور اسلام کے اعلیٰ اصول و مبادی کی ستائش کے لئے نعتیہ اشعار کا سہارا لیا۔مثال کے طور پر شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لیں جو آغاز اسلام میں اس نئے مذہب کی روح سے متاثر ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیدھے راستے کو اختیار کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے آراستہ و پیراستہ ہوئے اور پھر دنیائے فانی کے مال و متاع سے منھ موڑ کر لاجواب نعتیہ اشعار اور قصیدے کہے۔

اس کے بعد اموی اور عباسی عہدوں میں حالات تیزی سے بدلے اور ثنا خوانی یا نعت گوئی بادشاہوں اور شہزادوں کی چاپلوسی کر کے مال حاصل کرنے اور دنیا کمانے کا ذریعہ بن گئی،تاہم یہ صورت حال تادیر قائم نہ رہی اور ساتویں صدی ہجری کے اختتام پر اس زمانے کے صوفیائے کرام کے ہاتھوں نعت پاک کی سمت درست ہوئی اور ان ہی لوگوں کی آغوش میں یہ دوبارہ پروان چڑھی اور امام بوصیریؒ اس فن کے شاہکار شمار ہوتے ہیں،چنانچہ صرف ان کے زمانے میں ہی نہیں بلکہ بعد کے زمانوں میں بھی ان کا کوئی ہم پلہ نظر نہیں آتا۔یہی وجہ ہے کہ دور حاضر کے بہت سے شاعروں نے ان کی اقتدا و پیروی کی اور ان کے عمدہ قصیدہ ''البردہ'' سے متاثر ہو کر ان کے افکار و خیالات سے رہنمائی حاصل کرنے اور ان کے الفاظ استعمال کرنے شروع کر دیئے،قصیدہ بردہ کا ایک شعر ہے۔

مولائی صل و سلم دائماً ابداً　　　على حبيبك خير خلق الله كلهم

(اے میرے آقا ہمیشہ درود وسلام بھیجتا رہ، ساری مخلوق سے اشرف و برتر اپنے حبیب پر)

عالم اسلام کے عام اور خواص اس قصیدے سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اسے یاد کرنے اور پڑھنے میں انتہائی دلچسپی کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ بعض لوگوں نے تو اسے صبح وشام کا اپنا ورد و وظیفہ بنالیا حالانکہ عموماً لوگوں کے لیے اس طرح کے طویل قصیدے یاد کرنا دشوار ہوتا ہے۔ جہاں تک دور حاضر کا تعلق ہے تو اس دوران نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں واضح اور نمایاں ترقی ہوئی۔ بارودی۲، احمد شوقی۳، اور احمد محرم۴، اس فن کے مشہور شعراء ہیں۔ نعت نبی پاک میں بارودی کا ایک قصیدہ ''کشف الغمۃ فی مدح سیدالأمۃ''، یعنی: ''امت کے سردار کی تعریف میں رنج و غم کا ازالہ'' کے عنوان سے معروف ہے۔ جس کا مطلع ہے:

یــا رائــد البـرق یـمـم داره الـعـلـم واحـد الـغـمـام عـلـى حى بذى سلم

(یعنی اے بادلوں کو چلانے والی ہوا جبل علم کا قصد وارادہ کر اور حجاز میں واقع محلّہ ذی سلم کو پانی سے سیراب کر)

اور احمد شوقی نے نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قدیم شاعروں کا مقابلہ کرنے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیاں بیان کرنے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات شمار کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمدہ صفات بیان کرنے میں بارودی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی ہے مثلاً ہمزہ پر ختم ہونے والے ان کے قصیدے کا مطلع ہے:

ولـد الهـدى فـالـكـائـنـات ضياء و فـى فـم الـزمـان تبسم و ثنـاء

(رسول ہدایت پیدا ہوئے تو ساری دنیا روشن ہوگئی اور ہر جگہ خوشی ومسرت کی لہر دوڑ گئی اور تمام لوگ ان کی خوبیوں کے گن گانے لگے)۔

اسی طرح حرف ''با'' پر ختم ہونے والے اپنے قصیدے میں وہ کہتے ہیں:

سـلـوا قـلـبـى غـذاة سلا و تابا لـعـل عـلـى الجمال له عـتـابـا

(میرے دل سے پوچھو کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کیوں کی؟ شاید وہ اس کی وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بتائے)۔

احمد شوقی کے بہترین قصیدوں میں حرف ''میم'' پر ختم ہونے والا ان کا وہ قصیدہ ہے جس میں انہوں نے بردۂ بوصیری کا مقابلہ کیا ہے اس کا مطلع ہے:

ريـم على القاع بين البان و العلم احل سفك دمى فى الأشهر الحرم

(میرا محبوب درخت اور پہاڑ کے درمیان ہموار زمین پر ہے اور اس نے حرمت والے مہینوں میں میرا خون بہانا حلال کر دیا)۔

عرب شاعروں میں احمد محرم کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے سیرت نبوی کے ذریعے اسلامی بہادری کی تصویر کشی کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ''مجد اسلام''، یعنی عظمت اسلام کے عنوان سے تین ہزار اشعار سے عبارت ایک نظم لکھی ہے جس میں نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد اور فتوحات کا ذکر کیا ہے اور یہ نظم مبالغہ آرائی اور خیال بندی سے بھی پاک ہے۔ وہ اس قصیدے میں کہتے ہیں:

املأ الأرض یا محمد نوراً　　　حجبتك الغیوب سراً تجلی
الدھر فی ظلالك عصراً　　　واغمر الناس حكمة والدھورا

(اے محمد آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کو روشنی سے بھر دیجئے، غیب کی باتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسے راز کی حیثیت سے چھپایا جو بالآخر ظاہر ہو کر رہا، زمانۂ دراز نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے میں ایک اہم زمانہ پیدا کیا اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو حکمت و دانائی اور عزم و ارادے سے بھر دیجئے)۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ رزمیہ داستان ان کی زندگی میں قلمی نسخے کی حیثیت سے ہی باقی رہی اور ان کی وفات کے بعد 1965ء میں قاہرہ سے چھپی اور مصر و عالم عربی کے شعری اور ادبی حلقوں میں ان کی شہرت کا بنیادی سبب بنی۔[۵]

آغاز اسلام میں ہو یا دور حاضر میں، ہر زمانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں لکھا جانے والا قصیدہ، فن اور مضمون دونوں اعتبار سے سچائی سے نمایاں اور ممتاز رہا ہے، چنانچہ اس طرح کے شعراء ایسے ذاتی احساسات و جذبات کی تصویر کشی کرتے ہیں جو زہد و تقویٰ سے قریب تر ہوتے ہیں، وہ اس کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور خوشنودی حاصل کرنے کی امید لگاتے ہیں۔ عظمت اسلام، اس کی اعتدال پسندی اور صراط مستقیم سے اپنی دوری پر دلی دکھ اور رنج محسوس کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے قصیدوں نے ایسے جذباتی تجربے کی سچی ترجمانی کی ہے جس سے محبت اور شرافت کے جذبات اُمڈتے ہیں اور دنیوی طمع و لالچ سے کنارہ کشی کا رجحان نظر آتا ہے۔

جب ہم مختلف زمانوں میں لکھی گئی نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ

اس کی عام ساخت اس کی زبان اور اس کی شعری شکل میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ آغاز اسلام کے شعراء کے نزدیک نعت پاک بکھرے ہوئے چند ایسے شعار کا نام ہے جو مختلف طریقوں سے منظّم کئے جا سکتے ہیں اور عموماً ایک ہی شعری ٹکڑے میں ان کی تعداد محدود ہوتی ہے جب کہ اس کے بعد کے زمانہ میں بوصیری، بارودی، اور شوقی وغیرہ کے نزدیک اس طرح کے قصیدے طویل، ہم آہنگ اور کامل ہوتے ہیں، انہوں نے آغاز روایتی مقدموں سے کیا ہے جیسا کہ بردۂ بوصیری سے واضح ہوتا ہے۔اسی طرح اکثر نعت رسول میں بحر بسیط استعمال کی گئی ہے کیونکہ اس بحر کے اندر چاشنی، شیرینی اور خوبصورتی بھی پائی جاتی ہے اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے شوق کے اظہار کے لئے مناسب بھی ہے۔ان شعراء نے بحر کامل کا بھی سہارا لیا اور جہاں تک قافیہ کا تعلق ہے تو یہ ایک شیریں اور نازک اسلوب ہے، ان قافیوں میں حرف میم، عین، لام، تا، ہمزہ اور جیم کا استعمال سب سے زیادہ ہوتا ہے، اور یہ قافیے ، نبوی ،صوفیانہ اور روحانی شعری تجربے کے زیادہ مناسب اور شایان شان ہوتے ہیں۔

جہاں تک ان قصیدوں کی فنی ساخت کا تعلق ہے تو یہ دو نصفی نظام، وحدت روی اور قافیے کے نظام پر قائم نشو ونما قصیدے کی شکل میں ہوتا ہے۔قصیدے کے پہلے مطلع میں عام قافیہ بندی اور دو مصرعوں کے یکساں قافیے پر انحصار کیا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کرنے والا اپنا مواد قرآن مجید، حدیث پاک اور سیرت کی قدیم و جدید کتابوں سے لیتا ہے اور ان قصیدوں کو پیش کرنے کا انداز یہ ہے کہ شاعر یا مدح سرائی کرنے والا گفتگو کا آغاز ذاتی شفقت و مہربانی طلب کرنے والے، باری تعالیٰ سے سرگوشی کرنے والے اور ذاتی تاثر پر دلالت کرنے والے ضمیر متکلم سے کرتا ہے اس کے بعد ضمیر مخاطب کی طرف منتقل ہوتا ہے تاکہ جس ذات کی تعریف کی جا رہی ہے اس کا وصف بیان کرنے اور اس کی تعظیم و تعریف کرنے پر توجہ مرکوز کی جائے۔

خلاصہ یہ کہ نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسی مذہبی شاعری ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور فضائل پر مرکوز ہوتی ہے یہ شاعری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، ہجرت اور دعوت کی ہم رکابی کرتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد و غزوات کے دوش بدوش چلتی ہے پھر تصوف کے شعر میں ڈھل کر ایک مستقل فن بن جاتی ہے، البتہ یہ بات پیش نظر رہے کہ دور حاضر کی نعت، مذہبی مناسبات اور عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مربوط ہوتی ہے۔

درحقیقت نعتیہ اشعار کہنے والوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت سے اپنی محبت کا

دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ سے قربت اور برکت حاصل کرنے کا ارادہ کیا ہے اور یوں یہ فن تمام مسلم دنیا میں ایک مذہبی رنگ اختیار کر چکا ہے، چنانچہ مختلف تقاضوں سے تعلق رکھنے والے، مختلف زبانیں بولنے والے اور ہر عمر کے مسلمان نعت شریف پڑھتے اور گنگناتے ہیں اور اسے ایک دوسرے تک پہنچاتے ہیں، بالخصوص ایسی صورت میں جب عبدالوہاب اور ام کلثوم وغیرہ جیسے فن اور موسیقی کے باکمال اور بے مثال لوگوں نے شیریں آواز اور خوبصورت ترنم میں اسے پڑھا۔

2-اردو شاعری میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اردو شاعری میں ثناخوانی یا نعت پر گفتگو کرنے سے پہلے فارسی زبان میں کہی جانے والی نعت پر سرسری نظر ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اردو زبان اس فارسی زبان کی گود میں پلی بڑھی ہے جو دسویں صدی عیسوی سے اٹھارہویں صدی تک برصغیر میں باقی رہنے والی اسلامی حکومت کی سرکاری زبان رہی، فارسی نظم ونثر پر طائرانہ نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ فریدالدین عطار، سعدی شیرازی، جلال الدین رومی، نظامی گنجوی اور حافظ شیرازی وغیرہ جیسے فارسی کے بڑے بڑے شاعروں کی زبان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پوری قوت کے ساتھ موجود ہے اور ان کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت زندگی کی اندرونی اور بیرونی تفصیلات پائی جاتی ہیں نیز ہر ایک نے آپ کی شخصیت پر غور وفکر کرنے اور اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی اور اپنی اپنی بساط اور توفیق کے مطابق اسے قلمبند کیا۔

فارسی شعراء نے حدیث شریف سے اقتباس لینے یا اس کا ترجمہ کرنے اور اسے اپنے اشعار میں شامل کرنے میں ذرہ برابر بھی پس وپیش نہیں کیا جب کہ صوفیائے کرام کی نظموں میں بہت سی نبوی خصوصیات ذکر کی گئیں اور انہوں نے تربیت، ذات کی معرفت اور باری تعالیٰ کی معرفت سے متعلق اپنا نظریہ یہیں سے اخذ کیا اور عطار کی نظم ''پرندے کی گفتگو'' ان ادبی خصوصیات کی آئینہ دار ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ نظم گو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے کس قدر متاثر ہوتے ہیں۔ عطار نے معجزۂ معراج پر اپنی نظم کی بنیاد رکھی ہے چنانچہ انہوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی صحبت میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتوں آسمانوں پر جانے اور راستے میں آنے والی مبہم چیزوں اور دشواریوں کے بارے میں اللہ رب العزت کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوالات کے جوابات دینے سے یہ سمجھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے والے شخص کے لئے ایک مرشد یا رہنما کا ہونا ضروری ہے۔

جب اردو زبان منظر عام پر آئی تو خوش قسمتی سے اس وقت مسلمانوں کی حکمرانی تھی جنہوں نے

اسے گلے لگایا اور اس کی سرپرستی کی اور یوں اس زبان کی نشوونما پرچم اسلام تلے ہوئی، علاوہ ازیں صوفیائے کرام نے اسلام کی نشر و اشاعت اور برصغیر پاک و ہند کے شہریوں کو اسلام کی حقیقت سے روشناس کرانے کے لئے اردو زبان کا ہی سہارا لیا۔

صوفی شعراء کرام نے اگرچہ شعر و شاعری کی تمام اقسام میں قسمت آزمائی کی، اس کے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا اور ان میں غوطہ زنی کی تاہم نعت پاک کو ان میں نمایاں حیثیت حاصل رہی، چنانچہ صرف مسلم شعراء ہی نہیں بلکہ غیر مسلم شعراء نے بھی اپنے بعض اشعار کا آغاز اللہ رب العزت کی حمد وثنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف سے کیا، صحابہ کرام کے عمدہ اخلاق و اوصاف بیان کئے اور حاکم یا خلیفہ کی تعریف کی اور ان کے لئے دعائیں بھی کیں، اس کے بعد اشعار کہنے کی وجہ بیان کی، فارسی اور اردو شاعری میں عربی شاعری سے آنے والی اس روایت کی مخالفت صرف چند شاعروں نے ہی کی، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کو نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ کرنا مشکل ہو گیا اور کسی نے سچ کہا ہے:

کتنا مشکل ہے فاصلہ رکھنا نعت کو حمد سے جدا رکھنا

یہاں یہ ایک اہم بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ کہ کسی بھی شاعر کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی کی تعریف میں اتنی مبالغہ آرائی سے کام لے کہ اسے معبود یا خدا کا درجہ دے دے یا اسے ایسا لقب دے جو اسے بشریت کے دائرے سے نکال دے۔ نعت گو حضرات کو بھی اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ سلم کی تعریف میں مبالغہ آرائی سے گریز کریں اور حقیقت و سچائی بیان کرنے پر اکتفا کریں، بالخصوص ایسی صورت میں جب وہ کوئی خاص واقعہ یا قصہ بیان کر رہے ہوں کیونکہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں یہ محض جھوٹ اور افتراء ہوگا۔

غالبًا یہی وجہ ہے کہ اردو نے فارسی سے نعت کا لفظ مستعار لیا اور اس میں کوئی ردوبدل نہیں کیا حالانکہ اردو نعت میں اس کا متبادل لفظ تعریف اور خوبی کی شکل میں موجود ہے اور شاید اسی وجہ سے اردو ڈکشنریوں میں بھی قصداً صرف اس کے اصطلاحی معنی ہی ذکر کئے گئے ہیں، علاوہ ازیں اس لفظ کا اطلاق شعر کے علاوہ نثر پر بھی ہوتا ہے۔

اردو زبان کی تاریخ اگرچہ نسبتاً مختصر ہے تاہم اس زبان میں ایسے شعراء پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے فن نعت میں مہارت حاصل کی اور اس میں بہت عمدہ نظمیں لکھیں۔ ان حضرات کی شاعری کے پیش نظر ہم انہیں تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

1-صوفی شعراء

صوفی شعراء نے غیر مسلموں میں اسلام پھیلانے کی ذمہ داری اپنے سر لینے کے ساتھ خود مسلمانوں کو ان کے مذہبی امور سے آگاہ کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ وہ صوفی حلقوں میں زندگی گزارنے کے لئے کوشاں رہے۔ شاہ عبدالعزیز کہتے ہیں:

یا صاحب الجمال و یا سیدالبشر　　من وجهك المنير و قد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقه　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر [6]

(اے پیکر جمال اے سردار بشر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی چہرے سے ہوا چاند منور، میں آپ کے شایانِ شان اس کے سوا کوئی اور تعریف نہیں کر سکتا کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر)

نعت گوئی کے فن کے مشہور صوفی شعراء میں حضرت نظام الدین اولیاء، خسرو دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نمایاں ہیں۔

2-روایتی شعراء

روایتی شاعروں کے نزدیک نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شاعری کی دیگر انواع میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا تھا البتہ وہ اسے شاعری کی ایک نئی قسم ضرور سمجھتے تھے اسی وجہ سے انہوں نے اپنے دیوانوں اور مثنویوں کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے کیا اور نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی شعری روایت بنایا جس کی پابندی خود انہوں نے بھی کی اور مسلمانوں اور غیر مسلموں نے بھی اسے اپنایا، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت نعت پاک سچے جذبات اور اس کے اندر وحدت لانے کی خواہش و رغبت سے خالی تھی، روایتی غیر مسلم شاعروں میں دلورام کوثری، تلوک چند محروم اور جگن ناتھ وغیرہ سرفہرست ہیں۔

سلام اس ذات اقدس پر سلام اس فخر دوراں پر　　ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر

جگن ناتھ آزاد

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا　　کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا

ہری چند اختر

قابل ذکر بات یہ ہے کہ جنوبی ہندوستان یا دکن مین سامنے آنے والا پہلا دیوان محمد علی قطب شاہ متوفی 1020ھ کا تھا، دریں اثنا شمالی ہندوستان میں ولی دکنی متوفی 1707ء کا دیوان بھی منظر عام

پر آیا اور اس کے ساتھ غزل، مثنوی، رباعی، مخمس اور مسدس کے سانچے اور قالب میں سامنے آنے والے اوّلین نعتیہ اشعار اس قسم کی شاعری کے کارواں میں تاریخی موڑ ثابت ہوئے۔ چنانچہ سودا کہتے ہیں:

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی نہ چھوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی ؎

3-مخضرم شعراء (مخلوط شعراء)

یہ شعراء وسیع اسلامی ثقافت کے مالک ہونے کے ساتھ صحیح اسلامی فکر کے حامل بھی تھے ان میں مولانا حالی، مولانا احمد رضا خان، مفتی غلام رسول، محسن کاکوروی، امیر مینائی، محمد اقبال، ظفر علی خاں اور حفیظ جالندھری وغیرہ زیادہ نمایاں ہیں۔ ان کے اشعار جذبات میں توازن، موضوع اور روایتی اغراض و مقاصد کی پابندی سے نمایاں اور ممتاز ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے حقائق اور تاریخی واقعات کو مضبوطی سے پکڑا اور جہاں تک ان کی شاعری کے وسیع پہلو کا تعلق ہے تو انہوں نے سرگرمی اور زندگی کی تصویر کشی کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی نقاب کشائی کی ہے تاکہ مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہوں اور دنیاوی چمک دمک والے موجودہ انسانی رویوں کا شکار ہونے سے محفوظ رہیں۔

نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کفایت علی خان، غلام امام شہید اور حافظ لطیف بریلوی کے ہاتھوں ایک آزاد شعری مقصد کی حیثیت سے سامنے آئی، چنانچہ ان کے دیوان دیگر شعری مقاصد سے خالی نظر آتے ہیں، امیر مینائی اور محسن کاکوروی نے اس شعری مقصد کو اپنی بلندی پر پہنچادیا اس لئے ان دونوں نے نعتیہ شاعری کی ایک قیمتی میراث آنے والی نسلوں کے لئے چھوڑی۔ وہ دونوں اگرچہ ہم عصر تھے اور عربی و فارسی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے لیکن دوسرے کو پہلے پر فوقیت حاصل رہی اور شاید اس کی وجہ نہ تو وہ روایتی شاعر تھے اور نہ ہی کسی دوسرے کی تقلید و پیروی کی۔ وہ جدت پسند شاعر اور اس شعری مقصد کے لئے مخلص تھے، چنانچہ انہوں نے اسے اپنی غایت اور اپنا مقصد بنایا، مثنوی، رباعی اور غزل کے انداز میں نعت لکھی، انہوں نے سولہ سال کی عمر میں ایک نعتیہ نظم لکھی۔ 1842ء میں ''گلدستۂ رحمت'' کے نام سے ایک دیوان لکھا۔ اس دیوان میں وہ کہتے ہیں:

کسی کی آنکھوں کا ہوں بیمار اطبا نے جو آج میرے تلوؤں سے ملا دیدہ آہوئے ختن

ویسے محسن کاکوروی نے یوں تو کئی نظمیں لکھیں لیکن ان کے قصیدے ''مدیح خیر المرسلین'' کی وجہ سے انہیں بڑی شہرت ملی۔ یہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد قصیدہ ہندوستانی ماحول کے بہار کی تصویر کشی سے کیا ہے یہ اسلوب پہلے اردو شاعری میں معروف نہ تھا۔ وہ کہتے ہیں:

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل برق کے کاندھے پہ لاتی ہی صبا گنگا جل
گھر میں اشنان کریں سر و قدان گوکل جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل ۸

اسی طرح کا کوروی کی زبان میں آسانی بھی ہے اور سادگی بھی ان کے یہاں ایسے مشکل اشعار زیادہ نہیں ہیں جن کا سمجھنا قاری کے لئے دشوار ہو۔''لام'' پران کا ختم ہونے والا قصیدہ اردو زبان کے بہترین قصائد میں شمار ہوتا ہے، اس سے کئی شعراء متاثر ہوئے اور اس کے بہت سے اشعار اپنی نظموں میں شامل کئے۔

اور رہے امیر مینائی متوفی 1900ء تو انہوں نے اپنی مثنوی ''نور وتجلی وابر کرم'' اور ''محمد خاتم النّبیین'' جیسے متعدد دیوان لکھے اور متعدد قصائد وغزلیں بھی لکھیں۔ ان کی ایک نظم کا مطلع ہے:

جب مدینے کا مسافر کوئی پاجاتا ہوں حسرت آتی ہے یہ پہنچا میں رہا جاتا ہوں ۹

گذشتہ تحقیق سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اردو شاعری میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف معنوی مقصد تھا اس کا کوئی مخصوص یا متعین فنی قالب یا ساخت نہ تھی، چنانچہ یہ غزل، مثنوی، رباعی، مخمس اور مسدس وغیرہ جیسی کسی بھی شعری صنف میں لکھی جاسکتی تھی، اسی طرح اس نعت پاک میں صرف اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات، سیرت اور معجزات ہی بیان کئے گئے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ سے سفارش کا ذریعہ بھی بنایا گیا ہے۔

اسی طرح کے اشعار الطاف حسین حالی متوفی 1914ء کے یہاں بھی پائے جاتے ہیں، بالخصوص ان کی نظم ''مدوجزر اسلام'' میں اس طرح کے اشعار موجود ہیں۔ مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماوی یتیموں کا والی غلاموں کا مولا ۱۰

حالی کے اشعار اس مبالغہ آرائی، تکلف اور تصنع سے خالی ہیں جو خود کو غلام مصطفیٰ کا لقب دینے والے شاعر شیخ احمد رضا خاں وغیرہ جیسے دیگر شعراء کے یہاں پائے جاتے ہیں۔ حالی نے جو کچھ لکھا وہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات کی شکل میں اندرونی احساس سے عبارت اور اس میں مسلمانوں کی حالت زار بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد نامور شاعر علامہ محمد اقبال کا دور آتا ہے جن کے فارسی اور اردو اشعار نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھرے ہوئے ہیں۔ اقبال ''بال جبریل'' میں لکھتے ہیں:

خبر ملی ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب گنبد آ بگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالم آب وخاک میں تیرے ظہور سے فروغ ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب ۱۱

علامہ اقبال نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو انتہائی معنی خیز رمز، اور کائنات کے وجود کا سبب قرار دیا ہے۔ ان کا ایمان تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسم کی پاکیزہ روح، پوری کائنات کی روح میں خون کی طرح دوڑ رہی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے حروف میں ایسی طاقت پنہاں ہے جو دنیا کی تاریکیوں کو اجالے میں بدل سکتی ہے اور دنیا کا نظام بدل کر اس کی اصلاح کر سکتی ہے۔

اس کے بعد شیخ احمد رضا خاں متوفی 1921ء کا عہد آتا ہے جو شاعر و ادیب سے کہیں بڑھ کر عالم دین تھے۔ ان کے اکثر اشعار نعتیہ کلام ہیں۔ ''حدائق بخشش'' کے عنوان سے ان کا ایک دیوان بھی ہے، اس میں وہ کہتے ہیں:

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام شمع بزم رسالت پہ لاکھوں سلام ۱۲

اردو نعتیہ شاعری میں ترقی آئی اور قریب تھا کہ وہ حفیظ جالندھری کے ہاتھوں رمزیہ داستان میں تبدیل ہو جائے، اس کے دائرے میں وسعت آئی، چنانچہ اس کے بعد نعت میں صرف اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عمدہ اخلاق و اوصاف اور شمائل ہی بیان نہیں کئے جاتے بلکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، دعوت، غزوات اور سراپا کا بھی ذکر ہوتا ہے۔

حفیظ جالندھری نے ''شاہنامۂ اسلام'' کے نام سے اپنی مشہور رمزیہ داستان لکھی۔ اس کے بعد منظور حسین جیسے دیگر شعراء نے ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ''جنگ نامۂ اسلام'' کے نام سے ایک نظم لکھی۔ جس کے بعض اشعار یہ ہیں:

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی سلام اے فخر موجودات فخر نوع انسانی
سلام اے ظل رحمانی سلام اے نور یزدانی ترا نقش قدم ہے زندگی کی لوح پیشانی ۱۳

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اردو شعراء، عربی اور فارسی شاعری سے بہت زیادہ متاثر ہوئے، اس کے کئی اسباب ہیں۔ مثال کے طور پر فارسی ان کی محبوب زبان تھی، اس زبان میں وہ اشعار بھی کہتے تھے جس کی وجہ سے ان کی فارسی زبان بہت اچھی ہوگئی اور یوں وہ فارسی زبان سے ہر نئی چیز حاصل کرنے لگے، صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے عبدالرحمٰن جامی، سعدی شیرازی، جلال الدین رومی، حکیم سنائی اور فریدالدین عطار وغیرہ جیسے فارسی کے شاعروں کے بعض اشعار اپنے قصیدوں میں شامل کئے۔ صوفیائے کرام نے مولانا سعدی شیرازی کے اشعار ترنم سے گائے اور انہیں اپنی نظموں میں بھی

شامل کیا، ان میں ایک مشہور شعر یہ ہے:

بلغ العلی بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ و آلہ

یعنی (اپنے کمال سے وہ بلندی کو پہنچے اپنی خوبصورتی سے تاریکی ختم کردی) (ان کی تمام خصلتیں اچھی تھیں ان پر اور اہل بیت پر درود وسلام بھیجو)

چنانچہ صوفیائے کرام نے اس شعر کو اپنی شاعری میں یوں ضم کیا:

گئے رات معراج عرش اپر بلغ العلی بکمالہ کھلے پردے بھید کے بسر کشف الدجی بجمالہ

ہوئی حق کی ان پہ سو جب نظر حسنت جمیع خصالہ ہوا حکم حق محباں اپر صلوا علیہ و آلہ [۱۴]

اردو شاعری میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مختصر جائزے کے بعد ہمیں اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ متعدد اسباب و وجوہات کی بنا پر شاعری کی اس صنف کو رواج حاصل ہوا اور یہ ایک ایسا فن بن گئی جس کا اردو زبان میں ایک اہم مقام و مرتبہ ہے۔

ان اسباب میں سرفہرست برصغیر پاک و ہند کے لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کی شدید خواہش تھی۔ اس کے علاوہ برصغیر پاک و ہند کے اکثر لوگوں کا تعلق تصوف سے ہے وہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی تعریف کرتے، عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مناسبت سے خوشیاں مناتے، قوالیوں کی محفلیں سجاتے ہیں۔ ان مناسبات پر نعت گو ایسے مذہبی قصیدے پڑھتے ہیں جن میں مسلم و غیر مسلم سب دلچسپی لیتے ہیں، بالخصوص ایک مشہور صوفی جماعت ''بریلوی'' کے پیروکار تو اس طرح کی محفلوں کا بہت ہی زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔

مقالہ کا خلاصہ

عربی اور اردو زبانوں میں کہی جانے والی نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد اب ہم اپنے متعدد نکات پر روشنی ڈالتے ہیں جو ان دونوں زبانوں کے مابین ہمزہ وصل کا کام کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

عربی شاعری کے اکثر قصیدوں میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آغاز ایک ہی قصیدے کے اندر بکھرے ہوئے متعدد اشعار سے ہوا۔ پھر بوصیری کے زمانہ میں اس کے اندر ترقی ہوئی اور انہوں نے اسے باقاعدہ قصیدے کی شکل دے دی اور عربی شعراء اپنے قصائد کا آغاز غزلیات مقدمات سے کرنے لگے۔

جب کہ اردو زبان کے محسن کاکوروی جیسے بہت ہی کم شاعروں نے فارسی اور عربی قصیدوں کے انداز سے متاثر ہوکر اپنے قصیدے کے آغاز میں غزلیاتی مقدمے لکھے۔ عربی زبان میں لکھی جانے والی نعتیں طویل ہوتی تھیں۔ جب کہ اردو زبان میں لکھی جانے والی نعتیں لمبے لمبے قصیدوں کے اندر منتشر اشعار کی شکل میں پائی جاتی تھیں۔ اس سے رمزیہ داستانیں اور شیخ احمد رضا خاں وغیرہ جیسے بعض شاعروں کے لمبے قصیدے مستثنیٰ تھے۔

عربی زبان میں لکھی جانے والی ثنا خوانی کے اکثر قصیدے دو نصفی نظام، دو مصرعوں کی قافیہ بندی اور عمومی قافیہ بندی کے نظام پر قائم رہے، بحر بسیط، بحر وافی، بحر خفیف اور بحر طویل کو اپنا قالب اور ڈھانچہ بنایا جب کہ اردو قصیدوں کی شکلیں مختلف تھیں۔ یہ قصیدے اکثر و بیشتر غزل، مسدس اور مثنوی کی شکل میں سامنے آئے۔

ان دونوں زبانوں کے مابین ایک متفق علیہ چیز یہ ہے کہ ان دونوں نے ہی اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی مثالی شخصیت قرار دیا جنھیں اللہ تعالیٰ نے ساری انسانیت کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا تھا۔ چنانچہ شوقی کہتے ہیں:

محمد صفوة الباری و رحمته و بغية اللّٰه من خلق و من نسم
مشيئة الخالق الباری و صنعته و قدرة اللّٰه فوق الشك و التهم ۱۵

(حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے چنیدہ بندے اور اس کی رحمت ہیں، مخلوق اور لوگوں کی پیدائش کا مقصد وہی ہیں۔ وہ باری تعالیٰ کی مشیت اور اس کی صفت اور کاریگری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کسی شک و شبہ سے بالاتر ہے)۔

اور اقبال کہتے ہیں:

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ ۱۶

بلاشبہ نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم شاعری کی ایک صنف اور اعلیٰ ادب کا ایک حصہ ہے۔ اس لئے اسے وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جن کے دل سچائی اور اخلاص سے معمور ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اسلامی زبانوں میں کہی جانے والی نعتیں لوگوں کی قربت حاصل کرنے اور پیسے کمانے کی کوششوں سے دور ہیں۔ یہ صرف اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ بیان کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن سنتوں اور کمالات ذکر کرنے پر ہی مرکوز ہوتی ہیں۔

مثال کے طور پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

واحسن منك لم ترقط عینی — و اجل منك لم تلد النساء
خلقت مبرأ من كل عیب — كانك خلقت كما تشاء ۱۷

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین و جمیل ہستی میری آنکھوں نے نہیں دیکھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر عظیم شان والی ذات عورتوں نے نہیں جنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے پاک پیدا ہوئے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے پیدا ہوئے جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا)۔

اور بوصیری کہتے ہیں:

فاق النّبیین فی خلق و فی خلق — و لم یدانوه فی علم و لا كرم ۱۸

(وہ عادت، خصلت اور ہیئت ہر چیز میں تمام نبیوں سے فوقیت لے گئے اور علم و دانش اور جود و سخاوت میں بھی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ نہیں کیا)۔

اور محسن کاکوروی کہتے ہیں:

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل — میرے ایمان مفصل کا یہی مجمل

اور احمد ندیم قاسمی تو یوں گویا ہیں:

تیرا کردار ہے احکام خدا کی تائید — چلتا پھرتا نظر آتا ہوا قرآن تو ہے ۱۹

اردو شعراء کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اچھی صفات، خوبیاں اور کمالات بیان کرنے کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی عالمگیریت ثابت کرنے کی کوشش کی اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہانوں کے پروردگار کے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کی ہدایت کے لئے تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا نور لے کر آئے تا کہ دنیا کی تاریکیاں دور کریں۔ ظلم و زیادتی کا قلع قمع کریں، لوگوں کو بندوں کی غلامی سے آزاد کر کے اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف لے جائیں، لوگوں کے درمیان عدل و انصاف اور مساوات قائم کریں اور یہ بتائیں کہ لوگوں کے درمیان افضلیت کی بنیاد تقویٰ و پرہیزگاری اور نیک عمل ہے:

اردو شاعروں نے ان چیزوں پر توجہ اسلئے مرکوز رکھی کہ برصغیر پاک و ہند ظلم و ستم کا شکار تھا، لوگوں کے ذہن و دماغ پر نسلی و طبقاتی افکار اور خیالات سوار تھے۔ اس طرح کی بعض چیزیں عربی شاعروں کے نزدیک بھی پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ ''بردہ'' کے اسلوب و طریقے پر چلنے والے شاعر احمد شوقی کہتے ہیں:

فرسمت بعدك للعباد حكومة — لا سوقة فیها و لا امرا

انصفت اهل الفقر من اهل الغنی فالکل فی حق الحیاة سواء

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد لوگوں کے لئے حکومت کا ایک نقشہ کھینچا، اس میں نہ کوئی حاکم تھا اور نہ محکوم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر وغریب ہر ایک کے ساتھ انصاف کیا۔ چنانچہ زندگی گذارنے کے حق میں سب برابر تھے)۔

اس سلسلے میں علامہ اقبال گویا ہیں:

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز   نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بتان رنگ و خو کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا   نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

اسی طرح محقق یہ محسوس کرتا ہے کہ نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر ایک طرف قرآنی ثقافت اور نبوی سیرت سے واضح طور پر متاثر ہے تو دوسری طرف وہ صوفیانہ افکار وخیالات اور صوفیانہ ثقافت سے بھی متاثر نظر آتی ہے، چنانچہ اس میں وعظ ونصیحت، دنیا کی بے ثباتی، جہاد نفس، سفارش اور مدد وغیرہ جیسے صوفیانہ افکار وخیالات بکثرت پائے جاتے ہیں۔

البتہ یہ بات مدنظر رہے کہ اردو زبان میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہنے والے صوفیائے کرام انسان کامل کے نظریے کی طرف مائل دکھائی دیتے ہیں، کیونکہ وہ خالق مطلق کی عکاسی کرتا ہے اس سلسلے میں علامہ اقبال کہتے ہیں:

تھی تو موجود ازل سے ہی تیری ذات قدیم   پھول تھا زیب چمن پر نہ پریشان تھی شمیم
شرط انصاف ہے اے صاحب الطاف عمیم   بوئے گل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم
ہم کو جمعیت خاطر یہ پریشانی تھی   ورنہ امت ترے محبوب کی دیوانی تھی [20]

اور بوصیری کہتے ہیں:

محمد زینة الدنیا و بهجتها   فاضت علی الناس و الدنیا عطایاه
محمد رحمة الرحمن نفحته   محمد کم حلا فی اللفظ معناه
المصطفیٰ المجتبیٰ المحمود سیرته   حبیب ربك یهوانا و نهواه

(محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی زینت اور خوبصورتی ہیں، ان کی بخشش اور عطیہ ساری دنیا کے لوگوں کے لئے عام ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی خوشنودی ہیں۔ لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب کتنا میٹھا اور شیریں ہے۔ وہ چیدہ و چنیدہ ہیں۔ ان کی سیرت بھی قابل تعریف ہے۔ وہ تیرے پروردگار کے محبوب ہیں انہیں ہم سے محبت ہے اور ہمیں ان سے محبت ہے)۔

اور ظفر علی خان کہتے ہیں:

ہوئی تکمیل دیں تم سے کہ ختم المرسلیں تم ہو رسالت ہے اگر انگشتری اس کے نگیں تم ہو

اکملت لکم پڑھ کے زبان عربی میں ظلی و بروزی کی نبوت کو مٹادوں ۲۱

عربی اور اردو زبان کے نعت گو شعراء اگر چہ قدیم اور موروثی طرز واسلوب سے کلی طور پر آزاد نہیں ہوتے، تاہم انہوں نے اپنے اسلوب میں جدت پیدا کرنے کی کوشش ضرور کی ہے اور اپنے زمانے میں آنے والی تبدیلیوں کا ذکر کیا اور یہ چیز ہمیں شوقی اور بارودی جیسے عرب شعراء اور محسن کاکوروی، حالی اور اقبال جیسے اردو شاعروں میں نظر آتی ہے۔

اسی طرح اردو کے شاعروں نے اپنے مضامین میں رمز اور اشارے بہت استعمال کئے ہیں جب کہ عرب شعراء نے اس کی طرف بہت کم توجہ دی ہے۔اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اردو نعت شریف صوفیائے کرام کے چوغے سے باہر نہیں نکلی اسی وجہ سے عربی شاعری کی بہ نسبت اردو شاعری کے موضوعات میں فراوانی پائی جاتی ہے، چنانچہ اردو شاعروں نے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کی ہر چھوٹی بڑی چیز کو شاعری کا رنگ دیا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ یہ اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش اور مدد کے طلبگار ہیں۔

اس سلسلے میں مومن خان مومن کہتے ہیں:

وہی شافع خلق روز جزا اسی کی گذارش پہ عفو وسزا ۲۲

اور اسی طرح کے اشعار بوصیری سے بھی سنئے:

یا اکرم الرسل مالی من ألوذ به سواك عند حلول الحادث العَمَمِ

(اے رسولوں میں سب سے زیادہ سخی اور کرم فرما! عام حادثات کے وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کس کی پناہ لوں؟)

عربی اور اردو کے جدیدہ شاعروں نے نئی عبارتیں ایجاد کیں اور نئے افکار وخیالات پیش کئے، یہ آہ وبکا یا آہ وفغاں کے کلمات نہ تھے، یہ امید ورجاء اور شوق ومحبت کی عبارتیں تھیں، یہ ترمیم وتصحیح، اصلاح اور اسلامی بیداری کی دعوت تھی، چنانچہ بوصیری سے لے کر اب تک کے نعت گو شعراء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور زندگی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود منقطع نہیں ہوا ہے اس لیے یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہیں اس یقین کے ساتھ کہ وہ اپنی تعریفیں سن رہے ہیں۔

بوصیری کہتے ہیں:

مدائحہ تزید القلب شوقاً الیہ کانہا حلّی و طیب

لا تقنطی یا نفس اِن توسلی بالمصطفی المختار لیس یغیب ۲۳

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریفیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کا مزید شوق پیدا کرتی ہیں گویا کہ وہ مٹھائیاں اور خوشبو ہیں۔اے جان! اگر تم برگزیدہ و پسندیدہ ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش چاہو تو مایوس نہ ہو، کیونکہ وہ موجود ہیں غائب نہیں ہیں)۔

اور حالی کہتے ہیں:

فریاد ہے اے کشتی امت کے نگہباں بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

اے چشمہ رحمت بابی انت و امی دنیا پہ ترا لطف سدا عام رہا ہے ۲۴

اس میں کوئی شک نہیں کہ بوصیری کے حرف ''میم'' پر ختم ہونے والے قصیدوں کا تقریباً تمام اسلامی بالخصوص عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں کہی جانے والی نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا اثر پڑا ہے اور صوفیائے کرام کے خوشی، غمی، ولادت، جنگ اور حج سے حجاج کرام کی واپسی کی مناسبات پر منائے جانے والے جشنوں میں نعت گوئی اور انہیں پڑھنے سے ان کی نشر و اشاعت میں بڑی مدد ملی ہے۔

بلاشبہ اردو کے شاعروں نے عربی زبان سے بہت فائدہ اٹھایا ہے، اس لئے کہ جن لوگوں نے نعتیں لکھی ہیں ان کے لئے اسلامی تراث سے واقفیت ضروری تھی اور اسلامی تراث سے واقف ہونے کے لئے عربی زبان جاننا ضروری ہے خواہ کم ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ قرآن کریم اور حدیث پاک عربی زبان ہی میں ہیں۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ اردو شاعروں نے فارسی زبان کے شاعروں سے فائدہ نہیں اٹھایا، جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ انہوں نے فارسی زبان کے شعراء سے بھی بہت استفادہ کیا ہے۔یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ نئی ٹکنالوجی کے سامنے آنے کے باوجود نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم خالص اسلامی فن کی حیثیت سے باقی ہے، اور چونکہ یہ مختلف افکار و خیالات کے حامل اور مختلف جگہوں میں بسنے والے مسلمانوں کے دلوں میں رچ بس چکی ہے اس لئے اسے قبولیت عام اور شہرت حاصل ہے۔روابط و معلومات اور عالم کاری کے عصر و زمانے میں ہونے کے باوجود شاعری کی یہ صنف مغربی ثقافت سے متاثر نہیں ہوئی۔

اس وقت ہم ہر جگہ اور زبان کے جاننے والے مسلمانوں کے دل کی بات کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعت گوئی کا صرف یہ مطلب نہیں کہ ہم سلیس اور فصیح عبارت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیاں اور کمالات بیان کریں اور سریلی آواز میں انہیں گائیں بلکہ اس کے

ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ نبوت کے مقاصد کو اچھی طرح سمجھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور پیروی کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔

یاد رکھئے! جب ہم نے نبوت و بعثت کا مقصد اچھی طرح سمجھ لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اپنا اسوہ اور نمونہ بنالیا اور اپنی زندگی میں قرآن و حدیث کی تعلیمات پر عمل کرنا شروع کردیا تو پھر غیر مسلموں کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیاں اور اچھائیاں مختلف پیرائے میں بیان کرکے انہیں بھی اسلام سے قریب کرسکتے ہیں۔ اسلام کی صداقت کا سکہ ان کے دلوں میں بھی بٹھا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اچھی بات کہنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ آمین۔ یارب العالمین۔

حواشی:-

۱۔ امام بوصیری کا پورا نام محمد بن سعید ہے وہ 608ھ مطابق 1213ء مصر میں پیدا ہوئے، ان کی وفات 697ھ مطابق 1295ء میں ہوئی۔ اسکندریہ میں ان کی قبر ایک مشہور خانقاہ میں ہے جو ایک بڑی مسجد سے متصل ہے جہاں مذہبی علوم پڑھائے جاتے ہیں، انہوں نے متعدد اشعار کہے ہیں جن میں اپنے زمانے کے معاشرتی حالات بیان کئے۔ جہاں تک (قصیدہ بردہ) لکھنے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ ان کی فالج کی بیماری بتائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ حرکت نہیں کرسکتے تھے، اس وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ سے شفا طلب کرتے ہوئے قصیدہ لکھنے کے بارے میں سوچنا شروع کردیا، اس کے بعد اسے بار بار پڑھتے اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے رہے، ایک رات انہوں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا اور ان کے اوپر اپنی چادر ڈال دی تو وہ شفایاب ہوگئے، اس قصیدے کا نام (بردہ) یعنی چادر رکھنے کی وجہ تسمیہ یہی ہے۔

۲۔ بارودی کا نام محمود سامی ہے وہ ایک مصری شاعر تھے جو 1839ء میں پیدا ہوئے اور 1904ء میں وفات پائی۔ وہ عربی انقلاب کے رہنما تھے، انہوں نے 1847ء میں ترکی کا سفر کیا اور وہاں قیام کے دوران ترکی اور فارسی زبانوں پر عبور حاصل کیا، ان زبانوں کے ادب کا مطالعہ کیا اور ان کے بہت سے اشعار یاد کئے۔

۳۔ احمد شوقی عصر حاضر کے ایک نامور مصری عربی شاعر ہیں، 1868ء میں پیدا ہوئے اور 1932ء میں فوت ہوئے۔ عربی اور مغربی ثقافت کے بارے میں ان کا گہرا مطالعہ تھا۔

۴۔ احمد محرم مصر میں پیدا ہوئے ان کی تاریخ پیدائش 1877ء سے اور 1945ء میں وفات ہوئی۔ سیرت نبوی اور تاریخ کا مطالعہ کیا، احادیث شریف اور عربی اشعار یاد کئے۔ اپنے عہد کی مروجہ عربی نصوص پر گہری دسترس سے اس کا اثر ان کی زندگی اور شاعری میں نمایاں نظر آتا ہے۔

۵۔ زکی مبارک، المدائح النبویہ فی الأدب العربی، مؤسسۃ الشعب، القاہرہ۔

۶۔ فرمان فتح پوری۔اردو کی نعتیہ شاعری،لاہور 1974ص-120۔

۷۔ فرمان فتح پوری۔اردو کی نعتیہ شاعری،لاہور 1974ص-117۔

۸۔ فرمان فتح پوری۔اردو کی نعتیہ شاعری،لاہور 1974ص-65۔

۹۔ فرمان فتح پوری۔اردو کی نعتیہ شاعری،لاہور 1974ص-65۔

۱۰۔ مسدس حالی۔ص-18۔

۱۱۔ فرمان فتح پوری۔اردو کی نعتیہ شاعری،لاہور 1974ص-82۔

۱۲۔ فرمان فتح پوری۔اردو کی نعتیہ شاعری،لاہور 1974ص-86۔

۱۳۔ فرمان فتح پوری۔اردو کی نعتیہ شاعری،لاہور 1974ص-164۔

۱۴۔ نورالحسن ہاشمی۔کلیات ولی لکھنو،ص-262۔

۱۵۔ زکی مبارک۔المدائح النبویہ فی الأدب العربی،مؤسسۃ الشعب،القاہرہ۔

۱۶۔ کلیات اقبال۔ص-317۔

۱۷۔ زکی مبارک۔المدائح النبویہ فی الأدب العربی،مؤسسۃ الشعب،القاہرہ۔

۱۸۔ زکی مبارک۔المدائح النبویہ فی الأدب العربی،مؤسسۃ الشعب،القاہرہ۔

۱۹۔ احمد ندیم قاسمی جمال ص-48۔

۲۰۔ کلیات اقبال۔

۲۱۔ ظفر علی خاں۔ارمغان قادیاں،ص-23۔

۲۲۔ کلیات مومن۔ج-2ص-418۔

۲۳۔ زکی مبارک۔المدائح النبویہ فی الأدب العربی،مؤسسۃ الشعب،القاہرہ۔

۲۴۔ فرمان فتح پوری۔اردو کی نعتیہ شاعری،لاہور 1974ص-161۔

☆☆☆

علامہ اقبال اعظمی (مئو)

علامہ اختر رضا بریلوی کا عربی کلام عروضی اور فنّی محاسن کے تناظر میں

حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر رضا خاں ازہری بریلوی علیہ الرحمہ کے عربی کلام ''نغمات اختر'' کے عروضی اور فنی محاسن پر روشنی ڈالنے کے لئے حضرت مولانا مفتی شمشاد احمد صاحب قبلہ استاد جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی نے حضور والا کا غیر مطبوعہ، کمپوزڈ کلام ناچیز کو عطا فرمایا تھا۔ لہٰذا ناچیز نے حضور والا کے کلام پر زیرِ نظر مضمون لکھا۔ مفتی صاحب ناچیز کے مضمون کے ساتھ ازہری صاحب قبلہ کے کلام کو چھپوانے کا ارادہ رکھتے تھے مگر کسی وجہ سے نہ چھپوا سکے۔ لہٰذا یہ مضمون غیر مطبوعہ ہے۔

دبستان نعت شمارہ نمبر-3 میں مولانا محمد کاشف رضا شاؔد صاحب مصباحی (گلبرگہ) کا مضمون حضور تاج الشریعہ کی اردو شاعری سے متعلق چھپ چکا ہے۔ ان کی عربی شاعری سے متعلق کوئی مضمون ناچیز کی نظر سے نہیں گزرا۔ لہٰذا عام قارئین اور عربی ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے ذوق کی تسکین کے لئے یہ مضمون آپ کے مؤقر جریدے ''دبستان نعت'' کی نذر ہے۔

تقطیع کلام ''نغمات اختر'' اور فنی محاسن

بحر متدارک مقطوع محذوف: **فِعْلُنْ فِعْلُنْ فِعْلُنْ فَع**

هو الا رب مالی الله الله الله

فِعْلُنْ فِعْلُنْ فِعْلُنْ فَع   فِعْلُنْ فِعْلُنْ فِعْلُنْ فَع

بحر ہزج مسدس محذوف: مفاعلین مفاعیلن فعولن

رسول اللّٰہ یا کنز الامانی   علی اعتابِکم وقف المعانی

مفاعیلن مفاعیلن فعولن   مفاعیلن مفاعیلن فعولن

رسـول الـلّٰـه يـا بـدر التمـامِ اِلَيكَ اَفِـر مِـن شـرّ الـظُّلامِ
مفاعیلن مفاعیلن فعولن مفاعیلن مفاعیلن فعولن

بحر متقارب مثمن محذوف

أعيـنـاىَ جـودَا وَلَا تـجـمُـرا اَلَا تبـكيـانِ لِشَـطِّ الـنّوىٰ
فعولن فعولن فعولن فعل فعولن فعولن فعولن فعل

بحر رجز مسدس مقطوع:۔مستفعلن مستفعلن مفعولن/مفعول

الـمجـتـدى هـا قـد جَـٔا بِغنَاكَ يـوجـو رِضاكَ وَيحتمى بحماك
مستفعلن مستفعلن مفعول مستفعلن متفاعلن متفاعلن مفعول

اِنّ الـحَـمِيدَ هَدَى اِلَيك نَباهَةً مِـن حَـمـدِهٖ وَ مُـحَـمّـدا سَـمّـاكَ
مستفعلن متفاعلن متفاعلن مستفعلن متفاعلن مفعول

مستفعلن کی جگہ متفاعلن اور مفعول کی جگہ مفعولن، مفعولان اور متفاعل کا استعمال درست ہے۔

حَـالَ الـعَـنـاَءُ وَ حَلّتِ السّرّاءُ وُلِدَ الـضِّيـاءُ فَـالـكونُ وضّـاءُ
مستفعلن متفاعلن مفعولن متفاعلن مستفعلن مفعولن

بحر رمل مثمن سالم:۔

طَـلَـعَ البَـدرُ عَـلَيـنـاَ وَختَـفَـت مِـنـهُ البَـدُورُ
فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن

وَجَـبَ الشّـكـرُ عَـلَيـنـاَ مَـا تَتَـابَـعَ الـدُّهـورُ
فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن

عربی اشعار کی تقطیع میں حسب ضرورت فتحہ کی جگہ الف اور ضمہ کی جگہ واؤ شمار کرتے ہیں۔جیسا کہ طلع کے ''ط'' اور وجب کے ''و'' میں فتحہ کی جگہ الف اور ''البدور'' کی ''ر'' میں ضمہ کی جگہ واؤ لیا گیا ہے۔

بحر مضارع اخرب:۔مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

اَلـحَـمـدُ لِـلـجَـوارى اَلـواهِـب الـمُـرادِ
مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

مَـنّـانُ يـاَ عِـمـادِى شكـراً عـلى الرّشـاَدِى
مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

بحر ہزج مسدس محذوف:- مفاعلین مفاعیلن فعولن

تَلُومونی عَلیٰ ذَنب عَظِیم وَ مَن یَاتِ الذّنُوبَ فَقَد أَلَامَا

مفاعیلن مفاعیلن فعولن مفاعیلن مفاعیلن فعولن

تسکین اوسط کے اصول کے مطابق فقد کی ''ف'' متحرک کو ساکن کیا گیا ہے۔

بحر خفیف مسدس:- فاعلاتن مستفعلن فاعلاتن مستفعلن

هَادِی السّبل یاَ منارُ سلام عَدَدَ البَرّ والبِحَارُ سلام

فاعلاتن مستفعلن فاعلاتن فاعلاتن مستفعلن فاعلاتن

''ل'' مکسور کو ''ے'' اور ''رُ'' میں ''ر'' کے ضمہ کو واؤ سے بدل دیا گیا ہے۔

بحر رمل محذوف:- فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

یَا مُجیبُ یَا مُجَابُ اَنتَ نِعمَ المُستَناب

فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

یَا رَسُول اللّه حَقّا اَنتَ للِّنعماأباب

فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

بحر ہزج محبوب مقبوض:- مفاعیلن ۔مفاعلن ۔فعل

ثَوِی المُفتیِ العُظاَمُ مُخَلّداً بِدَارِ فأکرِمُ بِهاَ مِن دَارِ

مفاعیلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن مفاعلن فعلان

''فأ کرِمُ'' کی ''ف'' متحرک کو ساکن کیا گیا ہے۔ مفاعلن کی جگہ مفاعلین اور فعل کی جگہ فاعلن اور فعلان کا استعمال درست ہے۔

بحر مضارع مکفوف محدوف:- مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

کَیفَ الوُصول صاَح لَدَی الشّامِخِ الَاشَم

مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

مَن اَعجَزَ الشّوامِخَ طرّا مِنَ الشّمَم

مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

بحر رمل مثمن مقصور:- فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

غِبتَ فِی مآ رَھرَہ مِصباَحَ الدّنی شَمس الاَنَامَ

فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

یآ رُکآءُ مُصطَفآ نا بَعدَكَ الدّنیاَ ظَلاَم

فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

مصرع اولیٰ میں ''مارہرہ'' کی ''ہ'' تقطیع میں شمار نہیں کی گئی۔اردو، فارسی، عربی اور ہندی کے لفظ سے ''ہ'' کو گرانا درست ہے۔

مصرع ثانی کے لفظ ''رکاءُ'' میں ہمزہ کے فتحہ کو الف سے بدل کر ''رُکا آ'' کیا گیا ہے۔

بحر رمل متقارب محذوف :- فعولن فعولن فعولن فعل

اَعَینآ اَیَ جودا وَلَا تَجمُدا وَکونآ لِخَیرِ البِلَادِ فِدَی

فعولن فعولن فعولن فعل فعولن فعولن فعولن فعل

اَلَا تبکِیانِ لَھَا مِن اَسِی اَلَا تھمیانِ لِاَرضِ الھُدَیٰ

فعولن فعولن فعولن فعل فعولن فعولن فعولن فعل

پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ ''البلادِ'' کے حرف ''دِ'' کے کسرہ کو ''ی'' سے بدل دیا گیا۔

سَمِعنا بِرَھة خُمَینیّة تَدَاعُوا فَحَبّوا اِلٰی لَندَن

فعولن فعولن فعولن فعل فعولن فعولن فعولن فعل

اَفِیضُوا بِھَیجاَءَ اَو اقصِرُوا

فعولن فعولن فعولن فعل

اَلَا یَا خُمَینیّ یَا فَاجِرُ اُفِق مِن ضَلَالِكَ یَا خَاسِرُ

فعولن فعولن فعولن فَعل فعولن فعولن فعولن فعل

مصرع ثانی میں لفظ ''ضلال'' میں ''ل'' حرف کے کسرہ کو ''ی'' سے بدل دیا گیا ہے۔

بحر بسیط مخبون رکن دوم :- مستفعلن فعلن مستفعلن فعلن

یَا مَطلَع اَلانوَار فِی کُلّ اَزما مان مَن سِرّہ سَارَ فِی کُلّ اکوان

مستفعلن فعلان مستفعلن فعلن مستفعلن فعلن مستفعلن فعلن

اَلمُصطَفیٰ اَصل اَکرم بمَنُبَتِہٖ اَلمُصطَفیٰ فَرع یَسُمُو بِعَدُنانٖ

مستفعلن فعلن مستفعلن فعلن مستفعلن فعلن مستفعلن فعلنٖ

پہلے شعر میں ہر جگہ ''مستفعلن'' آیا ہے۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں لفظ "بمنبتہٖ" میں "بَتِہٖ" "فَعِلُنْ" کے وزن پر آیا ہے۔ "فَعِلُنْ" کی جگہ "فَعِلُنْ" کا استعمال درست ہے۔

''نغماتِ اختر'' کے فنی اور عروضی محاسن

''نغماتِ اختر'' حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی کے کلام بلاغت نظام کا مجموعہ ہے جو عربی نعت پر مشتمل ہے۔ آپ دودمانِ اعلیٰ حضرت کے چشم و چراغ ہیں۔ نابغۂ روزگار ہیں۔ اہلسنّت و جماعت کے سپہ سالار ہیں۔ بدمذہبوں کے لئے سیف الجبار ہیں۔ علم وادب کے شاہکار ہیں۔ عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ حدیقۂ اعلیٰ حضرت کے پھول ہیں۔

آپ نے مندرجہ بالا تقطیع کے تناظر میں دیکھا کہ حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں صاحب قبلہ نے اپنے عربی نعتیہ اشعار میں کس وسعت نظری کے ساتھ بحروں کے زحافات کو ان کی تمام تر وسعتوں اور امکانات کے ساتھ برتا۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حضور والا فن عروض میں بھی یکتائے روزگار ہیں۔

ان کے مجموعہ کلام کی پہلی نظم اللہ عزوجل کی حمد اور نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے، جس کا عنوان ہے، ''قصیدۃ فی الحمد و مدح النبی'' اس نظم کے مطالعے سے ہمیں اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کا پیغام ملتا ہے۔ اس نظم میں شاعر کی اللہ و رسول عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، وارفتگی اور شیفتگی کا پتہ چلتا ہے۔ اللہ و رسول عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں شاعر کی خودسپردگی، عاجزی اور خاکساری قابل دید ہے۔ الفاظ و بیان کی سلاست، بلاغت، جاذبیت، مقناطیسیت اور ایجاز قابل دید ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ   مالی ربّ اِلّا ھو

معبود صرف اللہ ہے۔   اس کے سوا میرا کوئی نہیں۔

''اللہ'' اللہ عزوجل کا اسم جلالت ہے۔ ارشاد ربانی ہے:-

قل اللّٰہ ثمّ ذرھم فی خوضھم یلعبون۔ اللہ کہو پھر انہیں چھوڑ دو ان کی بیہودگی میں کھیلتا۔ (پارہ-7، ترجمہ کنزالایمان)

اتمام حجت ہو جانے کے بعد اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ سے کنارہ کشی کا حکم دیا۔ حضور پرنور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتمام حجت کے بعد رافضی، خارجی، وہابی، قادیانی، دیوبندی، چکڑالوی اور گاندھوی جو مرتد منافق ہیں ان سے ہمیں کنارہ کشی کا

حکم دیا۔ علامہ ازہری صاحب قبلہ نے ''اللہ اللہ اللہ'' کہہ کر ہمیں یہی حکم دیا کہ ہم ''اللہ'' کہیں اور بدمذہبوں کو چھوڑ دیں۔ ہمارے لئے اللہ کافی ہے جو ہمارا رب ہے۔

یَفنی الُکلّ وَ یَبقی ھُو   لَیسَ الباقی اِلّا ھو

ہر شے فنا ہوجائے گی   اللہ کے سوا کسی کو بقا نہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ. وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ.

زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے۔اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات عظمت اور بزرگی والا۔

(پارہ-27،الرحمٰن،ترجمہ کنزالایمان)

مَن کَانَ دُعَاءُہٗ اَن یَا ھو   ذَاكَ حَمِید عُقبَاہ

جو اپنی دعا میں اسے پکارے   اس کی آخرت عمدہ ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِىْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ.

اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

(پارہ-27،المومن،ترجمہ کنزالایمان)

مَن مَاتَ یَقُولُ اَللّٰہ   ذَاكَ الخَالِدُ مَحیاہ

جو اللہ کہتے ہوئے مرا   اس کی زندگی ابدی ہوگئی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ.

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان۔

(پارہ-4،آل عمران،ترجمہ کنزالایمان)

اس شعر کے ذریعہ علامہ ازہری صاحب قبلہ نے مسلمانوں کو اسلام وایمان پر ثابت قدم رہنے کا پیغام دیا۔اب اسی نظم کے آخر سے نعت کا ایک شعر اور حضرت کا مقطع ملاحظہ فرمائیں:

اِنّ نِعمَۃَ اَحمَدُنَا   یَا طَالِبَ نِعمَۃِ مَولَاہ

بے شک ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نعمت ہیں، اے ان کے مولا کی نعمت طلب کرنے والے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ۔

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔

(پارہ-4، آل عمران، ترجمہ کنزالایمان)

ھٰذا اَخْتَرُ اَدناکُم رَبّی أحْسِنْ مَثْوَاہ

یہ اختر تم میں کا ایک ادنیٰ شخص ہے اے میرے رب اس کا ٹھکانہ اچھا کر۔

''ادناکم'' میں ''کم'' اپنے معاشرے اور سماج کے لوگوں کے لئے آیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بطور تواضع اور خاکساری علامہ ازہری صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ وہ سماج کے ایک معمولی آدمی ہیں۔ اے میرے رب اس کا ٹھکانہ اچھا کر۔ اس کی تشریح کی ضرورت اس لئے پڑی کہ کسی کو یہ گمان نہ گزرے کہ جمع حاضر کی یہ ضمیر اللہ عزوجل کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ زیرِ نظر مجموعہ میں کتابت کی غلطی کی وجہ سے أَحْسِنْ کی جگہ اَحْسَنَ چھپ گیا ہے جس کی وجہ سے مصرع ساقط الوزن ہو رہا ہے اور معنی میں خرابی پیدا ہو رہی ہے۔

حمد اور نعت کے چند اشعار اور ملاحظہ فرمائیں:

رَسُولُ اللّٰہِ یَا بَدرُ التّمَام اِلَیکَ اَفِرُّ مِن شَرِّ الظّلام

اے رسول اللہ اے ماہ کامل ظلمتوں کے شر سے میں آپ کی پناہ لیتا ہوں

حمد باری تعالیٰ:

اَلحَمدُ لِلجَوَادِ اَلوَاھِبُ المُرَادُ

تمام خوبیاں سخاوت والے کے لئے مراد پوری کرنے والے

مَنّانُ یَا عِمَاوِی شُکراً عَلَی الرّشَادِ

احسان کرنے والے میرے سہارے ہدایت کا شکریہ

نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم:

ثُمّ الصّلَاۃُ عَلَی خَیرُ الوَرَیٰ الھَادِی

پھر درود ان پر جو مخلوق میں سب سے بہتر اور ہدایت کرنے والے ہیں۔

مندرجہ بالا حمد اور نعت کے اشعار اللہ اور رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے پر ہیں اور ہمیں اللہ اور رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا پیغام دیتے ہیں۔ ان اشعار میں زبان کی سلاست بلاغت اور ایجاز قابل دید ہیں۔ چھوٹی بحر میں، مختصر الفاظ میں زیادہ باتیں کہی گئی ہیں۔ آپ

کے اشعار میں گویا ''کوزے میں دریا'' کو بند کیا گیا ہے۔

''نغمات اختر'' میں دو نظمیں خمینی کی مذمت میں ہیں۔ جن کے عنوانات ہیں، "سَمِعناَ بِرَھطِ خُمَینِیَة" اور "اَفِیضُو بِھَیجَاءَ اَو اَقصِرُوا" چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

سَـمِـعـنـاَ بِـرَهـط خُـمَـیـنِیة   تَـداَعُـو فَـحَـجّـوا اِلٰی لَـنـدَن

خمینی کی جماعت کے بارے میں ہم نے سنا   ایک دوسرے کو بلایا اور لندن کا قصد کیا۔

تَـوافَـو بِـلَـنـدَن فِی مَجـمَـع   فَـجـاَءُ وَ اِبــراىِٔ لَهُـم الـعَـنِ

تو وہ سب لندن کی ایک میٹنگ میں شامل ہوئے   تو ان کے لئے ایک ایسی رائے لے کر آئے جو لعنت والی ہے۔

(سَمِعَناَ بِرَهطٍ خُمَینِیة)

اَلَا یـاَ خُـمَـیـنـیّ یَـا فَـاجِـر   اُفِـق مِـن ضَلَالِكَ یَـا خَـاسِـرُ

اے خمینی اے فاجر   اے گھاٹے والے اپنی گمراہی سے ہوش میں آ جا۔

وَیَـکـفـیِ الـعِـرَاق قِتـاَلَ العَدَی   مَـلِیكُ الـعَـدِیَ الـقـاَدِرُ القَـاهِـرُ

دشمنوں سے جنگ کے لئے دشمنوں کا   مالک قادر وقاہر عراق کے لئے کافی ہے۔

(اَفِیضُوا بَهحاَءَ اَو اَقصِروا)

اس نظم میں ایران اور عراق جنگ کے بارے میں اشعار ہیں، جن میں خمینی کی مذمت اور سخت سرزنش کی گئی ہے اور عراق کی حمایت کی گئی ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم (نئی دہلی)

نعتیہ مجموعہ ''وسیلۂ نجات'' ایک مطالعہ

نعت عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب پیغمبر آخر الزماں احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات کا نقشہ کھینچنا ہے، یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں صرف لفظوں کے تار و پود ہی نہیں سنوارے جاتے بلکہ اس عمل میں شاعر اپنی زندگی کو بھی حسن و زیبائش سے آراستہ کرتا ہے، نعتیہ شاعری محض شاعری ہی نہیں بلکہ یہ شیشوں اور آبگینوں کی ایسی کارگاہ ہے جو بڑی ریاضت و بصیرت کا تقاضہ کرتی ہے اس لئے کچھ شعرا اس کسوٹی پر کھرے نہ اترنے کی وجہ سے اپنی زندگی میں نعت کا کوئی ایک شعر بھی نہ لکھ سکے، اس صنف کا آغاز رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے ہزاروں سال قبل ہی ہو چکا تھا۔ جب آمنہ کا لال بطحا کی سرزمین پر اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوا تو نہ جانے کتنے شعرا نے اپنی عقیدت و محبت کا خراج اس کی بارگاہ میں پیش کیا اگر ان کا جائزہ لیا جائے تو قلم یہ لکھنے میں حق بجانب ہوگا کہ خالق کائنات کے بعد اگر کسی مخلوق کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہے تو وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ذات گرامی ہے، اگر ہم نعت کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو عربی اور فارسی نعتوں سے پہلے ہمیں عبرانی زبان میں بھی نعت کا سراغ ملتا ہے جو حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام سے منسوب ہے، اس نعت میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سراپا بیان کیا ہے، جو آپ کے صحیفہ ''غزل الغزلات'' باب پنجم مروجہ عبرانی زبان کے پرانے نسخے میں جو ۱۸۰۰ کا طبع شدہ ہے موجود ہے۔ یہ نعت دودی صح وادوم دغول مربابہ'' سے شروع ہوتی ہے اور ''خلو محمد یم ذہ دودی وذہ رعی یا بنو ثیر وشلایم'' پر ختم ہوجاتی ہے۔ اس عبرانی نعت کا ترجمہ ''صحیفہ غزل الغزلات، باب پنجم، سطور ا تا ۱۰ نسخہ عبرانی مطبوعہ ۱۸۰۰ لندن برٹش بائبل ایسوسی ایشن پر شائع ہو چکا ہے جس کا منظوم ترجمہ بھی مجموعہ نعت ''انوار حرا ''مطبوعہ ۱۹۹۷ء حرا فاؤنڈیشن پاکستان کراچی کے صفحات ۱۹۹ ر پر موجود ہے جس کی شروعات اس شعر سے ہوتی ہے۔

ہے میرا دوست ایسا رنگ جس کا قدرے گندم گوں
ہزاروں میں ہے وہ یکتا اسی کا تو میں شیدا ہوں

سنو، الماس کی مانند اس کا سر ہے نورانی
سیہ اس کی ہیں زلفیں اور درخشاں اس کی پیشانی

مبارک ریش رخساروں پہ یوں دیتی دکھائی ہے
کہ جیسے بیل خوشبودار واں پر ایک چھائی ہے

ہے منھ اس کا ہلالی، خوشبوؤں میں بس رہا ہے جو
معطر گفتگو اس کی، ہیں سنتے بختور اس کو

ہیں لب اس کے یا تازہ پھول کی اک نرم پتی ہے
عجب ہی روح افزا جس میں سے خوشبو نکلتی ہے

طلائی ہاتھ ہیں گویا جواہر سے جو ہیں روشن
شکم جیسے کہ ہاتھی دانت کی تختی پہ ہو روغن

وہ تختی اُجلی بھی ہے اور جواہر سے مرصع ہے
سنو تم، اس کی پنڈلی حسن فطرت کا مرقع ہے

مثال ماہ کامل اس کے رخ سے ہی اجالا ہے
جواں ہے وہ صنوبر کی طرح، اخلاق والا ہے

وہ میرا دوست ہے، محبوب مجھ کو دل سے بے حد ہے
یہ سن رکھّو سمجھ رکھّو کہ نام اس کا محمد (ﷺ) ہے

(ڈاکٹر سراج احمد قادری، دبستان نعت ۲۰۱۸ء ص ۱۱۰ شمارہ ۳)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی نعت نگاری کے بعد عام مخلوق میں سب سے پہلے بادشاہ یمن تبّع نے رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں مدحیہ قصائد لکھے تھے، جس کا تفصیلی ذکر ابن عساکر نے ''تاریخ دمشق'' میں کیا ہے، جس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔

بادشاہ یمن تبّع کو جب معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ میں پیغمبر آخر الزماں ہجرت کر کے آنے والے ہیں تو اس نے ایک خط لکھا اور اس پر سونے کی مہر لگا کر یہودی عالم شامول کے حوالہ کر کے یہ وصیت کی کہ اگر تجھے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہو تو تم یہ خط انھیں دے دینا ورنہ

وصیت کرنا کہ تمہاری اولاد میں جس کو بھی ان کا زمانہ ملے یہ خط ان تک پہنچا دے۔ حضرت ابوایوب انصاری شامول کی اکیسویں پشت میں تھے، جب وہ خط ان تک پہنچا تو انھوں نے وہ خط ابولیلیٰ کے ذریعہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مکہ معظّمہ بھجوا دیا اور انھی کے ذریعہ آپ کو مدینہ منورہ آنے کی دعوت بھی دی۔ ابن عسا کر لکھتے ہیں کہ جس وقت حضرت ابولیلیٰ نے مکہ معظّمہ بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضری دی تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے اس طرح گویا ہوئے جیسے کہ ایک مدت سے ان کے انتظار میں رہے ہوں، بادشاہ یمن تبّع کے خط میں درج ذیل اشعار لکھے ہوئے تھے۔

فشهدت علیٰ احمد انه　　　رسول من الله باری النسم
فلو مر عمری الیٰ عمره　　　لكنت وزيراً له وابن عم

اگر درج بالا واقعہ کی تاریخی سند معتبر مان لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بادشاہ یمن تبّع کے یہ مدحیہ اشعار حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد فن نعت گوئی میں اولیت سے سرفراز ہوں گے۔

دنیا کی ہر زبان میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نعتیہ کلام موجود ہے، شاید ہی ایسی کوئی زبان باقی رہی ہو جس میں اس زبان کو جاننے والے شعرائے کرام نے نعتیہ کلام نہ پیش کیا ہو، اردو زبان جو ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد پیدا ہوئی اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوتے ہوئے ایک ادبی زبان کی شکل میں ابھر کر منظر عام پر آئی اس زبان نے کئی بیرونی زبانوں سے استفادہ کرتے ہوئے ان زبانوں کے اصناف سخن کو اپنایا اور کئی اصناف سخن میں ردو بدل کرتے ہوئے اردو زبان کی کئی ایک نئی اصناف کو جنم دیا، اردو زبان میں نعتیہ کلام کی ابتدا اور ارتقا پر کئی تحقیق کاروں نے اپنے خیالات و نظریات پیش کئے ہیں جس کا ذکر باعث طوالت ہوگا مختصر یہ کہ اردو زبان میں نعتیہ اشعار کہنے والوں کی طویل فہرست ہے۔ بقول فرمان فتح پوری :

> ''قدیم دکنی شعرا سے لے کر آج تک اردو کا شاید ہی کوئی شاعر ایسا ہوگا جس نے نعتیہ اشعار نہ کہے ہوں اور یہ الگ بات ہے کہ کسی نے خاص شغف اور لگاؤ کے ساتھ کہے اور کسی نے محض تکلّفات سے کام لیا، کسی نے تواتر اور اہتمام سے اس کام کو انجام دیا ہے اور کسی نے گاہے گاہے طبع آزمائی کی ہے''۔ (شمیم گوہر، نعت کے شعرائے متقدمین ص ۵)

بارگاہ رسالت میں نعتوں کا گلدستہ پیش کرنے والوں میں برصغیر کے ہندو و مسلم کی کوئی تمیز نہیں

مسلم شعرا کے ساتھ غیر مسلم شعرا نے بھی بارگاہ رسالت میں اپنی عقیدتوں اور محبتوں کا نذرانہ پیش کیا ہے، یہ باضابطہ الگ بحث کا موضوع ہے۔

شعر سنجی کے لئے موزوں طبیعت کا ہونا لازمی امر ہے اگر طبیعت موزوں نہیں ذہن میں شگفتگی نہیں، فکر میں بالیدگی نہیں اور دل میں فرحت وسرور نہیں تو تک بندی تو ہوسکتی ہے مگر کوئی پاکیزہ شعر فکر کے قالب میں نہیں ڈھالا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ارباب علم ودانش میں نثر نگاروں کی بہ نسبت شعرا کی تعداد ہر دور میں قدرے کم رہی ہے اور نعتیہ شاعری کرنے والے اس سے بھی کم! کیوں کہ نعتیہ شاعری دراصل اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت کا اظہار ہے جسے جتنا زیادہ ہی سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہوگی اس کی شاعری میں اسی قدر وارفتگی اور نکھار پایا جائے گا، احادیث سے ثابت ہے کہ جب تک کوئی شخص اپنے اہل وعیال اور تمام مادی اثاثہ سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ عشق نہ کرے گا وہ صحیح معنوں میں مسلمان نہیں ہوسکتا، لیکن ایک ایسا شاعر جو صرف شاعر ہی نہیں بلکہ قرآن وحدیث کا باضابطہ عالم بھی ہے اور مدرسہ سے وابستگی کے علاوہ وعظ وتبلیغ اس کا محبوب مشغلہ ہو جب وہ شاعری کرتا ہے تو اس کی شاعری کے اقدار اور پیمانے دیگر شعرا سے مختلف نظر آتے ہیں، عام شعرا کی نعتیہ شاعری کے مضامین کے علاوہ اس کی شاعری میں تصور عشق، شاعرانہ پیکر تراشی، عظمت توحید ورسالت، لسانی وعروضی چاشنی، محاورات وتلمیحات، مشکل زمینوں کا انتخاب، اردو کے ساتھ ہندی اور عربی وفارسی زبانوں کی آمیزش، قرآن وحدیث جیسے علوم وفنون کی رنگارنگی، اس کی نعتیہ شاعری کے وہ اجزائے ترکیبی ہوتے ہیں جن کی بنیاد پر وہ دوسرے شعرا سے ممتاز نظر آتا ہے۔ مجموعہ نعت وسیلہ نجات'' کے شاعر مولانا محمد مجاہد حسین رضوی حسن الہ آبادی کا شمار ایسی ہی شعرائے کرام میں ہوتا ہے، جنھوں نے اپنی نعتیہ شاعری میں گل وبوٹے، ساغر ومینا، جام وبادہ سے بحث نہیں کی ہے بلکہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محاسن، خصائص، سراپا، معجزات،، اخلاق وکردار، شیریں کلامی، امتیوں سے پیار ومحبت کو کتاب وسنت کی روشنی میں اپنی شاعری کا محور ومرکز قرار دیا ہے اور بجا قرار دیا ہے کیوں کہ:

نبی کی آنکھیں نبی کے ابرو نبی کے عارض نبی کے گیسو
کسی بھی رخ سے نبی کو دیکھو کہیں سے کوئی کمی نہیں ہے

(ص ۹۴)

مجاہد حسین حسن الہ آبادی کی شاعری کا ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ انھوں نے الف سے یا

تک حروف تہجی کے تمام حروف کو بالترتیب ردیف وقافیہ کا حصہ بنایا ہے، حالانکہ انھیں اس طرح نعت گوئی میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اظہار عقیدت ومحبت کرنے میں مشکلیں تو ضرور پیش آئی ہوں گی مگر انھوں نے جس خوبصورتی سے اسے نبھایا ہے وہ اس میں منفرد اور یگانہ نظر آتے ہیں اس شاعرانہ روش کا اہتمام زمانہ قدیم کے استاد شعرا کے یہاں ضرور پایا جاتا ہے مگر عہد حاضر کے شعرا میں یہ وصف عنقا نظر آتا ہے۔

حسن الہ آبادی نے اردو کے علاوہ دیگر زبانوں جیسے ہندی، انگریزی، اور عربی وفارسی کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے اور اس اہتمام کے ساتھ جگہ دی ہے کہ کوئی مصرعہ بے وزن نہ ہونے پایا ہے اور نہ ہی مفہوم کی ادائیگی میں کسی طرح کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ ذیل میں نمونہ کے طور پر کچھ اشعار نقل کئے جا رہے ہیں۔

عمل کا کھاتا جو دیکھا لکھا تھا ''نو بیلنس''　　مری نجات کی امید آخری ہیں آپ　(ص ۱۷)

جو محبوب خدا ہیں ان کی امت میں ہیں ہم شامل
ہمیں سب امتوں پر ہے اسی '' آدھار'' پر ترجیح
(ص ۳۴)

تسلیم کر رہا ہوں کہ '' سنسار'' ہے وسیع　　''سنسار'' سے بھی رحمت سرکار ہے وسیع　(ص ۵۱)
درود جب کہ ہے کنجی سبھی مرادوں کی　　حسن کو کیوں نہ بنائے ''سپھل'' درود شریف　(ص ۵۵)
بیواؤں کو وقار سے جینے کا حق دیا　　آقا نے ایک بیوہ کو لے کر '' وواہ'' میں　(ص ۸۱)
مرے روبہ رو ہو روضہ ہو زباں پہ نعت سرور　　یہ حسیں ترین لمحہ، بھی '' کبھی کبھار'' آئے　(ص ۹۵)
خدائی کیا خدا کو بھا گئی ہے　　مرے آقا کی وہ ''سندر چھوی'' ہے　(ص ۱۰۵)

ان اشعار میں نو بیلنس (انگلش) اور آدھار، سنسار، سپھل ، وواہ، کبھی کبھار اور سندر چھوی ہندی زبان کے الفاظ ہیں مگر شاعر نے جس خوبصورتی کے ساتھ اردو ادب کی چادر میں ہندی اور انگریزی کا پیوند لگایا ہے وہ قابل تعریف ہی صرف نہیں بلکہ نعتیہ ادب میں ایک خوبصورت اضافہ کا احساس بھی ہوتا ہے۔

حضور اس کو اٹھائیں جو اوفتادہ ہے　　اسے سوار کرائیں جو پا پیادہ ہے　(ص ۱۰۶)
عدالت نبوی میں فرق ناممکن　　کہ یہ گدا کا ہے بیٹا وہ شاہزادہ ہے　(ص ۱۰۶)
مرے حضور کی موجودگی کا ہے صدقہ　　وجود کی یہ عمارت جو ایستادہ ہے　(ص ۱۰۶)

ان اشعار میں اوفتادہ ، پاپیادہ ،شاہزادہ اور ایستادہ فارسی زبان کے الفاظ ہیں جسے انھوں نے

اردو شاعری میں موتی کی لڑیوں کی طرح اس طرح پرو دیا ہے کہ غیریت کا احساس ہی نہیں ہوتا ہے۔

ہے ظاہر '' ادن منی'' اور جواب ''لن ترانی'' سے
کہ دی آقا کو رب نے طالب دیدار پر ترجیح
(ص ۳۴)

کیوں ادھوری پڑھ رہا ہے آیت '' قل انما''
پڑھ کے تو "یوحی الیّ" مرکزِ انوار ڈھونڈ
(ص ۳۸)

وہ روضہ سرکار ہے اب ہوش میں آجاؤ تم
یہ بارگاہ ناز ہے "لاترفعوا اصواتکم"
(ص ۶۵)

وہ نور حق نور خدا مثل بشر کیوں کر ہوا
قرآن کو دیکھو ذرا ارشاد ہے " قد جاءکم"
(ص ۶۵)

گر چاہتے ہو لطف رب نازل ہو تم پر روز وشب
اے اہل ایماں بادب " صلوا علیٰ محبوبکم"
(ص ۶۵)

کیا کہہ رہے ہو ان کو تم ، یہ پوچھنا مقصود ہے
باقی تو بس تمہید ہے "من ربك ما دینکم"
(ص ۶۵)

دلیل اس کی ہے "خیر لك من الاولیٰ"
نہیں عروج محمد کی انتہا کوئی
(ص ۹۱)

ان کے علم پاک کی دیتے نہ یوں گندی مثال
حکم داور "لاتقولوا راعنا" گر دیکھتے
(ص ۱۱۲)

"رب ھب لی امتی" کس نے کہا وقت ظہور
''امتی'' ہے حشر میں جس کی زباں پر کون ہے
(ص ۱۱۴)

وہ جن کے رستے میں دشمنوں نے حسن بچھائے ہیں روز کانٹے
لبوں پہ ان کے '' انا لھا'' کا گلاب ہو گا بروز محشر
(ص ۴۰)

گفتگو کرنے سے پہلے مصطفٰے کے علم پر سلسلہ افکار کو مضمون "مااوحی" سے جوڑ (ص ۴۲)
وہ حد علم پیغمبر بتانا بھول جائیں گے جو "مااوحی" کی آیت میں چھپے اسرار کو دیکھیں (ص ۷۱)

وسیلۂ نجات کے شاعر حسن الہ آبادی بنیادی طور پر عالم دین ہیں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے نمائندہ فارغین میں ان کا شمار ہوتا ہے وہ محقق بھی ہیں اور آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے اسرار ورموز سے بھی واقف ہیں اس لئے ان کی نعتوں میں مضمون کی سطح پر علمی گہرائی نظر آتی ہے مصرعوں میں جس روانی سے انھوں نے قرآن واحادیث سے استفادہ کیا ہے وہ حیرت انگیز ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان وداب سے ان کی وابستگی عارضی نہیں بلکہ بحیثیت خطیب اپنی باتوں کو قرآن واحادیث سے مزین کرنے کی ان کی عادت ثانیہ بن چکی ہے انھوں نے اپنے اشعار میں قرآنی آیات اور احادیث نبوی کو جس خوبصورتی کے ساتھ اردو شاعری میں استعمال کیا ہے وہ ایک عالم دین ہی کے شاعرانہ کمال ہی کا نتیجہ ہوسکتا ہے اور کمال یہ بھی ہے ان آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے ذریعہ شاعر نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت وفضیلت کو ثابت کر کے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اصل نعتیہ شاعری تو وہی ہے جس کا سرا قرآن واحادیث سے ملتا ہو اور یہ واضح ہو سکے کہ خلق خداوندی میں بعد خدا اگر کسی کو برتری حاصل ہے تو وہ صرف اور صرف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ذات گرامی ہے۔تمام نعت گوشعرا نے اسی بات کو مختلف پیرایۂ بیان کے ذریعہ بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اپنی محبتوں اور عقیدتوں کا خراج پیش کیا ہے۔

''وسیلہ نجات'' کے شاعر حسن الہ آبادی چوں کہ اس مذہبی افکار کے حامل ہیں جن کی آبیاری ہندوستان کی سرزمین پر امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان، ان کے خانوادہ اور خلفاء وجانشین نے کی ہے اس لئے انھوں نے ان تمام گستاخانہ عقائد کو سرے ہی خارج قرار دیا ہے جس سے شان رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ادنیٰ سی بھی گستاخی کا شائبہ ہوتا ہے'' نبی کا

علم زیادہ ہے یا شیطان کا'' یہ ایسی گستاخانہ فکر ہے جس پر مسلمانوں کی ایک جماعت کے مذہبی افکار کی پوری عمارت کھڑی ہے، قرآن تو نبی کو **وعلمك مالم تكن تعلم** اور **ماهو على الغيب بضنين** جیسے الفاظ سے مخاطب کرے اور کچھ لوگ اس بات پر بضد ہیں کہ شیطان کا علم زیادہ تھا اگر اس قسم کا عقیدہ رکھنے کو شاعر حسن الہ آبادی نے مناظرانہ لب ولہجہ میں گفتگو کی ہے تو کیا برا کیا ہے؟

کیا کہا؟ ''ابلیس کو آقا سے زیادہ علم ہے'' کس کو کس پر برتری دی تو نے ناہنجار! سوچ (ص ۳۱)

اس لئے انھوں نے ایک دوسرے مقام پر کھل کر ایسے عقیدہ رکھنے والوں کو باطل قرار دیا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے تئیں جو اکابر علمائے کرام ومشائخ عظام کے علاوہ قرآن وحدیث سے جو ثابت ہے اس پر نہ صرف ثابت قدم رہنے بلکہ اس کا برملا اظہار کا بھی حکم دیا ہے، لکھتے ہیں۔

دب کر نہیں خم ٹھونک کر اے سنیو! بولو گستاخ رسالت کا عقیدہ ہے سبو تاز (ص ۴۴)

یہ واضح رہے کہ نعت گوئی میں اظہار عقیدہ، نعت گوئی کے فن سے حتی المقدور عہدہ برآ ہونے میں کامیابی پانے کے مترادف ہے اور اس کا حسن یہ ہے کہ سامع پر اسی عقیدہ کا ایسا اثر مرتب ہو کہ سامع وقاری متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور وہی آرزوئیں اور تمنائیں جن سے شاعر دوچار ہوا ہے وہی آرزوئیں اور تمنائیں سامع وقاری کے دل میں بھی مچلنے لگیں یہ خوبی حسن الہ آبادی کی شاعری میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے اور اس کے لئے جو انھوں نے انداز بیان اختیار کیا ہے اس میں حقیقت نگاری کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

علمائے اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے نور سے جو پہلی مخلوق کو وجود بخشا وہ نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے پھر تمام کائنات کو اسی نور سے آراستہ کیا، جب آدم کی تخلیق ہوئی تو نور مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کی پیشانی کو مزین کیا گیا جس کے باعث انھیں مسجود ملائکہ کا اہل سمجھا گیا جس کی طرف شاعر نے اس طرح اشارہ کیا ہے۔

مسجود بن گئے وہ ملائک کے کس طرح آدم سے پوچھ عظمت نور نبی کا راز (ص ۴۳)

علمائے اہلسنّت کا مشہور عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی شفیع المذنبین ہیں اور آدم علیہ السلام کو جب جنت سے زلت کی بنیاد پر آرائش دنیا کے لئے دنیا میں بھیجا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام آپ ہی کا نام لے کر اللہ رب العزت سے معافی کے خواستگار ہوئے تھے اور وہ صرف اس لئے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محبوب خدا ہیں درج ذیل شعر میں یہی بات کہی گئی ہے۔

ما وشما کی بات تو جانے ہی دیجئے نبیوں کو بھی حسن ہے ضرورت رسول کی (ص ۸۹)

اہلسنّت کا ایک یہ بھی مشہور عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی غیب داں ہیں اپنے امتیوں کے وہ ہر پل کی خبر رکھتے ہیں ہمیں کس چیز کی حاجت ہو یہ بھی ہمارے نبی کو معلوم ہے اور کل کیا ہونے والا ہے اس کی بھی خبر انھیں رہتی ہے درج ذیل اشعار میں یہ دونوں عقیدے کس قدر واضح ہیں آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ہیں رسول اللہ میری حاجتوں سے باخبر
ان کے در پر مجھ کو عرض مدعا سے کیا غرض

(ص ۴۸)

یہ ہے بوجہل کا مقتل ، یہاں عتبہ مرے گا کل
نبی نے بدر کے میدان میں نقشے بنائے تھے

(ص ۱۱۶)

یہ پوری دنیا جانتی ہے کہ دنیا میں نہ جانے کتنے مصلح آئے اور اپنی مذہبی قیادت و رہنمائی کا اعلان کیا مگر **کل نفس ذائقة الموت** کا مزہ چکھنے کے بعد ان کی سیرت و کردار سے ہم نابلد ہو جاتے ہیں اس کے برخلاف جب ہم اپنے مصلح اعظم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو صحابہ کرام نے اپنے پیارے رسول کے قیام وقعود، نشست و برخاشت، خورد ونوش، سفر وحضر، خانگی معاملات، ہر چیز یعنی پیدائش سے لے کر سفر آخرت تک کے ہر لمحۂ حیات کو محفوظ کر لیا کیوں کہ **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة** کے لئے یہ ضروری تھا۔ تا کہ ہر قوم ہر قبیلہ، ہر پیشہ کے لوگ اپنے لئے اپنی نبی کو ماڈل بنا سکیں جس کی طرف شاعر نے اس طرح اشارہ کیا ہے۔

حیات ان کی نمونہ ہے ہر بشر کے لیے اسی لیے تو نبی کی ہے ہر ادا محفوظ (ص ۵۰)

مشہور حدیث ہے **انما نا قاسم واللہ یعطی** اللہ دیتا ہے میں تقسیم کرتا ہوں اس میں کسی چیز کی تخصیص نہیں بس خدا جانے اور محبوب خدا جانے یہ ایک مسلمہ اصول ہے روز اول سے جس پر عمل جاری ہے کوئی بھی منگتا ان کے در سے خالی نہیں جاتا ہے بیشتر قرآنی آیات اور احادیث نبویہ اس پر شاہد ہیں، اس نظام قدرت پر بھی اللہ کے کچھ بندوں کو اعتراض ہے اور وہ نبی کے واسطے کے بغیر براہ راست سب کچھ خدا سے لینا چاہتے ہیں اسی لئے شاعر نے متنبہ کیا ہے جو لوگ ایسا سوچتے ہیں وہ کار عبث میں مبتلا ہیں۔

ہر چیز دو جہاں کی خدا کی عطا سے ہے میرے نبی کے دائرہ اختیار میں (ص ۷۷)
اس سخی داتا کے در پر سائلو آ و چلیں سائلان در سے جو ہرگز کبھی ''نا'' نا کریں (ص ۷۴)
دے کے کوثر انھیں اللہ نے یہ فرمایا کچھ جھڑکنا نہ کسی کو نہ ہی ''لا''، ''لا'' کرنا (ص ۹)

نعمت خدا کی بٹتی ہے دست رسول سے لے لے براہ راست کسی میں یہ دم نہیں (ص۶۹)

ہمارے نبی تلمیذ الرحمان ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے الرحمٰن علم القرآن دنیا میں ان کا نہ کوئی حقیقی اور نہ ہی کوئی مجازی استاد ہے کسی شاعر نے سچ کہا ہے کہ

تعلیم جبرئیل امیں تھی برائے نام حضرت وہیں سے آئے تھے لکھے پڑھے ہوئے

اس واضح حقیقت کے باوجود اگر کوئی یہ کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم دار العلوم دیوبند میں ہوئی جیسا کتب دیابنہ میں لکھا ہوا ہے کس قدر جہالت اور نادانی پر منحصر ہے، حسن الہ آبادی نے اس تعلق سے اپنا عقیدہ دوٹوک لفظوں میں اس طرح سنا دیا ہے۔

نہیں ہے کوئی معلم نبی کا دنیا میں خدا کی بارگہ ناز میں پڑھے ہیں رسول (ص۶۳)

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے جو اس قسم کا گستاخانہ عقیدہ رکھتے ہیں خواہ وہ محبوب خدا کے بغض وعناد میں یا کسی سعودی ریال کی لالچ میں تو انھوں نے واضح لفظوں میں اپنی شاعری کی زبان میں فرما دیا ہے ایسا عقیدہ رکھنے والوں کے لئے جہنم کے علاوہ کوئی دوسرا ٹھکانہ نہیں ہے۔

بغض سرکار سے نجدی ابھی باز آ ورنہ تجھ کو لے جائے گی دوزخ میں تری نادانی (ص۹۳)

ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم پر اس قدر مہربان ہیں کہ وہ ہماری قبر میں بھی ہماری دستگیری کے لئے تشریف لائیں گے یہ علمائے اہل سنت کا عقیدہ ہے، منکر نکیر جو قبر میں سوال کرتے ہیں اس میں آخری سوال آپ کی ہی ذات اقدس کی معرفت کے تعلق سے ہوتا ہے جس پر پہلے اور دوسرے دونوں سوالوں کی کامیابی کا انحصار ہوتا ہے۔

بتادے جو بھی نکیرین کو کہ کون ہیں یہ عذاب قبر سے سمجھو وہ ہو گیا محفوظ (ص۵۰)

حسن الہ آبادی نے اپنی نعتیہ شاعری میں تلمیحات کے علاوہ اردو ادب کے محاورات کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ شاعری کا لبادہ پہنایا ہے جس کی بنیاد پر شعر کے حسن میں بالیدگی پیدا ہوگئی ہے۔ خوشیوں سے گھی کے چراغ جلنا، چوکھا رنگ ہونا جیسے محاورے عام طور بولے جاتے ہیں ''وسیلہ نجات'' کے شاعر نے اس محاورہ کو کس خوبصورتی کے ساتھ نبھایا ہے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

شب ولادت سرکار میں مسلمانو جلاؤ اپنے گھروں میں خوشی سے گھی کے چراغ (ص۵۲)

ذکر چھڑا ان کی عظمت کا تو محفل پر چھایا رنگ
رنگ نبی کی مدحت کا ہے سب رنگوں میں چوکھا رنگ

(ص۶۰)

حسن الہ آبادی نے صرف اپنی عاقبت سنوارنے کی بات نہیں کہی ہے بلکہ تمام انسانوں کو یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ یہ دنیا کی رنگینیاں جس میں تم پڑے ہوئے ہو اس سے کچھ ہونے والا نہیں یہ سب چیزیں یہیں کی یہیں دھری رہ جائیں گی لہٰذا

دنیاوی خواہشات کے چکر میں مت پڑو ''سب کچھ ملا حضور کا گر نقش پا ملا'' (ص ۱۰)

حسن الہ آبادی کے یوں تو دیوان نعت کے تمام اشعار معنی خیز اور عشق مصطفائی سے لبریز ہیں جس قدر پڑھئے ایمان میں جلا پیدا ہوتا ہے اور حب مصطفیٰ کی شمعیں دل میں فرزاں ہو جاتی ہیں لیکن کچھ اشعار جن میں لفظوں کی ترکیب اور دروبست میں کچھ کمی کا احساس ہوتا ہے شاید ایسا اس لئے ہو گیا کہ شاعر اپنی گونا گوں مصروفیت کے باعث خود اپنے دیوان پر نظر ثانی نہ کر سکا ہے، مثلاً یہ شعر جس میں ''حامی کار'' کا لفظ استعمال ہوا ہے ''حامی کار'' کے مجموعہ ترکیب سے شاعر نے مددگار کا معنی پیدا کیا ہے جب کہ لفظ حامی ہی اس کے لئے کافی تھا ''کار'' کا اضافہ بے جا ہے مگر چوں کہ یہ قافیہ کا حصہ ہے اس لئے اس سے مفر بھی ممکن نہ تھا، شعر یہ ہے۔

فیصلہ اللہ کا حق میں ترے ہو گا حسن حشر میں سرکار جیسا اپنا حامی کار ڈھونڈ (ص ۳۸)

اگر اس شعر کے دوسرے مصرع کو اس طرح کر دیا جائے تو کار کا قافیہ بھی استعمال میں آ جائے گا اور معنویت بھی برقرار رہے گی۔

فیصلہ اللہ کا حق میں ترے ہو گا حسن حشر میں سرکار جیسا تو حمایت کار ڈھونڈ

شاعر نے ایک جگہ لفظ ''ہر پھر'' استعمال کیا ہے یہ ''ہر پھر'' محاورہ ہے یا علاقائی بولی ہے میری سمجھ سے بالاتر ہے یہ لفظ دیوان میں ایک جگہ نہیں دو تین جگہ استعمال ہوا ہے جیسے کہ

اگر آتے نہ ''ہر پھر'' کر تمہارے آستانے پر
یہ مجرم اپنے روٹھے رب کو منوانے کہاں جاتے

(ص ۱۱۷)

مرا مرکز، مرا محور، مرے سرکار کی چوکھٹ
یہیں آؤں گا ''ہر پھر'' کر مرے سرکار کی چوکھٹ

(ص ۲۴)

شاعر کا یہ شعر

حسن شجر ہو حجر ہو قمر کہ سورج ہو ہر ایک شے پہ شہ دیں کا اقتدار ملا (ص ۷)

اس شعر میں اگر اقتدار کی جگہ اختیار ہوتا تو شعر کی معنویت بڑھ جاتی اور ویسے بھی اس پوری نعت میں اختیار کا قافیہ استعمال نہیں ہوا ہے جب کہ اقتدار کا قافیہ استعمال ہو چکا ہے۔

قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ نے سفر معراج کا ذکر کرتے ہوئے پندرہویں پارہ میں **سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ** فرمایا اس ضمن میں شاعر حسن الہ آبادی نے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اصل سفر معراج کا منتہیٰ تو حریم حق تھا یہاں جو الی الاقصیٰ کا ذکر آیا وہ تو اہل مکہ کے لئے تھا۔

منتہیٰ ان کے سفر کا تھا حریم حق حسن اہل مکہ کے لئے ذکر ''الی لاقصیٰ'' ہوا (ص ۱۱)

اگر اہل مکہ کی جگہ ''اہل دنیا'' کر دیا جائے تو شاید مفہوم مزید واضح ہو جائے گا۔

ایک بات اور جو رہ رہ کے دماغ میں الجھن پیدا کرتی ہے وہ ''کہہ'' کا املا ہے شاعر نے ہر جگہ لفظ ''کہہ'' کو ''کہ'' ہی استعمال کیا ہے ممکن ہے کہ یہ کمپوزنگ کی غلطی ہو اگر ایسا ہے تو اشاعت سے قبل اس کی اصلاح کر لینی چاہئے۔

شاعر نے جہاں حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی 'کفش برادری' کو ذریعۂ نجات سمجھا ہے اور میدان محشر میں اپنی تمام کمائی پر اس کو ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے۔

حسن کے واسطے کام آئے گی میدان محشر میں
تمہاری کفش برداری کی دولت حافظ ملت

(ص ۱۳۰)

اس شعر میں مصرعہ ثانی اُکھڑا معلوم ہوتا ہے کیوں کہ لفظ کَفَش کے اول دونوں حروف متحرک ہیں اگر حرف اول متحرک اور آخر کے دونوں حروف ساکن ہوتے تو شعر کی موزونیت میں فرق نہیں پڑتا اگر کفش کی جگہ لفظ نَعل استعمال کر لیا جائے تو شعر میں موزونیت بھی پیدا ہو جائے گی اور معنی بھی اپنی جگہ برقرار رہے گا اس صورت میں شعر اس طرح ہو جائے گا۔

حسن کے واسطے کام آئے گی میدان محشر میں تمہاری نعل برداری کی دولت حافظ ملت

یہ تمام شعرا کا دستور رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات کا بھرپور اظہار کرنے کے بعد آخر میں ہر شاعر نے اپنی بے بسی اور عجز و درماندگی پر اپنی گفتگو ختم کی ہے خواہ وہ شیخ سعدی ہوں یا مولانا جامی عہد حاضر کے ڈاکٹر اقبال ہوں یا رضا بریلوی سب نے ہی وصف شان رسالت بیان کرنے میں اپنی عاجزی و درماندگی کا اظہار کیا ہے حسن الہ آبادی کا تعلق بھی شعرا کے اسی قبیل سے ہے لہٰذا وہ بھی تمام حروف تہجی میں نعتیہ اشعار کہنے کے باوجود بھی اس کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے۔

حسن میں نعت نبی اس پہ ختم کرتا ہوں
خدا کے بعد ہر اک ذات سے بڑے ہیں رسول

(ص ۶۳)

لیکن چلتے چلتے شاعر نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ اردو ادب کی مشکل ترین صنف میں زور آزمائی کا مقصد نہ حصول زر ہے اور نہ ہی شہرت وعزت بلکہ ایک امتی ہونے کے ناطے میری شاعرانہ کاوشوں کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ جس قدر بھی ممکن ہو سکے میں اپنے نبی کی عظمتوں کا اظہار کر کے اپنی عاقبت سنوار سکوں اور اپنا مقدر بنا سکوں اس کے علاوہ میری شاعری کا کوئی مقصد نہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

حبیب کبریا کی نعت لکھ کر مقدر میں بنانا چاہتا ہوں (ص ۷۳)
ہر ایک شعر سے ان کا کمال ظاہر ہے حسن یہی ہے مری پوری شاعری کا شرف (ص ۵۴)

عہد حاضر کے دینی مزاج رکھنے والے شعرا میں مدحت رسول کا مضمون باندھنے والے شاعروں کی کمی نہیں ہے مگر عشق رسالت کی جو تڑپ اور محبت رسول کی جو جھلک حسن الہ آبادی کی شاعری میں ہمیں نظر آتی ہے وہ دوسروں کے یہاں ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملتی ہے اگر کہیں ملتی بھی ہے تو صرف بعض اشعار میں مگر جستہ جستہ جس طرح ہم نے حسن الہ آبادی کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کی زبان کوثر وتسنیم سے دھلی ہوئی ''ادب گاہیست زیر آسماں ازعرش نازک تر'' کا اہتمام کرتے ہوئے مدحت رسول میں عطر بیزی کرتی ہوئی چلی جاتی ہے، اس طرح میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ شاعر حسن الہ آبادی کا ایک دو شعر یا ایک دو نعت ہی نہیں بلکہ پورا دیوان ''وسیلہ نجات'' رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ عشق ومحبت کا آئینہ دار ہے۔ وسیلہ نجات کے شاعر حسن الہ آبادی عالم وفاضل ہونے کے ساتھ ساتھ بزرگان دین اور مشائخ عظام سے بھی بھرپور عقیدت رکھتے ہیں اس لئے الحمدللہ میرے مطالعہ کی حد تک ان کی پوری شاعری شراب وکباب، زلف وکاکل، حسن وعشق، ناز وادا، چنگ ورباب، تیر ونشتر اور وعدہ ووعید جیسے الفاظ سے یکسر عاری ہے، عظمت رسالت کے لئے جن الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے وہ صرف آرائش بیان کے لئے نہیں بلکہ اس میں والہانہ عشق کا ایسا الاؤ ہے جس میں شاعر کا دل تپ کر کندن بن گیا ہے یہ ایک ایسا وصف ہے جو حسن الہ آبادی کو دوسرے معاصر شعرا سے ممتاز کرتا ہے میں'' وسلیہ نجات'' کے شاعر کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد دیتا ہوں اور مستقبل میں اس قسم کے ادبی شہ پاروں کی مزید امید رکھتا ہوں، بلاشبہ ''وسیلہ نجات'' آنکھوں سے لگانے اور قلب وروح کو گرمانے والا نعتیہ مجموعہ ہے جس کی پذیرائی اور اعتراف ضروری ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی بھٹکل (کرناٹک)

جدید اردو نعت میں روحِ عصر

جدید اردو ادب کا آغاز سرسید اوران کے رفقاء حالی وشبلی سے ہوتا ہے، جب انہوں نے شعر وادب کو نئے اسالیب، نئی ہیئتوں اور نئے موضوعات سے ہمکنار کیا۔ شعر کا رشتہ ''فردیت'' کے بجائے ''اجتماعیت'' اور داخلیت کے بجائے ''خارجیت'' سے جوڑا تو تمام اصنافِ سخن کے ساتھ نعت کے موضوع کو بھی وسیع کینوس ملا۔ اب حالی اوران کے رفقاء کی نعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف عقیدت ومحبت کے اظہار تک محدود نہیں رہی بلکہ اسے وسیلۂ اصلاح سیرت وکردار بھی بنایا گیا۔ سیرت کے پیغام کو عام کرنے اور مقاصد نبوت کو فروغ دینے کی تحریکی ضرورت کا احساس بعد میں شدت اختیار کرتا گیا۔ گزشتہ نصف صدی میں ایسے ہم فکر شعراء کا ایک کارواں اردو ادب میں جادہ پیما ہوا' جن کا مقصد اسلامی ادب کا فروغ اور نعت میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشروط کرنے کا جذبہ ان شعراء کا رہنما رہا ہے۔

الطاف حسین حالی کی نعت، جس میں انہوں نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ملّتِ اسلامیہ کا حال زار بیان کیا ہے۔ اس کی ابتدا نہایت پردرد اور رقت انگیز ہے اور جس کے بعد تو اردو نعت گویا عصری مسائل اور ملّی شعور کا مرقع بن گئی۔ ملّت کے معاملات دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں استمداد واستغاثہ اور فریادوں کا نہایت پردرد بیان شروع ہو گیا۔

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقت دعا ہے امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے
فریاد ہے اے کشتی امت کے نگہباں بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

دور جدید نے جو روحانی اور تہذیبی کرب جنم دیئے ہیں، ان کی گونج بھی آج کی نعت میں سنائی دے رہی ہے۔ گویا جدید اردو نعت فرد سے لے کر ملت کے اجتماعی مسائل سے پیدا ہونے والے

گہرے کرب سے مرتب ہوئی ہے۔ نعت کا یہ رنگ و آہنگ اردو کی نعتیہ شاعری کا امتیاز خاص ہے۔ عصری آگہی، اجتماعی مسائل، سیاسی و تاریخی اور ملی شعور کی جھلکیاں جتنی کثرت اور جذبہ کی شدت کے ساتھ اردو زبان کی نعتیہ شاعری میں ملتی ہیں، وہ شاید ہی دوسری زبانوں میں ملیں۔ اس وقت میرے سامنے دور حاضر کے درجنوں شعراء کی نعتیہ عطائیں ہیں، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے عشق و شیفتگی کے ذکر کے ساتھ ملت کے اجتماعی احوال بھی بیان کئے گئے ہیں۔ یہ نعت گو شعراءِ غمِ جاناں کے ساتھ غم دوراں کی روداد بھی سناتے رہے ہیں۔

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا حالیؔ نے مدو جزرِ اسلام کے نام سے ایک طویل نظم لکھی جو مسدس حالی کے نام سے مشہور ہے۔ اس نظم میں انہوں نے مسلمانوں کے دورِ عروج کی تاریخ بیان کی ہے اور اس کے بعد عہدِ زوال و انحطاط کی تصویر بھی کھینچی ہے، جس کا مقصد مسلمانوں کو بیدار کرنا اور انھیں انقلاب کیلئے تیار کرنا ہے۔ حالی کی شاعری گہرے ملی شعور کی آئینہ دار ہے۔ جب مغربی تہذیب کا ستارۂ اقبال مسلمانوں پر چمکا اور ان کے ملک کے ملک اس تہذیب کی یلغار سے پسپا ہونے لگے تو حالی کے ساتھ اکبرالہ آبادی نے بھی طنز کے تیر و نشتر لے کر مغربیت کے خلاف میدان میں آ گئے۔ پھر اقبال نے بھی مغربی تہذیب کو تنقید کا نشانہ بنایا' مگر اکبر کے مقابلہ میں اقبالؔ کے یہاں گہرائی زیادہ ہے۔ اس مغربی تہذیب کا ضمیر و خمیر لادینیت' مادیت' عیش کوشی اور لذت و منفعت سے بنا ہے۔ اقبال نے مغرب کے نظام فکر و تعلیم کو اپنی فلسفیانہ تنقید کا نشانہ بنایا۔ اقبال نے اپنے نعتیہ اشعار میں خصوصاً ارمغان حجاز میں عصر حاضر کے افکار کا گہرا تجزیہ کیا اور اس کے نقصانات بتائے۔ ملت کی بے بسی کا ذکر اقبال نے یوں کیا ہے۔

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر   اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کرائے روح محمد   آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

یہاں پر ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا نعتوں میں ملی مسائل، اجتماعی درد اور استغاثہ و فریاد کی پیش کش درست ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ اردو کے مقابلہ میں عربی و فارسی کی نعتیں زیادہ موحّدانہ شان رکھتی ہیں۔ عربی و فارسی شعراء کے نزدیک قومی و ملی مصائب کا بیان نعت کے دائرہ سے باہر کی چیز ہے اور آلام روزگار کی فریاد پیش کرنے کی جگہ رب ذوالجلال کی بارگاہ ہے نہ کہ مدینہ کی سرکار۔ چنانچہ اس مسئلہ پر عربی زبان و ادب کے معروف اسکالر، ناقد اور محقق پروفیسر محسن عثمانی ندوی نے اپنے ایک مضمون میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، لکھتے ہیں؛

''قومی و ملی درد و غم کے اظہار کے لئے نعت کی صنف سخن عربی اور فارسی میں کبھی نہیں رہی لیکن اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ عربی و فارسی نعتوں میں شخصی اور ذاتی غموں کا بیان موجود ہے اور نعت گو شعراء ''پئے درماں طلبی'' مدینہ تک پہنچتے اور رحم کے لئے پکارتے رہے ہیں۔ اب اگر نعت میں شخصی اور ذاتی غموں کے بیان کی گنجائش موجود ہے تو قومی اور ملی احوال کے ذکر کی گنجائش بدرجہ اولیٰ نکل سکتی ہے۔ اس کے علاوہ جدید عربی شاعری میں شوقی سے لیکر عدنان نحوی تک بعض شعراء کے نعتیہ کلام میں قومی اور ملی احوال و مصائب کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس لئے موحدانہ اور غیر موحدانہ کی اصطلاح میں توجیہ کی تلاش غلط معلوم ہوتی ہے۔''

یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ نعت گوئی کا فن گویا پل صراط کا سفر ہے۔ جس میں قدم قدم پر لغزش پا کا خطرہ ہے۔ خدا اور رسول کے مابین فرق و امتیاز کی جو فصیل ہے وہ عام طور پر اردو کی قدیم نعتیہ روایات میں ملحوظ نہیں رکھی گئی ہے۔ عام طور سے نعت کا موضوع شمائل و سراپا نگاری' یا دمدینہ میں بیقراری، اذنِ حضوری کا انتظار، دوری و مہجوری میں سرشاری، ساتھ ہی حیات طیبہ، اخلاق نبوی، شفاعت طلبی، اشک ندامت، حضور کے احسانات کا تذکرہ اور درود و سلام کے موضوعات ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ ان موضوعات میں اردو کی جدید نعتیہ شاعری نے عصری آگہی، ملی شعور، سوز و گداز کے ساتھ دورِ ابتلاء و آزمائش کے بیان کا اضافہ کر دیا ہے۔ غم دوراں اور احوال زمانہ کے بیان کی ایک بڑی وجہ برصغیر ہند میں مسلمانوں کو تاریخ کے جس المیہ کا سامنا کرنا پڑا وہ نہایت دلدوز اور جاں گداز ہے۔ اس تاریخ میں تین ادوار ۱۸۵۷، ۱۹۴۷ اور ۱۹۹۲ خاصی اہمیت کے حامل ہیں، جبکہ یہاں کی ملت اسلامیہ کو ابتلاء و آزمائش کے عظیم سمندر اور آگ و خون کے دریا سے گزرنا پڑا تھا، ان دلخراش واقعات کا بیان باعث طولانی بھی ہے اور حیرانی و پریشانی کا سبب بھی۔ اگر اس طویل تاریخی پس منظر کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آجائے گی اور کوئی حیرت کی بات نہیں رہ جائے گی کہ ہندوستانی شعراء نے زیادہ نعتیں کیوں کہی ہیں؟ ان نعتوں میں قومی و ملی حالات کی عکاسی کیوں کی گئی ہے اور ان میں زیادہ سوز و گداز کیوں ہے؟ دراصل یہ کارساز ازل کی حکمت کی کارفرمائی ہے۔ جب سیاسی و سماجی نظام عام ہو جاتا ہے تو سرچشمہ اسلام سے دلوں میں زبردست عشق و شیفتگی پیدا ہو جاتی ہے جو ایک حصار کا کام کرتی ہے۔ اردو کی نعتیہ شاعری اس کی بہترین مثال ہے۔

اب ایک نعتیہ نظم کے چند اشعار دیکھئے جن میں شاعر نے دورِ جدید کے فتنہ کے مقابلہ کے لئے ایک نئے مجدّد اسلام کے ظہور کی تمنّا کی ہے۔ نظم میں جوشِ عقیدت اور سوز وساز موجود ہے۔ طویل نعتیہ نظم سے چند شعروں کا انتخاب پیش کیا جارہا ہے۔

حضور! دشتِ بلا میں ہے شامِ غم کا ظہور — حضور! آپ کی چشمِ کرم ہے آیہ نور
جلائے شعلہ جاں ڈھونڈتا ہے راہوں کو — گھرا ہے ظلمتِ ہجراں میں آپ کا مہجور
حضور! قرب کے لائق کہاں یہ دیوانہ — مگر اجازتِ حسرت کشی عطا ہو ضرور
گھرا ہے یورشِ تشکیک وو ہم میں مومن — ہوئی ہے عام جہاں میں رسومِ فِسق و فجور
حضور! کوئی مجدّد عطا ہو ملّت کو — ہو جس کے فیض سے احیائے دینِ حق کا ظہور
بہت طویل ہیں آلامِ دہر کے سائے — بہت دراز ہے اب دامنِ شبِ دیجور

(عبداللہ خاور)

ایک دوسری نعتیہ نظم میں شاعر مدینہ جانے والے کو حسرت سے دیکھتا ہے اور ان کی خاک قدم کو اپنا سرمہ بنانا چاہتا ہے اور ان سے یہ گزارش کرتا ہے کہ اس دربار میں پہنچ کر امّت کا حال زار ضرور سنانا۔

اے خوش نصیب لوگو! یثرب کے جانے والو — عیش ابد کمالو رنج سفر اٹھا کر
آؤ ذرا کہ دے لوں تسکیں اپنے دل کو — خاکِ قدم تمہاری انکھوں سے میں لگا کر
اس بد نصیب کی ہے اک عرض سنتے جاؤ — کہتا ہے چشمِ تر سے سیروں لہو بہا کر
دیکھو یہ یاد رکھنا طیبہ میں جب پہنچنا — مجھ کو نہ بھول جانا مقصود اپنا پا کر
ہو روضۂ نبی پر جب حاضری تمہاری — کہنا بہت ادب سے جالی کے پاس جاکر
سرکار نیند کب تک للہ جلد اٹھئے — امّت کا دم رکا ہے گویا لبوں پہ آکر
محشر بپا ہے اٹھئے اے شمع بزم محشر — امّت کے سر پہ رکھیے دست کرم اب آکر
بگڑی ہے بات ایسی بنتی نہیں بنائے — بیٹھے ہیں آپ ہی سے سب آسرا لگائے

(تمنّا عمادی پھلواروی)

فرقہ وارانہ فسادات ہندوستانی مسلمانوں کا ایک ایسا سنگین مسئلہ رہا ہے۔ جو اردو کی نعتوں میں اکثر موضوع اظہار بنا ہے۔ دیکھئے ایک شاعر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ومنقبت لکھنا چاہتا ہے اسی اثنا میں جبل پور میں فساد کا آتش فشاں بھڑک اٹھتا ہے جو اُس کے خیال کو آتش بداماں کر دیتا ہے۔

اے عازمِ دربارِ شہنشاہِ مدینہ — یاد آئیں اگر تجھ کو شہیدانِ جبل پور

کہنا بصدِ آداب کہ اے مرکزِ امّید　　بدلے گئے کیوں بارگہہِ ناز کے دستور
یا وہ ترے الطاف وعنایات کا عالم　　دشمن کا بھی دامن ترے احسان سے معمور
یا آج ہے یہ شانِ تغافل کہ غضب ہے　　کیا کچھ نہ ہوا زیرِ فلک آہ! جبل پور
کہنے کے لئے چاہئے پتھر کا کلیجہ　　ہم کیا کہیں کیونکر کہیں ہرگز نہیں مقدور
تھرّا اٹھے عبرت سے بیابان وجبل بھی　　اغیار کے دل جس کے تصوّر سے ہوئے چور
حیرت ہے کہ یہ حادثہ امّت پہ جو گزرا　　کیوں رہ گیا آقا کی نگاہوں سے یہ مستور
ایسی بھی غلاموں سے خطا کیا ہوئی سرزد　　افسوس کہ ایسے ہوئے ہم راندہ ومقہور
گو بادۂ عصیاں کا نشہ ہم پہ ہے طاری　　مانا کہ ہوئے ہم بہت آزادہ و مغرور
لیکن ہے خطا کاروں کا اک تو ہی سہارا　　تو ہی جو خفا ہوا تو کہاں جائیں یہ مجبور
نسبت ہمیں تجھ سے ہے کچھ اس کی بھی رہے لاج　　غیروں سے تو فریاد نہیں ہے ہمیں منظور
یہ خون وطن کو تری امّت نے دیا ہے　　حاضر ہیں ترے در پہ شہیدان جبل پور

(حفیظ الرحمان واصف)

اب اسی طرح کی ایک دوسری نعت کے چند اشعار دیکھئے۔ مراد آباد میں جب عین عید الفطر کے دن عید گاہ میں قتل کا بازار گرم ہوا تو کلیم عاجز نے بادِ صبا کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا۔ ؎

صبا کملی والے سے پیغام کہیو　　مدینہ پہنچ کر سرِعام کہیو
لہو سے بھرے جاتے ہیں جام کہیو　　یہاں میکدہ کہتے ہیں قتل گہہ کو
محرم کا اب عید ہے نام کہیو　　بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

میرٹھ میں مسلمانوں کا خون بہا کلیم عاجز بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تو اپنی فریاد اس طرح پیش کی۔ ؎

یہ سر کہ جس کا مول نہ تھا تاج قیصری　　ہوتا ہے اب فروخت بہت سستے دام پر
اور سستے دام کی بھی ضرورت نہیں رہی　　بے دام ہی تراش لئے جاتے ہیں یہ سر
گردن بریدہ پیرہن و جسم سوختہ　　یوں بھی ہم آئے کوچہ وبازار میں نظر
اب کریم آپ کا اور آپ ﷺ بھی کریم　　اب درمیاں دونوں کریموں کے ہے یہ سر

مسلمانوں کی خانماں بربادی اور حرماں نصیبی کا کچھ نہ کچھ ذکر کلیم عاجز کی ہر نعت میں ضرور ملتا ہے ایک نعت کے چند اشعار دیکھئے۔ ؎

یہ بات صبا کہیو ان سے وہ جن کی کملیا کالی ہے
اب ان کے غلاموں کے گھر کی دیوار اٹلنے والی ہے
کہیو کہ انھوں نے اپنی نظر کیوں ہم سے الگ فرمالی ہے
ہم نے تو انہیں کے زلفوں کی زنجیر گلے میں ڈالی ہے
کہیو کہ دلوں پر چھائی ہوئی ہر سمت شکستہ حالی ہے
دن بھی یہاں سونا سونا اور رات بھی کالی کالی ہے
کہیو کہ یہ صورتحال ہے اب ہم منہ کو چھپائے پھرتے ہیں
گردن پہ تو چہرے ہیں لیکن چہروں پہ کہاں اب لالی ہے
کہیو کہ وہی تو ساقی ہیں کہیو کہ وہ یہ بھی جانیں ہیں
رندوں کو لگی ہے پیاس بہت اور سب کا پیالہ خالی ہے

اس دور کے دوسرے شعراء میں ماہرالقادری، نعیم صدیقی، حفیظؔ میرٹھی وغیرہ کے یہاں بھی نعتوں میں عصری حسیت کی مثالیں وافر تعداد میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن میں آخر میں صرف سرزمین دکن کے ایک نمائندہ شاعر شاذ تمکنت کی ایک نعتیہ نظم کے چند بند پیش کرنا چاہتا ہوں جس میں غم جاناں کے ساتھ غم دوراں بھی پوری طرح موجود ہے۔

آپ اکیلے مل جائیں تو دامن تھام کے رولوں گا
جی غم سے ہے بوجھل بوجھل رات اندھیری گھرے بادل
اپنے گناہوں کی ہے کہانی بہتے ہوئے اشکوں کی زبانی
سب کے آگے کیسے بولوں، تنہائی میں بولوں گا
آپ اکیلے مل جائیں تو دامن تھام کے رولونگا
بھیڑ بہت ہوگی تو کیا غم میرا مقدر دیدۂ پر نم
جب مہکے خوشبوئے بہاری جب اترتے جلوے کی سواری
میں تو سراپا نادم نادم پیچھے پیچھے ہولوں گا
آپ اکیلے مل جائیں تو دامن تھام کے رولونگا
شاذ وطن میں بے وطنی ہے آگے دیکھو چھاؤں گھنی ہے
ہجر کا قصہ پاک کرو بھی دامن جاں اب چاک کرو بھی

عمر کی رات آنکھوں میں کٹی ہے پل دو پل کو سولوں گا
آپ اکیلے مل جائیں تو دامن تھام کے رولونگا

دور حاضر کے بیشتر شعراء نے اپنی نعتیہ شاعری میں ملتّ کے غم اور اس کے مستقبل کی فکر کے جذبہ کو پوری شدت سے پیش کیا ہے۔ بطور نمونہ چند شعراء کے اشعار بغیر کسی تلاش کے جو میرے سامنے آ گئے انھیں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

(۱) حفیظ تائب:-

آمادہ شر پھر ہیں ستم گر میرے آقا — امت کی خبر لے مرے سرور مرے آقا
افغانیوں پر کوہ الم ٹوٹ پڑا ہے — خونریز ہیں کہسار کے منظر میرے آقا
فریاد کناں ہیں در و دیوار فلسطیں — ہیں نوحہ طلب مسجد و منبر میرے آقا

(۲) سبطین شاہجہانی:-

قصر ملت پہ عجب ضرب لگی ہے مولا — کوئی پہلو بھی نہیں اس سے سلامت آقا
بھائی سے بھائی جدا خون سے خون الگ — چشم مسلم میں نہیں آج مؤدت آقا
سیل آفات وبلّیات سروں سے گزرا — اپنی کیا کیا نہ ہوئی خواری وذلت آقا
استغاثہ مرا دربار عطا میں ہو قبول — ازرہ بندہ نوازی ہو عنایت آقا
کیجئے سبطین کریمین کے حصّے میں کرم — کب سے منجدھار میں ہے کشتئ امت آقا

(۳) سلیم کوثر:-

کچھ دھوپ ہے کچھ حبس کا صحرا میرے آقا — ایسے میں ہوا کا کوئی جھونکا میرے آقا

(۴) عزیز احسن:-

شہ دوسرا ﷺ، نگہ کرم مجھے پھر ستانے لگی الم — مجھے پھر ڈرانے لگا ہے اب نئی مشکلات کا سلسلہ

(۵) صبیح رحمانی:-

میں نواحِ شب میں بھٹک گیا نئے سورجوں کی تلاش میں
کوئی روشنی کہ بدل سکے میری شب کا حال میرے نبی

(۶) ابوالامتیاز ع 'س' مسلم:-

لسان ونسل وقومیت کی دیواریں اٹھا کر — اتارے ہم نے گھر میں امن وعافیت کے زنداں
سلام اے رہنما و ہادی ﷺ ومصباح ظلمت — اندھیروں میں تری امت ہے پھر غلطاں وپیچاں

زمستاں کی شب تاریک نے گھیرا ہے آقا کھلے لطف تبسم سے ترے صبح درخشاں
ضرورت پھر سے تیری دست گیری کی ہے آقا کہ پھر ہے کشتی عزم و یقیں محصور طوفاں

مختصر یہ کہ ملت کی زبوں حالی کا دلدوز تذکرہ جدید اردو نعت کا ایک ایسا امتیاز خاص ہے، جس کا مقابلہ شاید دنیا کی دوسری زبانیں نہیں کرسکتی ہیں۔ ملت اسلامیہ جب بھی اور جہاں جہاں بھی جبر، ظلم وبربریت اوراستحصال کا شکار ہوئی ہے، اس کے حساس شعراء نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے تصور کو فکری و عملی سطح پر عام کرنے کی بھر پور کد و کاوش کی ہے۔ اور یوں اس کے صلے میں وہ سکون قلب کی دولت سے مالا مال ہوئے ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جب جب غلامان رسول صلی اللہ علیہ وسلمعا جزی کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے اپنے آقا کے حضور امت کی بے چارگی اور بے کسی کا تذکرہ کرتے ہیں تو نعت روح عصر کی نمائندہ بھی ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی استغاثہ وفریاد، دعا، التجا اور عرض داشت بھی قرار پاتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جب ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق عصر حاضر کی تمام بیماریوں سے نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے اور جدید نعتیہ شاعری کا یہ نیا رخ تابناک مستقبل کا پیش خیمہ ہے۔

☆☆☆

فاروق جائسی (کانپور)

ثناء کی نکہتیں، ذہنی وفکری مطالعہ

برائے نعت گوئی خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
سعادت یہ ہر اک شاعر کے حصے میں نہیں آتی
(فاروقؔ جائسی)

''ثنا کی نکہتیں'' سید محمد نورالحسن نورؔ نوابی عزیزی کا مجموعہ نعت ہے جس میں ساری نعتیں مرزا اسداللہ خاں غالب کی زمینوں میں ہیں۔ چند برسوں سے حضرتِ نورؔ نوابی عزیزی کا نام نعتیہ کلام کے سلسلہ میں بار بار سننے کا اتفاق ہوا۔ نور صاحب کے برادرِ بزرگ سید محمد عزیزالحسن صاحب سے میری ملاقات محترم امین میاں کاظمی کے دولت کدہ پر ہو چکی تھی۔ نورؔ صاحب سے بھی یاورؔ وارثی کے مجموعہ کلام کے اجراء کے موقع پر اسٹیج پر سرسری ملاقات ہوئی تھی۔ اشتیاق تھا کہ نورؔ صاحب کے نعتیہ کلام پڑھنے اور سننے کی سعادت حاصل کروں یہ اشتیاق اور بھی زیادہ ہو گیا جب ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ادارت میں شایع ہونے والے ضخیم اور موقر رسالہ ''دبستان نعت'' میں ڈاکٹر اسماعیل فتح پوری کا مبسوط مضمون نظر نواز ہوا۔ اسی درمیان یہ بھی علم ہوا کہ کانپور کے کہنہ مشق شاعر جناب یاورؔ وارثی، کا ارادتمندانہ سلسلہ خانقاہ نوابی سے ہو گیا ہے۔ پھر جناب اخلاق فتحپوری کی عنایت بھی ہوئی کہ جناب نورؔ نوابی کی ساری مطبوعہ کتابیں مجھے حاصل ہو گئیں جن کے مطالعہ سے مستفیض ہوا اور حصول ثواب کی توقعات بھی وابستہ کر لیں۔ اب اتنی ساری قربتیں اس بات کی متقاضی ہوئیں کہ محترم نورؔ نوابی کے مجموعۂ کلام پر ایک مضمون سپرد قلم کیا جائے۔

یہ جان کر مسرت آمیز حیرت ہوئی کہ ہندوستان سے زیادہ پاکستان میں نہ صرف نورؔ نوابی صاحب کے کلام کی پزیرائی ہو رہی ہے بلکہ ان کے خانوادہ کے ارادتمندوں کا سلسلہ بھی وہاں وسیع تر ہے۔ خانقاہ نوابیہ کے پاکستانی ارادتمندوں میں پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید، رفاح انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد۔ پروفیسر شمائلہ صدف عزیزی فیصل آباد۔ صاحبزادہ محمد نجم الامین عروسؔ فاروقی گجرات

وغیرہ اہم ہیں ۔ پروفیسر بدرالدین شبنم ،سابق پروفیسر بھاگل پور یونیورسٹی (بہار) جیسے صاحبان قلم بھی اسی خانوادۂ نوابیہ کے ارادتمندوں میں شامل ہیں ۔ان حضرات کی نثری اور شعری تخلیقات ''ثنا کی نکہتیں'' میں شامل ہیں ۔ان حضرات نے سال اشاعت کے سلسلہ میں قطعات تاریخ بھی کہے ہیں ،جوان کی عقیدتوں اور شاعرانہ بلند پروازی پر دال ہیں ۔اللہ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور نعت کے فیوض وبرکات سے مالا مال کردے ۔مصرعِ تاریخ ملاحظہ ہوں :-

ثنا کی نکہتیں بارانِ رحمت (۲۰۱۸ء)
ثنا کی نکہتیں انوار زندہ (۱۴۴۰ھ)

(پروفیسر ریاض مجید، پاکستان)

دیواں ''ثنا کی نکہتیں'' غالب کی طرز پر
مجموعۂ جواہرانوارِنور ہے ۱۱۱۶+۹۰۲=۲۰۱۸ء

(پروفیسر ریاض مجید، پاکستان)

یوں سنِ تدویں عروس اس کا کہو
'ہیں ثنا کی نکہتیں کیا کارِنور' (۱۴۳۹ھ)

(عروس فاروقی ، پاکستان)

''ہیں ثنا کی نکہتیں امید بار''
سالِ ہجری اس سے بھی ہے آشکار (۱۴۳۹ھ)

(عروس فاروقی ، پاکستان)

بہر سال عیسوی کہہ ہم صفیر
''نکہتِ نعت نبی ہے دل پذیر'' (۲۰۱۸ء)

(عروس فاروقی ، پاکستان)

اس نعتیہ مجموعہ ''ثنا کی نکہتیں'' سے قبل نور نوابی صاحب کے تین نعتیہ مجموعے اور بھی منظر عام پر آچکے ہیں جن کے نام یوں ہیں :-

(۱) سلاموں کا مجموعہ **وسلموا تسلیما** (۲) نعوت ومناقب کا مجموعہ قلزمِ نور اور (۳) نعت ومنقبت کا مجموعہ مطلعِ نور نظامی پریس کانپور سے شایع ہونے والے ''دیوانِ غالب'' میں کم وبیش ۲۲۹ زمینوں میں غزلیں شامل ہیں ۔نور صاحب نے ان میں سے ۶۳ زمینوں میں نعتیں تخلیق کی ہیں ۔نسخۂ

حمیدیہ کی غزلوں میں کہیں کہیں جو حمد، نعت اور منقبت کے اشعار نظر آئے ہیں ان میں سے چند درجِ ذیل ہیں تا کہ غالبؔ اور نور صاحبان کے اشعار کا رنگ واضح ہو جائے۔

حمد:- اسدؔ کو بت پرستی سے غرض درد آشنائی ہے
نہاں ہیں نالۂ ناقوس میں در پردہ "یارب ہا"
عیب کا دریافت کرنا ہے ہنرمندی اسدؔ
نقص پر اپنے ہوا جو مطلع، کامل ہوا
وسعتِ رحمتِ حق دیکھ، کہ بخشا جائے
مجھ سا کافر کہ جو ممنون معاصی نہ ہوا
خدا یعنی پدر سے مہرباں تر
پھرے ہم در بدر نا قابلی سے

نعت:- کب تلک پھیرے اسدؔ لب ہائے تفتہ پر زباں
طاقتِ لب تشنگی، اے ساقیِ کوثر نہیں
اس کی امت میں ہوں میں، میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالبؔ! گنبدِ بے در کھلا

منقبت: غالب ! ہے رتبہ فہم تصور سے کچھ پرے
ہے عجز بندگی، جو علی کو خدا کہوں
کیا غم ہے اس کو جس کا علی سا امام ہو
اتنا بھی اے فلک زدہ! کیوں بے حواس ہو
امامِ ظاہر و باطن، امیرِ صورت و معنی
علی، ولی، اسد اللہ، جانشینِ نبی ہے
اسدؔ! جہاں کہ علی بر سرِ نوازش ہو
کشادِ عقدۂ دشوار، کارِ آساں ہے

میرا ماننا ہے کہ غالبؔ کو اپنی زمینوں میں غزلیں کہنا زیادہ آسان تھا کیوں کہ غزل کہنے میں کہیں اظہار رائے کی کوئی قید نہیں ہے۔ شاعر کچھ بھی کہہ سکتا ہے، پرواز تخیل کی بازی گری دکھا سکتا ہے، مگر نعت کہنے میں بندشیں بہت سخت ہیں۔ ذرا سی چوک شاعر کی عاقبت خراب کر سکتی ہے۔ غالبؔ کے حمدیہ، نعتیہ اور منقبتی اشعار میں عقیدت کی وہ گرمی نہیں محسوس ہوتی جو نورؔ نوابی کے نعتیہ اشعار میں ہے۔

مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تردد نہیں ہے کہ نورؔ نوابی صاحب کا کام غالبؔ کے مقابلہ میں زیادہ دقت طلب اور مشکل تھا جو ان کے ممدوح جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرم و فیض سے آسان تر ہو گیا ہے۔ نعت کہنے کی سعادت انہیں کو حاصل ہوتی ہے جن پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خصوصی کرم ہوتا ہے اور یہ فیض نورؔ نوابی صاحب کو حاصل ہے۔ ویسے بھی غالبؔ مذہبی معاملات میں تلون مزاج تھے ان کے عقیدہ میں صلابت کا فقدان نظر آتا ہے۔ کہیں کہیں تو انہوں نے سرے سے اسلامی مذہبی عقائد ہی کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے مثال کے طور پر:-

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

نعتِ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک خاص عطیۂ ربانی ہے جو ہر ایک کو نہیں نصیب ہوتا۔ کوئی

کبھی کبھی اچھے شعر نکال لے اور وہ مشہور بھی ہو جائے تو یہ الگ بات ہے جیسے غالبؔ کا یہ فارسی شعر:-

غالبؔ ثنائے خواجہ بیزداں گزاشتیم
کان ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

میرا تو عقیدہ ہے کہ:-

جسے یہ فیض ملا بس اسے ملا ہوا ہے ہر ایک کے لئے یہ گل نہیں کھلا ہوا ہے
(فاروقؔ جائسی)

ثبوت کے لئے ''ثنا کی نکہتیں'' سامنے ہے جس میں ایک حمد، ایک مناجات اور آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری عمر کے لحاظ سے ترسٹھ نعتیں شامل ہیں۔ ہر چند کہ غالبؔ کی زمینوں میں دیگر شاعروں کے شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں مگر ان نعتیہ مجموعوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ یاورؔ وارثی صاحب نے ان مجموعوں کے کچھ نام اپنے مضمون میں رقم کئے ہیں جو ''ثنا کی نکہتوں'' میں شامل ہیں۔ میری جانکاری کے مطابق ساجد اسدی کی ''پیامبرِ مغفرت،، راغبؔ مراد آبادی کی ''مدحتِ خیر البشر،، ابرارؔ کرت پوری کی ''مدحت،، ایاز صدیقی کی ''ثنائے محمد،، بشیر حسین ناظم کی ''جمال جہاں فروز،، ریاض ندیم نیازی کی ''جو آقا کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں،، امان خان دل کا ''شہِ لولاک،، ریاض احمد پرواز کا ''بفیضِ کلامِ غالب،، درد دہلوی کا ''ترسیلِ عقیدت،، ایسے ہی نعتیہ مجموعات ہیں جن میں اچھی خاصی تعداد میں نعتیں غالبؔ کی زمینوں میں موجود ہیں۔

نورؔ نوابی صاحب خانقاہی ماحول کے پروردہ ہیں۔ مذہبی اور عصری تعلیم سے آراستہ ہیں۔ ان کو قرآن وحدیث اور اسلامی تاریخ وروایات کا گہرا علم ہے جو نعت کہنے کے لئے اشد ضروری ہیں۔ وہ شعری اصول وضوابط اور محاسن ومعائبِ شعری سے پوری طرح واقف ہیں۔ انہیں زبان وبیان پر مکمل عبور حاصل ہے۔ عروض اور فن شعر گوئی سے ان کا دامن بھرا ہوا ہے۔ لہٰذا وہ جب بھی نعتِ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہتے ہیں تو ان کے اشعار نور علیٰ نور کی مثال بن جاتے ہیں۔ غالب کے مصاریع پر انہوں نے جب بھی مصرع پہنچایا ہے تو غالبؔ کے مصرع کو بھی نعت کا مصرع بنا دیا ہے، لگتا ہے کہ یہ مصرع نعت ہی کے لئے کہا گیا تھا۔ کہیں بھی پیوندکاری کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ نعتیہ کلام میں یہ خصوصیت صرف مشق ومزاولت سے نہیں آتی۔ اس کے لئے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت دل میں ہونا ضروری ہے۔

آپ کے نقشِ قدم ہیں رہنما ورنہ حضور ﷺ ''صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا''

خیال نعت جو آیا تو دل پکار اٹھا ''سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے''
وقتِ رخصت ہوا آتے ہی درِ آقاﷺ پر ''تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا''
ابھی تک بارگاہِ سیدِ عالم نہیں دیکھی ''بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے''

نوؔر نوابی صاحب کو چونکہ اسلامی مذہبیات اور تواریخ کا گہرا علم ہے اس لئے ان کے اشعار میں جگہ جگہ قرآنی آیات، احادیث، سیرت، تاریخ، روایات، استعانت، شفاعت، معجزات اور دیارِ مدینہ سے حسنِ عقیدت وغیرہ کے مستند اشارے نظر آتے ہیں۔ اشعار کا کمال یہ ہے کہ اس اشارے ہی سے سارا منظر آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور دل و دماغ نعت کی خوشبوؤں سے بھر جاتا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار پر طویل گفتگو کی جا سکتی ہے مگر مضمون میں طوالت بیجا سے بچتے ہوئی صرف اشعار کی خصوصیت متن کی طرف اشارہ کر رہا ہوں، قارئین بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

چٹکی میں ہے دبی ہوئی خاکِ درِ رسول سیلاب روشنی کا مرے آس پاس ہے
(عقیدتِ مدینہ)

درِ مصطفےٰ سے میری کبھی واپسی نہ ہوتی مجھے اپنی زندگی پر اگر اختیار ہوتا
(عقیدتِ مدینہ)

اکثر میں لوٹتا ہوں مزے باغِ خلد کے اکثر نبی کے شہر میں ہوتا ہوں خواب میں
(عشقِ مدینہ)

سرکار کا ہے نقشِ کفِ پا مرے آگے سر رکھے ہے ہر اوجِ تمنا مرے آگے
(حسن عقیدت)

مجھے دونوں عالم کا کچھ غم نہیں ہے کہ ہے سرورِ دیں سے نسبت سلامت
(حسنِ عقیدت)

ہوں جنکی نگاہوں میں طیبہ کے ذرے وہ مہتاب کی سمت کم دیکھتے ہیں
(حسن عقیدت)

آتی ہے جس سے پیار کی خوشبو رسول کو وہ میرا ملک ہے مرا ہندوستان ہے
(حدیث نبوی)

میں نے حسین منّی سے سیکھا ہے یہ سبق عشقِ حسین عشقِ نبیﷺ کی اساس ہے
(حدیث نبوی)

عشق رسولِ پاک سے آیا نہ باز وہ　　حالانکہ اس پہ لاکھ جہاں کے ستم ہوئے
(اسلامی تاریخ)

اہل وفا کو بھی ملا پروانۂ نجات　　محشر میں جلوہ گر جو شفیعِ امم ہوئے
(حدیث نبوی)

جب نزع کا ہو وقت،کوئی لیکے ہو کھڑا ہو　　اے گنبدِ خضرا ! تراطغرا مرے آگے
(حسنِ عقیدت)

کہیں ہو کوئی ہو سب کو نوازتے ہیں وہ　　نبی کے لطف و کرم کو عرب عجم کیا ہے
(رحمت اللعالمینی)

ہزار سنگ چلیں، زخم زخم ہو پیکر　　مگر نبی کے لبوں سے دعا نکلتی ہے
(طائف کا واقعہ)

میں مندرجہ بالا سطور میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ جناب نورؔ نوابی فن شاعری اور فنِ عروض پر عبور رکھتے ہیں۔ ثبوت کے طور پر ان کی نعتیہ تخلیق جو بحرِ منسرح مثمن مطوی، (عروض وضرب اصلم محذوف) میں ہے اور جسکا وزن م ''مفتعلن فاعلاتُ مفتعلن فع'' ہے تب تک وجود میں نہیں آسکتی جب تک شاعر کو فنِ عروض میں مہارت نہ حاصل ہو۔ اس کے علاوہ ان کے دیگر مجموعہ ''قلزمِ نور'' میں رباعیات بھی شامل ہیں جو اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ نورؔ نوابی صاحب فنِ عروض سے پوری طرح واقف ہیں۔ بحرِ منسرح میں نعت کے چند شعر اور ''قلزمِ نور'' سے ایک رباعی ملاحظہ فرمائیں اور شاعر کی قادر الکلامی کی داد دیں۔

کوئے نبی سی کہیں بہار نہیں ہے　　دیکھئے جاکر جو اعتبار نہیں ہے
ان کی نوازش کے ابر، برسے ہیں کھل کر　　آئینۂ قلب پر غبار نہیں ہے
شکر ہو کیسے ادا حضور کا آخر　　ان کی عنایات کا شمار نہیں ہے
چہرے پہ جو عزت کی چمک آئی ہے　　یہ نسبتِ آقا کی مسیحائی ہے
تحریر زباں پر ہے آقا کا نام　　اس نام کے صدقے مری بن آئی ہے

ساری تعریف وتوصیف ''ثنا کی نکہتیں'' کے لئے حاضر کرنے کے بعد میں انگلیوں پر گنے جانے والے ان اشعار کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو مجھ ناچیز کے ناقص فہم کے مطابق محل نظر ہیں۔ ان اشعار کی توجیہ کے لئے میں خود بہت سی گفتگو کر سکتا ہوں مگر ان اشعا کا اس موقر مجموعہ سے حذف کر دینا

مستحسن تھا:-

ہو چبھن ایسی کہ بن جائیں یہ آنکھیں آبشار کاش ہو جائے نشانہ دل نبی کے تیر کا
یہ سوچ کر کہ قبر میں آئیں گے مصطفیٰ ''ملتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں''
چولھے سے فاطمہ کے جو اٹھنے لگا دھواں پیدا اسی کی جمع سے افلاک ہو گئے
دریچہ سرورِ دیں کا گلاب صورت ہے غلط زبان سے نکلے تو نا روا کہیے
میں دیکھتا ہوں گنبدِ خضرا کی آنکھ سے مجھ سا کہاں جہاں میں کوئی دیدہ ور ہے آج
آتے نہیں حضور مضامیں کے قافلے کیوں میری فکر طائرِ بے بال و پر ہے آج

''ثنا کی نکہتیں'' میں بہت سے ایسے اشعار ہیں جنہیں پڑھ کر ذہن و دل کو سکون حاصل ہوتا ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے، ایمان تازہ ہوتا ہے، محشر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کا یقین مستحکم ہوتا ہے اور دنیا میں ان سے استعانت کی بھیک مانگنے پر امداد حاصل ہونے کا یقین کامل ہو جاتا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ ان اشعار کی تخلیق کے لئے محترم نور نوابی کو اور اس کو پڑھنے کے لئے مجھے اور دیگر قارئین کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہو اور اس کے صلہ میں، ہم سب کو بخش دیا جائے اور ہم سب کی مغفرت کا سامان ہو جائے۔ آمین یا رب العالمین

رکی ہیں وقت کی سانسیں، رکی ہے نبضِ جہاں چلے ہیں شاہِ امم سیر لا مکاں کے لئے
وردِ درودِ پاک ہے معمولِ زندگی میں تو ہوں مشکلوں کو ہراساں کئے ہوئے
منہ کیا دکھاؤں گا میں خدا و رسول ﷺ کو ہے یہ خیال مجھ کو پریشاں کئے ہوئے
قدرت کے کل جہانوں کی کنجی ہے ان کے پاس جو چاہیں جس کو دے دیں انہیں اختیار ہے
چل پڑتے ہیں بے زادِ سفر سوئے مدینہ عامل ہیں عمل کرتے ہیں سوچا نہیں کرتے
اہلِ خطا کو بھی ملا پروانۂ نجات محشر میں جلوہ گر جو شفیعِ امم ہوئے
غمِ دنیا، غمِ مرقد کہ غمِ محشر ہو سب غموں کا ہے مداوا مرے سرکار کے پاس
جس وقت قدم سرورِ عالم کے پڑیں گے کھل جائے گا اس وقت گلستانِ جناں اور
پہنچا درِ نبی تو قسمت بدل گئی اب تک وہ کائنات میں ننگِ وجود تھا

☆☆☆

پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد اللہ (جل گاؤں)

مراٹھی نعت

شاعر : سریش بھٹ۔ (امراوتی برار)
مترجم : ڈاکٹر عصمت جاوید شیخ (اورنگ آباد)

برصغیر ہند کا نربدا سے جنوب کا علاقہ جو جزیرہ نما ہے دکن کہلاتا ہے۔اس میں ایک ریاست مہاراشٹر ہے جس میں ایک مخصوص خطۂ زمین برار ہے جو آکولہ امراوتی، ایوت کل بلڈانہ اور باسم کے اضلاع پر مشتمل ہے۔ ریاست مہاراشٹر کی اکثریتی آبادی کی زبان مرہٹی ہے۔لیکن اس ریاست کی دوسری بڑی زبان اردو ہے۔ برار بھی مرہٹی بولنے لکھنے پڑھنے والوں کی اکثریت کا علاقہ ہے۔لیکن اس کا اردو سے قدیمی واہم تعلق بھی ہے اور اردو یہاں کی دوسری بڑی تعلیمی علمی ادبی زبان بھی ہے۔

اردو کے سلطنت دہلی کے عہد میں ہندوی کی شکل میں فروغ پانے کے بعد ملک میں پھیلاؤ کے عمل میں دکن میں سب سے پہلے قدم اس سرزمین برار پر پڑے تھے۔اردو یہاں علاءالدین خلجی اور محمد تغلق کے زمانہ میں دہلی کے لوگوں کے ساتھ پہنچی تھی۔ 1347ء میں دولت آباد (نزد اورنگ آباد) میں بہمنی سلطنت قائم ہوئی اس میں دہلوی زبان نے مقامی اثرات سے مملو ہو کر دکنی کی شکل اختیار کر کے ترویج پائی برار اس سلطنت کا صوبہ تھی۔ یہاں بھی دکنی کو فروغ حاصل ہوا۔ برار میں دکنی شعرو ادب نے سلطنت عمادشاہی، نظام شاہی، مغلیہ، آصفیہ، انگلشیہ اور عہد آزادی میں مسلسل مراحل ارتقاء طے کئے ہیں براری اردو بول چال کی ایک مخصوص زبان ہے۔اس پہ مراٹھی کے کافی اثرات رہے ہیں۔مراٹھی اور اردو دونوں برار میں برابر مروج ہیں۔

برار میں مراٹھی زبان وادب شاعری اور نثر کو مہاراشٹر کے دیگر علاقوں کی طرح کافی فروغ حاصل ہوا ہے دور حاضر میں علاقۂ برار کے جدید اور اہم مراٹھی شعراء میں ایک جدید ترقی یافتہ مراٹھی شاعر سریش بھٹ بھی ہیں۔سریش بھٹ امراوتی میں پیدا ہوئے۔ وہیں گریجویشن کیا۔مراٹھی نثری ادب اور شاعری میں شہرت حاصل کی۔فلموں میں بھی لکھا۔ ناگپور گئے، وہاں انتقال کیا۔ان کے

شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی مراٹھی شاعری میں منفرد حیثیت دو وجوہات کی بنا پر ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ مراٹھی غزل کے بانی مانے جاتے ہیں اور دوسرے وہ مرہٹی نعت گو شاعر بھی ہیں۔

ان کی ان حیثیتوں کا پس منظر یہ ہے کہ جب وہ امراوتی کی مشہور درس گاہ کنگ ایڈورڈ کالج میں زیر تعلیم تھے تو وہاں مشہور شاعر، ادیب و استاد و ماہر تعلیم پروفیسر حبیب الرحمٰن صدیقی فارسی پروفیسر کی حیثیت سے مصروف کار تھے۔ اور اس کالج میں ان کے فرزندانِ عزیز ولی الرحمٰن صدیقی ذکاء الرحمٰن صدیقی اور دختران نور العین صدیقی واختر العین صدیقی زیر تعلیم تھے۔ سریش بھٹ کی ولؔی و ذکؔا صاحب سے دوستی ہوگئی اور اتنے روابط بڑھے کہ یہ لوگ بھائی بہن جیسے رہنے لگے۔ ولؔی و ذکؔا کی صحبت کے اثرات سے کہ دونوں امراوتی میں اردو شعری و ادبی سرگرمیوں کے روح رواں تھے۔ سریش بھٹ کو اردو سیکھنے کا شوق پیدا ہوا، انہوں نے اردو سیکھی اور اردو شاعری اور اس کی اصناف سے آگاہ ہوئے غزل سے کافی متاثر ہوئے اور اردو غزل کی طرز فکر و فن زبان و اسلوب و رجحانات کے مطابق مراٹھی میں غزل ایجاد کی۔ انہیں کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور ان کی تقلید میں مراٹھی کے اور کئی شعراء نے مرہٹی غزل گوئی اختیار کی۔ اسی کے ساتھ سریش بھٹ چونکہ ترقی یافتہ اور سیکولر انسان تھے انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعقیدت سے سرشار ہوکر مراٹھی میں نعت بھی لکھی۔ یہ ایک منفرد شعری تخلیق تھی اور اس کی وجہ سے بھی انہیں کافی شہرت حاصل ہوئی۔

اس مراٹھی نعت کو اورنگ آباد کے مشہور شاعر۔ ادیب محقق۔ ماہر لسانیات۔ نقاد و ماہر تعلیم ڈاکٹر عصمت جاوید شیخ نے اردو میں منظوم کرکے ایک منفرد قسم کی چیز پیش کی۔ سریش بھٹ صاحب کی اس محبت وعقیدت بھری نعت کا عصمت جاوید شیخ مرحوم کا منظوم ترجمہ پیش ہے۔

ہے تو ہی ویران وخشک صحرا میں جوئے نغمہ سرا محمد ﷺ
ہے تو ہی بے آسروں کا دنیا میں آخری آسرا محمد ﷺ

ابھی ابھی میں نے آنکھ پونچھی کہ آ گئی ہے ہنسی لبوں پر
تڑپتے سینے پر میرے ہنس کر جو ہاتھ تو نے دھرا محمد ﷺ

ہے ماہ تاب نشاط تو ہی ہے آفتاب حیات تو ہی
ہے نور ہی تو میرے چہرے کا شش جہت میں بھرا محمد ﷺ

جہاں میں سب سے الگ ترا گھر، جہاں میں شاہ و گدا برابر
مجھے بھی اس کے ایک کونے میں بیٹھنے دے ذرا محمد ﷺ

جو نام آیا ہے تیرا لب پر نفس نفس ہے مرا معطر
ترے تصور کا میرے دل میں کھلا ہے یوں موگرا محمد ﷺ

بھلے بھی دیکھے برے بھی آنکے مری نظر میں ہیں جہاں کے
سب ایک اچھا مرا محمد ﷺ بس ایک میرا کھرا محمد ﷺ

☆☆☆

ڈاکٹر محمد مختار عالم صابری (علی گڑھ)

مولانا سید غیاث الدین حسن چشتی کی فارسی نعتیہ شاعری کا ایک اجمالی جائزہ

حضرت مولانا صوفی سید غیاث الدین حسن اصدقی چشتی، رجھتی ثم سہسرامی کی ولادت رجھت ضلع گیا میں ماہ شوال المکرّم ۱۳۰۲ھ/مطابق ۱۸۸۵ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی، کچھ عرصہ بعد وہ اپنے خالو سید شاہ معین الدین احمد سجادہ نشین مدرسہ خانقاہ کبیریہ کے ہمراہ سہسرام تشریف لائے اور مدرسہ خانقاہِ کبیریہ میں عربی و فارسی کی کتابیں پڑھیں پھر آپ نے مزید استحکامِ علمی کے لیے بریلی کا سفر کیا۔ اس سفر کی ترجیحات میں ایک عالمِ بے بدیل حضرت سید مولانا فاخرالہ آبادی کا مشورہ شامل تھا۔ بریلی کی سرزمین اُن کے لیے بہت سازگار ثابت ہوئی اور فقیہ عصر حضرت علامہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صحاح ستہ کی سند حاصل کی اور اس کے بعد شوقِ علمی کے تحت دیگر علماء سے بھی مثلاً مولانا اصغر حسین دیوبندی شاگردِ رشید (مولانا محمود الحسن دیوبندی) سے تفسیر جلالین اور جامع ترمذی پڑھی۔ فضائل رسمی میں بھی آپ کو اعلیٰ مرتبہ حاصل تھا۔ تصوف و طریقت کے نقطۂ نظر سے آپ کی نسبت اولیٰ سلسلۂ چشتیہ اور نسبتِ ثانیہ قادریہ سے تھی، آپ کا وصال ۱۳/محرم الحرام ۱۳۸۵ھ/مطابق ۱۹۶۵ء سہسرام میں ہوا۔ اور وہیں حجرۂ حضرت شیخ کبیر درویش[1] فردوسی میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا صوفی سید غیاث الدین حسن شریفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرجع خلائق شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ ممتاز عالم و فاضل، بلند پایہ مصنف، سحر انگیز خطیب اور عابد مرتاض تھے۔ آپ کو طالب علمی کے دنوں سے ہی شعر و شاعری کا فطری ذوق تھا اور شاعری میں آپ کو شرف تلمذ اپنے مرشد گرامی حضرت مولانا سید محمد شُریف راغبؔ[2] سے حاصل تھا۔ آپ نے مختلف اصناف سُخن کو اپنا موضوع بنایا، لیکن آپ کے شعر و سُخن کا موضوع خاص عاشقانہ غزل، حمد، نعت اور منقبت تھا۔ مولانا شاہ

غیاث الدین اصدقی نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کی اور کہیں شریفیؔ اور کہیں غیاثؔ تخلص فرمایا ہے۔ مولانا شریفیؔ عربی و فارسی نثر نگاری میں قدرت و مہارت رکھتے تھے۔

علمی آثار:

(۱) خطبات غیاث (عربی) (۲) معراج العرفان عن کلام عشاق الرحمٰن (۳) رسالۂ عقائید (فارسی) (۴) خودنوشت سوانح (فارسی) (۵) غیاث الطالبین (۶) فوایدِ شریفی (۷) ضیاء الارواح (۸) بیاض اذکار و اعمال (۹) مجموعۂ کلام۔ یہ تمام تصانیف ابھی تک قلمی صورت میں موجود ہیں۔

صوفی مولانا شاہ غیاث الدین رحمۃ اللہ نے زاہدانہ زندگی بسر کی، اپنے روحانی افکار اور صوفیانہ احساسات سے دو چار ہو کر شعر کہتے تھے۔ جب اُن کے کلام فن شعر و سخن پر نگاہ جاتی ہے تو اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ ان کی زندگی اور ان کی شعر گوئی ان کی اعلیٰ ترین شخصیت کا امتزاج تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ شاعری ان کے روحانی اور مذہبی جذبات کی مکمل آئینہ دار تھی۔ انہوں نے جس ذات کے زیر سایہ عروسِ علم و حکمت کی حنا بندی کا فن سیکھا ان میں ایک نام طبقۂ سخن کے عشاق حضرت مولانا سید شریف راغبؔ سہسرامی کا ہے اور دوسرا نام امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ہے جو اپنی صدی کے تحریک عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم بردار اور علم و فن کے معمار تھے۔ ان کے برقِ تپاں سے شاہ غیاث الدین نے اپنے شمع خیال کو روشن کیا ہے۔

مولانا صوفی غیاث الدین اللہ کے سچے عاشق تھے، ایک صوفی کی نظر میں ابدی اقدار ہی اہم ہوا کرتے ہیں، جبکہ دنیا کے خارجی مناظر اُس کی نگاہوں کو خیرہ نہیں کرتے، علاوہ بریں دنیا میں ہونے والے تغیرات اور دنیا کی بلندی و پستی، یہ تمام مظاہر اس کی نگاہوں میں قطعاً قابلِ لحاظ نہیں ہوتے بلکہ وہ تو اللہ کا سچا عاشق ہوتا ہے اور اس کی محبت اسی کو پرکھتی ہے۔ دنیا کی بلندی و پستی سے بے نیاز ہو کر معبودِ حقیقی ہی اس کے دل کا مسکن ہوتا ہے، اس لیے اپنی زندگی کے تمام مُرادو و مسائل کو اپنے رب کے حضور میں ہی پیش کرتا ہے۔ حسن شریفیؔ بارگاہِ خدائے متعال میں مناجات پیش کرتے ہوئے اس کی صفات جلیلہ کی تعریف کرتے ہوئے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں اور اپنے معبودِ حقیقی سے رحم و کرم کے طلب گار ہیں۔ مناجات کے درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

اے خدائے واقفِ احوالِ ما　　اے خبیر و ناظر افعال ما
اے خدائے عالمِ رازِ دروں　　اے بصیر و ہم ظہور و ہم بطوں
اے خدائے ما ببیں احوال من　　اے خدائے ما تو اسمع قالِ من

بر در آمد ای خدائے کردگار بندۂ آلودۂ عصیاں شعار[۳]

سرزمین ہند میں بہت کم شعراء ایسے ہیں جنہوں نے صرف نعت گوئی کو اپنا مقصدِ شاعری تصور کیا ہے۔اس محترم صنف کو برتنے والوں میں ایک جذبہ، جذبۂ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہے۔ وہ اسے محض فن کی برتری کے لیے نہیں اپناتے بلکہ بطور عبادت اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ان کی شاعری کوئے دلبری، نالۂ شبِ ہجراں، مئے خمخانہ، نالۂ بلبل، تنہائی قفس کی اصطلاح سے مبرا ہے۔وہ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اسیر اپنے محبوبِ حقیقی کے دامنِ کرم میں اپنے آپ کو ہر وقت محصور پاتے ہیں۔سیرت نگاری ہو یا نعت نگاری یہ دونوں علم وفن کو وہی اپنے اندر جذب کرسکتا ہے جس کو اپنے آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت اور اسوۂ حسنہ سے غایت درجہ نسبت وتعلق ہو۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ثناخواں کو اپنا جانشین کہتے ہوئے اُن کے لیے دعائیہ کلمات فرمائے ہیں جو ان حضرات کے لیے قابلِ فخر سند ہے۔ "**اَللّٰھم ارحم خلفائی قلنا یا رسول اللّٰہ من خلفائك قال الذین یاتون من بعدی یرون احادیثی و یعلمون النّاس۔**"[۴]

اے اللہ میرے جانشینوں پر رحمت نازل فرما صحابۂ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ کے جانشین کون حضرات ہیں۔فرمایا وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے، میرے اقوال، احکام، اسوہ، نعت اور احادیث روایت کریں گے اور لوگوں کو تعلیم دیں گے۔

حضور اکرم سید دو عالم علیہ التحیۃ والثناء کی شان میں ایک شعر کہنا متعدد بار حضور پر درود بھیجنے کے مترادف ہے کیونکہ نعتیہ شعر کہتے وقت صرف اور صرف حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ہی تصور پر چھائی رہتی ہے اور کوئی دوسری شخصیت یا دوسرا خیال ذہن کے پردے سے کوسوں دور ہوتا ہے۔

مولانا غیاث الدین شریفی نے فنی آداب کو احساس تکمیل کے ساتھ پورا کرتے ہوئے اس فنی آداب کے حُسن کو اپنی نعت میں سمو دیا ہے، انکی نعتوں میں جو والہانہ انداز، خودسپردگی اور وارفتگی ملتی ہے اُن کو پڑھ کر قاری روح کی تازگی اور سرشاری محسوس کرتا ہے، اس میں جگر کاوی اور دیدہ وری بھی ہے اور عقیدت کی جلوہ گری بھی، طرزِ بیان کی تازگی بھی ہے اور خیالات کی ندرت وشیفتگی بھی، شاعر اپنے عاشقانہ جذب ومستی میں احساس وعقیدت کی منزل پر کھڑا اپنے آقائے رحمت دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف میں مدح سرا ہے۔اس کی مدح وستائش میں رمز، فراست ودانائی معلومات، عشق ومحبت کی خوشبو اور تشبیہات واستعارات کی زبان میں جو کچھ کہا اپنے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق کا ثمرہ ہے شاعر نے جگہ جگہ قرآنی تلمیحات سے بھی اپنے کلام کو مملو کیا ہے۔

اے خوشا وقتی کہ بینم من جمال روئے توئی اے زہے آں دل کہ دارد عشق زلف موئی تو
جاں فدا سازم بروے آں بند روئے توئی دل کنم قرباں برآں جائے کہ باشد کوئی تو
ہاں! دریں عالم زمن بہ دگر نہ باشد ہیچ کس گر چہ بدتر ہستم و لیک عاشقم بر روئی تو ۵؎

جذبۂ صادق کی گہرائی اور احساس دانش کی کی گیرائی قدرت نے مولانا شاہ غیاث الدین حسن کو فراوانی کے ساتھ عطا کی تھی۔ ایک صاحبِ زبان کو جب زبان پر قدرت حاصل ہوتی ہے تو اس کے اشعار میں الفاظ کی بندش، رعایت مناسبت کے ساتھ زبان کی راونی اور سلاست اس کی علمیت اور شخصیت کی سپاس بن جاتی ہے اور قاری شاعر کے ساتھ ہو لیتا ہے۔

مولانا حسن شریفی رضوی کے فکر وفن پر تصوف کا غیر معمولی غلبہ ہے، اس لیے ان کی شاعری میں عشق کے جمال وجلال کا رنگ غایت درجہ موجود ہے۔ مولانا شاہ غیاث الدین نے جماعت عاشقین کے رہنما حضرت مولانا شمس تبریز کی نعت ؎

یا رسول اللہ حبیب خالقِ اکبر توئی

کی زمین میں شعر کہا ہے، اس میں وہی ولولے، وہی والہانہ پن اور وہی کیفیت موجود ہے جو علامہ تبریزی کے یہاں پائی جاتی ہے۔

صاحب لولاک نور ایزد اکبر توئی انبیاء و مرسلیں را سید و سرور توئی
در شبِ اسریٰ گذشتی از مکاں تا لامکاں زیب دہ عرش بریں ائی صدرِ پیغمبر توئی
عالم ِ علم لدنی واقفِ اسرار کن مخبرھم مایکون اوّل و آخر توئی
یا کریم یا رحیم یا رؤف یا رسول نام تو نام خدا ہم مالکِ کوثر توئی
رحمۃ اللعالمینا! چشم رحمت بر حسؔن دردمنداں را دوا دا روئے ہر مضطر توئی
مجرم و ناکارہ ایں خستہ حسؔن را یا رسول در دو عالم حامیٔ ہم ناصر و یاور توئی ۶؎

آپ کے فارسی کلام میں زبان و بیان کا جو حُسن پایا جاتا ہے اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ فارسی زبان کی نعتیہ شاعری کی روایت سے بخوبی واقف تھے اور علامہ جامؔی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نعتیہ کلام کی تمام تر خوبیوں کو آپ نے اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ مثال کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

کنم بیاں چہ ثنائے تو یا رسول اللہ کمال حسن و جمال تو یا رسول اللہ
چووالضحیٰ صفت روئے تو کرد الٰہ خطت کلام کلیم رخت کلام اللہ
چہ خط چہ رخ چہ جبین لا الہ الاّ اللہ ۷؎

عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں آپ اتنا ڈوب گئے تھے اور آپ کا قلب اس عشق کی آنچ میں اتنا تپ گیا تھا کہ جب آپ حضور انور صلی اللہ رعالیٰ ولیہ وسلم کی ذاتِ پاک سے اپنی عقیدت کا ذکر کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ عالمِ غیب سے آپ کے قلم کو الفاظ مل رہے ہوں، درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

اے خوشا وقتی کہ بینم من جمال روئی تو ای زہی آں دل کہ دارد عشق زلف موئی تو
جاں فدا سازم بروئی آں کہ بند روئی تو دل کنم قرباں بر آں جائی کہ باشد کوئی تو
کشتگانِ عاشقانت را رسد از غیبِ جاں چو ہلالی ماہ گردد کس قتیل ابروے تو
رحم فرما بر شریفیؔ غیاث الدین را کہ عشق ایں خستہ شد زنامِ خود گیسوئے تو ۸

ان اشعار میں الفاظ کی بندش کا اہتمام ہے جیسے ایک دریا رواں ہو اور حسن شریفی اپنے آقائے رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیدار کے آرزومند ہیں اور عاشق کی حیثیت سے تڑپ رہے ہیں کہ اس دلِ خستہ بارگاہِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ضرور قبول کیا جائے گا۔

مختصر یہ کہ آپ کی فارسی نعتیہ شاعری عشق و سرمستی، والہانہ پن معشوقِ اصلی (ذاتِ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے حضور میں مکمل خود سپردگی اور اظہار جذبات کے لیے مناسب ترین الفاظ کے انتخاب کا اعلیٰ نمونہ پائے جاتے ہیں۔ اس کا امتیازی وصف یہ ہے کہ آپ کے اشعار نعتیہ شاعری کی روایت میں آپ کے شدید ترین عاشقانہ افکار کا لطیف ترین اظہار ہیں۔

بے خبر از مذہب و ملت شدم دین و ایماں دیدن روئی صنم
من نہ دارم اے حسنؔ شوقِ حرم فرد را چہ حاجت خلد دو ارم

عاشقِ شوریدہ کی حیثیت سے ان کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

ترا بار بار عاشقِ زار گوید چو پراونہ با شمع ہر بار گوید
نہ پروائے سوزش حسن زار گوید حسن ہمچو پراونہ صد بار گوید
کہ اے شمع رو بال و پر می دہم ۹

یہ کہنا درست ہوگا کہ مولانا حسنؔ شریفی اصدقی کی نعت گوئی ان کی ذات کا عکس، ان کی شخصیت کی آواز، دل کی دھڑکن اور ذہن کی فکر ہے اور ان کے قلم کا پرواز عشق الٰہی اور فیضان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تابع ہے۔

حواشی وحوالے:

۱- حضرت شیخ کبیر درویش سلسلہ ٔفردوسیہ کے سہرام میں ایک مقبول بارگاہ بزرگ گذرے ہیں اُن کے

مرشد حضرت مولانا نجم الدین فردوسی ہیں، جو وہیں کبیر درویش کے احاطہ میں مدفون ہیں۔

۲- مولانا محمد شریف راغب خلیفہ سید سجاد حسین اصدقی بڑوسری ردیف وار فارسی کے صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ راقم نے مولانا موصوف کی شاعری پر ایک تعارفی مضمون لکھا ہے جس میں غلطی راہ پا گئی ہے کہ شیخ الحدیث مولانا سید احمد حسین سمروی رحمۃ اللہ علیہ حکیم مولانا شیخ حسن علی سہسرامی کے شاگرد تھے بسیار تلاش کے باوجود اس کی تحقیق نہیں ہوسکی (م۔خ۔ع) جو رسالہ ''الکوثر'' سہ ماہی، سہسرام اکتوبر ۲۰۰۰ء تا نومبر ۲۰۰۰ء شائع ہو چکا ہے۔

۳- مولانا غیاث الدین قلمی نسخہ صفحہ نمبر ۶

۴- سنن ابی داؤد ''کتاب العلم'' حدیث ۳۶۸

۵- مولانا غیاث الدین قلمی نسخہ صفحہ نمبر ۸

۶- مولانا غیاث الدین قلمی نسخہ صفحہ نمبر ۱۰

۷- مولانا غیاث الدین قلمی نسخہ صفحہ نمبر ۲۰

۸- مولانا غیاث الدین قلمی نسخہ صفحہ نمبر ۲۱

۹- مولانا غیاث الدین قلمی نسخہ صفحہ نمبر ۲۵

☆☆☆

ڈاکٹر ایم۔نصر اللہ نصرؔ (کولکاتا)

نعتیہ شاعری کا تجزیاتی مطالعہ

لفظ 'نعت' عربی زبان سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ تعریف' توصیف اور ستائش کے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں نعت کے لغوی معنی قابلِ تعریف اور اچھی صفات کا کسی شخص میں پایا جانا ہے۔نعت دراصل اس نظم کو کہتے ہیں جس میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف بیان کی جاتی ہے۔ابتدائی عربی شاعری میں شخصی نعت گوئی کے شواہد ملتے ہیں۔صحابہ کرام کی مدحت میں بھی نعتیں ملتی ہیں لیکن ان کا انداز کچھ دوسرا رہا ہے۔سچ یہ ہے کہ نعت پاک ہر کسی کی تعریف اور توصیف میں نہیں لکھی جاتی۔صرف اور صرف اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے تعلق سے ہی لکھی جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جب سے نعت پاک کہنے کا آغاز ہوا تب سے پھر کسی عام شخصیت پر نعت نہیں لکھی گئی۔اردو شعروادب میں بھی اصطلاحی طور پر کسی دوسری شخصیت کے تعلق سے کبھی نعت پاک نہیں لکھی گئی۔یہ صنف سخن صرف مدحتِ رسولِ آخری صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ومحدود ہے۔

نعت گوئی حقیقت میں بہت نازک ترین صنف سخن ہے۔جو مخصوص ادب واحترام کا متقاضی ہوتی ہے۔اس میں الفاظ وتراکیب' استعارے' اشارے وکنائے کے علاوہ لب ولہجہ بھی بہت محترم ہونا چاہئے۔جو عین شایانِ شانِ محبوب رب ہو۔عشق رسول میں سچائی اور سادگی ہو۔لفظی صنعت گری مشاقی سخن دانی کا مظاہرہ نعت گوئی کے لئے فضول گوئی سے بہتر نہیں۔بقول آفتاب احمد خاں حسن پوری:

> ''اہل نظر جانتے ہیں کہ نعت گوئی کا فن شیشہ گری سے کم نہیں یہ ایک مشکل ترین فن ہے۔اس میں ذات رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے وقت آپؐ کے محاسن ذات وصفات کے بیان میں غلو سے کام لینا یا مبالغہ آرائی کرنے کی وجہ سے شرک کی حدود میں داخل ہونے کا قوی احتمال ہوتا ہے۔'' (شاعر اگست ۲۰۱۸۔ص ۳۸)

مدحتِ خیرالبشر کے لئے دلی تاثرات ومخلصانہ جذبات' والہانہ سوز و گداز شعری محاسن کی پاسداری لازمی ہے۔سلیقہ وشائستگی' تعظیم وتہذب کے ساتھ اہتمام واحترام ضروری ہے۔نعت کہتے وقت شاعر اگر مدبب ہوجائے تو نعت بمثل قمر منیر ضیا بار ہو جاتی ہے۔اس میں ممدوح کی جمالیاتی اور کمالیاتی صفات دونوں روشن ہوجاتی ہیں۔بقول شخصے:

''ہمارے نعتیہ ادب میں رسالتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بجائے
ذات رسول کو ترجیح دی گئی ہے اس وجہ سے نعت جیسی مقدس صنف ''قصیدہ'' کے
دائرے میں آ گئی ہے۔قصیدے میں مدح وستائش صداقت سے عاری ہوتی ہے
جب کہ نعت میں مدحتِ رسول سراسر حق وصداقت پر منحصر ہوتی ہے۔قصیدے
میں دروغ گوئی کا دخل ہوتا ہے مگر نعت کذب وافترا سے پاک ہوتی ہے۔''

نعت گوئی کا آغاز کب ہوا اور کس نے کیا یہ ایک تحقیق طلب سوال ہے۔کچھ کا خیال ہے کہ حضرت حسان بن ثابت سے قبل بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں نعتیں کہی گئیں۔لیکن جو اہمیت اور افضلیت نعت گوئی میں حسان بن ثابت کو حاصل ہوئی ان سے پہلے کسی اور کو یہ وقار حاصل نہیں ہوا۔مشتاق احمد حامی (آزادی کے بعد مغربی بنگال میں نعتیہ شاعری۔ص۔۴) میں رقمطراز ہیں:

''تاریخ شاہد ہے کہ حضرت حسان بن ثابت ایمان لانے سے پہلے
اسلام کے سخت دشمن تھے لیکن جب وہ داخل اسلام ہوئے تو اکثر اسلام اور
حضور کی شان میں نعتیں کہنے لگے۔ایک حدیث میں ام المومنین حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
حضرت حسان بن ثابت کے لئے مسجد میں ممبر رکھایا کرتے تھے تاکہ اس پر
کھڑے ہوکر حضرت حسان حضور کی طرف سے مفاخرہ کریں یعنی حضور کی
تعریف میں فخریہ اشعار پڑھیں یا حضور کی طرف سے مدافعت کریں یعنی کفار
کے الزامات کا جواب دیں۔دیگر صحابہ حضرت حمزہ' حضرت علی' حضرت کعب
اور حضرت ضرار تو باضابطہ نعتیں کہتے تھے۔''

نعت گوئی کا مقصد ہی یہی ہے کہ اس کا مرکزی خیال حضور اقدس کی ذات گرامی کا خوبصورت محاسبہ ہو۔ان کی توصیف ہو ان کے اوصاف حسنہ کا تذکرہ ہو۔شاعر تقدیس سخن حلیم حاذق نعت کے حروف کی توضیح کچھ یوں فرماتے ہیں:

''(ن) کا حرف نبی آخرالزماں کی طرف اشارہ کرتا ہے (ع) عربی

سرکار کی طرف یعنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور (ت) تعریف وتوصیف کا علامتی نشان بن جاتا ہے۔''

واضح ہوا کہ نعت گوئی میں صرف اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف' توصیف' ستائش 'زیبائش' عادات و اطوار' اخلاق و اخلاص' عظمت و بزرگی' معجزات و واقعات' شجاعت وسراپا اور اوصاف حسنہ کا ہی تذکرہ مقصود ہوتا ہے ۔ یہی دراصل نعت گوئی ہے ۔اس میں محبوبیت اور عشق رسالت کا رنگ نمایاں ہونا چاہئے ۔حبیبیت پر ربوبیت کو غالب کرنے سے گریز کرنا چاہئے ۔حبیبیت الگ چیز ہے اور ربوبیت الگ ۔اگر رسالت پر ربوبیت غالب ہوگئی تو ایمان سلامت نہیں ۔اس لئے نعت گو حضرات کو اس کا خیال رکھنا لازمی ہے ۔الوہیت اور رسالت دونوں کے اپنے اپنے دائرے ہیں۔الوہیت کی توصیف کی کوئی حد مقرر نہیں مگر توصیف رسالت کی حد اور اس کا دائرہ دونوں مقرر ہیں۔محبوبیت میں اتنا نہیں جھکنا چاہئے کہ سجدہ ہوجائے۔

نعت کے لئے کوئی مخصوص ہیئت سخن محدود نہیں۔شاعری کی کسی بھی فارمٹ میں نعتیں لکھی جاسکتی ہیں ۔مثلاً غزل' قصیدہ' رباعی' قطعہ' ترکیب بندیا پابند' آزاد' نثری اور معریٰ۔سبھی ہیئتوں میں نعتیں لکھی گئیں ہیں۔

فرمان فتح پوری کے مطابق:

''عام طور پر نعت کے لئے وہی پرانی ہیئت استعمال ہوتی رہی ہے یعنی زیادہ تر غزل کی شکل میں نعتیں کہی جاتی ہیں ۔طویل نعت ہو تو قصیدہ کا نام دے سکتے ہیں اس لئے کہ غزل اور قصیدہ کی ہیئت ایک ہی ہے۔ پرانی ہیئتوں میں شعر کہنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ شاعر کو اظہار خیال کے لئے ایک بنا بنایا سانچہ مل جاتا ہے ۔اس سانچے میں پرانی ترکیبوں' تشبیہوں' علامتیں اور تلمیحات بڑی آسانی سے جگہ پاتی ہیں ۔شعر آسانی سے موزوں ہوجاتا ہے اور چونکہ عوام الناس ان سانچوں اور ان کے رنگ وروپ سے زیادہ مانوس ہو تے ہیں اس لئے بقدر ظرف ان سے لطف اندوز ہونے یا ان کے مفہوم تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی ۔ظاہر ہے کہ ایسی نعتیں مشاعروں کے لئے یا 'سیرت کے عام جلسوں کے لئے بہت موزوں ہوتی ہیں ۔شوق سے سنی جاتی ہیں اور نعت کے ساتھ نعت گو کی شہرت کو بھی دور دور تک پہنچا دیتی ہیں ۔لیکن فکر وفن کے اعتبار سے عموماً ان نعتوں کا رتبہ زیادہ بلند نہیں ہوتا ۔جدت اور انفرادیت بھی ان میں نظر نہیں آتی ۔اس لئے موضوع سے قطع نظر جب اعلیٰ

درجہ کی شاعری زیر بحث آتی ہے تو عام طور پر نعتوں کا یہ ذخیرہ خود بخود نظر انداز
ہو جاتا ہے۔'' (بحوالہ اصول نعت گوئی۔حلیم حاذق۔ص۔۱۷)

مذکورہ اقتباس کو کوڈ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اب تک صنف نعت گوئی کو ادبی حیثیت کیوں نہیں حاصل ہوئی۔ جب کہ صنف سخن کے تمام اصول وضوابط کی پاسداری نعت گوئی میں بھی کی جاتی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ زیادہ تر نعت گو کے پیش نظر عوامی محفلیں اور سیرت النبی کے جلسوں میں داد وتحسین حاصل کرنا اور چھٹے بٹورنا مقصود ہوتا ہے اس لئے وہ ایسی نعت پاک لکھنے اور لکھوانے پر مجبور ہوتے ہیں لیکن ان کی تعداد بھی کم نہیں جو نعت پاک کو ادب کے معیار اور صنف سخن کی پاسداری کا لحاظ رکھتے ہوئے نعتیں لکھنے اور اس کو ادبی مقام سے سرفراز کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ایسی نعتوں میں بھی داخلیت ٗخارجیت ٗرمزیت ٗاشاریت ٗ فصاحت و بلاغت ٗ سلاست و روانی ٗ روزمرہ محاوروں کا استعمال ٗ بندش تراکیب وتشبیہات واستعارے سب کچھ فراہم کیے جاتے ہیں۔ایسی نعتوں کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

رنگ مژہ سے کر کے خجل یاد شاہ میں
کھینچا ہے ہم نے کانٹوں پہ عطرِ جمالِ گل
نعتِ حضور میں مترنم ہے عندلیب
شاخوں کے جھومنے سے عیاں وجد و حالِ گل

(اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی)

غیرتِ ماہِ منور آپ ﷺ ہیں
فخرِ انساں ٗنازِ داور آپ ﷺ ہیں
آپ ﷺ سے خُلقِ حمیدہ کا وجود
اسوۂ حسنہ کے مصدر آپ ﷺ ہیں

(علقمہ شبلی)

سراپا حسن و جمال کہئے کہ پیکرِ خوش خصال کہئے
وہ میرے آقا ہیں میرے آقا نہیں ہے جن کی مثال کہئے
جدا سبھوں سے صفات ان کی، جدا سبھوں سے ہے ذات ان کی
یگانہ سب میں وہ ذات اقدس، وہ نورِ ربِ جلال کہئے

(احسان مخلص)

احمد، حمید، حامد و محمود آپ ﷺ ہیں
ہاں ! ربِ ذوالجلال کے شہکار آپ ﷺ ہیں
یٰسین آپ، ﷺ طٰہٰ، بشیر و نذیر ہیں
رحمت لقب ہے، سیدِ ابرار آپ ﷺ ہیں
(ایم۔نصر اللہ نصر)

احمد ﷺ کی ذات کیا ہے فقط جانتا ہے رب
ہم پر یہ راز فہم سے مستور ہے بہت
ہوتا ہے جن کا تذکرہ سارے جہان میں
رہبر وہی ہیں جگ میں پیمبر وہی تو ہیں
(مامون ایمن)

نعت گوئی کا ارتقائی سفر یعنی آغاز و ارتقا کے مطالعہ سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ یہ ایک مخصوص صنف سخن ہے جس میں 'عصری آگہی' مذہبی بیداری تہذیبی و ملی مسائل اور ذاتی تقصیر و بیانِ نفس حیات کا داخلی کرب و نشاط' کا تذکرہ بھی ہوتا آیا ہے جو اس کی ادبی اہمیت اور مخصوص ہیئت کی تشکیل میں حائل رہا ہے جب کہ عہد نبوی میں اس طرح کے موضوعات نعت گوئی کی خصوصیات رہی ہیں۔ اب بھی شعرا ان کو برتنے میں عار محسوس نہیں کرتے لیکن اصل مقصد سے بہت جلد دور ہو جاتے ہیں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف حسنہ کی شعر بندی کے بجائے فروعی باتوں کی شعر سازی کے شکار ہو جاتے ہیں۔ نعت گوئی کے عام موضوعات ملاحظہ فرمائیں:

ا۔سراپا:

رخ احمد کے جلووں سے قمر نے روشنی پائی
جھلک ہے ماہِ کامل میں مرے آقا کی صورت کی
(حلیم صابر)

اس پیکرِ انوار کی توصیف کیا کروں
آئینہ بھی شرمندہ ہے وہ روئے حسیں ہے
(انجم باروی)

کہکشاں، شمس و قمر سب سر نگوں
ناخن محبوب ﷺ سا کوئی نہیں

(ایم۔نصراللہ نصر)

آیتِ سورۃِ والیل اتر جاتی ہے
زلف جب روئے محمد پہ بکھر جاتی ہے

(ضمیر یوسف)

اے لباس شہ کونین کی خوشبوئے طرب
میری سانسوں میں سرِ مو نہ کمی تیری ہو

(حبیب ہاشمی)

چہرہ و قامت و قد ' نازِ بہارِ چمنی
وہ سراپا ہے تو پھر کوئی سراپا ہی نہیں

(انس مسرور انصاری)

نور دندان کا رشک لعل و گہر
فخر یاقوت لب بے مثال آپ ﷺ کے

(ڈاکٹر راحت سلطانہ)

۲-اوصاف حسنہ و معجزات رسالت:

تین دن ایک جگہ پر ہی کھڑے تھے آقا
ایسا وعدہ تو کسی نے بھی نبھایا ہی نہیں

(ڈاکٹر وارث انصاری)

یہ ہے شانِ شہِ انبیا دیکھئے
ہم کلام آپ سے کنکری ہو گئی
آپ آئے تو نعمت ہوئیں بیٹیاں
ختم دنیا سے دختر کشی ہو گئی

(ایم۔نصراللہ نصر)

جہالت ہو، ضلالت ہو کہ ہوں امراض روحانی
سبھی کے واسطے اکسیر ہے کلمہ محمد ﷺ کا
(سید عبداللہ ہاشمی)

شکست دے کر بھی دشمنو ں کو امان بخشا
ہوئے تھے شعلہ مزاج شبنم رسول اکرم
انہیں فضیلت شفاعتوں کی خدا نے بخشی
تمام نبیوں میں ہیں مقدم رسول اکرم
(سید نفیس دسنوی)

روشنی، صدق و صفا، جود و سخا، حلم و عطا
ہیں یہی طورو طریقے، عادتیں سرکار کی
رات کا کوئی پہر ہو صبح صادق ہو شام
تھیں عبادت میں ہی پنہاں راحتیں سرکار کی
(ڈاکٹر محمد علی اثر)

جن سے ملی ہے دولت ایماں رسول ہیں
جو دے گئے خدا کا بھی عرفاں رسول ہیں
(مناظر عاشق ہرگانوی)

چاند ٹکڑے ہوا، شمس واپس ہوا
رب نے دکھلائے کیا کیا کمال آپ ﷺ کے
(ڈاکٹر راحت سلطانہ)

یہ معراج کی شب کا پُر نور عالم، گئے منتہا تک رسول مکرم
نقوشِ قدم سے نبی کے منقش ہیں اب تک فروزاں فلک پر ستارے
(ڈاکٹر معصوم شرقی)

ڈاکٹر یحییٰ نشیط فرماتے ہیں:

''سادگی اور پرکاری شاعری کا حسن ہے نعت میں در آئے تو اس کی اثر آفرینی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ صناعی اور الفاظ کی پچکاری سے شاعری میں

مصنوعی پن در آتا ہے اور اس کا فطری پن غارت ہوجاتا ہے۔ نیز اثر آفرینی میں استدام اور تواتر باقی نہیں رہتا لیکن فطری پن جس شاعری میں ہوتا ہے اس کی اثر آفرینی تادیر قائم رہتی ہے۔''

(شاعر۔ اگست ۲۰۱۸۔ ص ۳۹)

لہٰذا عام شاعر اور خصوصی طور پر نعت گو شعرا کو ان پیچیدگیوں' الفاظ و محاورات کی گھن گرج' گنجلک معنیٰ و مفاہیم اور دور از کار تصورات سے پرہیز کرنا چاہئے۔ سہل اور فطری شاعری کسی بھی صنف شاعری کے لئے مناسب ہے۔ کبھی کبھی عقیدت کی شدت سے غلط محاورات کا شعر میں در آنا ناگزیر ہو جاتا ہے جو شاعر کی گرفت سے باہر ہوتا ہے۔ اشعار کی ترسیل جتنی سہل ہوگی اتنی ہی وہ قابل داد اور پسندیدہ ہوگا۔ نعت کے چند اشعار اور ملاحظہ فرمائیں:

جو آسمانوں سے اترا حبیب پر میرے
صراط حق ہے' خدا کا کلام روشن ہے
ثبوت عظمتِ انسانیت ہیں میرے نبی
زمیں سے تا بہ فلک ان کا نام روشن ہے

(حفیظ انجم)

اس نورلم یزل سے منور ہے دو جہاں
بطحا کی روشنی ہے کہ طیبہ کی روشنی

(ہمدم نعمانی)

اپنے داور کا آئینہ بن کر
نور آیا ہے مصطفیٰ بن کر

(نغمہ نور)

لات ومنات گر پڑے شیطاں ہوا خجل
عالم میں لا الٰہ کا عجب غلغلہ ہوا

(مضطر افتخاری)

سچ ہے کہ کائنات کی ہر چیز بے ثبات ہے
حاصل جسے ثبات ہے وہ تو نبی کی ذات ہے

(شمس افتخاری)

دل میں اک حسن کی تنویر بکھر جاتی ہے
جس گھڑی گنبد خضریٰ پہ نظر جاتی ہے

(جاوید مجیدی)

نعت پاک ہر فارم اور ہیئت میں لکھی گئی ہے۔غزل،نظم، رباعی، ماہیے، ہائیکو اور قطعات کے فارم میں تو یہ عام طور پر لکھی جاتی رہی ہے لیکن نظم جدید کی ہیئت میں بھی بے شمار نعت پاک رقم ہوئی ہیں جو کافی پر اثر اور معلوماتی بھی ہیں۔طویل بحث سے گریز کرتے ہوئے چند جدید نعتِ پاک ملاحظہ فرمائیں:

مردِ خدا
ابتدا جس کی غار حرا
انتہا عالمِ کن فکاں
شوق کی راہ میں
ہر قدم پیچ وخم
بارشِ سنگ ہر چار سو
سر پہ بارِ گراں
پاؤں میں بیڑیاں
پھر بھی وہ ایک مردِ خدا
ساتھ اپنے رفیقانِ اطہار کے
اپنی آنکھوں میں نور صداقت لئے
اپنے سینے میں عزم مشیت لئے
سوئے منزل رواں
آنکھ میں اشک خوں
لب پہ حرف دعا
دیکھتے دیکھتے
ریگزاروں میں کھلنے لگے
لالہ وگل
معطر ہوا شرق سے غرب تک

روح و دل کا جہاں
تیرگی سر بہ زانو ہوئی
روشنی روشنی
مسکراہٹ
لبِ زندگی پر بھی رقصاں ہوئی!!
(علقمہ شبلی)

اعترافی بازگشت
اندھیرا ہے سفر میں
زندگی کی سانس بھی
رک رک کے چلتی ہے
نہیں ملتی ہے جب
___ منزل مسافر کو
ہر اک ساعت
گھٹن اور یاس کے صحرا میں
اپنے ہاتھ ملتی ہے
اسی لمحہ ___
کوئی شمعِ رسالت
دور ہی سے جھلملاتی ہے
اسی لمحہ ___
دلِ مضطر کو یہ محسوس ہوتا ہے
___ زمیں تا آسماں
پھیلا ہوا ہے نورِ مجسم
___ اور ایسے میں
محمد مصطفٰے ﷺ

تاجدارِ دو جہاں کے نام کی خوشبو
مسافر کی رگوں میں
خون بن کر دوڑ جاتی ہے
____ اسی لمحہ
اداسی کا سفر
کٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے
سفر کا راستہ
_____ گھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے!!
(شمیم قاسمی)

روشنی
عرش سے فرش تک
روشنی روشنی
زیست کی روشنی
علم کی روشنی
امن کی روشنی
ہر طرف، ہر جگہ
روشنی چھا گئی
سرد آتش کدے ہو گئے
منہ کے بل سارے بت گر پڑے
روشنی وہ جو غارِ حرا سے اٹھی
ظلمتوں کو مٹانے لگی
راہ صدق و صفا کا دکھانے لگی
رب کی وحدانیت کا ترانہ سنانے لگی
کنکروں کو بھی کلمہ پڑھانے لگی!
ناخدا بن کہ پھر کشتیاں

ساحلوں سے لگاتی رہے گی یہی روشنی!
بجھ نہ پائے گی اسلام کی روشنی!!
(نسیم فائق)

وہ حبیبِ خدا رحمتِ عالمیں
وہ ہے خیر البشر خاتم الانبیا
شاہ کون ومکاں
شاہ دیں بھی وہی
شاہِ خیر الورا سید الانبیا
اس کا سایہ نہیں
نور ہی نور ہے اس کا سارا بدن
اک اشارہ کیا چاند ٹکڑے ہوا
چل کے آیا شجر لوٹا خورشید بھی
جس سے ملتی شفا سارے بیمار کو
جس پہ لاکھوں درود رب بھی بھیجا کرے
جس پہ لاکھوں سلام سب فرشتے پڑھیں
وہ ہمارا نبی وہ تمہارا نبی
وہ رسولِ خدا
وہ حبیبِ خدا!

مختصر یہ کی تقدیسی شاعری اپنے فن اور اسلوب، طرز اظہار وافکار، زبان وبیان نیز جدت وندرت میں کسی دیگر سخن پارے سے کم نہیں اس لئے اسے بھی اصناف ادب کی صف میں جگہ ملنی چاہئے۔ اس کی بھی ادبی پزیرائی ہونی چاہئے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ کہ بارگاہِ رسالت اور درگاہِ ربوبیت میں اگر شاعر کا ایک بھی شعر شرفِ قبولیت حاصل کرلے تو وسیلۂ نجات ہوجائے۔ اس لئے کہ نعت کے اشعار میں ایمان کی تازگی اور پاکیزگی کے بھی سامان فراہم ہوتے ہیں۔ ہاں مگر احتیاط بھی لازمی ہے۔ حمد اور نعت میں شاعر کو تمیز رکھنا لازمی ہے۔ سرِ خم کو سجدہ ہونے سے بچانا بھی ضروری ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی (امروہہ)

احوال ایک محفلِ نعت خوانی کا

امروہہ کی سرزمین علمی وادبی گہوارہ ہونے کے ساتھ ہی دین و مذہب اور عاشقانِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آماج گاہ اور صاحبان عرفان وتصوف کی بستی ہے، یہاں سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں عالم دین مبین، شہنشاہانِ تصوف وعرفان اور ایسے ایسے عاشقانِ رسولِ عالمیان ہوئے ہیں، جن کا نام عاشقانِ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے جریدۂ عالم پر جلی وسنہری لفظوں میں ثبت ہے۔ان عاشقان وخاصۂ صاحبانِ رُسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں محترم الحاج حافظ عبدالرؤف صاحب رؔوف امروہوی علیہ الرحمہ کا نام سرزمین امروہہ میں بڑی اہمیت اورشہرت کا حامل ہے۔آپ نے اپنی زندگی مدحتِ سرور کائنات مختار دوعالم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف کردی تھی، دن رات آپ کا مشغلہ نعت گوئی، نعت سرائی اور دیگر نعت گویان ونعت خواہان کی اصلاح اور تعلیم وتربیت تھا۔

ضروری ہے کہ محفل نعت خوانی کے ذکر سے پہلے کچھ مختصر احوال حضرت حافظ عبدالرؤف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا جائے۔محترم حافظ عبدالرؤف صاحب کی ولادت 1894ء میں جناب مرزا شفیع اللہ بیگ مرحوم کے گھر واقع محلّہ صدوا امروہہ میں ہوئی۔آپ نے ابتداً مولوی علی احمد صاحب مرحوم سے ناظرۂ قرآن کے بعد حافظ محمد صادق صاحب سے حفظ قرآن کریم کی دولت عظمیٰ سے سرفراز ہوئے۔ پندرہ برس کی عمر میں اپنے محلّہ کی ہی مسجد میں پہلی محراب سنائی۔ بعدۂ مولوی علی احمد صاحب سے گلزار دبستاں شروع کی اور مختلف اساتذہ سے فارسی کی مختلف درسیات مثلاً گلستاں، بوستاں، دیوانِ حافظ وغیرہ کا سبقاً سبقاً درس لیا اور فارسی زبان میں عہدِ طفولیت میں ہی مہارت حاصل کرلی تھی۔خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی کی بہت سی غزلیں درجہ چھ میں ہی ازبر کرلی تھیں، تعلیم کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے 1915ء میں انٹرنیس کا امتحان پاس کیا اور اعلیٰ کامیابی کے سبب

پہلا انعام حاصل کیا۔ مولوی فضل ستار لا ابالی جو گورنمنٹ ہائی اسکول میں فارسی کے صدر مدرس تھے آپ نے مولوی مشتاق حسین نواب وقار الملک سے سفارش کرا کے ایم.اے.او.کالج علی گڑھ (موجودہ مسلم یونیورسٹی) میں داخلہ دلایا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد امروہہ کی مشہور درسگاہ امام المدارس (جو آج آئی.ایم.انٹر کالج کے نام سے مشہور ہے) میں تدریسی خدمات پر معمور ہوئے کالج کی تاریخ شاہد ہے کہ آپ کے محنتی وجود کی برکت سے کالج نے دن دونی ترقی کی۔ جس کی تفصیل آپ کی خودنوشت سوانح ''اپنی زبان سے میں'' میں اور کالج کی سالانہ رپورٹس میں دیکھی جاسکتی ہے، کچھ معاندین کی مختلف ریشہ دوانیوں کے باوجود 1959ء میں مکمل عزت واحترام کے ساتھ ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور اللہ رب العزت نے آپ کی دیرینہ دلی آرزو زیارت حرمین شریفین کی سعادت ابدی سے 1977ء میں سرفراز کیا۔ آپ کی زیارت حرمین شریفین کی سعادتِ عظمٰی کا واقعہ بھی خاصہ اہم اور عشق سرورِ کائنات کا غماز ہے، آپ کو ایک غیبی اشارے کے ذریعہ وہیں سے بلاوا آیا تھا۔ اس کی تفصیل بہت طویل ہے اور سردست ہمارے موضوع سے الگ بھی۔ بس میں تو صرف اتنا ہی کہوں گا کہ دین و دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کونسی سعادت ہوسکتی ہے کہ آقائے دوجہان رحمت للعالمین اپنی زبانِ گہربار سے خود کسی کو حکم فرمائیں کہ میرے عاشق دلگیر رؤف امروہوی کو میرے روضہ پر بلاؤ۔ اللہ اکبر، سبحان اللہ، الحمدللہ۔

اس محفل کے آغاز کے سلسلے میں حضرت رؤف امروہوی اپنی سوانح حیات ''اپنی زباں سے میں'' میں اس طرح رقمطراز ہیں: ''حضرت قطب رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ ہر صبح ایک مٹی کے ظرف میں پانی بھر کر اُسے مسجد کی دیوار پر رکھ دیتے، چڑیاں اس سے دن بھر سیراب ہوتیں، یہ ظرف مسجد کے سقایہ پر چڑھ کر دیوار پر رکھا جاتا تھا۔ ایک روز سقایہ پر سے ان کا پیر پھسلا اور مسجد کی چوڑی نالی میں اس طرح گرے کہ کولہا اُتر گیا، مسجد کے فرش پر دراز ہوگئے، کسی شخص سے کہا کہ عبدالرؤف کو بلادو، سنتے ہی فوراً مسجد میں گیا، مجھ سے فرمایا کہ کہاروں کو لے آؤ اور ڈولی میں بٹھا کر اپنے مکان پر لے چلو۔ میں ان کو غریب خانہ پر لے آیا، مکان کے ایک گوشہ میں اپنا مصلّٰی بچھوایا اور اس پر لیٹ گئے اور مجھے حکم فرمایا کہ محلّہ کٹکوئی میں علی نام کا ایک سقہ رہتا ہے مرہم پٹی کا کام کرتا ہے، اُس کو بلالاؤ، میں فوراً گیا اور اس کو اپنے ہمراہ لے آیا وہ اپنے فن میں بڑا ماہر تھا اور حضرت قطب صاحب سے پہلے ہی سے بے تکلف بھی، اس نے بڑی ہوشیاری سے ان کا علاج شروع کیا بارہ تیرہ دن تک وہ برابر آیا کیا اور بالآخر ان کا کولہا چڑھ گیا۔ میں نے ان کی دیکھ بھال کی اور تیمارداری کے فرائض حسب استطاعت انجام دیئے، علاج کے آخری دن دالان میں چل کر انہوں نے اپنے کولہے کی جانچ کی اور اس کی

طرف سے مطمئن ہوکر مجھ سے فرمایا جاؤ تمہاری تفریح کا سامان ہوگیا اور جب تک زندہ ہو تفریح کئے جاؤ اور اب تفریح کے لئے تمہیں کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں۔ میں اس تفریح کو سمجھ نہ سکا اور نہ اس کے سمجھنے کی کچھ فکر کی، بظاہر تو یہ وقتی بات تھی جو اسی وقت ختم ہوگئی مگر آٹھ دس روز بعد دو شخص میرے پاس آئے ایک کا نام محمود علی تھا اور دوسرے کا چھدا، محمود علی صاحب میرے دور کے ایک رشتہ دار بھی تھے، مجھ سے فرمانے لگے کہ یہ چھدا نعت خوانی میں میرا شاگرد ہونا چاہتا ہے، مگر اس مقدس تعلیم کے لئے مناسب مقام سمجھ میں نہیں آتا، سڑک پر پلنگ بچھا کر نعت خوانی کی توہین ہے، مسجد میں نمازی اجازت نہیں دیں گے، آپ کا یہ نیا مکان اچھا معلوم ہوتا ہے، اگر آپ اجازت دیں تو بعد نماز جمعہ ہم یہاں بیٹھ کر یہ مشغلہ کرلیا کریں۔ پان چھالیہ فرش وغیرہ کا سب انتظام یہ چھدا کریں گے، آپ سے تو صرف اجازت چاہئے۔

میرے ایک چھوٹے بھائی تھے جن کا نام مرزا برکت اللہ بیگ تھا، نہایت سعادت مند خدمت گزار اور ہونہار تھے، دو تین ہفتہ پہلے آٹھ روز بیمار رہ کر پچیس سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو چکے تھے، نہ میرے کوئی اولاد تھی، نہ ان کے کوئی بچہ تھا، ان کا یہ سانحہ ارتحال میرے لئے بہت ہی جانکاہ اور ناقابل برداشت تھا۔ اس نئے مکان کی تعمیر مجھے فعل عبث معلوم ہو رہی تھی، دنیا سے دل بالکل برداشتہ ہو چکا تھا، اس ماحول میں محمود علی صاحب کی درخواست پر میری زبان سے یہی نکلا کہ حضرت مکان آپ ہی کا ہے میرا نہیں ہے، یہ سن کر محمود علی صاحب بہت خوش ہوئے، شکریہ ادا کیا اور دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے، جمعہ کے دن جب میں نمازِ جمعہ سے فارغ ہوکر گھر آیا تو دیکھا کہ ایک خوبصورت جاجم بچھی ہوئی ہے اور وہ دونوں حضرات اپنے مشغلہ میں مصروف ہیں، چھالیوں کا بٹوہ اور پانوں کی ڈبیہ سامنے رکھی ہوئے ہے اور یہ نعت شریف

لو خبر جلد یا نبی ﷺ دل کی

زیرِ مشق ہے، گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کی مصروفیت کے بعد دونوں رخصت ہوگئے، اگلے جمعہ کو پھر یہی منظر دیکھا، اس سے اگلے جمعہ کو بھی یہی صورت نظر آئی، جب اس شغل کے متعلق صاحب حال قال ایک بزرگ نے جن کے روابط والد بزرگوار سے بہت دیرینہ تھے، سنا تو بے تکلف بغیر کسی اطلاع کے ایک اور نعت خواں کو اپنے ساتھ لیے ہوئے غریب خانہ پر تشریف لے آئے اور محمود علی سے فرمایا کہ میاں استادی اور شاگردی اب ختم کردو میرے ہمراہ مرزا خلیل بھی آئے ہیں، تینوں برابر برابر بیٹھ کر نمبروار نعت شریف پڑھو، انہوں نے ان کے ارشاد کی بطیّب خاطر تعمیل کی، یہ بزرگ صوفی راحت علی

صاحب کے دادا حافظ سخاوت علی صاحب مرحوم تھے۔ ہر جمعہ کو حافظ صاحب سب سے پہلے تشریف لے آتے پھر نعت خواں حضرات آ جاتے اور یہ نعت خوانی کی محفل شروع ہو جاتی، اس جلسہ سے پہلے جب کبھی حافظ صاحب والد صاحب کے پاس تشریف لایا کرتے تھے تو چائے وغیرہ سے ان کی تواضع ضرور کی جاتی تھی، اسی انداز سے اب بھی جلسہ کے ختم پر ان کے لئے چائے آ جاتی اور نعت خواں اور سامعین بھی اس میں شریک ہوتے وہ وضع اب تک جاری ہے۔ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب تک حیات رہے ایسے ہی تشریف لاتے رہے۔ اب نعت خوانوں میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا گیا اور سامعین میں بھی، ابراہیم خاں مرحوم اور ان کے ساتھ ان کے دوست مخدوم صاحب بھی تشریف لا کر نعت خوانی فرمانے لگے، غرض پانچ چھ ماہ میں جلسہ جم گیا جس کو اب ہوتے ہوتے ہوئے 55 سال ہو گئے اور اس طویل عرصہ میں ایک جمعہ بھی کبھی ناغہ نہ ہوا۔ یہ واقعہ کوثر رحمت میں اس طرح نظم ہو گیا ہے۔

وہ جلسہ میرے اک شیخ طریقت کی کرامت ہے   جو موقع ہو تو بزمِ نعت خوانی میں چلے آنا
میں ویسے ہی نہیں کہتا یہ تاریخی شہادت ہے   اُسے ہوتے ہوئے اب ہو چکے پچپن برس پورے
تو آ کر دیکھ لو سالِ بنا زیبِ عمارت ہے   یقیں آتا نہ ہو تم کو اگر میری گزارش پر

قطعہ

شد چو تیار در مہِ شوال!   کوشکِ آسماں قبابِ رؤف
لا اُبالی نگاشت سالِ بنا   ''کرد تعمیر نو، جناب رؤف''

1342ء

آج تقریباً 97 برس ہو گئے مگر اس محفل نعت خوانی میں نہ صرف کوئی ناغہ ہوئی بلکہ ہر دن زیادتی ہی ہوتی جاتی ہے، یہ ہفتہ واری نعت خوانی کا مبارک جلسہ "**ورفعنالك ذكرك**" کی ایک ہلکی سی جھلک ہے جو ہر جمعہ کو بعد نمازِ جمعہ ہوتا ہے، کیسے ہی اچھے برے سازگار اور نامساعد حالات ہوں، عید بقرعید، شب برأت، عید میلاد یا پھر ہولی، یا دیوالی کوئی بھی تہوار ہو اس جلسہ مبارکہ کی ناغہ ابتداء سے آج تک نہیں ہوئی۔ اس محفل نعت خوانی کا اس قدر استحکام حضرت الحاج حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ اور ان کے پیر و مرشد حضرت قطب صاحب کی کرامات اور تصرفات میں سے ہی ہے۔ حافظ عبدالرؤف صاحب ایک خدارسیدہ، صاحبِ دل خالص للّٰہیت رکھنے والی شخصیت تھے۔ عالمی شہرت یافتہ ادیب و محقق پروفیسر نثار احمد فاروقی مرحوم آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حضرت الحاج حافظ محمد عبدالرؤف صاحب رؔؤف امروہوی قدس سرہٗ

العزیز ایک یگانہ روزگار شخصیت تھے، انہوں نے تقریباً 92 سال کی عمر پاک
16,15 دسمبر 1986ء کی درمیانی شب میں انتقال فرمایا، اتنی طویل زندگی
انہوں نے جتنی سادگی، بے ریائی اور اطمینان نفس کے ساتھ گزاری وہ خود
عجائبات روزگار میں سے ہے۔" (انوارِ رؤف 5)

اسی سبب اللہ رب العزت نے ان کے کلام بالخصوص نعت ومناقب میں ایک انوکھی تڑپ اور ایک خاص قسم کا سوز وگداز عطا فرمایا تھا۔اس بات کو بھی میں پروفیسر نثار احمد فاروقی مرحوم کے الفاظ میں ہی ادا کرنا بہتر سمجھتا ہوں، آپ لکھتے ہیں:

"انہیں شعر گوئی کا ذوق بھی خداداد ملا تھا، مگر ایام جوانی میں بھی اسے عشقیہ جذبات اور گل وبلبل کے فرسودہ مضامین تک محدود نہ رکھا، بلکہ اپنے بے پناہ جذبۂ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار کا وسیلہ بنالیا۔غزلیں کبھی کبھار فرمائشی کہہ لیا کرتے تھے ورنہ ان کا اصلی ذوق نعت ومنقبت ہی کا تھا اور وہیں ان کے جوہر کھلتے تھے، ان کی عاشقانہ شاعری بھی کم ارزنہیں ہے۔شخصیت کی طرح شاعری بھی سادہ اور بے ریا ہے جس میں تکلف اور آورد کا نام نہیں۔سیدھے سادے مضامین بیان ہوتے ہیں مگر اس سادگی میں جو تاثیر ہے اس پر ہزاروں تکلفات قربان ہیں۔" (انوار رؤف، ص-7)

حضرت حافظ عبدالرؤف صاحب مرحوم باوجود کثرتِ عیال اورعزیز واقارب کی تمام تر ذمہ داریوں کے ساتھ کیسی سادہ، درویشانہ وصوفیانہ زندگی گزارتے تھے اس کا بیان بھی ایک بابائے عارفانہ پروفیسر نثار احمد فاروقی کی زبان ہی ملاحظہ کیجئے تو اچھا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"حضرت رؤف کی شخصیت اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی، عشق رسول میں سرشار ایک شخص کیسی فرصت اور فراغت، خوشدلی اور خوش باشی سے زندگی گزار سکتا ہے، اس کا نمونہ ہمیں ان کی زندگی میں نظر آتا تھا، نہ کسی سے جنگ نہ کسی سے کینہ، نہ کسی کی شکایت۔ان کا دل بچوں کی طرح معصوم اور سادہ تھا، جاں پُرسوز تھی، گفتگو میں لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی تھی، انہوں نے تمام عمر درس دیا مگر مزاج طالب علمانہ تھا، ہمہ وقت سیکھنے پر آمادہ، نہ کسی جاہ کی طلب تھی، نہ مال وزر کی ہوس، اپنے مجموعہ ہائے کلام بھی خود شائع کئے اور بلاقیمت قدر دانوں کی نذر کردیئے۔" (انوار رؤف، ص-7)

یہ تھا ایک درویش خدا مست اور عاشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر سا احوال جس نے اپنی تمام تر بے سروسامانی کے ساتھ بس اللہ اور اس کے رسول کا نام لے کر اپنے پیرو مرشد کے حکم پر یہ کہتے ہوئے کہ رؤف کے لئے ہے خدا کا رسول بس، اس جلسہ نعت خوانی کا آغاز کیا، ان کا یہ خلوص دل اور نیت خالص ہی تھی کہ یہ محفل نعت خوانی ان کی جسمانی کمی کے باوجود آج بھی ایسی آب وتاب اور ان کے وارثین کے دلی جذبوں کے ساتھ جاری ہے۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی نے جون 1983ء کی تحریر میں لکھا ہے کہ یہ نعت خوانی کا تین ہزار ایک سوبیس واں جلسہ ہے، اللہ اکبر! آج میری اس ناچیز تحریر کے وقت یہ جلسۂ مبارک 1983ء میں اگر 25 برس اور جوڑے جائیں تو ان کے تین سو مہینے ہوتے ہیں اور ان تین سو مہینوں میں ایک ہزار دوسو جمعہ ہوئے اب اگر ہم 3120 میں 1200 (ایک ہزار دوسو) جمعہ اور جوڑیں تو کل 4320 (چار ہزار تین سوبیس) جمعے ہوتے ہیں تو آپ اندازہ کریں کہ ان دنوں میں عید، بقرعید اور دیگر مذہبی وغیر مذہبی رسومات، شادی بیاہ، مرنا، جینا، آندھی، طوفان سبھی کچھ رہا ہوگا، مگر حافظ عبدالرؤف صاحب مرحوم ومغفور نے اس مبارک جلسہ نعت خوانی میں کوئی ناغہ تو دور کوئی تاخیر بھی نہیں کی اور نہ ہی ان کی وفات حسرت آیات کے بعد ان کے جانشینوں نے اس میں کوئی کوتاہی برتی۔ اس کو کہتے ہیں جذبہ اور لگن اور عشق رسول اکرم کی تڑپ، یہ محفل نعت خوانی خانوادۂ رؤف امروہوی کے ہر فرد کی زندگی کا اہم مقصد بن گئی ہے۔ حضرت حافظ عبدالرؤف صاحب کے بڑے صاحب زادے ڈاکٹر مرزا احمد حسین سیفی صاحب نے اس انعام واعزاز استقامت کو کس خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو۔

شرف ایک عمر سے حاصل ہے یہ میرے گھرانے کو　روایت مدتوں سے نعت ہے میرے گھرانے کی
مقدم جانتے ہیں بس نبی ﷺ کے گیت گانے کو　میرے والد میرے بھائی میری اولاد اور ہم سب
سرِ بزمِ سخن آتے ہیں نعتیں ہی سنانے کو　رؤف و حامد و ساجد زبیر و عارض و سیفی

مشائخ صوفیہ کرام کے یہاں لفظ ''استقامت'' بڑے ہی وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے، اگر سیدنا ومولانا شیخ الاسلام شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر اجودھنی، شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء وغیرہ، حضرت حافظ عبدالرؤف صاحب مرحوم اور ان کے ورثاء کی عشق رسول میں یہ استقامت دیکھتے تو کیا ہوتا اس کو میرا قلم عاجز رقم تحریر نہیں کرسکتا کیونکہ یہ بھی ایک نعت ہے اور "ذالك فضل اللّٰه یوتیه من یشاء" سرزمین امروہہ کے تمام ہی باشعور شعراء کرام، سامعین عظام، نعت گو و نعت خواں، پروانوں کی طرح جب سے آج تک حافظ

عبدالرؤف صاحب کے دولت کدے (نعت گھر) میں اڑے چلے آتے ہیں اور یہ نعت گو و نعت خواں شعراء عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار کیا کیا نادر مضامین کے اشعار اس محفل نعت خوانی میں اپنے پرسوز ترنم سے پڑھتے ہیں کہ ہزار سماع کی محافل اس پر نثار، اس محفل نعت خوانی میں نہ صرف سرزمین امروہہ کے ہی نعت خواں و نعت گو شعراء شامل ہوئے یا ہوتے ہیں بلکہ ہندوستان، پاکستان وغیرہ کا کون سا شاعر ایسا ہے کہ وہ کسی بھی سبب امروہہ آیا ہو اور اس نے جمعہ کے دن امروہہ میں قیام کیا ہو اور اس بابرکت محفل نعت خوانی میں شریک نہ ہوا ہو۔ اگر ان شعراء حضرات کی ایک نامکمل فہرست بھی ترتیب دی جائے تو شاید وہ بھی چار ہزار تین سو بیس سے اوپر ہی جائے گی۔ پھر بھی احقر چند، اُن مشاہیر شعراء کرام کے نام یہاں پیش کرنے کی سعی کرتا ہے جو اس کی یادوں میں محفوظ ہے۔

میر افق کاظمی، افسر امروہوی (محقق کراچی)، مفتی نسیم احمد فریدی، مولانا محمد خلیل کاظمی، مولوی فضل ستار لاابالی، صوفی نوراللہ عیشؔ، حیات احمد عشرتؔ امروہوی، درد نجیب آبادی مرحوم، عرش بدایونی مرحوم، روش صدیقی، مختار احمد انیڑھؔا امروہوی، محشرؔ امروہوی، ہوشؔ نعمانی رام پوری، مشکور نقوی، تلمیذ مرزا احمد حسین سیفی، قاری شفیق وقاری رفیق دہلی، حسن اقبال آگرہ، ساہو جگدیش سرن پتتؔ امروہوی، پنڈت رام ناتھ رمن امروہوی، کوثر القادری، علامہ شہباز امروہوی، حکیم کلب علی شاہد، مختار حسین تاباں نقوی، مولانا محمد عبادت کلیم امروہوی، پروفیسر نثار احمد فاروقی، مہدی حسن رئیس امروہوی، جون ایلیا، ساقی امروہوی (پاکستان)، حفیظ میرٹھی، شمیم جے پوری، ڈاکٹر اعظم علی اعظم (لندن)، ڈاکٹر تابش مہدی (دہلی)، خمار فاروقی (پاکستان)، رشک خلیل (پاکستان)، شجاع احمد خاں زیبا (پاکستان)، موج رام پوری، اظہر عنایتی رام پوری، حق کانپوری، مرزا افسر حسن بیگ افسر امروہوی، حسن ضیاء ایڈوکیٹ، قاضی محبوب احمد عباسی قاضی شہر امروہہ، حضرت مولانا مبین احمد فاروقی شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مرادآباد، مولوی احمد حسین خاں، ملا رضا حسین، حافظ احمد حسین، حضرت معین الدین معروف بہ بابومیاں، حکیم عبدالرب، حکیم عارف حسن، حاجی تمیز احمد خاں، بابو ظہیر احمد خاں قادری مرحوم، ظہور شاہ وارثی بچھرائیونی، خواجہ راشد فریدی اور عبدالرؤف صاحب کے صاحب زادگان ساجد و حامد و آصف و سیفی بلکہ حافظ صاحب مذکور کے نبیرہ گان و نبیسہ گان اور اس گھرانے کی بہو بیٹیاں اور داماد وغیرہ بھی اس محفل نعت خوانی میں اپنی اپنی سہولیات کے مطابق سبھی دل و جان سے لگے ہیں۔ ان سبھی متعلقین رؤف نے بذات خود ہفتہ واری اس محفل نعت خوانی میں شرکت اور ہر طرح کے ایثار و قربانی کو اپنے اوپر فرض جان لیا ہے۔

اس بابرکت محفل نعت میں آج بھی اگر کوئی خوش الحان نعت خواں حافظ عبدالرؤف صاحب مرحوم کی مندرجۂ ذیل نعت پڑھتا ہے تو سارے مجمع پر ایک روحانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، پتھر دل انسان کے بھی اشک رواں ہو جاتے ہیں اور کمزور دل عاشقان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتے ہیں۔ اس وقت روحانی بابرکت محفل کا حال کیا ہوتا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ سننے یا تحریر کرنے سے نہیں۔ اب احقر حضرت حافظ عبدالرؤف مرحوم ومغفور کی وہی ایک نعت یہاں نقل کرتا ہے۔

تم انیسِ بیکس و بے نوا میں اسیرِ دام بلا نبیﷺ
ذرا سن لو میری بھی التجا ہوں تمہارے در کا گدا نبیﷺ

مرے پاس کوئی عمل نہیں کسی معصیت کا بدل نہیں
فقط اپنی لطف سے کیجئے مرے دردِ دل کی دوا نبیﷺ

اگر آپ سے نہ کروں بیاں تو سناؤں کس کو یہ داستاں
سرِ حشر آپ کی ذات ہی ہے شفیع روزِ جزا نبیﷺ

میرے سر پہ بارِ گناہ ہے میں ضعیف دور کی راہ ہے
ذرا دستِ لطف بڑھایئے میں گرا نبیﷺ میں گرا نبیﷺ

مری عمر ختم ہوئی مگر شب ہجر کی نہ ہوئی سحر
کبھی ہو کے سامنے جلوہ گر مرا حال دل نہ سنا نبیﷺ

سوئے طیبہ ہو جو گزر صبا تو ادب سے کرنا یہ التجا
کہ رؤف ہجر میں مر مٹا ہو نگاہِ لطف ذرا نبیﷺ

غالب کو غرہ تھا کہ ''سو پشت سے ہے پیشہ آباء سپاہ گری'' اور اسی طرح میر انیس کو فخر کہ ''پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں'' مگر یہاں تو گھرانے کا گھرانہ مدحت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار و جاں نثار ہے۔ ساجد و حامد و سیفی تو کئی کئی نعتیہ دواوین کے خالق ہیں اور نہ جانے کتنے ہی اس بابرکت نعت گھر سے صاحب دیوان نعت گو ہو گئے۔

اب میں تفصیل میں نہ جاتے ہوئے حضرت رؤف امروہوی صاحب کے صرف صاحب زادگان کی ہی ایک ایک نعت یہاں نموتاً پیش کرتا ہوں۔ جو اسی محفل نعت خوانی کی دین ہیں۔ ڈاکٹر مرزا احمد حسین سیفی مرحوم صاحب تخلیق ''نکہتیں''

نور پیکر ہیں وہ، نوری ہے سراپا ان کا
قید الفاظ میں کب آئے گا حیلہ ان کا

ہر زمانے نے دیا دہر کو مژدہ ان کا
از ازل تا بہ ابد، سارا زمانہ ان کا

اپنے مالک کی ہر اک شے پہ ہے قبضہ ان کا
بستیاں ان کی ہیں، بحران کے ہیں، صحرا ان کا

گلستانوں کو، بیابانوں کو، صحراؤں کو
سب کو سیراب کیا کرتا ہے دریا ان کا

جاہلیت کی کڑی دھوپ جہاں تیز ہوئی
ابرِ رحمت بھی وہیں ٹوٹ کر برسا ان کا

جو سماعت کو گرفتار کرے، دل چھینے
انقلاب آفریں کیسا تھا وہ لہجہ ان کا

سیکڑوں صدیوں پہ بھاری ہیں وہ تئیس برس
اور یہ اتنا بڑا کام ہے تنہا ان کا

مفلسوں کے لئے تسکین کا سامان ہے یہ
یوں ہے پیوند سے آراستہ کرتا ان کا

ان کے اوصافِ حمیدہ کا ٹھکانا کیا ہے
جب قصیدہ پڑھیں اوصافِ حمیدہ ان کا

دن جو ذہنوں میں نکالا ہے وہ ڈھلتا ہی نہیں
رات ہونے نہیں دیتا ہے سویرا ان کا

آج تک ان کے تعطر سے بسی ہے دنیا
''نکہتیں'' بانٹتا رہتا ہے پسینہ ان کا

جب ضرورت ہو تو بہنے پہ بھی آ جاتا ہے
انگلیوں میں بھی چھپا رہتا ہے دریا ان کا

میں کسی اور طرف جاؤں گا کیسے سیفیؔ
میرے پیروں کو تو بس لگتا ہے رستہ ان کا

جناب حامد حسین حامد امروہوی حال مقیم امریکہ صاحب تخلیق ''وسیلۂ بخشش''، ''جو یبارِ بخشش''، ''مدحت کے پھول''، ''خیابانِ ارم''۔

حق غلامی کا ادا کیوں نہ کریں
مدحِ ممدوحِ خدا کیوں نہ کریں

بھیج کر ان پر درود اور سلام
اپنے خالق کا کہا کیوں نہ کریں

ہم متاعِ دل و جاں رکھتے ہیں
رُخِ انور پہ فدا کیوں نہ کریں

کیوں تصور نہ کریں طیبہ کا
دردِ فرقت کی دوا کیوں نہ کریں

ان کو پایا تو ملا ہم کو خدا
اس وسیلے سے دعا کیوں نہ کریں

حق نے مختار کیا ہے ان کو
جس کو جو چاہیں عطا کیوں نہ کریں

ان کے دامن میں جگہ پائیں گے
اس بھروسے پہ رہا کیوں نہ کریں

ہم کو حاصل ہے غلامی کا شرف
سجدۂ شکر ادا کیوں نہ کریں

ذکرِ میلاد نبی ﷺ سے حامدؔ
اپنے ایماں کی جلا کیوں نہ کریں

مرزا ساجد حسین ساجدؔ امروہوی صاحب تخلیق ''رازِ بخشش''، ''گہرِ بخشش''، ''آرزوئے بخشش''،

''گہوارۂ بخشش''، ''نظامِ اہل بیت''، دیوان غزلیات ''دسترس''

دلیلِ ذاتِ احد ہے مرے حضور کی ذات وجودِ حق کی سند ہے مرے حضور کی ذات
قیام گاہِ خرد ہے مرے حضور کی ذات توہمات کا رد ہے مرے حضور کی ذات
وہی ہیں اوّلِ خلق اور شفیع محشر بھی ازل سے تا بہ ابد ہے مرے حضور کی ذات
بلایا حق نے انہیں عرش پر شبِ معراج وفورِ شوق کا قد ہے مرے حضور کی ذات
خدا کے نور کی تجسیم ہے بدن ان کا شعورِ زیست کی حد ہے مرے حضور کی ذات
مثال ان کی نہ مل پائے گی قیامت تک کمالِ ذات صمد ہے مرے حضور کی ذات
بفیضِ عشق ہی ساؔجد سمجھ سکو گے انہیں ورائے فہم و خرد ہے مرے حضور کی ذات

مرزا زبیر ابن سیفی نبیرۂ حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ

زندگی کا کچھ بھروسہ کیا کل کے بارے میں تم نے سوچا کیا
ان کا کردار سامنے ہے مگر اپنے کردار کو سنوارا کیا
ان کے در کی پناہ کیوں چھوڑی ایسے ہوجائے گا گزارا کیا
میں ہوں ان کے لئے وہ میرے لئے میں ہوں ان کا تو میرا ان کا کیا
نور کی بھیک اور اندھیروں سے تیرے گھر میں نہیں اُجالا کیا
خود ان کا بتارہے ہو زبیؔر تم نے دیکھا ہے اپنا حلیہ کیا

اس کے علاوہ حافظ عبدالرؤف صاحب کے نبیرہ گان میں مرزا محمد عارض، اظہر شہاب، ظفر مسعود، مرزا ساجد کے فرزند خسرو مرزا مقیم حال دہلی اور نبیسہ گان میں محمد اریب، محمد طاہر، محمد یاور پسران حکیم واصف اختر اور تنویر حسن فاروقی مرحوم وغیرہ بھی بہترین نعت گو و نعت خواں ہیں۔ یہ تھا ایک مختصر ترین جائزہ تین ہزار ایک سو بیسویں محفل نعت خوانی کا۔

☆☆☆

قاری محمد رفیق فائزؔ (فتح پور، راجستھان)

بارگاہ رسالت میں عقیدۂ صحابہ اور تجلیات نعت

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اپنے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں۔

۱- **اعطوا نبی الھدیٰ والبرّ طاعتھم فما ونی نصرھم عنه وما نزعوا**

۲- **ان قال سیروا اجدّو السّیر جھدھم او قال عوجوا علینا ساعةً ربعوا**

ترجمہ:۱- ان صحابۂ کرام نے اپنی طاعت وفرماں برداری، ہدایت اور نیکی کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سپرد کردی۔ ان حضرات نے نہ تو ان کی مدد چھوڑی اور نہ ہی طاعت سے باز رہے۔

۲- یہ لوگ اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتنے فرماں بردار ہیں کہ اگر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سفر کا حکم دیا تو انھوں نے اپنی پوری کوشش صرف کر کے اس کو کامیاب بنایا ہے اور اگر آپ نے قیام کا حکم فرمایا تو اقامت اختیار کر لی۔ یعنی یہ انصار ومہاجرین کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اشاروں پر کام کرتے ہیں۔

شریعت محمدی، "**علی صاحبھا الصلاۃ والتسلیم**" اور اس کی چودہ سوسالہ تاریخ پر نظر رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ اوائل سے ہی کسی سازش، یا شیطانی قوت کے زیرِ اثر اس امت میں کئی ایسے رجال پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے اپنی کم فہمی۔ یا فکری کجروی کے سبب حامیانِ اسلام، اور شریعت اسلامیہ سے کسی ایک یا کئی امور میں اپنا نکتہ نظر الگ قائم کیا۔ ان کی پیروی میں ان کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ رہے۔ جس سے وہ ایک جماعت کی صورت میں متعارف ہوئے۔

ان رجال اور فرقہائے غیر راست رو میں سب سے پہلا فرقہ "**فرقہ خارجیہ**" ہے جو سیدنا مولا

علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف اور جنگ وجدل کے سبب وجود میں آیا۔اس کے بعد ایسے رجال، اور فرقہائے غیر راست رو کی بہتات ہوتی چلی گئی جو کسی ایک، یا کئی امور میں مسلمات اسلام سے منافی سوچ رکھنے لگے۔جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اسلام کا داعیہ یہ ہے کہ (یٰأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً) اے ایمان والو پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔الف تا یا۔اسلام کو اپنے قول وعمل میں داخل کرلو۔اور ہر معاملے میں اسلام کو ہی اپنا رہبر ورہنما بنالو۔یہ نہیں کہ (نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ) کچھ باتیں مان لو اور کچھ باتیں نہ مانو۔نہ ماننا یہ کہ باغوائے نفس، یا شیاطین کچھ باتوں پر اپنی مرضی سے عمل کرلو۔مگر چونکہ اللہ رب العزت خالق ارض وسماوات ہماری فطرتوں اور مزاجوں کا ہم سے زیادہ واقف ہے لہٰذا اس نے یہ اصول پہلے ہی قرآن میں ارشاد فرمادیا۔(یُضِلُّ بِهٖ کَثِیْرًا وَّ یَهْدِیْ بِهٖ کَثِیْراً)یعنی یہ قرآن گرچہ سرچشمہ ہدایت ہے،مگر جہاں اس سے بہت سے لوگ ہدایت پائیں گے وہاں بہت سے لوگ اس کی تفہیم میں ٹھوکر کھا کر گمراہ بھی ہوں گے۔ہاں مگر گمراہی انہیں کا مقدر ہوگی جو طبعاً فاسق وفاجر ہوں گے۔کیونکہ

این سعادت بہ زورِ بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جس طرح ایک کہنہ مشق، بالغ ذہن مصنف اپنی کتاب کی تسہیل، تفہیم کے لئے مقدمہ تحریر کرتا ہے اور کتاب کے مندرجات میں مصنف نے جو کچھ کہا ہے اسے عین مصنف کے مزاج وتحریر کے مطابق سمجھنے کے لئے اس نے جو اصول وضوابط مقرر کئے ہوئے ہیں وہ انہیں مقدمہ میں بیان کرتا ہے تاکہ قاری اس کتاب سے ان ضوابط کی روشنی میں مصنف کتاب کا مدعا سمجھ سکے۔اور تمام مصنّفین کو یہ اصول وضوابط بھی قرآن مقدس کے ہی عطا کردہ ہیں۔چنانچہ قرآن مقدس کو سمجھنے اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ ضابطہ ارشاد فرمایا(ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ) بے شک یہ وہ کتاب ہے جو الحمد تا والناس، پوری کی پوری سچائی اور ہدایت سے مملو ہے ''مگر اس میں ہدایت'' صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو پرہیزگار ہیں ہر کس وناکس اس سے بھی ہدایت نہیں حاصل کرسکتا۔اور واقعہ بھی یہی ہے کہ خدا کا خوف رکھنے والے صاحبانِ تقویٰ وطہارت ہی قرآن کو پڑھ، سن اور سمجھ کر آمنا وصدقنا کہتے ہیں۔ورنہ نزولِ قرآن سے عہدِ حاضر تک کتنے ہی لوگ ہیں جو قرآن شریف پڑھنے، سننے اور قرآن کے ہادی ہونے کا علم رکھنے کے باوجود اس کی ہدایت سے محروم ہیں۔گویا

''یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پہ گایا نہیں جاتا''

حاصل یہ کہ قرآن وحدیث پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کے باوجود انہیں ماننے والے لوگ بھی راست روی سے ہٹ جاتے ہیں۔اور یہ سب ہونا بھی ناگزیر تھا کہ زبانِ صادق ومصدوق نے پہلے ہی یہ اعلان فرمادیا تھا کہ بنی اسرائیل میں بہتّر (72) فرقے ہوئے تھے اور میری امت میں تہتر (73) فرقے ہوں گے اور وہ سب ناری ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے۔صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا۔وہ کون سا فرقہ ہوگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگا۔

چنانچہ جب اسلام میں غیر راست رو فرقوں کی بہتات ہونے لگی تو متبعین رسول، وصحابہ والے گروہ کو دیگر فرقوں سے ممیّز وممتاز رکھنے کے لئے اسلاف آئمہ دین وصلحائے امت نے عقائد واعمال میں اس فرقہ ناجیہ کو ''اہلسنّت وجماعت'' کا نام دیا۔تاکہ ان غیر راست رو فرقوں سے ہماری شناخت الگ رہے۔اور ہمارے اسلافِ کرام کا ہم پر یہ بھی احسان ہے کہ ان غیر راست رو فرقوں کے غیر صحیحہ اعمال وعقائد سے بھی ہمیں خبردار کیا کہ۔

''چمکتا جو نظر آتا ہے سب سونا نہیں ہوتا''

چنانچہ غیر راست رو فرقوں کے اعمال وعقائد سے باخبر ہوکر ان سے تو ہم مجتنب ہوگئے۔مگر یہ امر بھی کسی المیہ سے کم نہیں کہ عدو اللہ، وعدو المسلمین شیطان لعین کبھی تعطیل پر نہیں ہوتا۔تو وہ کب گوارہ کرلیتا کہ امت محمدی کی کوئی ایک جماعت بھی سکون واطمینان سے قرآن وسنت پر عمل پیرا رہے۔لہٰذا گاہ بہ گاہ وہ اس جماعت میں بھی رخنہ اندازی کرنے لگا نتیجتاً اس جماعت میں بھی لوگ طرح طرح کے شگوفے کھلانے لگے اور اس جماعت کے نام سے اپنے اپنے نظریات دین میں داخل کرنے لگے تو اس جماعت میں بھی اضطراب وبے چینی کی کیفیت، اور رسہ کشی کی صورتِ حال پیدا ہوگئی اور غالباً شیطان کے فریب سے پیدا ہونے والی اسی کیفیت کو حضرتِ اقبال نے اس شعر میں نظم کیا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز　چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

مگر الحمدللہ! بہ تائید ایزدی اس رخنہ اندازی کو مسدود کرنے کے لئے فرزندانِ توحید ہر قسم کے آلام ومصائب برداشت کرتے اور اس کا سدِّ باب کرتے رہے، چنانچہ کبھی مجددِ الف ثانی شیخ احمد سرہندی، کبھی کوئی، کبھی کوئی اس جماعت کا غیرت مند فرزند سینہ سپر ہوکر ان رخنوں کو مسدود کرتا رہا کہ۔

''اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی''

اس طرح ماضی بعید میں فرزندانِ توحید کی قربانیوں کے نتیجے میں جماعت ناجیہ اہلسنّت وجماعت کی شاہراہِ عمل وعقیدہ دجل وفتن کی آلائشوں سے نفیس وتنظیف ہوئی۔ ماضی قریب میں

شیطان نے یہ لائحہ عمل آزمایا کہ گھر کے چراغوں سے گھر پھونکنے کی کوشش کی، نتیجہ یہ کہ کسی جماعت کے کسی فرد نے مسیح موعود کے نام سے دعویٰ نبوت کیا۔ کسی نے ''خالص قرآن'' کی آڑ میں انکارِ حدیث کیا، مگر بتائید ایزدی ذمہ داران علمائے امت، اورار بابان حل وعقد نے ان عفریتوں کے غلط عقائد سے امت کو باخبر کیا۔ خالص قرآن کے ساتھ ساتھ خالص حدیث اور خالص توحید کا دعویٰ کرنے والوں سے بھی امت کو باخبر کیا گیا۔ مگر مشکل یہ رہی کہ عام آدمی کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہو گیا کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا؟ کیونکہ ان مدعین کے دعاویٰ بہت خوبصورت ہیں۔

جب ان آخرالذکر عفریتوں نے ان خوبصورت دعاویٰ کا مکھوٹا لگا کر بوتل سے سر نکالنے کی کوشش کی تو علمائے اسلام نے عموماً اور ایک غیرت مند عالم ہند نے خصوصاً قلم بکف ہو کر شرعی تحریروں کے تیروں کے ذریعے روکا۔ اگر یہ معرکہ یہیں تک رہتا تب بھی خیر تھی۔ مگر جب وہ عالم نہ رہا۔ اور اس کے متوسلین اس طرف سے ذرا بےفکر ہوئے تو اس نے پھر سر اٹھالیا۔ اور خالص توحید کا نعرہ بلند ہونے لگا۔ جب کہ مسیح موعود، اور خالص قرآن کا دعویٰ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ خالص حدیث کے دعویٰ پر گفتگو کسی اور وقت کے لئے مؤخر کر کے فی الحال خالص توحید کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں ''یہ خالص توحید'' کیا ہے؟ توحید تو ایمان واسلام کا جزوِاول، اور جزوِاعظم ہے، جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، اور اس جماعتِ اہلسنّت کا ہمیشہ سے عقیدہ و عمل رہا ہے۔ پھر یہ خالص توحید کیا ہے؟ یہ جدید دعویٰ خالص توحید وہ عمارت ہے جس کی اساس و بنیاد تنقیص و تقصیر قصر رسالت محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم پر استویٰ ہوتی ہے۔ ایسی خالص توحید صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے لے کر دوسو سال قبل تک، کہیں پڑھنے اور سننے میں نہیں آئی جو اللہ جل جلالہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تفریق کرتی ہو۔ اس خالص توحید کا پس منظر اللہ اور اس کے رسول کے درمیان تفریق کرنا ہی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اپنے نام کے ساتھ ملائے رکھا ہے جس کا بیان سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس طرح کیا ہے۔

ضم الٰہ اسم النبی باسمہ اذ قال فی الخمس المؤذن اشھد

''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اپنے نام کے ساتھ ایسا ملایا ہے جس کی گواہی مؤذن پنج وقتہ اذان میں دیتا ہے۔''

مگر یہ خالص توحید کے مدعین اللہ تعالیٰ کے نام سے اس کے رسول کا نام، اور شریعت سے صاحب شریعت کا نام جدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ ہوائی باتیں نہیں بلکہ اٹل حقیقت ہے جو دعویدارانِ

خالص توحید کے عقائد و اعمال، اور فکر و سعی سے شمس نصف النہار کی طرح روشن ہے۔ وہ تو بزعم خود کلمۂ طیبہ "**لا اله الّا اللّٰه محمد رسول اللّٰه**" میں بھی **لا اله الّا اللّٰه** کے بعد ''وٗ'' کا اضافہ کر کے ''و محمد رسول اللہ'' پڑھنا، اور پڑھانا چاہتے ہیں ان کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عقیدے والے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول میں تفریق کا عقیدہ نہ رکھنے والے مشرک و بدعتی ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا خالق، باقی کا مخلوق ہونا۔ اور خالق و مخلوق میں کوئی مماثلت نہ ہونا اظہر من الشمس ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عقیدے کے مطابق عقیدہ رکھنے والوں سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو شرک و کفر، اور بدعات سے اجتناب کرتے ہیں مگر بارگاہِ رسالت میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ

''بعد از خدا بزرگ توئی ....''

یعنی ذات اقدس کو دنیا کی ہر شئی حتی کہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں اس کی تائید قرآن وحدیث دونوں سے "**اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ**" اور حدیث "**لَا یُؤۡمِنُ اَحَدَکُمۡ حَتّٰی اَکُوۡنَ اَحَبَّ اِلَیۡهِ مِنۡ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَ النّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ**" ہوتی ہے۔ اس کے باوجود خالص توحید کے داعیان کو یہ عقیدہ گراں گزرتا ہے اور اس عقیدے والے پر مشرک و بدعتی ہونے کے فتوے ان کی محفلوں میں لگائے جاتے ہیں ان کے سامنے اگر کوئی کہے کہ فلاں بات اللہ و رسول جانتے ہیں تو ان کے نزدیک وہ مشرک ہے۔ جب کہ کتب احادیث میں "**اللّٰهُ وَ رَسُوۡلَهٗ اَعۡلَمۡ**" کا بیان اس سے بھی زیادہ بار کیا گیا ہے جتنی بار مبتدی **فَعَلَ۔ فَعَلَا۔ فَعَلُوۡا۔** کی گردان کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کسی بات کے بارے میں پوچھا جاتا تو "**اللّٰهُ وَ رَسُوۡلَهٗ اَعۡلَمۡ**" جواب ہوتا۔ اگر کسی پیچیدہ بات کے بارے میں پوچھا جاتا تو جواب "**اللّٰهُ وَ رَسُوۡلَهٗ اَعۡلَمۡ**" ہوتا۔ یعنی اللہ و رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس امت کے سب سے بڑے موحدین یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا عقیدہ، اصول، کلیہ یہی تھا کہ کسی بھی بات کو اللہ و رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

فان ابی و والدہ و عرضی　　لعرض محمد منکم وقاً

ان کے اس عقیدے کے متعلق ذخیرۂ احادیث میں کہیں دیکھنے میں نہیں آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدہ کو شرکیہ کہہ کر صحابہ کرام کی سرزنش کی ہو، کہ مجھے کیوں بیچ میں لاتے ہو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اور نہ ہی یہ دیکھنے میں آیا کہ کسی صحابی نے اس عقیدے پر نکیر کی ہے۔ گفتگو ''اللہ و رسول'' کو ایک جگہ جمع کرنے کی ہو رہی ہے۔ تو یہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔ کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر سیدنا ابوبکر نے اپنا سارا مال

بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا۔ آقا کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ابوبکر گھر والوں کے لئے؟ عرض کیا۔ اللہ و رسول کو گھر والوں کے لئے چھوڑ آیا۔ حضرت اقبال نے اس واقعے کو نظم کیا۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

اس کے باوجود ''اللہ و رسول جانے'' کے عقیدے کو کوئی شرک کہے تو کیا کیا جا سکتا ہے سوائے اس دعا کے "اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَق حَقاً وَارْزُقْنَا الِاتّبَاعَ" واضح ہو کہ راقم یہ باتیں کسی کی دل آزاری کے لئے کر رہا ہے نہ کسی پر طعن کرنے کے لئے اور نہ ہی کسی کی دل شکنی کے لئے کر رہا ہے، بلکہ اپنے دل کا درد بیان کر رہا ہے کہ ہم جو اپنے آپ کو محبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں وہ چند عالموں کے علمی ٹھوکر کھانے کی وجہ سے کہاں آ کھڑے ہوئے کہ جن کا کلمہ پڑھ کر جنت میں جانے کی امید رکھتے ہیں انہیں کے متعلق ہمارا عقیدہ کیا ہو گیا ہے؟

یہ باتیں جو میں کر رہا ہوں، یقیناً وہ آپ نے پہلے بھی پڑھی اور سنی ہیں مگر اِن کی تصدیق کے لیے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عقائد و اعمال کی مہر ثبت کر رہا ہوں، تا کہ آپ اپنے اعمال و عقائد کو اس کسوٹی پر پرکھ سکیں اگر آپ کے اعمال و عقائد اِن کے موافق ہیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، بصورتِ دیگر؟

''حضرتِ عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ''

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے۔ لوگو......! مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ایسی باتوں کی خبر دی تھی جو اس وقت کے اعتبار سے ناممکن الوقوع تھیں، مگر ان میں سے دو باتیں پوری ہوتے ہوئے میں نے خود دیکھی ہیں۔ اگر میں زندہ رہا تو میں بھی۔ ورنہ تیسری بات پوری ہوتے ہوئے تم دیکھو گے! حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھے لکھے باوقار معزز اور اپنی قوم کے رئیس تھے۔ فتوحاتِ اسلامیہ کے وقت ان کا قبیلہ بھی مفتوح ہوا تو اولاً تو یہ کہیں جا کر پناہ گزیں ہو گئے مگر بعد میں خدمتِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تو آقائے کائنات نے فرمایا۔ اے عدی مجھ سے کیوں بھاگے بھاگے پھر رہے ہو؟ کیا اس لئے کہ کہیں تمہیں اللہ تعالیٰ کی بڑائی تسلیم کرنا نہ پڑ جائے؟ تو کیا اللہ تعالیٰ سے بڑا بھی کوئی ہے؟ یا اسلام کی کمزوری اور میرے صحابہ کی غربت آڑے آ رہی ہے؟ اے عدی۔ آج اسلام کمزور اور میرے صحابہ غریب ہیں، مگر تم زندہ رہے تو دیکھ لوگے کہ اسلام اتنا طاقتور ہو جائے گا کہ ایک اکیلی عورت حیرہ سے آ کر خانۂ کعبہ کا حج کرے گی اور

خدا کے سوا اسے کسی کا خوف نہ ہوگا۔ اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کر لئے جائیں گے۔ (واضح ہو کہ اس وقت صحابہ کے ہاتھوں کسریٰ کی حکومت فتح کرنے کی بات ایسے ہی تھی جیسے آج کسی کمزور ترین حکومت کے ہاتھوں امریکہ فتح کرنے کی بات ہو) اس وقت سیدنا عدی نے اس پر تعجب کیا، مگر اس وقت وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور فرمایا۔ اے عدی آج میرے صحابہ غریب ہیں مگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا لے کر نکلے گا مگر اسے قبول کرنے والا کوئی نہ ملے گا! جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام باتیں ارشاد فرما کر حضرت عدی کو اسلام کی دعوت دی تو حضرت عدی نے عرض کیا۔ میں تو پہلے ہی ایک دین پر ہوں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عدی تمہارے دین کو میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ عرض کیا۔ آپ میرے دین کو مجھ سے زیادہ کیسے جانتے ہیں؟ فرمایا۔ کیا تم فرقۂ رکوسیہ سے نہیں ہو۔ اور کیا تم اپنی قوم کے مال سے چوتھائی حصہ نہیں کھاتے ہو؟ عرض کیا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ لیکن یہ چوتھائی حصہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے جو تم جانتے بھی ہو! ان باتوں سے حضرت عدی کا شرح صدر ہوا۔ اور وہ کچھ نرم پڑ گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عدی کو لے کر چلے۔ راستے میں ایک ضعیفہ آپ کو روک کر بات کرنے لگی، جب تک اس ضعیفہ کی باتیں پوری نہیں ہوئیں، آپ وہیں کھڑے اس کی باتیں سنتے رہے۔ اس سے حضرت عدی کے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور بھی عظمت بیٹھ گئی۔ پھر گھر میں آ کر حضرت عدی کے انکار کے باوجود انہیں چٹائی پر بٹھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے ننگے فرش پر بیٹھے۔ کچھ دنوں حضرت عدی بارگاہ رسالت میں رہے اور اسلام قبول کر لیا۔ پھر انہیں تین باتوں کی قسمیں کھا کھا کر بیان کرتے تھے جو اولاً سنی تھی تو ناممکن الوقوع معلوم ہوئی تھیں۔ فرماتے تھے۔ کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کرنے والوں میں میں خود بھی شامل تھا، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایک عورت خانۂ کعبہ کا حج کرنے کے لیے اکیلی سفر کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کسی کا خوف نہیں ہوتا، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جو زندہ رہے گا وہ دیکھ لے گا کہ تیسری بات یعنی مال کی فراوانی بھی ہو کر رہے گی!

اس حدیث کے راویوں کا بیان ہے کہ یہ تیسری بات مال کی فراوانی بنوامیہ کے دور میں پوری ہوئی۔ یعنی مال کی اتنی فراوانی ہوئی کہ آدمی مال و دولت کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی نہ سمجھتا تھا۔ ''یہ واقعہ بخاری و دیگر کتب احادیث و سیرت کی کتابوں میں عام ہے، تاہم کسی میں مختصر ہے۔''

''عقیدہ سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ''

حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو واقعات کی وجہ سے زیادہ شہرت رکھتے

ہیں۔ایک بوقت ہجرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرتِ سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنسنا، دوسراان کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنانا۔

آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔اے سراقہ۔اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے؟ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔مفلوک الحال، غربت زدہ سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کواس کے سوا کیا چاہئے تھا،لہٰذا وہ اسی وقت سے ان کنگنوں کے منتظر رہنے لگے۔ایک بار آپ اتنے بیمار ہوئے کہ لوگ الوداعی یعنی آخری ملاقات کے لئے آنے لگے۔جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کا عندیہ محسوس کیا تو جوشِ جذبات میں اٹھ بیٹھے(جب کہ بیٹھنے کی ہمت تو کجا سانس بھی بمشکل لے پارہے تھے)اورافسوس وغصے کے ملے جلے جذبات سے بلند آواز میں فرمایا۔

اے لوگو! تم کیا سمجھتے ہو؟ کیا سراقہ اس بیماری سے مرجائے گا، جب کہ ابھی اس کے ہاتھوں نے کسریٰ کے کنگن نہیں پہنے؟ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسریٰ کے کنگن پہننے کے لئے کہا ہے جو میں نے ابھی تک نہیں پہنے ہیں۔اللہ کی قسم ایسی ہزار بیماریاں بھی ہوجائیں تب بھی میں اس وقت تک نہیں مروں گا جب تک کسریٰ کے کنگن اپنے ہاتھوں میں نہ پہن لوں!

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا ہی خوب فرماتے ہیں۔

نبی یری مالا یری الناس حوله و یتلو کتاب الله فی کل مسجد

وان قال فی یوم مقاله غائب .....فتصدیقها فی یوم أو فی ضحی الغد

ترجمہ:ا- نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو دیکھ لیتے ہیں جن کو عام انسان اپنے گردوپیش میں بھی نہیں دیکھ پاتے۔

۲-اگرغیب کے متعلق کسی شخص نے کبھی سوال کیا تو اس کی خبر یا تو اسی دن دے دی یا دوسرے دن صبح کے وقت۔

تاریخ وسیرت اور کتب احادیث شاہد ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کی فتوحات میں کسریٰ کے کنگن مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آئے تو حضرت عمر نے سراقہ کو یہ کہتے ہوئے وہ کنگن پہنائے کہ''یوں تو مرد کو سونا پہننا حرام ہے مگر اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا اس لئے تمہیں یہ کنگن پہنا رہا ہوں۔

''حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ''

مشرکین مکہ نے دارالندوہ میں باہم مشورہ کرکے یہ طے کیا کہ مکہ کے تمام خاندانوں میں سے

ایک ایک آدمی مل کر آج رات سوتے وقت (اعوذ باللہ) محمد بن عبداللہ کو قتل کر دیں۔ پھر دیکھیں گے بنوہاشم کس کس سے بدلہ لیں گے؟ اس مشورے کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگرانی پر آدمی تعینات کر دیئے گئے۔ ادھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشرکین مکہ کے دجل وفریب سے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو باخبر کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہجرتِ مدینہ منورہ کی تیاری کر لی، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے کہہ دیا کہ آج رات میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جانا، اور آپ نے یہ بھی کہہ دیا کہ آج رات مشرکینِ مکہ نے مجھے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ہے لہٰذا میں تو مدینہ کے لئے نکل جاؤں گا اور تم میرے بستر پر سو جانا تاکہ مشرکینِ مکہ یہی سمجھیں کہ میں ہی سویا ہوں۔ اور میرے پاس لوگوں کی جو امانتیں ہیں وہ صبح تم انہیں میری طرف سے واپس کر دینا اور پھر مدینہ شریف چلے آنا۔ کچھ دیر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے بستر مبارک پر سوئے، پھر حضرت علی کو اپنی جگہ سلا کر نکلے اور زمین سے مٹی اٹھا کر اس پر سورہ یٰسین کی کچھ آیتیں پڑھ کر پھونکیں، اور پھر وہ مٹی مشرکینِ مکہ کی طرف پھینکی جو ان کی آنکھوں میں اور سروں میں پڑیں، مٹی پڑنا تھا کہ ان کے حواسِ خمسہ مفلوج ومعطل ہو گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بڑے سکون واطمینان سے ان کے درمیان سے گزر گئے اور مشرکین کو پتہ بھی نہ چلا۔ اگرچہ اس رات بظاہر وہ بستر، بسترِ استراحت نہیں بلکہ بسترِ مرگ تھا مگر حیدر کرار سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بغیر کسی ملال و تردد اس بستر پر آئے اور فاتحِ خیبر بلا خوف اس بستر پر سو گئے۔

بعد میں لوگ آپ سے پوچھا کرتے تھے۔ اے علی اس رات اس بستر پر سوتے ہوئے تمہیں ڈر نہیں لگا؟ وہ رات تو تم نے اضطراب و بے چینی میں جاگ کر گزاری ہوگی؟ آپ فرماتے۔ بے شک اس رات اس بستر پر سونے والے کو مشرکینِ مکہ کے حملہ کا خطرہ تھا، اور بے شک اس پر سونے والے کے قتل ہو جانے کا صد فیصد امکان تھا۔ مگر مجھے اس خطرے اور اس حملے سے عافیت کی اور حفاظت کی ضمانت مل گئی تھی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ جو فرما دیا تھا کہ اے علی۔ صبح میری طرف سے فلاں فلاں کو اس کی فلاں فلاں امانت واپس کر دینا۔ لہٰذا اس رات تو میں جتنا بے خطر و پرسکون سویا ہوں اتنا کسی رات سویا ہی نہیں! یہ واقعہ ''سیرۂ ابن ہشام و دیگر کتب سیرت و تاریخ، اور کتبِ احادیث میں مروی ومنقول ہے۔''

''حضرتِ ابان ابن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ''

حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہ واسطہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ

حدیث روایت فرماتے تھے اور مذکورہ ذیل حدیث میں وارد دعا پڑھنے کی ترغیب دیا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص یہ دعا صبح پڑھ لے تو شام تک، اور شام کو پڑھ لے تو صبح تک زمین وآسمان کی کوئی شئے اسے نقصان نہیں پہنچاسکتی۔ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لوگوں میں اس طرح بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ ہر دن کی صبح، اور ہر رات کی شام کو تین مرتبہ یہ کہے۔

"بِاسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ وَ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ" تو اسے زمین وآسمان کی کوئی شئے نقصان نہیں پہنچاسکتی مگر خدا کے حکم سے ترغیب دینے والے انہیں حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فالج ہو گیا، تو جن لوگوں کو آپ مذکورہ حدیث کے ذریعے وباء و امراض سے بچنے کی ترغیب دیا کرتے تھے وہ لوگ بھی آپ کی عیادت کے لیے آئے اور وہ لوگ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے کرنے لگے کہ یہ تو دوسروں کو وباء وامراض سے بچنے کے لیے دعا بتایا کرتے تھے مگر حال یہ ہے کہ خود انہیں ہی فالج ہو گیا۔ جب سیدنا ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے اشارے سمجھے تو غضبناک ہو کر فرمایا۔ ہاں۔ میرا آج بھی یہی عقیدہ ہے کہ فرمانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غلط نہیں ہوسکتا۔ میں آج بھی یہی کہتا ہوں کہ صبح وشام اس دعا کو تین تین بار پڑھنے والا مسلمان بلاء وامراض سے محفوظ رہتا ہے، مگر مقدر میں جو لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے، میرے مقدر میں مجھ پر فالج ہونا لکھا تھا اس لیے اس دن میں یہ دعا پڑھنا بھول گیا تھا اگر پڑھ لیتا تو یقیناً یہ فالج ہر گز نہیں ہوتا۔ (ترمذی ابواب الدعوات، باب صبح وشام کی دعا)

''رئیس انصار حضرت سعد بن معاذ کا عقیدہ''

بخاری شریف کتاب المغازی باب ذکر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم **من یقتل ببدر** میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے، جس سے سیدنا سعد بن معاذ، امیہ بن خلف اور امیہ مشرک، اور اس کی مشرکہ بیوی کا بارگاہِ رسالت میں کیا عقیدہ تھا وہ پتہ چلتا ہے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرہ کرنے کے لیے مکہ شریف گئے، وہاں امیہ بن خلف نے انہیں اپنا مہمان رکھا اور ایک دن موقع دیکھ کر دوپہر کے وقت وہ انہیں طواف کرانے لے گیا، اسی دوران ابوجہل آ نکلا، اس نے حضرت سعد کو پہچان کر کہا۔ تم نے ہمارے دشمنوں کو اپنے یہاں مدینہ شریف میں پناہ دے رکھی ہے اس کے باوجود تمہاری یہ ہمت کہ تم یہاں مکہ میں آرام سے عمرہ اور طواف کر رہے ہو، اگر تم ابوفلاں امیہ بن خلف کے ساتھ نہ ہوتے تو میں تمہیں ہر گز طواف نہ کرنے دیتا! اس پر حضرت سعد نے ڈانٹ کر ابوجہل سے کہا۔ اگر تو ایسا کرتا تو میں قافلہ تجارت کو شام نہ جانے دیتا (کیونکہ مدینہ شریف راستے

میں آتا ہے) اس پر امیہ بن خلف نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا۔ اے سعد تم ایسے لہجے میں ابوالحکم (ابوجہل) سے بات نہ کرو، یہ اس وادی کے سردار ہیں۔ حضرت سعد نے فرمایا۔ اے امیہ تو خاموش رہ، کیونکہ میرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں تیرے قتل کی بھی خبر دے دی ہے۔ اتنا سننا تھا کہ امیہ بن خلف کانپ اٹھا۔ اسے اپنی موت سامنے نظر آنے لگی۔ اس نے پوچھا۔ اچھا یہ تو بتاؤ، کیا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے مکہ میں آکر قتل کریں گے یا اور کہیں؟ حضرت سعد نے فرمایا، یہ تو مجھے نہیں معلوم مگر تو قتل ضرور ہوگا۔ امیہ بن خلف نے یہ بات اپنی بیوی سے جا کر کہی تو وہ بھی کانپ اٹھی۔ دونوں میاں بیوی کو امیہ کے قتل کا پختہ یقین ہوگیا اور اس خبر کے بعد امیہ مکہ سے باہر نہیں جاتا تھا۔ جب غزوۂ بدر کا موقع آیا اور اہل مکہ جنگ کے لیے نکلنے لگے تو امیہ، اور اس کی بیوی امیہ کے جنگ پر جانے سے ٹال مٹول کرنے لگے۔ مگر ابوجہل نے باصرار مجبور کیا کہ تم مکہ کے بڑے آدمی ہو اگر تم نہ نکلے تو دوسرے لوگ بھی نہ نکلیں گے۔ چنانچہ بامرِ مجبوری وہ نکلنے پر رضامند ہوگیا، مگر چونکہ اسے زبانِ رسالت پر یقین تھا اس لیے اسے اپنی موت سامنے نظر آرہی تھی لہٰذا اس نے یہ تدبیر اختیار کی کہ ایک تگڑا و توانا اونٹ گراں قیمت پر خریدا کہ بوقتِ ضرورت بھاگ کر واپس مکہ پہنچ سکے۔ اور اپنی موت سے ڈر کر وہ قافلے کے بھی پیچھے رہتا اور اونٹ سے کجاوہ بھی نہیں کھولتا اور اپنے اونٹ کو اپنے سے دور بھی نہیں کرتا۔ مگر زبانِ رسالت کا اعلان ہر حال میں پورا ہونا تھا، لہٰذا سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بچانے کے لئے اسے لٹا کر خود اس پر لیٹ گئے کہ کسی طرح وہ بچ جائے، مگر لوگوں نے اسے ان کے نیچے سے گھسیٹ کر قتل کردیا اور اس طرح امیہ بن خلف، اور اس کی بیوی کی بہتیری تدبیروں کے باوجود فرمانِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدر میں پورا ہوکر رہا۔ میں نے یہ واقعہ بخاری شریف، اور سیرت کی کتابوں سے ملا جلا نقل کیا ہے۔ یہ واقعہ ببانگِ دہل اعلان کررہا ہے کہ ایک غیر کلمہ گو مشرک امیہ بن خلف، اور اس کی بیوی کا بارگاہ رسالت میں کیا عقیدہ تھا؟ یہ واقعہ بتا رہا ہے کہ ایک مشرک کا تو یہ عقیدہ تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ میری موت کب کہاں اور کیسے واقع ہوگی۔ اور ہم مسلمان امت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے علم کے متعلق آج تک تردد اور چیں بہ جبیں ہیں۔ "اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیۡهِ رَاجِعُوۡنَ۔"

یہاں میں عام امتی کے ساتھ ساتھ اربابانِ حل وعقد کی توجہ بھی اس طرف مبذول کرانا چاہوں گا کہ امت کو اس مقام تک پہنچانے میں علماء بھی ذمہ دار ہیں۔ انہوں نے مقام رسالت سے امت کو کماحقہٗ متعارف ہی نہیں کرایا۔ ہمیں بتایا ہی نہیں گیا کہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والتسلیم صفاتِ

خداوندی کے مظہر ہوتے ہیں۔ ہمیں بتایا ہی نہیں گیا کہ کچھ ایسی صفات جن سے عامی عاجز ہوتے ہیں وہ انبیاء و رسل کی صفاتِ خاصہ ہوتی ہیں، ورنہ ہم انبیاء و رسل کو اللہ رب العزت کے بالمقابل کھڑے کرنے کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا مظہر مانتے جن صفاتِ عالیہ کے اظہار کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں ذریعہ بنایا ہے۔ اگرچہ کائنات کی ہر شئے اپنے خالق کی قدرتِ کاملہ کا بین و برملا اظہار کر رہی ہے۔ بقول شاعر

ہر ذرہ چمکتا ہے انوارِ الٰہی سے
ہر سانس یہ کہتی ہے ہم ہیں تو خدا بھی ہے

مگر انبیاء و رسل اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان صفات کے ظہور کے بھی متحمل ہوتے ہیں جن سے عام آدمی قطعی عاجز ہوتا ہے (جیسے قرآنِ مقدس میں خود اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن کریم کی ثقل وگرانی کی مثال بیان فرمائی اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر بھی نازل کرتے تو اے مخاطب تو دیکھتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف (اس قرآن کے ثقل وگرانی) سے دب اور پھٹ جاتا) جب کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو امام الانبیاء اور آقائے کائنات ہیں لہٰذا آپ تو دیگر انبیاء کی نسبت بھی صفاتِ خداوندی کے بدرجۂ اتم واکمل مظہر ہیں مگر ہمیں خاتم النّبیین کی صفاتِ عالیہ رفیعہ سے کماحقہٗ باخبر نہیں کیا گیا حتیٰ کہ تراجمِ قرآن وتفسیر کے اردو زبان میں انبار لگا دیئے مگر چند ایک کے سوا کسی نے اسمِ ''نبی'' کا اردو زبان میں ترجمہ تک نہیں کیا۔ ورنہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعض صفاتِ خاصہ کے حوالے سے ہم یوں صیدِ وحشی کی طرح نہ بدکتے۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ جن مترجمین نے اسم ''نبی'' کا ترجمہ کیا انہیں غلط ٹھہرایا گیا۔ اور اگر کوئی ''نبی'' کے اردو ترجمے کے حوالے سے بات کرے تو اسے بھی غلط ٹھہرایا جاتا ہے۔ جب کہ سچائی یہ ہے کہ امت کو اسم ''نبی'' کے اردو ترجمے سے ہی لاعلم رکھا گیا ہے، ورنہ امت دیگر انبیاء واپنے نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیم کی اس صفتِ لازمہ ممیّزہ سے واقف ہوتی تو اس میں تردد نہ کرکے آمنّا وصدّقنا کہتی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اسم نبی کے اردو میں کیا معنی ہیں یہ سمجھ لیا جائے۔

اسم نبی اَلنَّبَاُ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں خبر۔ اس کی جمع "اَنْبَاءٌ" خبریں ہیں۔

اَلنُّبُوْئَۃَ۔ وَالنُّبُوَّۃَ۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام یا کر غیب کی خبریں بتانا۔ پیشین گوئیاں کرنا۔

اَلــنَّبِــیءُ۔ وَالــنَّبِیُّ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی بنا پر غیب کی باتیں بتانے والا۔ پیشین گوئی کرنے والا، خدا تعالیٰ کے متعلق خبریں دینے والا۔ جمع۔ اَنْبِیَاءُ۔ وَ نَبِیُّوْنَ۔ لغات المنجد عربی سے اردو۔

معلوم ہوا کہ غیب کی خبریں بتانے والے کو نبی کہتے ہیں۔ اور بتانا جاننے کو مستلزم ہے۔ کیونکہ جو

جانے گا ہی نہیں وہ بتائے گا کیا؟ اگر یہ بات امتیوں پر واضح ہوتی تو وہ آدھے دین میں تردد کا شکار نہ ہوتے۔ کیونکہ ''لا الہ الا اللہ'' آدھا دین ہے اور ''محمد رسول اللہ'' باقی آدھا دین ہے اور دونوں پر مکمل ایمان ہونے سے ہی دین مکمل ہوتا ہے اور یہی بات اللہ تبارک وتعالیٰ نے منوانے کے لئے فرمایا ہے۔ ''اے ایمان والو! پورے کے پورے دین میں داخل ہو جاؤ'' اسی تناظر میں پورا دین سمجھنے اور ماننے کے متعلق میں نے اپنی بساط بھر کوشش کی ہے۔ اور چونکہ مجلّہ ''دبستانِ نعت'' کا مقصودِ غایت یہی ہے کہ امتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے نبی کریم رؤفٌ ورحیم کی صحیح معرفت حاصل کرنے کے لیے انہیں بارگاہِ رسالت کی طرف گامزن کیا جائے لہٰذا از تقاضائے غلامیٔ نورالہدیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ''مجلّہ'' و مدیر و نگرانِ مجلّہ کی طبیعت و مزاج کے مطابق میں نے بھی یہی کوشش کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے عقائد و معمولات کی روشنی میں ہم معرفتِ رسالتِ محمدی علی صاحبہا وعلی آل صاحبہا الصلاۃ والسلام حاصل کریں۔ نہ کہ خرافاتی اقوال وافعالِ زمانہ کے سبب ان سے دور ہوں۔ چنانچہ ''مجلّہ'' مدیر مجلّہ، نگرانِ مجلّہ کے ساتھ ساتھ میں نے بھی یہی کوشش کی ہے کہ

سنا سنا کے ترے عشق کے فسانے کو
لگا رہا ہوں تری راہ پہ زمانے کو

اس مضمون سے راقمِ مضمون کا قصد کسی کی دل آزاری و دل شکنی نہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اگر ہم عشاق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں تو کم از کم محبانِ رسول تو بنیں۔ اسی لیے میں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اقوال، افعال وعقائد ثقہ ومستند کتب سے بحوالہ بیان کئے ہیں ورنہ ادب میں حوالوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ اس مضمون سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ اصولی طور پر تو آپ کو چاہیے کہ آپ اپنے عقائد وافکار، افعال وکردار کا محاسبہ فرمائیں کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مطابق ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو ''الحمد للہ'' اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے۔ اور اگر نہیں تو انہیں درست فرمائیں اور عین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طرز اپنائیں۔ کیوکہ۔

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

میں نے مضمون کی ابتداء میں تمہیدی طور پر جو کہا ہے اسی کی طرف آپ کو پھر متوجہ کرنا چاہوں گا۔ کیونکہ ''صراطِ مستقیم'' انعمت علیہم، سے مشروط ہے اور اسی انعمت علیہم کی شرط میں روڑے اٹکائے

جارہے ہیں اور بہت ہی دل لبھانے والے خوشنما عنوانات کے ذریعے روڑے اٹکائے جارہے ہیں۔
لہٰذا آپ یہ بھی جان لیں کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں، کتاب اشتبابۃ المرتدین، میں باب 1033۔
ان الفاظ میں باندھا ہے۔**قتل الخوارج والمرتدين بعد اقامة الحجة عليهم...... و كان ابن عمر يراهم شرارِ خلق الله۔ و قال انهم انطلقوا آية۔ نزلت فی الكفار فجعلوا ها على المومنين**" خوارج وملحدین کے قتل کا بیان جب کہ ان کے خلاف حجت قائم ہوجائے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خوارج ومرتدین کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بدترین شرارتی سمجھتے تھے اور فرماتے تھے یہ لوگ ان آیات کو جو کفار کے حق میں نازل ہوئی تھیں ان کا محل بدل کر مومنین پر چسپاں کرتے ہیں۔

مسلمانو......! آج یہی کچھ ہورہا ہے۔ آیات واحادیث کو ان کے اصل مقام ومحل پر رکھنے کے بجائے اپنی مرضی سے بے محل استعمال کر کے قلمی و زبانی فتوے دیئے جارہے ہیں۔ مشہور ومتواتر احادیثِ صحیحہ مرفوعہ کے علی الرغم اپنی مرضی کا دین مانا، اور منوایا جارہا ہے جن عقائد کی وجہ سے ماضی بعید وقریب میں کچھ فرقے مطعون ومعتوب ہوئے تھے، انہیں فرقوں کے ان عقائد وافکارِ باطلہ کا اہلسنّت و جماعت کے نام سے اعادہ کیا جارہا ہے۔

مستزاد یہ کہ ایسا کرنے والے اپنے آپ کو اہلسنّت و جماعت کہتے ہیں اور اسی وجہ سے امت دھوکہ کھارہی ہے۔ میں اپنی گفتگو کا اختتام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درج ذیل شعر پر کررہا ہوں، فرماتے ہیں۔

مع المصطفىٰ أرجو بذاك جواره و فى نيل ذاك اليوم أسعى و أجهد

ترجمہ: میں اپنی اسی مدح وثنا کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوارِ رحمت میں آپ کے ساتھ رہنے کی امید رکھتا ہوں اور اس سنہرے موقع کے حصول کے لیے ساری سعی وکوشش اور جدوجہد کررہا ہوں۔

☆☆☆

خان حسنین عاقبؔ (مہاراشٹرا)

میرا سفرِ نعت گوئی

سوچ رہا ہوں کہ کیا لکھوں؟ جس کی مدح عین باعثِ ثواب ہو، اس کے بارے میں لکھنا، جتنا اہم، ولولہ انگیز اور مثلِ عبادت ہوتا ہے اتنا ہی احتیاط کا متقاضی بھی ہوتا ہے۔ عرفیؔ اسی لئے کہتا ہے۔

عرفی! مشتاب، ایں رہِ نعت است، نہ صحراست
آہستہ، کہ رہ بردَمِ تیغ است قدم را

(عرفیؔ، جلد بازی سے کام مت لے۔ یہ نعت گوئی کی راہ ہے، کوئی صحرا نوردی نہیں کہ تو کہیں بھی بھٹکتا پھرے۔ یہاں آہستہ یعنی احتیاط سے کام لے کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے تلوار پر چلنا۔)

چلئے، اپنی بات کا آغاز یہاں سے کرتا ہوں۔

گھر کے بزرگ زور سے آواز لگاتے ہیں۔

''صاحبزادے! اِدھر آیئے''۔

سات آٹھ سالہ ایک لڑکا ڈرتے ڈرتے کہئے یا احتراماً کہئے، فوراً حاضرِ خدمت ہوجاتا ہے۔

''جی دادا جان! فرمایئے، بندے کے لئے کیا حکم ہے؟''

حکم ہوتا ہے، ''کچھ اشعار سنایئے۔''

لڑکا کچھ اوٹ پٹانگ قسم کے اشعار جو اس کی درسی کتاب یا حافظے میں تھے، سنا دیتا ہے۔ اب وہ بزرگ اس سے کہتے ہیں۔ ''شاباش۔ اب یہ شعر سنئے اور دو گھنٹے میں یاد کر کے سنایئے۔ سنئے اور اگر کہیں مشکل ہو تو پوچھ لیجئے گا۔ شعر یہ ہے۔

شمس تبریزی چہ داند نعتِ تو پیغمبرا
مصطفیٰ و مجتبیٰ و سیدِ والا توئی

وہ لڑکا دو گھنٹے گزرنے سے پہلے آکر اپنے دادا حضور، محمد میر باز خان صاحب کو وہ سبق سنا دیتا

ہے۔معنی اسے سمجھے ہوں یا نہ سمجھے ہوں، شعر اسے ضرور حفظ ہو گیا۔اور آج بھی ہے۔یہ لڑکا میں تھا۔ جب سے میں نے شعور سنبھالا، گھر میں خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تذکرے سنے۔دادا حضرت کو میں نے صبح وشام تسبیح کے دانوں پر انگلیاں پھیرتے پایا۔اور یہی تعلیم، ایسی ہی تربیت مجھے گھر میں ملی جس میں عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغیر سب کچھ ادھورا تھا۔اگر یوں کہا جائے کہ حبِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم میری گھٹی میں ڈال دیا گیا تھا تو اہلِ علم حضرات اسے مبالغہ نہیں سمجھیں گے، اس بات پر میرا ایقان ہے۔تقریباً اسی عمر میں، جب میں تیسری جماعت میں تھا، میں نے ایک تقریری جلسہ میں حصہ لیا جو ایک عاشقِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یومِ ولادت کے ضمن میں منعقد کیا گیا تھا، جس کا نام شیخ محمد اقبالؔ تھا اور جسے ساری دنیا علامہ اقبالؔ کے نام سے جانتی ہے۔ اس جلسہ میں اس وقت کی جنتا پارٹی کی ریاستی وزیر کے ہاتھوں مجھے دوسرا انعام دیا گیا تھا جو ایک قلم اور سند پر مشتمل تھا۔سند پتہ نہیں کہاں چلی گئی، قلم اگلے دس، پندرہ برسوں تک میرے پاس بغیر استعمال کے، رکھا رہا، پھر وہ بھی جانے کہاں گم ہو گیا لیکن قلم کی تاثیر میرے حصے میں لکھ دی گئی کہ جا! ہم نے تیرے قلم کو نہیں، اس کی تاثیر کو قبولیت بخشی۔اور الحمد اللہ، میرے پڑھنے والوں سے مجھے اس تاثیر کی گواہی ملتی رہتی ہے۔جب میں جوان ہوا اور زندگی کی جدو جہد اس عمر سے ہی میری قسمت کا حصہ بن گئی جس عمر میں میرے ہم عمر اپنی امنگوں اور خواہشات، ضرورتوں اور کفالت کے لئے والدین پر انحصار کرتے ہیں۔تب بھی میرا ایمان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اتنا ہی پختہ اور غیر متزلزل تھا جتنا زمین میں گڑا کوئی پہاڑ۔جب میری جیب میں آخری روپیہ، یا کوئی سکہ بچ جاتا، تو میں راستہ چلتے ہوئے اپنی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اس روپے یا سکے کو تھام لیتا اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہتا۔''اے کارسازِ جہاں! میری جیب میں بس یہ آخری سکہ بچا ہے۔اگر یہ بھی خرچ ہو گیا تو پھر کیا کروں گا؟ اس سے پہلے کہ یہ بھی خرچ ہو جائے، اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں کچھ انتظام کر دے۔'' اور میرا پروردگار کیا میری اتنی بات نہ مانتا؟ اور وہ بھی اس صورت میں کہ میں بڑی ہوشیاری سے اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وسیلے کے لئے درمیان میں لے آتا کہ اگر میری نہیں سنے گا تو اپنے اس پیارے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے کا بھرم تو اسے رکھنا ہی پڑے گا۔وہ اِلہ العالمین میری دعا قبول کرتا اور کبھی سکہ خرچ ہونے سے پہلے ہی یا خرچ ہونے کے فوراً بعد، کوئی لڑکا آتا اور میرے ہاتھ پر ساٹھ یا اسی روپئے (یاد نہیں لیکن رقم ساٹھ اور اسی کے درمیان ہی ہوتی تھی) رکھتے ہوئے کہتا۔''سر! یہ لیجئے، دو مہینے کی ٹیوشن کی فیس! ابو کی تنخواہ رُکی ہوئی تھی

اس لئے نہیں دے پایا تھا۔'' اب بتایئے کہ اس معاشی قحط سالی کے بعد مجھے آج کے حساب سے وہ معمولی سی رقم کسی بادشاہ کے خزانے سے کیا کم لگتی ہوگی؟ یہ وہی دِن تھے جب مجھے بی۔اے۔ سالِ دوم میں سالانہ امتحان کی فیس بھرنے کے لئے پینسٹھ روپیوں کی ضرورت تھی اور صرف دو دِن باقی تھے۔ گھر میں منع کر دیا گیا کہ میاں! بی۔اے۔ کر کے کیا نوکری مل جائے گی؟ چھوڑو یہ چکر اور کام کرو۔ اس برس میں بی۔اے۔ سالِ دوم کا امتحان نہیں دے سکا اور میرے تعلیمی سفر میں ایک برس کی مسافت اور بڑھ گئی۔ شائد اللہ یہی چاہتا تھا کہ میں کسی کا رہینِ منت نہ رہوں ورنہ اس کے لئے کیا بڑی بات ہے کہ وہ کوئی مادی وسیلہ بنادے۔ چونکہ میں پرائیوٹ بی۔اے۔ کر رہا تھا اس لئے اے۔ ٹی۔ کے۔ ٹی (Allowed To Keep Term) کی سہولت سے محروم تھا۔ یعنی غریبی میں آٹا گیلا، میں ۱۹۹۱ء میں بی۔اے۔ ہو سکتا تھا لیکن دو سال مزید لگے اور میں بی۔اے۔ ہوا ۱۹۹۳ء میں۔ اس لئے حالات کی یہی وہ بھٹی تھی جس میں تپ کر کندن بننا میرا مقسوم تھا۔ اور میرے ایمان کی یہی وہ نہج تھی جس پر چل کر قدم حسنین خان کو حسنین عاقبؔ کا روپ دھارتے ہوئے اس مقام تک پہنچنا تھا جہاں وہ آج کھڑا ہے۔ ان حالات میں شیطان بھلا اپنی حرکتوں سے کب باز آتا؟ وہ تو ولیوں اور نبیوں پر بھی اپنے سارے داؤ آزمانے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر میاں عاقبؔ کس شمار میں تھے؟ ایک تو میں انگریزی پڑھاتا تھا، اس وقت سے جب میں بارہویں جماعت میں کامیاب ہوا تھا اور اپنی اولین ٹیوشن کے لئے اپنے گھر سے پی۔کے۔وی۔ اسٹاف کوارٹرس تک سائیکل سے سات کلومیٹر دور دو بچوں کو پڑھانے جاتا تھا یعنی آمد و رفت ہو جاتی چودہ کلومیٹر! اور فیس ملتی کُل پینسٹھ روپئے! اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ انگریزی ادب ہمیشہ زیرِ مطالعہ رہتا۔ شیطان تو ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتا ہے اور فوراً ڈورے ڈالنے پہنچ جاتا ہے۔ میں نے انگریزی زبان و ادب کی صلاحیت رکھنے والے کچھ لوگ دیکھے ہیں جو اس مردود کے جال میں ایسے الجھے کہ پھر نکل نہیں پائے اور انگریزی زبان اور ادب کی بھول بھلیوں میں ایسے گم ہوئے کہ اپنے ایمان کے ساتھ ساتھ اپنی عاقبت تباہ کر بیٹھے۔ تو یہ جنابِ عزازیل، اللہ میاں سے اپنا بدلہ لینے کے لئے کئی بار میرے ایمان کے دروازے پر زور زور سے دستکیں دینے لگے۔ اور دیتے رہے۔ مجھے لالچ بھی کتنا خوبصورت اور میرے شعبہ دلچسپی سے متعلق دیتا تھا یہ کم بخت! کیا یہ اور کیا اس کی چالیں! مجھے سمجھاتا۔'' میاں! کیا پڑا ہے ایسی زندگی میں؟ نری تنگی اور عُسرت؟ تم اتنے ذہین اور ہوشیار، قابل اور باصلاحیت، تمہاری یہاں کیا قدر اور قیمت ہو رہی ہے؟ ساٹھ اور اسی روپیوں کے لئے چودہ کلومیٹر روز سائیکل سے حمالی کرتے ہو۔ ارے تم تو کہاں سے کہاں نکل جاؤ اگر

میری ذرا سی بات مان لو!'' میں اس ملعون کے دِل کا راز لینے کے لئے مسکین سی صورت بنا کر اس سے پوچھتا'' اچھا تو بتا دیجئے کہ آپ کے پاس اس کا کیا علاج ہے؟'' وہ میرے جھانسے میں آ جاتا اور اپنی تجویز پیش کرتا۔'' دیکھو! غور سے سنو! تمہارا مذہب اور تمہارے ہم مذہب تمہیں کیا دے رہے ہیں؟ تمہاری ناقدری سے میں بہت دِل گرفتہ ہو جاتا ہوں۔ مجھ سے تم جیسے جینیس کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔ میں تمہارے لئے ایک کام کرتا ہوں کہ تمہیں عیسائی مشنری سے ملوا تا ہوں۔ یوں بھی تم انگریزی زبان وادب پڑھتے پڑھاتے ہو اور اس میں مہارت رکھتے ہو۔ یہ بات تمہارے حق میں جاتی ہے۔ یہ لوگ نہایت خوش دِلی سے تمہارا خیر مقدم کریں گے۔ تم بس ایک بار ان سے مل لو۔ وہاں تمہارے سارے معاشی مسائل بھی ختم ہو جائیں گے اور تمہاری زندگی ایک ایسی خوش حال اور پُر وقار زندگی ہوگی کہ تمہارے آس پاس کے تمام لوگ تم پر رشک کریں گے۔ بولو! کیا کہتے ہو؟ کروں بات ان لوگوں سے؟'' اب بتائیے، میں اور جینئس؟ ابھی تو نہیں ہاں کبھی مستقبل میں جینئس ہو جاؤں تو الگ بات ہے۔ یہ تو ابھی سے میری خوشامد کر کے جینئس ہونے کا تصدیق نامہ دے رہا ہے! کیا جینئس ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس امتحان کی فیس بھرنے کو بھی پیسے نہ ہوں؟ خیر! تو یہ مردود مجھے ایسا چوہا سمجھ کر جو اپنے بل میں چھپا ہوا ہو اور شدید بھوک کے عالم میں ہو، اسے باہر سے روٹی کا ٹکڑا نہیں بلکہ گھی کا پراٹھا دِکھا رہا تھا۔ حالانکہ اسے پتا تھا کہ میں اس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتی ہوں جس کے شکم پر دو دو، تین تین پتھر بندھے ہوتے تھے اور اللہ کے پیغام کی تبلیغ وترسیل کی خاطر اس کے پائے ثبات میں ذرا سی بھی لرزش نہ آتی۔ میں اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شرمندہ کیسے کر سکتا تھا؟ میرا عشق تو اقبالؔ کی زبان اُدھار لے کر یہ کہتا تھا اور کہتا ہے کہ اے اللہ! ؎

تو غنی از ہر دو عالم، من فقیر روزِ محشر، عذر ہائے من پذیر
تو اگر بینی حسابم نا گزیر از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر

پھر میں بہ آوازِ بلند **لا حول و لا قوۃ اللّٰہ الابا اللّٰہ** پڑھتا اور اس ملعون کے وسوسوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے سورۃ الناس پڑھنے لگتا۔ جسے سنتے ہی یہ مردود شیطان اپنے سارے منصوبوں اور تجاویز سمیت جدھر اس کا منہ اٹھتا اس طرف بھاگ نکلتا۔ یہ میرے رب کا میرے ساتھ خاص کرم اور رحمت کا معاملہ رہا ہے۔ کہ ایسے کڑے لمحات اور ایسی امتحان کی گھڑیوں میں بھی مجھے اپنے ایمان پر ثابت قدم رکھا۔ اللہ ایسے تمام مومنین کی حفاظت فرمائے اس شیطان مردود کے ہتھکنڈوں سے۔ آمین، یا رب العالمین! اسی ضمن میں میں آپ سے ایک واقعہ کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ ایک

رات میں نے خواب دیکھا کہ میں کسی مقدس مقام پر ہوں جہاں خِلقت کا ایک گروہِ عظیم ایک سمت دوڑا جا رہا ہے اور میں بھی اس گروہ کا حصہ ہوں۔ سارے لوگ بے خودی کے عالم میں نہ جانے کِس طرف چلے جا رہے ہیں۔ اِدھر میں بھی اپنے ہوش وحواس سے بے گانہ ہوکر، اپنی خِرد کو عشق کے قدموں میں ڈال کر بے تحاشہ روتے ہوئے اور اپنی عبدیت اور محکومیت کا علی الاعلان اعتراف کرتے ہوئے، شانِ ربوبیت کو پکارتے ہوئے چلا جا رہا ہوں کہ " **لبّيك! اللّٰهمَ لبّيك ! لا شريكَ لَكَ لبّيك** " اس خواب کی جزئیات میں مجھے بس اتنا ہی یاد رہا کہ میں اپنے رب کو پکارتے ہوئے، اس کے حضور اپنی حاضری کا اعلان کرتے ہوئے، اس کی سمت دوڑتا چلا جا رہا ہوں اور کوئی چپکے سے میرے کانوں میں کہہ رہا ہے کہ کاش! تیرا یہ خواب سچ ہو جائے۔ میری آنکھ سے گِرتا ہر آنسو اللہ کے حضور جیسے گِڑ گِڑا کر کہہ رہا ہو کہ اے خالِق دو جہاں! میرا وجود عَرَقِ انفعال سے زیادہ کچھ نہیں جو تیرے کَرم کی آس میں یہاں آن موجود ہوا ہوں۔ دیکھ میرے پیچھے میرے کتنے بھائی بند قطار در قطار تیری رحمت کے منتظر ہیں۔ ہم سب محض حقیر سے قطرے نہیں ہیں، اس انسان کی ندامت اور شرمندگی کا اعتراف ہیں۔ ہمیں قبول فرما لے۔ تیرے علاوہ اور کوئی دربار ہے بھی تو نہیں جہاں ہم جائیں۔ تو غفار ہے۔ تو نے خود کہا ہے" لاتقنطو مِن الرحمۃ اللہ"۔ تو اب ہماری اس امید کا بھرم رکھ۔ اپنے نفس کی تطہیر کے اس گداز کے لطف اور مزے کو میں آج بھی جب آنکھیں بند کر کے محسوس کرتا ہوں تو پھر اسی منظر میں داخل ہو جاتا ہوں اور پھر وہی " **لبّيك ! اللّٰهم لبّيك !** " کی روح پرور صدا میرے وجود کے نہاں خانوں سے نکل کر میرے کانوں میں گونجنے لگتی ہے۔ اللہ کرے میرا یہ خواب، جس میں محسوس کئے گئے گداز کو میں اپنا اب تک کا سرمایۂ حیات سمجھتا ہوں، ایسا سچ ہو...... ایسا سچ ہو، کہ بس...... اس کی تعبیر کے بعد کسی اور خواب کی حاجت نہ رہے۔ آمین۔ یارب العالمین۔

حادثوں کا اور میرا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ چھوٹے موٹے حادثوں کے علاوہ یہ ناتواں ونزار سا دکھائی دینے والا جسم دو انتہائی جان لیوا اور مہلک سڑک حادثوں کا شکار بنا۔ پہلے حادثے میں میری سیدھی سادی سائیکل کی رفتار سے چلنے والی موٹر سائیکل کو ایک نہایت جسیم اور طاقتور موٹر سائیکل نے جس پر تین نشے میں دھت بھنگی سوار تھے، تیز رفتار سے چلاتے ہوئے آمنے سامنے کی ٹکر ماری جس نے میرے چہرے کو نشانہ بناتے ہوئے اس میں چار، بلکہ صرف آدھے چہرے میں چار سرجریوں کی گنجائش بنا دی۔ یوں ایک اچھا خاصہ چہرہ دو حصوں میں بٹ گیا ہے۔ میری طرف سے دیکھیں تو ناک کے دائیں جانب والا نصف پہلے جیسا اور متوسط طبقے کے صحت مند آدمی جیسا لگتا ہے جس پر عمر کی کہن

سالگی کا اثر موسموں جیسا ہوتا ہے لیکن ناک کے بائیں طرف والا نصف کسی نو دولتیے کی طرح تمتماتا رہتا ہے۔ پلاسٹک سرجری نے چہرے کو الحمداللہ، خوبصورت ہی رہنے دیا البتہ اچھی خاصی کھڑی ناک اب پھولی ہوئی لگتی ہے اور لوگ بلا وجہ گمان کرتے ہیں کہ میں غصے میں ہوں۔ اوپری ہونٹ کٹ کر بائیں طرف ذرا نیچے ہوگیا ہے اور تھوڑا دبا دبا سا محسوس ہوتا ہے جسے کوئی نیا آدمی تو سمجھ نہ پائے گا۔ گالوں کے عضلات بلا وجہ کبھی کبھی متحرک ہوجاتے ہیں اور پھڑ کنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے کبھی کبھی میں ڈر جاتا ہوں کہ کسی کو غلط فہمی نہ ہوجائے کہ میں انہیں اشارے کررہا ہوں۔ حالانکہ عضلات کی یہ حرکت مکمل غیر اضطراری ہے اور مجھے اس کا بالکل احساس نہیں ہوتا۔ بہر حال، یہ پہلا حادثہ تو یوں ہی چلا آیا جس کا محل بھی نہ تھا اس لئے اس کے بکھان کو کسی اور وقت اور کتاب کے لئے اٹھا رکھتا ہوں۔ لیکن دوسرے حادثے کو اس مضمون کے موضوع سے نسبت ہے۔ اس لئے اس کی تفصیل اور تذکرہ سن لیجئے۔ تاریخی شہر اورنگ آباد سے واپسی کے وقت میرے سب سے چھوٹے برادر نسبتی نے گاڑی چلانے کی ضد کی۔ جیسے ہی صاف وشفاف ہائی وے شروع ہوا، اس نے ہائی وے کی چوڑی چکلی سڑک کو پُل صراط کے بجائے صراطِ مستقیم سمجھتے ہوئے رفتار کو سَو سے نیچے نہ آنے دیا۔ اچانک ہماری بائیں طرف سے ایک دوسری کار ہماری کار کے برابر سے ہوتے ہوئے نکلی اور یہ جا وہ جا۔ اس سے ہماری گاڑی کو کوئی تکلیف نہ تھی لیکن ڈرائیور صاحب کے ذہن سے اچانک اپنے ماہر ہونے کا احساس محو ہوگیا اور انہوں نے نہ صرف گاڑی کے اسٹیرنگ کو بائیں جانب پورا پورا گھما دیا بلکہ حادثے سے بچ پانے کے ہر امکان کو سرے سے خارج کرتے ہوئے ایکسلیریٹر پر پوری طاقت سے پیر رکھ دیا۔ اب کیا تھا! گاڑی فٹ بال کی طرح ہوا میں اچھلی اور تین قلابازیاں کھاتی ہوئی سڑک سے تقریباً پانچ فٹ نیچے ایک کھیت میں ٹوٹی پھوٹی حالت میں اس صورت سے براجمان ہوئی کہ اس کا سارا زور میری جانب تھا اور سارا بوجھ جیسے میری پشت نے سنبھال رکھا تھا۔ بفضلِ اللہ، بچے اور دیگر لوگ سلامت باہر آئے اور میاں حسنین عاقبؔ کو کھینچ کھانچ کر نکالا گیا۔ میرے سر پر بھی کچھ زخم لگے لیکن پیٹھ کی ہڈیاں یہ ضرب برداشت نہ کرسکیں اور اب بھی مسلسل تکلیف دیتی رہتی ہیں۔ اب آیئے اصل موضوع کی طرف۔ جب گاڑی ہوا میں تھی اور میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، تو یہ فاصلہ چند لمحوں کا تھا۔ میرے سامنے موت واضح طور پر موجود تھی۔ بچنے کی کوئی امید نہیں تھی اور میں چونکہ سامنے کی نشست پر بیٹھا تھا اس لئے یہ بات مجھ سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا کہ منکر نکیر سے ملاقات میں اب گنتی کی چند گھڑیاں حائل ہیں۔ ایسے ہولناک لمحات میں میں نے اپنے آپ کو کہتے سُنا۔ ''اے اللہ! تو بڑا کارساز ہے۔ اب

میں تو تیرے دربار میں حاضر ہوا ہی چاہتا ہوں۔لیکن میں تیرے آگے کس منھ سے آؤں کہ میرے پاس اعمال کے نام پر کچھ نہیں ہے۔سارا دفتر خالی پڑا ہے۔گناہوں کی طول طویل بیاضیں بھری پڑی ہیں اور نیکیوں کی پاکٹ ڈائریوں کے بھی کئی صفحات کورے ہیں۔اب تو بس تیری مغفرت ہی کا آسرا ہے ورنہ میں تو کہیں کا نہیں رہوں گا۔''اور واقعتاً میری زبان پر جاری تھا۔'' **لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ، اللھمَ صلِ علیٰ محمد و علیٰ آلِ محمد** '' یہ مجھ جیسے گنہگار کے لئے کیا کم بڑی بات تھی کہ اس نے اِن آخری لمحات کے گمان ہی میں سہی، میرے دل میں اپنا اور اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر فروزاں کر دیا۔میری زبان کو وحدت کے اقرار اور رسالت کی شہادت کی تکرار کی خاطر متحرک کر دیا ورنہ میں تو اپنے یقین اور ایمان کی حد تک اسے اپنا آخری سفر تصور کر رہا تھا اس لئے موت سے خوفزدہ نہ ہوتے ہوئے اگر میں اپنے اللہ، اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اپنے اعمال کو یاد کر رہا تھا، تو یہی میرے فہم اور ادراک وشعور کے لحاظ سے خاتمہ بالایمان کہلاتا ہے۔یہ میرے رب کا خاص کرم رہا کہ اس نے مجھے اعمال کی ڈائری میں نیکیاں رقم کرنے کا موقع دے دیا ورنہ۔۔۔ ان آخری لمحات میں اس احساسِ ایمانی کی قوت کے ادراک کو میں اپنی حیات کا سرمایہ سمجھتا ہوں اور اسی احساس سے میرے جذبے کو تحریک ملتی ہے۔الحمدللّٰہ رب العالمین۔

چلئے، اس واقعہ سے صرفِ نظر کرتے ہیں اور اپنی بات کے موضوع سے دوبدو ہوتے ہیں۔

میرے مطالعے نے میرے وجدان کو نہ جانے کتنے صاف ستھرے، شفاف، مطہر اور پاکیزہ غلافوں کے اس پار دیکھنے کا حوصلہ بخشا۔ان غلافوں کے نیچے جہاں مجھے اویس قرنی، بلالِ حبشی، ابودجانہ اور ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم کا عشقِ محمد نظر آیا تو وہیں حسان بن ثابت کی نعت گوئی، شرف الدین بصیری کا قصیدۂ بردہ، جلال الدین رومی اور سعدی شیرازی کی عقیدت کے درشن ہوئے۔ ذرا آگے دیکھا تو دیگر بزرگوں کے علاوہ اقبالؔ دکھائی دئے کہ جن کے آگے کوئی نامِ محمد لیتا تو ان کی آنکھیں فرطِ عقیدت اور شدتِ عشق سے ٹپ ٹپ برس پڑتیں۔یہاں جب میں بات کر رہا ہوں تو یہ علمی بلاغت کا کوئی فروعی معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ اپنے جذبات وعقیدت کے اظہار کا معاملہ ہے جس میں شعر گوئی نے خیال کے پیرہن کا قالب اوڑھنا ہے جسے نعت گوئی کہتے ہیں۔

میری نعت گوئی کے اصول:

میں نے اپنی نعت گوئی کے لئے مندرجہ ذیل اصولوں کو اپنی راہ نمائی کے لئے ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھا ہے۔

۱- عقیدت ۲- عشق و محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۳- احترام و تقدیس ۴- شوکتِ الفاظ

۵- غلو، یاوہ گوئی اور کذب بیانی سے مکمل احتیاط و اجتناب۔ (میں نے اپنے ایک شعر میں اس بات کی تفہیم کی کوشش بھی کی ہے۔) شعر یہ ہے۔

تم حدِ ادب رکھو، جب نعت کہو عاقبؔ شوخی نہ ذرا بھی ہو اسلوب و اداؤں میں

ورنہ بہت سے شعراء اس رَو میں ایسے بہہ جاتے ہیں کہ فن کو نکھارنے اور کچھ نیا کرنے کے چکر میں گستاخی کی حدوں کو چھونے لگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نعت کہہ کر ہم تو اپنی عاقبت سنوار رہے ہیں۔)

۶- حرمت و ناموسِ رسالت کا لحاظ ۷- بیان کردہ واقعات کی صداقت کا ایقان

۸- سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ۹- پیغامِ رسالت کی ترویج پر ارتکاز

۱۰- نعت میں ظاہر کئے گئے خیالات میں شاعر کے اپنے اخلاص کا انعکاس۔

یہ وہ نکات ہیں جن کی روشنی میں میری نعت گوئی کا سفر رواں رہتا ہے۔

عشق کیا ہے؟

قرآن کہہ رہا ہے۔"**یا ایها الذینَ آ منو الا تر فعو اصوا تکم فوق صوت النبی و لا تجهر و اله بالقولِ کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون ان الذین یغضونَ اصواتهم عند رسول الله اولئك الذینَ امتحن الله قلوبهم للتقوی۔ لهم مغفرة و اجرًا عظیماً**" سورۃ الحجرات۔آیت ۲،۳)

یعنی: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنی آواز کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اونچی آواز میں بات کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال غارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ جو لوگ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور بات کرتے ہوئے اپنی آواز پست رکھتے ہیں وہ درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے جانچ لیا ہے۔ ان کے لئے مغفرت ہے اور اجرِ عظیم ہے۔

یہ عشق ہے کہ ایک انسان ایک مومن بن کر جئے اور ایک مومن اپنے ایمان کو عشقِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مزین کر کے ہی اپنی عقیدت کی معراج تک پہنچ سکتا ہے۔ اور عشقِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تقاضہ عین یہی ہے جو مندرجہ بالا آیت بیان کرتی ہے۔

تاثیرِ عشق کیا ہے؟

قرآن کہتا ہے۔ "**اَلنبی اولیٰ بالمو منینَ منِ انفسهم**"۔
یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اہلِ ایمان کے لئے ان کی ذات پر مقدم ہیں۔(الاحزاب: ٦)
تشریحاً ایک مکالمہ سنئے۔

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یارسول اللہ! مجھے آپ کے ساتھ ہر چیز سے زیادہ محبت ہے، سوائے اپنی جان کے۔

رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: عمر، تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک مجھ سے اپنی جان سے زیادہ محبت نہ کرنے لگو۔

عمر: الآن، یارسول اللہ! اب مجھے آپ سے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت ہے۔

رسولِ عربی: الآن، عمر! اب تم نے ایمان کے اس تقاضے کو پورا کیا۔

ابتدائے شعور ہی سے میں نے اپنے ایمان کو وحدتِ الٰہی کے ساتھ رسالتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰعلیہ وسلم پر استحکام کے ساتھ جمے پایا۔ میرا ایمان اس امر پر بھی ثابت قدم رہا ہے اور الحمداللہ، آخری سانس تک رہے گا کہ رسالت ہمیشہ وحدت کی انگلی تھامے رہتی ہے اور وحدت ہمیشہ رسالت کی مربی و مشفق اور سرپرست ہوتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ یونس علیہ السلام جب اپنی امت سے ناراض ہوئے تو وحدتِ الٰہی نے تنبیہ کے بطور انہیں مچھلی کے شکم میں مہمان کرلیا۔ داؤد علیہ السلام نے غلطی کی تو انہیں توفیقِ گریہ عطا کردی گئی۔ موسیٰ علیہ السلام کی ناتوانی کو قوت و افتخار میں بدل کر انہیں فرعون کے مقابل کھڑا کردیا گیا۔ ایوب علیہ السلام کو صبر کے ذریعے اور ابراہیم علیہ السلام کو آتشِ نمرود کے ذریعے آزمایا گیا۔ وحدت جب کرم پر مائل ہوئی تو اسی ابراہیم علیہ السلام کو دوست کا درجہ دے کر آتشِ نمرود کو اس کے لئے گلزار کردیا گیا، یوسف علیہ السلام کو حسن دیا گیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ بخشا گیا۔ مگر بات جب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچی تو سارے تکلفّات ختم کردئے گئے۔ امام المرسلین، خاتم النبّیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرار دیا گیا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم!

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

اسی ذاتِ اقدس کی محبت سے مجھے بھی سرفراز کیا گیا ہے۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام سے

میرے دِل میں بھی گداز پیدا ہو جاتا ہے۔اسی تاثر کے تحت میرے تصور نے ایک دن مجھ سے اصرار کیا کہ میں اپنے اور اپنے اللہ کے محبوب، وجہِ خلقِ کائنات، محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اب تک پیش کی گئی نعتوں پر تحقیق کروں اور بہ نفسِ نفیس اس سفر کو انجام دوں اور مختلف ادوار اور قرون سے شہادت لے آؤں اور قارئین کی خدمت میں حاضر کروں۔ یہ سنتے ہی میرے ادراک نے مجھ سے یوں مکالمہ شروع کر دیا۔

وہ : تم کون ہو؟

میں : حسنین عاقبؔ۔

وہ : کون حسنین عاقب؟

میں : میں ایک مسلمان اور ایک عاشقِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں؟

وہ : اچھا! یہ بتاؤ کہ قصد کیا ہے؟

میں : نعتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مختلف ادوار اور عاشقانِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عقیدت کی شہادت۔

وہ : تو اس کے لئے تمہارا فانی وجود، تمہاری یہ آب و گل، تمہاری یہ خاکستری ہستی کام نہیں آنے والی۔اس کے لئے تمہیں اپنے تصور کا روپ اپنانا ہوگا۔تم صدیوں طویل فاصلوں کو پار کر کے اس پار نہیں جا سکتے جہاں تم ان عقیدت مندانِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق کی گواہی دے سکو۔چلو، اُتارو اپنا یہ خاکستری لبادہ اور اپنے تصور کو اس کام کے لئے آزاد کر دو تاکہ وہ اس کام کا متحمل ہو سکے۔

میں : (میں اس بات پر قائل اور مرعوب ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔) ٹھیک ہے۔جیسا آپ کا ارشادِ گرامی!

بس! یہیں سے میرا اپنا سفر ختم ہوتا ہے۔اب میں اپنے قلم کو اِذنِ قیام دے رہا ہوں۔ میں جس کام کو انجام دینے کی قوت ہی نہیں رکھتا، اسے کرنے کی کوشش کیوں کروں؟ اس لئے میں نے اپنے تصور سے یوں گفتگو کی۔

میں : میاں تصور! ہمارے محترم اِدراک نے ہمیں یہ صائب مشورہ دیا ہے کہ نعت گوئی کے مختلف واقعات کی شہادت کے اجتماع کے لئے مختلف ادوار اور قرنوں سے شہادت حاصل کریں۔

میرا تصور : یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ بلکہ سعادت کی بات ہے۔

میں : لیکن میاں! تم تو جانتے ہی ہو کہ بقولِ حافظ شیرازیؔ

تو وہ طوبیٰ و ما و قامتِ یار
فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

یہ سعادت تو تمہیں حاصل کرنی ہے۔ میں تو زمان و مکان کے فاصلے طے کرنے سے رہا۔ البتہ تمہارے لئے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

میرا تصور : جی ہاں! سہی کہا آپ نے۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو میں انکار بھی کر دیتا لیکن یہ تو میرے لئے باعثِ افتخار ہے کہ میں اس مبارک و مقدس کام کو سر انجام دوں۔ اچھا تو پھر میں چلوں اپنے سفر پر؟ اجازت دیجئے!

میں : ہاں، ٹھیک ہے، تم فوراً روانہ ہو جاؤ اس سفر پر، کہیں دیر نہ ہو جائے۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو!

میرا تصور : جی، فی امان اللہ!

اس مکالمے کے بعد میرا تصور اپنے سفر پر نکل پڑا اور میں دعاؤں میں لگ گیا کہ اللہ اسے کامیاب و کامران کرے اور جس کام کی انجام دہی اس کے ذمہ آن پڑی ہے، وہ اس میں احسن طریقے سے پورا اُترے۔ اللہ کرے میں اور آپ تمام اللہ کی امان میں رہیں اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے مشرف ہوں تا کہ نجاتِ اُخروی حاصل ہو جائے۔ آمین، یا رب العالمین!

☆☆☆

الحاج سید محمد مفیض الدین قادری (شاہ جہاں پور)

کتب خانہ ''قادریہ بشیریہ، شاہ جہاں پور'' میں محفوظ نعتیہ دواوین کا اجمالی جائزہ

کتب خانہ ''قادریہ بشیریہ خانوادۂ قادری'' کے اکابرین کا آبائی کتب خانہ ہے۔ یہ اتر پردیش کے ایک مردم خیز اور قدیم شہر شاہ جہاں پور کی مشہور و معروف خانقاہ عالیہ قادریہ بشیریہ میں واقع ہے۔ یہ کتب خانہ نایاب کتب اور مخطوطات سے مالا مال ہے۔ بیس سے زیادہ قرآن مجید کے قدیم و نایاب نسخے یہاں موجود ہیں۔ قرآن مجید کے اردو، ہندی، انگریزی تراجم و تفاسیر بھی اس کتب خانے کی زینت ہیں۔ پروفیسر سید محمد ظہیر الدین قادری کوثرؔ شاہ جہاں پوری اس کتب خانے کے بارے میں لکھتے ہیں:-

> ''یہ وہ کتب خانہ ہے جس میں حضرت الحاج قاری سیدنا مولانا پنڈت بشیر الدین قادری شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی چالیس سے زیادہ کتب اور مقالات محفوظ ہیں، زندگی کا سرمایہ پانچ ہزار کم و بیش کتب کا ذخیرہ ہے۔''
>
> (ماخوذ۔ شاہ راہ علم و عمل سلسلہ نمبر ایک غیر مطبوعہ)

خانوادۂ قادری کے اکابرین کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں پروفیسر یٰسین خاں بہارؔ شاہ جہاں پوری اُستاذ شعبۂ اردو لند کالج آف مینجمنٹ، کراچی رقم طراز ہیں۔

> ''اس خانوادہ کا بچہ بچہ زیور علم و ادب سے آراستہ اور تہذیب و شائستگی کی مثال ہے۔ تحقیق و تخلیق اور علمی و ادبی موشگافیاں اس خاندان کا طرۂ امتیاز اور شعری ذوق اس گھرانے کی میراث ہے۔''
>
> (ماخوذ۔ راہی دشت فنا۔ مطبوعہ بشیریہ اکیڈمی، بجنور ۲۰۱۸ء)

حضرت الحاج مولانا عبد المجید اقبال قادری، بدایونی ثم کراچی لکھتے ہیں۔

> ''اس خاندان کا تعلق قادری نسبت سے ہے جو قابلِ ستائش ہے۔''
>
> (ماخوذ۔ ارمغان سخن۔ مطبوعہ مکتبۂ کوثر۔ کراچی ۲۰۰۲ء)

پروفیسر یٰسین خاں بہارؔ شاہ جہاں پوری ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں:۔

''یہ ایک ایسا علمی وادبی اور روحانی خانوادہ ہے جو کئی نسلوں سے علم و ادب کی ترویج واشاعت، تفہیم دین اور اقدارِ انسانیت کے تحفظ و سربلندی کے لیے کوشاں ہے۔''

(ماخوذ۔امن وشانتی پر ایک طائرانہ نظر۔مطبوعہ ماہ نامہ کنزالایمان، دہلی دسمبر ۲۰۱۲ء)

ہم یہاں ذیل کے مضمون میں کتب خانہ قادریہ، بشیریہ میں محفوظ نعتیہ دواوین کا سرسری جائزہ لیں گے تا کہ ایک نظر میں دو درجن سے زیادہ شعرائے کرام کے تعارف اور کلام سے محظوظ ہوسکیں۔ اس مضمون میں ہم نے اُن دواوین کا تعارف کرایا ہے جو آسانی سے ہمیں کتب خانے میں دستیاب ہو گئے۔تلاش وجستجو سے ان کی تعداد اور بھی زیادہ ہوسکتی ہے۔ان شاءاللہ تعالیٰ کسی دوسرے مضمون میں ان سے بھی روبرو ہوں گے۔

۱۔سیف اللہ المسلول معین الحق مولانا شاہ فضلِ رسول قادری بدایونی کا شمار اٹھارہویں صدی کے بڑے علماً میں ہوتا ہے۔آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر بھی فقہی معاملے میں آپ سے رجوع کرتے تھے۔ایک تحقیق کے مطابق سب سے پہلے لفظ ''وہابی'' کا استعمال آپ ہی نے کیا تھا۔ جب ہندوستان میں بدعقیدگی کی لہر اُٹھی تو آپ نے عربی، فارسی اور اردو زبان میں تحقیقی کتابیں لکھیں۔المعتقد المنتقد (عربی) حاشیہ میر زاہد مُلّا جلال (عربی) البوارق المحمدیہ (فارسی) احقاق الحق (فارسی) فصل الخطاب (اردو) حرزِ معظم (اردو) سیف الجبار (اردو) وغیرہ کتب بہت مشہور ہیں۔ آپ مستؔ تخلص فرماتے تھے۔حضرت مولانا اُسید الحق محمد عاصم القادری بدایونی تحریر فرماتے ہیں۔

''حضرت سیف اللہ المسلول معین الحق فضل رسول قادری بدایونی ولادت ۱۲۱۳ھ =۱۷۹۸ء وفات ۱۲۸۹ھ =۱۸۷۲ء کی شخصیت ہمہ جہت ہے۔معقول ومنقول کی جامعیت، تصوف وسلوک کے احوال ومقامات، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، مشیخت وخدارسیدگی، احقاقِ حق اور ابطال باطل کی شان اور خدمت خلق یہ تمام اوصاف اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ بیک وقت آپ کی ذات میں نظر آتے ہیں۔شعر وسخن سے آپ کا ذوق انہیں گوناں گوں اوصاف میں سے ایک ہے۔''

اس وقت سیف اللہ المسلول معین الحق مولانا شاہ فضلِ رسول قادری بدایونی کا مجموعہ کلام ''مولودِ منظوم مع انتخاب نعت ومناقب'' ہمارے پیشِ نظر ہے۔آپ کا یہ دیوان دو حصوں میں منقسم ہے

۔ پہلے حصے میں نعت اور دوسرے حصے میں مناقب ہیں۔آخر میں ۱۹ رصفحات پر مشتمل مولود منظوم ہے اور اس کے بعد کچھ فارسی کلام۔ دیوان ایک صدی قبل شائع ہوا تھا۔طبع جدید دسمبر ۲۰۰۹ء یہی نسخہ ہمارے مطالعے میں ہے اس کو مولانا اُسید الحق محمد عاصم القادری بدایونی نے ترتیب دیا ہے۔ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں نے شائع کیا ہے۔

راقم الحروف نے پورے دیوان کو پڑھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ تمام کلام صوفیانہ رنگ لیے ہوئے ہے۔مزاج میں بلا کی شگفتگی پائی جاتی ہے۔، زبان ثقیل ہے۔جگہ جگہ عربی، فارسی الفاظ کا استعمال بہت حسین انداز سے کیا ہے۔کلام میں عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بو نظر آتی ہے۔ایک نعت کے چنداشعار آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ہوا اصلِ اصولِ روح و عالم دم محمد کا ہوا دردِ دلِ عالم علَم ہر دم محمد کا
مساعد اُس کا اللہ اور ہوا طالع رسا اُس کا مصاعد حدِّ سدرہ کو ہوا ادہم محمد کا
الٰہا وہ مسلسل حور کا کاکل، ملک کو ہو ہمارا دامِ دل ہو سلسلہ محکم محمد کا

دوسری نعت کے چنداشعار حاضر ہیں۔

اے رسول کریم ظاہر ہو نورِ ربِّ قدیم ظاہر ہو
ذات عالی ہے چشمۂ الطاف بحرِ فیضِ عمیم ظاہر ہو
تم کو حق نے کیا رؤف و رحیم اے رؤف و رحیم ظاہر ہو
گنج رحمت جہاں کو عزت بخش کانِ خلقِ عظیم ظاہر ہو
سب عوالم ہیں خستہ و بیمار دردِ دل کے حکیم ظاہر ہو

۲۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رضاؔ بریلوی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ''فتاویٰ رضویہ'' ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی تائید اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء نے کی۔معتقدین کا تو کہنا ہی کیا مخالفین نے بھی آپ کو قلم کا بادشاہ تسلیم کیا ہے۔آپ کو چودھویں صدی ہجری کا مجدد مانا جاتا ہے۔فاضل بریلوی کی تصانیف تقریباً پچاس فنون میں ہیں جن کی تعداد کم وبیش ایک ہزار کے قریب ہے۔جملہ علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو نعت گوئی میں عبور حاصل تھا۔آپ کا مشہور نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' پیشِ نظر ہے۔دیوان کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔حصۂ اوّل اور دوم۔ پہلے حصے میں نعت اور دوسرے حصے میں قصیدۂ نور اور سلام و مناقب کے ساتھ وظیفۂ قادریہ کے عنوان سے عربی میں کچھ اشعار شاملِ دیوان ہیں۔ دیوان کی

ابتداء میں صاحب دیوان کا تعارف ہے مگر سنِ اشاعت درج نہیں۔

حضرت فاضلِ بریلوی کا کلام ایمان میں جلا پیدا کرتا ہے اور ہر ہر مصرعے سے عشق وعقیدت کا پھوٹتا ہوا آبشار نظر آتا ہے۔ نعت کہنے کے لیے عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہونا شرط ہے۔ آپ کا قلب عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معمور تھا۔ آپ کی نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے
گلزارِ قدس کا گلِ رنگیں ادا کہوں درمانِ دردِ بلبلِ شیدا کہوں تجھے
اس مردہ دل کو مژدہ حیاتِ ابد کا دوں تاب و توانِ جانِ مسیحا کہوں تجھے
کہ لے گی سب کچھ ان کے ثنا خواں کی خامشی چپ ہو رہا ہے کہ کے میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضؔا نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

۳۔ استاذِ زمن علامہ حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی کے منجھلے بھائی تھے، شعر گوئی کے میدان میں کمال حاصل تھا۔ فصیح الملک داغؔ دہلوی کی خدمت میں رام پور پہنچے اور کچھ عرصہ تک ان سے مشورۂ سخن کرتے رہے۔ نعت گوئی کا ذوق انہیں بچپن سے تھا۔ فاضلِ بریلوی کی نگاہِ کرم نے اُس میں چار چاند لگا دئے۔ علامہ حسن رضا خاں بریلوی نہایت خوش گو اور نفیس شاعر تھے۔ نعت گوئی میں علامہ نے فن اور شریعت کے تمام تقاضوں کو حسن وخوبی کے ساتھ نبھایا ہے۔ ''ذوقِ نعت'' آپ کا مشہور نعتیہ دیوان ہے۔ ہمارے سامنے قادری دار الاشاعت، دہلی سے شائع شدہ نسخہ ہے، اس پر سنِ اشاعت درج نہیں ہے۔

سب سے پہلے حمد باری تعالیٰ، نعت شریف اور کچھ مناقب زینتِ دیوان ہیں۔ ''ذوقِ نعت'' میں شامل نعت فکر وفن اور جذبہ وتخیل کا حسین امتزاج ہے جو عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نمونہ ہے۔ علامہ حسن رضا خاں بریلوی نعت گوئی میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ ''ذوقِ نعت'' سے نعت شریف کے چند اشعار نقل کیے جا رہے ہیں۔

یہ اکرام ہے مصطفیٰ پر خدا کا کہ سب کچھ خدا کا ہوا مصطفیٰ کا
یہ بیٹھا ہے سکہ تمہاری عطا کا کبھی ہاتھ اُٹھنے نہ پایا گدا کا
جو بند ہ خدا کا وہ بندہ تمہارا جو بندہ تمہارا وہ بندہ خدا کا
ترے زیرِ پا مسند ملک یزداں ترے فرق پر تاج ملک خدا کا
ترا نام لے کے جو مانگے وہ پائے ترا نام لیوا ہے پیارا خدا کا

خدا مدح خواں ہے خدا مدح خواں ہے مرے مصطفیٰ کا مرے مصطفیٰ کا
بھلا ہے حسنؔ کا جناب رضاؔ سے بھلا ہو الٰہی جنابِ رضاؔ کا

۴۔حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوریؔ بریلوی اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔عوام میں آپ کو مفتی اعظمِ ہند سے یاد کیا جاتا ہے۔آپ نے ایسے خاندان میں آنکھ کھولی جو اپنے علم وفضل، دین داری، تقویٰ، پرہیزگاری اور عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بے مثل تھا۔والدِ محترم ایک جلیل القدر عالم اور جدّ امجد بھی متبحر عالم تھے۔

مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو حضرت سید نا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ نے ۱۳۱۱ھ کو صرف چھ ماہ کی عمر میں داخلِ سلسلۂ عالیہ قادریہ، برکاتیہ فرمایا اور تمام سلاسل کی خلافت واجازت سے نوازا۔حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوریؔ بریلوی کے اشعار کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہر صنفِ سخن میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے اور شاعرانہ فکر وفن سے پوری طرح بہرہ ور تھے۔اس وقت ہمارے سامنے آپ کا نعتیہ دیوان '' سامانِ بخشش'' ہے، جو تاریخی نام ہے۔جس سے ۱۳۵۴ حروف برآمد ہوتے ہیں۔یہ نعتیہ دیوان بھی قادری دارالشاعت، دہلی سے ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا تھا، جو ۱۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔اس دیوان میں نعت، مناقب شامل ہیں، آپ کی دیگر تصانیف میں '' فتاویٰ مصطفویہ'' بہت مشہور ہے۔نعت بہ عنوان ''نعتِ شہِ والا'' کے چند اشعار پیش ہیں۔

ہو جس سے قلب روشن جیسے مطلع مہرِ انور کا پڑھوں وہ مطلع نوری ثنائے مہرِ انور کا
زبان قدسیاں پر شور تھا اللہ اکبر کا سرِ عرشِ علا پہنچا قدم جب میرے سرور کا
نقابِ روئے انور اے مرے خورشید اب سَر کا مٹے ظلمت جہاں کی نور کا تڑکا ہو عالم میں
قلم اے کاش مل جاتا مجھے جبریل کے پر کا طبق پر آسماں کے لکھتا میں نعتِ شہِ والا
مرا بحرِ سخن سر چشمہ ہو خوش آبِ گوہر کا جو آب و تاب دندان منور دیکھ لوں نوریؔ

۵۔حضرت مفتی لطف بدایونی کی ولادت ۱۲۹۴ھ=۱۸۷۵ء کو بدایوں میں ہوئی، تعلیمی مراحل مدرسہ قادریہ میں حاصل کی۔حضرت تاج الفحول محبِ رسول مولانا شاہ عبدالقادر عثمانی بدایونی کے دامن کرم سے وابستہ تھے۔

ابرار علی صدیقی بدایونی ثم کراچی لکھتے ہیں۔

''ہمارے خیال میں مفتی صاحب نے نعت گوئی کی دشوار گزار منزلوں کو بڑی خوبصورتی سے طے کیا ہے۔ان کے نعتیہ کلام میں شاعرانہ مذاق اور

نکتہ آفرینی کے ساتھ محبت وصداقت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ ان کے نعتیہ اشعار بالکل سرسری اور خشک نہیں ہوتے بلکہ عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے مثل چاشنی سے ایک خاص رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں اور یہی حال منقبت کے کلام کا ہے۔ عشقیہ شاعری کی طرح انہوں نے صنفِ خاص میں بھی اکثر صوری ومعنوی دلکشی کو قائم رکھا ہے۔ مضامین کا تنوع، ندرت، بلندی اور شگفتگی جا بجا موجود ہے۔ انداز بیاں میں سلاست وروانی اور زبان میں شیرنی وصفائی وسادگی ہے ان کے یہاں تلمیحات کا ایک خاص اور عام فہم انداز ہے، جس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک عام شخص بھی ان تلمیح طلب شعروں کو پڑھ کر ذہنی طور پر اُلجھتا نہیں ہے۔ چنانچہ بعض اشعار ضرب المثل کی طرح زبانِ زد خاص وعام ہیں، ان میں سے پہلے ایک نعتیہ شعر کو مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دوکانِ آئینہ ساز میں''

اس وقت ہمارے پیشِ نظر حضرت مفتی صاحب کا کلام بہ عنوان ''مفتی لطف بدایونی شخصیت اور شاعری مع انتخاب کلام'' ہے۔ اُس کو حضرت مولانا اُسید الحق محمد عاصم القادری بدایونی نے ترتیب دیا ہے۔ یہ مجموعۂ کلام ۲۰۱۰ء میں تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں سے شائع ہوا ہے۔ کلام دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ نعت اور دوسرا حصہ مناقب پر مشتمل ہے، آخر میں کچھ متفرق اشعار بھی شامل ہیں۔ حضرت مفتی صاحب کا کلام سادہ، سہل، عام فہم اور سوز وگداز کے جذبات سے پُر ہے بطور نمونہ چند اشعار حاضر خدمت ہیں۔

حق کے پیارے عرش کے تارے صلی اللہ علیہ وسلم　　آمنہ بی کے راج دُلارے صلی اللہ علیہ وسلم
واہ ری شان سید والا منھ سے اُن کا نام جو نکلا　　بن گئے بگڑے کام ہمارے صلی اللہ علیہ وسلم
ڈوب کے نکلا مہرِ تاباں شق ہوا فوراً ماہِ درخشاں　　اللہ اللہ اُن کے اشارے صلی اللہ علیہ وسلم
سورۂ نور ہے یا وہ صورت دید ہے یا قرآں کی تلاوت　　عارضِ انور ہیں یا پارے صلی اللہ علیہ وسلم
لطفؔ کے دل کی ہے یہ تمنا دیکھے اُن کا جلوۂ زیبا　　نزع میں بے خود ہو کے پُکارے صلی اللہ علیہ وسلم

۶۔ حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم القادری، سالمؔ بدایونی خانوادۂ عثمانی کے اس وقت سب

سے معمر بزرگ ہیں۔ یہ خانوادہ پچھلے آٹھ سو سال سے ملک میں دینِ متین کی بے لوث خدمات انجام دے رہا ہے۔ چودھری صغیر حسین صدیقی ''بدایوں کے مہر و ماہ'' میں لکھتے ہیں۔

''میاں کا قد موزوں، رنگ گندمی سے کھلتا ہوا۔ سینہ کشادہ، پیشانی چوڑی، مشرع، پارسائی کا عمامہ سر پر، آنکھوں میں حیا اور ذہانت۔ چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلنے کے عادی، نظریں حیا و شرم کے بوجھ سے جھکی جھکی، چہرہ جاذبِ نظر اور معصومیت لیے ہوئے جن کے دیدار سے ایک فرحت نصیب ہوتی ہے، کیونکہ ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے اور بے ساختہ زبان پر سبحان اللہ آ جاتا ہے۔ باتیں ایسی کہ گھنٹوں سننے کو جی چاہے، نماز پانچ وقت باجماعت ادا کرنے کے عادی۔ مگر ان کی نماز نماز ہے اور نماز کی ادائیگی جوانوں جیسی مگر خشوع و خضوع بزرگوں جیسا علم کے ساتھ عمل سے مالا مال۔''

موجودہ وقت میں آپ خانقاہ عالیہ قادریہ مجیدیہ، بدایوں شریف کے پانچویں سجادہ نشین ہیں۔ آپ خالص نعت گو شاعر ہیں، نہایت عمدہ اور نفیس شعر کہتے ہیں۔ اس وقت آپ کے چار نعتیہ دواوین ہمارے پیشِ نظر ہیں (۱) نوائے سروش مطبوعہ ۱۹۹۱ء (۲) معراجِ تخیل مطبوعہ ۱۹۹۸ء (۳) مدینے میں مطبوعہ ۲۰۰۸ء (۴) حدیثِ محبت ۲۰۱۴ء یہ چاروں دیوان تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں کی جانب سے شائع ہوئے ہیں۔ آپ کا نعتیہ کلام عشقِ رسول سے پُر ہے، چند اشعار حاضرِ خدمت ہیں۔

بتائیں کیا رسول اللہ کو ہم کیا سمجھتے ہیں
خدا کے بعد اُن کی ذات کو یکتا سمجھتے ہیں

انہیں بندہ سمجھتے ہیں مگر ایسا سمجھتے ہیں
خدا کا بندہ بندوں کا اُنہیں آقا سمجھتے ہیں

خدا ہے مالکِ کل اور وہ محبوبِ خدا ٹھہرے
جبھی ہم اُن کو کل کا مالک و مولیٰ سمجھتے ہیں

زمانے بھر میں جتنے علم ہیں اُن سب کو اہلِ دل
نبی کے علم کے دریا کا اک قطرہ سمجھتے ہیں

الٰہی گنبد خضریٰ دکھا دے ہم کو جیتے جی
جسے عشاق حضرت کعبے کا کعبہ سمجھتے ہیں

اگر ہمت ہے اے خورشیدِ محشر ڈھونڈھ اُن کو
جو دامانِ نبی کو مَامن و ملجا سمجھتے ہیں

شہِ عبدالقدیر پاک کو اہلِ نظر سارے
محبّ غوث محبوبِ شہِ بطحا سمجھتے ہیں

گدائے آستاں مقتدر ہوں اس لیے سالم
مجھے اللہ کے محبوب بھی اپنا سمجھتے ہیں

۷۔ بہزاد لکھنوی کا شمار اردو کے مقبول شعراء میں ہوتا ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے آپ کا ۱۱۵ رنعتوں پر مشتمل نعتیہ دیوان ''ثنائے حبیب'' ہے۔ اس مجموعے کو ۱۹۵۴ء میں ادارۂ فروغ اردو،

لکھنؤ نے شائع کیا تھا۔ کتاب کا انتساب بہزآد لکھنوی نے اپنے مرشد حضرت رآز نظامی کے نام کیا ہے۔ کلام آسان زبان میں ہے۔ بعض اشعار میں مدینے کی بہاروں کی منظر کشی نہایت دلکش انداز میں کی ہے، چند اشعار آپ بھی پڑھیے۔

کہے جا زباں ماجرائے محمد	کہے جا مرے دل ثنائے محمد
عجب ذاتِ اقدس ہے اللہ اکبر	کہ خود ہو گیا حق فدائے محمد
وہی باعثِ خُلق کون و مکاں ہیں	دو عالم پہ ہے کیا؟ ضیائے محمد
نہیں چاہتا کچھ ، نہیں چاہتا کچھ	سوائے محمد سوائے محمد
نہ کیوں ان کی رحمت کے قربان جاؤں	کہ ہے خیر کل مدعائے محمد
زمیں سے فلک تک فلک سے زمیں تک	ہر اک چیز ہے آشنائے محمد
تمنا ہے بہزآد پہنچوں مدینے	کروں جھوم کر میں ثنائے محمد

۸۔ آبر احسنی گنوری ان چند خوش نصیب شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں جن کا نام آج بھی احترام سے لیا جاتا ہے۔ آپ کے تلامذہ کی ایک لمبی فہرست ہے۔ جنہوں نے ہندو پاک میں شعر وادب کی بے لوث خدمات انجام دی ہیں۔ آبر احسنی گنوری کا تعلق گنوّر ضلع بدایوں سے ہے۔ ہماری معلومات کی روشنی میں آپ کے تین مجموعہائے کلام (۱) قرینے (۲) سفینے (۳) نگینے منظر عام پر آکر دادِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔ فن عروض پر آپ کی دو کتابیں ''اصلاح الاصلاح'' اور'' میری اصلاحیں'' بہت مشہور ہیں۔ اس وقت ہمارے پاس آبر احسنی گنوری کا مجموعہ'' شبینے'' موجود ہے۔ یہ مجموعہ حمد ونعت اور سلام پر مشتمل ہے۔ سنِ اشاعت ۱۹۶۸ء ہے۔ یہ محبوب المطالعہ برقی پریس، دہلی سے شائع ہوا ہے۔ کتاب کی ابتدا میں ۱۶ر صفحات پر مشتمل دیباچہ آبر احسنی گنوری کا لکھا ہوا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں لکھا ہوا یہ دیباچہ لائق مطالعہ ہے۔ اس دیباچہ میں بتایا گیا ہے کہ نعت کہنے کے لیے عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ کن امور کا ہونا لازمی ہے۔ پیش ہے نمونۂ کلام۔

اللہ رے یہ شوقِ فراوانِ مدینہ	اب ہر طلب دہر ہے ارمانِ مدینہ
اے ذوقِ تصور دل وجاں سب تیرے قرباں	کھلے مرے دامن میں گلستان مدینہ
چمکا ہے کہاں قسمت اُس کا ستارہ	ہے عرش پہ اب مہر دُر فشان مدینہ
رکھ دیتا کوئی سینے میں دل اس کا بنا کر	دامن میں ہے کچھ خاکِ بیابان مدینہ

کام آئیگی اعدا کی نہ کچھ ریشہ دوانی اے آبرؔ ہے اللہ نگہبان مدینہ

۹۔سید ابرار حسین ابرارؔ سنبھلی کے پانچ دیوان اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہیں۔ ابرارؔ صاحب نے ان دواوین کا نام، کلام ابرار دیا ہے اور ایک تا پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دیوان کلام ابرار حصہ اول دوسرا دیوان کلام ابرار حصہ دوم اور تیسرے حصے کو سید الکلام عرف کلام ابرار چوتھے حصے کو نغماتِ ابرار یعنی کلام ابرار اور پانچویں دیوان کو نذرِ رسول عرف کلام ابرار حصہ پانچ نام سے موسوم کیا ہے۔ کسی بھی دیوان پر سنِ اشاعت درج نہیں ہے، کتابت اور کاغذ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ اب سے چالیس پچاس سال پہلے چھپے ہونگے کیونکہ ان پر قیمت ۶۰ پیسے درج ہے۔ ان پانچوں دواوین کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابرارؔ سنبھلی ایک قادر الکلام شاعر تھے، نہایت عمدہ اشعار ہیں پڑھنے کے بعد دل کو سرور حاصل ہوتا ہے، نمونۂ کلام۔

میں بیٹھا نعت نبی جو لکھنے تو مجھ کو کوثر کا جام آیا
ادب سے چوما قلم وہیں پر جہاں محمد کا نام آیا
رسول ﷺ سدرہ پہ جبکہ پہنچے تو ساتھ روح الامیں سے پوچھا
خدا ہی جانے کہ لامکاں تک نبی کو کیا کیا مقام آیا
تھا حکمِ خالق کہ سر جھکا لو اُٹھو فرشتو صفیں بنا لو
ہوا فلک پر یہ شور برپا نماز پڑھ لو امام آیا
میں ان سے ابرارؔ جب ملونگا مچل کے قدموں میں یہ کہونگا
اُٹھا دو پردہ دکھا دو جلوہ حضور در پہ غلام آیا

۱۰۔صولتؔ علوی ایک کامیاب نعت گو شاعر ہیں، اس وقت ہمارے مطالعے میں آپ کا دیوان ''بہشتی نغمے'' ہے جو ۱۹۷۴ء میں نیو سلور بک ایجنسی، بمبئی سے شائع ہوا تھا۔ اسی دیوان کے صفحہ ۳ پر ''نگاہِ اولین'' میں حضرت مولانا زاہد القادری مفتی آستانہ، دہلی رقم طراز ہیں۔

> ''حضرت صولتؔ علوی کے انداز بیان میں ایک خاص ندرت اور دل آویزی ہے وہ ایک کم یاب منظر نگار اور مصورِ فطرت ہیں۔ جذبات اثر آفریں انداز میں پیش کرنا آپ کا ایک خاص امتیاز ہے۔ شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس واعلیٰ سے ان کو بے پناہ عقیدت ومحبت ہے اور اسی جذبے کے ساتھ وہ نعتیہ اشعار نہایت والہانہ انداز میں لکھتے ہیں۔''

نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

مرا منھ اور وصف پیمبر　　فضل ِ الٰہی اوج مقدر
عرش بریں نعلین اطہر　　آپ کا رتبہ اللہ اکبر
لطف نماز عشق ملے　　آپ کا در ہو اور مرا سر
آپ کی سیرت آپ کی صورت　　خلق میں افضل خلق میں بہتر
زمزمہ سنج عشق نبی کا　　خادم عالی صولتؔ کمتر

۱۱۔ پروفیسر سید محمد ظہیر الدین قادری کوثرؔ شاہ جہاں پوری کا تعلق برصغیر میں منفرد پہچان رکھنے والے ''خانوادۂ قادری'' سے ہے۔ اس وقت ہمارے پیش نظر آپ کا مجموعۂ نعت ومناقب ''آبشارنور'' ہے جو جنوری ۲۰۰۵ء میں مکتبۂ کوثر، کراچی، پاکستان سے شائع ہوا تھا۔ یہ دیوان دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ نعت اور دوسرا حصہ مناقب۔

پروفیسر کوثرؔ شاہ جہاں پوری کی ولادت ۲/جولائی ۱۹۴۱ء کو ہوئی۔ تعلیمی مراحل اپنے والد ماجد صدرِ جمہوریہ اعزاز یافتہ حضرت مولانا پنڈت الحاج قاری سید بشیر الدین قادری شاہ جہاں پوری کی سرپرستی میں طے کیے۔ عائشہ باوانی گورنمنٹ کالج، کراچی میں صدر شعبۂ اردو کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ والد ماجد ہی سے شرفِ بیعت حاصل تھا اور خانقاہِ عالیہ قادریہ بشیریہ، شاہ جہاں پور کے پہلے سجادہ نشین شمس العارفین حضرت الحاج قاری مولانا سید محمد معز الدین قادری شاہ جہاں پوری سے سلسلۂ عالیہ قادریہ، بشیریہ میں خلافت واجازت حاصل تھی۔

پروفیسر صاحب کی مذکورہ نعتیہ دیوان کے علاوہ نظم ونثر میں کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ پروفیسر حافظ محمد اشرف راجپوت لکھتے ہیں۔

> ''آبشارنور جناب کوثر شاہ جہاں پوری کے خواب کی تعبیر ہے میں نے اکثر کوثرؔ صاحب کی نعتیں سُنیں ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا دل عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سرشار ہے اور جو کچھ لکھا ہے اُس میں والہانہ سوز وگداز اور عجیب سی کیفیت پائی جاتی ہے۔''

پروفیسر یٰسین خاں بہار شاہ جہاپوری اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''پرفیسر ظہیر الدین کوثرؔ کا نعتیہ مجموعہ جسے انھوں نے ''آبشارنور'' کے خوبصورت اور بامعنی نام سے ترتیب دیا ہے۔ پیشِ نظر مجموعہ میں آپ کو سادہ

بیانی عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سرشاری اور نعت کے تمام آداب و لوازم کی پابندی نظر آئے گی۔''

علامہ محمد اخلاق قادری رقم طراز ہیں:-

''کوثؔر صاحب کا دل عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سرشار ہے۔ آپ کے کلام میں ایک عجیب والہانہ کیفیت پائی جاتی ہے۔ آپ نے نعت کہتے وقت ان تمام تقاضوں کو سامنے رکھا ہے جو ایک نعت گو شاعر اور عاشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ضروری ہیں۔ آپ کے کلام میں سوز و گداز ہے اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب دل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے معمور ہو۔''

نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

یہ درس مجھ کو میری آگہی سے ملتا ہے　　خدا کا قرب تو قربِ نبی سے ملتا ہے
تجھے نشاطِ جہاں کی طلب ہے کیوں اتنی　　نشاطِ روح تو بس بندگی سے ملتا ہے
نیازِ عشق کا حاصل یہی نظر آیا　　خدا کا ذکر یقیناً نبی سے ملتا ہے
وہ خوش نصیب ہے انساں جو موت سے پہلے　　درِ حبیب پہ جا کر خوشی سے ملتا ہے
ازل سے نورِ محمد ہے یہاں جلوہ فگن　　ہمیں یہ درس حیاتِ نبی سے ملتا ہے
بہ فیض ساقیِ کوثر کوثر و تسنیم　　جو جام ملتا ہے دریا دلی سے ملتا ہے
متاعِ زیست ہے عشقِ رسول اے کوثؔر　　سکونِ قلب تو مجھ کو اسی سے ملتا ہے

۱۲۔ ربابؔ رشیدی کا اصل نام سلمان احمد ہے۔ ربابؔ تخلص ہے۔ رام پور کے مشہور شاعر جناب رشیؔد رام پوری سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ اس وقت آپ کا نعتیہ دیوان ''الف میم'' ہمارے مطالعہ میں ہے۔ پورا دیوان دو باب میں تقسیم ہے پہلا باب حمد اور دوسرا باب نعت پر مشتمل ہے۔ آخر میں کچھ نعتیہ رباعیاں بھی زینتِ دیوان ہیں۔ اس کی اشاعت ۲۰۰۱ء میں ہوئی ہے جناب ربابؔ رشیدی کا شمار اچھے نعت گو شعرا میں ہوتا ہے، کلام بھی آسان زبان میں ہے تخیل کی بلندی اشعار میں دیکھئے۔

عبودیت کی حدیں بتانے حضور آئے　　خدا سے ہم کو قریب لانے حضور آئے
عمل سے اپنے چراغ فکر و نظر جلا کر　　جہاں سے تاریکیاں مٹانے حضور آئے
چٹان جیسے دلوں کو شبنم صفت بنایا　　محبتوں کا سبق سکھانے حضور آئے

۱۳۔ قیصرؔ شکیلی کا نعتیہ کلام عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ترجمان ہے۔ نہایت دلکش انداز میں آپ نے نعتیہ شاعری کی ہے۔ قیصرؔ شکیلی کو معروف شاعر شکیلؔ بدایونی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ ایک سو گیارہ احادیث کا منظوم ترجمہ ''ضیاء الاحادیث'' نام سے آپ نے کیا ہے یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جیسے اہل علم نے اپنی نوعیت کا انوکھا کارنامہ تسلیم کیا ہے۔ اس وقت ہمارے مطالعے میں آپ کا نعتیہ دیوان ''وسیلہ'' پیشِ نظر ہے اس کے مرتب فہیم بسملؔ ہیں، جو ۲۰۰۸ء میں عفیف آفسٹ، دہلی سے شائع ہوا ہے۔ نمونۂ کلام پیشِ خدمت ہے۔

زہے رفعت و احترامِ محمد ہے عرشِ بریں زیرِ گام محمد
سُنا جو خدا سے سُنایا وہ سب کو کلام خدا ہے کلام محمد
خدا نے دیا ہے یقیناً وہ مجھ کو خدا سے جو مانگا بنامِ محمد
تخیل سے اونچا محمد کا رتبہ تفکر سے آگے مقامِ محمد
بھلا اُس کو کیا حشر کا خوف قیصرؔ ازل ہی سے ہو جو غلام محمد

۱۴۔ ساغرؔ وارثی کا شمار ملک کے ممتاز اور معروف شعرا میں ہوتا ہے۔ نہایت سادہ مزاج، خوش اخلاق اور علم دوست شخصیت کے مالک ہیں۔ علیم صبا نویدی، ساغرؔ وارثی کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ساغرؔ وارثی اپنی نعتیہ شاعری میں رسول خدا کی سیرت و عظمت خدا سے اُن کی قربت، اُن کا اخلاق، عدل وانصاف اور خوئے کریمانہ نیز آقائے دو جہاں سے استغاثہ اور ان کے دربار کی خواہش کو بیان کرنے میں پوری طرح کامیاب نظر آتے ہیں۔ ساغرؔ وارثی کی نعتیہ شاعری میں شاعری کے دیگر مستحسن لوازمات صاف نظر آتے ہیں۔''

اس وقت ساغرؔ وارثی کا نعتیہ مجموعہ ''نغمہ ونور'' ہمارے پیشِ نظر ہے۔ یہ مجموعۂ کلام حمد، نعت، سلام، منقبت پر مشتمل ہے اس کی سن اشاعت ۲۰۱۵ء ہے نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

سلام اُن پر درود اُن پر عجب شان رسالت ہے جن وانساں ملک ہی کیا خدا خود محوِ مدحت ہے
شہ کون و مکاں کے ظاہر و باطن کا کیا کہنا کتاب اللہ کی تفسیر کامل اُن کی سیرت ہے
خدا کے نور سے معمور ہے گھر آمنہ بی کا حلیمہ دائی کی آغوش میں دُنیائے رحمت ہے
یہ ذرے کیا یہ سبزہ کیا، مہ وخورشید وانجم کیا ہراک شے دوجہاں کی میرے آقا کی بدولت ہے

یونہی کرتے رہو تم ذکر محبوبِ خدا ساغرؔ   کہ اُن کا ذکر کرنا باعثِ صد خیر و برکت ہے

۱۵۔ فہیمؔ بسمل موجودہ وقت کے نوجوان شعراء میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ نظم و نثر میں یکساں عبور حاصل ہے۔ کئی شعری مجموعے اور نثر میں کئی اہم کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ شاہ جہاں پور کے شعراء کا تذکرہ ''فضائے شہر دل'' ترتیب دے کر ادبی دنیا پہ آپ نے بڑا احسان کیا ہے۔ آپ کا نعتیہ دیوان ''سلسلے عقیدت کے'' اس وقت ہمارے مطالعے میں ہے جو ۲۰۰۹ء میں عفیف پرنٹرس سے شائع ہو کر اربابِ علم سے دادِ تحسین وصول کر چکا ہے۔ دیوان کے آخر میں سلام و مناقب بھی شامل ہیں۔

ڈاکٹر خالد حسین خاں سابق صدر شعبہ اُردو میرٹھ کالج، میرٹھ لکھتے ہیں۔

''فہیمؔ بسمل نے اپنے نعتیہ مجموعۂ کلام کا نام ''سلسلے عقیدت کے'' منتخب کر کے یقیناً اُس ذاتِ والا صفات سے گہرے لگاؤ اور والہانہ عقیدت، سخنورانہ ریاضت اور فہم و فراست کا برملا اظہار کیا ہے اور ساتھ ہی اپنی فہمیدہ بصیرت، شاعرانہ لطافت اور بے پایاں حُب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نذرانہ عقیدت بھی قارئین کی تطہیر قلوب کے لیے سپردِ قلم کیا ہے۔''

نمونۂ کلام پیشِ خدمت ہے۔

پختگی ایمان کی، جذبہ والہانہ چاہیے   بارگاہ رب میں یوں سر کو جھکا نا چاہیے
رتبہ سرکار مدینہ کا سمجھنے کے لیے   فکر بھی لوگو! نہایت عارفانہ چاہیے
کیوں جھکاؤں میں کسی چوکھٹ پہ جا کر اپنا سر   میری حسرت کو نبی کا آستانہ چاہیے
یہ درِ محبوب رب ہے ہوش میں اے جذبِ شوق   با داب رہ کر جبین دل جھکا نا چاہیے
آج جشن سرور کونین ہے بسملؔ یہاں   دُھوم اُن کے نام کی ہم کو مچانا چاہیے

۱۶۔ ظفرؔ سنبھلی نے نعت گوئی کے میدان میں اہم مقام حاصل کیا ہے۔ اشعار میں صوفیانہ رنگ پایا جاتا ہے۔ اشعار کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے ظفرؔ صاحب کو قرآن و حدیث کے مضامین سے بخوبی واقفیت ہے۔ جناب ظفرؔ سنبھلی کی دو مثنویاں (۱) مثنوی انار کلی (۲) مثنوی سلیم و گل بدن شائع ہو کر ہندو پاک میں خاصی شہرت حاصل کر چکی ہیں۔ کئی شعری مجموعے بھی چھپ چکے ہیں۔ اس وقت ہمارے پیشِ نظر ظفرؔ صاحب کا نعتیہ دیوان ''ثنائے مصطفیٰ'' ہے جس کی سن اشاعت ۲۰۰۸ء ہے۔ دیوان کے آخر میں مناقب بھی شامل ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

اُن جیسا مشہور نہیں   کوئی سراپا نور نہیں

میرے تصور کی آنکھوں سے　　کچھ بھی مدینہ دور نہیں
میں ہوں غلام شاہِ مدینہ　　محشر سے رنجور نہیں
یا رب! اُن بن آئے موت　　یہ تو مجھے منظور نہیں
نعت نبی لکھتا ہے ظفرؔ　　نازاں ہے مغرور نہیں

۱۷۔ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی ایم۔اے۔ایچ۔پی۔جی کالج مراد آباد کے شعبۂ اردو میں استاذ تھے۔آپ کی تصانیف کی فہرست میں درجنوں کتابیں شامل ہیں۔نظم ونثر میں عبور حاصل ہے۔اچھے نعتیہ اشعار کہتے ہیں۔ہمارے کتب خانے میں آپ کا نعتیہ دیوان ''دیوان صابرؔ'' موسوم بہ اسمِ تاریخی آرزوئے بخشش ۱۴۲۶ھ محفوظ ہے۔دیوان کے آخر میں کچھ نعتیہ رباعیات،قطعات اور دوہے شامل ہیں۔ڈاکٹر صاحب کے دیوان کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کی زبان سلیس اور عام فہم ہے جو قاری کے دل پر گہرا اثر ڈالتی ہے ملاحظہ ہو نمونۂ کلام۔

میرے نبی ہیں رحمت والے　　پیاری پیاری عادت والے
سب سے اچھی سیرت والے　　ہیں نورانی صورت والے
اُن کی چوکھٹ پر جاتے ہیں　　جو ہیں اچھی قسمت والے
ایک چٹائی اُن کا بستر　　خادم اُن کے دولت والے
حج کا موسم آیا صابرؔ　　طیبہ جاتے ہیں متوالے

۱۸۔رازؔ القادری بدایونی کا تعلق بدایوں سے ہے۔اہل علم نے بدایوں کو علم کا گہوارہ تسلیم کیا ہے۔ظاہر ہے جس کی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی ہو تو اچھے اشعار کہنا وہاں کے ادبی آب و ہوا کی دین ہے۔ویریندر پرشاد سکسینہ لکھتے ہیں۔

''جناب رازؔ القادری حضرت رونقؔ بدایونی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں،غزل اور نعت میں یکساں قدرت رکھتے ہیں۔''

اس وقت ہمارے مطالعے میں رازؔ القادری کا دیوان ''راز در راز'' ہے جو سن ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا تھا،اس کے مرتب جناب نفیسؔ بدایونی ہیں۔دیوان کے پہلے حصے میں نعت بعد میں کچھ مناقب اور آخر میں کچھ غزلیں بھی شامل ہیں،پیش ہے نمونہ کلام۔

لازم ہے سب پہ عزّت وعظمت حضور کی　　سب کچھ ملا ہے کس کی بدولت حضور کی
مجھ کو ہر ایک دولتِ کونین مل گئی　　حصے میں میرے آگئی اُلفت رسول کی

فرمایا جو زبان سے وہ تھا پیامِ حق | دعوت پیام حق کی تھی دعوت حضور کی
کہ دونگا میں فرشتوں سے میرے حضور ہیں | دکھلائیں گے جو قبر میں صورت حضور کی
معبودِ دو جہاں کی عبادت تو فرض ہے | لیکن ہے راز پہلے محبت حضور کی

۱۹۔ حکیم سید تصدق حسین تصدقؔ جنیٹوی کا نعتیہ مجموعہ ''بوئے رسول'' اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اکثر شعراء نعتیہ دیوان مرتب کرتے وقت اُس میں مناقب بھی شامل کر لیتے ہیں لیکن ''بوئے رسول'' خالص نعتیہ دیوان ہے۔ آخر میں ۱۳/اشعار پر مشتمل قصیدۂ مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامل ہے، سن اشاعت ۲۰۱۰ء ہے۔

حکیم صاحب کا تعلق جنیٹہ، چندوسی کے ایک روحانی خاندان معظمی سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں تصوف کی چاشنی نظر آتی ہے، نمونۂ کلام حاضر خدمت ہے۔

ارضِ طیبہ بہار کی باتیں | حُسن کے تاج دار کی باتیں
سامنے ہے درِ رسول کریم | دل نے پائیں قرار کی باتیں
اے تصدقؔ ٹھہر خبر ہے انہیں | کیا ہیں یہ اضطرار کی باتیں

۲۰۔ الحاج نفیسؔ کوہی بدایونی کی ولادت ۱۹۳۷ء کو بدایوں کے محلّہ بیدوں ٹولہ میں ہوئی۔ ایم۔اے اور ایل۔ ایل۔ بی کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں۔ آپ کی کئی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ آپ کا نعتیہ مجموعۂ کلام ''کلیدِ نجات'' ہمارے مطالعے میں ہے جو جنوری ۲۰۱۱ء میں چوبے پریس، بدایوں سے شائع ہو کر مقبولِ خاص و عام ہو چکا ہے، نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

سچ کہتا ہوں یہ ہے بخدا شانِ محمد | اللہ ہے خود قرآن میں ثنا خوانِ محمد
وہ نورِ مجسم ہے کہ سایہ نہیں جس کا | کیا رُتبۂ ذیشان ہے کیا شانِ محمد
شاہی سے بھی بڑھ کر ہے فقیروں کی فقیری | فردوس کے وارث ہیں غلامان محمد
اصحاب نبی پر بھی درود اور سلامی | تعظیم کے لائق ہیں محبان محمد
میں کیوں نہ کروں شکر نفیسؔ اس کی عطا کا | مسلم ہوں میں مجھ پر بھی ہے احسان محمد

۲۱۔ مولوی محی الدین قادری نسیمؔ بدایونی کی ولادت ۱۹۲۴ء کو بدایوں میں ہوئی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد سرکاری ملازمت کو ذریعۂ معاش بنایا۔ بدایوں کی ادبی فضا نے شعر گوئی کی طرف مائل کیا۔ سلسلۂ قادریہ میں عاشق رسول حضرت مفتی عبدالقدیر قادری المقتدری قدس سرہ سے بیعت تھے۔ ۱۹۷۴ء میں نسیمؔ کی وفات ہوئی۔ اس وقت ہمارے پیشِ نظر مرحوم کا دیوان بہ عنوان ''دیوانِ نسیم'' ہے جو

۲۰۱۲ء میں شائع ہوا ہے۔ دیوان کو نسیم بدایونی کے لائق فرزند محمد نظام الدین قادری نے مرتب کیا ہے۔ یہ لائق بیٹے کی اپنے والد مرحوم کے لیے سچی خراج عقیدت ہے۔ کتاب کا انتساب مرحوم کے پیرو مرشد کی طرف منسوب ہے۔ کتاب کا ابتدائیہ حضرت مولانا اُسید الحق محمد عاصم القادری بدایونی نے تحریر کیا ہے، ابتدائیہ تاریخی نوعیت کا ہے۔ حضرت مولانا اُسید الحق محمد عاصم القادری بدایونی تحریر فرماتے ہیں۔

> ''نسیم بدایونی کی نسبت مستحکم اور جذبہ صادق ہے اسی لیے شاعری میں فن سے زیادہ اس جذبۂ محبت کی کارفرمائی ہے جو ایک نعت گو کا حصہ ہوا کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دیوان کے بعض اشعار آنکھوں کو ٹھنڈا کرتے ہوئے دل میں اُتر جاتے ہیں۔''

نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

میں ثنا خواں مصطفیٰ کا ہوگیا — میری بخشش کا سہارا ہو گیا
اک اشارہ میں شہِ لولاک کے — ماہِ گردوں پارہ پارہ ہو گیا
بحرِ غم میں دستگیری کیجیے — اب تو پانی سر سے اُنچا ہو گیا
اپنے عصیاں کا نہیں کچھ غم ہمیں — شافع محشر ہمارا ہو گیا
نعت خوانی کے تصدق میں نسیمؔ — میں ثنا خواں مصطفیٰ کا ہو گیا

۲۲۔ حاجی ڈاکٹر توسل حسین عارفیؔ بدایونی کا نعتیہ دیوان ''توشۂ آخرت'' ہمارے پیشِ نظر ہے۔ دیوان میں نعت کے علاوہ مناقب اور قطعات بھی شامل ہیں۔ سنِ اشاعت ۲۰۱۳ء ہے۔ جناب عارفیؔ بدایونی نہایت سادگی کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں بشکل اشعار اپنی غلامی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ کلام میں سلاست و روانی ہے، نمونۂ کلام پیشِ خدمت ہے۔

اُن کا سراپا نورِ خدا ہے — نام محمد صلی علیٰ ہے
گلشن سارا مہک اُٹھا — طیبہ سے جب آئی ہوا ہے
ایسا آقا کون ہوا ہے — شاہ سے بڑھ کر جن کا گدا ہے
شافع محشر مالکِ کوثر — منصب اُن کو رب سے ملا ہے
شانِ محمد اللہ اللہ — ساری خدائی اُن پر فدا ہے
عارفیؔ جس نے دیکھا نبی کو — وہی دِوانہ اُن کا ہوا ہے

۲۳۔ سلیمان محمد صدیق جذبیؔ بدایونی کا نعتیہ کلام عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عکاسی

کرتا ہے۔نعت گوئی کے میدان میں وہ ایک کم یاب شاعر ہیں۔اس وقت جذبؔی بدایونی کا دیوان ''نگارش'' ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ یہ دیوان مارچ ۲۰۱۵ء فنکارا کیڈمی، بدایوں کے زیر اہتمام اشاعت پذیر ہوا ہے۔''نگارش'' کو معروف شاعر خالدؔ بدایونی نے مرتب کیا ہے۔اس دیوان کے شائع ہونے سے ایک ماہ قبل ۷ار فروری ۲۰۱۵ء کو ہی جذبؔی صاحب نے اس دارِفانی کو الوداع کہا،نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

میں بھی شہر طیبہ جاؤں پھر نہ کبھی میں لوٹ کے آؤں
قدسی میرے منھ کو چومیں نعت کے جب اشعار سناؤں
مجھ کو بلندی مل جائے گی آپ کے قدموں پر جھک جاؤں
چھوڑ کر دسترخوانِ شاہی آپ کے در کے ٹکڑے کھاؤں
حوریں لینے آئیں جذبؔی کاش مدینے میں مر جاؤں

۲۴۔شاکرؔ سالمی شیخو پوری کا نعتیہ دیوان ''راہِ نجات'' ہمارے مطالعے کی میز پر ہے۔سال اشاعت ۲۰۱۵ء ہے۔دیوان کے آخر میں سلام شامل ہے، باقی دیوان نعتیہ ہے۔اشعار نہایت سادہ ہیں،نمونہ کلام حاضر خدمت ہے۔

سب سے اعلیٰ سب سے بالا آمنہ بی بی کا چاند دونوں عالم سے نرالہ آمنہ بی بی کا چاند
بے سہارا کیوں سمجھتے ہو جہاں والو ہمیں ہے ہمارا تو سہار آمنہ بی بی کا چاند
منبع علم و عمل اور منبع خُلق و صفات کون ہے یہ دل نے پکارا آمنہ بی بی کا چاند
مرحبا قسمت حلیمہ سعدیہ صد مرحبا آپ کے حصے میں آیا آمنہ بی بی کا چاند
ظلمت الحاد شاکرؔ چھٹ گئی اک آن میں ہو گیا جب جلوہ آرا آمنہ بی بی کا چاند

۲۵۔خالدؔ ندیم بدایونی کا شمار صفِ اوّل کے نعت گو شعرا میں ہوتا ہے۔آپ کی شاعری حمد، نعت اور مناقب پر مشتمل ہے۔آپ کے مناقب کا مجموعہ ''انوارِ کربلا'' اور ''مناقبِ اعلیٰ حضرت'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔اس وقت ہمارے مطالعے میں خالدؔ ندیم بدایونی کے دو نعتیہ مجموعے ''محسنِ کونین'' سن اشاعت ۲۰۱۷ء اور ''سرورِ کونین'' سن اشاعت ۲۰۱۸ء پیش نظر ہیں۔ان کے پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ خالدؔ صاحب نے نعت گوئی اور آدابِ شریعت کے ساتھ مقامِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اچھے انداز میں نبھایا ہے۔ان نعتیہ مجموعوں کی روشنی میں خالدؔ ندیم کی نعتیہ شاعری کا سرسری جائزہ لیا جائے تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ تمام کلام عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عکاسی کرتا ہے۔نہایت آسان زبان میں سلیقے سے شعر کہنے کا ہنر خالدؔ صاحب بخوبی جانتے ہیں۔

پیش ہے نمونہ کلام۔

نہ دولت کام آئے گی نہ رُتبہ کام آئے گا بروزِ حشر آقا کا وسیلہ کام آئے گا
پریشانی کے عالم میں غموں کے سخت موسم میں نبی کے نامِ نامی کا وظیفہ کام آئے گا
لحد کی تیرگی میں جب خطائیں ڈس رہی ہونگی نبی کے روئے انور کا اُجالا کام آئے گا
سَفینہ جب پھنسا ہوگا حوادث کے سمندر میں محمد مصطفیٰ کا ایک نعرہ کام آئے گا
عمل کے ساتھ محشر میں تمہیں معلوم ہے خالدؔ نبی کی نعت لکھنا اور سُنانا کام آئے گا

۲۶۔ نازش پرتاپ گڑھی کا کلام اہل علم حضرات میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس وقت نازشؔ پرتاپ گڑھی کا نعتیہ مجموعہ ''نوائے ایمان'' ہمارے پیشِ نظر ہے۔ اس کو ساجدؔ صدیقی اور والیؔ آسی نے مرتب کیا ہے۔ سنِ اشاعت درج نہیں ہے۔ ''نوائے ایمان'' کے اوراق اور کتابت بتاتی ہے کہ یہ مجموعہ آج سے کم و بیش پچاس سال قبل شائع ہوا ہوگا۔ نازشؔ پرتاپ گڑھی نے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے نعتیہ کلام میں صحیح اسلامی تصورات کی ترجمانی کی ہے، ملاحظہ فرمائیں نعتیہ نمونہ کلام۔

اَرمان ہے اے حضرت سلطانِ مدینہ دن رات کروں مدحت سلطانِ مدینہ
وہ گنبد سبز ازور وہ باران تجلی اللہ رے درِ دولتِ سلطانِ مدینہ
اللہ نے کہہ کر ورفعنا لک ذکرک کر دی ہے عیاں رفعتِ سلطانِ مدینہ
آمین کہیں سب میں دعا مانگ رہا ہوں آجائے نظر صورتِ سلطانِ مدینہ
رحمت نے لیا بڑھ کے اُسے گود میں نازشؔ اُٹھا جو پئے مدحتِ سلطانِ مدینہ

۲۷۔ مولانا حافظ محمد انتخابؔ قدیری نعیمی کا شمار اچھے نعت گو شعراٗ اور علماٗ میں ہوتا ہے۔ اس وقت موصوف کے چار نعتیہ دواوین ''شمائل انتخاب'' حصہ اوّل تا چہارم ہمارے پیشِ نظر ہیں۔ چاروں مستقل دیوان ہیں۔ سن اشاعدت دوسرے حصے میں ۱۳۹۱ھ اور تیسرے حصے میں ۱۳۹۶ھ درج ہے۔ پہلے اور چوتھے حصے میں سنِ اشاعت درج نہیں ہے۔ ان دواوین کے علاوہ بھی حضرت مولانا کی دینی مسائل پر مشتمل کئی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ آپ نے مراد آباد میں دینی درسگاہ جامعہ قدیریہ بھی قائم کی تھی، نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

نہ ہوتے پیدا جو خیر البشر خدا کی قسم نہ مسکراتے یہ شمس و قمر خدا کی قسم
تمام نعمتیں سمجھونگا مل گئیں مجھ کو جو ہو مدینے کی جانب سفر خدا کی قسم
گناہگاروں کا محشر میں جانے کیا ہوتا نہ ہوتے آپ اگر راہبر خدا کی قسم

تمہاری مثل کوئی کیسے ہو سکے گا حضور کہ تم ہو خیر بشر، سب بشر خدا کی قسم
یہ انتخابؔ بھی محتاج یک نظر ہے حضور ہو اس غریب پہ آقا نظر خدا کی قسم

۲۸۔ساگر ترپاٹھی کا نعتیہ مجموعہ ''سائبانِ رحمت'' پیشِ نظر ہے۔الہدیٰ پریس، مالیگاؤں سے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔سن اشاعت درج نہیں ہے۔ ہندی رسم الخط (دیوناگری) میں یہ مجموعہ ۱۶۸ر صفحات پر مشتمل ہے،نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

نامِ محمد وردِ زباں ہے ہر دم دل و جاں نور فشاں ہے
جذبِ تصور تیرے صدقے دل سے مدینہ دور کہا ں ہے
اُن کی باتیں اُن کا وظیفہ راحتِ دل ہے راحتِ جاں ہے
جس نے انہیں مشکل میں پکارا اُن کی ہر مشکل آساں ہے
عشقِ نبی ہے دل میں ساگر خوفِ جہنم مجھ کو کہاں ہے

۲۹۔حضرت بیتابؔ بدایونی کا کلام'' کلیات بیتاب'' ہمارے مطالعے میں ہے اس کو حاجی آفتاب احمد بدایونی نے مرتب کیا ہے۔سن اشاعت ۱۹۹۳ء درج ہے۔حافظ عبدالمجید شاداںؔ بدایونی ''کلیات بیتاب'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

> ''بیتابؔ مرحوم نے ہر صنفِ سخن میں اپنی فکرِ رسا کے پھول کھلائے ہیں، لیکن نعت اور غزل اُن کے خاص میدان ہیں اُن کی نعتوں میں عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چاشنی اور غزل میں تغزل کی اعلیٰ روایات کی جھلک نظر آتی ہے۔''

کلیات بیتابؔ کے مرتب اور بیتابؔ بدایونی کے صاحبزادے حاجی آفتاب احمد بدایونی کتاب کے پیشِ لفظ میں لکھتے ہیں:۔

> ''والد مرحوم اس درجہ شعر و ادب کے مزاج شناس تھے کہ اکثر لوگ مشکل سے مشکل ردیف میں غزل چاہتے تو فوراً کھڑے کھڑے پوری غزل برجستہ لکھوادیتے تھے۔اکثر و بیشتر میرے زمانۂ طالب علمی میں فارسی اردو کے اشعار آتے تو ان کے مطالب ومحاسن اس خوبصورتی سے بیان کرتے کہ کوئی تشنگی باقی نہ رہتی۔''

مرحوم نے نعتیہ کلام میں جو کچھ کہا ہے وہ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ڈوب کر کہا ہے۔

ہر نعت میں والہانہ جذبۂ عقیدت کا اظہار ہے اور ہر شعر میں عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ تڑپ پائی جاتی ہے جو ایک سچے عاشق میں ہوتی ہے۔نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

اے الٰہی وہ دن کب آئے گا تیرا پیارا مجھے بُلائے گا
چین پھر کیسے دل کو آئے گا رخِ شہ گر نظر نہ آئے گا
ہے یقیں خلد میں خدا کا حبیب جامِ کوثر مجھے پلائے گا
اے مسیحا نہ ہوگا تم سے علاج وہی آ کر مجھے جِلائے گا
داد بیتابؔ تجھ کو دیں گے حضور نعت پڑھ پڑھ کے جب سُنائے گا

☆☆☆

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی (مئو۔ یوپی)

ہالینڈ میں محفل نعت

ہالینڈ یورپ کا انتہائی خوبصورت ملک ہے، جسے The Garden of Europe کہا جاتا ہے۔ یوروپین قومیں جب اسلامی ملکوں میں پھیل رہی تھیں تو مشرقی تصانیف کی اشاعت کے لئے سب سے پہلے ہالینڈ نے قدم بڑھایا۔ ہالینڈ کے مستشرقین نے مسلمانوں کے اہم مخطوطات کو ایڈٹ کر کے شائع کیا، ان کا مقصد مسلمانوں کو مرعوب کر کے اپنی برتری کا اظہار کرنا تھا اوران پاکیزہ علوم میں خرد برد کر کے عدم اعتماد کے فتنے قائم کرنا تھا، تاکہ مسلمانوں کو دائرۂ اسلام سے نکال کر مسیحیت کے دام تزویر کا شکار بنائیں۔ صدیوں کی فکری یلغار کے باوجود وہ اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوسکے۔ مفکر اسلام علامہ بدرالقادری مصباحی رقم طراز ہیں۔

''یورپ اور امریکہ کے علاقوں میں صرف عام مسلمانوں کی آمد نے ان ملکوں کی فضاؤں میں اس سے کہیں زیادہ اثرات قائم کر لئے ہیں۔ مغربی یورپ کے بیشتر ملکوں میں مزدور مسلمانوں سے اسلام کا اچھا تعارف ہوا ہے اور سیکڑوں چرچ مساجد میں تبدیل کئے گئے ہیں۔۔۔۔ غیر سرکاری اندازہ کے مطابق ہالینڈ میں چار لاکھ مسلمان موجود ہیں ان میں تین ہزار سے زائد وہ ڈچ ہیں جنہوں نے برضا ورغبت دین اسلام قبول کیا ہے۔'' (جادہ ومنزل۔ علامہ بدرالقادری ص ۲۲۷۔۲۸)

ہالینڈ میں باہر سے آکر آباد ہونے والوں میں ترکی اور مراکشی ہیں۔ جو یہاں مزدور کی حیثیت سے آکر آباد ہوئے۔ مراکشی مسلمانوں پر نجدیت کا غلبہ ہے۔ پاکستانیوں میں بیشتر سنی ہیں، انڈونیشین مسلمانوں میں مذہبیت برائے نام رہ گئی ہے۔ سرینامی مسلمانوں میں ہالینڈ آنے کے بعد مذہبی بیداری پائی جاتی ہے۔ سرینام ہالینڈ کی کالونی تھا آزادی کے بعد سیکڑوں سرینامی مسلمان ہالینڈ آگئے جو کسی زمانے میں بحیثیت مزدور سرینام پہنچے تھے، علامہ بدرالقادری لکھتے ہیں۔

''سرزمین ہندوستان سے مزدور لانے کے واسطے انگریزوں نے صوبۂ
یوپی کے شمالی مشرقی اضلاع اور بہار کے باشندوں کا انتخاب کیا، آدمیوں کی

فراہمی کا یہ طریقہ تھا کہ ان علاقوں میں انہوں نے اپنے ایجنٹ چھوڑ رکھے تھے جو سیدھے سادے کسانوں کو خوش آئند زندگی اور کم محنت میں زیادی پیسہ کمانے کی لالچ دے کر اڈّوں تک لاتے ان اڈّوں کو ''ڈپو'' کہا جاتا تھا۔ ہر ڈپو سے مزدور کلکتہ لائے جاتے وہاں سے بحری جہازوں کے زریعہ انہیں سرینام بھیج دیا جاتا۔ ہندوستان سے اس طرح لانے کا سلسلہ ۳۴/سال تک چلتا رہا ۔۔۔سرینام کا سفر کرنے والے پہلے جہاز کا نام ''لالہ رخ'' تھا جو ۲۶/جون ۱۸۷۳ء میں چل کر تین ماہ آٹھ روز بعد ۵/جون ۱۸۷۳ء کو سرینام پہنچا۔''

(جادہ و منزل۔علامہ بدرالقادری ص ۴۲۱)

اس دور میں وہاں پر مسلمانوں کی مذہبی دیکھ بھال کرنے والا کوئی عالم دین نہیں تھا۔حکومت بھی ان کے دینی تقاضوں سے نا آشنا تھی۔انہیں مزدوروں میں کچھ پڑھے لکھے افراد نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور شادی بیاہ کے امور انجام دیا کرتے تھے۔جنہیں وہاں کی زبان میں ''میاں جی'' کہا جاتا تھا۔ مسلمان گھروں میں تقریبات اور اہم مواقع پر میلاد شریف کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں ان میں اکثر میلادنامے پڑھے جاتے تھے۔ یہاں پر اسلام اور مسلمانوں کے باقی رکھنے میں ''میاں جی'' حضرات کے قابل تحسین کارنامے ہیں۔ایک صدی کے بعد دینی سرپرستی کے لئے انہیں علماٗ نصیب ہوئے۔

ہالینڈ میں میلاد خوانی کی راویت جتنی قدیم ہے اتنی ہی نعت خوانی کی بھی، باضابطہ محفل نعت یا نعتیہ مشاعرہ کا آغاز انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں ہوا۔۱۱/اکتوبر ۱۹۷۷ء میں حضرت علامہ بدر القادری مبلغ اسلام کی حیثیت سے ہالینڈ پہنچے۔ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۹۲ء تک طرابلس، مالٹا، لندن، ناروے، سرینام اور اندلس کے تبلیغی دورے کے ساتھ ہالینڈ کی سرزمین پر نعت خوانی کی فضا کو وسیع کیا، خود زبردست شاعر اور خوش گلو نعت خواں ہیں۔ ہر چھوٹی بڑی بزم میں خود نعتیں پڑھکر کے ہالینڈ کے اردوداں طبقے کو نعت کا دیوانہ بنا دیا۔

پہلی محفل نعت:

۲۹/اگست ۱۹۹۳ء میں اسلامک اکیڈمی، ہالینڈ کے پلیٹ فارم سے پہلی محفلِ نعت کا انعقاد کیا۔ شائقین نعت کی خدمت میں آپ نے جو دعوت نامہ پیش کیا وہ مندرجہ ذیل ہے۔

محفل نعت

زیرِ صدارت: حضرت علامہ بدرالقادری صاحب

بمقام: القادری اسلامک سینٹر خاص لان ۲ دین ہاخ

بوقت: اتوار ۲۹ راگست ۱۹۹۳ء ۲ تا ۷ بجے دن

توصیف نبی اہل سنت کی علامت ہے صلوات محمد پر اللہ کی سنت ہے
ہم نعت کی اک محفل پھولوں سے سجاتے ہیں آجائے جسے آپنے آقا سے محبت ہے

حضرات! خدا اور رسول کی خوشنودی کے لۓ سرزمین ہالینڈ پر ہم نے اپنی نوعیت کی اس بزم کا پہلی بار اہتمام کیا ہے تاکہ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک موقعے پر بارگاہِ نبوی میں مل جل کر منظوم نذرانۂ محبت پیش کریں۔ اس مقصد کے لۓ ہم نے سبھی مدحان رسول اور نعت خوانوں کو دعوت دی ہے۔

آپ تما شائقین سے گذارش ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہوکر ثواب دارین حاصل کریں۔

اس پرخلوص دعوت پر محبین نعت نے صمیم قلب سے لبیّک کہا اور دیکھتے ہی دیکھتے ۳۶ رنعت خونان رسول کے شرکت کے جوابی خط موصول ہوۓ جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔ غضنفر علی، محمد آصف، احمد بٹ، حافظ محمد آصف، مسعود واجد حسین، حافظ محمد رفیع، فیض احمد فیض، نوشاد بچن، سید رضوان، مولانا سلطان فاروق، شمس الدین، مرادین، نور محمد عبید اللہ، ظفر علی، عبد الشہید، غضنفر علی دوم، قاری خالد، شیر علی بچن، نظام سکھی، محمد فاروق، محبوب الحسن قدری، حافظ غلام جیلانی، سہیل واحد حسین، صدیق رزاقی، دالا ور حسن جمن، دلشاد ننھے خان، حفیظ خاں، انور بٹ، عبد القیوم صبور علی، محمد فیض وزیر، مولانا حبیب الرحمٰن، راحت حسین، مولانا فارس مقیم وغیرہ۔

یہ محفل نعت امید سے زیادہ کامیاب رہی، اسلامک اکیڈمی کے اراکین کے حوصلے بڑھے، وظیفۂ نعت سے غیر معمولی دلچسپی بڑھی ۱۹۹۳ء سے ۲۰۰۲ء تک ہر سال باضابطہ محفل نعت منعقد ہوتی رہی۔

پہلا طرحی نعتیہ مشاعرہ:

جون ۲۰۰۳ء میں پہلا طرحی نعتیہ مشاعرہ منعقد ہوا، جس میں بیرونی ممالک کے شعرا سے بھی مقررہ طرح پر نعت لکھنے کی فرمائش کی گئی، اس کے دعوت نامہ میں مرقوم ہے۔

''محفل نعت کمیٹی امسال پھر عقیدت ومحبت کے نئے گلدستے لے کر حاضر ہورہی ہے۔ ملک اور بیرون ملک سے مدحان رسول اس بزم میں رنگ برنگے پھولوں کے ساتھ شرکت کررہے ہیں۔ تمام اہل ایمان کو ذوق وشوق سے تشریف لانے کی دعوت پیش کی جاتی ہے۔

محفل نعت کمیٹی نے اس موقع پر طرحی مشاعرے کا بھی اہتمام کیا ہے۔ اس طرح دنیا بھر کے

شعرائے نعت محفل نعت ہالینڈ میں شرکت فرما سکتے ہیں، مصرع طرح یہ ہے۔

''کام کر جائے گی محشر مین شفاعت ان کی''

اس نعتیہ مشاعرے میں جو کلام پڑھے گئے اس کا طرحی شعر شاعر کے نام کے ساتھ نذر قارئین ہے۔

ہم کو بخشے گا خدا ان کی رضا کی خاطر ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(علامہ بدؔر القادری، ہالینڈ)

اے گنگارو! نہ گھبراؤ کہ ان شاء اللہ ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(علامہ بدؔر القادری، ہالینڈ)

ہم سے ناکاروں کا ساحل ہیں شفیع محشر ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(علامہ بدؔر القادری، ہالینڈ)

لاکھ ہم مجرم و ناکارہ ہیں، ہیں ان کے غلام ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(علامہ بدؔر القادری، ہالینڈ)

اے گنہگارو! جو دل میں ہو محبت ان کی ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(حضرت نثؔار کریمی)

میں گنہگار سہی پھر بھی یقیں ہے مجھ کو ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(حضرت مضطؔر اعظمی)

اپنا کردار و عمل لائق بخشش تو نہیں ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(علامہ فروؔغ اعظمی)

عرصۂ حشر میں جب ہوگا گنہگار نڈھا ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(علامہ قمرالحسن قمؔر بستوی، امریکہ)

زاہدو! مرے گناہوں پہ ملامت نہ کرو ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(سید اولاد رسول قدسؔی، امریکہ)

اپنی امت کو فضیحت سے بچانے کے لئے ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(مفتی عبدالواجد نیرؔ، ہالینڈ)

کیوں کرے فکر رضا قادری بہر بخشش ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(مولانا سلطاؔن رضا)

ہو سمائی جو دل و جاں میں محبت ان کی ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(محمد علی شہید بستوی)

لاکھ عاصی ہوں مگر دل کو یقیں ہے میرے ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(حفیظ نقشبندی)

ہر بُرے وقت میں کام آیا وسیلہ کن کا ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(سید عارف پاشا)

مجھ گنہگار کو لے دے کے سہارا ہے یہی ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(تعزیر بستوی)

اپنے اعمال سے مجھ کو نہیں امید نجات ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(طارق سلطان پوری)

یہ عقیدہ ہے گنہگار غلاموں کے لئے ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(مولانا کلیم فیضی بستوی)

دست ناپاک سہی، دامن تطہیر تو ہے ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(مولانا وفا رضوی)

عاصیو! وہ ہیں شفیع اور ہے جنت ان کی ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(مولا غلام یزدانی نظامی)

ہوں خطاکار مگر پھر بھی یقیں ہے اپنا ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(مفتی حسان رضا نورانی)

عاصیو! احمد مرسل کی غلامی کر لو ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(عتیق بستوی)

بد عمل لاکھ سہی پھر بھی یقیں ہے اپنا ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(مولانا وجہ القمر برکاتی)

تھام لو دامن سرکار شفیع محشر ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(مولانا عبدالحق بستوی)

میرے اعمال کا بدلہ تو جہنم ہے مگر ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(مولانا ذاکرؔ بلرام پوری)

ہے یقیں ہم کو جو حاصل رہی نسبت ان کی ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(دیدارؔ بستوی)

ہم گنہگار ہیں لیکن یہ یقیں ہے عادلؔ ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(عادلؔ بستوی)

بار عصیاں ہے مگر نعت نبی پڑھتا ہوں ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(بدرؔالحسن صدیقی بستوی)

مدحت عترت مرسل کو بنا اپنا شعار ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(سید انوار پاشاؔ)

جو بھی رکھتے ہیں تصور میں مدینہ اپنے ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(شہرؔیار ککرالوی)

ہو گئی مجھ پہ اگر چشم عنایت ان کی ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(ڈاکٹر زماںؔ اعظمی)

اہل ایماں کے لئے ہے یہ بشارت ان کی ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(منصورؔ گورکھپوری)

ہم گنہگار، خطاکار، سیہ کار سہی ''کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی''
(شکیلؔ اعظمی)

دوسرا نعتیہ مشاعرہ:

۳۰ رمئی ۲۰۰۴ء کو ہالینڈ کا دوسرا نعتیہ مشاعرہ منعقد ہوا جس کا مصرع طرح تھا۔

''کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے''

اس مصرعے پر بھی پاک و ہند کے شعراء نے دلچسپی لی اور اپنی گراں قدر تخلیقات سے سامعین ہالینڈ کے ذوق نعت میں اضافہ کیا چند شعراٗ کے کلام سے دو دو اشعار نذر قارئین ہیں۔

بہر ثنائے زلف و رخ وقف ہر اک زبان ہے ''کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے''

کیا بساط عقل جو، سمجھے ترے مقام کو محرمِ رازِ لا مکاں تو ہے وتری شان ہے
(حضرت نثؔار کریمی)

نعت نبی سنے نہ جو کان وہ کوئی کان ہے ذکر نبی کے نہ جو وہ بھی کوئی زبان ہے
اندر سے آتی رہتی ہے پیہم صدا درود کی یہ عاشق رسول کا جنت نما مکان ہے
(حضرت مضطؔر اعظمی مرحوم)

مطلع کائنات تو میرے نبی کی شان ہے ان کا وجود پاک ہی مقطع مرسلان ہے
جن وبشر، فلک ملک، تحت الثریٰ سے عرش تک ''کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے''
(مفتی واجد علی نیؔر قادری، ہالینڈ)

صدقے میں جن کے ہرنفس صدقے میں جن کے جان ہے ڈوبا ہوا انہیں کے عشق میں دیکھا تو یہ جہان ہے
لمحوں کے ہونٹ پر تری رحمت کا وہ بیان ہے ''کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے''
(سید احسؔان بستوی)

میرے رسول پاک کی کتنی عظیم شان ہے زیر نگیں ہے دو جہاں قدموں میں آسمان ہے
تحت ثریٰ تمام فرش ہفت آسماں بہشت وعرش ''کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے''
(رضاء القادری، ہالینڈ)

دونوں جہاں میں ہر جگہ تیری ہی مان جان ہے ''کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے''
جب دی اذاں بلال نے خیر الوریٰ کے سامنے سارے صحابہ بول اٹھے اعلیٰ تیری اذان ہے
(مولانا محمد اکرم اشرفی)

انگلی کی زد پہ ماہتاب قدموں میں آسمان ہے تیری مثال ہے کہاں تو شال دو جہان ہے
محبوب کبریا ہے تو، نبیوں کے سر کا تاج ہے ''کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے''
(دیدؔار بستوی)

ما کان و ما یکون کی کنجی تیری زبان ہے ٹھوکر میں ہے زمیں تیری قدموں میں آسمان ہے
عرش بریں سے فرش تک فرش زمیں سے عرش تک ''کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے''
(مفتی حسّان رضا نورانی)

کیونکہ فراز عرش کا میری طرف دھیان ہے سر ہے وہاں جہاں کفِ پا کا ترے نشان ہے

ہنگامہ ہائے حرف وصوت ہوں کہ خموشیوں کے ساز　　''کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے''

(مولانا غلام یزدانی بستوی)

ذات حبیب کبریا محبوبِ کل جہان ہے　　ان کا جمیل وصف ہے ان کی جلیل شان ہے

محراب و مسجد واذاں، قرآں صحائف و بیاں　　''کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے''

(مولانا وفا رضوی)

تیرے ہی ذکر پاک کی خوشبو ہے کل جہان میں　　''کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے''

چشم کرم ہو یا رسول نوریؔ کے حالِ زار پر　　تو ہی تو مہربان ہے تو ہی تو پاسبان ہے

(نظام نوریؔ بستوی)

دل میں ہے حبِّ مصطفیٰ مدحت سرا زبان ہے　　وصف وثنا میں آپ کی قرآں کا ہر بیان ہے

اے ذاتِ وجہ کن فکاں ہے لمحہ لمحہ نعت خواں　　''کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے''

(شکیلؔ اعظمی)

ان کے علاوہ بھی بہت سے شعرائے کرام نے مذکورہ طرح پر طبع آزمائی کر کے ہالینڈ کے اس نعتیہ مشاعرہ میں شریک رہے اختصار کے پیشِ نظر اتنے ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

تیسرا نعتیہ مشاعرہ:

۲۶ رجون ۲۰۰۵ء کو تیسرا طرحی نعتیہ مشاعرہ مندرجہ ذیل طرح کے ساتھ منعقد ہوا۔

''دہر کو سیرت سرکار سکھا دی جائے''

ہند و پاک کے ۲۳ رشعراء اس بزم شعر وسخن میں شامل رہے، چند شعراء کے نمونہ کلام نذر قارئین ہیں۔

آتش عشقِ نبی اور بڑھا دی جائے　　سب کو آواز محبت کی سُنا دی جائے

جی میں آتا ہے جمالِ شہِ بطحیٰ دیکھوں　　خاکِ طیبہ مری آنکھوں میں لگا دی جائے

(سید حسن مثنیٰ انور کچھوچھوی)

پہلے بیمار کو تاثیر شفا دی جائے　　پھر کوئی زود اثر اچھی دوا دی جائے

دور بے موت کا بیکلؔ جی تقاضا ہے یہی　　''دہر کو سیرت سرکار سکھا دی جائے''

(حضرت بیکلؔ اتساہی)

آبرو خاک کے پتلے کی بڑھا دی جائے　　خاکِ طیبہ میں مری خاک ملا دی جائے

ہوگا پھر اور ہی کچھ رنگ جمال ہستی   ''دہر کو سیرت سرکار سکھا دی جائے''
(حضرت نثار کریمی)

ہے یہ بیمار محمد نہ دوا دی جائے   چارہ گر کہتا ہے طیبہ کی ہوا دی جائے
امن کرنا ہے اگر سارے جہاں میں قائم   ''دہر کو سیرت سرکار سکھا دی جائے''
(حضرت مضطر اعظمی)

ذکر سرکار کی اک شمع جلا دی جائے   تیرگی دہر کی ہر سو سے مٹا دی جائے
ابن آدم کے تقدس کو بچانے کے لئے   ''دہر کو سیرت سرکار سکھا دی جائے''
(علامہ قمر الحسن قمر بستوی، امریکہ)

یاد میں ان کی اگر بزم سجا دی جائے   شام تاریک کو پُر نور بنا دی جائے
اور کیا ہوگا بھلا گردشِ دوراں کا علاج   ''دہر کو سیرت سرکار سکھا دی جائے''
(شہریار ککرالوی)

قصر آلام کی دیوار گرا دی جائے   دامنِ دل کو مدینے کی ہوا دی جائے
ہرطرف امن واماں کی ہوں بہاریں رقصاں   ''دہر کو سیرت سرکار سکھا دی جائے''
(سید اولاد رسول قدسی، امریکہ)

سوئی قسمت مرے سرکار جگا دی جائے   کلی پژمردہ مرے دل کی کھلا دی جائے
تا کہ کوئی نہ رہ حق سے بھٹکنے پائے   ''دہر کو سیرت سرکار سکھا دی جائے''
(مولانا رضاً القادری، ہالینڈ)

جبر اور ظلم کی دیوار گرا دی جائے   ''دہر کو سیرت سرکار سکھا دی جائے''
جن کا سرمایۂ ہستی ہو نبی کی الفت   ایسے دیوانوں کو پلکوں پہ جگہ دی جائے
(محمد علی شیدا بستوی)

میری بگڑی ہوئی تقدیر بنا دی جائے   عشق سرکار میں جینے کی ادا دی جائے
صرف باتوں سے نہیں عمل سے پیہم   ''دہر کو سیرت سرکار سکھا دی جائے''
(مولانا رفیع القدر حنفی)

سارا ماحول ہے بیمار دوا دی جائے   ''دہر کو سیرت سرکار سکھا دی جائے''
میں ہوں بیمار نبی میرا مداوا ہے یہی   مجھ کو سرکار کے دامن کی ہوا دی جائے
(تعزیر بستوی)

زیست میں چین ملے شرط یہی ہے لوگو ''دہر کو سیرت سرکار سکھا دی جائے''
موت آئے مری طیبہ میں یہی ہے حسرت ان کی گلیوں میں قبر بنا دی جائے
(توفیق احسن برکاتی)

چوتھا نوتیہ مشاعرہ:
۲۰۰۶ء کے چوتھے نعتیہ مشاعرے کی طرح تھی۔
''جرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے''
چند شعراُ کے اشعار پیش خدمت ہیں۔

بزم میلاد نبی گھر گھر سجاتے جائیں گے رحمتوں کی بارشوں میں ہم نہاتے جائیں گے
دنگ رہ جائے گا محشر دیکھ کر ان کا کرم ''جرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے''
(سید اولاد رسول قدسی، امریکہ)

نقش باطل کا زمانے سے مٹاتے جائیں گے لے کے نام مصطفیٰ عالم پہ چھاتے جائیں گے
ہے ملا کس شان کا آقا ہمیں اے دوستو! ''جرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے''
(مولانا وفا رضوی)

دہر میں توحید کا ڈنکا بجاتے جائیں گے شربت عشقِ نبی سب کو پلاتے جائیں گے
عاصی امت سے مرے سرکار کو وہ پیار ہے ''جرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے''
(مولانا کلیم فیضی بستوی)

روزِ محشر جب مسلماں سر جھکاتے جائیں گے ''جرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے''
محفل نعت نبی سے منبر و محراب تک بدرؔ نعت سرور عالم سناتے جائیں گے
(بدرالحسن بدرؔ صدیقی بستوی)

دہر میں آئے ہیں یا جتنے بھی آتے جائیں گے سب نبی کی شان کا خطبہ سناتے جائیں گے
اہل محشر دامن محبوب کی لے لو پناہ ''جرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے''
(شکیلؔ اعظمی)

پانچواں نعتیہ مشاعرہ:
۴ رجون ۲۰۰۶ء کو یہ مشاعرہ منعقد ہوا، اس کا مصرع طرح تھا۔
''شہر میں ذکر ترا دشت میں چرچا تیرا''

دیگر ممالک سے ۱۴ شعرأ نے طبع آزمائی کی جن کے نمونہ کلام ذیل میں دے جارہے ہیں۔

خلد تیری ہے، حرم تیرا ہے ، کعبہ تیرا مہر و مہ ، لوح وقلم ہیں سبھی صدقہ تیرا
اے قمرؔ جب وہ دو عالم کے لئے رحمت ہیں مل ہی جاے گا تجھے حشر میں حصہ تیرا
(علامہ قمرالحسن قمرؔ بستوی، امریکہ)

دل میں ہے یاد تری لب پہ ہے نغمہ تیرا بحر و بر سب پہ چلا کرتا ہے سکہ تیرا
کس جگہ نعت کا سورج نہیں چمکا تیرا ''شہر میں ذکر ترا دشت میں چرچا تیرا''
(مفتی عبدالواجد نیرؔ قادری، ہالینڈ)

دہر میں کاشفِ ظلمت ہے اُجالا تیرا رہبر منزل مقصود ہے رستہ تیرا
نص قرآنی '' ورفعنا لک ذکرک'' ہے گواہ ''شہر میں ذکر ترا دشت میں چرچا تیرا''
(سیداولادرسول قدسیؔ، امریکہ)

خود خدا عرش پہ پڑھتا ہے قصیدہ تیرا ''شہر میں ذکر ترا دشت میں چرچا تیرا''
کوئی بھی دور ہو دنیا کا کوئی خطہّ ہو کامیابی کی ضمانت رہا اسوہ تیرا
(عبدالرزاق ناگپوری آرزوؔ)

جب بھی ڈرتا ہے شب غم میں یہ شیدا تیرا دل کو بہلانے کو آتا ہے اُجالا تیرا
یہ بھی احسان ہے مجھ پہ شہِ والا تیرا دل کی آنکھوں سے میں کرتا ہوں نظارہ تیر
(پیرزادہ اقبال ہاشمی کرناٹک)

عالم صوت و معنی پہ ہے قبضہ تیرا ''شہر میں ذکر ترا دشت میں چرچا تیرا''
ہند میں خوب جیا، مرنے کو طیبہ پہنچا زندگی ہائے مگر ساتھ نہ چھوٹا تیرا
(غلام یزدانی احمدؔ نظامی)

ذات بے مثل تری، وصف نرالا تیرا تم ہو محبوب خدا مرتبہ اعلیٰ تیرا
تیرے ہی نام سے ہر گوشۂ عالم آباد ''شہر میں ذکر ترا دشت میں چرچا تیرا''
(مولانا رضاءالقادری، ہالینڈ)

جود و بخشش کا ہے انداز نرالا تیرا عدل ہرنی بھی طلب کرتی ہے آقا تیرا
عرش تا فرش ہے اے فخر دو عالم ہر جا ''شہر میں ذکر ترا دشت میں چرچا تیرا''
(مولانا وفا رضوی)

فرش تا عرش نظر آتا ہے جلوہ تیرا کتنا اونچا کیا اللہ نے رتبہ تیرا

ساری مخلوق کے لب پر ہیں تمہاری باتیں ''شہر میں ذکر ترا دشت میں چرچا تیرا''
(مفتی محمد حسّان رضا نورانی)

سب سے ارفع بھی ہے اعلیٰ بھی ہے رتبہ تیرا پڑھتے ہیں روز فرشتے بھی وظیفہ تیرا
جرأت نعت کرے کیسے اثرؔ اے آقا ''شہر میں ذکر ترا دشت میں چرچا تیرا''
(اثرؔ سعید، کرناٹک)

چھٹواں نعتیہ مشاعرہ:

۲۰۰۷ء کا طرحی نعتیہ مشاعرہ ''رحمت کا در کھلا ہے طلب گار آئے ہیں'' کا مصرع طرح لے کر آیا۔ حسب سابق دور دراز کے شعرأ نے اپنے گلہائے محبت کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ چند اشعار کی خوشبو سے آپ بھی اپنے مشام جاں کو معطر و معنبر کیجئے۔

طیبہ میں جب بھی بیکس و نادار آئے ہیں ان کی مدد کو خود مرے سرکار آئے ہیں
تقسیم کر رہے ہیں وہ پروانہ نجات کا ''رحمت کا در کھلا ہے طلبگار ہیں''
(علامہ بدرؔ القدری، ہالینڈ)

وحدت کا جام پینے کو مئے خوار آئے ہیں ''رحمت کا در کھلا ہے طلبگار ہیں''
وہ لوگ خوش نصیب کہے جائیں گے زماںؔ کر کے جوان کے روضے کا دیدار آئے ہیں
(ڈاکٹر زماںؔ اعظمی)

ساتوں نعتیہ مشاعرہ:

۲۰۰۸ء کے نعتیہ مشاعرہ میں مصرع طرح تھا:

''کس کے در پہ جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر''

اس بزم نعت میں ۳۰؍ شعراء نے شرکت کی۔ ضیافت طبع کے لئے چند اشعار نذر قارئین ہیں۔

نور والے تیرا نورانی ترانہ چھوڑ کر کون ظلمت لے یہ روشن شامیانہ چھوڑ کر
میری جنت ہے وہیں جس جا مرے سرکار ہیں جائے گی بلبل کہاں گل کا ٹھکانہ چھوڑ کر
(علامہ بدرؔ القادری، ہالینڈ)

اضطراب دل نہ مٹ پایا مدینہ چھوڑ کر عمر بے کیفی میں گذرے ارض طیبہ چھوڑ کر
زندگی، رزق و صحت سب کچھ ترے در سے ملا ''کس کے در پہ جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر''
(علامہ قمر الحسن قمرؔ بستوی، امریکہ)

اے مسافر رحمتوں کا شامیانہ چھوڑ کر کیوں چلا سوئے سقر جنت کا رستہ چھوڑ کر
دہر سے تا حشر تیری ہی مدد درکار ہے ''کس کے در پہ جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر''
(محمد عثمان اوجؔ اعظمی)

اے اجل ترا کرم ہوتا اگر آتی وہاں سوچتا ہوں آ گیا کیوں میں مدینہ چھوڑ کر
اب تو میں قدموں میں آقا گرتے پڑتے آ گیا ''کس کے در پہ جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر''
(مولانا سیف الدین شمسیؔ)

خاندان و اقربا گھر بار اپنا چھوڑ کر چل دیے ہجرت کی شب سرکار مکہ چھوڑ کر
میرے ہونٹوں پر ہے جاری نام پاک مصطفیٰ جا رہا ہوں دوستو میں آج دنیا چھوڑ کر
(اقبالؔ اعظمی)

لب پہ آئے نعت دل کا شامیانہ چھوڑ کر دل ہو سنگ در پہ شان خسروانہ چھوڑ کر
دو کرم کی بھیک آقا میں گدا در پہ کھڑا ''کس کے در پہ جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر''
(مولانا غلام خیر البشر شمسیؔ)

ان کا شیدا کیا جئے ان کی تمنا چھوڑ کر حسرت دیدار روئے شاہِ بطحا چھوڑ کر
اپنی روداد ِالم کس کو سُناو ں یا نبی ''کس کے در پہ جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر''
(عبد القادر انصاری)

غیر کو رودادِ غم اپنی سُنانا چھوڑ کر چل درِ پاک نبی پر یہ زمانہ چھوڑ کر
تو ہی کوئی در بتا دے اے شہِ ہر دوسرا ''کس کے در پہ جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر''
(حافظ محمد عمر مبارک پوری)

جب تری اک ذات ٹھہری دین و دنیا کی ولی ''کس کے در پہ جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر''
یا الٰہی اب نہ آئے عمر بھر ایسی گھڑی مجھ کو پھر جانا پڑے ان کا مدینہ چھوڑ کر
(مولانا زماںؔ امجدی)

مال و زر اولاد و کنبہ سب گھرانہ چھوڑ کر ساری دنیا ایک دن سب کو ہے جانا چھوڑ کر
تم ہو قاسم تم ہو معطی سرور کونین ہو ''کس کے در پہ جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر''
(انیسؔ اعظمی)

کیوں نہ اب جانا ہی پڑ جائے دنیا چھوڑ کر دل تو کہتا ہے نہ جا کعبہ کا کعبہ چھوڑ کر

آ گیا جب در پہ تیرے یا نبی پھر اس کے بعد "کس کے در پہ جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر"
(شکیلؔ اعظمی)

ہالینڈ کی سرزمین پر ۲۰۰۳ء سے ۲۰۱۸ء تک علامہ بدرؔ القادری کی صدارت اور اسلامک سینٹر کے زیر اہتمام یہ نعتیہ طرحی مشاعرہ ہوتا رہا۔ آئندہ بھی ان شاءاللہ العزیز ہوتا رہے گا۔ ہالینڈ میں نعتیہ ادب کو استوار کرنے اور نعتیہ فضا اور ماحول بنانے میں ان شعراء کا بھی حصہ رہا ہے۔ (۱) بیکلؔ اتساہی بلرام پوری مرحوم (۲) نثارؔ کریمی مرحوم (۳) مضطرؔ اعظمی مرحوم (۴) مولانا قمر الحسن قمرؔ بستوی، امریکہ (۵) مولانا فروغؔ اعظمی (۶) مولانا سید اولاد رسول قدسیؔ، امریکہ (۷) مفتی عبد الواجد نیّرؔ، ہالینڈ (۸) مولانا رضاء القادری (۹) شیداؔ عزیزی (۱۰) حفیظ نقشبندی (۱۱) سید عارف پاشاؔ قادری (۱۲) تعزیرؔ بستوی (۱۳) طارقؔ سلطان پوری (۱۴) طاہر القادری کلیمؔ فیضی (۱۵) مولانا وفا رضوی (۱۶) غلام یزدانی نظامیؔ (۱۷) نظام نوری (۱۸) مفتی حسّانؔ رضا نورانی (۱۹) عتیقؔ بستوی (۲۰) سلیم عزیزی (۲۱) وجہ القمر برکاتیؔ (۲۲) عبد الحق رضوی (۲۳) ذاکرؔ بلرام پوری (۲۴) دیدارؔ بستوی (۲۵) عادلؔ بستوی (۲۶) بدر الحسن بدرؔ صدیقی بستوی (۲۷) قاضی انوار حسین پارساؔ (۲۸) شہریارؔ ککرالوی (۲۹) زماںؔ اعظمی (۳۰) منصورؔ گورکھ پوری (۳۱) شکیلؔ اعظمی (۳۲) محمد اکرم اشرفی (۳۳) سید حسن مثنیٰ انور کچھوچھوی (۳۴) رفیع القدر حنفی (۳۵) نظامؔ مصباحی (۳۶) خلیلؔ نظامی (۳۷) احسنؔ برکاتی (۳۸) کلیمؔ برکاتی (۳۹) رہبرؔ چھپراوی (۴۰) آرزوؔ باگیواڑی (۴۱) اقبالؔ ہاشمی (۴۲) رزاقؔ افسر (۴۳) اثرؔ سعید (۴۴) سلیمان خمارؔ (۴۵) اقبال آصفؔ (۴۶) ڈاکٹر زماں اعظمی (۴۷) اوجؔ چریا کوٹی (۴۸) سیفؔ شمسی (۴۹) اقبالؔ اعظمی (۵۰) عبد القادر (۵۱) انیسؔ اعظمی۔

اس طرحی مشاعرے کا ہالینڈ کے سامعین اور نعت خوانوں پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔ نعت خونی سے نعت نگاری کو کب اختیار کیا۔ اس مشاعرہ نے ہالینڈ، امسٹرڈم اور بلجیم وغیرہ میں کتنے نعت گو شعراً پیدا کئے یہ ایک جداگانہ موضوع ہے جسے آئندہ کے لے چھوڑتا ہوں۔

☆☆☆

محمد عامل بدایونی (علی گڑھ)

منیؔر خاں اعظمی کی شعری خصوصیات

(کوثر و زمزم کے حوالے سے)

نعت گوئی کا فن اردو شاعری میں بے حد دلچسپ اور بڑا دل کش ہے۔نعت کے لفظی معنی صفت اور وصف کے ہیں۔نعت گوئی سے مراد ایسی نظم لی جاتی ہے جس میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں اشعار پیش کیے جائیں اور ان اشعار میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف کا بیان ہو،یعنی اشعار کا وہ مجموعہ جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف کی جائے اس کو ''نعت'' کہتے ہیں۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں اپنے محبوب کو یاد کیا دراصل وہاں نعت گوئی کا پیرایہ اختیار کیا ہے۔نعت گوئی میں شاعر اپنے جذبات،اپنی محبت،عقیدت اور والہانہ پن کا برملا اظہار کرتا ہے۔نعت گوئی کا موضوع اردو میں بڑا محبوب رہا ہے۔لیکن پھر بھی اس کی کوئی ہیئت طے نہیں ہو پائی ہے۔مختلف زمانوں میں مختلف ہیت میں نعتیں لکھی گئی ہیں۔مثلاً قصیدے کی ہیئت،غزل اور ترکیب بند کی ہیت وغیرہ۔

عربی زبان کے ساتھ ساتھ دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں نعتیں لکھی اور پڑھی جا رہی ہیں۔ہندوستان میں اولاً فارسی زبان میں ایک بڑی تعداد میں نعتیں لکھی گئی ہیں۔شیخ فرید الدین عطاؔر،امیر خسرؔو دہلوی،مولانا جامؔی،عرفؔی اور قدسؔی جیسے تمام فارسی شعرا نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں خراج عقیدت پیش کیے ہیں۔اردو میں نعت گوئی کی ابتدا اردو زبان کے آغاز کے ساتھ ہی وجود میں آئی۔لیکن یہ طے کر پانا کہ اردو نعت گوئی میں پہلا نام کون ہے؟ مشکل ہے۔لیکن راقم کا یہ خیال ہے کہ اردو میں نعت گوئی کا سلسلہ اردو مثنوی سے شروع ہوا ہوگا۔چونکہ اردو ادب میں مثنوی ابتدائی دور سے لکھی جا رہی ہیں اور مثنوی میں حمد کے بعد نعتیہ اشعار ہوتے ہیں۔اردو زبان و ادب کے کئی شعرا نے نعت گوئی کے فن میں طبع آزمائی کی ہے۔ان نعت گو شعرا میں ایک اہم

نام منؔیر خاں اعظمی کا بھی ہے۔

منؔیر احمد خاں اعظمی کی ولادت ۱۸۹۱ء کو ضلع اعظم گڑھ کے ایک معروف قصبہ ’دیوگاؤں‘ میں ہوئی۔ اپنے قصبے کی نسبت سے منؔیر دیوگانوی کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔ رواج کے مطابق ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی، قرآن کریم کی ابتدائی تعلیم والد صاحب سے حاصل کی۔ منؔیر صاحب کا تعلیمی سلسلہ مڈل امتحان پاس کرنے کے بعد ۱۹۱۳ء میں منقطع ہوگیا۔ منؔیر اعظمی کے دو صاحبزادے غلام محمد سرؔمد اور ابوعبیدہ خاں عبدؔہٗ تھے۔ پہلے صاحبزادے کی وفات منؔیر اعظمی کی زندگی ہی میں ۱۹۶۰ء میں ہوگئی تھی۔ دوسرے صاحبزادے ابوعبیدہ خاں عبدہٗ کا شمار اردو ادب کے بڑے شعراء میں ہوتا ہے، جو جوؔہر صدیقی بنارسی کے تلامذہ میں سے تھے۔ ابوعبیدہ خاں نے تقریباً اردو ادب کی تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی۔ ان کے کئی مجموعے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔

منؔیر خاں اعظمی کو شاعری سے دلچسپی بچپن سے تھی۔ گھر پر ادبی اور مذہبی محفلیں سجتی تھیں اور ربیع الاول کے مہینے میں میلاد النبی کی محفل کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا تھا، جس میں حمد و نعت کے اشعار پڑھے جاتے تھے۔ یہیں سے منؔیر اعظمی کو شاعری کا شوق ہوا اور بعد میں مستقل شاعری کرنے لگے۔ آپ اقبال سہیؔل کی شاعری سے متاثر تھے۔ اس لیے ان کی شاگردی اختیار کرلی اور اپنے کلام پر اصلاح لینے لگے۔ اس طرح ۳۹-۱۹۳۸ء میں اقبال سہیؔل کے مستقل تلامذہ میں شامل ہوگئے۔ اقبال سہیؔل کے یہاں سے محرری کے فرائض سے مستعفی ہونے کے بعد منؔیر صاحب نے لال گنج تحصیل میں وثیقہ نویسی شروع کی۔ اپنی تمام تر خدمات کے بعد بالآخر ۱۹۸۳ء میں اس دنیا کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہا۔ آپ نے کل ۹۲ سال کی عمر پائی۔

منؔیر اعظمی کے دو مجموعۂ کلام ''لمعاتِ منیر'' اور ''کوثر و زمزم'' شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا ایک غیر مطبوعہ دیوان بھی ہے جس میں تقریباً بیس غزلیں اور چند نعت و قصائد شامل ہیں۔ ''کوثر و زمزم'' منؔیر اعظمی کا نعتیہ مجموعہ ہے، جو الہادی پریس جون پور سے شائع ہوا۔ اس کے مرتب منؔیر اعظمی کے صاحبزادے ابوعبیدہ خاں اعظمی ہیں۔ اس مجموعے پر سن طباعت کا اندراج کہیں نہیں ملتا لیکن مجموعے میں شامل امین اللہ اعظمی کے تعارف کے آخر میں درج تاریخ سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ۱۹۶۱ء کے آس پاس طبع ہوا ہوگا۔ اس مجموعے میں مختلف عنوانات کے تحت الگ الگ انوار میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ آپ کے والد محترم واجؔد علی خاں صاحب بھی اپنے دور کے ممتاز شاعر تھے۔ جناب واجؔد علی صاحب اپنے مکان پر ماہ ربیع الاول کی ۱۲؍ تاریخ کو

میلاد النبی کی محفل کا انعقاد کرتے تھے اور عمر کے آخری حصے تک اس امر پر قائم رہے۔ والد ماجد کے بعد منؔیر خاں اعظمی نے محفلِ میلاد النبی کا ذمہ اپنے سر لے لیا جسے بخوبی نبھایا۔ آپ اس محفل میں ہر سال ایک نعتیہ نظم پڑھ کر سناتے تھے۔ ہر نظم کو ایک خوبصورت عنوان دے کر ایک انوار کے تحت درج کر لیتے۔ منؔیر اعظمی کا مجموعہ ''کوثر وزمزم'' دراصل انھیں محفلوں میں پڑھی گئی نعتیہ نظموں کا مجموعہ ہے، جو ایک مناجات اور پندرہ انوار پر مشتمل ہے۔ مجموعے میں شامل نعتیہ کلام اقبال سہیل کی نظر سے گزر چکا ہے اور انھوں نے جہاں مناسب سمجھا وہاں ترمیم و اضافے بھی کر دیے ہیں۔ یہ انوار مخمس اور مسدس دونوں ہیئتوں میں ہیں۔

منؔیر اعظمی فطری اور ذہنی شاعر تھے۔ ان کی شاعری ایمان کا بہترین مرقع ہے۔ وہ اردو کی تمام اصناف پر یکساں قدرت رکھتے ہیں لیکن نعت گوئی ان کا خاص میدان ہے۔ یہی ان کا محبوب ترین اور کامیاب موضوعِ سخن بھی ہے۔ جناب امین اللہ صاحب آپ کے نعتیہ کلام پر اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''موصوف کا نعتیہ کلام من حیث المجموع نہایت بلند، قیمتی اور ایمان و عقیدت کا بہترین مرقع ہے جس میں بے حد اثر، دل نشینی اور معنویت پائی جاتی ہے۔''

(امین اللہ خاں اعظمی، تعارف، کوثر وزمزم، مرتبہ عبدہٗ اعظمی، ص ۹)

منؔیر اعظمی کے کلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں الفاظ کا شکوہ بھی ملتا ہے اور بندش و ترتیب کی بے جوڑ مثال بھی۔ کلام میں فارسی تراکیب سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ اس لیے کہیں کہیں زبان گنجلک ہو گئی ہے، لیکن اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ کسی شعر کو اس کے مقام سے نیچے نہیں گرنے دیتے۔ نعت کے یہ اشعار اپنے مضامین کی گہرائی کے اعتبار سے بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔

مجموعے میں ایک مناجات بھی شامل ہے۔ مناجات سے ایسی نظم مراد لی جاتی ہے جس میں بندہ خدا کی حمد و ثنا کے بعد اس سے دعا گو ہوتا ہے۔ مطالعہ کے بعد یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مناجات میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی البتہ زبان بے حد آسان اور سلیس استعمال کی ہے۔ نمونے کے طور پر صرف دو اشعار ملاحظہ ہوں:

بہر حال تیری رضا چاہتا ہوں ۔۔۔ تری راہ میں میں لٹا چاہتا ہوں
سیہ کار ہوں اور کیا چاہتا ہوں ۔۔۔ منؔیر ابر رحمت رہے سایہ افگن

آپ کے کلام میں جا بجا ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن میں خدا سے شکایت کی کیفیت نظر آتی

ہے۔جس طرح علامہ اقبال نے نظم ''شکوہ'' لکھ کر خدا سے شکوہ کیا تھا اسی طرح منؔیر اعظمی کی شاعری میں بھی شکوہ کا انداز پایا جاتا ہے۔مثال کے طور پر یہ شعر دیکھیں:

پھول تھا پھول مگر اب خلش خار ہوں میں
تیرے ہوتے ہوئے رسوا سر بازار ہوں میں

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن و جمال کی تعریف کرنا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخسار مبارک اور لبہائے مبارک کا ذکر کرنا۔روضہ انور اور مدینہ منورہ کی گلیوں کی سیر کرانا۔معراج کے واقعے کو شعری پیکر عطا کرنا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مکمل سیرت کو ڈھالنا نعت گوئی کے بنیادی اجزا میں شامل ہے۔منؔیر اعظمی کا کمال یہ ہے کہ اس مختصر مجموعے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کا کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جس پر اشعار رقم نہ کیے ہوں۔اپنی ذہنی صلاحیت اور عقیدت کی بنیاد پر اتنے خوبصورت اشعار لکھے ہیں، جن کی مثال ان کے معاصر شعرا کے یہاں کم ہی نظر آتی ہے۔ان اشعار کے مطالعے سے اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ منؔیر اعظمی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات سے کس قدر والہانہ محبت وعقیدت رکھتے ہیں۔جس کی گواہی مجموعے میں شامل ان کا ہر شعر دے رہا ہے۔نمونے کے طور پر مسدس کا یہ بند ملاحظہ فرمائیں:

اللہ اللہ ری یہ نازش انوار جمال   محو دیدار ہوئی نرگس بیدار جمال
مرحبا صل علیٰ شوکت سرکار جمال   خود جمال آپ ہوا جاتا ہے سرشار جمال
عبد پر دیکھئے یہ رحمت رب معبود
ساتھ قدسی کے لب قدس پہ ہے ورد درود

مخمس کا یہ بند ملاحظہ ہو:

ظہور آمنہ کے جمال نظر کا   شہودِ حسیں جلوۂ منتظر کا
ہے معمور پھولوں سے دامن سحر کا   کھلا ہے کنول کیا دلِ بحر و بر کا
کہ ہے نازش حسنِ احساں کا عالم

مذکورہ بالا دونوں بندوں کے مطالعے کے بعد محشؔر اعظمی کا یہ اقتباس نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''انھوں نے بارگاہ رسالت میں جو گلدستہ نیاز کوثر وزمزم پیش کیا ہے
اس کے پھولوں کی یکرنگی، خوشبو اور حسن ترتیب نہ صرف نگاہوں کو دعوت نظارہ

دیتی ہے بلکہ روح کو بھی اپنی طرف کھینچتی ہے۔''

(محشر اعظمی، دو باتیں، کوثر وزمزم، مرتبہ عبدہٗ اعظمی، ص ۱۵)

آپ کے کلام میں ایسے اشعار کی بھی خاصی تعداد ہے جس میں قوم وملت کا درد ہے۔ آپ قوم و ملت کے لیے فکر مند نظر آتے ہیں اور اس کوشش میں لگے رہے کہ کاش اس امت مسلمہ کو ترقی حاصل ہو جائے۔ وہ قوم وملت کے آپسی تفریق اور انتشار کو ختم کرنے کے خواہاں تھے، جس کا اظہار ان کی شاعری میں ہر جگہ نظر آتا ہے۔ مثلاً یہ بند دیکھیں:

امت محبوب کی اللہ ری فکر عمیق　　　فلسفہ کی گتھیاں اور یہ نظر ہائے دقیق

ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں ملت کو ملت کے رفیق　　　ایک وحدت ایک ایماں ایک قرآں دو فریق

موج نکہت میں کوئی ڈوبا کوئی پھولوں میں مست

یہ علمبردار وحدت ہیں یہ سرمست است

کلام میں حسن وخوبی پیدا کرنے کے لیے فصاحت و بلاغت سے کام لیا جاتا ہے۔ صنائع اور بدائع کا استعمال کر شاعری کو درجۂ کمال تک پہنچایا جاتا ہے۔ منیؔر اعظمی کے کلام میں فارسی تراکیب کے ساتھ ساتھ صنائع اور بدائع کا ایک خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔ وہ اپنے کلام میں تشبیہ، استعارہ، کنایہ، تضاد اور تلمیح وغیرہ سے زیادہ کام لیتے ہیں اور اپنی شاعری کو حسن وجمال کا جامہ پہنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ تلمیح کا یہ بند ملاحظہ ہو:

آتش گل نے نہیں دیکھی ہے نار نمرود　　　پانی پانی ہوا نیرنگیٔ ظلمت کا وجود

اللہ اللہ ابراہیم کا ذوق محمود　　　ہے یقیں پردۂ ممکن میں ہے واجب موجود

آگ کی چلتی نہیں عشق کے سرشاروں پر

جم کے بیٹھے ہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر

مذکورہ بالا بند تلمیح کی ایک خوبصورت مثال ہے۔

الختصر یہ کہ منیؔر اعظمی کے اس نعتیہ کلام میں نعت گوئی کے فنی لوازمات کا مکمل خیال رکھا گیا ہے۔ فصاحت و بلاغت سے اپنی شاعری کو مزید پختگی اور بالیدگی بخشی۔ یہ بات بھی یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ وہ شاعری میں مکمل دسترس رکھتے تھے اور شعری خصائص کو بخوبی برتنے میں کامیاب رہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر شاہد احمد جمالی (جے پور)

راجستھان میں نعت گوئی کی روایت

نعت گوئی ایک مقدس ترین صنف سخن ہے۔اور دنیا کی ہر اس زبان میں لکھی اور کہی جاتی ہے جسے اہل اسلام بولتے ہیں۔نعت، اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک سچے تعلق کا ثبوت بھی ہے۔اور یقیناً نعت کہنے والا جب نعت لکھتا ہے تو اس کا دل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جھکا ہوا ہوتا ہے۔مگر اس میں کئی ایسی شرائط بھی ہیں جن سے قطع نظر کرنے پر سراسر نقصان ہوتا ہے۔ایک تو یہ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت، مقام اور مرتبہ سے کما حقہ واقفیت ضروری ہے۔ساتھ ہی اسلامی تاریخ قدیم وجدید کا مطالعہ، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل خانہ، آپ کی قربانیاں، آپ کی سنتوں سے واقفیت بھی نہایت ضروری ہے۔ان کو جانے بغیر اگر کوئی شاعر نعت کہتا ہے تو وہ غیر معتبر ہوتی ہے۔

نعت عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی تعریف وتوصیف کے ہیں۔لیکن مسلمانوں کی ہر زبان میں نعت کا لفظ صرف اور صرف سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی کے لئے مخصوص ہے۔ ہم جب بھی نعت کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد شاعری کی اس صنف سے ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات وصفات اور ان کی شان میں مدح سرائی کی گئی ہو۔مسلمانوں کے نزدیک نعت اپنے نبی سے محبت کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔وہ محبت جو ان کے ایمان کا جز ہے۔کیوں کہ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کو لازم ہے کہ ہر اس شے سے جسے وہ عزیز رکھتا ہے، اس سے بھی بڑھ کر اپنے پیغمبر سے محبت رکھے۔

نعت کے لئے کسی مخصوص ہیئت کی پابندی نہیں ہے۔یہ قطعہ، رباعی، نظم، غزل، مثنوی، قصیدہ، مسدس، غرض شاعری کی ہر ہیئت وصنف میں طبع آزمائی کی جاسکتی ہے۔اس مضمون میں نعت گوئی کی تاریخ سے قطع نظر، صرف راجپوتانہ کے منتخب شعراء کی نعت گوئی پر گفتگو کرینگے۔فی الحال اس مضمون کی

پہلی قسط میں قدیم اور جدید، دونوں دور کے شعراء کو شامل کیا گیا ہے۔ بقول نذیر فتح پوری، نعت لکھنا ایک سعادت ہے۔ نعت پڑھنا ایک برکت ہے، اور نعت سننا ایک عبادت ہے۔

ہندوستان میں نعت گوئی صرف مسلمانوں کی حد تک ہی محدود نہ رہی۔ یہاں غیر مسلم حضرات نے بھی مسلمانوں کے برابر کھڑے ہو کر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں اپنی عقیدت اور محبت پیش کی ہے۔ غیر مسلم حضرات کی نعت گوئی اس بات کی جانب بھی اشارہ کرتی ہے کہ اسلام کے بارے میں ان کا مطالعہ کس قدر وسیع ہوا کرتا تھا۔ عیسائی شعراء نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مدحیہ اشعار لکھے ہیں، ان کے بھی کچھ نمونے اسی مضمون کی آئندہ قسط میں شامل کئے جائیں گے۔

راجستھان میں نعت گوئی کی روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنا اس صوبے کا اردو ادب۔ اس صوبہ میں ہندو مسلمان اور عیسائی حضرات نے نعت گوئی کی ہے۔ جیسا کہ اس مضمون سے ظاہر ہوگا۔

عبدالکریم، بےخود (اجمیر) (۱۸۷۰ء ۔ ۱۹۳۸ء)

پورا نام منشی عبدالکریم تھا۔ اجمیر کے صوفیاء میں تھے، وہیں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت ہوئی۔ عبدالصمد تلمیذ غالب کے شاگرد تھے۔ درگاہ خواجہ صاحب میں ملازم تھے۔ اکثر نعت کہا کرتے تھے۔ آپ کے ہم عصروں میں میر احدی اجمیری، عرشی اجمیری، خاک اجمیری، مولانا معنی اجمیری، معینی اجمیری وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

آپ کا ایک نعتیہ وصوفیانہ کلام کا مجموعہ ''کلام بےخود'' کے نام سے ۱۹۱۴ء میں وحیدیہ پریس، اجمیر سے شائع ہوا تھا۔ اسی مجموعہ سے نمونہ نعت پیش ہے۔

نعت

گرچہ میں خاکِ درِ شاہِ ہدا بن جاؤں
آپ اکسیر میں اے بخت رسا بن جاؤں

سیدا! مجھ کو نہیں دولتِ دنیا کی ہوس
آرزو ہے کہ تیرے در کا گدا بن جاؤں

یوں تو اس ضعف سے چلنا بھی ہے مشکل مجھ کو
تم مدینے جو بلاؤ تو ہوا بن جاؤں

عاشقو لایا کروں نگہتِ گیسوئے نبی
یہ دعا مانگو کہ میں بادِ صبا بن جاؤں

کیا ہی جبریل کو ہو رشک جو میں اے بےخود
پاسبانِ درِ محبوبِ خدا بن جاؤں

نعت

درِ احمد پہ جاتی ہے صبا میری زباں ہو کر
یقیں ہے اب تو آئے گی تنِ عاشق کی جاں ہو کر

کرم فرما ہیں کیا کیا جب وہ مجھ پہ مہرباں ہوکر | کرے گا کیا بھلا دشمن میرا پھرا آسماں ہوکر
مٹائی اپنی ہستی جب پتہ ہم کو ملا تیرا | نشاں پایا تیرا ہم نے تو پایا بے نشاں ہوکر
کوئی حد بھی ہے ہجرِ مصطفےٰ میں کب تلک روؤں | کہ اب تو خونِ دل بہتا ہے آنکھوں سے رواں ہوکر
گزر جائے یہیں شاہا یہ باقی عمر بھی میری | کہاں جاؤں تیرے در سے ضعیف و ناتواں ہوکر
خبر کیا تھی مجھے یہ بھی لکھا تھا میری قسمت میں | پھروں گا در بدر مارا تمہارا مدح خواں ہوکر
یوں ہی جلتا رہوں میں رشک سے اس ہند میں افسوس | مزے جبریل لوٹے در کا تیری پاسباں ہوکر
ہے دعویٰ عشقِ احمد کا تو رہ ثابت قدم بےؔخود | ہٹا تا ہے قدم مردِ خدا پیچھے جواں ہو کر

(کلام بےؔخود۔مطبع نامی وحیدیہ پریس،اجمیر۔۱۹۱۴ء)

قاتؔل۔شاہ میر محمد صدیق۔اجمیر (۱۸۸۵ء۔۱۹۵۰ء)

آپ کا پورا نام سید میر محمد صدیق اور تخلص قاتؔل تھا۔۱۴؍جنوری ۱۸۸۵ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام میر سید یعقوب علی تھا۔آپ کے مورث اعلیٰ قاضی سید علی ہمدانی مشہدی،سید حسین خنگ سوار کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے تھے اور تاراگڑھ،اجمیر شریف میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ کا حسب و نسب سادات بنی فاطمہ ہے۔شجرۂ نسب پدری حضرت امام جعفر صادق کے صاحبزادے حضرت اسماعیل تک پہنچتا ہے۔تعلیم و تربیت کی ابتدا گھر سے شروع ہوئی۔سن شعور کو پہنچنے پر اجمیر میں تعلیم حاصل کی۔جہاں محلّہ سیکری میں آپ کے والد رہا کرتے تھے اور ریلوے میں بحیثیت گارڈ ملازم تھے۔جب کچھ عرصہ کے لئے ان کا تبادلہ ماؤنٹ آبو ہو گیا تو وہاں ان کی ملاقات ڈاکٹر ولایت حسین سے ہوئی۔ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔انھوں نے قاتل کے والد سے کہہ کر اپنے پاس روک لیا اور مزید تعلیم دلانے کا وعدہ کیا۔انھوں نے اپنا وعدہ نبھاتے ہوئے قاتل کو بیرون ملک بھیج دیا۔مصر کی جامع ازہر سے مختلف علوم کی سند لے کر واپس ہندوستان آئے۔اجمیر میں ہی ان کے ماموں سید علاءالدین کی صاحبزادی سے ان کی شادی ہوئی۔ ۱۹۰۴ء میں قیصر گنج میں ایک دواخانہ کھول لیا۔لیکن طبیعت ریاضت کی جانب مائل ہو رہی تھی اس لئے یہ دواخانہ جلد ہی بند کر دیا۔ایک بزرگ مولانا محمد عبدالشکور نصیرابادمیں قیام پذیر تھے،وہاں پہنچ کر ان سے بیعت کی۔اپنی محنت لگن اور لیاقت سے بہت جلد خرقہ خلافت بھی پا لیا۔آپ نے تبلیغ اسلام کے لئے بھی بہت کام کیا،وہ شدھی کا زمانہ تھا، غیر مسلموں سے اکثر معرکہ آرائیاں رہیں،بہت مناظرے ہوئے۔

آپ کو شاعری کا بھی شوق تھا۔پہلے صنمؔ تخلص تھا بعد میں قاتل اختیار کیا۔امام الدین اثؔر (تلمیذ

غالبؔ) نواب شمس الدین، محمد حسین خاک اجمیری، سیماب اکبر آبادی (جوان دنوں اجمیر میں مقیم تھے) باغ اجمیری، عبدالمعبود معینی اجمیری آپ کے ہم عصر تھے۔ نعت ومنقبت کہنے کا بڑا شوق تھا۔ تقسیم ملک کے حادثہ کے بعد کراچی چلے گئے جہاں دسمبر ۱۹۵۰ء میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ سے بہت سی کرامات بھی منسوب ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

نعت

اے خیر امم امت سلطان مدینہ	دل سے نہ مٹے امت سلطان مدینہ
ادنیٰ سے اشارے پہ ہوئی بخشش امت	اے صل علیٰ رحمت سلطان مدینہ
کیا طور کے جلووں کی کرونگا میں تمنا	حاصل ہے مجھے رؤیت سلطان مدینہ
ایمان جسے کہتے ہیں وہ الفت ہے نبی کی	مل جائے جسے نعمت سلطان مدینہ
ہوتی رہی محشر میں ادا حشر کی رسمیں	ہم تکتے رہے صورت سلطان مدینہ
خاموشی قیامت کی قیامت میں ہے قاتلؔ	یہ رعب ہے یہ ہیبت سلطان مدینہ

(تذکرہ شعراء راجپوتانہ، پہلی جلد۔ پہلا ایڈیشن۔ راجپوتانہ اردو ریسرچ اکیڈمی، جے پور۔ ص۔۸۵)

شیخ محمد ابراہیم آزادؔ۔ بیکانیر (۱۸۶۸ء۔ ۱۹۴۷ء):

۱۸۶۸ء میں حسین پور، یوپی میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۷ء میں بیکانیر میں جج ہوئے۔ ملازمت کے بعد ذاتی شوق کی بنا پر وکالت شروع کردی۔ ۱۹۴۷ء میں بیکانیر میں ہی انتقال کیا۔ ۱۹۱۳ء میں داغؔ کے شاگرد حضرت بےخودؔ دہلوی کی شاگردی اختیار کی۔ آپ کا زیادہ کلام حمد ونعت پر ہے۔

نعت

زینت ہیں آپ عرشِ معلیٰ کے بام کی	اللہ رے منزلت شہ عالی مقام کی
ہوتی ہے شہ کے نام سے مقبول ہر دعا	امت کی چارہ ساز ہے تاثیر نام کی
بستر بھی سیر عرش سے واقف نہ ہو سکا	اللہ رے سیر اس شہ نازک خرام کی
ہر لحظہ ان پہ حق سے درود و سلام ہے	صل علیٰ یہ شان علیہ السلام کی
تارِ نفس سے چھید کے ہر ایک لختِ دل	تسبیح پڑھ رہا ہوں درود و سلام کی
رکھا قدم جو چرخ پہ یہ بولا ماہتاب	عزت بڑھائی آپ نے داغی غلام کی
یا رب یہ آنکھیں روضہ اقدس کو دیکھ لیں	لے جاؤں میں نہ جی میں تمنا سلام کی

آزاؔد شیخ دیتے ہیں دادِ سخن تجھے توقیر وہ بڑھاتے ہیں اپنے غلام کی

(بیکانیر میں اردو شعر وادب۔ مرتبہ۔ حاجی خورشید احمد بیکانیری۔ ناشر۔ صدر حلقہ ادب بیکانیر۔ اشاعت۔ ۲۰۰۶ء۔ ص۔ ۱۷،۱۵،۱۴،۱۳۔)

عبداللہ بیدؔل بیکانیری۔ (۱۸۸۸ء۔ ۱۹۷۰ء)

جنوری ۱۸۸۸ء میں بیکانیر میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۸ء میں الہٰ باد یونیورسٹی سے میٹرک اول نمبر سے پاس کیا۔ ۱۹۱۷ء میں بی اے کر کے بیکانیر ریاست کے پہلے مسلم گریجوئیٹ ہونے کا فخر حاصل کیا۔ ۱۹۳۹ء میں سیشن جج کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۲۳ء میں آپ نے بےخوؔد دہلوی کی شاگردی اختیار کی۔ اور بیکانیر کی سرحدوں سے نکل کر قومی سطح پر اپنی پہچان بنائی۔ شعراء بیکانیر میں آپ کو ممتاز ترین ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مذہبی اقدار کی پاسبانی، ملنساری، سخاوت، خدمت خلق، مہمان نوازی آپ کی طبیعت کا خاصہ تھیں۔ آپ ایک سچے عاشق رسول تھے۔ آپ کے مضامین اور کلام مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ حضرت بےخوؔد مرحوم نے آپ کو علامہ کا خطاب عنایت کیا تھا، ان کی تحریر یہ ہے۔

> ''مختلف اوقات میں ان کے کلام کی اصلاح ہوتی رہی ہے۔ آج ان کا مکمل دیوان میرے سامنے موجود ہے۔ دیوان دیکھ کر بےخوؔد کو اب ثابت ہوا کہ بیدؔل نے اس دور افتادہ کی زبان پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ دنیا کے مال ومتاع میں سے اور تو کچھ میرے پاس نہ تھا۔ ایک زبان رکھتا تھا وہ حضرت بےدؔل کی نذر ہوئی۔...ان کے بہت سے شعر میرے ہی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ انھوں نے کمال محنت وجانفشانی سے میری زبان، میرا بیان، میرا تخیل حاصل کر لیا ہے۔ میری دعا ہے کہ ان کا کلام مقبول عام ہو کر میرے اور میرے استاد کی طرح شہرت حاصل کرے''۔ (تذکرہ شعرائے راجپوتانہ، ۱۹۵۰ء تک۔ پہلی جلد۔ شاہد احمد جمالی۔ راجپوتانہ اردو ریسرچ اکیڈمی، جے پور۔ ۲۰۱۸ء۔ ص۔ ۲۴۶۔۲۴۵)

نعت

تکتی تھی آنکھ جس کو وہی مہ لقا ہیں آپ دل جس کو ڈھونڈتا تھا وہی دلربا ہیں آپ

کیوں کر نہ چاہوں آپ کو غم کی دوا ہیں آپ قربان کیوں نہ جاؤں حبیبِ خدا ہیں آپ

کونین میں ہے روشنی حضرت کے نور کی　　لولاک جن کی شان وہ خیر الوریٰ ہیں آپ
مرقد میں میرے کیوں نہ شب و روز نور ہو　　بدر الدجیٰ ہیں آپ تو شمس الضحیٰ ہیں آپ
مرہون کیوں نہ امتِ عاصی ہو آپ کی　　رحمت ہیں آپ حق کی سراپا عطا ہیں آپ
تقدیر تیری کھل گئی قسمت چمک گئی　　بیدلؔ زہے نصیب ترے دلربا ہیں آپ

نعت

سارے نبیوں کا ہے سرتاج پیمبر اپنا　　لائے ہیں عرش سے لکھوا کے مقدر اپنا
حوریں جنت میں بھرا کرتی ہیں ساغر اپنا　　سب ہیں اپنے جو ہوا ساقیِ کوثر اپنا
فاش پردہ نہیں ہوگا سر محشر اپنا　　پردہ رکھ لے گا جو دامانِ پیمبر اپنا
حشر میں پرسش اعمال، غلط ہے یہ خیال　　جب یہ ثابت ہے کہ ہے شافعِ محشر اپنا
ظلمتِ گور میں ہے شمع کی حاجت مجھ کو　　لا کے تشریف دکھادیں رخِ انور اپنا
ہے دعا بیدلِ شیدا کی حبیب خالق　　مرنے والوں میں تیرے، نام ہو مر کر اپنا

(باغِ فردوس۔عبداللہ بیدل۔۱۹۳۵ء)

حاجی محمد یوسف راسخؔ۔بیکانیر (۱۹۰۶ء۔۱۹۷۸ء)

آپ محمد عبداللہ بیدلؔ کے صاحبزادے تھے۔ ۱۹۰۶ء میں بیکانیر میں پیدا ہوئے۔ والد نے آپ کو بھی ۱۹۲۱ء میں حضرت بےخودؔ کے تلامذہ میں شامل کروادیا تھا۔اورئینٹل کالج، لاہور سے تعلیم حاصل کی۔ لاہور میں آپ کو علامہ اقبالؔ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ بیکانیر کی ان مایہ ناز ہستیوں میں شمار کئے جاتے ہیں جن پر بیکانیر کو فخر ہے۔آپ کے مجموعۂ کلام میں ''اوراق پریشاں'' ''کشت غالب درزمین غالب'' ''بادہ خوش رنگ'' وغیرہ مشہور ہیں۔ ۱۹۷۸ء میں آپ کا انتقال ہو گیا۔''اوراق پریشاں'' کے نام سے آپ کا کلیات، آپ کے صاحبزادے حاجی خورشید احمد نے ۲۰۰۰ء میں شائع کیا تھا۔اسی کلیات سے نعتیہ کلام پیش ہے۔

نعت

حشر میں کام نہ کوئی بھی مری جاں آیا　　میری بگڑی کو بنا نے ترا احساں آیا
دیکھ کر شان تری اہلِ فلک تھے حیراں　　مرحبا صل علیٰ عرش کا مہماں آیا
بن گیا عرش معلیٰ دلِ ویراں میرا　　ترا ارمان مرے دل میں جو مہماں آیا

شوقِ پرواز کے پھر اور نئے پر نکلے جب نظر دور سے طیبہ کا گلستاں آیا
خوفِ عصیاں نہ رہا کچھ بھی گنہ گاروں کو عرصۂ حشر میں جب شافعِ عصیاں آیا
مرتبہ امتِ محبوب کا دیکھا راسخ پیشوائی کو درِ خلد پہ رضواں آیا

نعت

قران کے نازل ہونے سے تصدیق رسالت ہوتی ہے
سرکار جو منھ سے کہتے ہیں قرآن کی آیت ہوتی ہے
مسجودِ ملائک دنیا میں اس شخص کی تربت ہوتی ہے
وہ ہاتھ مقدس ہوتا ہے جس ہاتھ پہ بیعت ہوتی ہے
اٹھ جاتا ہے پردہ غفلت کا جب ان کی زیارت ہوتی ہے
مرمر کے لحد میں جینے کی بس ایک ہی صورت ہوتی ہے
صف بندیٔ مومن ہوتی ہے، تکمیل فرائض کی صورت
جب نامِ محمد لیتا ہوں مقبول عبادت ہوتی ہے
وہ نور کی جانب بڑھتا ہے جو رازِ دروں سے واقف ہو
جب شکر کے سجدے ہوتے ہیں اللہ سے قربت ہوتی ہے

(اوراق پریشاں (کلیات راسخ) مرتبہ۔خورشید احمد۔لومس آفسیٹ پریس، دہلی ۲۰۰۰ء)

کیفؔ ٹونکی۔(۱۸۶۰ء۔۱۹۴۰ء):

پورا نام عالم گیر خاں تھا۔۱۸۶۰ء میں ٹونک میں پیدا ہوئے۔والد کا نام جہانگیر خاں تھا۔ابتدائی تعلیم اصغرعلی آبروؔ سے حاصل کی۔ٹونک کے شعری ماحول میں کیفؔ کا ذوق شاعری پروان چڑھا۔پہلے امیرؔ مینائی سے اور بعد میں اسدؔ لکھنوی سے فیض حاصل کیا۔اسدؔ لکھنوی نے ان کو'امام الشعراء' کا لقب دیا۔ ان دنوں ٹونک میں ملازم تھے۔کیفؔ، پاٹن (جھالاواڑ) کے دربار سے وابستہ ہو گئے تھے۔مہاراجہ بھوانی سنگھ ان کی قدر کرتے تھے۔کچھ عرصہ کیف کا قیام لکھنو میں بھی تھا۔اس لئے لکھنو کے رنگ شاعری سے بخوبی واقف تھے۔وہ فن عروض کے ماہر اور قادرالکلام شاعر تھے۔انھوں نے نعت،غزل،قصیدہ،رباعی،اور قطعات وغیرہ میں طبع آزمائی کی تھی۔خاص طور پر نعت گوئی ان کا میدان تھا۔''وسیلہ شفاعت'' کے نام سے ان کا نعتیہ مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔غزلوں کا مجموعہ''دیوان کیف'' کے نام سے منظر عام پر آیا۔

(دبستان امیرؔ مینائی۔عرفان عباسی۔نظامی پریس، لکھنؤ۔۱۹۸۵ء۔ص۔۳۱۵)

''وسیلہ شفاعت''، مطبع انوار محمدی، آگرہ سے، ۱۳۲۸ھ ہجری، مطابق ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا تھا۔۱۶۲ر صفحات کا دیوان نعتیہ کلام پر مشتمل ہے۔ اسدؔ لکھنوی کی تقریظ بھی اس میں شامل ہے۔ جھالا واڑ کے حکمراں آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ مطبوعہ دیوان سے آپ کا نمونہ کلام پیش کیا جا رہا ہے۔

نعت

مرے نزدیک ہے آفاق کا سردار ہو جانا غلامانِ غلامِ احمدِ مختار ہو جانا
یہ قربِ خاص حاصل تھا تو حضرت ہی کو حاصل تھا کہ گھر بیٹھے خدا کا محرمِ اسرار ہو جانا
شفا اچھی مریضِ غم کہ ان کا مہرباں ہونا جو اچھا ہو تو اچھا ہو کے پھر بیمار ہو جانا
دکھا دینا محمد کا کسی دن خواب میں جلوہ کبھی اے بختِ خفتہ تو ذرا بیدار ہو جانا
مبارک ہو غلامانِ نبی آتے ہیں جنت میں سنور کر آج اے حورو ذرا تیار ہو جانا
مے الفت اگر پی ہے تو رہنا کیفؔ ہر دہن میں کبھی بیخود کبھی غافل کبھی ہوشیار ہو جانا

نعت

ہے گرم دو عالم میں بازار محمد کا کونین میں چلتا ہے دینار محمد کا
محبوبِ خدا کو تم اور دیکھ لو بے پردہ دشوار ہے اے موسیٰ دیدار محمد کا
معراج کی شب کیا تھی خلوت تھی محمد کی ہنگامۂ محشر ہے دربار محمد کا
پردہ رخ انور کا ایک پردۂ وحدت ہے آئینۂ خالق ہے رخسار محمد کا
خلاق دو عالم تو پیارا ہے محمد پر اور امتِ عاصی پر ہے پیار محمد کا
جاروب کش اس در کا اعلیٰ سے بھی اعلیٰ ہے اچھوں سے بھی اچھا ہے بیمار محمد کا
جس نے کہ انھیں جانا اللہ کو پہچانا دیدار خدا کا ہے دیدار محمد کا
تقریر ہے مستانہ ہے ہاتھ میں پیمانہ یہ کیفؔ ہے دیوانہ سرشار محمد کا

(دیوان کیف، وسیلہ شفاعت۔ عالم گیر کیف ٹونکی۔ مطبغ انوار محمدی، آگرہ۔ ۱۳۲۸ر ہجری)

دیگر نعتیہ اشعار:

ہر چیز میں ہے نور محمد کی ذات کا پھیلا وَ ایک جز ہے کل کائنات کا
اے کیفؔ ان کا دست کرم عاصیوں پہ ہے اونچا ہے شاخ جرم سے طرّہ نجات کا
جو دامان نبی ہاتھ آ گیا تو ہم بتا دینگے کہ دیکھو عاصیو، دامان رحمت اس کو کہتے ہیں

شفاعت نام ہے اس کا شفاعت اس کو کہتے ہیں	خدا سے اپنی امت بخشوالی حشر سے پہلے

(تذکرہ شعراء راجپوتانہ، پہلی جلد۔ پہلا ایڈیشن۔ راجپوتانہ اردو ریسرچ اکیڈمی، جے پور۔ ص۔ ۳۳۰)

محمد شریف خاں سیفؔ ٹونکی۔ (۱۹۰۰ء۔ ۱۹۷۰ء)

عالم گیر کیف ٹونکی کے صاحبزادے تھے۔ ٹونک میں ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ کافی عرصہ والد کے ساتھ جھالاواڑ میں گزارا۔ شاعری میں والد سے ہی تلمذ تھا۔ ان کے تین شعری مجموعے شائع ہوئے تھے۔ دیوان سیف۔ گلدستہ سیف۔ جوہر سیف۔ مگر ان تک پہنچ نہ ہوسکی۔ چند نعتیہ اشعار بطور نمونۂ کلام پیش ہیں۔

فرشِ زمیں پہ یہ دھوم ہے درود و سلام کی	عرشِ بریں پہ آپ کی نغمہ سرائی ہے
کرتے ہیں فرشتے بھی طواف شہِ والا	یہ گھر بھی تو اللہ کے محبوب کا گھر ہے

....

اللہ غنی آپ کا رتبہ کوئی دیکھے	پھر رتبہ اعلیٰ کو ذرا دیکھ کر سمجھے
سمجھے تو پھر اس شعر کے مضمون کو سمجھے	جبریلِ امیں بیٹھے تو زانوئے ادب سے

اللہ رے اے مسندِ زانوئے محمد

سید یوسف علی یوسفؔ (پ۔ ۱۸۸۰ء)

۱۸۸۰ء میں جھالاواڑ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید یعقوب علی جھالاواڑ کے دربار سے منسلک تھے۔ دربار ہائی اسکول جھالاواڑ سے ۱۹۰۶ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ بعدہ کچھ عرصہ اسی اسکول میں میں بحیثیت مدرس ملازم رہے، اس کے بعد ریاست میں ملازمت اختیار کی۔ نعت کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

ذکرِ حق کی مے کا جو دیوانہ و مدہوش ہے	جامِ ساغر ہو نہ ہو وہ محوِ نوشا نوش ہے
کروں کیا وصف ان کا جن کا خود خالق ثنا خواں ہو	خدا کے بعد ان کے مرتبے کو کوئی کیا پہنچے
یوسفؔ آبرو رکھیں گے وہ میری آس تو ہے	جنھوں نے تجھ جیسے ہزاروں کی آبرو رکھ لی
ازل سے جو قسمت کا مارا ہوا ہے	درِ پاک پہ آکے قسمت جگالے

ثابتؔ۔ افضل حسین۔ ناظر عدالت دیوانی، کوٹہ۔) ۱۸۶۱ء۔ ۱۹۴۱ء)

کوٹہ میں ثابتؔ لکھنوی سب سے اہم شخصیت ہیں۔ جنھوں نے اپنی تمام زندگی ادب کی تخلیق

اور تصنیف و تالیف میں بسر کی تھی، ان کا اصل نام افضل حسین تھا۔ ۱۸۶۱ء میں لکھنو میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ آپ کو اوجؔ لکھنوی سے تلمذ حاصل تھا۔ پہلے بھرت پور گئے۔ وہاں سے جعفر حسین جعفری کے ساتھ کوٹہ آئے۔ بقول مفتونؔ کوٹوی، ۱۸۸۰ء میں بغرض تلاش معاش کوٹہ آ گئے۔ تمام عمر کوٹہ میں بسر کی۔ پہلے ملازمت میں رہے بعد میں وکالت کو پیشہ بنایا۔ ۷۹/سال کی عمر میں ۱۹۴۱ء میں ان کا وصال ہوا۔ ان کی تمام صلاحیتیں یہیں پر بیدار ہوئیں اور اپنی معرکتہ لآرا تصانیف مکمل کیں۔ جیسے، حیات دبیر، دربار حسین، صبر جمیل، جلوہ گاہ پیغمبر، وغیرہ۔

نعتیہ رباعی

پیدائش عالم کا سبب احمد ہیں　　حقا کہ عجب رحمتِ رب احمد ہیں
ہیں اور نبی محبِّ حق یہ محبوب　　خاصان خدا میں منتخب احمد ہیں

☆

پیرو احمد کا کب بہکنے پایا　　کی جس نے اطاعت کب بھٹکنے پایا
کیا نور خدا کو ظلم وظلمت سے ہے کام　　سایہ بھی قدم تک نہ پھٹکنے پایا

(جلوہ گاہ پیغمبر۔ص۔۶۲)

مظفر حسین مظفرؔ (پ ۱۹۲۸ء)

۱۹۲۸ء کو جھالا واڑ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حاجی عبدالرحمٰن تھا۔ آپ نیرنگؔ کاکوری ثم جھالا واڑی کی یادگار ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد شفیقؔ جھالا واڑی سے مشورہ سخن کیا۔ جھالا واڑ کے آیور ویدک دواخانہ میں بحیثیت وید مقرر تھے۔ اسی عہدے سے رٹائر ہوئے۔ فی الوقت جھالا واڑ میں پر سکون ایام گزار رہے ہیں۔ آپ کے والد بھی فن جراحی میں ماہر تھے مہاراجہ راجندر سنگھ نے ان کے لئے بیس روپے ماہوار مقرر کر رکھے تھے۔ والد صاحب کی ملازمت مکمل ہونے کے بعد ۱۹۴۸ء میں مظفرؔ صاحب کو ان کی جگہ ملازمت دے دی گئی تھی۔

عربی، فارسی اور اردو پر پوری دسترس رکھتے تھے۔ نیرنگؔ کاکوری کی شاگردی میں آنے کے بعد شاعری میں نکھار آ گیا۔ غزل کے علاوہ آپ نے نعت اور منقبت میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ میرے پیش نظر آپ کا ایک مجموعہ کلام ''گلدستہ نعت و بہار'' ہے۔ جسے سیدہ انجم نے مرتب کیا ہے اور اسباق پبلی کیشنس، پونہ نے اسے شائع کیا ہے۔ اسی سے نمونہ کلام پیش ہے۔ نعتیہ اشعار:

جب عرب کا قمر جلوہ آرا ہوا
ذرہ ذرہ زمیں کا ستارا ہوا
چھٹ گئیں بدلیاں کفر و ظلمات کی
تیر گی میں وہ آ ئے اجالا ہوا
فخر اہل فلک نا روا ہو گیا
اک بشر جب حبیب خدا ہو گیا
ہو گئی جب مظفؔر پہ نظر کرم
ہر عمل اس کا کھو ٹا، کھرا ہو گیا
رحمت حق نے لیا بڑھ کر مجھے آغوش میں
یا نبی جب آ پ کی چشم عنایت ہوگئی
عشق احمد ہی میں ہے پوشیدہ عشق کبریا
جس نے سمجھا عاشقوں میں اس کو سبقت ہوگئی

رضی الدین رضاؔ (۱۹۱۴ء۔ ۲۰۰۲ء):

پورا نام رضی الدین تھا۔سنجیدہ شاعری اور نعت گوئی میں رضاؔ تخلص اور مزاحیہ شاعری میں بے پرؔ تخلص اختیار کیا۔والد کا نام سلطان الدین تھا۔ جے پور میں ہی پیدا ہوئے ، جے پور میں ہی تعلیم پائی۔آپ نے جے پور کے کئی اساتذہ کو دیکھا بھی ہے اور صحبت بھی پائی ہے۔شاعری میں یوسف علی خاں عزیزؔ (تلمیذ آگاہ دہلوی شاگرد مرزا غالبؔ) سے تلمذ حاصل تھا۔جن اساتذہ کو انھوں نے دیکھا اور سنا، ان میں سے مائلؔ دہلوی، نظیر حسن سخاؔ، مولانا سہا، فدا حسین فداؔ، مولانا اشفاق رسول جوہرؔ، عابد علی ہلالؔ، وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔کچھ نعتیہ منتخب اشعار پیش کرتا ہوں۔

نعت

خالق ہی حضور آپکا جب مدح سرا ہو
مخلوق سے نعت آ پکی کس طرح ادا ہو
دنیا جنھیں کہتی ہے کہ محبوب خدا ہو
وہ آپ ہی اے صل علیٰ صل علیٰ ہو
اللہ کے محبوب ہو صادق ہو امیں ہو
توصیف حضور آ پکے اوصاف کی کیا ہو
وہ جن و بشر ہوں کہ ہوں وہ حور و ملائک
وہ کون ہے جس پر نہ کرم تم نے کیا ہو
کھل جائیگی اس وقت شفاعت کی حقیقت
امت ہو حضور آپ ہوں اور روز جزا ہو
بے پرؔ ہوں اڑا کر مجھے پہنچا دے مدینہ
اتنا سا کرم مجھ پر بھی اے بادِ صبا ہو

نعت

صداقت کے دھنی تم پر صداقت ناز کرتی ہے
امام الانبیاء تم پر امامت ناز کرتی ہے
نہ گھبراو گنہگارو سرِ محشر وہ آئینگے
خدا کے روبرو جن کی شفاعت ناز کرتی ہے
ادھر کونین کے مالک ادھر فاقہ پہ فاقہ
شہنشاہ دو عالم پر قناعت ناز کرتی ہے

رضؔا بھی ایک گدائے بینوا ہے پھر بھی نازاں ہے
غلام مصطفیٰ ہے اس کی قسمت ناز کرتی ہے

نعت

مدینے سے ہوں دور یا کملی والے
نہ فرقت کی دیجئے سزا کملی والے

نہ طاقت نہ ہمت نہ جرأت ہے باقی
مری کاش سن لو صدا کملی والے

وہ عاصی ہے محشر میں تم لاج رکھنا
تمہارا ہے خادم رضؔا کملی والے

حافظ منظور ادیب (۱۹۲۶ء۔ ۲۰۰۶ء):

حافظ منظو احمد ادیبؔ کا نام جے پور کے اہل ادب حضرات میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اردو ادب سے ان کے لگاؤ اور جذبہ کو دیکھتے ہوئے راجستھان اردو اکیڈمی نے ۱۹۹۸ء میں ''اردو رتن'' کے خطاب سے نوازا اور اعزاز دیا۔

ادیبؔ صاحب ۱۹۲۶ء میں جے پور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شیخ سلطان الدین تھا۔ روایتی طریقہ پر جو اس زمانے میں رائج تھا قرآنی تعلیم حاصل کی اور حافظِ قرآن بنے۔ ساتھ ہی اردو و فارسی کی تعلیم بھی جاری رہی۔ آپنے اس زمانے کے نامور استادوں سے تعلیم حاصل کی جن میں سے دو کے نام قابلِ غور ہیں۔ ایک جناب یوسف علی خاں اور دوسرے مولوی محمد اسماعیل خاں صاحب۔ ان کے علاوہ ادیبؔ صاحب نے مولوی عبد الرشید فاضل قرولوی سے بھی استفادہ کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے ادیب اور ادیب فاضل کے امتحانات پاس کئے۔ جب جوان ہوئے تو جے پور کا ادبی ماحول عنفوان شباب پر تھا۔ ایسے ماحول میں رہ کر جو احباب چنے وہ ہم مزاج تو تھے ہی ساتھ ہی جے پور کا نام ہندوستان میں روشن کرنے والے حضرات تھے۔ چالیس سے پچاس سال تک یہ گروہ نہ صرف منظّم رہا بلکہ جے پور کے اردو ادب کو ایسی روانی بخشی جو اس سے پہلے نہ تھی۔

نعت

اک شاہ کارِ خالق اکبر تم ہی تو ہو
بعدِ خدا افضل و برتر تم ہی تو ہو

اس کائنات کو اگر اِک سلطنت کہیں
اس سلطنت کے دائمی قیصر تم ہی تو ہو

جو اک نگاہ ڈال کے قسمت سنوار دے
انسان کے وہ یاور و ناصر تم ہی تو ہو

لولاک اصل میں ہے تمہاری ہی شان میں
اس گردش حیات کا محور تم ہی تو ہو

ہر مادّی وجود کا سایہ ہے لازمی
شکل بشر میں نور کا پیکر تم ہی تو ہو

حاضر ہے یہ ادیبؔ لیے کاسۂ گدا
مایوس یوں نہیں ہے کہ یاور تم ہی تو ہو

راحت۔امام الدین شاہ مسکینیؔ۔(۱۹۱۹ء۔ ۱۹۸۲ء)

آپ جے پور میں ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد وزیرالدین سرکاری ملازم تھے۔آپ جے پور کے مشہور صوفیا سے تھے۔حضرت صادق علی شاہ مسکینی کے سلسلہ میں بیعت تھے۔نہایت ملنسار اور خوش مزاج شخص تھے۔غزل میں ناظم عزیزی سے تلمذ تھا اور نعت میں مولانا کوثر سے مشورہ کرتے تھے۔ ۱۹۸۲ء میں آپ کا وصال ہوا۔آپ کے وصال کے بعد آپ کے خلیفہ حاجی الیاس مسکینی نے آپ کا مجموعۂ کلام شائع کیا۔جس میں حمد،نعت،غزل،قطعات،منقبت وغیرہ شامل ہیں۔اسی مجموعہ سے نمونۂ کلام پیش ہے۔

نعت

اشارہ چشم رحمت کا اگر سرکار ہو جائے — تو ہم عاصی گناہ گاروں کا بیڑا پار ہو جائے
بلا سے ہوش جائے جان جائے دم نکل جائے — مگر اے رحمت عالم ترا دیدار ہو جائے
پھر اس امت کو کیا فکرِ قیامت کیا غمِ دوراں — کہ جس امت کا خود شاہِ امم غمخوار ہو جائے
چلے آئیں اگر وہ خوابِ راحت بن کے آنکھوں میں — تو یہ سوئی ہوئی قسمت مری بیدار ہو جائے
تمہارا ایک ادنیٰ امتی ہے راحتؔ مسکیں — کرم کی ایک نظر اس پر بھی اے سرکار ہو جائے

نعت

شکل بشر میں نور خدا آپ ہی تو ہیں — کون و مکاں میں جلوہ نما آپ ہی تو ہیں
تخلیقِ کائنات کا عنوان آپ ہیں — تعمیرِ دو جہاں کی بنا آپ ہی تو ہیں
سلطانِ کائنات، دو عالم کے تاجور — مسند نشینِ عرش علا آپ ہی تو ہیں
بخشش کی فکر راحتؔ مسکیں کیوں کرے — سب کے شفیع روز جزا آپ ہی تو ہیں

(سامان راحت۔امام الدین راحت مسکینی۔ناشر۔حاجی الیاس مسکینی،جے پور۔ ۲۰۰۹ء)

کوثرؔ۔تلمیذ مائلؔ دہلوی(۱۸۷۱ء۔۱۹۵۷ء):

آپ ۱۸۷۱ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔محمد منظور ۱۲۸۸ھ آپکا تاریخی نام ہے۔والد کا نام مولانا وارث علی تھا۔آپ کا خاندان صدیوں سے علم و فضل،ورع،تقویٰ،تعلیم وتعلم اور صحیح النسبی میں مشہور چلا

آرہا ہے۔آپ کا نسب چونتیس واسطوں سے سیدنا ابوبکر صدیق تک پہنچتا ہے۔(موج کوثر۔ص۔۴)
آپ کے آباواجداد میں بڑے بڑے باکمال عالم وفاضل اور خدارسیدہ درویش کامل گزرے ہیں۔اور آپ کے بزرگ کئی پشتوں تک شاہان مغلیہ کے طبیب اور اتالیق رہے۔(موج کوثر۔ص۔۵)

جے پور آنے کے بعد شروع میں آپ کی تقرری چاند پول اسکول میں بحیثیت ہیڈ مولوی ہوئی۔ پھر آپ اورئینٹل کالج میں فارسی کے مدرس ہو گئے۔ ۳۷؍سال ملازمت کرنے کے بعد ۱۹۳۴ء میں آپ کو پنشن مل گئی۔(ص۲۰۔۲۱)

آپ کے پاس مستقل آنے والوں میں نوراحمد تنویرؔ،شادؔ جے پوری،نازشؔ جے پوری،ممتاز حسین متینؔ،مرزا اختر بیگ اخترؔ، پارساؔ کوثری وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔آپ کے شاگردوں میں مندرجہ ذیل حضرات کا نام لیا جاتا ہے۔پارساؔ کوثری،چاند نرائن ٹکو مہرؔ،منظرؔ کوثری،عبدالغفور شیداؔ،بھنور سنگھ نازشؔ،عشرتؔ مینائی اور حسینؔ کوثری۔مولانا کوثر کا انتقال جے پور میں ۵؍دسمبر ۱۹۵۷ء کو ہوا۔آپ کے چند نعتیہ اشعار پیش ہیں۔

دیدہ حیراں میں رہے یا دل بیتاب میں ۔۔۔ یہ بھی مسکن آپ کا وہ بھی مسکن آپ کا

......

خضر بھی راہ میں تری ہیں بھٹکتے پھرتے ۔۔۔ خود مسیحا بھی ہے بیمار ترے کوچے میں

......

میں اگر چاہوں تو قسمت میں جو ہے وہ بھی نہ ہو ۔۔۔ تو اگر چاہو تو وہ ہو جو مقدر میں نہیں

......

مشفیع المذ نبیں ہیں رحمتہ العالمیں ہیں وہ ۔۔۔ بشارت دیتی ہے یارب مجھے مری خطا کیا کیا

......

خدا ہے تم سے جدا محمد، نہ تم خدا سے جدا محمد ۔۔۔ جو ہے تمہاری رضا محمد، وہی خدا کی رضا محمد

......

خدا کے سامنے بھی مجھ سے پوچھو گے تو کہہ دونگا ۔۔۔ تمہارا ہوں تمہارا ہوں تمہارا یارسول اللہ

......

وہاں لن ترانی یہاں من رآنی ۔۔۔ مہو اہل عرفان یہ کیا ماجرا ہے

......

شفاعت محمد کی رحمت خدا کی قیامت کے دن اور ہونا ہی کیا ہے

......

ایک رحیم ایک کریم اک محبّ اک محبوب حشر ہونا ہے مگر حشر میں کیا ہونا ہے

مونسؔ۔خدادادخاں۔(۱۹۳۸ء۔۲۰۱۷ء)

آپ کی پیدائش جے پور میں ۱۹۳۸ء میں ہوئی۔جے پور کے مہاراجہ کالج سے انٹر کا امتحان پاس کر کے مزید تعلیم کے لئے علی گڑھ بھیجے گئے۔جہاں سے بی ایس سی اور ایل ایل بی کے امتحانات پاس کئے۔راجستھان سرکار نے آپ کو آر۔اے۔ایس سروس کے لئے منتخب کرلیا۔آپ کچھ عرصہ الور میں اسسٹنٹ کلکٹر مجسٹریٹ بھی رہے۔ ۱۹۷۹ء میں جب راجستھان اردو اکیڈمی قائم ہوئی تو آپ اس کے سیکریٹری بنائے گئے۔اس کے علاوہ آپ ٹونک کے اے۔پی۔آر۔آئی کے ڈائرکٹر اور درگاہ اجمیر کے ناظم بھی رہے۔

آپ ایک ادبی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔آپ کے والد منشی ایوب خاں فضا کی ادبی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ان کو حضرت آگاہ سے سیدھا تلمذ حاصل تھا۔بعد میں اشفاق رسول جوہر کے اصرار پر فضا جوہر کی شاگردی میں آگئے۔مونسؔ صاحب نے اپنے والد فضا صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا۔اس لحاظ سے حضرت آگاہ آپ کے دادا استاد ہیں۔

آپ نے شاعری کی سبھی اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔شعری مجموعوں کے علاوہ اب تک آپ کی ایک درجن سے زائد کتب شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔راجستھان کے اردو ادب میں آپ کو بڑا مقام حاصل ہے۔نیز فن تاریخ گوئی میں دور دور تک کوئی آپکا ہم سر نظر نہیں آتا۔''مشکوٰۃ التاریخ'' آپ کے تاریخی قطعات کا مجموعہ ہے۔آپ کی دیگر کتابوں کے نام یہ ہیں۔ترجمان الفرید۔بخشش کی راہوں۔میں۔پرفضا۔طاق۔نسیاں۔سعادت۔کبریٰ۔دیوان اخگر۔کلام جوہر۔بکھرے ہوئے اوراق۔ان کے علاوہ راجستھان کے کئی مشہور شعراء پر آپکے مونوگراف اردو اکیڈمی سے شائع ہوئے ہیں۔بحیثیت انسان آپ نہایت مخلص شخص تھے۔دل جوئی کرنا آپ کا خاص عمل تھا۔اس سلسلے میں کبھی کسی کو مایوس نہیں کیا۔چھوٹا ہو یا بڑا ہر ایک سے محبت اور اخلاق سے پیش آتے تھے۔آپ کی ادبی خدمات پر ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے مقالات لکھے جاچکے ہیں۔نمونہ کلام:

نعت

زمین کس لئے جنت پہ مسکرائی ہے یہ بات جا کے مدینہ میں سمجھ میں آئی ہے

کوئی بتائے تو کیا شانِ مصطفائی ہے ادھر خدا ہے ادھر مدح خواں خدائی ہے
الجھ رہے ہیں نکیرین ان کی یہ ہمت دہائی ہے شہِ دیں آپ کی دہائی ہے
منائیں جشن بہاراں مکین خلد بریں نسیم خوشبوئیں بطحا سے لے کے آئی ہے
ہزار شکر زمیں بوسِ طیبہ ہے مونسؔ وگرنہ زندگی اب تک یونہی گنوائی ہے

(باقیات۔ مجموعۂ کلام۔ خدادادخاں مونسؔ۔ ۲۰۱۷ء)

عزیزؔ۔ حافظ یوسف علی خاں، تلمیذ آگاہؔ دہلوی (۱۸۸۹ء۔۱۹۷۵ء):

آپ ۱۸۸۹ء میں ٹونک میں پیدا ہوئے۔ مہاراجہ کالج، جے پور میں تعلیم حاصل کی۔ حضرت آگاہؔ دہلوی سے تلمذ حاصل تھا۔ آپ صرف عمدہ شاعر ہی نہیں بلکہ ایک بہت بڑے نثر نگار بھی تھے۔ سو سے زیادہ تصانیف آپ سے منسوب ہیں۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق جیسی ہستی نے عزیزؔ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ مولوی عبدالحق نے فرمایا تھا۔

یہ ایک فرد ہے انجمن کے برابر گل تازہ ہے کل چمن کے برابر

یہاں حضرت عزیزؔ کے اس نعتیہ قصیدہ کے چند اشعار پیش کئے جارہے ہیں جو انھوں نے لکھنؤ میں پڑھا تھا اور لکھنؤ والے منھ تاکتے رہ گئے تھے۔

گلشن اسلام میں ایسی بہار آئی کہ بس فصل گل نے اس طرح لی ایک انگڑائی کہ بس
اس محمد سے ہوئی وہ عالم آرائی کہ بس ہے ولادت ہی میں ایسا حسن یکتائی کہ بس
حسن یوسف کا بھی شہرہ تھا بجا لیکن عزیزؔ دل کو وہ حسن محمد کی ادا بھائی کہ بس

ذیل میں عزیزؔ کے نعتیہ مجموعے ''نغمۂ عندلیب'' سے دو نعت پیش کی جارہی ہیں۔

نعت

جس کو عشق نبی حضرت خیر الوریٰ ہو جائے گا دیکھ لو قرآں وہ محبوب خدا ہو جائے گا
روئے انور سے ذرا پردہ اٹھانے کی دیر ہے دیکھنا حسن آفریں تک مبتلا ہو جائے گا
مومنو! ختم رسل حق نے بنایا آپ کو کون کہتا ہے کہ پیدا آپ سا ہو جائے گا
حق نے اپنے نام بخشے شان بخشی آپ کو اب کوئی محبوب یوں اللہ کا ہو جائیگا؟
لے اڑیں گے ان کی امت کو براق تیزگام راستہ پل کا سفر معراج کا ہو جائے گا
دیکھ کر شان کریمی پھیل جائینگے عزیزؔ دامن امید دل دست دعا ہو جائیگا

نعت

جمالِ حضرتِ خیر الوریٰ کو دیکھ لیا کمالِ قدرتِ ربّ العلاء کودیکھ لیا
نگاہ کیوں نہ حقیقت شناس ہو جائے کہ ایسے بندۂ حق آشنا کو دیکھ لیا
زبانِ دل سے پڑھا کلمۂ شہادت جب خدا کو جان لیا مصطفےٰ کو دیکھ لیا
ستانے والوں کے حق میں دعائے بخشش ہے ترے کرم ترے دستِ دعا کو دیکھ لیا
کس آستانِ مبارک پہ ہے جبینِ نیاز عزیزؔ آج تو بختِ رسا کو دیکھ لیا

شکیبؔ۔ممتاز شکیب (وفات۔ ۲۰۰۱ء):

مشہور افسانہ نگار اور ڈرامہ نگار تھے۔ جے پور کے ریڈیو اسٹیشن میں ملازم تھے۔ روایتی شاعری پسند فرماتے تھے۔ مختار الرحمٰن راہیؔ، منظور ادیبؔ، رضاؔ شمیم، ستارؔ جے پوری، کیفیؔ ایوبی کے ہم عصر تھے۔ ۲۳؍جون۔ ۲۰۰۱ء کو جے پور میں انتقال کیا۔ غزل کے علاوہ اکثر نعت کہا کرتے تھے۔ ایک نعت کے چند اشعار پیش کر رہا ہوں۔

حدیث ارتقائے آدمیت ناز کرتی ہے زمیں سے تا فلک اس کی مسافت ناز کرتی ہے
ہوئی تھی گفتگو معراج شب جو آسمانوں پر اسی علم و تعلم پر خطابت ناز کرتی ہے
معیادِ شب کی تاریکی ہوئی گم اس کی آمد سے اسی شمع ہدایت پر شریعت ناز کرتی ہے
جہاں غارِ حرا کی آنچ میں دل کو تپایا تھا اسی سوز دروں بیں پر عبادت ناز کرتی ہے
نظارا کر لیا جس نے شکیبؔ ان کے روضے کا فقط آنکھیں نہیں اس پر بصیرت ناز کرتی ہے

(ایک قلمی مخطوطہ سے)

ناظمؔ عزیزی۔ (۱۹۰۰ء۔ ۱۹۵۸ء):

منشی مظہر حسین نام، ناظمؔ تخلص، سنبھل ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے ابتدائی تعلیم سنبھل میں حاصل کی۔ تیرہ سال کی عمر میں اپنے والد مرحوم کے ہمراہ جے پور آئے۔ ان کے والد یہاں کچہری میں عرائض نویسی کرتے تھے۔ اپنے والد کی حیات میں اپنی تعلیم جے پور میں مکمل کی، پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ اور اپنے والد مرحوم کی جگہ عرائض نویسی کرنے لگے۔

سنبھل سے آکر جے پور میں بسے اور جے پور ہی کی خاک میں روپوش ہو گئے۔ ان کے فکر و فن کے متعلق کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا، ان کا کلام ہی قاری کو سب کچھ کہنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ پروفیسر

فیروز احمد فرماتے ہیں۔''۱۹۳۰ء کے بعد یوسف علی خاں عزیزؔ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ شفیق استاد نے اپنی حقیقی اولاد سے زیادہ آپ کی ناز برداری کی۔ بقول حافظ منظور ادیبؔ ''ناظم ایسا ذہین اور بے باک شاعر اور حافظ صاحب ایسے باکمال استاد، ناظم پر وہ رنگ چڑھا کہ حافظ صاحب قبلہ کے دوسرے شاگردان رشید کے رنگ ماند پڑ گئے۔'' (نغمات آزادی، ص۔۲۹۵)

نعت

ہم اس کے ہیں جس کی ہے سراپا ذات نورانی ہم اس کے ہیں نہیں کونین میں جس کا کوئی ثانی
ہم اس کے ہیں جس کا ہے لقب محبوب یزدانی ہم اس کے ہیں کہ جس نے آل کی، کی ہم پہ قربانی
مجھے پرواہ نہیں گر بحرِ عصیاں میں ہے طغیانی پہنچ جائے گی ساحل پہ مری کشتی با آسانی
وہ عاصی ہوں کہ جس کی رحمتِ حق خود ہے دیوانی گناہوں سے نہیں محشر میں کچھ مجھ کو پشیمانی
مرا جب کام ہے ناظم محمد کی ثنا خوانی ہمارے سامنے نارِ جہنم کیوں نہ ہو پانی

بارگاہِ نبوت میں فریاد

حد سے گذرا تری امت کا پریشاں ہونا
صرف اب رہ گیا گم گشتۂ دوراں ہونا

تیرے اسلام کو لے جائیں کہاں شاہ عرب
ہر جگہ جرم میں داخل ہے مسلماں ہونا

بارگاہِ نبوت سے ارشاد ہوتا ہے
تیرے کردار سے ہے تیرا پریشاں ہونا

ورنہ مشکل نہیں مشکل تری آساں ہونا
دونوں عالم پہ حکومت ہو تری اے مسلم
تو سمجھ جائے اگر اپنا مسلماں ہونا

شاہ عبدالحلیم۔(۱۸۳۵ء۔۱۹۳۱ء)

حلیمؔ تخلص عبدالحلیم شاہ نام۔امروہہ کے شیوخ عباسی میں سے ہیں بچپن ہی سے طبیعت میں

سلامتی اور اطوار میں سنجیدگی تھی۔ آغاز جوانی میں وطن سے نکل کر جے پور آئے۔ اور محکمہ فوج میں ملازم ہو گئے۔ چونکہ اوراد و وظائف کی طرف شروع سے میلان خاطر تھا۔ اس لئے تلاش مرشد کامل میں سفر بہت کئے۔ آخر گھر بیٹھے جے پور میں خاندان نقشبندی میں مرید ہو گئے۔ مرید ہونے کے بعد طبیعت کا رنگ بالکل بدل گیا۔ شہرت اور ناموری سے گریز اہل دنیا سے بے تعلقی اور ملازمت کی پابندیوں سے نفرت ہونے لگی۔ ترک تجرید نے غلبہ کیا لیکن ضبط سے کام لیتے رہے جب شوق بے خودی کی حدت تک پہنچا تو قید ملازمت سے دست بردار ہو گئے۔ چوں کہ شادی شدہ نہ تھے۔ اس لئے اہل و عیال کا کچھ غم نہ تھا۔ اب آپ سراپا توکل میں محض صبر و قناعت کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے۔

نعت

ہر دم لگا ہوا ہے جاناں خیال تیرا ۔۔۔ آنکھوں میں پھر رہا ہے حُسن و جمال تیرا
دم بھر جُدا نہیں ہے مُجھ سے خیال تیرا ۔۔۔ حاصل ہے اس طرح سے ہر دم وصال تیرا
تیری تجلیوں کی انساں کو تاب کیا ہو ۔۔۔ حورو ملک ہیں حیراں یہ ہے جلال تیرا
مرنے کے بعد عاشق ! تجھ کو ہوئی زیارت ۔۔۔ آغاز سے ہوا ہے جاہ و جلال تیرا
اے ہادئی شریعت اے رہبرِ طریقت ۔۔۔ اللہ جانتا ہے جاہ و جلال تیرا
کوئی حسین تجھ سا ہرگز ہوا نہ ہو گا ۔۔۔ اے ذاتِ حق کے دلبر وہ ہے جمال تیرا
اللہ نے بُلایا عرشِ بریں پہ تجھ کو ۔۔۔ عالم پہ ہورہا ہے ظاہر کمال تیرا
ہاتھوں سے تیرے رحمت تقسیم ہو رہی ہے ۔۔۔ ہے عام سب جہاں پر جو دو نوال تیرا
کہ اے حلیم حق سے یثرب کی حاضری کو ۔۔۔ خالق نہ رَد کرے گا ہر گز سوال تیرا

رشید احمد آحمر جے پوری۔ (وفات ۱۹۷۴ء)

عوام و خواص کا مقبول اور محبوب شاعر، مشاعروں کا بہترین ناظم، ماڈرن پوئٹس سوسائٹی کا روح رواں آحمر جے پوری اپنی زندگی کی تقریباً باسٹھ منزلیں طے کر کے چار نومبر ۱۹۷۴ء کو شام پانچ بجے اپنے حقیقی اور آخری سفر پر روانہ ہو گئے۔ آحمر کی شاعری کا نمایاں اور تابناک دور ۱۹۴۵ء سے ۱۹۷۰ء تک متعین کیا جا سکتا ہے۔ یہ دور ہر اعتبار سے شاہکار دور ہے۔ اس دور میں بہترین نعتیں، غزلیں اور فکر انگیز نظمیں تخلیق ہو کر منظر عام پر آئیں۔

نعت

گواہی دے رہاہے ہرنظارہ یارسول اللہ تم ہی ہو اصل میں کونین آرا یارسول اللہ
زمانہ اب سمجھتا جارہا ہے اس حقیقت کو تمہی نے زلفِ گیتی کو سنوارا یارسول اللہ
ہرایک اپنارہاہے آپ کے ذرّیں اصولوں کو حقیقت ہے یہ عالم آشکارا یارسول اللہ
وہ مغرب کا نیستاں ہوکہ مشرق کا گلستاں ہو سبق لیتا ہے تم سے ہر ادارا یارسول اللہ
اُبھرنا چاہتی ہے آج بھی ڈوبی ہوئی کشتی تمہارے نام کا لے کر سہارا یارسول اللہ
اجالوں پر ہوا جاتاہے پھر غلبہ اندھیروں کا دکھا دو پھر جمال عالم آرا یارسول اللہ
ہوا مجروح کچھ ایسا حوادث کے تھپیڑوں سے ہے غم سے دامنِ دل پارا پارا یارسول اللہ
ان آنکھوں سے نہاں ہے جنسِ شبنم کی سحرتابی مری جانب بھی ہوا اب تو اشارا یارسول اللہ
قسم ان کالی زلفوں کی صفت والّیل ہےجن کی بہت مشکل میں ہے احمؔر تمہارا یارسول اللہ

(سوانح اور کلام احمؔر۔مرتب،حافظ منظور ادیبؔ۔ناشر،شاہداحمد، ۲۰۱۲ء)

نذیرفتح پوری۔(پیدائش۔۱۹۴۶ء)

آپ کا نام آج کسی بھی تعارف کامحتاج نہیں ہے۔بین الاقوامی شخصیت کے مالک ہیں۔نذؔیرفتح پوری صرف ایک شخصیت کا نام نہیں ہے بلکہ ایک انجمن کا نام ہے۔آپ شاعر ہیں، ناول نگار ہیں، محقق ہیں، نقاد ہیں، تذکرہ نگار ہیں، ادیب ہیں، صحافی ہیں، ڈرامہ نگار ہیں، اور سب سے بڑھ کر ایک با اخلاق انسان ہیں۔

پورا نام نذیراحمد خاں ہے، ادبی نام نذؔیرفتح پوری، والد صاحب کا اسم گرامی حاجی ابراہیم خاں ہے۔ایک دسمبر ۱۹۴۶ء کوفتح پور شیخاواٹی میں پیدا ہوئے۔عتیق احمد عتیقؔ سے شاعری میں تلمذ حاصل ہے۔علامہ کالی داس گپتارضؔا (ماہر غالبیات) کے شاگرد خاص ہیں۔ان دونوں حضرات کی صحبت نے نذؔیرصاحب کو وہ سب کچھ دیا جو ایک ادبی شخص کی تمنا ہوتی ہے۔ابھی تک آپ کی کم وبیش ۸۰؍ سے زائد کتب شائع ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں۔جن میں کئی شعری مجموعے، تذکرے، تحقیقی کتب، سوانح، ناول، ڈرامے، خاکے، مضامین، وغیرہ شامل ہیں۔ملک بھر کے مختلف ادبی اداروں سے آپ کو تین درجن اعزازات اور انعامات سے نوازا جاچکا ہے۔۲۰۱۷ء میں ملک کے سب سے بڑے ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ سے بھی آپ کونوازا جاچکا ہے۔آپ پرمختلف یونیورسٹیوں سے دو پی۔ایچ۔ڈی اور ایک ایم۔فل کے مقالے لکھے جاچکے ہیں۔خود نذؔیرصاحب پر ملک کے مشاہیر نے بیس سے زائد کتب لکھی

ہیں۔ پچھلے ۳۳ رسالوں سے آپ پونہ میں رہتے ہوئے 'اسباق' (سہ ماہی) نکال رہے ہیں۔ جو آج کی تاریخ میں ہندوستان کا ایک معتبر اور معیاری رسالہ مانا جاتا ہے۔

۱۹۶۳ء سے آپ کے ادبی سفر کی شروعات ہوتی ہے۔ اور آج بھی اسی رفتار سے جاری وساری ہے۔ آپ کا ایک نعتیہ مجموعہ ''محمد نہ ہوتے تو'' بہت مشہور ہوا ہے۔ اسی سے نمونۂ کلام پیش ہے۔

نعت

اس کی ہستی بڑی درد انگیز ہے — جس کو عشق محمد سے پرہیز ہے
اس لئے نعت کہتے ہیں اہل سخن — یہ سخن ہر سخن سے اثر خیز ہے
ہے دیوانہ مدینے کی جانب رواں — چہرہ پرنور ہے اور قدم تیز ہے
آ گئے ہیں دیار محمد میں ہم — دل ہمارا تشکر سے لبریز ہے
بخشتا ہے دلوں کو یہ لذت نذیرؔ — نام احمد لطافت سے لبریز ہے

نعت

میرا دل نہ ہو کیوں نثار مدینہ — ہیں جنت سے روشن نگارِ مدینہ
رسولِ خدا کے پسینے کی بو سے — معطر ہے باغ بہارِ مدینہ
بہت ہی برے حال میں ہے یہ امت — خبر لیجئے تاجدارِ مدینہ
الٰہی دعا ہے نذیرؔ حزیں کی — کسی دن دکھا دے دیار مدینہ

(محمد نہ ہوتے تو.....از۔ نذیرؔ فتح پوری۔ اسباق پبلی کیشنز۔ پونہ۔ ۲۰۱۶ء)

عبدالسلام شفیقؔ۔ جھالاواڑ (۱۹۱۰ء۔ ۱۹۸۷ء)

جھالا واڑ میں پیدا ہوئے۔ عبدالحمید نیرنگ کاکوروی کے شاگرد تھے۔ راجستھان اردو اکادمی نے آپ کا ایک مجموعہ ''انتخاب علام شفیقؔ'' کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ آپ کی بہت سی غیر مطبوعہ تخلیقات ہیں جو منظر عام پر نہیں آسکیں۔ آپ نہایت شریف النفس انسان تھے، سرکاری مدرسہ اور پھر کالج میں اردو و فارسی کے ٹیچر تھے۔ ذیل میں آپ کا نعتیہ کلام پیش کیا جا رہا ہے۔

نعت

اسلام کے سانچے میں انسان جو ڈھل جائے — پل بھر میں اس انسان کا عالم ہی بدل جائے
جو شافع محشر کے قدموں میں مچل جائے — وہ حشر کے کھٹکوں سے بے کھٹکے نکل جائے

فردوس میں جائینگے، جو ان کے ہوئے شیدا اس بات سے دوزخ بھی جلتی ہے تو جل جائے
کیوں سیر جناں کا وہ ارمان رکھے دل میں جس کا کہ مدینے میں ارمان نکل جائے
آقائے دو عالم سے یہ سب کی گزارش ہے گرمی ہے قیامت کی سورج ابھی ڈھل جائے
ہو نعت نبی جس میں، ہو وصفِ نبی جس میں دنیا سے شفیق اپنی پڑھتا وہ غزل جائے

مرزا مائل دہلوی۔ جے پور (۱۸۵۲ء۔ ۱۹۳۴ء)

مولانا حسرت موہانی ''تذکرۃ الشعرا'' میں لکھتے ہیں۔

''آپ کی ولادت ۱۸۵۲ء میں دہلی میں ہوئی۔ خاندانی مکان ٹیا محل میں تھا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم دہلی میں رواج قدیم کے مطابق ہوئی شاعری کا شوق اثنائے تعلیم ہی پیدا ہوا۔ آپ تقریباً پچیس سال دہلی میں رہے اور اپنا کلام انورؔ دہلوی کو دکھاتے رہے۔ ۱۸۷۷ء میں آپ گوالیار اور انورؔ دہلوی جے پور چلے گئے۔ گوالیار میں آپ کا قیام دو سال تک رہا۔ بعد میں آپ بھی جے پور چلے آئے۔ سانبھر، علاقہ جے پور میں آپ عرصہ تک نائب سرشتہ دار رہے۔ آپ ایک مرد قانع اور متواضع تھے۔ رنج و غم کو ہمیشہ بھلا دیا کرتے تھے۔''

نعت

کیا اللہ کو خوش نام لے لے کر محمد ﷺ کا عجیب ڈھب حضرتِ آدم کو یاد آیا خوشامد کا
خلیل اللہ پر آتش بھلا گستاخ کیا ہوتی سنانے آئے تھے مژدہ کسی کی آمد آمد کا
خدا کی مصلحت کو عاشقِ کامل سمجھتے ہیں کہ اس نے رکھ لیا ہے کس لئے سایہ ترے قد کا
بتا دیتے سمجھنے والے سارے راز پوشیدہ مگر لب بند کر دیتا ہے سب کے میم احمد کا
پکارا انبیاء نے جب شفیعِ حشر کہہ کہہ کر کھلا روزِ جزا عقدہ ترے اوصافِ بیحد کا
بنایا ہے دو عالم کو خدا نے ایک صورت سے اِدھر بھی جلوہ احمد ﷺ کا اُدھر بھی جلوہ احمد ﷺ کا
خدا وہ دن کرے مائلؔ کہ میں جا کر مدینہ میں کبھی مدّاح احمد ﷺ ہوں کبھی آلِ احمد ﷺ کا

فدا حسین فدا جے پوری۔ (وفات۔ ۱۹۴۰ء)

آگاہؔ دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ یوسف علی خاں عزیزؔ کی طرح بہت زود گو تھے۔ حسرتؔ جے پوری آپ ہی کے نواسے تھے۔ مولانا سخا کے رسالہ'' جوہر سخن'' سے ان کا کلام پیش کیا جاتا ہے۔ بہترین تذکرہ میں آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''معشر الشعراء و تربیع الملک خطاب، آگاہ دہلوی سے شرف تلمذ۔ پچپن سال کا سن ہے۔ ۳۵ر سال سے شعر کہتے ہیں۔ بیس مرثیہ میر انیس کے اور پانچ مرزا دبیر کے معشر کرنے کے صلے میں معشر الشعراء کا خطاب فرینڈس یونین جے پور سے معہ تمغا ملا۔ ۷۸۶ر رباعیاں لکھنے کے بدلے میں تربیع الملک کا خطاب بزم شعرائے جے پور سے حاصل کیا۔ جس کے اظہار تشکر میں آپ نے نہایت شاندار مشاعرہ منعقد کیا۔ اور شیرینی تقسیم فرمائی۔ علم موسیقی میں آپ کو مہارت حاصل تھی۔ سکونت خاص شہر جے پور ہے۔ شش جہت ہفت قلزم، مجموعہ عشرات، مجموعہ رباعیات، دیوان عاشقانہ، دیوان نعتیہ۔ دیوان منقبیٰ، متاع ضربات، گنجینہ اسرار مخفی، تنقیحات مکالمہ موسیقی، یہ سب آپ کی تصانیف ہیں۔''

(تذکرہ شعرائے راجپوتانہ۔ ص۔ ۵۳۵)

نعت

تو ہی ختمِ رُسل تیرا نہیں ہے کوئی بھی ثانی — تیرے قبضہ میں دے دی ہے خدا نے حدِّ امکانی
حمایت جب نبی کی ہے تو پھر کیسی پریشانی — مرا کیا کر سکے گی یہ گناہوں کی فراوانی
الٰہی نام ہو میرا گداؤں میں محمد ﷺ کے — نہ دولت چاہئے مجھ کو نہ تخت و تاج سلطانی
تجھی کو شرم ہے عاصیوں کی شافعِ محشر — نہ بن جائے کہیں مشکل تری اُمّت کی آسانی
فدؔا کو نعت کے مضموں ملے کس کے تخیل سے — بجا ہے کہتے ہیں شاعر کو جو تلمیذِ رحمانی

ڈاکٹر شاہد احمد جمالی شاہؔد۔ جے پور۔ (پیدائش۔ ۱۹۵۸ء)

ہر چند کہ احقر اس قابل تو نہیں کہ اس تذکرے میں جگہ پا سکے، لیکن چونکہ یہ سیہ کار بھی امت محمدی سے ہے، اس لئے اپنا نذرانہ عقیدت پیش کرنے کا حق رکھتا ہے۔ شاعری کا شوق مجھے ورثہ میں ملا لیکن بزرگ جب تک زندہ تھے ان سے فیض نہیں اٹھایا، ان کی وفات کے بعد شاعری کی قدر معلوم ہوئی۔ جے پور کے کئی اساتذہ سے مشورہ سخن کیا۔ غزل کے علاوہ نعت منقبت کی جانب زیادہ رجحان ہے۔ ایک چھوٹا سا مجموعہ ''درد کا درماں'' تیار ہے۔ دو نعت پیش ہیں۔

نعت

آپ سے پہلے نہ تھا ایسی شریعت کا قرار — حق نے بھیجا آپ کو دے کر مکمل اختیار
آپ سے پہلے یہاں تھا ظلمتوں کا اقتدار — آپ آئے تو گیا باطل بھی ہو کے شرمسار
ظالموں کی جب کہ ہوگی حشر میں چیخ و پکار — تو ادھر ہم پر چڑھا ہوگا شفاعت کا خمار

دی بشارت ابنِ مریم نے ہمیں جب آپ کی — ہو گیا صدیوں پہ مبنی آپ کا یہ انتظار
کیوں ڈراتا ہے ہمیں واعظ تو روزِ حشر سے — آپ ﷺ بھی ہوں گے وہاں پر اور وہ پروردگار
رحمتُ اللعالمیں حق نے بنایا آپکو — آپ کا شہرِ مدینہ بن گیا دارُالقرار
حق تو بخشش کا سبھی کو ہے میاں شاہدؔ مگر — آپ ﷺ کی تقلید پر ہے مغفرت کا انحصار

نعت

ڈر کیا ہو حشر میں مجھے اب آفتاب کا — ہوں اُمّتی جناب رسالت مآب کا
حصّہ نہیں ہے صرف اکیلے گلاب کا — ہر پھول میں بسا ہے پسینہ جناب کا
حد سے بڑھا ہے شوقِ دید چشمِ پُر آب کا — ہے ٹوٹنے کو بند مرے اضطراب کا
ہو تے اگر نہ آپ تو ہوتی نہ کائنات — شاہدؔ ہر اک ورق ہے خدا کی کتاب کا
شاہدؔ جمالِ روئے محمد کے سامنے — تاریک لگ رہاہے بدن آفتاب کا

ڈاکٹر معین الدین شاہینؔ۔اجمیر۔(پیدائش۔۱۹۶۸ء)

آپ ۲؍فروری ۱۹۶۸ء کو اجمیر میں پیدا ہوئے۔والد کا نام اسلام الدین تھا۔آپ نہایت تعلیم یافتہ شخص ہیں۔ہندی اردو دونوں زبانوں میں ایم۔اے کیا اور راجستھان یونیورسٹی، جے پور سے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔اس کے بعد گورنمنٹ ڈونگر کالج، بیکانیر میں شعبہ اردو میں ایسوسیئیٹ پروفیسر کی حیثیت سے فائز ہوگئے۔اٹھائیس سال کا طویل عرصہ وہاں گزارنے کے بعد ۲۰۱۸ء میں آپ کا تبادلہ اجمیر میں سمراٹ پرتھوی راج کالج کے شعبہ اردو میں ہوگیا، جو آپ کا آبائی وطن ہے۔آپ راجستھان کے سب سے فعال اردو اسکالر ہیں۔آپ کا ایک شعری مجموعہ ''فرزانگی'' کے نام سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا۔ایک نعتیہ مجموعہ تیار ہے، جس کی اشاعت ابھی ہونا باقی ہے۔نمونہ کلام پیش ہے۔

نعت

زمانے کو تو چاہے دولت و ثروت عطا کردے — مجھے تو صرف شیدائے محمد مصطفیٰ کردے
یہی ہے التجا میری شہِ طیبہ کے صدقے میں — چمن کی سوختہ ہر شاخ کو پھر سے ہرا کردے
گزارش روز کرتا ہوں یہی بادِ صبا سے میں — درِ سرکار پر جا کر مرے حق میں دعا کردے
غلامان محمد میں میرا بھی نام شامل ہے — بھلا کس میں یہ ہمت ہے کہ جو میرا برا کردے
یہی ہے التجا شاہینؔ کی تجھ سے مرے مولا — مجھے دیوانۂ شمس الضحیٰ، بدرالدجیٰ کردے

اختر شیرانی۔(۱۹۴۸ء۔۱۹۰۵ء)

ہندوستان کے مشہور و معروف محقق حافظ محمود شیرانی کے صاحبزادے تھے۔ ۱۹۴۸ء میں ٹونک میں پیدا ہوئے۔ اورینٹل کالج لاہور کے تعلیم یافتہ تھے۔ اردو شاعری اور اردو صحافت میں آپ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ رومانی شاعری کے علاوہ انھوں نے نعتیں بھی لکھی ہیں، گو ان کی تعداد کم ہے لیکن بہت خوب ہیں۔ مختلف ادوار میں آپ کے نو شعری مجموعے شائع ہوئے۔

نعت

اگر اے نسیم سحر ترا ہو گزر دیار حجاز میں
مری چشمِ تر کا سلام کہنا حضورﷺ بندہ نواز میں

عجب اک سرور سا چھا گیا مرے روح و دل میں سما گیا
ترا نام ناز سے آ گیا مرے لب پہ جب بھی نماز میں

تمہیں حدِّ عقل نہ پا سکی فقط اتنا حال بتا سکی
کہ تم اک جلوۂ راز تھے جو عیاں تھا رنگِ مجاز میں

نہ جہاں میں راحتِ جاں ملی نہ متاعِ امن و اماں ملی
جو دوائے دردِ نہاں ملی تو ملی بہشتِ حجاز میں

کروں نذر نغمۂ جانفزا میں کہاں سے اختر غم نوا
کہ سوائے نالۂ غم نہیں مرے دل کے غم زدہ ساز میں

نعت

مسند نشینِ عالمِ امکاں تمہیں تو ہو
اس انجمن کی شمع فروزاں تمہیں تو ہو

دنیائے ہست و بود کی زینت تمہیں تو ہو
اس باغ کی بہار کے ساماں تمہیں تو ہو

دنیا کی آرزو میں فنا آشنا ہیں سب
جو روحِ زندگی ہے وہ ارماں تمہیں تو ہو

تم کیا ملے کہ دولت ایماں ملی ہمیں
ایماں کی تو یہ ہے کہ ایماں تمہیں تو ہو

شادابیٔ صنوبر و نسریں تمہیں سے ہے
بوئے گل و بہارِ گلستاں تمہیں تو ہو

اختر کو بے نوائی دنیا کا فکر کیا
ساماں طراز بے سر و ساماں تمہیں تو ہو

نعت

سحر دم رحمتِ حق کا یہ مستانہ پیام آیا
مبارک اہل ایماں کو کہ وہ خیر الانام آیا

خدائی جس کے جلووں سے ہمیشہ جگمگائے گی
شبستان حرا کا آج، وہ ماہ تمام آیا

زمین و آسماں بھی جس کے در پر سر جھکائیں گے
ہیں چرچے قدسیوں میں آج وہ عالی مقام آیا

جبینِ بندگی بیتاب ہے سجدے لٹانے کو
الٰہی تیرے بندوں کی زباں پر کس کا نام آیا

مزا جب ہے کہ جائیں خلد میں ہم اس طرح اختر
کہیں حوریں، محمد کا وہ مستانہ غلام آیا

سہیل ہاشمی ۔ جے پور

ایک نوجوان پرجوش شاعر ہیں ۱۹۹۳ء میں جے پور میں پیدا ہوئے۔والد کا نام ڈاکٹر سہیل ہاشمی ہے، جو خود بھی ایک اچھے شاعر ہیں۔سہیل شاعری میں والد سے ہی مشورہ سخن کرتے ہیں۔ابھی زیر تعلیم ہیں،حوصلے بہت بلند ہیں۔خدا انھیں کامیاب کرے۔ان کا ایک نعتیہ مجموعہ ''گل عقیدت'' کے نام سے ۲۰۱۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔ایک نعت پیش ہے۔

نعت

جو بھی بیمارِ شہِ کون و مکاں ہوتا ہے　　درد کیا چیز ہے معلوم کہاں ہوتا ہے
جو بھی آتا ہے مدینہ سے یہی کہتا ہے　　شہر سرکار میں جنت کا گماں ہوتا ہے
ایسے پرنور مناظر کے مدینہ جا کر　　لوٹنا سب کے لئے بارِ گراں ہوتا ہے
ان کی ہر بات سے آتی ہے وفا کی خوشبو　　ہر عمل میں کوئی پیغام نہاں ہوتا ہے
کہتا ہے کہتا رہے سارا جہاں دیوانہ　　ان کے دیوانے کو کچھ ہوش کہاں ہوتا ہے
اس کو معراج نظر ہوتی ہے حاصل اے سہیلؔ　　جس کو دیدارِ شہِ کون و مکاں ہوتا ہے

(گل عقیدت۔سہیل ہاشمی ۲۰۱۳ء)

ڈاکٹر محمد حسین بیکانیر۔(پیدائش۔۱۹۶۷ء)

سوائی مادھو پور میں پیدا ہوئے۔راجستھان یونیورسٹی، جے پور سے پی۔ایچ۔ڈی کرنے کے بعد ڈونگر کالج، بیکانیر کے شعبہ اردو میں اسسٹینٹ پروفیسر ہو گئے۔آج کل بیکانیر کے گورنمنٹ ڈونگر کالج کے شعبہ اردو کے صدر ہیں۔آپ کی نصف درجن تحقیقی کتب اور ایک شعری مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔موجودہ وقت میں راجستھان میں علم عروض پر آپ کا ہمسر نظر نہیں آتا ہے۔آپ کی ایک نعت پیش ہے۔

لو کام اگر رحمتِ عالم کی ادا سے　　تسلیم کے دروازے کھلیں کلمۂ لا سے
گر شافع محشر کی طرح مانگو خدا سے　　تقدیر بدل جائے گی لاریب دعا سے
معمور ہوئے دل شہ بطحا کی نوا سے　　غیرت سے شجاعت، محبت سے حیا سے
کافی ہے مرے واسطے پیغام رسالت　　کیا کام بھلا مجھ کو کسی راہ نما سے
بہتا ہے لہو امتِ مرحوم کا مولا　　ہم رنگ ہیں دریا سبھی رنگِ حنا سے
سر چشمۂ انوار ہدایت کا ہے فیضان　　روشن ہے حریمِ دل و جاں شمع ہدیٰ سے

کہتے ہوئے لبیک زمانہ ہوا حاضر جس دم دی محمد نے صدا کوہِ ندا سے
یہ عشق نبی عشقِ نبی عشقِ نبی تھا ہم ہنستے ہوئے گزرے رہِ صبر و رضا سے

☆☆

غیر مسلم نعت گو حضرات

صباؔ۔چاند بہاری لال۔۔تلمیذ مائلؔ (۱۸۸۵ء۔۱۹۸۰ء)

صبا ایک ادبی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے بزرگ شاہی دور سے اونچے عہدوں پر فائز رہتے آئے تھے۔صباؔ کے والد منشی گوبند نارائن قوم کایستھ ماتھر فارسی کے عالم وفاضل تھے۔انھوں نے فارسی میں انشائے گوبند رام کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی تھی۔

صبا ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔شاعری میں آپ کو مرزا مائلؔ دہلوی سے تلمذ حاصل تھا۔صباؔ جے پور ہی نہیں بلکہ اپنے استاد کی طرح ملک بھر میں شہرت رکھتے تھے۔ ۱۹۳۱ء میں جے پور میں ایک جلسہ میں صباؔ کو مائلؔ دہلوی کا جانشیں بنایا گیا۔آپ نے جتنی شہرت غزل گوئی میں حاصل کی اتنی ہی نعت گوئی میں حاصل کی۔صباؔ کی لکھی ہوئی درجنوں نعتیں ان کی کلیات ’’صباؔ گرنتھاوَلی‘‘ میں شامل ہیں۔اس کو رام کشور جی ویاس نے مرتب کیا ہے۔یہ کلیات ہندی رسم الخط میں ہے۔جسے ساہتیہ اکادمی، اودے پور نے ۱۹۶۹ء میں شائع کیا تھا۔صباؔ کی دو نعتیں یہاں پیش کی جارہی ہیں۔

نعت

تصور باندھ کر دل میں تمہارا یا رسول اللہ خدا کا کر لیا ہم نے نظارا یا رسول اللہ
تمہیں جب بحر طوفاں میں پکارا یا رسول اللہ میرے قدموں کے نیچے تھا کنارا یا رسول اللہ
خدا کا وہ نہیں ہونا خدا اس کا نہیں ہونا جسے آتا نہیں ہونا تمہارا یا رسول اللہ
حقیقت میں مزا آتا ہے ہم کو بھی خدا کو بھی تمہیں جس وقت کہتے ہیں ہمارا یا رسول اللہ
نگاہِ قہر سے دیکھے صباؔ کو کس کی ہمت ہے ہے اس کے ہاتھ میں دامن تمہارا یا رسول اللہ

اس زمین میں صباؔ کی کئی نعتیں ہیں،اور ہر شعر زبردست سرور پیدا کرتا ہے۔چند شعر اس زمین میں دوسری نعتوں کے بھی ملاحظہ کیجئے۔

تمہیں جب بحرِ طوفاں میں پکارا یا رسول اللہ مرے قدموں کے نیچے تھا کنارا یا رسول اللہ
خدا کا بحرِ رحمت اس قدر کیوں جوش میں آیا کسی بے کس نے کیا تم کو پکارا یا رسول اللہ

خدا کا بھی کرم ہوگا اسی جانب قیامت میں تمہارا جس طرف ہوگا اشارا یا رسول اللہ
خدا حافظ، خدا ناصر سہی، لیکن یہ محشر ہے یہاں تو آپ ہی دینگے سہارا یا رسول اللہ
خدا اپنا سمجھتا ہے صؔبا کو کیا معمع ہے بتاتا ہے وہ اپنے کو تمہارا یا رسول اللہ

نعت

اللہ غنی عظمتِ سلطانِ مدینہ کرتا ہے خدا مدحتِ سلطانِ مدینہ
جس شب کو ہوئی عرش پہ اللہ سے جلوت کہتے ہیں اسے خلوتِ سلطان مدینہ
اس دل ہی کی توقیر ہے درگاہ خدا میں جس میں ہے بھری الفتِ سلطان مدینہ
ان سا نہ ہوا کوئی، نہ ہے دونوں جہاں میں پھر کس سے ملے صورتِ سلطان مدینہ
کعبے سے صؔبا کم کبھی اس کو نہ سمجھنا جس دل میں کہ ہے الفتِ سلطان مدینہ

دیگر اشعار

شراب عشق احمد پی کے جو سرشار ہو جائے ضرورت کیا ہے کیوں اے شیخ وہ ہشیار ہو جائے
حقیقت میں اگر دیکھو حقیقت میں اگر سمجھو خدا کا مہرباں ہونا بھی احسان محمد ہے
کہاں ہے آپ سا کوئی جناب رحمت عالم خدا جس کو کہ دے دیتا خطاب رحمت عالم

للتا پرشاد شاؔد۔(میرٹھی):(۱۸۸۶ء۔۱۹۵۹ء)

خم خانہ جاوید میں لالہ سری رام فرماتے ہیں:

> ''منشی للتا پرشاد ورما میرٹھی۔اخبار ''ناظم الہند'' کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔اردو زبان اور علم و ادب کی خدمت کا شوق ہے۔ان کے تحقیقی الفاظ اور محاورات کی چھان بین پر اکثر مضامین نکل چکے ہیں۔انھوں نے زبان کی اصلاح کے لئے اجمیر میں ایک انجمن بھی قائم کی تھی۔مگر شعراء اور انشاء پردازوں کی بے توجہی سے اسکا عدم وجود برابر ہوگیا۔ذہین ہیں۔چلتی ہوئی طبیعت کے انسان ہیں۔ذوق سلیم رکھتے ہیں۔غزل کو ہوس پرستی کے خیالات سے بچاتے ہیں۔آج سے چار برس پہلے اجمیر کے مشاعرے ان کے دم سے پر رونق تھے۔''

للتا پرشاد شاؔد میرٹھی اپنے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''مجھے شاعری کا خبط اوائل عمر سے ہی تھا۔جس فضا و ماحول میں میری پر

ورش و تعلیم ہوئی اسے فنِ سخن کی ایک بہترین نظیر سمجھئے۔ میرے والد ماجد قبلہ منشی جنگ بہادر صاحب ماتھر جنگؔ میرٹھی ایک اعلیٰ درجہ کے فارسی و اردو کے شاعر تھے اور لکھنؤ، دہلی میرٹھ، آگرہ کے اساتذہ و مشاہیر کی آنکھیں دیکھ چکے تھے۔ غالبؔ، حالیؔ، داغؔ، ظہیرؔ، مجروحؔ، راسخؔ، شیفتہؔ، آغا شاعر دہلوی، جلالؔ، سرشارؔ، تسلیمؔ، امیرؔ، عزیزؔ، رسواؔ، انیسؔ، دبیرؔ، نفیسؔ لکھنوی، اکبرؔ الہ آبادی سے ملنا جلنا رہتا تھا۔ اور بہت سے اصحاب سے گہری دوستی تھی۔ ان صحبتوں میں یہ صرف شریک ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ انھیں خاص مرتبہ حاصل تھا۔ سرورؔ جہان آبادی اکثر ان سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ ہاپڑ، میرٹھ، موانہ، سردھنہ، وغیرہ مقامات میں ایک سو سے زائد ان کے شاگرد تھے۔'' (کلام شاد، مخزن اسرار معرفت۔ منشی للتا پرشاد میرٹھی۔ کوٹہ جنکشن۔ عزیزی پریس، آگرہ۔ ۱۹۴۹ء۔ ص ۷ تا ۱۰)

نعت

دل فدا تم پر، جگر تم پر نچھاور کردیا ۔۔۔ جان قربان یا نبی یہ نذر سب گھر کردیا
یاد نے حضرت کی مرغِ دل کو مضطر کردیا ۔۔۔ اس بلا کی ہے تڑپ لوٹن کبوتر کردیا
تھا احد میں اور احمد میں بہت تھوڑا سا فرق ۔۔۔ اس لئے اللہ نے اس کو پیمبر کردیا
شرک و بدعت کو سرِ میداں پچھاڑا زور سے ۔۔۔ میرے دل کو تیری الفت نے دلاور کردیا
بت پرستی کو ہٹایا اور مٹایا کفر کو ۔۔۔ ذاتِ احمد نے زمانے کو منور کردیا
کیا حقیقت تھی تری اے شادؔ لکھتا نعت تو ۔۔۔ عشقِ احمد نے تجھے ایسا سخنور کردیا

نعت

یہ اندیشہ ہے دامن گیر کیوں روز قیامت کا ۔۔۔ الٰہی میں نے دامن جب لیا ہے تھام حضرت کا
الٰہی تو مجھے جلدی مدینہ ہی میں پہنچا دے ۔۔۔ بہت ہی شوق ہے مدت سے حضرت کی زیارت کا
دکھایا معجزہ شق القمر کا ایک لمحہ میں ۔۔۔ بیاں یہ وصف کیوں کر ہو سکے تیری کرامت کا
مسلماں کچھ نہیں سیکھیں جنابِ شادؔ سے آکر ۔۔۔ کہ ہندو ہو کے اتنا عشق رکھتے ہیں یہ حضرت کا

نعت

ہے آج جشن روز ولادت حضور کا ۔۔۔ دنیا میں دور دورہ ہے عیش و سرور کا

وعدہ کیا ہے جس کی شفاعت کا آپ نے کیا اس کو خوف و فکر ہو شور نشور کا
میں جانتا ہوں آپ کی رحمت بلند ہے پھر کیا مجھے خیال ہو اپنے قصور کا
ست سنگیوں کے واسطے ہے شآد روز عید مدت سے منتظر تھا جہاں اس ظہور کا

شآد کو اہل بیت اطہار سے والہانہ محبت تھی۔ انھوں نے کئی مرثیہ اور سلام لکھے ہیں ان کا رثائی کلام اس قدر جذبات میں ڈوبا ہوا ہے کہ کوئی کہہ ہی نہیں سکتا کہ یہ کسی غیر مسلم کا کلام ہے۔ خود شآد اپنے بارے میں کہتے ہیں۔

تعجب ہے کہ تم نے شآد کو اب تک نہ پہچانا
مسلمانوں میں ہندو ، ہندوؤں میں وہ مسلماں تھا

☆☆☆

توصیف بریلوی (علی گڑھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری

نعت اردو کی قدیم صنف ہے۔ نعت کے لغوی معنی وصف بیان کرنے کے ہیں جو کہ ایک عربی لفظ ہے۔ نعت کہنے والے کو ناعت کہتے ہیں۔ یہ صنف عربی کی ہے جو فارسی سے ہوتے ہوئے اردو میں داخل ہوئی۔ اعلیٰ حضرت سے پہلے شمالی ہند میں میر تقی میرؔ، سوداؔ، مومنؔ، غلام امام شہید، حافظ لطف علی خاں بریلوی، حالیؔ اور محسن کاکوروی کا کلام مقبول ہو چکا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد شعرا کے کلام میں سوز و گداز کی مقدار بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کامیاب ترین شعرا میں امام احمد رضا خاں اعلیٰ حضرت کا کلام سرفہرست ہے۔ نعت کے فن، اجزا اور ہیئت پر دسترس اعلیٰ حضرت کے کلام میں بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔ اردو نعت کے لیے ہیئت مخصوص نہیں رہی ہے، اس کو مسدس، مخمس، رباعی اور مفرد ہر شکل میں اور غزل، مثنوی، مرثیہ اور قصیدہ ہر صنف میں پیش کیا گیا ہے لیکن ایک مدت سے غزل کی ہیئت میں ہی نعت خوانی ہو رہی ہے۔ نعت کا فن ایک مشکل امر ہے، جس کو نبھانا آسان نہیں نعت کے فن سے متعلق خود اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''نعت کا فن دو دھاری تلوار پر چلنے کے مترادف ہے۔''

مطلب یہ کہ ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف میں اس قدر آگے نہ بڑھ جائیں کہ حمد کی حدود میں داخل ہو جائیں اور نہ ہی اس قدر پیچھے رہیں کہ نعت کے معیار سے نیچے چلے جائیں۔ اس میں اعتدال سے کام لینا چاہیے۔ عشق نبی میں حد سے تجاوز کر جانا نعت کے فن کو تو مجروح کرتا ہی ہے، ساتھ ہی گناہ کا مرتکب بھی بنا دیتا ہے۔ اسی لیے نعت گوئی نہایت ہوشمندی کا کام ٹھہرا۔ نعت کے متعلق والی آسی مرحوم کچھ یوں فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

''نعت گوئی بہت ہی نازک فن ہے، جس سے عہدہ برآ ہونا کوئی آسان کام نہیں۔ نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی ہی اس میں

پروازیں مشکل ہیں۔ ہر پرواز سے پہلے غور کرنا پڑتا ہے کہ فضا سازگار ملے گی یا نہیں اگر ہمت پرواز کسی مشکل مقام پر پہنچادے تو بھی اڑنے والے کا یہ کمال ہونا چاہیے کہ عافیت و کامیابی کے ساتھ وہاں سے گزر جائے۔نعت گوئی کی فضا کے حدود شریعت نے مقرر کیے ہیں اور نعت ان حدود سے متجاوز ہوجائے تو نیکی کے پیغام کے بجائے گناہ لازم ہوجاتا ہے۔نعت خالص فضائل وکمالات نبوت سے متعلق ہے، جس میں قیاس آرائی کو قطعاً دخل نہیں۔''

نعت ایک ایسا فن ہے، جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی سے متعلق چھوٹی چھوٹی چیزوں سے لے کر واردات،غزوات،رحمت وتکریم،تمدن وثقافت، محبت وشفقت،حسن عمل،عبادت وریاضت، پیغام اور اخلاق جیسے اوصاف کو بڑے ہی سلیقہ سے بیان کرتا ہے۔نعت کا موضوع بہت ہی وسیع ہے لیکن ایک حد تک موضوع کی تلاش مشکل بھی ہے۔نعت گو کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دلی وابستگی رکھتا ہو۔ناعت جس قدر عشق نبی میں شرسار ہوگا، اسی قدر اس کے کلام میں تاثیر پیدا ہوگی۔اس سب کے ساتھ اس کو شریعت کی پاسداری بھی لازم ہے۔بقول ابواللیث صدیقی:

''نعت کے موضوع سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں،موضوع کا احترام، کلام کی بے کیفی و بے رونقی کی پردہ پوشی کرتا ہے۔نقاد کو نعت گو سے باز پرس کرنے میں تامل ہوتا ہے،دوسری طرف نعت گو کو اپنی فنی کمزوری چھپانے کے لیے نعت کا پردہ بھی بہت آسانی سے مل جاتا ہے۔شاعر ہر مرحلہ پر اپنے معتقدات کی آڑ پکڑتا ہے اور نقاد جہاں کا تہاں رہ جاتا ہے لیکن نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔''

(اردو میں نعت گوئی،ڈاکٹر ریاض مجید،حمایت اسلام پریس،لاہور،طبع اول ۱۹۹۵ء،ص-۱۹)

اعلیٰ حضرت صرف نعت گو ہی نہیں تھے بلکہ انھیں بہت سے علوم وفنون پر قدرت حاصل تھی۔ یہاں پر ہم مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی نعت گوئی کے فن پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ اردو نعت کی تاریخ میں اگر کسی نے اپنے گہرے نقوش مرتسم کیے ہیں تو وہ بلاشبہ اعلیٰ حضرت کی شخصیت ہے۔انھوں نے نہ صرف نعت گوئی کی بلکہ اہل ذوق کو نعت گوئی کی طرف توجہ بھی دلائی۔مولانا احمد رضا

کے کلام میں جو مضامین ملتے ہیں وہ قرآن و حدیث اور شریعت کی روشنی سے لبریز ہوتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کی عقیدت و شیفتگی ان کے کلام میں بھرپور انداز میں ملتی ہے بلکہ یہ انھیں کا ملکہ ہے۔ مولانا کے کلام میں حدیث و قرآن کے علاوہ ریاضی، سائنس، علم نجوم وغیرہ کے اشارے بھی ملتے ہیں یا ان علوم کے استعمال سے وہ مضامین کو قائم کرتے ہیں۔ اصل میں مولانا احمد رضا کو ان سب پر بھی عبور حاصل تھا، بلکہ کئی کتابیں بھی لکھی تھیں۔ یہاں پر ہم ''رضا اکیڈمی بمبئی'' کی جانب سے اشاعت خصوصی 'شرح سلام رضا' سے پروفیسر علی عباس جلالپوری کا ایک قول نقل کرتے ہیں:

> ''حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی نے فارسی اور اردو میں بے مثال نعتیں لکھی ہیں، جن کے بغیر درود و سلام کی کوئی محفل گرمائی نہیں جا سکتی۔ ان کا ایک ایک لفظ عشق رسول میں بسا ہوا ہے اور انہیں سن کر سامعین کے دل، عشق رسول سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ ادبی لحاظ سے بھی یہ نعتیں حسن بیان کے اچھوتے نمونے ہیں۔''

(شرح سلام رضا، مفتی محمد خاں قادری، اسلامک پبلشرز، دہلی-۴، ۲۰۰۸ء، ص-۳۸)

مولانا احمد رضا خاں کی نعتوں کا مجموعہ ''حدائق بخشش'' ہے، جو ہندوستان کے علاوہ بھی کئی ملکوں میں مقبول ہوا۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اک دل ہمارا کیا ہے آزار اس کا کتنا
تم نے تو چلتے پھرتے مردے جلادئے ہیں

زمین و زماں تمہارے لیے مکین و مکاں تمہارے لیے
چنیں و چناں تمہارے لیے بنے دو جہاں تمہارے لیے

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کسی کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

مولانا احمد رضا کے کلام میں اکثر تلمیح بھی دیکھنے کو ملتی ہے کیونکہ وہ احادیث و قرآن پاک سے موضوع اخذ کرتے ہیں۔ ان کی زبان سادہ و سلیس ہے تو کہیں کہیں مشکل پسندی بھی ملتی ہے۔ کچھ جگہ مصرعہ کا کچھ حصہ قرآن یا حدیث سے اخذ کرتے ہیں اور کہیں کہیں پورا مصرعہ ہی عربی میں ہوتا ہے، جس سے ان کے کلام میں تلمیع کا اضافہ ہو جاتا ہے اور اس طرح ان کے یہاں صنعتوں کی زیادتی بھی ہو جاتی ہے، جو کھٹکتی نہیں بلکہ کلام کا حسن دوبالا کر دیتی ہے۔

مولانا کے ذوق نعت گوئی اور انداز بیان کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنی نعت کی تزئین کے لیے قرآن و حدیث کے حوالے محض عقیدتاً نہیں دئے بلکہ ان کے استعمال میں ایک تخلیقی شعور کارفرما ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ایسا امی کس لیے منت کش استاذ ہو
کیا کفایت اس کو 'اقرا ربک الاکرم' نہیں؟

(قرآن، سورہ علق)

لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش)

مولانا کی زبان بڑی ہی بامحاورہ ہے۔ ان کو جتنا اردو زبان پر عبور تھا اتنا ہی فارسی اور عربی پر بھی۔ اسی لیے ان کا کافی کلام فارسی اور عربی میں بھی ملتا ہے۔ وہ خالص صوفی منش شخص تھے۔ ان کا تصوف کا نظریہ بڑا ہی پاکیزہ اور نادر تھا۔ ان کے نزدیک تصوف تو عشق نبی میں غرق ہونے کا نام ہے۔ بقول ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں سابق صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی:

''مولانا احمد رضا خاں صاحب غالباً واحد عالم دین ہیں، جنھوں نے اردو نظم و نثر دونوں میں اردو کے بے شمار محاورات استعمال کیے ہیں اور اپنی علمیت سے اردو شاعری میں چار چاند لگا دیئے ہیں، وہ عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کو اصل تصوف سمجھتے ہیں۔''

(شرح سلام رضا، مفتی محمد خاں قادری، اسلامک پبلشرز، دہلی-۴، ۲۰۰۸ء، ص-۳۸)

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی، جگہ جگہ نصب آئینے تھے

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

(حدائق بخشش)

مندرجہ بالا اشعار معراجیہ قصیدہ سے لیے گئے ہیں۔اس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سفر معراج کو مولانا نے حسن کمال سے پیش کیا ہے۔اس قصیدے کو پڑھتے وقت ساری فضا رنگ ونور میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے۔مترنم بحر اور نشاطیہ آہنگ قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔اس قصیدے کی ایک اور خاص بات یہ بھی ہے کہ اس کو پڑھتے وقت ڈرامائی کیفیت بیدار ہوجاتی ہے اور سارا کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہوا نظر آنے لگتا ہے۔مولانا کی عرق ریزی کا اندازہ اس قصیدے سے بخوبی ہوجاتا ہے۔

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبین سعادت پہ لاکھوں سلام
نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پہ درود
اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام

مندرجہ سلام کے ان چند اشعار سے اعلیٰ حضرت کی والہانہ عقیدت اور خلوص کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔اس میں مولانا نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف واطوار کو بڑے ہی خوبصورت طریقے سے پیش کیا ہے۔اس کی شہرت سے متعلق یوسف سلیم چشتی کا قول ملاحظہ ہو:

''ہندو پاک میں کوئی عاشق رسول ایسا نہ ہوگا جس نے اس کے دو چار اشعار حفظ نہ کر لیے ہوں۔ بلاشبہ یہ سلام سلاست، روانی، تسلسل، شاعرانہ حسن کاری اور والہانہ پن کی وجہ سے اردو کا سب سے اچھا سلام ہے۔''

(شرح سلام رضا، مفتی محمد خاں قادری، اسلامک پبلشرز، دہلی-۴، ۲۰۰۸ء، ص-۳۹)

لطف ان کا عام ہو ہی جائے گا　　شاد ہر ناکام ہو ہی جائے گا
سائلو! دامن سخی کا تھام لو　　کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائیگا

(حدائق بخشش)

امام احمد رضا خاں کے کلام میں جہاں مشکل پسندی اور فارسیت زدہ اشعار ملتے ہیں تو وہیں

آسان بحر اور سلیس زبان کے ساتھ مضامین بھی آسانی سے مل جاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے کبھی کسی امیر یا رئیس کی تعریف میں کوئی شعر نہیں کہا۔ وہ تو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں خود کو غرق کر چکے تھے۔ ان کے پاس نانپارہ سے ایک شخص آیا تھا، جس نے ان سے نانپارہ کے راجہ کی شان میں قصیدہ لکھنے کا اصرار کیا تب اعلیٰ حضرت نے یہ نعت کہی، جس کے ایک شعر میں لفظ ''پارۂ ناں'' کو الٹا کرنے پر ''نان پارہ'' لفظ بن جاتا ہے، جو اس شخص کے سوال کا دنداں شکن جواب بھی تھا اور ان کے Creative Mind ہونے کا اعلیٰ ثبوت بھی۔ اعلیٰ حضرت کے کلام سے چند متفرق اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کروں مدح اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

(حدائق بخشش)

تمہارے ذرے کے پرتو ستارہ ہائے فلک تمہارے نعل کی ناقص مثل ضیائے فلک

......

اٹھا دو پردہ دکھا دو چہرہ کہ نور باری حجاب میں ہے
زمانہ تاریک ہو رہا ہے کہ مہر کب سے نقاب میں ہے

......

جلی جلی بو سے اس کی پیدا ہے سوزش عشق چشم والا
کباب آہو میں بھی نہ پایا مزہ جو دل کے کباب میں ہے

......

حرماں نصیب ہوں تجھے امید گہہ کہوں جان مراد و کان تمنا کہوں تجھے

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کے اظہار میں کسر نہیں چھوڑی وہیں دوسری طرف انھوں نے شریعت کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے شاعری کی۔ انھوں نے اپنی نعتیہ شاعری میں تمام علوم و فنون مثلاً فلسفہ، ہندسہ، ریاضی، سائنس، عربی، فارسی، نجوم اور طب وغیرہ کے استعمال کے علاوہ فصاحت و بلاغت اور بیشتر صنعتوں سے کام لیتے ہوئے اپنے منفرد نعت گو ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

سعدین کا قرآن ہے پہلوئے ماہ میں جھرمٹ کئے ہیں تارے تجلی قمر کی ہے

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل
کمانیں حیرت سے سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے

......

ذرے ہر قدس تک تیرے توسط سے گئے حدِ اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا

اعلیٰ حضرت کے کلام میں عقیدت و محبت کے ساتھ ساتھ فنی و تکنیکی خوبیاں بھی بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔ چند خوبصورت اشعار ملاحظہ فرمائیں:

دہن میں زباں تمہارے لیے بدن میں ہے جاں تمہارے لیے
ہم آئے یہاں تمہارے لیے اٹھیں بھی وہاں تمہارے لیے

......

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

......

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کسی کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

......

اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا

مذکورہ مضمون کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نہ صرف بہترین نعت گو تھے بلکہ انھیں کئی طرح کے علوم وفنون پر دسترس حاصل تھی لیکن نعت میں انہوں نے جو مقام بنایا اس کی مثال وہ آپ ہیں۔ اس مضمون کا اختتام اعلیٰ حضرت کے اس شعر پر کرتا ہوں:

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی نازک سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعت نبی لکھنے کو روح قدس سے ایسی شاخ

☆☆☆

ڈاکٹر رضوان انصاری امجدی (سیتاپور)

خیرآباد کے چند نعت گوشعراء

خیرآباد ضلع سیتاپور، اتر پردیش کا وہ مشہور ومعروف قصبہ ہے جو اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے منفرد مقام رکھتا ہے۔ یہ عہد قدیم سے علماء وصلحاء حکماء اور اولیاء کرام کا مرکز رہا ہے۔ اولیاء کرام نے اپنی روحانی فکر سے اخوت اور قومی یکجہتی کا پیغام عام فرمایا۔ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کا تعلق بھی اسی سرزمین سے ہے،، جنہوں نے اپنے علم وفضل اور سیاسی تدبر کا اعتراف اغیار سے بھی کرایا۔ جناب ریاض خیرآبادی نے اپنی شاعری کے ذریعے اردو ادب کو ایک نیا زاویہ فکر عطا کیا۔

خیرآباد ان تمام اوصاف کے ساتھ شعر ونغمہ کا بھی محور رہا ہے۔ یہاں ہر دور میں اردو شاعروں نے اپنے اپنے کلام سے زبان کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہاں کے معتبر شعراء کرام نے اپنے کلام اور زبان وبیان کے ذریعہ خیرآباد کو ایک دبستاں بنادیا ہے۔ اس قصبہ میں آج بھی متعدد علمی وادبی انجمنیں فعال ہیں اور ہر ماہ پابندی سے شعری محافل منعقد کرتی ہیں۔ ان نشستوں سے نو واردانِ سخن کو حوصلہ ملتا ہے۔ اور وہ اپنی فکری طبع کے لیے اساتذہ شعراء کے روبرو زانوئے ادب تہہ کرخوش فکر شاعر کا مقام ومرتبہ حاصل کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

خیرآباد کے شعراء میں تقدیسی شاعری (نعت گوئی) کا رجحان کافی قدیم ہے جس کی وجہ یہ رہی ہے کہ صوفیاء کرام اور اولیاء عظام کا یہاں تشریف فرمانا رہا ہے۔ ان بزرگوں نے عوام وخواص کو عشقِ الٰہی اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کا جو درس دیا ہے۔ وہی یہاں پہ فروغ نعت گوئی کا سبب ہے۔ ان کا اصل پیغام تصوف ہے۔ اس لیے شعراء نے نعت گوئی کو اپنا شعار زندگی بنایا۔ آج بھی خیرآباد کے بیشتر شعراء تقدیسی شعر ہی کہتے ہیں۔ ان میں چند کا ذکر اس مختصر مقالے میں کیا جارہا ہے۔ راقم الحروف اگر ضلع سیتاپور کے نعت گوشعراء کا اجمالی تعارف پیش کرے تو یہ مقالہ بہت بسیط ہوجائے گا۔ کیونکہ یہ ضلع کثیر تعداد میں شعراء کا حامل ہے۔ ضلع سیتاپور کے شعراء وادباء کی خدمات پر

محترمہ ڈاکٹر رابعہ بصری نے تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے جو کافی ضخیم ہے۔اس لیے خیرآباد کے چند نعت گوشعراء کا اجمالی تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

ثابتؔ خیرآبادی

خیرآباد (سیتاپور) اپنی دوخوبیوں کی وجہ سے ضلع سیتاپور کا منفرد قصبہ ہے۔اگر ایک جانب روحانی دنیا کی دوعظیم المرتبت ذات والا صفات یہاں آرام فرما ہیں اور اپنے فیوض و برکات سے عقیدت مندوں کوسالہا سال سے مستفیض فرمارہی ہیں تو دوسری طرف خیرآباد کے نامورشعراء اردو ادب کے دامن میں گلہائے رنگارنگ پیش کررہے ہیں۔عہد گذشتہ کے نامور شعراء میں جناب کوثرؔ خیرآبادی، جناب نیّرؔ خیرآبادی، جناب نازشؔ خیرآبادی، جناب بسملؔ خیرآبادی، جناب ریاضؔ خیرآبادی، جناب مضطرؔ خیرآبادی، جناب وسیمؔ خیرآبادی، جناب جنبشؔ خیرآبادی اور جناب اثیمؔ خیرآبادی وغیرہ کے اسمائے گرامی خاص ہیں۔

علماء کرام میں علامہ فضل امام خیرآبادی، علامہ فضل حق خیرآبادی، مفتی نجم الحسن خیرآبادی سے لے کر مولانا ظفرالقادری مدظلہٗ تک متعدد ایسے اہل علم ہوئے ہیں، جن کے علم وفضل کا اعتراف چہار عالم میں اب تک کیا جارہا ہے اور انشاءاللہ قیامت تک کیا جاتا رہے گا۔

جناب ثابتؔ خیرآبادی کا تعلق اسی مردم خیز قصبہ سے ہے۔ان کی ولادت 4 ستمبر 1914ء کو خیرآباد میں ہوئی۔چونکہ خیرآباد ایک علمی وادبی دبستان کے مثل شہرت پذیر ہے۔یہاں شعری محافل بکثرت منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ان سے متاثر ہونا جناب ثابتؔ خیرآبادی کے لیے امرِ لازم تھا۔عہد طفلی سے ہی انہوں نے شعرگوئی کی جانب توجہ دی۔قصبہ کی ادبی محافل ان کے ذوق کو جلا بخشتی رہیں۔چنانچہ یہ اپنے اشعار میں حسن وخوبی اور شعری محاسن پیدا کرنے کی غرض سے قصبہ کے اساتذہ شعراء سے اصلاح کلام لیتے رہے، جن میں جناب شمیمؔ خیرآبادی اور جناب اثیمؔ خیرآبادی کے نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

جناب ثابت خیرآبادی کو 1936ء میں شاہجہانپور کی آرڈیننس فیکٹری میں ملازمت مل گئی۔جہاں وہ 1976ء تک مستقل رہے۔اس دوران اُن کی جودت طبع کو جناب دلؔ شاہجہانپوری نے خوب خوب نکھارا۔اس حقیقت کا اعتراف خود جناب ثابتؔ خیرآبادی نے یوں کیا ہے۔ ؎

تخیل ہو چلا اونچا تمہارا تصرف سے جناب دلؔ کے ثابتؔ

......

ثابتؔ جناب دلؔ کے قلم کی نوازشیں جس پر ہوئیں اسی کو سخنداں بنا دیا

ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد جناب ثابتؔ خیرآبادی شاہجہانپور سے اپنے وطن واپس آ گئے۔ یہاں آ کر آپ نے اپنے شعری ذوق کو برقرار رکھا۔ متعدد شاہکار نظمیں لکھیں۔ جن میں نظم ''خیرآباد'' کو بڑی مقبولیت ملی۔

جناب ثابتؔ خیرآبادی نے اپنی شاعری کا آغاز یہاں کی روحانی اور عرفانی فضاؤں سے متاثر ہو کر کیا۔ حمد و نعت گوئی ان کا خاص موضوع رہا۔ نعت گوئی سے وہ اپنے قلب و روح کو تسکین دیتے۔ ان کا دل عشقِ رسول سے سرشار رہتا۔ ان کے ہر ہر شعر میں حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دلی وابستگی کا جذبہ نظر آتا ہے۔ وہ عجز و انکساری سے اپنی بات در بارِ رسالت میں پیش کرتے جناب ثابتؔ خیرآبادی کا انتقال 30 مارچ 1990ء میں ہوا۔ آیئے چند حمد و نعت کے اشعار سے محظوظ ہوں۔

کس طرح توصیف میں تیری کروں اے پاک ذات
عقل قاصر ہے بیاں کرنے سے تیری کل صفات

......

سب کا مالک تو ہے، تیرا کوئی بھی ثانی نہیں
سب تو فانی ہیں جہاں میں، تو مگر فانی نہیں

......

کہہ کے کن تو نے زمین و آسماں پیدا کئے
آفتاب و ماہتاب و کہکشاں پیدا کئے

......

جس طرف دیکھوں، نظر آتا ہے بس جلوہ ترا
دیکھئے تو پرکشش ہے کس قدر پردہ ترا

(حمد سے ماخوذ)

محمد مصطفیٰ صلِّ علیٰ سلطانِ دیں تم ہو زمانے بھر کے حامی رحمۃ للعالمیں تم ہو
دو عالم جس سے نورانی، وہ نورِ اوّلیں تم ہو فروغِ بزمِ عالم، زینتِ عرشِ بریں تم ہو
یہ مانا ہند میں ہوں میں مدینے کے مکیں تم ہو نہاں نظروں سے ہو لیکن مرے دل کے قریں تم ہو
ترے بس کی نہیں مدحت، یہ کہہ کر ختم کر ثابتؔ خدا کے بعد اے آقا! جو کچھ ہو بس تمہیں تم ہو

جناب ثابتؔ خیرآبادی کے اشعار کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ ان کا مطالعہ وسیع اور اسلامی تاریخ پر نظر گہری تھی۔ان کے اشعار اسلامی تہذیب کی پوری عکاسی کرتے ہیں۔یہ ایک کہنہ مشق اور قادرالکلام شاعر تھے۔چند اشعار ضیافتِ طبع کے لیے مزید درج کئے جارہے ہیں۔

پی کر جسے مدہوش ہوئے حضرت جامیؔ　　اس جام کی تلچھٹ مل جائے محمدﷺ
زنجیر بھی ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم　　اک پل میں سرعرش گئے آئے محمدﷺ
ثابتؔ میں بناؤں گا اسے تاجِ سر اپنا　　مل جائے اگر نقشِ پائے محمدﷺ

......

ہر روز مدینے کا نقشہ آنکھوں سے اترتا ہے دل میں
کچھ دیر خوشی کچھ دیر کا غم یہ عید و محرم کیا کہئے

حضرت ساجدؔ خیرآبادی

حضرت ساجد خیرآبادی کی ولادت 5 مارچ 1956ء کو ہوئی۔اس زمانے میں آپ کے والد شاہجہانپور کی آرڈیننس فیکٹری میں برسرِ ملازم تھے۔آپ کے والد حضرت ثابت خیرآبادی خوش فکر شاعر ہونے کے باوجود قناعت پسند تھے۔انہوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم وتربیت کے لیے اپنا آبائی وطن خیرآباد منتخب کیا۔چنانچہ جونیر ہائی اسکول اور انٹر کے درجات شاہجہانپور کے کالجوں سے پاس کیا۔پھر بی.اے اور ایم.اے (اردو) کے امتحانات شاہجہانپور سے پاس کئے۔

اسی درمیان ان کے والد ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔تلاش معاش میں زیادہ وقت نہیں لگا کہ شاہجہانپور میں ہی فیکٹری میں ملازمت مل گئی۔ جہاں انہوں نے اپنی بھی مدتِ ملازمت پوری کرکے سبکدوشی حاصل کرلی ہے۔

جیسا کہ ماقبل میں تحریر کیا جاچکا ہے کہ خیرآباد زمانۂ قدیم سے روحانی مرکز رہا ہے اور یہیں پر حضرت بڑے مخدوم صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان خلیفہ حضرت شاہ مینا شاہ علیہ الرحمہ بھی آرام فرما ہیں۔ان کا آستانہ مرجع خلائق ہے۔ان کے آستانہ پر بکثرت منقبت کی بزم آرائی ہوتی تھیں۔اس لیے وہ بھی بحیثیت سامع شریک بزم ہوکر لطف اندوز ہوتے رہے۔

چونکہ والد صاحب خود ایک قادرالکلام خوش عقیدہ شاعر تھے۔اس لیے شاعری کے عناصر بھی قدرت نے ان کی فطرت میں داخل کردی تھی۔اُس زمانہ میں خیرآباد میں حضرت جنبشؔ خیرآبادی کی شاعری کی بڑی دھوم مچی ہوئی تھی وہ استادالشعراء کے منصب پر فائز تھے۔باوجود اِس کے کہ وہ صوم و

صلاۃ کے بھی بہت پابند تھے۔نماز پنج وقتہ وہ حضرت شہنشاہ ولایت حضور سیدی شیخ سعدالدین علیہ الرحمہ المعروف بڑے مخدوم صاحب قبلہ کے آستانے سے متصل مسجد میں ادا کرتے۔ جہاں ساؔجد خیرآبادی کی ان سے بعد نماز اکثر ملاقات ہوتی۔

خوش قسمت ایک دن حضرت ساؔجد خیرآبادی کے دماغ میں نعت پاک کا ایک مطلع آیا اوراس پر چند تقدیسی اشعار کہہ کر حضرت جنبشؔ خیرآبادی کی خدمت میں حاضر ہوکر پیش کیا۔ یہی جناب ساؔجد خیرآبادی کی شاعری کا روز اوّل ہے۔استاذ کی حوصلہ افزائی نے ساؔجد صاحب کو شعر گوئی کی طرف مائل کردیا۔حضرت جنبشؔ خیرآبادی سے برابر اصلاحِ سخن جاری رکھا۔اور ساؔجد خیرآبادی شعر گوئی پر متوجہ ہوکر نعتیہ مشاعروں میں اپنا کلام پڑھ کر استاذ حضرت جنبشؔ خیرآبادی نیز عوام وخواص سے داد و تحسین حاصل کرتے رہے۔

اسی دوران جب حضرت ساؔجد خیرآبادی کو فیکٹری شاہجہانپور میں ملازمت مل گئی۔ یہاں بھی کبھی والد کے ہمراہ کبھی خود علمی وادبی بزم میں شریک ہوتے۔جس نے ان کو ایک قادرالکلام شاعر بنانے میں اہم کردارادا کیا۔وہ خوش فکر شاعر کی حیثیت سے مسلّم ہو چکے ہیں۔مشقِ سخن برابر جاری رکھ کر صفِ اوّل کے شعراء میں شامل ہوگئے ہیں۔آپ حضرت سلطان العارفین المعروف محمد عارف میاں علیہ الرحمہ سے مرید بھی ہیں۔جن کی شان میں آپ نے متعدد منقبتیں کہی ہیں۔

جناب ساؔجد خیرآبادی تقدیسی کلام کہنے میں مہارتِ تامہ رکھتے ہیں وہ عشقِ رسولِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گنجینہ اپنے سینے میں موجزن رکھتے ہیں اور یہ ابدی دولت ان کو حضرت عارف میاں علیہ الرحمہ سے حاصل ہوئی ہے۔حضرت ساؔجد خیرآبادی کا اسلامی تاریخ پر وسیع مطالعہ ہے۔انہیں اسلامیات سے گہرا شغف ہے۔وہ جو بھی شعر نظم کرتے ہیں پہلے ان پر خوب غور وفکر کرتے ہیں۔الفاظ کے استعمال میں کمال حاصل ہے۔عموماً عام فہم زبان استعمال کرکے کلام کے معیار کو برقرار رکھنے میں مہارت ہے۔بیان میں فصاحت کا عنصر غالب ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

آپ کا ہم پر کرم جب شاہِ بطحا ہوگیا
نور سے معمور اپنا قلب و سینہ ہوگیا

......

مہرباں ہر ایک پر میرے پیمبر کا مزاج
نرم و نازک بامروت دیں کے رہبر کا مزاج

نیک خصلت آج تک ایسا کوئی آیا نہیں
سب سے بہتر نیک دل محبوبِ داور کا مزاج

یہ اشعار بھی اپنی نوعیت کے منفرد ہیں۔خیال کی رفعت، بلند وبالا مضامین اور بیان میں ندرت کا پہلو نمایاں ہے۔شعر دیکھئے:

میرے آقا سے نسبت جسے ہوگئی — اس کی عظمت خدا کی قسم بڑھ گئی
یادِ سرکار میں جو بھی آنسو ڈھلیں — وہ ہیں بیشک نگینے خدا کی قسم
آئے دنیا میں جس وقت میرے نبی — ہوگئیں دور تاریکیاں کفر کی
ناز انسانیت جن پہ کرنے لگی — دے دیئے وہ قرینے خدا کی قسم

......

سرکارِ دوعالم کی عطا دیکھ رہا ہوں
چھائی ہوئی رحمت کی گھٹا دیکھ رہا ہوں

سعید الحسن خاں گہرؔ خیرآبادی

آپ کا اصل نام سعید الحسن ہے مگر شہرت اپنے قلمی نام جناب گہرؔ خیرآبادی سے ملی۔آپ اپنے تخلص گہرؔ کے بالکل عین مطابق ہیں۔ان کا اخلاق بہت بلند ہے۔کثیر احباب کے مالک ہیں۔چونکہ درس وتدریس سے پوری زندگی وابستہ رہی اور مزید برآں قصبہ ہی میں رہے اس لیے شاگردوں کی بھی تعداد بہت ہے۔خیرآباد کی قدیم روایت اور تہذیب وتمدن کے حقیقی پیکر ہیں۔حافظ شیرازی نے غالباً ایسے ہی باوضع انسانوں کے بارے میں کہا تھا کہ ؎

آسائشِ دو گیتی تفسیر ایں دو حرفست
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

گہرؔ خیرآبادی کی ولادت 9 جولائی 1953ء کو محلّہ کالا پیادہ خیرآباد ضلع سیتاپور میں ہوئی۔دستورِ زمانہ کے مطابق آپ کی تعلیم کا آغاز اردو، عربی سے ہوا۔ابتدائی اور ثانوی درجات کی تعلیم مقامی اور سیتاپور کی درسگاہوں میں حاصل کی۔بی۔ایس۔سی لکھنؤ یونیورسٹی سے مکمل کرنے کے بعد اردو میں استعداد پیدا کرنے کی غرض سے حلیم کالج کانپور سے ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی۔اس کے بعد بی۔ایڈ کی تربیت کی ڈگری بھی لی۔

اسی دوران آپ کا نیاز یہ جونیئر ہائی اسکول خیرآباد میں ہی معلّم کے طور پر تقرر ہوگیا۔پوری زندگی درس وتدریس سے وابستہ رہے۔ابھی حال میں مدت ملازمت پوری کرکے سبکدوش ہوئے ہیں۔

جیسا کہ ماقبل تحریر کیا جا چکا ہے کہ خیرآباد علمی و ادبی قصبہ ہے۔ یہاں ہر دور میں نامور شعراء رہے ہیں۔ ان شعراء کے سرخیل ریاضؔ خیرآبادی ہوئے ہیں۔ جنھوں نے اردو ادب کی زلفِ گرہ سلجھانے میں اہم کردار کیا ہے۔ جناب گہرؔ خیرآبادی نے اسی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور اسی ادبی فضا میں تعلیم و تربیت بھی حاصل کی۔ گہرؔ خیرآبادی نے شعر و شاعری کی دنیا میں جب قدم رکھا تو خیرآباد کی ادبی فضا میں جناب جنبشؔ خیرآبادی کی بڑی دھوم مچی ہوئی تھی۔ وہ ایک قادرالکلام اور فی البدیہہ شاعر تھے۔ ان کی شاعری اور اسرار و رموز پر بڑی گہری نظر تھی۔ وہ بڑے دور بیں بھی تھے۔ چنانچہ جب گہرؔ خیرآبادی سعیدالحسن بن شریف الحسن کی حیثیت سے استاذ شاعر جناب جنبشؔ خیرآبادی کے روبرو بغرض اصلاح کلام لے کے پہنچے تو انہوں نے اپنے ہونے والے شاگرد کی پیشانی کو بغور پڑھا اور بقول شیخ سعدی شیرازی۔

بالائے سرش ز ہوش مندی
می تا بد ستارۂ بلندی

اپنی شاگردی میں لے لیا۔ اب گہرؔ صاحب اپنے کلام پر برابر اصلاح لینے لگے۔ جناب جنبشؔ خیرآبادی اپنے شاگردوں کے کلام پر بڑی توجہ سے اصلاح فرماتے تھے۔ مگر چونکہ گہرؔ صاحب طبع رواں کے مالک تھے اور قدرت نے انہیں روز ازل میں شاعری کا ملکہ عطا فرمایا دیا تھا۔ اس لیے اسے بروئے عمل لانے میں دیر نہ لگی۔ اور بہت جلد استاد کی نگہ توجہ نے ان کو ایک قادرالکلام شاعر بنا دیا۔

گہرؔ صاحب کی شاعری سے قبل وسیمؔ خیرآبادی اور جنبشؔ خیرآبادی وغیرہ کی استادی اپنے شباب پر تھی۔ ان اساتذہ کے زیر سایہ گہرؔ خیرآبادی نے بھی شعر کہہ کر خیرآباد میں اپنا نام مقبول شعراء میں ثبت کرا دیا۔ وہ آج اساتذہ شعراء کے صف میں شمار کئے جاتے ہیں۔ نو واردانِ سخن ان سے روز اصلاح کلام کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ موصوف بڑی خندہ پیشانی سے اپنے شاگردوں کے کلام پر اصلاح دے کر شاعری کے اسرار و رموز سے آگاہ فرماتے رہتے ہیں۔ آج گہرؔ صاحب کے شاگرد قادرالکلام شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔

جناب گہرؔ خیرآبادی کو شعر و شاعری کی دنیا میں قدم رکھے ہوئے عرصہ ہو چکا ہے۔ وہ خیرآباد کی ایک ادبی سوسائٹی ''بزم غزل اردو'' کے صدر بھی ہیں۔ جس کے زیر اہتمام ہر ماہ شعری نشست منعقد ہوتی ہے۔ گہرؔ صاحب کے 3 مجموعہ ہائے کلام شائع ہو کر منظر عام پر آ چکے ہیں۔ جن میں 1 ''جمال لازوال'' نعتیہ کلام پر مشتمل ہے۔

گہرؔ خیرآبادی نعت گوئی میں قدرتِ تامہ رکھتے ہیں۔ ان کو رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ عشق ہے۔ مطالعۂ قرآن پاک وسیع ہے۔ ان کی تقدیسی شاعری کا سرچشمہ قرآن پاک اور

احادیث مقدسہ ہے۔ وہ نہایت پاکیزہ اور رواں زبان میں شعر کہتے ہیں۔ ثقیل الفاظ سے یکسر احتراز کیا ہے۔ تقدیسی کلام سے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

یہ شانِ کرم اللہ و غنی مکی مدنی شاہِ زمنی ﷺ
جس نے بھی پکارا اُس کی بنی مکی مدنی شاہِ زمنی ﷺ

جس بادۂ عرفاں کو پی کر بیدار ہوئی رندوں کی نظر
ہے آپ ﷺ کے وہ دامن کی چھنی مکی مدنی شاہِ زمنی ﷺ

سانسوں میں تری یادوں کی فضا پھولوں کی طرح اشکوں کی ردا
یہ میرے لئے گل پیرہنی مکّی مدنی شاہِ زمنی ﷺ

آواز یہی ہے دل کی گہؔر جو وردِ زباں ہے شام وسحر
مکّی مدنی شاہِ زمنی ﷺ! مکّی مدنی شاہِ زمنی ﷺ

......

کیاان کی ذاتِ پاک ہے کیا اُن کی شان ہے — پر نور جن کے نور سے سارا جہان ہے
سرکار ﷺ کی رضا پہ خدا کے ہیں فیصلے — سرکار ﷺ مہرباں تو خدا مہربان ہے
اوصاف ان کے لکھوں یہ میری بساط کیا — قرآن جن کی مدح میں رطب اللسان ہے
اللہ کے کلام سے ثابت ہوئی یہ بات — سرکار ﷺ کی زبان خدا کی زبان ہے
کرتے رہیں ثنا شہہِ کون و مکاں کی ہم — یارب ہمارے جسم میں جب تک یہ جان ہے
کون و مکاں میں شانِ نبوت کا ہے گواہ — پتھر پہ جو نبی ﷺ کے قدم کا نشان ہے
خوابیدگانِ وقت کو بیدار جو کرے — دنیا میں اب کہاں وہ بلالی اذان ہے
احمد ﷺ میں اور احد میں کوئی فاصلہ نہیں — پردہ ہے ایک میم کا جو درمیان ہے
قرآن اور حدیث پہ کرتا ہے جو عمل — ایمان اور دیں کا وہی پاسبان ہے
اصحاب پاک آپ ﷺ کے تاروں کے مثل ہیں — سلطانِ انبیاء کا مقدس بیان ہے
ہے پیروِ نبی ﷺ مکرّم جو اے گہؔر — ہر شعبۂ حیات میں وہ کامران ہے

مفتی محمد الیاس تائبؔ خیرآبادی

خیرآباد (سیتاپور) ایک قصبہ ہی نہیں بلکہ علمی وادبی قدیم دبستان بھی ہے۔ جوصوری ومعنوی اعتبار سے منفرد اوصاف کا حامل ہے۔ یہاں عہد قدیم سے تا حال صاحب علم دانشور فکر شعرِ ونثر نگاری

میں مصروف رہے ہیں۔ان ہی دانشورانِ ادب میں حضرت تائبؔ خیر آبادی کا نام سرِفہرست ہے۔

آپ کا اسم گرامی محمد الیاس ہے۔ان کی ولادت 17 اکتوبر 1972ء کو خیر آباد میں ہوئی۔والد کا نام حاجی ریاض علی ہے۔ابتدائی تعلیم کلام الٰہی سے شروع ہوئی جو بعد میں مکمل قرآن پاک سینہ میں محفوظ ہوگیا۔اس کے بعد عربی زبان وادب کی اعلیٰ تعلیم اور درسِ افتاء دارالعلوم دیو بند سے حاصل کیا۔ نیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے میڈیکل اور میرٹھ یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم۔اے کیا۔

چونکہ ڈاکٹر تائبؔ خیر آبادی کو خیر آباد اور علی گڑھ کی علمی وشعری محفلوں سے برابر مستفید ہونے کے مواقع ملتے رہے۔اس لئے فکرِ شعر سے خود کو نہ روک سکے اور علی گڑھ میں دورانِ تعلیم جناب امانت اللہ اسیرؔ کے روبرو زانوئے ادب تہہ کر کے شعر گوئی کے اسرار ورموز سے آگاہی حاصل کی۔چنانچہ چند ہی دنوں میں آپ ایک خوش فکر اور قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے متعارف ہوگئے۔فی الحال تدریسی خدمت کے ساتھ علمی، ادبی اور شعری سرگرمیوں میں برابر شریک رہتے ہیں۔

جناب تائبؔ خیر آبادی ایک ذی علم اور بالغ فکر دانشور ہیں۔ان کی فکر میں بالیدگی، زبان و بیان پر مکمل قدرت، خیال میں رفعت ہے۔عربی زبان پر قدرتِ تامہ نے کلام کے لطف کو دوبالا کر دیا ہے۔ان کی نظر میں معتبر شعراء کے کلام کے ساتھ کلاسیکی شعراء کے دیوان بھی ہیں۔جن سے استفادہ کرنے کا پتہ ملتا ہے۔آپ خیر آباد کے نمائندہ شعراء میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔

چونکہ جناب تائبؔ خیر آبادی عربی وفارسی زبان وادب سے بخوبی واقف ہیں۔ساتھ ہی ساتھ تفسیر واحادیث مقدسہ پر بھی گہری نظر ہے۔اس لیے نعت گوئی سے رغبت ہونا لازمی بات ہے۔مزید برآں خیر آباد کی شعری بزم آرائی نے ان کی جودتِ فکر کو جلا عطا کی۔

حضرت تائبؔ خیر آبادی کی نعتیہ شاعری صوری ومعنی محاسن سے عبارت ہے۔وہ چھوٹی اور بڑی بحروں میں شعر کہتے ہیں۔کلام میں ندرت بیان کا عنصر غالب ہے۔ان کی نعوت سے چند اشعار درج ذیل ہیں۔ؔ

کفر کانپا، شرک لرزاں، جہل چکنا چور ہے ‏ آ گئے ختم الرسل اب ہر مصیبت دور ہے
خوف لٹنے کا نہیں ہے روشنی بھرپور ہے ‏ رہبری کے ساتھ عشقِ نبی کا نور ہے
منزلوں کے فرق سے فرقِ مراتب ہے عیاں ‏ اک قریبِ قابَ قوسین اک کلیم طور ہے
بخشوا لیں گے یقیناً حشر میں آقا ہمیں ‏ ربِّ ھب لی امتی جن کی دعا منظور ہے

......

مقدر اوج پر اک دن ہمارا ہو تو ایسا ہو سفر ہو اپنا طیبہ کا نظارا ہو تو ایسا ہو
پکارا کہہ کے یٰسیں اور طٰہٰ آپ کو رب نے کنایہ ہو تو ایسا ہو اشارا ہو تو ایسا ہو
مثالِ شانِ پیغمبر کہاں ممکن ہے اے تائبؔ ہوا ہے چاند دو ٹکڑے اشارا ہو تو ایسا ہو

......

کامیابی تو حقیقت میں اسے حاصل ہے سنتِ شاہِ امم پر جو بشر عامل ہے
مجھ کو کیا خوف بھٹکنے کا شبِ ہستی میں میرا رہبر تو ہدایت کا مہ کامل ہے
دولتِ علم کو دنیا میں کئی صدیوں تک جس نے تقسیم کیا آج وہ خود سائل ہے
بحرِ عصیاں نہ ڈبو پائے گا تائبؔ مجھ کو دامنِ شافعِ محشر جو مرا ساحل ہے

گلشنؔ خیرآبادی

عصر حاضر میں خیرآباد کی شعری بزم آرائی منعقد کرنے اور نئی نسل کو شعر ونغمہ کی جانب راغب کرنے میں ''بزم گلشن'' کا بہت اہم کردار ہے۔ اس بزم کے روحِ رواں جناب اشفاق علی ہیں۔ جن کا قلمی نام گلشن خیرآبادی ہے۔ موصوف ہر ماہ بڑی پابندی سے طرحی وغیر طرحی بزم منعقد کرتے رہتے ہیں۔

جناب گلشنؔ خیرآبادی کی ولادت 9 اکتوبر 1964ء کو خیرآباد میں ہوئی۔ والد کا نام شاکر علی ہے۔ گلشنؔ خیرآبادی ایک باشعور شاعر ہیں۔ انہوں نے شاعری خیرآباد کی علمی وادبی ماحول میں شروع کی۔ خیرآباد شعر ونغمہ کی دنیا میں درحقیقت ایک دبستان ہے جہاں صاحبِ علم وفضل بے شمار شعراء اور عارف باللہ و رسول ہوئے ہیں۔ اور بحمدہ تعالیٰ عصر حاضر میں بھی ہیں۔ ان میں حضرت ریاض خیرآبادی، جناب جنبشؔ خیرآبادی، جناب وسیمؔ خیرآبادی وغیرہ کے ساتھ مولانا فضل امام اور علامہ فضلِ حق خیرآبادی کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ جناب گلشن خیرآبادی نے ان تمام شعراء کے کلام اور مستند کتب کے مطالعہ سے اپنے کلام کو جلا بخشی۔ اس کے بعد اپنے شعر کو فنی اور دیگر تمام محاسن کے افہام وتفہیم کے خاطر پہلے جناب یقینؔ احمد ترمذی اور بعد میں ڈاکٹر عزیزؔ خیرآبادی کے روبرو بغرض اصلاح کلام پیش کیا۔ ان دونوں اساتذہ نے اپنے شاگرد میں موجود شعری جذبہ کو ظاہر کرنے کے لئے شاعری کے رموز سے آشنا کیا۔ آج وہ خیرآباد کے قادرالکلام شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کی جودت اور ندرت فکر پورے کلام میں عیاں ہے۔

گلشنؔ خیرآبادی کے کلام کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انہیں تقدیسی شعر گوئی میں

ملکہ حاصل ہے۔ وہ ندرت بیان میں پوری قدرت رکھتے ہیں۔ تقدیسی شاعری جس چیز کی متقاضی ہے۔ ان میں درجۂ اتم موجود ہے۔ ان کا مطالعۂ قرآن و احادیث وسیع ہے جسے وہ حسبِ ضرورت کلام میں نظم کرتے ہیں۔ آپ کا شعور بالغ ہے۔ فکر میں بالیدگی کا عنصر غالب ہے۔ صفائی اور سادگی نے ان کے کلام کا حسن دوبالا کر دیا ہے۔ بزم شعراء میں آپ اپنا کلام ترنم اور تحت دونوں میں پڑھتے ہیں۔ ایک شعری مجموعہ ''آئینۂ گلشن'' زیر طبع ہے جب کہ دوسرا مجموعہ زیر ترتیب ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام سے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

کھلی آنکھوں سے میں دیکھوں کبھی جلوہ محمد کا
''سجا رکھا ہے کب سے دل میں گلدستہ محمد کا''

......

حضرت حسان کی نسبت سے وہ مشہور ہے ــــ مومنو نعت نبی پڑھنے کا جو دستور ہے
پھر قلم سے نعت لکھنے کا مرا دستور ہے ــــ پہلے اشکوں سے وضو کرتے ہیں فکر و فن میرے
کون کہتا ہے کہ آنکھوں سے مدینہ دور ہے ــــ یاد آقا سے منور جب ہے گلشن دل ترا

......

مشک و عنبر حضور کی باتیں ــــ سب سے بہتر حضور کی باتیں
روزِ محشر ہر ایک عاصی کے ــــ ہوں گی حضور کی باتیں

......

میرے دل میں ہے یہ ارمان رسولِ عربی ــــ میں بنوں آپ کا دربان رسولِ عربی

......

مرحبا صد مرحبا امت رسول اللہ کی ــــ پائے گی نسبت سے یہ جنت رسول اللہ کی

حافظ مسعودؔ محمود آبادی

خیرآباد کی نئی نسل کے قادرالکلام شعراء میں حافظ مسعودؔ محمود آبادی ثم خیرآبادی کا نام سرفہرست ہے۔ مسعود صاحب کی ولادت محمود آباد (سیتاپور) میں 12 اگست 1983ء میں ہوئی۔ ان کے والد محمد سعید خاں نے ان کا نام مسعود عالم رکھا۔ انہوں نے علوم و فنون کے تمام درجات خیرآباد میں مکمل کیا۔ والدین کی مرضی کو پائے تکمیل تک پہنچاتے ہوئے اولاً آپ نے قرآن پاک حفظ کیا۔ اس کے بعد عربی و فارسی بورڈ کے تمام امتحانات مولوی، عالم، کامل، فاضل اور اردو ڈپلومہ پاس کئے۔ گویا آپ

دینی اور دنیاوی علوم سے مزین ہیں۔ درسی تعلیم سے فراغت کے بعد تدریسی دور میں قدم رکھا۔ اور خیرآباد میں ہی مدرسہ اشاعت العلوم میں تقرری ہوگئی۔ جہاں غمگینؔ سیتاپوری صاحب بحیثیت افسر مدرس پہلے سے وابستہ تھے۔ ان کی صحبت نے حافظ مسعود صاحب کے دل میں مخفی شعری استعداد کو بروئے عمل لانے میں مہمیز کا کام کیا اور 8 جنوری 2000ء کو ایک غزل کہی۔ اس کے بعد مجازؔ سلطانپوری اور مولانا اطہرؔ کملاپوری سے برابر اصلاح کلام لیتے رہے۔ جیسے ہی حافظ مسعود کی طبیعت میں روانی آئی۔ فوراً کلام میں مزید سلاست، چستی اور محاسن شعری سے آگاہی لینے کے لیے خیرآباد کے نہایت اعلیٰ ظرف اور استاد شاعر حضرت گہرؔ خیرآبادی کے روبرو زانوئے ادب تہہ کرنے کے لیے آ گئے۔ حضرت گہرؔ خیرآبادی نے اپنے شاگرد حافظ مسعود صاحب کو شعری محاسن اور اس کے اسرار و رموز سے بخوبی آگاہ کردیا۔

حافظ مسعود صاحب ایک خوش فکر شاعر ہیں۔ ان کا ایک شعری مجموعہ ''دبستانِ غزل'' نام سے شائع ہو چکا ہے۔ خیرآباد میں مستقل سکونت پذیر ہیں۔ اِس قصبہ میں ہر ہونے والی شعری بزم میں برابر شریک ہوتے ہیں۔ فکر میں ندرت ہے۔ تقدیسی کلام بہت معیاری ہے۔ کلام اسلامی تلمیح سے مزین ہوتا ہے۔ زبان و بیان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ عجز و انکساری ان کی ذات میں بہت ہے۔

حافظ مسعود کی نعتیہ شاعری میں رقت کا عنصر ملتا ہے۔ رفعت تخیل ہے۔ کلام میں فصاحت ہے۔ مطالعہ وسیع ہے۔ مشاہدہ وقیع۔ فکر شعر کے وقت تاریخ اسلام پیش نظر رکھتے ہیں وہ ؎

باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

کی حقیقت سے آشنا ہیں اور اسی دائرہ میں رہ کر شعر کہتے ہیں۔ ان کی مختلف نعتوں سے چند اشعار نذر ہیں۔ ؎

دل میں ارمان ہے اک روز مدینے جاؤں　　در پہ سرکار ﷺ کے رہ جاؤں نہ واپس آؤں
لاکھ ڈھونڈا مگر اب تک نہ ٹھکانہ پایا　　آپ ﷺ کے قدموں میں آؤں تو ٹھکانہ پاؤں
دل میں خواہش نہ حکومت کی نہ دولت کی رہے　　بس غلام آپ ﷺ کا اے سرورِ دیں کہلاؤں
میں بھی پرواز کروں ہند سے طیبہ کی طرف　　پر عطا کردے خدا اڑ کے مدینے جاؤں
ہجرِ آقا ﷺ میں گزرتی ہے جو دل پر میرے　　حالِ دل آپ کو مسعودؔ میں کیا بتلاؤں

......

دل کی فریاد مری آپ ﷺ کے در تک پہنچی　　ہند سے ہوتی ہوئی طیبہ نگر تک پہنچی

مدحتِ شاہِ دوعالم جو میں لکھنے بیٹھا | فکر کی موج مدینے کے سفر تک پہنچی
میں نے سرکارﷺ کے صدقے میں دعا مانگی ہے | اس لئے میری دعا بابِ اثر تک پہنچی
قتل کرنے کو عمر گھر سے چلے تھے لیکن | عشقِ احمدﷺ کی ضیاء قلب وجگر تک پہنچی
زلزلے آگئے مسعودؔ صنم خانوں میں | گونج اسلام کی جب کفر کے گھر تک پہنچی

نفیسؔ خیرآبادی

خیرآباد کی نئی نسل کے نمائندہ شعراء میں نفیسؔ خیرآبادی کا نام بہت نمایاں اور اہمیت کا حامل ہے۔وہ خود بھی عمدہ شعر کہتے ہیں اور نَو واردانِ سخن کی خوش دلی اور خندہ پیشانی سے رہنمائی بھی کرتے ہیں۔چودھری مشتاق احمد انصاری کے بیٹے نفیسؔ خیرآبادی کی ولادت 28 جون 1975ء کو خیرآباد میں ہوئی۔اردو میں دسترس رکھتے ہیں۔اردو معلم جامعہ اردو علی گڑھ سے سند یافتہ ہیں۔مگر تدریسی میدان میں نہ ہوتے ہوئے بھی قصبہ کے ادبی ماحول سے متاثر ہوکر شعر گوئی کی طرف متوجہ ہوئے۔پہلے جناب جنبشؔ خیرآبادی کو اپنا کلام بغرضِ اصلاح دکھایا۔ان کی رحلت کے بعد ڈاکٹر عزیزؔ خیرآبادی سے رجوع کیا۔

نفیسؔ خیرآبادی ایک قادرالکلام اور خوش فکر شاعر ہیں۔صدائے حرف شعری مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ادبی شعری ونثری کتابوں کے برابر مطالعہ نے کلام میں انفرادیت پیدا کردی ہے۔نعتیہ کلام میں نئے نئے مضامین کونظم کرنے میں کمال حاصل ہے۔نعت کے چند اشعار درج کئے جارہے ہیں:-

ہر لمحۂ حیات یہاں خوشگوار ہے | خلد بریں سے بڑھ کے نبی کا دیار ہے
آمد ہے کس کی آج فضا مشکبار ہے | صحرا پہ ابر رحمتِ پروردگار ہے
دنیا و آخرت میں اسی کا وقار ہے | جس کو رسولِ پاک کی سنت سے پیار ہے
سمجھے گا کون ان کے مراتب جہان میں | روزِ ازل سے جن کا خدا رازدار ہے
شامل اگر نبی کا وسیلہ دعا میں ہو | کھل کر رہے گا بابِ اثر اعتبار ہے

......

یہیں سے بھٹکے مسافر کو راہ ملتی ہے | درِ حضور پہ سب کو پناہ ملتی ہے
بلال یوں تو سیہ تھے مگر نبی کے غلام | نصیب والوں کو رنگت سیاہ ملتی ہے

......

سرورِ کونین کا ہمسر ہوا کوئی نہیں | رحمۃ للعالمیں سا دوسرا کوئی نہیں
شاہِ بطحا کے کرم کی انتہا کوئی نہیں | آپ کے در سے کبھی خالی گیا کوئی نہیں

محبوبؔ خیر آبادی

عصر حاضر میں خیر آباد کی شعری محفل کو جن شعراء نے اپنی ندرتِ فکر اور قدرتِ زبان و بیان سے رونق بخشا ہے اور تقدیسی شاعری کو اپنے لئے زادِ آخرت قرار دیا ہے ان میں محبوبؔ خیر آبادی کا نام سرفہرست ہے۔ ان کی ولادت 1949ء کو محلّہ قصباتی ٹولہ خیر آبادی میں ہوئی۔ والد کا نام قمر عالم ہے۔ اردو، فارسی اور عربی زبان وادب کا علم ہے۔ خیر آباد کی علمی، ادبی اور شعری ماحول سے متاثر ہو کر شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے۔ شروع شروع میں ضیاؔء خیر آبادی اور بعد میں ڈاکٹر عزیزؔ خیر آبادی سے اصلاحِ کلام لیا۔

محبوبؔ خیر آبادی کے کلام میں عشقِ رسولِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ ملتا ہے۔ زبان میں روانی ہے بیان میں چستی۔ بیان کی پاکیزگی اور رفعتِ تخیل نے کلام کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔

محبوبؔ خیر آبادی کا مطالعہ حدیث اور تاریخ اسلام وسیع ہے۔ مشاہدہ بھی نہایت وقیع اور عمیق ہے۔ ان کا تقدیسی کلام منفرد فکر و خیال پر مبنی ہے۔ نعت گوئی سے ان کو خصوصی دلچسپی ہے۔ نعتیہ کلام سے چند اشعار نذر قارئین ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

پوچھئے جبریل سے عظمت مرے سرکار کی فرش سے تا عرش ہے رفعت مرے سرکار کی
ظلم و دہشت سے ستی آدمیت کے لئے امن کا پیغام ہے دعوت مرے سرکار کی
دین و دنیا کی سعادت ان کو حاصل ہوگئی جن کے دل میں بس گئی چاہت مرے سرکار کی
دشمنوں کو بھی محبت سے نوازا آپ نے مدح خواں پھر کیوں نہ ہو امت مرے سرکار کی
بس یہی اک آرزو محبوبؔ اپنی ہے فقط روز محشر بھی رہے شفقت مرے سرکار کی

......

دیار نور ہے دنیا میں کیسا ہم بھی دیکھیں گے
کرم اللہ کا ہوگا مدینہ ہم بھی دیکھیں گے
میں یہاں ہوں بارگاہِ ذاتِ اقدس دور ہے
کیوں نہ تڑپے ہجر میں یہ دل مرا مجبور ہے
جس کے سینے میں فروزاں ہے غمِ عشق نبی
زندگی پُر نور اس کی موت بھی پُر نور ہے

......

ممکن کہاں بشر سے جو تعریف لکھ سکے
جب مدح خواں رسول کا پروردگار ہے

ضیاؔء انصاری خیرآبادی

خیرآباد کی نئی نسل کے شعراء میں ضیاء الدین انصاری کا نام نمایاں طور پر قابلِ ذکر ہے۔ ان کی ولادت محلّہ مہندری ٹولہ خیرآباد میں 1968ء میں ہوئی۔ والد کا نام جمال الدین ہے۔ آپ نے اپنے کلام میں اصلاح کے لیے ڈاکٹر عزیؔز خیرآبادی کا انتخاب کیا۔ جن کی تربیت نے ضیاؔء خیرآبادی کو قادرالکلام شاعر بنادیا۔

ضیاؔء خیرآبادی نے اپنی جودتِ طبع سے خیرآباد کے شعراء میں منفرد مقام حاصل کرلیا ہے۔ وہ مقامی نشستوں اور مشاعروں میں برابر شریک ہوکر اپنی ندرتِ فکر کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ ان کا کلام ان کے روشن مستقبل کا غماز ہے۔ ان کے نعتیہ کلام سے بطورِ نمونہ چند اشعار درج ہیں۔

اللہ رے یہ جذبۂ الفت رسول ﷺ کا
ہر ایک پر ہے سایۂ شفقت رسول ﷺ کا

آئے تو کوئی در پہ عقیدت سے مانگنے
سب پر کھلا ہے بابِ عنایت رسول ﷺ کا

دشمن کو بھی نوازہ دعاؤں سے آپ ﷺ نے
کیا خوب ہے طریقِ رفاقت رسول ﷺ کا

گھبرائیں کیوں وہ گرمئ محشر میں اے ضیاؔء
سر پر ہے جس کے سایۂ رحمت رسول ﷺ کا

......

کس کی آمد ہے چمن میں کہ فضا جھوم اٹھی
ہر طرف دیکھیے رحمت کی گھٹا جھوم اٹھی

نورِ حق آیا ہے خود شمعِ رسالت بن کر
ظلمتیں چھٹ گئیں عالم میں ضیاء جھوم اٹھی

صدق دل سے کبھی جا کر کسی فریادی نے
درِ آقا ﷺ پہ جو مانگی تو دعا جھوم اٹھی

در بدر پھرتی تھی خوشبو کی تمنا لے کر
کوئے سرکار ﷺ میں پہنچی تو صبا جھوم اٹھی

مرحبا صلِّ علیٰ نامِ نبی ﷺ سن کر ضیاؔء
عالمِ کیف میں مستوں کی صدا جھوم اٹھی

شفاعتؔ خیرآبادی

خیرآباد کی سرزمین شعروادب سے عبارت ہے۔ اردو زبان کی یہ اوّلین خوبی ہے کہ اس کی گیسو سنوارنے کے لیے اردو شعبہ سے وابستہ رہنا ضروری نہیں۔ مشاہدہ میں یہ حقیقت بکثرت ہے۔ یہ بات خیرآباد کے شاعر شفاعت علی پر صادق آتی ہے۔ ان کے والد منشی رمضان علی اپنے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم

تو نہیں دلا سکے مگر بیٹے کو اردو کی خدمت یعنی فکرِ شعر سے نہیں روک سکے۔ وہ محلّہ روضہ دروازہ خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ خیرآباد کی علمی و ادبی ماحول سے متاثر ہوکر شعر گوئی کی طرف متوجہ ہوئے۔ نوجوان اور نئی نسل کے نمائندہ شاعر جناب نفیسؔ خیرآبادی سے اصلاحِ سخن لینا شروع کیا۔ اور جلد ہی خضرِ راہ کے مشورہ پر عمل پیرا ہوکر ایک شاعرِ قادرالکلام کی جگہ مسلم کر لی۔

عام شعراء کی روایت پر عمل کرتے ہوئے شفاعتؔ خیرآبادی نے بھی اپنی شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کی، مگر جلد ہی قدرتِ زبان حاصل ہوتے ہی نعت گوئی کی طرف مائل ہوگئے۔ ان کے نعتیہ کلام میں ندرت، برجستگی اور روانی ہے۔ نعتیہ کلام سے چند اشعار نذر ہیں ۔

جب تصور میں دیارِ مصطفیٰ کا نور ہے ۔۔۔ کیسے کہہ دوں میں کہ آنکھوں سے مدینہ دور ہے
سامنے باطل کے ہرگز ہم کبھی جھکتے نہیں ۔۔۔ حق پر چاہے سر بھی کٹ جائے، ہمیں منظور ہے
واقعہ شق القمر ہو یا پیالہ دودھ کا ۔۔۔ معجزہ ہر اک مرے سرکار کا مشہور ہے

......

جہالت کے اندھیروں میں وہ بن کر آئینہ آئے ۔۔۔ ہدایت کے لیے قرآن لے کر مصطفیٰ آئے
پڑھا یا سنگریزوں کو بھی کلمہ میرے آقا نے ۔۔۔ گنہگارانِ امت کے وہ بنکر آسرا آئے
رہے گا اب نہ کوئی تشنہ لب محشر میں اے لوگو ۔۔۔ شفاعت حوضِ کوثر کے وہ مالک مصطفیٰ آئے

قاری اعظم جہانگیرآبادی ثم خیرآبادی

خیرآباد کے جدید لب و لہجہ اور منفرد فکر کے حامل شعراء میں قاری اعظم جہانگیرآبادی ثم خیرآبادی کا نام سرفہرست ہے۔ یہ نئی نسل کے شعراء میں نمایاں مقام رکھتے ہے۔

محمد اعظم خاں نام اور تخلص اعظمؔ ہے۔ مورخہ 8 جولائی 1975ء کو موضع کوٹھار متصل قصبہ جہانگیرآباد، تحصیل بسواں، ضلع سیتاپور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام محمد عاشق خاں ہے۔ ابتدائی تعلیم قرآن پاک ناظرہ سے شروع ہوئی۔ پھر اسے حفظ کر کے قرأت سیکھی۔ اس کے بعد مدرسہ تعلیمی بورڈ اتر پردیش سے تمام امتحانات پاس کئے۔ موجودہ وقت میں خیرآباد میں ہی درس و تدریس سے وابستہ ہیں اور یہیں مستقل سکونت پذیر ہیں۔

انہوں نے خیرآباد کے علمی و ادبی ماحول سے متاثر ہوکر 1990ء سے شعر کہنا شروع کیا۔ اپنے کلام کی اصلاح قصبہ کے نامور شاعر حضرت گہرؔ خیرآبادی سے لی۔ استاذ کی نگہ توجہ نے جلد قادرالکلام شاعر بنا دیا۔ آپ خیرآباد کے نمائندہ شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ عجز و انکساری اور خلوص ان میں

بدرجہ اتم موجود ہے۔فکرِ شعر میں خاص توجہ دیتے ہیں۔کلام میں ندرت، تخیل میں بلندی ہے۔الفاظ کو برمحل استعمال کرنے کا ہنر خوب جانتے ہیں۔زبان و بیان سادہ ہے۔مشکل الفاظ کے استعمال سے کلام کو غیر فصیح نہیں ہونے دیتے۔یہ محاسن ان کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔غزل اور نعت دونوں اصناف میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔چند نعت کے اشعار درج ہیں:

جس گھڑی سرکار کا لطف و کرم ہوجائے گا
دور سب دل کا مرے رنج و الم ہوجائے گا

دل سے جو شیدائے شاہِ امم ہوجائے گا
وہ زمانے کی نظر میں محترم ہوجائے گا

جب لکھے گا نعت بحرِ عشق میں تو ڈوب کر
اے قلم تو محترم در محترم ہوجائے گا

جس کو بھی مل جائے گا دامن رسول اللہ کا
وہ یقیناً مالکِ جاہ و حشم ہوجائے گا

ساقیٔ کوثر کے آگے بادۂ رنگیں کہ بات
پینے والے دیکھ تیرا ظرف کم ہوجائے گا

منزلِ مقصود اعظمؔ پائے گا وہ بالیقیں
نقشِ پائے مصطفیٰ جس کا قدم ہوجائے گا

......

مال و زر کیا چیز ہے ان کی خوشی کے واسطے
جان دے سکتا ہوں میں پیارے نبی ﷺ کے واسطے

رب نے میرے مصطفیٰ کی برتری کے واسطے
روزِ اوّل چن لیا پیغمبری کے واسطے

سارے عالم کے لئے ایوانِ عبداللہ میں
جل اٹھی شمع رسالت روشنی کے واسطے

کیوں غلامانِ نبی ﷺ پیرو کسی رہبر کے ہوں
جب نقوشِ مصطفیٰ ہیں رہبری کے واسطے

یہ زمین و آسماں یہ چاند سورج کہکشاں
رب نے ہیں سب کچھ بنائے آپ ہی کے واسطے

روز و شب روئے بہت روئے برائے مغفرت
محسنِ انسانیت ہر امتی کے واسطے

نسخۂ نباضِ عالم کو کرو دل سے قبول
ہے یہی کافی علاجِ باطنی کے واسطے

کس طرح اعظمؔ کرے مدحت رسولِ پاک کی
لفظ ملتے ہی نہیں نعتِ نبی کے واسطے

☆☆☆

قاضی سید وحید احمد میر غلام حسین (جالنہ۔مہارشٹرا)

امام احمد رضا خاں رضاؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری میں ہیئتی تجربات
(غزل،قصیدہ،مثنوی،قطعہ،اور رباعی کی رو سے)

انسان خود اپنا سب سے بڑا ناقد ہوتا ہے اور اگر بات شاعری کی ہو تو یہ مثال صد فیصد صحیح ہے۔ عموماً ہم جب شاعری کی بات کرتے ہے۔تو ہمارے ذہن میں صرف ایک ہی صنف ہوتی ہے اور وہ ہے غزلیہ شاعری، باقی اصناف کے بابت ہم لوگ بالکل ناواقف نظر آتے ہیں اور غزل کے بابت بھی صرف اتنا ہی سمجھ لیا جاتا ہے کہ قافیہ اور ردیف کا خیال رکھا جائے عروض، بحر اور اوزان عموماً ہماری نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں یا یوں بھی کہا جائے پوشیدہ کر دیے جاتے ہیں تو غلط نہ ہوگا۔شاعری کو مختلف اصناف میں تقسیم کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی یہ ایک ایسا سوال ہے جس کے جواب کا علم ہونا ہر صاحب ذوق کے لیے ضروری ہے یہ تقسیم دراصل مختلف تخلیقات کے تقابل اور انھیں پہچاننے پرکھنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ ایک بار تخلیق کی شعری صنف کا اندازہ ہو جائے تو اسے تکنیکی باریکیوں سے پرکھا جا سکتا ہے۔اس کے سقم دور کیے جا سکتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی چاشنی کا لطف لیا جا سکتا ہے۔اور یہی اصناف کبھی کبھی شعراء کی پہچان بن جاتی ہیں۔جیسے میرؔ و غالبؔ اپنی غزلوں کی سبب اور اقبالؔ و فیضؔ اپنی نظموں کی سبب جانے جاتے ہیں۔اسی طرح احمد رضاؔ خان صاحب بھی اپنے نعتیہ کلام سے جانے جاتے ہیں۔ ویسے تو وہ بستانِ حجاز، حسان الہند، طوطیٔ شکرستانِ نعت، سرمست محدث، فقیہ نکتہ داں، بلند پایۂ خطیب، مفکر اور بحر العلوم تھے۔لیکن ساتھ ساتھ خوشنوا شاعر بھی تھے۔اور میرا مضمون انھیں کی شاعری کے متعلق ہے۔ جو ان کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

مختصراً سوانحی حیات :

مولانا کے اسلاف عہد مغلیہ میں قندھار سے وارد ہند ہوئے تھے۔مغل شہنشاہوں کے دربار

میں مناصبِ جلیلہ پر ممتاز رہے۔ اور جاگریں حاصل کی لیکن ان کے دادا حضرت شاہ رضا علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے وقت کے بے مثل عالم اور ولی کامل تھے۔ آپ کو سرکاری عہدوں سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ انھوں نے خدمت دین اور عبادت و ریاضت کا شغل اختیار کیا۔ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد بھی اپنے دور کے بلند مرتبہ عالم اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ انھیں جملہ علوم وفنون میں کمال حاصل تھا۔ اسی ادبی گھرانے میں مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۴؍جون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ پیدائشی نام محمد اور تاریخی نام المختار ہوا۔ داد نے احمد رضا خان نام رکھا۔ مولانا نے چار سال کی عمر میں قرآن شریف ناظرہ ختم کرلیا مزید تعلیم مرزا غلام قادر بیگ، مولانا ابوالحسین نوری مارہروی، مولانا عبدالعلی رامپوری اور والد محترم سے حاصل کی اور صرف چودہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے۔ والد محترم نے انھیں فتویٰ نویسی کی خدمت پر مامور کردیا بڑے ہوئے تو ایک ماہ کی قلیل مدت میں قرآن حکیم حفظ کیا۔ دو مرتبہ حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ برصغیر میں ہر دور میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازیشیں ہوتی رہیں مسلمانو کے عقائد اور اخلاق بگاڑنے اور دینی روایات واقدار ختم کرنے کی کوشیش کی گئیں۔ مولانا نے اپنے عہد میں دشمنان دین کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور باطل فرقے کی بیخ کنی کے لیے میدان عمل میں کود پڑے ماہِ صفر ۱۳۴۰ھ م ۱۹۲۱ء میں وفات پائی۔

جس طرح دیگر اصنافِ سخن قصیدہ، غزل، مرثیہ، مثنوی، میں اپنا ایک منفرد مقام اور اصول وضوابط رکھتے ہیں میرے خیال میں اصنافِ ادب میں نعت سے زیادہ نازک اور مشکل کوئی صنف نہیں اور اس سے عہدہ برآ ہونا ممکن بھی نہیں اس لیے کہ ذاتِ باریٔ تعالیٰ خود ثنا خوانِ محمد ہے بقول غالؔب

غالؔب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد ست

نعت ایک انتہائی محترم صنفِ سخن ہے اور رحمتِ پروردگار بھی، خدائے قدوس جب محبانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مہربان ہوتا ہے تو انھیں نعت کی توفیق عطا کرتا ہے۔ نعت کی روایت درود وسلام سے عبارت ہے۔ خالقِ کونین نے اصحابِ ایمان کو آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہر لحظہ و ہر آن درود وسلام کے گلاب نذر کرنے کا عمل جاری رکھنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ اسی کی بدولت درودوں کی خشبوں میں بس کر جب نعت کا قافلہ چلا تو صدیاں سمیٹ کر رہ گئیں۔ وقت اور زماں و مکاں کو تصورات سے ماوریٰ اس کاروانِ نعت کی رفتار میں کبھی کمی نہیں آئی۔ کیونکہ جس کی توصیف کا

حکم دیا جارہا ہے۔ وہ خود ربِ اعلیٰ کا محبوب ہے وہ فرشتوں کے قدوس ترانوں کا خاص موضوع ہے۔ وہ جملہ انبیاء ورسول کی مناجتوں کا اعزاز ہے۔ خدائے محمد نے نعتِ محمد کی توفیق بخش کر اصحابِ نعت کا رتبہ اس قدر بلند کر دیا کہ نعت گو شعراء نعت کہنے میں فخر محسوس کرنے لگے کہ یہ صنفِ سخن تو وجہ نجات بن گئی۔

نعت عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے لفظی معنی تعریف وستائش کے ہیں مگر تمام لغات میں اس کے مستعمل معنی توصیف وثنائے حضور ہی درج ہے۔ بلاشبہ یہ اس لفظ کی خوش قسمتی ہے کہ یہ ہمیشہ سے صرف اور صرف حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محامد ومحاسن بیان کرنے کے لیے استعمال ہورہا ہے۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب کے محبوب ہیں۔ خدا خود آپ کی رضا چاہتا ہے خلق خدا ہمہ وقت آپ کی خوش نودی کی متلاشی ہے درودوں کے پھول بارگاہِ رسول میں نذر کیے جارہے ہیں۔ نعتوں کے گلشن مہکائے جارہے ہیں۔ عقیدتوں کی شمعوں سے چراغاں کیے جارہے ہیں۔ چاہتوں کی کلیاں مہکائی جارہی ہیں۔ کیونکہ سبھی جانتے ہیں کہ نعت ہی محبوبِ کبریا کی بارگاہِ ناز میں رسائی کا موثر ذریعہ ہے۔ لیکن نعت گو یا نعت نگار کو اپنی فکری پرواز یا فکری شہباز کو بڑے ہی ہوش وخرد اور فہم وتدبر کے ساتھ اس پر خطر وادی میں اڑانا پڑتا ہے۔ اگر اس سے اس میں ذرا بھی لغزیش یا کوتاہی ہوجائے تو اس کا ایمان واعتقاد تباہ وبرباد ہوکر رہ جائے گا اور قریب قریب ہر نعت گو یا نعت نگار نے اس پر خطر وادی کی احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر اپنی فکری پرواز کو روا رکھا اس سے لغزش ہوکر رہی جن نعت گو شعراء نے اس پر خطر وادی کے خطرات کو محسوس کیا انہوں نے اپنی قلبی واردات اور محسوسات کو بایں طور پر بیان کیا۔

مولانا احمد رضاؔ خان صاحب بریلوی کہتے ہیں کہ:

> ''حقیقت میں نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے۔ جس کو لوگوں نے آسان سمجھا اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہوتا ہے۔'' [1]

ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں۔

> ''نعت کا موضوں ہماری زندگی کا ایک نہایت ہی عظیم ووسیع موضوع ہے اس کی عظمت ووسعت یک طرف سے عبد اور دوسری طرف معبود سے ملتی ہے، شاعر سے پائے فکر میں ذرا سی لغزش ہوئی اور وہ نعت کے بجائے گیا۔۔۔۔۔ حقیقت میں نعت کا راستہ بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے'' [2]

اس کے باوجود نعتیں لکھی گئیں اور بڑے شوق سے لکھی گئیں اور آج تک اس میں کسی قسم کمی نہیں آئی۔ ہر شاعر نے اس صنف میں طبع آزمائی کی۔ اور اس صنف کو اپنایا دنیا کی تمام زبانوں میں نعتِ پاک کے ذخیرے موجود ہیں اور ساری دنیا میں مسلمان اور شمعِ رسالت کے پروانے موجود ہیں۔ لیکن جب ہم اردو شاعری کے آغاز وارتقاء کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اردو شاعری کا آغاز مذہبی شاعری سے بلکہ یوں کہئے نعت گوئی سے ہوا۔ اور آغازِ شاعری تا حال اردو کا شاید ہی کوئی ایسا کم نصیب شاعر ہوگا جس نے نعت رسول اکرم پر کوئی شعر نہ کہا ہو دلورام کوثریؔ، راجہ کشن پرسادؔ، سرور نیز کتنے غیر مسلم شعراء ایسے گذرے ہیں جن کو مستقل نعت گو شاعر تسلیم کیا گیا۔ جب ہم نعت گوئی کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات کھول کر سامنے آجاتی ہے کہ اردو نعت گوئی کا آغاز حضرت سیدنا گیسو دراز سے لے کر تا حال مسلم نعت گو کے یہاں عقیدت کے ساتھ ساتھ عقیدے کا بھی اظہار پایا جاتا ہے۔

۱۱ھ کے آغاز میں جنوبی ہند میں باقاعدہ نعت گوئی کا آغاز ہوتا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ سے لے کر ولیؔ دکنی اور شمالی ہند میں آغاز شاعری تک شعراء نے حضور سے عقیدت و محبت کے والہانہ اظہار کے ساتھ نعتیں پیش کیں۔ اوّلین نعت گو صوفیائے کرام تھے ان کے بعد یہ کارواں میرؔ، سوداؔ مصحفیؔ کے عہد سے گذر کر غالبؔ مومنؔ ذوقؔ تک پہونچا پھر شہیدیؔ کافی مرادآبادی غلام احمد شہیدؔ، حالیؔ، لطفؔ بریلوی، تمناؔ مرادآبادی، ماہر القادریؔ، وغیرہ کا بڑا مرتبہ ہے۔ اس کے بعد دورِ جدید میں احمد رضاؔ کی نعتیں تبلیغ واشاعت کا بہت بڑا وسیلہ ثابت ہوئیں۔ آپ نے نعت کو اپنے اظہارِ عقیدت کا ذریعہ بنایا اور نعت کو روحانی کارناموں سے عقیدت وعقیدہ کا آئینہ بنایا آپ کے عہد میں نعت گوئی کو آگے بڑھانے میں آپ کے فرزند مولانا حامد رضاؔ بریلوی آپ کے برادر علامہ حسن رضا خاں حسن بریلوی اس طرح علامہ اقبالؔ۔ حفیظؔ جالندھری، اکبر وارثی، بیدم وارثی، امجدؔ حیدرآبادی، بہزادؔ لکھنوی، قمرؔ، بیکل بلرام پوری، رازؔ الہ آبادی، اجمل سلطان پوری وغیرہ ابھر کر سامنے آئے اور آج بھی بہت سے نعت گو اس روایت کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ امام احمد رضا خان بریلوی نے اردو نعت کی تاریخ میں عصر حاضر کی نعت گوئی پر سب سے گہرے نقوش مرتب کیے ہیں۔ انھوں نے اپنی شغفِ نعت اور اجتہادی صلاحیت سے نعت کی ترویج وارتقاء میں عہد ساز کام کیا۔ اپنے وسیع مطالعہ کو بھرپور انداز میں فنِ نعت میں سمویا۔ انھوں نے نعتیہ مضامین کے اظہار میں مختلف علوم وفنون کے بیان میں نہ صرف اپنی نعت کو دقیع بنایا ہے بلکہ اردو نعت کے علمی وفکری دائرے کو بھی وسعت دی مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ کی خداداد صلاحیتوں ، ذہانت اور علوم وفنون پر کامل دسترس کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم ان کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں ۔عشقِ رسولِ عربی اور اتباعِ سنت ہی امام احمد رضؔا کی زندگی کا طرہِ امتیاز تھا۔

آپ پڑھنے والوں کو اپنی زندگی اور اپنی دنیا کی سیر کرا کر حیرت زدہ کر دیتے ہیں۔قاری حیران رہ جاتا ہے۔اور آخر میں تحسین وآفرین کے کلمے اس کی زبان پر جاری ہوجاتے ہیں۔

حدائق بخشش دو حصوں پر مشتمل امام احمد رضؔا کی نعتیہ شاعری کا مجموعہ ہے۔آپ کی شاعری بہت بلند ہے بڑے بڑے شاعروں کی رسائی سے بھی بلند و بالا بقول علامہ پروفیسر ڈاکٹر مسود احمد صاحب:

> ''امام احمد رضا نے غزل کو اتنا بلند کیا کہ نعت بنا دیا۔جھوٹے محبوبوں سے دل ہٹا کر سچے محبوب کی طرف لگا دیا۔دل کی متاع گراں بہا ضائع ہونے نہ دیا۔پراگندہ خیالی سے بچا کر یکسوئی عطا کی بڑا احسان فرمایا احمد رضا نے ان ،کا کلام ان کی ذات کا بھی آئینہ ہے اور ان کے عہد کا بھی آئینہ ہے'' [۱]

ویسے تو نعت کی کوئی ہیئت و ساخت نہی بقول ڈاکٹر ابو محمد سحر:

> ''نعت کی کوئی مستقبل ساخت نہیں ہے بلکہ وہ اردو میں مروجہ جملہ اصنافِ سخن کی ساخت میں کہی جاتی ہے۔نعت ابتداء میں قصیدہ کی شکل میں کہی جاتی تھی وجہ یہ کہ عربی کی شاعری میں جہاں نعت کی پیدائش ہوئی مافی الضمیر کے لیے قصیدہ کی شکل مروج تھی'' [۲]

نعت کسی ہیت وساخت کی پابند نہیں ہاں داخلی پہلوں اور موضوع ومواد کی پابندی ضرور لازمی ہے ورنہ یہ ہر صنفِ سخن میں کہی جاتی رہی ہے اور کہی جاتی رہے گی اور جس جس طرح اصنافِ سخن میں اضافہ ہوتا جائے گا اس کی آفاقیت میں بھی ترقی ہوتی جاے گی چناچہ نعت کے مضامین کو شاعروں نے کم وبیش تمام اصنافِ سخن میں قلم بند کیا ہے جو صنفِ شعر جس عہد میں زیادہ مقبول ومروج رہی ہے اس صنف کو نعت کے لیے بھی اسی اعتبار سے استعمال کیا گیا چناچہ فاضل بریلوی نے بھی ہر ایک صنف میں نعت کہی ہے پیش ہے ہر ایک صنف سے نمونئہ کلام

(ا)صنفِ غزل میں نعت:

غزل چونکہ ہماری شاعری کی مقبول ترین صنف ہے اور ہر دور میں اپنی داخلی خصوصیت اور ہیئت کے سبب پسندیدہ رہی ہے لہٰذا نعت کے مضامین کے لیے بھی سب سے زیادہ غزل کی صنف

ہی مستعمل رہی ۔اس صنف میں امام احمد رضؔا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی نعت پیش کرتے ہیں ۔

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن وجاں ہم کو
پھر دکھادے وہ رخ اے مہرِ فروزاں ہم کو

شمعِ طیبہ سے میں پروانہ رہوں کب تک دور
ہاں جلادے شرِ آتشِ پنہاں ہم کو

اے رضؔا وصفِ رخِ پاک سنانے کے لیے
نذر دیتے ہیں مرغ غزل خواں ہم کو

(۲) صنفِ قصیدہ میں نعت: قصیدہ اردو شاعری کی بہترین اصناف میں شمار کیے جانے والی صنف ہے ۔اور یہ اپنے بلند، نادر اور پرشکوہ مضامین کی وجہ سے تمام اصنافِ سخن میں فوقیت رکھتی ہے۔ غزل جیسی مقبول ترین صنف بھی اسی کے بطن کی دین ہے ۔لیکن قصیدے کے متعلق یہ بات بھی مشہور ہے کہ یہ زیادہ تر مال ومتاع کے عوض میں لکھی جانے والی صنف ہے۔ بادشاہوں اور امیروں کی جھوٹی مدح سے زیادہ قریب رہی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس میں بھی تبدیلی آئی اور یہ صنف بھی قابلِ احترام ٹھہری۔ چناچہ محسؔن کاکوروی کا نعتیہ قصیدئے میں صفِ اول مقام رہا ہے ۔چنانچہ ان کے تمامی نعتیہ قصائد میں ان کا یہ نعتیہ قصیدہ کافی مشہور رہا۔

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

قصیدے کو مضمون کے لحاظ سے بھی موسوم کیا جاتا ہے ۔مثلاً اگر قصیدے میں بہار کا ذکر ہے تو بہاریہ کہلاتا ہے۔ عشق کا ذکر ہے تو عشقیہ اس کے علاوہ قصیدے کے آخری حرف کی مناسبت سے بھی مخصوص نام دے دیا جاتا ہے۔ مثلاً لامیہ اور ردیف آفتاب ہے تو شمسیہ کہلائے گا۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صنفِ قصیدہ میں بھی طبع آزمائی کی اور تقریباً بارہ قصائد تحریر فرمائے جس میں قصیدہ نوریہ کافی مشہور ہے۔ چنانچہ آپ کے نوریہ قصیدے کے چند اشعار پیش ہیں ۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑہ نور کا   صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارہ نور کا
میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالا نور کا   نور دن دونا تیرا دئے ڈال صدقہ نور کا
تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا   تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا
اے رضؔا یہ احمدِ نوری کا فیضِ نور ہے   ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا ۳؎

(۳) صنفِ مثنوی میں نعت:

مثنوی کے بارے میں اہلِ فن کا کہنا ہے کہ اصناف، ادب میں سب سے زیادہ کار آمد صنفِ سخن ہے اس میں مسلسل مضامین بیان کیے جاتے ہیں، بنسبت دیگر اصنافِ ادب کے اس میں ہر شعر میں الگ الگ قافیوں کی چھوٹ ہے اس میں عام طور پر ردیف کی بھی ضرورت نہیں۔ مصروعوں کا باہمی ربط وتسلسل۔ متانت وسنجیدگی اور واقعہ یا قصہ کا صداقت پر مبنی ہونا وغیرہ مثنوی کا خاص وصف ہے۔ آپ کے کلام میں دو مثنویوں کا ذکر ملتا ہے۔ ایک فارسی میں اور دوسری اردو میں، فارسی زبان میں جو مثنوی ہے اس میں حضرت بریلوی نے اسلامیات کے اس اہم موضوع کو ایک پورے واقعہ کی صورت میں بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل پوری کائنات میں تا قیامت کوئی نہیں ہوسکتا۔

گریۂ کن اے بلبلہ از رنج و غم   چاک کن اے گل گریباں از الم

سنبلہ از سینہ برکش آہِ سرد   اے قمر از فرط غم شو روئے زرد

ہاں صنوبر خیز و فریادے بکن   طوطیا جزنالۂ ترک ہر سخن ؎

رضا بریلوی کی اس مثنوی کو ایک فاضل نے بہت خوبصورت انداز میں ترجمہ کیا ہے جو شرح ''ردِ امثالیہ'' نام سے ہے جس کے مصنف غلام محیی الدین ہیں۔

(۴) صنف رباعی میں نعت:

رباعی عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے لغوی معنی چار چار کے ہوتے ہیں۔ شاعرانہ مصطلحات میں رباعی اس صنف سخن کا نام ہے جس میں مخصوص وزن کے چار مصرعوں میں ایک خیال ادا کیا جائے گویا رباعی اردو کی وہ مختصر ترین صنفِ سخن ہے جس میں مقررہ اوزان وسعتِ خیال اور تسلسل بیان کی پابندی ازبس ضروری ہے۔ رباعی اصناف سخن میں ایک مشکل صنف ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کے اوزان مقرر ہیں۔ اس کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے کا ہم قافیہ ہونا ضروری ہے۔ اگر تیسرا مصرع بھی ہم قافیہ ہوتو کوئی مضائقہ نہیں فارسی میں عمر خیام اور ابوسعید الخیری کی رباعیات بہت مشہور ہیں۔ ویسے چندر باعیات ہر شاعر نے کہی ہیں۔ اردو میں میر انیسؔ اکبرالہ آبادی، مرزا دبیرؔ، حالیؔ نے بکثرت رباعیات لکھیں، بعد کے دور میں عیشؔ فیروز پوری، جوشؔ ملیح آبادی، اثرؔ صہبائی، ضیاءؔ جعفری شامل ہیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اردو فارسی دونوں زبانوں میں رباعیات کہی ہیں، نمونہ کلام پیش ہے:

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ   ان سا نہیں انسان وہ انسا ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ ۵؎

ان اصناف کے علاوہ بھی آپ نے دیگر اصناف میں بھی طبع آزمائی کی ہے جن کے چند اشعار مختصراً پیشِ خدمت ہیں۔

(۵) صنفِ قطعہ میں نعت:

عالم ہمہ صورت اگر جاں ہے تو، تو ہے سب ذرے ہیں گر مہر درخشاں ہے تو، تو ہے

پروانہ کوئی شمع کا، بلبل کا کوئی گل ہے اللہ ہے شاہد مرا جاناں ہے تو، تو ہے ۶؎

(۶) صنفِ مستزاد میں نعت:

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا

تجھے حمد ہے خدایا

تمہیں حاکمِ برایا تمھیں قاسمِ عطایا تمھیں دافعِ بلایا، تمھیں شافعِ خطایا

کوئی تم سا کون آیا ۷؎

اس طرح مولانا احمد رضؔا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اردو نعتیہ شاعری میں نا مٹنے والے نقوش چھوڑے ہیں۔ جن کی حفاظت اور تدوین وترتیب کی سخت ضرورت ہے۔ جو فاضل بریلوی کی شخصیت کو ابھارنے میں ایک نمایا کردار ادا کرسکتی ہے۔

حوالہ جات کتب:

(۱) امام احمد رضا اور اردو نعتیہ شاعری۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ

(۲) امام احمد رضا کی اردو نعت نگاری۔ ڈاکٹر مظفر عالم جاوید

(۳) حدائق بخشش۔ امام احمد رضا خان

(۴) مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کا ایک تحقیقی مطالعہ۔ ڈاکٹر سراج احمد بستوی

☆☆☆

رشید اختر خان (دھنباد۔جھارکھنڈ)

تذکرہ نعت گو شاعرات

نعت گوئی کی تاریخ یوں تو بہت قدیم ہے مگر اصنافِ سخن میں اس کی مستقل باالذات حیثیت بہت بعد کو تسلیم کی گئی۔ نعت وہ صنف سخن ہے جہاں درک وشعور کے ساتھ صداقت وعینیت کی ضرورت ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ شاعری ہوتے ہوئے بھی ایک الگ چیز ہے۔

لفظ نعت کی ابتدا ورفعنا لک ذکرک سے ہوتی ہے جو فرمان الٰہی ہے دنیا میں نعتیہ شاعری کی ابتد عربی زبان سے ہوتی ہے اور حضرت عبدالمطلب کے وہ اشعار جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت کی خوشخبری سنتے ہی انہوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گود میں اُٹھا کر خانۂ کعبہ میں لے جا کر کہے۔ ولادت کے بعد اور یہی نعتیہ اشعار تہنیت کے ہیں۔ اسی طرح حضور رحمت اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وہ نعتیہ اشعار بھی جو اس وقت کہے گئے جب حلیمہ سعدیہ حضور سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لے کر چلی تھیں جو کسی خاتون کی نعتیہ شاعری کا اوّلین نمونہ شمار کیا جاتا ہے۔

أعیذ باللہ ذالجلال　　من شر ما رئ علی الجبال
حتی اراہ حامل الحلال　　و یفعل العرف الیٰ الموالی

بعثت کے بعد کسی خاتون کا پہلا اہم نمونہ نعت بنی زُہار کی خاتون کے درج ذیل اشعار میں ہے جو غلطی سے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ہے۔

و اجمل منك لم ترا قط عینی　　و احسن منك لم تلد النساء
حسنت طرفا و شهرت قدرا　　كانك قد خلت كما تشاء

نعت کے ابتدائی نمونے اس موزوں کلام سے بھی اخذ کیا جا سکتے ہیں جو بنونجار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں نے دف بجا کر ان اشعار سے آپ کی مدینہ آمد پر استقبال کیا تھا۔

نحن جوار من بنی النجار　　یا حبذا محمد من جار

ہجرت کے فوراً بعد کی ایک عجیب وغریب روایت ملتی ہے۔ایک رات کفار مکہ نے سنا کہ کوئی شخص نہایت دل آویز اور دل نشیں آواز میں اشعار پڑھ رہا ہے لیکن وہ شخص نظر نہیں آیا اہل مکہ کی نیند اُڑ گئی۔ناقدین ادب ان اشعار کو شعرالجنی یا شعرالمجھول کہے ہیں ملاحظہ ہو۔

جز اللّٰہ رب الناس خیرا جزائہ رفیقین قالا خیمتی ام معبد

ان اشعار میں جن خاتون کا نام آتا ہے وہ امّ معبد ہیں۔یہ وہ خوش نصیب خاتون ہیں جن کے خیمے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کے وقت کچھ دیر ٹھہرے تھے۔اس مبارک قیام کے حوالے سے امّ معبد کی ایک نثری نعت بھی بہت مشہور ہے اہل تذکرہ نے امّ معبد کا نام عاتکہ بنت خولہ بھی لکھا ہے۔

عربی میں خواتین کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے ایک اور خوبصورت واقعہ محمد رضا مصری نے اپنی کتاب ''محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' میں لکھا ہے کہ سفیان بن مجاسع التمیمی کو ایک کاہن عورت نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت مسّجع و مقفع کلام میں دی اور کہا۔

نبی موید قد اتییوجدولی یبعث الاحمد و الا سود بکتاب لا ینفعو اسم محمد

''وہ نبی جس کی تائد کی جائے گی تم جلدی اس کو پاؤ گے وہ وقت قریب ہے جب اس کی ولادت ہوگی وہ اسود واحمر کی طرف ایک لافانی کتاب لیکر آے گا اس کا نام محمد ہوگا۔''

جب سفیان نے پوچھا وہ عربی ہوگا یا عجمی؟ **بولی احاد السمأ ذات الارض و السماوات و الا فنان انہ لمن معدا ابن عدنان** ۔ مجھے بلندیوں والے آسمان کی قسم گھنی شاخوں والے درختوں کی قسم وہ معد ابن عدنان کے قبیلے سے ہوگا۔(محمد رسول اللہ۔محمد رضا مصری مترجم محمد عادل قدسی طبع چہارم ۱۹۶۱ء مطبوعہ تاج کمپنی بمبئی صفحہ۴۹)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت اور اعلان نبوت کے بعد جتنی صحابیات نے سید کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا میں سخن طرازی کی ہے وہ نثر ونظم کی صورت میں ہے۔کتب سیر وسوانح میں شاعرات صحابیات کے مختلف مواقع پر کہے گئے بہت سے اشعار بکھرے پڑے ہیں۔شامی محقق عبد الرحیم نے اپنی کتاب شاعرات ''حول الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' میں پچاس کے قریب شاعرات کا تذکرہ کیا ہے۔شاعری کے مقابلے میں عرب عورتیں مردوں سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔ ڈاکٹر راجہ رشید محمود صاحب اپنی کتاب ''خواتین کی نعت گوئی میں'' میں تحریر کیا ہے کہ عربی میں نعتیہ مجموعے کی اشاعت بالکل نہیں کے برابر ہے۔مگر ہاں نعت لائبریریوں میں الحاجہ صابرہ محمود العربی کا

مجموعۂ کلام ''نساء السحر'' موجود ہے جو ۱۹۸۵ء میں بغداد سے شائع ہوا ہے۔۲۷۰ صفحات کی اس کتاب کی مختلف نظموں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک موجود ہے۔

دو نظمیں ذکر میلا دالرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور فی مولد الھادی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو میلا د رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق ہیں۔ یہ شاعرہ ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئیں۔ دوسرا مجموعہ نعت نبیلہ الجوہری کا ''شوق المحبین فی حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔

فارسی نعت کے جتنے انتخاب سامنے آئے ہیں ان میں کسی بھی خاتون نعت گو کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ سید ضیاء الدین دھنیری کا انتخاب ''نعت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در شعر فارسی'' ۳۶+۸۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں کسی نعت کا تذکرہ نہیں ہے۔ اسی طرح مرزا مقبول بیگ لا خنائی اور ڈاکٹر عبدالغنی کے انتخابات میں فارسی نعت گو شاعرہ کا ذکر نہیں ہے۔ جناب شمس الرحمٰن فاروقی ،ڈاکٹر اسماعیل آزاد اور ڈاکٹر ریاض مجید نے بھی اپنے مقالوں میں فارسی کی کسی نعت گو شاعرہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

برصغیر ہندوستان میں فارسی میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے ایک تحقیقی مقالہ ڈاکٹر غلام دستگیر رسید نے ۱۹۵۷ء میں حیدر آباد یونیورسٹی میں داخل کیا تھا اور پی۔ ایچ۔ ڈی کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ مذکورہ تحقیقی مقالے میں بھی کسی خاتون فارسی نعت گو کا ذکر نہیں ہے۔

نعتیہ شاعری کی تاریخ میں عربی اور فارسی کے بعد اردو شاعری کی ابتدا آٹھویں صدی ہجری کے آخری سالوں میں ہوئی ہے اور مُلّا داؤد نے ۷۸۱ھ میں ایک مثنوی چندا ین کی تخلیق ہند کی (اردو) میں کیا، اس میں انہوں نے حمد و نعت بھی شامل کی ہے۔ اس طرح اردو نعت گوئی کی تاریخ آٹھویں صدی ہجری میں متعین ہوتی ہے۔ یہ تحقیق ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری صاحب کی ہے اس حوالے سے ان کا تحقیقی مقالہ ''دبستان نعت'' میں شامل ہے۔ اس کے تین سو برس بعد حضرت بی بی ولیہ المتوفیہ ۱۱۳۹ھ کے نعتیہ اشعار کے نمونے ملتے ہیں جو کسی خاتون کی اردو میں پہلی نعت ہے۔ اور اس کے کچھ عرصہ بعد لطف النساء امتیاز (پ ۱۱۵۵ھ) اردو کی پہلی صاحبِ دیوان شاعرہ ہیں۔ جنہوں نے اردو اور فارسی میں نعتیں کہی ہیں، جو ان کے غیر مطبوعہ مجموعے میں شامل ہیں۔ یہ مجموعۂ کلام ادارہ ادبیات شعبہ مخطوطہ آصفیہ کتب خانہ حیدر آباد، اور برٹش انڈیا آفس لائبریری، میں ایک نسخہ موجود ہے۔

پھلواری شریف کی نعت گو شاعرہ بی بی طاہرہ المتوفیہ ۱۲۲۰ھ لطف النساء امتیاز کی ہمعصروں میں صاحب دیوان شاعرہ مہ لقا بائی چندہ پیدائش ۱۱۷۰ھ، اور شرف النساء شرف ۱۲۰۲ھ بھی ہیں۔

ان دونوں شاعرات مہ لقابائی چندہ اور شرف النساء شرفؔ کا قلمی دیوان برٹش انڈیا آفس لائبریری ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ حضرت بی بی ولیہ کو چھوڑ کر ان چاروں شاعرات کا ذکر کسی تذکرے میں نہیں ملتا ہے۔ حالانکہ ان کی نعت کے اشعار بھی دیوان میں شامل ہیں۔ اس طرح میں نے اپنے مقالے میں ایسی ۵۰؍ سے زائد شاعرات کا تذکرہ ان کی نعت گوئی کے حوالے سے پیش کیا ہے جو خواتین کی نعتیہ شاعری کے کسی تذکرے میں شامل نہیں ہے لیکن ان شاعرات میں کچھ نعتیہ اشعار جناب غوث میاں صاحب کی کتاب ''خواتین کی نعتیہ شاعری'' میں ملتے ہیں۔

حصہ دوم اور اس مقالہ میں تقریباً ۵۰؍ ایسی نعت گو شاعرات کا تذکرہ بھی شامل ہے جن کے نعتیہ دیوان ۱۹۰۵ء سے لیکر ۱۹۶۰ء کے درمیان شائع ہوئے۔ ابتدا زنت بی بی محبوب کے نعتیہ مجموعہ سے ہے اور اختتام تہنیت النساءؔ بیگم قادری کے مجموعہ نعت پر ہے۔ اس فہرست میں دس سے زیادہ ایسی صاحب دیوان نعتیہ شاعرہ بھی شامل ہیں جنہیں بالکل فراموش کر دیا گیا۔ بتول فاطمہ در دیوان نعت رسول ۱۳۴۵ھ جمیلہ درویش المتوفیہ ۱۹۲۱ء نعتیہ دیوان ''نغمۂ لرش'' کا قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ کے شعبۂ مخطوطہ میں اشاعت کے لیے محفوظ ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی صاحب دیوان نعت گو شاعرہ ہیں جن کے احوال مقالہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ایک بیمار اور معذور کو اس مقالہ کی تیاری میں کافی وقت لگ گیا۔ اللہ اور اللہ کے رسول حضرت آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کرم ہے ورنہ میں اس لائق ہوں اور شکر گذار ہوں جناب فیروز احمد سیفی صاحب، جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ فتح پوری صاحب، جناب سید صبیح الدین صبیحؔ رحمانی صاحب اور ڈاکٹر ریاض مجید صاحب جن لوگوں نے ہر طرح سے میری ہمت افزائی کی اور یہ مختصر تذکرہ آپ کے سامنے ہے، گرچہ اس میں خامیاں ہیں یہ مقالہ موضوع کے اعتبار سے بہت مختصر بھی ہے اس تعلق سے ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری صاحب کے چند جملے ملاحظہ ہوں۔

''اب اردو ادب کی تاریخ کے اس دور میں اگر کوئی تذکرہ صرف نعت گو شاعرات کا تذکرہ مرتب کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس راہ کی مشکلات کا اندازہ کرنا کچھ دشوار نہیں۔ جو ماخذ نابود ہو گئے ان سے استفادہ کا تو سوال ہی نہیں لیکن تلاش و جستجو میں کوتاہی نہیں کی انسانی کوشش نقائص سے پاک نہیں ہو سکتی اور ایسا ہونا بھی نہیں چاہئے۔ میری طرف سے بھی یہ اعتذار قبول کیا جائے۔

عابدہ کرامت

صاحب دیوان حمد گو شاعرہ عابدہ کرامت کا مجموعہ حمد'' جبینِ ناز'' ۲۰۰۵ء میں کراچی سے شائع

ہوا۔ عابدہ کرامت کے حمدیہ اشعار کا تغزلانہ رنگ ملاحظہ ہو۔

جھکی نظر سے ترا عکس تھا بہت محفوظ ٭ اُٹھائی آنکھ تو بے پردگی نظر آئی

یہ مہر و ماہ گل و خار سب عزیز ہوئے ٭ کہ تیرے جلووں سے وابستگی سی رہنے لگی

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط صاحب اپنے مضمون ''اردو میں حمدیہ شاعری تاریخ وارتقاء'' میں لکھتے ہیں:

''ان (عابدہ کرامت) کی مناجاتوں میں تضرع والحاح اور عابدانہ وارفتگی پائی جاتی ہے، وہ بارگاہ خداوندی میں ہاتھ اُٹھاتی ہیں تو نہایت خضوع وخشوع کی کیفیت ان پر طاری ہو جاتی ہے اور وہ پکار اُٹھتی ہیں۔

جادۂ ہدایت میں دست و پا عنایت کر ٭ پانی وری عطا کر دے راہ آسمانی میں

عابدہ کرامت کے علاوہ خواتین وصاحبِ دیوان حمد گوشاعرہ میں اوّلین حمد نامہ شیبا حیدری کا ۱۹۹۸ء میں کراچی سے شائع ہوا جبکہ ۲۰۰۲ء میں ''تیری حمد وثنا'' علیم النساء ثناؔ کا مجموعہ حمد شائع ہوا اور نورین طلعت عروبہؔ کا حمدیہ دیوان ''ربّنا'' ۲۰۱۵ء میں اسلام آباد سے شائع ہوا۔ یعنی کل کائنات حمدیہ شعری دیوان بحولہ خواتین ۴؍ شائع ہوئے۔ از جناب صبیحؔ رحمانی صاحب ''پیش لفظ'' اردو حمد کی شعری روایت'' صفحہ ۳۹ تا ۴۴

خواتین کی حمد گوئی میں چند نام انگلیوں پہ گنے جاسکتے ہیں۔ کشور ناہید، پروین شاکر، شاہین مفتی، سارہ شگفتہ اور حمدہ۔ ایک خاتون بیوی افضالہ شاہین نے پاکستان میں اردو حمد نگاری کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ ۱۹۴۷ء تا ۲۰۱۱ء ایک تحقیقی مقالہ ڈاکٹر آفتاب احمد ثاقبؔ کی نگرانی میں مکمل ہوا ہے۔ انہیں نیشنل یونیورسٹی ماڈرن لینگویز، اسلام آباد نے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری سے نوازا ہے۔ یونیورسٹی نے ۲۰۱۶ء میں اس مقالے کو شائع بھی کر دیا ہے۔

دوسری طرف ہندوستان میں حمد گوئی پر لکھے گئے دو تحقیقی مقالوں پر ۲۰۰۴ء اور ۲۰۰۸ء میں حیدر آباد اور کان پور یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری سے نوازا جا چکا ہے۔ ۲۰۱۸ء میں بھی ایک اسکالر نے اردو میں حمدیہ شاعری کا ارتقاء پر ایک تحقیقی مقالہ بنارس یونیورسٹی میں داخل کیا ہے۔

حضرت بی بی ولیہ (المتوفیہ ۱۱۳۹ھ) اردو کی پہلی نعت گوشاعرہ:

اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں اردو کی پہلی شاعرہ اور نعت گو کے طور پر بی بی ولیہ (متوفیہ ۱۱۳۹ھ) کا نام آتا ہے جو حضرت شاہ عزیز الدین اجھری کی صاحبزادی اور حضرت تاج العارفین کے خانوادہ کی بہو یعنی حضرت مخدوم قادری پھلواری کی اہلیہ اور حضرت آیت اللہ جوہری

(پ ۱۱۲۶ھ) ''مثنوی گوہر جوہری'' کی والدہ اور حضرت شاہ وارث رسولنما قدس سرہ کی مریدہ تھیں۔

حضرت بی بی ولیہ کو اردو کی پہلی شاعرہ ہی نہیں بلکہ اردو کی پہلی نعت گو شاعرہ کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ عام طور پر مہ لقاً بائی چندہ (۱۱۸۱ھ)، لطف النساء پیدائش ۱۱۵۴ھ کو اردو کی پہلی نعت گو شاعرہ مانا جاتا ہے۔ لیکن ان دونوں شاعرات لطف النسأ اور مہ لقاً بائی چندہ سے پہلے یعنی ۱۱۳۹ھ میں بی بی ولیہ کا انتقال ہو جاتا ہے۔ اردو میں دوہوں کے وزن پر بی بی ولیہ کے نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

کون سنی تدبیر بناویں — اون اپنے گن ہمکو بُلاویں
حضرت کی ڈیوڑھی جو پاویں — سیر جھکا کے آنکھ لگاویں

حضرت بی بی طاہرہ (المتوفیہ ۱۲۵۰ھ)

حضرت بی بی ولیہ کی بھتیجی حضرت تاج العارفین کی پوتی بی بی طاہرہ المتوفیہ ۱۲۵۰ھ زوجہ حضرت شاہ برکت اللہ، عالمہ، زاہدہ ہونے کے ساتھ شعر وسخن کا فطری ذوق رکھتی تھیں نعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

بہ شمع عشق تو پروانہ دارم — ببیں یا رب کہ من چوں جاں سپارم

حضرت بی بی روشن پھلواروی (المتوفیہ ۱۲۴۸ھ)

حضرت بی بی روشن کی شخصیت کافی روشن اور ہمہ گیر تھی۔ خانقاہ مجیدیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار) کے صاحبِ سجادہ حضرت مخدوم شاہ احمد عبدالحئی بن حضرت تاج العارفین کی صاحب زادی تھیں۔ آپ کو عربی، فارسی زبان میں اچھی لیاقت تھی، شعر وشاعری کی طرف فطری رجحان تھا۔ بی بی روشن کو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ عشق اور ہجر نبی میں دل بے چین و بے قرار رہتا تھا۔ ان کی نعتیں عشق وعقیدت کے نور سے منوّر رہیں۔

بن نبی کے ایسی اندھیاری ہے دنیا آنکھ میں — کچھ آوے ہے نہیں روشن میرے لیکن
کیا کہوں فرقت میں کس کس طرح ہوئے ہیں — روز اِن اشکوں کا جاری ایک دریا ہوئے ہیں

حضرت بی بی منیر النساء (المتوفیہ ۱۳۲۲ھ)

بی بی منیر النساء شاہ حسین پھلواری کی صاحبزادی ہیں اپنے والد کے ساتھ ہمیشہ لکھنؤ میں رہیں اور وہیں تعلیم وتربیت حاصل کی۔ ان کی شادی حضرت شاہ لیاقت حسین کمبل پوش حسینی کے ساتھ ہوئی تھی۔ شعر وسخن سے انہیں کافی دلچسپی تھی۔ اپنے والد سے ہی اصلاح لیا کرتی تھیں۔ ان کے ابتدائی کلام کا ایک مجموعہ موضع حموانواں ضلع پٹنہ میں ان کے پوتے رئیس الحق صاحب کے پاس موجود ہے

(ندیم۔ گیا بہار نمبر ۱۹۳۵ء) ان کا دل عشق محمدی کے جذبے سے سرشار اور اطاعت وتسلیم کے مشک سے مشکبار ہے۔

کرتی ہوں رات دن میں زیارت رسول کی پھرتی ہے اپنی آنکھوں میں صورت رسول کی
منیر لونڈی ہے اپنے نبی کی ڈیوڑھی کی کسی کے در سے ہے اس کو تو کوئی کام نہیں

☆☆

نہ رکھو ہجر میں بیمار مجھ کو پلا دو شربت دیدار مجھ کو
رہوں کب تک جدائی میں تڑپتی بلا لو جلد اے سرکار مجھ کو

لطف النساء امتیاز (پیدائش ۱۱۵۵ھ)

لطف النساء امتیاز شریک حیات اسد علی خاں، صاحبِ تذکرہ ''گل عجائب'' اردو کی پہلی صاحبِ دیوان شاعرہ ہیں۔ ان کا دیوان ۱۲۱۲ھ ۱۷۹۷ء میں شائع ہوا۔ امتیاز نے ایک سال کی اوّلیت سے مہ لقاء بائی چندا کو مات دی، مہ لقاء کا دیوان ۱۲۱۳ھ میں پہلی مرتبہ مرتب ہوا (اشرف رفیع صاحب کی تحقیق)۔ مجلّہ عثمانیہ ستمبر ۱۹۶۳ء۔

واضح ہو کہ لطف النساء امتیاز پہلی صاحب دیوان شاعرہ ہیں پہلی نعت گو شاعرہ نہیں ہیں بلکہ بی بی ولیہ پھلواروی ۱۷۰۴ء متوفیہ ۱۱۳۹ھ پلی نعت گو شاعرہ ہیں۔ امتیاز کے دیوان میں تمام اصناف شاعری غزلیات، قصائد، مخمس، رباعی، قطعہ، مثنوی مناقب کے ساتھ اردو کے ساتھ فارسی زبان میں بھی نعتیں موجود ہیں۔ مسدّس کی ہیئت میں نعت کا ایک بند ملاحظہ فرمایئے جس میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت کا جذبہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

میں دل سے مصطفیٰ کا جاں فدائی ہوں محبت سید یزداں با صفا ہوں
جہاں میں بندۂ خیر النسا ہوں وہی ہر دم کہونگا اور کیا ہوں
محبت اہل بیت مصطفیٰ ہوں
غلام خاندان مصطفیٰ ہوں

ماہ لقابائی چندہ (پیدائش ۱۷۶۷ء م ۱۸۲۴ء)

ماہ لقابائی چندہ اردو شعروادب کی دوسری صاحب دیوان شاعرہ ہیں۔ ماہ لقا کو شعروشاعری سے فطری لگاؤ تھا۔ ماہ لقا کے تلمیذ شیر محمد خان ایران سے تھے۔ انہوں نے ولی دکنی سراج اورنگ آبادی سے بھی استفادہ کیا۔ کامل اساتذہ نے اس کی خداداد صلاحیت کو خوب چمکایا ماہ لقا چندہ کا دیوان ۱۲۱۳ھ

میں پہلی مرتبہ مرتب ہوا جو انڈیا آفس کتب خانہ، لندن میں محفوظ ہے۔ اس کا دوسرا نسخہ ۱۲۲۰ھ میں ترتیب دیا گیا یہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ ماہ لقا چندہ کے نعتیہ اشعار تلاش بسیار کے بعد بھی دستیاب نہ ہوسکے۔

شرف النساء شرفؔ (انتقال ۱۲۴۵ھ)

شرف النسأ شرف کے دیوان کا مسودہ خود ان کی تحریر میں ادارہ ادبیات اردو، حیدآباد کے شعبہ مخطوطہ میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ کے مطابق ایک ہزار اشعار ہیں۔ جس میں غزلیات اور قصائد کے علاوہ نعتیں بھی ہیں۔ نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

مظہر کبریا نہیں ملتا سرور انبیا نہیں ملتا
جان لب پر ہے ہجر میں جس کی وہ مسیحا مِرا نہیں ملتا

☆☆

رب سے جو مانگا وہی تجھ سے ملا اور ایسا حق کا پیارا کون ہے
جان دے آخر نبی کے عشق میں جز شرف مشتاق انبیاء کون ہے

شرف النساء کا شمار حیدر آباد کی اوّلین شاعرہ میں ہوتا ہے۔ لیکن بعد کی تحقیق سے ان کو تیسری صاحبِ دیوان شاعرہ کا درجہ ملتا ہے۔ شرف النساء ٹیپو سلطان کے مشہور سپہ سالار مہراں سید اشرف کی پوتی اور مرزا غلام دستگیر کی زوجہ تھیں۔ نصیر الدین ہاشمی نے شرف النساء کو ۱۳ صدی ہجری کا شاعر قرار دیا ہے نیز ان کا ایک مرثیہ بھی دیا ہے۔

نوٹ: تذکرہ نعت گوشاعرات میں بحوالہ جمیل احمد بریلوی ''تذکرہ اردو شاعرات'' صفحہ ۱۷ کے حوالے سے شرف النساء ضرورت کا تذکرہ ملتا ہے جو مرزا کوچک کی اہلیہ تھیں زیادہ نعتیں کہا کرتی تھیں تذکرہ ''شمع سخن اور بہارستان'' کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔ قلعہ میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ اس طرح وہ بھی ۱۳ ویں صدی ہجری کی شاعرہ ہیں۔

شرف النساء (پیدائش ۱۸ ویں صدی عیسوی)

بنگال کی اردو شاعرہ مثنوی نگار ۱۵۸ ر صفحات کی مثنوی خدا بخش لائبریری، پٹنہ میں ہے۔ (شانتی رنجن بھٹاچاریہ) ''ہر مزنامہ'' مثنوی کا ایک قلمی نسخہ ایک ذاتی کتب خانہ میں ہے جس میں ۴۰۰۰ اشعار ہیں ۳۱۶ ر صفحات ہیں۔ شرف النساء سے منسوب کوئی نعت تو نہیں ملی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں ایک شعر ملا ہے۔

خدا کے ہیں پیارے محمد کے یار　　علی مرتضیٰ شاہ دلدل سوار

الف انصاری نے اپنی کتاب ''اردو شاعرات بنگالہ'' میں لکھتے ہیں اٹھارہویں صدی کی چوتھی دہائی میں بنگال کی اردو شاعرہ شرف النساء کا انکشاف ہوتا ہے۔ جو مرشد آباد کے نوابوں سے وابستہ تھیں۔ وہی مرشد آباد مشرقی ہند کا دار الخلافہ اردو زبان وادب کا گہوارہ رہا ہے۔ انشاء تپش، مرزا یوسف خواجہ میر درد وغیرہ کا بھی مسکن مرشد آباد ہے۔ افسوس ہے کہ دور اوّل کی ایک بڑی شاعرہ کے نعت کا کوئی شعر نہیں ملا گو کہ وہ اثنا عشری شیعہ تھیں۔

انوری بیگم حجابؔ (پیدائش ۱۸۶۵ء وفات ۱۹۳۷ء)

انوری بیگم حجابؔ کی پیدائش ۱۸۶۵ء اور وفات ۱۹۳۷ء) ہے۔ لیکن اس سے پہلے بھی کہا گیا ہے کہ مخطوطہ مجموعہ نعت کی وہ بیاض سندیلہ کے مشاعرہ (۱۹۰۹ء) میں چوری ہوگئی۔ نعت کے چند اشعار تبرکا جو زمانے کے دست وبرد سے محفوظ ہیں۔ **انّا له لحافظون۔**

محیطِ رحمت ہے جوش افزا ہوئی ہے ابر سخا کی آمد
خدا کی ہر چیز کہ رہی ہے کہ اب ہے نور خدا کی آمد
فلک کو ہے آرزو کہ جھک کر میں اپنے تارے کروں نچھاور
ہوئی ہے مکہ سر زمیں پر یہ آج کس ماہ لقا کی آمد
ہر اک محبّ پر یہ فضل رب ہے اثر کو نالوں کی خود طلب ہے
مگر اس الطاف کا سبب ہے حبیب رب العلا کی آمد
حجابؔ پیہم یہ کہ رہا ہے گنہگاروں سے جوشِ رحمت
مبارک اے عاصیو مبارک شفیع روزِ جزا کی آمد

انوری بیگم حجابؔ نو برس کی عمر تک سکندر نامہ اور فارسی کی دوسری کتابیں پڑھ چکی تھیں کہ چیچک کا حملہ ہوا اور بصارت کھوگئی۔ کچھ عرصہ بعد خوشا کہ انوری کی قسمت جاگ اُٹھی خواب میں دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا ''انوری تو سو رہی ہے اور سمجھتی ہے کہ تیری بصارت جا چکی ہے اُٹھ تیرا دل روشن ہوگیا''۔ آنکھ کھلی تو ہر طرف نور ہی نور ہے اور سارا کمرہ خوشبوؤں سے معطر ومعنبر ہے۔ بس اس کے بعد نعت کہنا شروع کر دیا اس وقت جو نعتیہ اشعار زباں پر آئے دوسروں نے سرقہ کر لیا لیکن اصل سکہ کھوٹے لوگوں میں کھپ نہ سکا۔ بحوالہ ''پٹھان شاعرات کی گلکاریاں''۔ ڈاکٹر خان محمد عاطف، لکھنؤ

حجابؔ کا تعلق شاہ جہاں پور کے علم و فضل سے معمور گھرانے سے تھا۔ حجابؔ حضرت رستم شاہ کی نواسی تھیں جو مشہور عالمِ دین اور ولی کامل تھے۔ ان کے والد عنایت اللہ خاں گوشہ نشین قسم کے زمیندار تھے۔ انوری بیگم حجابؔ کو جلالؔ لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ فن شاعری میں خود آپ کے تلامذہ کی خاصی تعداد ہے۔ حجابؔ نے سندیلہ کے مشاعروں میں کئی بار شرکت کی۔ سندیلہ کے مشاعرے سید الطاف رسول صاحب کے یہاں منعقد ہوتے تھے جن میں مرزا داغؔ دہلوی بھی شریک ہوتے تھے۔ اور حجابؔ کی بہت قدر کرتے تھے۔

حجابؔ اپنے تخلص کے ساتھ پردہ نشینی کا اضافہ ضرور کرتیں تھیں جس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت کی مشہور طوائف منّی بائی کا تخلص بھی حجاب تھا۔ بحوالہ "تذکرہ شاعرات روہیل کھنڈ" مولف۔ شاداب ذکی بدایونی۔

افسوس کہ ان کا نعتیہ شعری سرمایہ چوری ہونے کے بعد مجموعہ نعتیہ کلام نہیں ملتا۔ انوری جہاں بیگم حجابؔ کتنی خوش بخت ہیں کہ ان کو حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا، اور اس وقت کی نورانی سماجی اور معطر فضاؤں میں گم ہو گئیں اور اس غیر معمولی اعجاز نے نعت کہنے کا فطری رجحان پیدا کیا۔ اس سے پہلے اردو کی نعت گو شاعرہ بی بی ولیہ پھلواروی متوفی ۱۱۳۹ھ کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے براہِ راست مکاشفات کا اعجاز حاصل تھا۔ بحوالہ "سیرت پیر مجیب" ؒ مولفہ شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی"۔

نواب بیگم امۃ الحی مبشر النساء حیاؔ (ولادت ۱۸۸۶ء وفات ۱۹۶۱ء)

نعتوں اور منقبتوں کا مجموعہ "خم خانہ محامد" ۱۹۰۷ء میں مدینہ پریس، مدراس سے شائع ہوا۔ "خم خانۂ محامد" میں حمد و نعتیں اور منقبتیں شامل ہیں۔ اس مجموعہ میں تضمین بر شعر مرشد و مولانا شیخ عبدالقادر جیلانی کے اشارے سے ایک طویل مناجاتی نظم قابل تحسین ہے۔ اور ایک معراج نامہ شامل ہے۔ دوسری اہم تخلیق مثنوی حلیۂ مبارک ۱۹۴۰ء میں مدینہ پریس، مدراس سے شائع ہوئی۔

امۃ الحی مبشر النساءؔ حیا کی نعتیہ شاعری میں عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لہریں دلوں میں اضطراب پیدا کرتی ہیں۔ ان کی نعتیں نہ صرف دل کو چھوتی ہیں بلکہ روح تک میں سرایت کر کے ایک طرح کی روحانی فرحت اور تسکین پیدا کرتی ہیں، ایک نعت ملاحظہ ہو۔

خالق اکبر نے کیسا ہم پہ احساں کر دیا ۔۔۔ شمع عشقِ احمدی دل میں فروزاں کر دیا
کوثر و تسنیم و جوے سلسبیل و خلد کا ۔۔۔ حق تعالیٰ نے تمہیں کو میر ساماں کر دیا

علم غیبی کی تمہارے ہو سکے کس سے ثنا ‏ ‏ تم کو حق نے واقفِ اسرارِ پنہا کر دیا
تم کو اعجاز شفاعت نے کیا ہے سرفراز ‏ ‏ مجھ کو شرم جرم نے سر در گریباں کر دیا
کیسے کیسے آپ نے اعجاز دکھلائے نئے ‏ ‏ حبذا، آپ دہاں کو آبِ حیواں کر دیا
دل مرا کر دیں منور یہ ذرا سی بات ہے ‏ ‏ آپ نے ذرے کو بھی مہر درخشاں کر دیا
کر کے جان زار اپنی پائے احمد پر نثار ‏ ‏ تسمۂ نعلین شہ نار رگ جاں کر دیا

نوٹ: امۃ الحی مبشر النساءٔ بیگم حضرت مولانا ایمان گوپا موی کی دختر ہیں جو نواب سر غلام علی خان پرنس آف آرکائٹس سے رشتۂ ازدواج میں بندھی تھیں۔ اس خاندان میں شاہی شان وشوکت سے زیادہ دینی، مذہبی اور تہذیبی اقدار کی پاسداری کی جاتی رہی۔ بیگم حجابؔ ایک بزرگ فاضل وعالم کی نور نظر جن کو آبائی علمیت ورثہ میں ملی تھی۔ بحوالہ'' ٹمل ناڈو میں نعت گوئی'' مولف۔ علیم صبا نویدی پروفیسر عبدالوہاب صاحب بخاری پروفیسر انچارج نیو کالج، مدراس لکھتے ہیں'' بیگم صاحبہ ایک بڑے باپ کی بیٹی اور بڑے نواب کی اہلیہ تھیں، انہوں نے اپنی پوری زندگی مصلّے پر گذار دی۔ عبادت و ریاضت سے جو وقت بچتا تھا وہ تصنیف وتالف میں بسر کر دیتی تھیں۔ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کو پاک عقیدوں کی بنیاد پر نصیب ہوا۔

روز و شب نظارۂ گنبد کروں ‏ ‏ جھوم کر اطراف روضے کے پھروں
گریہ و زاری کروں آہیں بھروں ‏ ‏ آپ کے در پر ہی میں پڑ کر مروں

یا رسول اللہ اسمع حالنا
یا حبیب اللہ انظر حالنا

اثیمہ آرکائی (پ ۱۸۲۶ء و ۱۸۷۳ء)

مثنوی گلبن حدر خان ۱۲۶۸ھ، مثنوی گلشنِ شاہداں اور مثنوی گلشن مہوستاں ۱۲۷۷ھ اور نسب نامہ قلمی۔ اثیمہ محمد عبدالرحمٰن شاطر مدراسی مصنف اعجاز عشق کی دادی تھیں۔ انہوں نے نعتیں کہی ہیں۔ مولوی عبدالغنی خاں بہادر ولادت ۱۸۳۲ء ان کے بڑے بیٹے تھے۔ ایک نعت اور ایک سلام ''ٹمل ناڈو میں نعت گوئی'' میں شامل ہے جو پروفیسر محبوب ہلتا کے بیاض سے نقل شدہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ادھر مصطفیٰ ہیں ادھر مصطفیٰ ہیں ‏ ‏ دو عالم کے نور نظر مصطفیٰ
میں اک کالی کملی کے سائے میں ہوں ‏ ‏ کسی کا مجھے کیا ہے ڈر مصطفیٰ
پتہ تھا کسے اتنی بے چینی سے ‏ ‏ مدینے کا ہوگا سفر مصطفیٰ

تمہارا ہی فیضان ہے ہر گھڑی معطر ہوا میرا گھر مصطفیٰ
اُٹھے ہاتھ ہیں رب عالم کے سو دعاؤں میں دینا اثر مصطفیٰ

سلام

عاشقِ کبریا پہ ہمارا سلام سید اولیاء پہ ہمارا سلام
جلوہ گاہِ خدا پہ ہمارا سلام فخر ہر دوسرا پہ ہمارا سلام
دین و دنیا میں جن کی حکومت ہے یاں ہے اسی مصطفیٰ پہ ہمارا سلام
سر جھکائے ہوے سب یہ کہنے لگے سرور انبیاء پہ ہمارا سلام

بی بی عاجزہ ترچناپلوی (پ ۱۸۴۵ء و ۱۸۹۶ء)

بی بی عاجزہ ترچناپلوی کے حوالے سے کوئی تفصیل دستیاب نہیں۔ان کا نعتیہ مجموعہ ''تحفۂ قبول'' نام سے ہے جو ۱۸۸۷ء کا مطبوعہ ہے۔''ٹمل ناڈو میں نعت گوئی''۔علیم صبا نویدی صفحہ ۱۴۸/۱۴۹ پر ایک ایک نعت اور نعت کے چند اشعار ''تحفۂ قبول'' سے مندرج ہیں۔

وصف دل بر سے دل کو تھی راحت مدحت سرور سے جاں کو تھی راحت
یاد محبوب جب کہ ہوتی تھی مَل زمیں پر جبیں کو روتی تھی
اور کہتی تھی اے میرے حضرت تم کہاں اور کہاں یہ بد قسمت
ہائے وہ دن کہاں سے لاوں میں سنگ زینہ پہ سر جھکاؤں میں
رنج ہجراں میں یاد وصل نبی باعث زندگی رہی میری

☆

جب پیمبر شافع محشر ہمارا ہو گیا حشر کا کیا غم، شفاعت کا سہارا ہو گیا
تشنگی حشر کا کیا خوف ہم کو عاجزؔہ جب کہ حامی ساقی کوثر ہمارا ہو گیا

قادرالنساء بیگم شوکت (ولادت ۱۸۷۸ء)

قادرالنساء بیگم شوکت خاں پُرنورؔ کی بہن تھیں نعت کے چند شعر ''ٹمل ناڈو میں نعت گوئی'' صفحہ ۱۶۷ پر مندرج (بحوالہ خواتین ناڈو کی دینی علمی و ادبی خدمات۔۲۰۰۱)۔نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

مری زندگی محمد مری آرزو محمد مری بندگی محمد مری جستجو محمد
مجھے اور چاہئے کیا میں ہوں خوش نصیب شوکتؔ میں جدھر بھی دیکھتی ہوں رہے رو برو محمد

امۃ الرحمٰن الفت النساء الفتؔ (ولادت ۱۸۷۰ء وفات ۱۹۳۰ء)

اہلیہ نواب عبدالرؤف خان پرتو، اس کے علاوہ کوئی تفصیل دستیاب نہ ہوسکی۔ ''ٹمل ناڈو میں نعت گوئی'' صفحہ ۱۶۶ پر اس نعت کے دو شعر شعر مندرج ہیں، ملاحظہ ہوں۔

محمد محمد ہمارے محمد بہت سوں کی بگڑی سنوارے محمد
ہر اک سمت ان کا ہی جلوہ ہے الفت نگاہوں میں دل میں ہیں پیارے محمد

راضیہ خاتون جمیلہ درویشؔ (ولادت ۱۸۶۱ء وفات ۱۹۲۱ء)

''نغمہ دل ریش'' (۱۹۳۸ء) ۳۰۶ ؍غزلوں پہ مشتمل مجموعہ میں بیشتر حصے نعت کے ہیں اور حمد، منقبت مرتب شمع مشہدی ۲۰۰۸ میں خدا بخش لائبریری، پٹنہ سے شائع ہوا۔ جمیلہ رضیہ خاتون اردو کی نعت گوشاعرات میں بلند و بالا مقام کی حامل ہیں عشق رسول کی حقیقی شمع ان کے دل میں روشن تھی جس کا عکس ان کے نعتیہ اشعار میں نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی، آجکل اردو، ستمبر ۲۰۱۱ء

حد عالی ہے شہنشاہ مدینہ کس کا پایۂ عرش معلیٰ ہوا زینہ کس کا
کس کو یٰسین و طٰہٰ کا لقب حق نے دیا آب رحمت سے ملک دھو گئے سینہ کس کا
دیکھ بخشائش امت کو لگے کہنے خضر پار دریا سے ہوا آج سفینہ کس کا
صاحبو! روضۂ محبوب الٰہی کے سوا سجدہ گاہ ملک و جن ہوا زینہ کس کا
طور ایمن کی تجلی ہے ہمارے دل میں اے در بیش بہا تو ہے نگینہ کس کا
فخر کس طرح سے خاتون کو نہیں ہو صاحب ہے نبی نام خدا شاہ مدینہ کس کا

رضیہ خاتون جمیلہ خدا بخش بہا کی پہلی صاحب دیوان نعت گوشاعرہ ہیں۔ ان کی پیدائش کلکتہ میں ہوئی۔ والد کا نام مولوی کبیر الدین احمد تھا، ان کی شادی مؤسس خدا بخش لائبریری سے ہوئی تھی۔ جمیلہ خدا بخش کی تیسری بیوی تھیں۔ ان کے اکلوتے بیٹے ولی الدین خدا بخش تھے۔ رضیہ خدا بخش کا انتقال ۱۹۹۲ء میں پٹنہ میں ہوا۔ اور وہیں دفن بھی ہوئیں۔ رضیہ خدا بخش خداداد صلاحیت کی مالک تھیں۔ ان کو شعر و شاعری سے دلی لگاؤ تھا۔ ان کے استاذ شادؔ عظیم آبادی تھے اور انہوں نے داغؔ دہلوی سے بھی اصلاح لی تھی۔ فصیح الدین بلخی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے'' ان میں ملکۂ شاعری فطری تھا۔ جمیلہ درویش نے ۸؍ دیوان قلمی صورت میں چھوڑا ہے۔ ان میں پانچ ہزار اشعار ہیں۔ ان کے کلام میں عشق الٰہی، حب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جذبۂ ایمانی بھرا ہے۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقیدت ہر جگہ نمایاں ہے۔ حمد و نعت اور منقبت کی صورت پذیری میں ایک شعر ملاحظہ ہو۔

نام تمہارا غوث ہے جو ہے شفیع المذنبیں رب کو کہیں گے نعبد تم کو کہیں گے نستعیں

"قال اللّٰہ تعالیٰ ورفعنا لك ذکرك"

سپاس بقیاس یزدانی کہ ایک مجموعۂ کلام لاثانی المسوم بہ

دایون بتول در نعت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

دیوان بتول یگانۂ روزگار بکونین مقبول

۱۳۴۵ھ

المطبعۃ المصطفویہ، بمبئی میں چھپا۔

نذر حقیر بہ بارگاہِ رسالت پناہ سردار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بتول فاطمہ کے اس نعتیہ مجموعہ کلام میں دوسو نعتیہ غزلیں ہیں جن کی ابتدا ۳۱ر حمد یہ غزلوں سے ہوئی ہے۔ درمیانی حصے میں حمد یہ و نعتیہ نظمیں شامل ہیں ان کے علاوہ قطعات نعتیہ اور رباعیات اور مثنوی کے رنگ میں لکھی گئی طویل نظمیں ہیں۔

بتوفیق و فضل خدا وند عالم چھپا خوب دیوان نعت مکرم

ثنائے محمد ﷺ ہے موضوع اس کا مضامین اس کے نہایت معظم

کہا میں نے آخر بہ سال اشاعت ہے گل دستہ نعت سلطان عالم

۱۳۴۵ھ

''قاموس الکتب'' اردو جلد اوّل میں دیوان بتول در نعت مقبول رسول کے حوالے سے صرف اتنا لکھا گیا ہے کہ ۱۹۶ر صفحے کا یہ دیوان مطبع الکبیر سے شائع ہوا حالانکہ ۱۳۴۵ھ میں دیوان بتول در نعت رسول مقبول المطبعۃ المصطفویہ، بمبئی سے شائع ہوا۔ اس کے بعد کوئی دوسرا ایڈیشن شائع نہیں ہوا اور ۹۰ر برسوں کے بعد ۲۰۰۶ء میں جناب شاکر کنڈان صاحب نے اس دیوان کی بازیافت کی کراچی یا لاہور کے کسی کباڑ سے کیا، بتول فاطمہ کے اس دیوان سے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

یہ عرض کر قبول مری اے کریم تو حب نبی ﷺ کا قبر بتولؔ میں ہو چراغ

شادی مرگ بطحا کی پہچن دیکھ مجھے ملک الموت کے آنے کا بہانہ ہو جائے

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر ۹۲ر پشتوں کا نسب نامہ شیوخ انصاریان قصبہ شاہجہاں پور کی ایک محترم خاتون خانہ بتولؔ فاطمہ کو قدرت نے جو جوہر شاعری عطا کی تھی وہ مدح وثنائے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر منتج ہوتی ہے نیز دیوان بتول واقعی عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمدہ اظہار ہے۔

نازش برجیس جود (للّی عرف نازش (ولادت ۱۹۲۶ء وفات ۱۹۴۴ء)

جواں سال مرحومہ نازش نے اپنی موت سے چند روز پہلے اسکول کی کاپی پر پنسل سے لکھے ہوئے اپنے کلام حمد، نعت ومنقبت، غزل نظم اور رباعی کو تلف کر دیا تھا۔ فاتحہ چہارم کے بعد جب ان کے کمرے کی صفائی ہوئی اس وقت تلف شدہ آخری کلام حمد، نعت، اور ایک منقبت کے اشعار ملے جس کو ان کے والد ڈاکٹر سید ریاض حسن صاحب نے اپنے تذکرے میں محفوظ کر لیا۔ مذکورہ قیمتی سرمایہ ہدیۂ قارئین ہے۔

نبی ہو مصطفیٰ صلی علیٰ نور خدا تم ہو تمہیں یٰسین تمہیں طٰہٰ تمہیں ناصر مذمل ہو
یہاں زمزم وہاں کوثر پلاؤ جس کو تم چاہو کہ جانِ میکدہ تم ہو تم ہی مختار و عامل ہو
جمال ہم نشیں نور ہدایت بن کے جب چمکا پکار اُٹھے ملائک مرحبا نور مجمل ہو
نہیں کچھ خوف اے نازش اگر کرب ومصیبت میں پکارو اپنے آقا کو، پڑے کیوں نیم بسمل ہو

نواب امراؤ بیگم عابدؔہ (پیدائش ۱۸۳۸ھ = ۱۲۵۶ء وفات ۱۸۶۸ء = ۱۲۸۶ھ)

راجستھان میں اردو فارسی کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ عابدؔہ صاحبہ نے اشاعت کے لیے دو دیوان مرتب کئے تھے ایک فارسی ایک اردو۔ لیکن دونوں دیوان چھپ نہ سکے عین عالمِ شباب میں ۳۰ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہو گیا۔ ڈاکٹر شاہد احمد جمالؔی صاحب ان دونوں دواوین کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ راجستھان میں موجودگی کا سرغ سید محمد علی جوؔیا نائب کوتوال شہر جے پور کے اس خط سے ہوتا ہے جو ۱۸/اپریل کو منشی درگا پرشاد ناؔدر صاحب تذکرہ ''تذکرۃ النساء'' کو تحریر کیا گیا تھا اور وہ خط تذکرہ میں شامل ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر شاہد احمد جمالی صاحب لکھتے ہیں۔

''کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ میرے تایا حضور رضی الدین رضؔا نے فرمایا تھا کہ بیگم عابدہ کی دو نعتیں ان کے پاس موجود ہیں میں نے بہت کوشش کی لیکن ہنوز دستیاب نہ ہو سکیں اگر یہ نعتیں دستیاب ہو جاتیں تو اردو کی تیسری نعت گو شاعرہ بیگم عابدؔہ ہوتیں۔''

حمد کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

یہ کرامت اس کی ہے جویا کہ خود فرما دیا تا قیامت رحمت خلاق باری قبر کو

نواب امراؤ بیگم عابدؔہ نواب محمد یوسف علی خاں والی رام پور کی صاحبزادی تھیں۔ جے پور کے

نواب زین العابدین جو شہر جے پور کے فوجدار تھے ان سے ان کی شادی ہوئی تھی۔ عابدؔہ عالم، فاضل نہایت زکی خاتون تھیں۔ فارسی میں نہایت عمدہ شعر کہتی تھیں۔ ز۔ح شروانیہ (۱۸سال) اور لِلی جوڈلیس (عمر ۱۸سال) نعت گوئی کے اعلیٰ مرتبت شاعرات کی طرح اردو کی پہلی صاحب دیوان (راجستھان) شاعرہ عین عالم شباب یعنی ۳۰ رسال کی عمر میں انتقال کر گئیں۔ آپ کی قابلیت اور لیاقت و شرافت دیکھ کر مہاراجہ رام سنگھ جی نے ان کو اپنی دھرم بہن قرار دیا تھا۔ سید محمد علی جوؔیا صاحب کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے بیگم عابدہ کو اصلاح دی تھی۔ جوؔیا صاحب بارہا ان کے اردو، فارسی دیوان کا ذکر کرتے رہے تھے اور کہتے تھے کہ ان کے دواوین کسی سے مخفی نہیں۔ ؎

کہ باقی رہ گئی ہے عمر بھی اے یار تھوڑی سی

شیریںؔ وحید لکھنوی (انتقال ۱۲۹۳ھ = ۱۸۷۹ء)

وحید نام شیریںؔ تخلص لکھنؤ کی رہنے والی تھیں۔ رسالہ ''سیاح'' میں لکھا گیا ہے کہ محترمہ گانے کے فن میں انتہائی کمال رکھتی تھیں۔ غزل بھی کہتی تھیں اس میں انہیں اک گونہ کمال حاصل تھا۔ نمونہ کلام عرفان حمد و نعت کی صورت میں ملاحظہ ہو۔

تیری صورت پہ نظر ہو قدموں پہ سر ہو — تیری الفت میں مروں یہ مرا ایمان رہے
خانہ جسم سے یہ کہ کے سدھاری مری روح — اپنے گھر جاتے ہیں تھوڑے یہاں مہمان رہے
اب یہ خالق سے شب و روز دعا ہے شیریںؔ — کہ سدا دین محمد میرا ایمان رہے

سردار بیگم

بیگم سردار لکھنؤ کے شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ غدر کے بعد شہر شہر بھٹکتی رہیں۔ غربت میں اپنی مسماۃ بیٹی کاظمی بیگم کو غلط پیشہ میں اتار دیا۔ اس غلط حرکت نے حساس، ذہنی و خدا ترس خاتون کو احساس ندامت میں مبتلا کر دیا۔ آخرت کا خوف اور شفاعت کی امید میں روتی تھیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کان پور، قنوج پھر اٹاوہ گئیں اور وہیں رہ گئیں۔ اشعار نعت و حمد کا نذرانہ لیکر در اقدس تک رسائی حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ گرچہ بالکل ناخواندہ تھیں مگر اپنے کہے ہوئے شعر دوسروں سے لکھوا لیتی تھیں، ملاحظہ ہو اشعار حمد و نعت۔

ہے خوف مجھے کو اکیلے گھر کا ہوگا واں پر گذارا کیونکر
اندھیری گور ہوئے گی نہ کوئی دوسرا ہوگا

مدد کو میری جو لطف یزداں ندیم و ہمدم وہاں نہ ہوگا
ملے گا وہ صنم کیونکر مجھے اب انتظاری ہے
یہ کیا ہے سرداؔر تجھ کو وحشت شفیع ہونگے رسول داور
فرشتے آکے پوچھیں گے کہو سردار سوتی ہو
جو زلزلہ ہے ہے بروزِ محشر زمیں نہ ہوگی زماں نہ ہوگا
پڑھو طمعہ محمد کا چلو اب فضل باری ہے

صالحہ بیگم پروینؔ (پیدائش ۱۸۶۶ء وصال ۱۹۴۴ء)

صالحہ بیگم کا حمد ونعت اور غزلوں کا دیوان دوسری بار ۱۹۰۹ء میں عزیزی پریس، آگرہ سے طبع ہوا تھا۔ دیوان کی پہلی اشاعت کا پہلا نسخہ حیدرآباد نظام میر محبوب علی خاں کو نذر کیا گیا تو انہوں نے نذرانے میں پانچ سو روپے انعام دیا۔ حمد ونعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

ہزار بار کیا قصد توبہ ہر بار　　　خیال رحمت رب غفور آنے لگا

☆

آپ کی آل آپ کی اولاد اور ادنیٰ کنیز　　　مفت کیوں پروینؔ حزیں ہو یا محمد مصطفیٰ

غیر منقوط اشعار سے ایک شعر ملاحظہ ہو۔

گر ہو کرم عطا وہ ایک لمحہ کاسۂ ہر گدا ہو مالا مال
مالک الملک کر عطا اس کو گوہر ولعل اور مالک حال

صالحہ بیگم پروینؔ کا تعلق دہلی سے تھا والد کا نام مولوی غضنفر علی تھا۔ جے پور کے ولی کامل حضرت میر قربان علی صاحب کی دوسری اہلیہ تھیں۔ بیگم پروینؔ کے پہلے شوہر داغِ مفارقت دے گئے۔ اس طرح جے پور میں دونوں کا نکاح مثالی بن گیا۔ تعلیم یافتہ گھرانہ تھا۔ بہت جلد قرآن کی تعلیم کے ساتھ فارسی اور اردو میں مہارت حاصل کر لی، شعر گوئی کا شوق بچپن سے ہی تھا۔ بیگم پروین کے دو بھائی مولانا سخاؔ اور مولانا سہاؔ مشہور شاعر اور تھے اور دونوں برادران سے اصلاح لیا کرتی تھیں۔ آپ نے تاریخ گوئی، قطعات اور رباعیاں کہیں۔ ۱۹۰۹ء میں فریضہ حج کی ادائیگی ے بعد آپ کی شاعری کا محور حمد ونعت پر منتج ہو گیا، ایک نعت ملاحظہ فرمائیں۔

مالک دنیا و دیں ہو یا محمد مصطفیٰ　　　پیشوائے مرسلیں ہو یا محمد مصطفیٰ
انبیا میں منتقل ہوتا چلا آیا جو نور　　　وہ حقیقت میں تمہیں ہو یا محمد مصطفیٰ

فخر آدم فخر موسیٰ فخر عیسیٰ فخر نوح — فخر مأو فخر طیں ہو یا محمد مصطفیٰ
حور غلماں باغ وا یواں جس کو چاہو بخش دو — مالک خلد بریں ہو یا محمد مصطفیٰ
خرمن عقل ارسطو کو بھی وہ سمجھے حقیر — آپ کا جو خوشہ چیں ہو یا محمد مصطفیٰ
آپ کا حسن و جمال ظاہری و باطنی — سب سے بہتر ہے کہیں ہو یا محمد مصطفیٰ
آپ کے ارشاد آساں آپ کے احکام نرم — بات وہ جو دلنشیں ہو یا محمد مصطفیٰ
سب سے بہتر علم سب سے اعلیٰ تر یقیں — چشمۂ علم و یقیں ہویا محمد یا محمد مصطفیٰ
شرق سے تا غرب ہیں کل اہل عالم مستفیض — اس سے کیا کوئی کہیں ہو یا محمد مصطفیٰ
قیصر وخاقان وکسریٰ آپ کے خدمت گزار — صاحب تاج و نگیں ہو یا محمد مصطفیٰ
آپ کیونکر خشمگیں ہو یا محمد مصطفیٰ — رحمۃ للعالمیں ہو یا محمد مصطفیٰ
مرکز احکام دیں ہو یا محمد مصطفیٰ — مہبط روح الامیں ہو یامحمد مصطفیٰ
آپ کی آل آپؐ کی اولاد اور ادنیٰ کنیز — مفت کیوں پروینؔ حزیں ہو یا محمد مصطفیٰ

بسم اللہ بیگم عصمت (پیدائش ۱۳۱۲ھ)

بسم اللہ بیگم عصمتؔ دور محبوبیہ کی شاعرہ ہیں۔ والد ترک علی شاہ ترکی تھے۔ عصمت کے ماموں غلام قادر گرامی مشہور شاعر تھے۔ تعلیم وتربیت گھر پر پائی، شاعری کا شوق اوئل عمر سے ہی ہوگیا تھا، علم عروض میں مہارت تھی۔ اپنے دادا سے اصلاح لیتی تھیں۔ کئی خواتین شاعرہ ان سے اصلاح لیتی تھیں۔ نعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

ہے آرزو کہ روضہ اقدس ہوں نثار — عصمتؔ یہ عزم خاص مجھے اب کے سال ہے

سعیدہ عروج مظہر (پیدائش یکم جنوری ۱۹۲۲ء وفات ۲۸/ مارچ ۱۹۸۷ء=۱۳۹۸ھ)

سعیدہ عروج مظہرؔ یکم جنوری ۲۲ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام سید مرتضیٰ حسین نہاں تھا۔ ان کی شادی حسین محمود صاحب کے ساتھ ہوئی تھی۔ اردو فارسی میں اعلیٰ صلاحیت کی مالک تھیں۔ انگریزی پر بھی عبور تھا، فارسی کے مشہور شاعر نظیرؔ نیشاپوری کی شاعری پر تحقیقی مقالہ لکھا۔ گھر میں شعر وشاعی کا ماحول ملا۔ چنانچہ بچپن سے شعروادب کا شوق تھا، ان کی شاعری کی ابتدا غزل سے ہوئی۔ غزل کے علاوہ نعتیہ کلام بھی پیش کیا۔ سعیدہ عروج مظہرؔ کا انتقال ۲۸/ مارچ ۱۹۸۷ء کو کراچی میں ہوا۔ ان کا مجموعہ کلام ''ضمیر لالہ'' مرتب شدہ زوال حیدرآباد کی نذر ہوگیا، نعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

گھپ اندھیرے چھنٹے چاندنی ہوگئی — مصطفیٰ آگئے روشنی ہو گئی

صحیفہ بانو

حمد ونعت پر مشتمل آپ کا مجموعۂ کلام ''یادگار صحیفہ'' ۱۳۳۳ھ میں رزاقیہ پریس، مدراس سے شائع ہوا۔ڈاکٹر شانتی رنجن بھٹا چاریہ نے اپنی کتاب ''بنگال میں اردوزبان وادب'' میں لکھا ہے کہ ''آپ (صحیفہ بانو) متقی و پرہیزگار، صوم وصلوٰۃ کی پابند اور بلند نفس خواتین تھیں۔آپ کا مجموع کلام ''یادگار صحیفہ ۱۳۳۳ھ'' میں رزاقیہ پریس، مدراس سے شائع ہوا تھا۔ یہ صحیفہ اب دستیاب نہیں ہے۔'' عندلیب شادانی لکھتے ہیں ''تمام کلام نعت پر مشتمل ہے بعض نعتیں ایسی بھی ہیں نعتیہ پر زیادہ عاشقانہ ہیں ایک ایسا ہی شعر یادگار ہے لیکن نعت نہیں ہے۔

سیدۃ النساء (پیدائش ۱۸۷۸ء وفات ۱۹۳۱ء)

ان کے مجموعہ کلام کے مسودات ضائع ہو گئے ایک قطعہ تاریخ میں نعت کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

زائر بطحا و یثرب نیک سیرت پاک خو — ہائے حاجی نبی احمد صاحب سیرت با صفا

سیدۃ النساء ضلع سیوان بہار میں پیدا ہوئیں ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی ،قرآن شریف اور اردو پڑھنے کے بعد اپنے خالو لطف احمد صاحب سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کیں۔شاعری کا ذوق فطری تھا۔تاریخ گوئی میں غیر معمولی صلاحیت اور ممتاز حیثیت رکھتی تھیں۔ان کے احوال کچھ تو حکیم لطف احمد صاحب اوران کے اعزہ سے معلوم ہوئے۔ ''تذکرۂ ھند'' میں بلخی صاحب کا کہنا ہے ''ان کے مسودات یا تو ضائع ہو گئے یا کسی گوشے میں پڑے ہیں۔

بیگم شہاب قمر لکھنوی، کلکتوی، کراچی (پیدائش ۱۹/اپریل ۱۹۴۳ء)

ایک رسالے سے دستیاب قمر صاحبہ کے چند نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

دکھا دے مولا مدینہ جس پر ازل سے رحمت برس رہی ہے
نگاہ مدّت سے جن کے نظارۂ حسیں کو ترس رہی ہے
شراب عرفاں کی ہے یہ مستی کہ گم ہے ہوش خرد کی ہستی
اک آرزو کی حسین بستی مرے تصور میں بس رہی ہے
وطن ہے پردیش سے بھی بدتر سوز فرقت سے حال ابتر
کہ جیسے اپنے چمن کے اندر قمر اسیرِ قفس رہی ہے

قمر صاحبہ مع اہل وعیال ہجرت کر گئی تھیں اب کوئی احوال نہیں ملتے۔غوث میاں صاحب کی کتاب میں بھی کوئی نعت تحریر نہیں ہے۔

بیگم شہاب قمر ناخور

بیگم شہاب قمر ناخور شاعر شہاب قمر لکھنوی کی اہلیہ ہیں۔ بقول الف انصاری مولف ''بنگال میں خواتین کی اردو شاعری'' قمر صاحبہ کا شمار بنگال کی چند اچھی شاعرات میں ہوتا ہے۔ کبھی کبھی مشاعرے میں بھی شریک ہوتی ہیں۔ قمر صاحبہ کو حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کی عطر بیز خوشبو ہر سو ملتی ہے۔ قمر صاحبہ مع اہل وعیال کراچی ہجرت کر گئی تھیں۔ اب کوئی احوال نہیں ملتے۔ غوث میاں صاحب کی کتاب ''خواتین کی نعتیہ شاعری'' میں بھی ان کی کسی نعت کا ذکر نہیں ہے۔

مظہر سعید عروج (مظہر النساء) (پ یکم جنوری ۱۹۲۲ء وفات ۱۳۹۸ھ = ۱۹۷۸ء)

مرتبہ شدہ مجموعۂ کلام ''ضمیر لالہ'' زوال حیدر آباد کی نذر ہو گیا۔ باقیات میں ۱۸ ر اشعار کی ایک نعت بصورت مثنوی ہے۔

کس نے کھولی ہے زباں کون ہو دل کے قریں کیسی آواز ہے؟ کیوں بھیگ رہی ہے جبیں
کس نے چھیڑی ہے یہ لحن عرب میں یا رب جھنجھنا کر جو اٹھی روح مری بہرِ ادب
کوئی یوں بول رہا ہے رگِ جاں کے اندر جیسے الفاظ ہوں بوسیدہ زباں کے اندر
دست بستہ ہیں جھکائے ہوئے سر محفل چیخ بن جائے گرے سوئی اگر محفل میں

نثار فاطمہ کبریٰ

بہار کی پہلی صاحبِ دیوان شاعرہ۔ ''خیالات کبریٰ'' ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۳۵ء میں حج کے لیے تشریف لے گئیں۔ زیارت مکہ مدینہ کے بعد ان کی شاعری میں جلا آ گئی۔ ان کی نعت کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

مدینہ کے حد میں ہوا جب گذر تڑپنے لگا سب کا دل بے گماں
جھکی سب کی نظریں یہی جان کر رسول خدا کا حرم ہے یہاں
در پاک پر جب رسائی ہوئی درودِ مقدس تھا وردِ زباں

نثار کبریٰ عظیم آبادی رشیدۃ النساء (اوّلین خاتون ناول نگار اصلاح النساء) کی صاحبزادی تھیں۔ مشہور قانون داں مولوی یحییٰ ان کے والد تھے۔ چیف جسٹس شمس العلماء خان بہادر سید وحید الدین کی نواسی اور امداد امام آثر کی بھانجی تھیں۔ اپنے عہد کی عظیم شاعرہ نثار کبریٰ کو ادب نوازی اور شعر

وشاعری وراثت میں ملی تھی۔ان کے شوہر سید رضا کریم کے والد سید علی کریم ڈمروی شاہ آباد کے کئی علاقوں کے رئیس تھے۔ نثار کبریٰ ابتدا سے ذہین اور علم دوست تھیں۔ مسدس حالیؔ کے مطالعہ سے شاعری کا ذوق پیدا ہوا لیکن اس زمانے کی رسومات کی پابندیوں کے سبب شاعرانہ ذوق کا اظہار نہ کر سکیں۔آہستہ آہستہ زمانہ بدلا علم وادب سے دلچسپی کا دور شروع ہوا۔زیارت مکہ مدینہ کے بعد ان کی شاعری میں جلا آ گئی۔اطہر سلیمان کا کہنا ہے:

''عروض وزن اور فن شاعری کے قدیم اصولوں کو نظر انداز کر کے آپ کا کلام دیکھا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ یہ وہ کلام ہے جو نہ صرف نسوانی زندگی کو بالا ترین کرتا ہے بلکہ صاحب اہل ایمان مردوں کے جوش وجذبات کو ابھارنے کا بہترین ذریعہ ہے۔جو غزل ہے دل میں اتار لینے کے لائق ہے اور جائز ہوتا تو راقم الحروف یہ بھی یقینی کہہ دیتا یہ کسی خاتون کا کلام نہیں بلکہ فرشتوں کا گایا ہوا کلام ہے جو لطف اندوز ہونے کو نہیں بلکہ عبادت کرنے کو میسر آتا ہے۔

عمارت حرم کی بہت خوب ہے ''ہر اک دل نبی پر فدا ہو رہا ہے''

از نتیجۂ فکر جنابہ مسرت جہاں بیگم صاحبہ نسیمہ مرحوم بنت خانصاحب حکیم محمد علی خاں صاحب ماہر اکبر آبادی

کشش پر رخ پر ضیا ہو رہا ہے ہر اک دل نبی پر فدا ہو رہا ہے
کوئی تو بتا دو یہ آمد ہے کس کی کوئی تو بتا دو یہ کیا ہو رہا ہے
ندا آرہی ہے زمیں پر فلک سے ظہور حبیب خدا ہو رہا ہے
مبارک مبارک کہ سرکار آئے یہی شور ہر سو بپا ہو رہا ہے
کچھ اس طرح تاباں ہے مہر رسالت کہ ہر ذرہ مشعل نما ہو رہا ہے
نسیمہؔ کو پیارے نبی اب دوا دو کچھ اب درد دل سوا ہو رہا ہے

''ہمیں جان و دل سے ہے پیارا محمد''

از جنابہ سلطان جلیسؔ صاحبہ اکبر آبادی

محمد کے ہم ہیں ہمارا محمد ہمیں جان و دل سے ہے پیارا محمد
نہیں جز تمہارے ہمارا محمد بہر حال تم ہو سہارا محمد
سبھوں کو بتایا ہے ارہ مدینہ مجھے بھی بتا دو خدارا محمد
مدینہ کو جائیں تو یہ کہتے جائیں کہاں ہے کہاں ہمارا محمد
جنون محبت کا ہے یہ تقاضہ نہ چھوڑونگا دامن تمہارا محمد

جلیسؔ حزیں کی بھنور میں ہے کشتی بچا لیجئے اب خدارا محمد

''خدا کا بشر مدعا بن کے آیا''

(از جنابہ حسینہ بیگم صاحبہ، حیدرآباد)

جب آنکھوں میں نور ضیا بن کے آیا دلوں میں وہ جلوہ نما بن کے آیا

وہی سب سے اوّل وہی سب سے آخر جو تھا مبتدی منتہا بن کے آیا

مٹاتا ہوا ظلمت کفر عالم وہ دنیا میں بدر الدجیٰ بن کے آیا

پلاتا ہوا جام وحدت جہاں کو وہ مست ازل ساقیا بن کے آیا

ذار دیکھ حسینہؔ وہ کیا بن کے آیا خدا کا بشر مدعا بن کے آیا

(بحوالہ۔ رسول نمبر رسالہ پیشوا، دہلی تذکرہ جمیل ماہ صفر و ربیع الاوّل ۱۳۵۷ھ)

کندن نزاکت

کندن نزاکت ۱۲۹۰ھ کے بعد انتقال ہوا۔ جے پور کی ایک مشہور طوائف اور شاعر میر واجد علی شگفتہ جے پوری کی شاگردہ تھی۔ شاعری کا ملکہ حاصل تھا اکثر محفلوں میں اپنا ہی شعر پڑھا کرتی تھیں زیادہ تر کلام عارفانہ ہے۔

بلبل زار ہوں تو ترا ہوں میں گرفتار ہوں تو ترا ہوں

خواہش دیں نہ کام دنیا سے میں طلبگار ہوں تو تیرا ہوں

ان فرشتوں کو واسطہ مجھ سے میں گنہگار ہوں تو تیرا ہوں

بشیر النساء بیگم بحوالہ خان محمد عاطف ''گل کدۂ نعت'' مرتب میر احدی ۱۹۳۲ء آگرہ، بھارت۔ صفحہ ۳۱، ۳۲ پر شامل دو نعتیں۔

یہ رحمت ہے خدا کی رحمۃ للعالمیں آیا فلاح اہل دنیا کے لیے سردار دیں آیا

رسول ہاشمی شمس الضحیٰ بدرالدجیٰ یعنی خدا کا راز داں اور رمز قدرت کا امیں آیا

جہاں میں قلب زنگ آلود انساں پاک کرنے کو رسول پاک سیرت اک باطن پاک میں آیا

فضائے دہر تھی تاریک بدعت سے جہالت سے جہاں میں نور ایماں لے کے شمس العارفیں آیا

رسول اللہ بلوا لو بشیرؔ غم رسیدہ کو کہ اب تو تنگ دنیا سے دل اندوہ گیں آیا

رضیہ سلطان بیگم (بیگم حلیم جنگ) (پیدائش ۱۹۲۲ء) عمر ۹۵ رسال۔

نعتیہ مجموعہ ''صدائے دل'' ۲۰۰۸ء اور ''میں غریب تو غریب نواز'' مکتبہ جامعہ لیمیٹیڈ، نئی دہلی، بھارت۔

رضیہ سلطانہ بیگم جنگ حیدر آباد دکن اور دہلی کے ایک ممتاز گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ان کی شادی دہلی کے ایک معروف ومشہور شخصیت جناب حلیم جنگ سے ہوئی۔ان کے شوہر کا سلسلہ حضرت مولانا کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔یہ خاندان خلیفہ ٔ چہارم کی ۳۵ ویں پشت سے ہے۔ان کے دادا سردار ملک بہادر نظام الملک میر محبوب علی خاں کے اتالیق اور قریبی دوست تھے۔حیدر آباد کی تاریخ ان کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوگی ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری رضیہ کے ماموں اور نجیب جنگ ان کے بیٹے ہیں۔

رضیہ سلطانہ بیگم کے بڑے بیٹے ظفر حمید جنگ لکھتے ہیں ’’ادبی مشاغل سے بیگم صاحبہ کا ذوق سفر مکہ مکرمہ کے دوران پروان چڑھا جہاں ان کے ذہن پر اتنی نورانی کیفیت طاری ہوئی کہ نعت شریف بے ساختہ ان کے لبوں پر جاری ہوگئی۔ان کی اس تخلیقی کاوش سے اسلامی ثقافت عموماً اور اردو بطور خاص مستفید ہوگی۔اردو کی نیرنگی اور ثروت مندی کے پیش نظر میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ تخلیق کے الفاظ کی مکمل ترجمانی تو شاید مشکل ہے مگر ان کا نعتیہ کلام اسلام کے بقا کو وسعت دے گا جو امن کا آئینہ ہے۔‘‘

اے زائر مدینہ عزم سفر مبارک تکمیل آرزو پے پیش نظر مبارک

☆

یثرب کو جانے والے حالت تمام کہنا خیر البشر کے در پر میرا سلام کہنا
بعد از سلام میرا ان سے پیام کہنا کٹتے نہیں ہیں اب آقا یہ صبح وشام کہنا

☆☆

واپس ہوئی ہوں آقا جب سے تمہارے در سے دنیا اتر گئی ہے جیسے میری نظر سے
رہتی ہوں مضطرب میں ہر شام ہر سحر سے شائد بلاوا آئے طیبہ کی رہگذر سے

’’شعرائے میرٹھ‘‘۔ازنورحمد میرٹھی۔نعت رنگ شمارہ نمبر ۶

پروفیسر شائستہ زیدی (وفات ۱۹۳۹ء)

ہو مسیحا تم بیمار میں ہوں چارہ گر! ہیں بھی تو بیچاروں میں ہوں
آپ کا در ہی مری پہچان ہے آپ کی ہوں، گو خطاکاروں میں ہوں

(صفحہ ۱۱۴)

سعدیہ نسیم ڈاکٹر نسیم آرا سعید (خواب اور آئینہ)

حضور آپ کے در پہ کھڑی ہوں نم دیدہ نہیں حال مرا آپ سے تو پوشیدہ
حبیب کبریا مجھ کو یہیں بسا لیجئے ہیں میرے دیدہ و دل آپ ہی کے گرویدہ

نزول رحمت پروردگار ہو ہر دم میں آپ ہی کو فقط دیکھتی ہو دزدیدہ
خدا کے سامنے رکھ لیجے گا شرم میری نہ روز حشر کھڑی ہوں کہیں میں ترسیدہ
(صفحہ۱۱۴/۱۱۵)

ثروت مشرف جہاں (گلستان ثروت ۱۸۹۹)

ہے دو عالم سے ہر انداز نرالا تیرا میری آنکھوں کے دیکھے تماشا تیرا
خود ثنا خواں ہے خدائے شہ والا تیرا جا بجا وصف ہے آیا قرآن میں تیرا
ورق دل سے نہیں کوئی ہے کاغذ بہتر جی نہیں ہے اس پہ لکھونگا نغمہ تیرا
سر ثروتؔ کو جس بنائی کا سودا اچھلا یاد اسے آ گیا جب نقش کف پا تیرا
(صفحہ۱۱۲)

سیدہ مضطر

سیدہ مضطر کی بیٹی جو شاعرہ تھیں۔ نام اور تخلص سیدہ تھا۔ سیدہؔ کی دادی سفیر النسا حرماںؔ خیر آبادی مضطرؔ خیر آبادی کی والدہ تھیں۔ سید النساء حرماںؔ ذکاوت و فطانت کا مرقع تھیں اور اچھی شاعرہ بھی، صرف ایک شعر یادگار رہے۔

درد دل درد جگر کاوش دل کاہش جاں اتنے آزار ہیں اور ایک کلیجہ میرا

شاعری کے حوالے سے سید النساء حرماںؔ اور سیدہ میں عموماً غلط فہمی ہے۔ نعت گوئی کے حوالے سے ڈاکٹر ریاض مجید صاحب نے سیدہ حرماں کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن مضطرؔ کے گھر کا ہر فرد شعر کہنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ان کی بیٹی سیدہ بھی شاعرہ تھیں۔ سیدہ کے دل میں قوم کا درد تھا جس کے باعث کلام میں قومی رنگ نمایاں ہے ایک نظم کا مقطع ہے۔

خدا یہ دن بھی گذار دئے گا وہ سیدہؔ پھر قرار دئے گا
ہماری حالت سنوار دے گا کہ کس کی بگڑی سدھاری ہے

قوم مسلم کا درد اور التجا سیدہ کے نعتیہ اشعار میں ملاحظہ ہو:-

التجائے سدہ سن لے برائے مصطفیٰ قوم مسلم کو بہار عالم تقدیر دے
وہ طرز احمدی بھی و رسم آداب ہاشمی بھی وہ شاہی ہم سے مٹ گئی ہے ہماری حالت بتا رہی ہے

جمیل احمد بریلوی ''تذکرہ شاعرات اردو'' میں صفحہ ۱۲۵ پر لکھتے ہیں۔

'دور حاضر کی شاعرات نے حمد، نعت و منقبت کے مضامین پر قلم اُٹھایا ہے انہوں نے محترمہ آمنہ

خاتون عفّت کی ایک روح پرور نعت کے دو شعر پیش کئے ہیں۔

مری روح و جان نذر چشم کرم خدارا نظر اک اٹھا دو محمد
گناہوں سے مردہ ہوئی روح عفّت شفاعت سے اپنی جلا دو محمد

شمیمہ بیگم (پیدائش ۱۹۲۴ء)

علامہ سید سلیمان صاحب کی صاحبزادی شمیمہ بیگم کو نعت گوئی کا شعری جذبہ قدرت کی طرف سے الہامی طور پر عطا ہوا تھا۔ ''خاتون پاکستان'' کے حوالے سے شمیمہ بیگم کی ایک نعت ملاحظہ ہو۔

پوچھتا کیا ہے کہ پیغام میں کیا لائی ہوں اپنی آنکھوں میں مدینہ کی فضا لائی ہوں
مطلع نور سے انوار و ضیا لائی ہوں زلف محبوب کی نکہت بھی اڑا لائی ہوں
تو جو مجبور ہے، معذور ہے بیمار بھی ہے باب رحمت سے تری خاک شفا لائی ہوں
ابر رحمت سے گذر کر یونہی کیونکر آتی تجھ سے بیماروں کی حضرت سے دوا لائی ہوں
عشق احمد میں جو مضطر ہیں ان سے پوچھو لمس کی سوئی ہوئی تقدیر جگا لائی ہوں

(تذکرۂ مسلم شعرائے بہار حصہ دوم مولفہ سید احمد اللہ ندوی، مطبوعہ کراچی)

سؔرور سورج کلا سہائے علیگ (پیدائش ۱۹۱۷ء)

شعری مجموعہ ''حریم ناز'' طبع ۱۹۵۱ء اردو کی پہلی ہندو خاتون صاحب دیوان شاعرہ، نعت کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

حجازی رنگ میں جو رنگ عرفاں دیکھ لیتے ہیں وہ اپنے کفر میں بھی نور ایماں دیکھ لیتے ہیں
چھپے جا تو نظر سے لاکھ دل سے چھپ نہیں سکتا تیری تنویر نزدیک رگ جاں دیکھ لیتے ہیں

وزیر اعظم ریاست بھوپال راجہ اودھ نرائن بسیریا کی صاحبزادی سورج کلا سہائے تعریف کی محتاج نہیں۔ آپ نے ایسے خاندان میں پرورش پائی جو زبان و ادب کا شیدائی تھا۔ سؔرور کی شادی با گیشوری سہائے وکیل کے ساتھ ہوئی تھی جو الہ آباد میں وکالت کرتے تھے۔ سؔرور ان کے ساتھ الہ آباد میں رہتی تھیں۔ الہ آباد میں اردو کی دو انجمنیں قائم تھیں بزم ریاض ادب کی آپ (سرور) روح رواں تھیں۔ یہ بزم بڑے بڑے مشاعرے منعقد کراتی تھی۔ مشاعروں کی صدارت اکثر سؔرور صاحبہ کے ذمہ ہوتی تھی۔

آپ کے شعری مجموعہ ''حریم ناز'' (اشاعت ۱۹۵۱ء) کے تعارف میں فراؔق گورکھپوری نے لکھا ہے۔

''سؔرور کے اشعار میں وہی بول ملیں گے جو ہمارے دلوں میں،

ہمارے گھروں میں ہمارے کوچہ وبازار میں گونجتے ہیں۔''

سرورؔ کا مجموعہ ''حریم ناز'' نایاب ہے کسی بڑی لائبریری میں ''پلیز اس کو ہاتھ میں نہ لیں'' کے اسٹیکر کے ساتھ سلف میں مل جائے گا۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی لائبریری اور خدابخش لائبریری، پٹنہ میں موجود نہیں ہے۔اگر مجموعۂ کلام دستیاب ہوجائے تو اس میں شامل اور بھی نعتیں محفوظ کی جاسکتی ہیں۔

نسیم فاطمہ بریلوی (پیدائش ۸/اپریل ۱۹۳۳ء)

ان کا کوئی مجموعۂ کلام حمد ونعت وغزل کا شائع نہیں ہوا لیکن ان کو نعتیں کہنے کا شوق جنون کی حد تک تھا۔سلطان مہرؔ کو نسیم فاطمہ کا جو کلام نعت کے عنوان سے ملا ہے وہ پیش خدمت ہے۔

لٹ رہا ہے کارواں،منزل ہے آنکھوں سے نہاں ۔۔۔ اے امیر کارواں اب رہبری فرمایے
اٹھ گئی انسانیت دنیا سے انسان مٹ چکا ۔۔۔ کچھ سہارا دیجیے راہ عمل پر لایے

☆☆

نسیمؔ حزیں کو مدینہ بلا لو ۔۔۔ نبی ﷺ جی تمہارا میں در چوم لونگی

فاطمہ بیگم کلیمؔ

فاطمہ بیگم کلیمؔ سیوہارہ ضلع بجنور کی رہنے والی تھیں۔شاعری کا ذوق بہت عمدہ تھا رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی اس کا اظہار ان کی نعت میں ملاحظہ ہو۔

رخ انور سے پردے کو ہٹا دو ۔۔۔ ہٹا دو یا رسول اللہ ہٹا دو
جمال حق نما اپنا دکھا دو ۔۔۔ دکھا دو یا رسول اللہ دکھا دو
پڑی سوتی ہے غفلت میں یہ امت ۔۔۔ اور اس پر چھا رہا ہے ابر نکبت
خدا کے واسطے اس کو جگا دو ۔۔۔ جگا دو یارسول اللہ جگا دو
بہت میں رو چکی اب تو ہنسا دو ۔۔۔ ہنسا دو یا رسول اللہ ہنسا دو

فاطمہ رداؔ (پیدائش ۱۹۳۲ء)

شعری مجموعہ ''رداشبنم'' ۲۰۰۴ء میں کرناٹک اردو اکیڈمی نے شائع کیا۔

ہوگا نہ خدا کیسے نگہبان مدینہ ۔۔۔ ہے گلشن فردوس خیابان مدینہ
وہ تیری خدائی ہے کہ یا شان نبی ہے ۔۔۔ دشمن بھی ہوا جب کہ ثنا خوان مدینہ
باطل کی گھٹاؤں کا تنزل ہوا آخر ۔۔۔ قائم جو ابد تک ہے وہ ہے شان مدینہ

اک نظر عنایت ہو رداؔ پر مرے آقا ہوں زمزمہ پرواز گلستان مدینہ

سیدہ فاطمہ بانو اردو فارسی اور عربی زبانوں سے واقف شعر و شاعری سے خصوصی دلچسپی رکھنے والی شاعرہ کو نعت کہنے کا عمدہ سلیقہ ہے۔ اپنے شعری مجموعہ ''ردائے شبنم'' میں چند نعتوں کو شامل کیا ہے۔ میسور، کرناٹک کی شاعرہ سیدہ فاطمہ کی ادبی خدمات کے اعتراف میں کرناٹک اردو اکیڈمی کی جانب سے ۲۰۰۸ء میں ریاستی ایوارڈ دیا گیا۔

ڈاکٹر فاطمہ زہرہ (پیدائش ۱۹۵۷ء)

دو شعری مجموعے ''سادہ کاغذ پہ عکس خواب'' اور ''خواب و خیال گل'' جس میں حمد و نعت و غزلیں شامل ہیں۔ نعت کا مجموعہ زیر اشاعت ہے۔

مسخر ہیں زمین و آسماں حیراں و ششدر ہیں حبیب کبریا عرشِ معلیٰ کے سفر پر ہیں
یہیں سے آپ فرماتے ہیں دنیا کی نگہبانی مدینے کے گلی کوچے منور ہیں معطر ہیں
شہنشاہ دو عالم نے شکم پر جن کو باندھا تھا ہمیں ہے رشک ان پر کتنے خوش قسمت وہ پتھر ہیں
میں گھر میں نعت کہنے کا ارادہ کر کے بیٹھی ہوں بفضل رب معطر گھر کے سب دیوار و در ہیں
محمد مصطفیٰ کے امتی خوش بخت ہیں بے شک شرف حاصل یہ کرنے کو دعا گو سب پیمبر ہیں
عنایت ہے حبیب کبریا کی آپ پر زہرہؔ ہر اک نعت نبی کے شعر کتنے روح ہرور ہیں

فاطمہ زہرہ صاحبہ کا نسبی تعلق خانوادہ سادات سے ہے۔ آپ کے دادا اللہ بخش مرحوم ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ کی فوج میں ایک دستہ کے کمانڈر تھے۔ زہراہ صاحبہ کی شادی ڈاکٹر محمد احمد اللہ صاحب سے ہوئی۔ آپ اکلوتے بیٹے ڈاکٹر احمد معین فاروقی انڈین سول سروسز میں ہیں۔ درس و تدریس کا سلسلہ رٹائر منٹ کے بعد بھی جاری ہے کہ آپ غیر اردو داں طبقے کا کلاس لیتی ہیں۔ اردو شعر و ادب سے دلچسپی جنون کی حد تک ہے۔ ۳ ر شعری مجموعوں کے علاوہ ۳ ر نثری کتابیں تحقیق و تنقید میں بھی ہیں اردو ادب کی ان مجموعی خدمات پر ان کو کئی ایوارڈ بھی مل چکے ہیں۔ اب آپ کا شعری رجحان حمد و نعت پر مرکوز ہے۔ نعت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کافی حساس واقع ہوئی ہیں اور فن نعت کی پر خار راہوں سے بخوبی گذرنے کا عزم مصمم ہے۔

زہرہؔ کا کچھ کمال نہیں اس کار دہر میں کار قلم دوات حضور آپ ہی سے ہے

زاہدہ بیگم بنگلوری

میرے لیے جہان میں چین ہے، نہ قرار ہے وقت کہے مدینے چل، صرف یہ انتظار ہے

بات مدینے کی ہے کیا، رشک حرم ہے وہ زمیں ذرہ جہاں کا مہر ہے، پھول جہاں کا خار ہے
دونوں جہاں کا بادشہ، پیارے رسول دوسرا کیا کہے حال زاہدہ، آپ پہ آشکار ہے

بیگم ڈاکٹر محمد افضال حسین ۔ نعتیہ مجموعہ ''تعمیر حرم مثنوی کی ہیئت میں''

اٹھائی جارہی تھیں جب خدا کے گھر کی دیواریں تو معماران بیت اللہ نے سوچا کہ کیا مانگیں
معاً آئی لبوں پر یہ دعا اے خالق اکبر تری رحمت ہو اس گھر پر، یہاں کے رہنے والوں پر
کرم سے تیرے اس صحرا میں ایسا شخص پیدا ہو کہ جس کی ذات الطاف خداوندی کا چشمہ ہو
جو بیت اللہ کے آداب انسانوں کو سکھلائے طریقے جو عبادات خداوندی کے بتلائے
جو قلب و ذہن انسانی کو اک تابندگی بخشے جہان کن فکاں کی روح کو اک زندگی بخشے
وہ امّی جو کتاب زندگی پڑھتا ہوا آئے خدائی علم و حکمت کی یہاں تعلیم فرمائے
ہوئی مقبول معمار حرم کی یہ دعا ساری کہ بطحا سے ہوا وہ چشمۂ لطف خدا جاری
جو ساری نوع انساں کا رہبر اور ہادی ہے وہ جس کے فیض سے شاداب ہر صحرا و وادی ہے
جو حامل ہے کتاب اللہ و قانون الٰہی کا وہی ہے رہنمائے آخری ساری خدائی کا

منیر مختار عباسی ۔ اجمیر

جناب ڈاکٹر شاہد احمد جمالی نے اپنی کتاب ''راجپوتانہ کے اردو ادب میں خواتین کا حصہ'' میں منیر مختار عباسی کی دو نظمیں اور ایک نعت بحوالہ ''محفل خواتین'' مرتبہ فاروق محشر بدایونی۔ ناشر عبداللہ فاروقی، دہلی ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۱۴/۲۱۵ شامل کیا ہے۔ لیکن شاعرہ منیر عباسی مرحومہ کا کوئی تذکرہ نہیں لکھا۔ دریافت کرنے پر صرف اتنا کہا کہ تلاش بسیار کے بعد بھی کوئی احوال نہیں ملتا صرف اتنا کہ ۱۹۴۷ء کے پہلے منیر مختار عباسی کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کی ایک عمدہ نعت جو عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ڈوب کر کہی گئی ہے، ملاحظہ ہو۔

سخت نزع کا ہنگامہ مدینے والے خیر پر ہو مرا انجام مدینے والے
کاش یوں زیست کی ہو شام مدینے والے آئے جب موت کا پیغام مدینے والے
میرے لب پر ہو تیرا نام مدینے والے

ایک مدت سے مرا دل ہے خواہ عرب کاش جلوہ ہو ترا راہبر راہ عرب
نظر آ جا کسی منزل مجھے ماہ عرب زندگی ہجر میں دشوار ہے اے شاہ عرب
آ کہ تجھ بن نہیں آرام مدینے والے

دور ہے ساقی کوثر ترے پیمانوں کا رعب چھایا ہے جہاں پر ترے دیوانوں کا
شاہ کونین محافظ ہے تو ایمانوں کا تو ہی والی، تو ہی وارث ہے مسلمانوں کا
ہے تو ہی بانی اسلام مدینے والے

اپنا غمخوار مصیبت میں بناؤں کس کو داغ دل میں جو پنہاں ہے دکھاؤں کس کو
میں مدد کے لیے مشکل میں بلاؤں کس کو اپنی فریاد بجز تیرے سناؤں کس کو
مجھ پہ رحمت و اکرام مدینے والے

امۃ الفاطمہ بیگم منعم (پیدائش ۱۲۸۲ھ)

امۃ الفاطمہ بیگم منعم عہد محبوبیہ کی شاعرہ ہیں شادی عبدالسلام تحصیل دار سے ہوئی۔ منعم حضرت داغ دہلوی کی شاگردہ تھیں تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی کوئی مجموعۂ کلام نہیں ملتا لیکن مختلف رسائل میں ان کا کلام شائع ہوا، لیکن نعت کے اشعار نہیں ملے، حمد کا ایک مصرع ملاحظہ ہو۔

''خدا کی رحمتوں کے شادماں ہر اک مسلمان رہے''

نورالنسأ بیگم نور

نورالنسأ بیگم نور کا شمار عہد عثمانی کی شاعرہ میں ہوتا ہے۔ یہ صرف نعتیہ کلام کہتی تھیں۔ نور کے کلامِ نعتیہ میں والہانہ عقیدت پائی جاتی ہے۔ نور کا یہ قطعہ بہت مشہور ہے۔

عجب آرزو ہے عجب جستجو ہے اسے یاد کرنے کی اس دل کو خو ہے
فرشتو ہٹو گفتگو رب سے ہوگی کوئی باوضو ہو کہ اب قبلہ رو ہے

زبیدہ تحسین

زبیدہ تحسین حیدرآباد کی مشہور و معروف شاعرہ ہیں ان کے والد مولوی عبدالکریم محکمہ تعلیمات سے وابستہ تھے۔ زبیدہ تحسین نے نعت، منقبت نظم، غزل وغیرہ میں طبع آزمائی کی ہے نعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

کی پیروی تو احمد مرسل کی سراسر پھر دیکھ کہ کیوں تجھ کو ابھرنا نہیں آتا

امۃ الخلیق حفصہ رشید

مجموعۂ نعتیہ کلام دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۸ء میں حیدرآباد سے شائع ہوا۔ نعت کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

بسی ہے دل میں محبت ان کی کرم ہے ان کا نوازش ان کی
یہی تو وہ شمع ہے جس سے یارب اہل دل لو لگا رہے ہیں

میں جیتی ہوں نبی سے دل لگا کر مجھے آداب غم یا رب عطا کر

امۃ الخلیق حفصہ رشید غیر نعت گو شاعرہ تھیں ۔حیدر آباد میں پیدا ہوئیں ۔شیخ الاسلام حضرت محمد بادشاہ حسینی لئین کی صاحبزادی اور مولانا سید احمد قادری صاحب بانی صدر مرکزی انجمن قادریہ کی اہلیہ تھیں ۔ مذہبی گھرانے کی چشم و چراغ ہونے کی وجہ سے مذہبی شعور وادراک ہونا ایک فطری بات تھی ۔ شاعری کا ذوق ورثہ میں ملا تھا حفصہ رشید کو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت تھی اور حضرت مولائے کائنات و شہزادی کونین سے بھی اپنی بے پناہ وابستگی کا اظہار اپنے کلام میں کیا ہے۔

صغریٰ بیگم حیاؔ (صغریٰ ہمایوں مرزا پیدائش ۱۸۸۴ء)

صغریٰ بیگم حیاؔ عہد محبوبیہ کی شاعرہ ہیں ان کے والد مشہور ڈاکٹر علی مرزا تھے ۔صغریٰ بیگم حیاؔ کی شادی ہمایوں مرزا سے ہوئی تھی ۔حیاؔ کو شاعری کا شوق ابتدائے عمر سے تھا اپنے کلام پر فصاحت جنگ جلیل سے اصلاح لیتی تھیں ،نعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

آنکھ میں نور ہو دل میرا منور ہو جائے جز تجلی کے ترے اور نظر کچھ بھی نہ آئے

رابعہ بیگم رابعہؔ (تاریخ پیدائش ۱۹۳۸ء)

رابعہ بیگم رابعہؔ دور عثمانی کی شاعرہ ہیں مولانا احمد مدنی اور رابعہ بیگم کمترؔ کی دوسری بیٹی ہیں ان کی شاعری میں صفائی وسادگی ایک جوہر ہے ان کی نظم گلاب سے نعت کا ایک شعر پیش ہے۔

نسیم روح پرور مست ،مشک سے گسار آئی شام جاں معطر ہے ہوا لئے مشکبار آئی

صالحہ بیگم مخفیؔ (پیدائش ۱۹۱۵ء وفات ۱۹۶۱ء)

شعری مجمعہ ’’نمود مخفی‘‘،اشاعت ۱۹۹۳ء دی آرٹ پریس ،سلطان گنج ،پٹنہ۔مخفیؔ کے مجموعۂ کلام میں بہ اہتمام کوئی نعت شامل نہیں صرف چند اشعار ہیں ملاحظہ ہوں۔

دیکھو تو اٹھا کر ذرا قرآن محمد اللہ کا فرمان ہے فرمان محمد

بخشے گا مرے سارے گنہ داور محشر جب ہاتھ میں آجائے گا دامان محمد

صالحہ بیگم نام مخفیؔ تخلص اہلیہ سید ذکی حسن مرحوم سکنہ دیوان روڈ ،مظفر پور ،بہار کہنہ مشق شاعرہ انکی بیٹی سمعیہ نسیم بھی شاعرہ ہیں۔

ساجدہ خاتون تشنہؔ (پیدائش ۱۹۲۶ء)

ساجدہ تشنہؔ کا مجموعۂ کلام ’’آبشار‘‘ میں غزلیں ،نظمیں ،مناجات اور حمد شامل ہیں ۔ساجدہ صاحبہ

کی نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اے صبا جاکے مری بات تو کہنا پیغام محبت ہے مرا جاکے تو رکھنا
دیدار کی تشنہ ہے اسے جا کے سنانا سب لوگ محو عبادت ہیں بتانا

بندوں کی دعاؤں سے جدا رہتا ہے کب تو آقا ہیں گنہ گر بخش دے اب تو ساجدہ خاتون تشنہ شاعروں کے قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں، ان کے والد ڈاکٹر تھے دادا بیرسٹر ان کے خسر حکیم نصیر حسین فارسی کے اچھے شاعر ان کی مثنوی مناظر باز جزئی بانفس کلی ۔۔۔۔۔اپنے والد کے ساتھ افغانستان میں رہ چکی ہیں ۔اُسی زمانہ میں علامہ اقبالؔ افغانستان تشریف لئے گئے تھے، ساجدہ خاتون کو شاعری سے دلچسپی ہے اور وہ اچھا شعر کہتی ہیں۔

رابعہ سلطانہ ناشادؔ عظیم آبادی (پیدائش ۱۹۲۱ء)

شعری مجموعہ ''سوز دل''،''صلیب'' (طوفان غم) ''ناسور'' ان تینوں مجموعۂ کلام میں نعتیں شامل ہیں تعداد کے لحاظ سے نعتوں کا ایک مجموعہ شائع ہوسکتا ہے ۔رابعہ سلطانہ ناشادؔ نے بارگاہِ نبوی میں باد صبا کی وساطت سے ایک انمول تحفہ ٔ نعت پیش کیا ہے۔کس قدر خلوص ومحبت، عاجزی وانکساری کے ساتھ پیش کیا ہے جس میں آپ کے شکستہ دل کی فریاد بھی شامل ہے۔غم وفرقت، زندگی کی عکاسی اور جستجو آرزو کس جاں گدازی کے ساتھ کی گئی ہے ملاحظہ ہو۔

جو گذر بادِ صبا مدینہ میں ہو رسولِ پاک سے میرا سلام کہ دینا
وہی نبی مدینہ میں جن کا مرقد ہے وہ پاک مرمریں جالی پہ سبز گنبد ہے
وہ سب رسولوں کے سردار نام احمد ہے وہ نور آمنہ جن کا لقب محمد ہے

ڈاکٹر فرحانہ شاہین، ناشادؔ کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے لکھتی ہیں۔

''فکر وتخیل کے اعتبار سے آپ کا نعتیہ کلام بلند وبالا ہیں۔لیکن جذبات کی گہرائی اور احساس کی شدت کے اعتبار سے آپ کا نعتیہ کلام کافی اہمیت اور عظمت کا حامل ہے۔''

رابعہ سلطانہ ناشادؔ عظیم آبادی کے والد ماجد کا اسم گرامی سید محمد اشرف اور شوہر کا نام صفدر امام ہے۔ان کا تعلق ایک معزز خانوادے سے ہے۔رواج کے مطابق گھریلو تعلیم ہے لیکن اپنے ذوق و شوق سے اردو زبان میں اچھی صلاحیت پیدا کیں۔شعر وشاعری کا آغاز ابتدائی عمر سے شروع ہوگیا تھا۔پروفیسر عباس علی خاں بیخودؔ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔رسالہ ''معمار'' کی ایڈیٹر کی حیثیت سے بھی مشہور ہیں ان کی شاعری کا تمام حصہ ان کے اپنے تجربات ومشاہدات پر مشتمل ہے۔''احوالِ واقعی''

میں ناشاد کے تاثرات۔

''میں نے اپنی شاعری کو واردات اور واقعات سے سنوارا ہے میری زندگی میں تلخ مشاہدات نے مجھے شاعرہ بنا دیا۔ مثلاً سفر نجی میں میری شفیق والدہ کی اچانک موت، میرے اکلوتے بھائی داور میرے بچے کی موت ان اموات نے الف لیلیٰ اور طلسم ہوش ربا جیسی کتابوں سے میرے دل میں نفرت پیدا کر دی اور میں بالکل ایک نئی دنیا میں آ گئی ایسے ہی حادثات میری شاعری کی جان ہیں۔''

مولا تیرے دربار سے امید بڑی ہے — کیا دید مدینہ کی سزاوار نہیں ہوں

ملکہ آفاق زمانی بیگم

ملکہ آفاق زمانی بیگم تقریباً ۹۰ رسال کی عمر میں وفات پائیں۔شعری مجموعہ ''تخیل آفاق'' ''الموسوم بہ باغ دلکشا ۱۳۸۵ھ=۱۹۴۰ء میں شائع ہوا۔

ملکہ آفاق زمانی بیگم عرف منجھولی کے والد ماجد صابر علی خانصاحب ریاست ٹونک کے فرد ہونے کے ساتھ ان کی رام پور کے نواب خاندان سے بھی قریبی رشتہ داری تھی۔آفاق زمانی بیگم کی پیدائش انیسویں صدی کی نویں دہائی میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم گھر پر دستور کے مطابق ہوئی۔ذوق کے مطابق مکالمہ کر کے عربی، فارسی میں دسترس حاصل کی۔گھر کے شاعرانہ ماحول نے آفاق صاحبہ کے اندر بھی شاعری کا فطری جذبہ پیدا کیا۔ان کے والد صابر علی صاحب دیوان شاعر تھے ان کا دیوان ''شاخِ نبات'' ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔جبکہ ان کی بیٹی آفاق زمانی بیگم کا شعری مجموعہ ''تخیل آفاق'' الموسوم بہ باغ دلکشا ۱۹۴۰ء میں منظر عام پر آیا۔

امیر الشعرا سید منظر حسین امروہوی کی شاگردی نے آفاق کی شاعری کو جلا بخشی بقول ڈاکٹر سعادت علی'' آفاق کا کلام حسن بیان اور اسلوب کا مرقع بن گیا۔ناکام ازدواجی زندگی نے آفاق کو لاولد رکھا اور پہلے مجموعہ ٔ کلام کی اشاعت کے بعد ۴۰ ربرسوں تک حزن و ملال کے دور میں کہے گئے کلام کی اشاعت نہ ہونا ایک المیہ ہے۔جبکہ ان کی شاعری میں پختگی کے ساتھ سلاست زبان اور تخیل کی بلندی و آفاقیت نے ایک امتیازی شناخت قائم کر لی افسوس کے وہ سارے کلام بھی محفوظ نہ رہ سکے شائد کہ کسی عزیز کے پاس مل جائیں۔اسی گم شدہ اثاثہ شعر میں نعت کے ایسے اشعار بھی ہیں جو'' تذکرہ شاعرات روہیل کھنڈ'' مولف شاداب ذکی بدایونی کی کتاب کے صفحہ ۴۰ رپر مندرج ہیں، ملاحظہ ہوں۔

غم فرقت میں اس امید پر رہتی ہیں بند آنکھیں — نظر آ جائے شاید چہرۂ زیبا محمد کا
نہ جانے کیوں قرار آتا نہ تھا عرش الٰہی کو — ہوا قائم قلم نے نام جب لکھا محمد کا

عابدہ بیگم شبنم (پیدائش ۱۹۰۳ء)

عابدؔ بیگم کے والد کا نام فدا علی خاں تھا جو رام پور میں بہ عہدۂ تحصیل دار معمور تھے۔ ۱۹۱۸ء میں آپ کی شادی خان زادہ احمد نبی رام پوری سے ہوئی۔ شاعری کی جملہ اصناف سلام، مرثیہ، منقبت وغیرہ میں خوب طبع زمائی کی۔ محمد علی آثر رام پوری سے شرف تلمذ حاصل تھا، ایک سلام کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

سلام میرا اس ذی وقار ہستی کو — جس نے دیکھ لیا ہے عروج و پستی کو
سلام میرا ہے ان کی حیات والا میں — مثال حق کی نہیں ہے ملأ اعلیٰ میں

(بحوالہ ''تذکرہ شاعرات روہیل کھنڈ'' مولف شاداب ذکی بدایونی)

فیاض بانو

فیاض بانو بریلی کی باشندہ تھیں، آپ کی غزل میں تغزل ہے اور نعت میں عقیدت کا اظہار بھی سلیقے سے کرتی ہیں، نعت کے دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

تم مالک کونین ہو مختار دو عالم — تم چاہو تو بگڑی ہوئی قسمت کو بنا دو
فیاضؔ پہ اک بار تو واللہ کرم ہو — ہاں خواب ہی میں روضۂ پرانوار دکھا دو

(بحوالہ ''تذکرہ شاعرات روہیل کھنڈ'' مولف شاداب ذکی بدایونی)

مخفی

مخفی تخلص امروہہ ضلع مرادآباد کی رہنے والی تھیں۔ اپنے شوہر ریاض الدین کے ساتھ دہلی میں رہتی تھیں۔ شعر و شاعری سے فطری ذوق تھا، کلام صاف ستھرا سلجھا ہوا ہے۔ نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ ہو۔

تمہارا نام ہے وردِ زباں اے رحمت عالم — مگر پھر بھی مرے دل کی پریشانی نہیں جاتی
محمد مصطفیٰ معراج کی شب تم وہاں پہنچے — کسی صورت جہاں تک عقل انسانی نہیں جاتی

(بحوالہ ''تذکرہ شاعرات روہیل کھنڈ'' مولف شاداب ذکی بدایونی)

نورالصباح بیگم نورؔ (پیدائش ۱۹۰۸ء)

نورالصباح بیگم نور کے والد ماجد کا نام نامی تجمل شاہ خاں عرفیت نواب دولہا خاں تھی۔ خان بہادر ظہیر الدین خاں والئی شیر پور ضلع پیلی بھیت سے شادی ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ شادی کے بعد ان کے شوہر اور وہ تحصیل علم کی طرف راغب ہوئے اور دولت خانہ پر ایک کتب خانہ قائم کیا

۔نوؔر صاحبہ کے شوہر چونکہ تحریک خلافت سے وابستہ تھے اس لئے اُن کو سیاسی جذبہ کی امان اور علی برادران سے ملا تھا۔ ۱۹۴۵ء میں آپ مسلم لیگ خواتین کی پہلی مرکزی سیکرٹری ہوئیں، انہوں نے یورپ کا سفر کیا اور ایک دلچسپ سفر نامہ لکھا۔ ابتدأ نو عمری سے سہیلیوں کے ساتھ شاعری شروع کی کچھ اشعار کہنے لگیں خود لکھتی ہیں ''اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میں شاعرہ ہوں اور خوشی بھی بے انتہا درجے کی ہوئی اس کے بعد نعت، غزل میں طبع آزمائی کرنے لگیں۔ منوؔر شاہ جہاں پوری سے اصلاح لیتی تھیں، نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

اے کہ تیرا وجود ہے سرّ جمال کائنات — تیرے ہی نور کی جھلک روح میں جلوۂ ثبات
تیری عطا سے آج ہم دین میں ہیں ہوشمند — تیرے کرم سے آج ہم خاک پہ سر بلند ہیں
آپ ہیں فخر انبیاء آپ ہیں ختم المرسلیں — میری امید بھی ہیں آپ، آپ ہی رہنمائے دیں
حکم خدا ہو گر مجھے پہنچوں میں سر کے بل وہاں — میری جبیں بھی ہو وہیں جھکتے ہیں مہر و مہ جہاں
تجھ پر درود اور سلام گنبد سبز کے مکیں — تجھ پہ درود اور سلام نوؔر کے دل اے مکیں

(بحوالہ ''تذکرہ شاعرات روہیل کھنڈ'' مولف شاداب ذکی بدایونی)

قمر، قمر النساء

قمؔر اشرف علی مرحوم کی اہلیہ تھیں۔ میاں بیوی دونوں شعر کہتے تھے ۔''تذکرۃ الخواتین'' میں صرف پانچ اشعار مل سکے ہیں اس میں سے ایک شعر ملاحظہ ہو۔

ہوئی ہوں تشنۂ جام شراب نزع کے وقت — اٹھونگی حشر میں ساقی سبو سبو کرتی

(بحوالہ خان محمد عاطف)

زاہدہ کمالؔ

زاہدہ کمالؔ کے والد کا نام محمد اکرام خاں قصبہ شاہ آباد ضلع کرنال میں پیدا ہوئیں، دینی تعلیم گھر پہ حاصل کی اس کے بعد مدراۃ البنات، جہلم میں داخلہ لیا۔ پھر گورنمنٹ کالج جہلم سے میٹرک اور لاہور سے انٹر پاس کیا آنرز کی تیاری کی، شعر و ادب سے فطری لگاؤ تھا نعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

شامل نہ ہوتے حسن کے جلوے اگر کمالؔ — ہوتا کہاں یہ نور شب ماہتاب میں
جب تک تمہارا حسن نمایاں نہ ہوسکا — روشن چراغ عالم امکاں نہ ہو سکا

لطیفؔ لطیف النساء

لطیف النساء پٹنہ، بہار کے ایک پٹھان شمشیر خاں کی بیوی اردو، فارسی دونوں زبانوں میں شعر

کہتی تھیں۔(بحوالہ خان محمد عاطف۔مشاہیر نسواں)

اردو میں نعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

یقیں نہ والیل پر کریں گے جو تیرے گیسو نہ دیکھ لیں گے
رہی کے مصحف سے بلکہ منکر جو ترے رو کو نہ دیکھ لیں گے

محمودہ محمودہ اختر

ڈاکٹر رضا خان کی صاحزادی، شعر خوب کہتی ہیں۔سفینۂ نسواں میں محمودہ کے مضامین اور اشعار شائع ہوئے۔(بحوالہ سخنوران دکن) نعت کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

میلاد شہ کا دن ہے کہ یہ روز عید ہے — اک بادہ خوار کا سا صبا میں خمار ہے
بلبل چہک کے کہتی ہے موت کے بعد پھر — گلشن میں آج آمد فصل بہار ہے

☆☆☆

زاویۂ نگاہ

اب حُسن سے کچھ کام نہ جلوؤں سے سروکار
اب عشق ہی خود عشق کا معیار ہوا ہے
جگرمرادآبادی

اقبال اعظمی گھوسی ،مئو (یوپی)

دبستان نعت۔۳ پر ایک عمیق نظر

امید کہ آپ بخیر ہوں گے۔''دبستان نعت'' شمارہ نمبر ۳،نظر نواز ہوا۔آپ کی کرم فرمائی کا شکریہ۔ یہ ضخیم شمارہ 640 صفحات پر مشتمل ہے جو آپ کی محنت شاقہ اور عزم صمیم پر دلالت کرتا ہے۔

آپ کا اداریہ نہایت عمدہ ہے۔دبستان نعت کے پہلے شمارے میں نعت کے صنف سخن نہ ہونے کے بارے میں گفتگو کی گئی۔ڈاکٹر سید شاہ حسین احمد (پٹنہ) کے مطابق نعت کو صنف سخن کا درجہ اس لئے نہیں دیا گیا کہ اس کا فارم مقرر نہیں ہے،جیسا کہ وہ ارشاد فرماتے ہیں:

''اسے صنف سخن نہیں کہا جاتا،کیونکہ نہ ابھی تک اس کا فارم مقرر ہوا ہے اور نہ اجزائے ترکیبی۔''

(''دبستان نعت'' شمارہ-1،''کیا نعت صنف سخن ہے؟''از:ڈاکٹر سید شاہ حسین احمد،ص-23)

کچھ اردو کے نقاد کہتے ہیں کہ اردو ادب میں ''نعت'' شامل نہیں ہے کیونکہ یہ مذہبی شاعری ہے۔ **لیکن جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے۔**نعت کو صنف ادب کے طور پر **ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں** میں شامل کیا جا چکا ہے۔

اردو ادب کے زیادہ تر نقاد انگریزی تعلیم سے آراستہ تھے۔انگریزی ادب میں جان ملٹن کی تخلیق Paradise Lost (فردوس گم شدہ) ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں داخل نصاف ہے۔کیا ''فردوس گم شدہ'' مذہبی کتاب نہیں ہے؟ خالص مذہبی کتاب ہے۔Hymn (حمد) بھی انگریزی کورس کی کتابوں میں شامل ہے۔اب یہ انگریزی زدہ نقاد بتائیں کہ ''نعت'' اردو لٹریچر کا حصہ کیوں نہیں ہے؟ جہاں تک فارم کی بات ہے۔''نثری نظم'' اور معرّا نظم کا کونسا فارم ہے؟ اس میں صرف اوزان ہیں،نہ ردیف ہے نہ قافیہ،کسی مصرع میں افاعیل ایک بار،کسی میں دو بار،کسی میں تین،چار، پانچ اور چھ بار یا اس سے بھی زیادہ۔کیا شیکسپیئر کے ڈرامے منظوم اور Blank Verses (معرّا اشعار) میں نہیں ہیں؟ ضرور ہیں۔کیا شیکسپیئر کے ڈرامے ہندوستان کی یونیورسٹیوں کے نصاب میں

نہیں ہیں؟ ضرور ہیں۔اسی طرح ہندی ادب میں ''سور یہ کانت ترپاٹھی نرالا'' کی معرّا نظمیں ہندی ساہتیہ کا حصہ ہیں۔لہٰذا ''نعت'' کا فارم نہ ہونے اور مذہبی نظم ہونے کے سبب اسے اردو لٹریچر سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ہندی ساہتیہ میں مذہبی کتابیں ''سور ساگر'' ''رام چرت مانس'' اور ''کامائنی'' شامل نصاب ہیں۔

آپ نے اپنے اداریے میں حمد و نعت کی طرف نقادوں کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے اور نقادوں کے ذریعہ صنف نعت کو نظر انداز کئے جانے پر اپنے دلی کرب کا اظہار فرمایا ہے۔گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے نعت کی مقبولیت دن بہ دن بڑھتی جارہی ہے۔

زیرِ نظر شمارہ میں کمپوزنگ اور زبان کی خامیاں پہلے اور دوسرے شمارے کی بہ نسبت بہت کم ہیں۔ تمام مضامین معیاری اور معلوماتی ہیں۔''دبستان نعت'' ترقی کی منزل کی طرف گامزن ہے۔اخلاص و ہمدردی کا تقاضا ہے کہ ''دبستان نعت شمارہ-3'' میں جو خامیاں در آئی ہیں ان کی نشاندہی کی جائے۔

ڈاکٹر محمد آصف حسین صاحب کا مضمون بعنوان ''اردو نعت کا اوّلین ناقد تمنا مرادآبادی'' عمدہ ہے۔عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ تمنا مرادآبادی نے نثر میں تنقید کی ہے،لیکن مضمون پڑھنے سے معلوم ہوا کہ انہوں نے نظم میں تنقید کی ہے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں مناسب ضمائر اور تعظیم کے الفاظ استعمال کرنے کی تاکید کی ہے۔

اپنے خادم کو تو تم ان کو کہو ''تو'' افسوس تم کہو آپ کہو حضرت و سردار کہو
(تمنا مرادآبادی،ص-47)

علمائے ربّانیین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ضمیر ''تو'' ''ترا'' ''اس'' وغیرہ کو روا رکھا ہے۔اس لئے ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

ان کے گیسو کو تم شامِ محن کہتے ہو ابر الطاف و سیہ پردۂ انوار کہو (ص-43)
راستی دین خدا کی کہو اس قامت کو سرو بستان قدس نادرۂ رفتار کہو (ص-43)

مندرجہ بالا اشعار،بحر رمل مخبون محذوف،اوزان: فاعلاتن فَعِلاتن فَعِلاتن فعلن پر کہے گئے ہیں۔ پہلے شعر کا پہلا مصرع غلط چھپا ہوا ہے۔ لفظ ''گیسوٗ'' کے بعد ایک سبب (دو حرفی لفظ) کم ہے۔ ''گیسوؤں'' کرنے پر وزن صحیح ہوگا۔دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ ''قُدُس'' استعمال ہوا ہے۔لفظ قُدُس'' کا استعمال جب لفظ روح کے ساتھ مرکب ہوتا ہے تو ''روحِ قدس'' بنتا ہے جس کے معنی جبریل کے ہوتے ہیں۔جیسا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی نازک سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعت نبی لکھنے کو روح قدس سے ایسی شاخ
(حدائق بخشش۔ص-33)

قدس بمعنی پاک ہوتا ہے، جیسا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرۂ فرماتے ہیں:

پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام
(حدائق بخشش۔ص-133)

''نادرۂ'' کی بجائے نادرہ ہونا چاہیئے تب وزن صحیح ہوگا اور معنی بھی۔''نادرہ رفتار'' میں اضافت منقلب ہے، جس کے معنی ہیں ''کم یاب رفتار والا''۔

پروفیسر ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کا مضمون بعوان ''ہاشم رفاعی کی نعتیہ شاعری'' عمدہ ہے لیکن ان کی بعض باتوں سے مجھے اختلاف ہے۔مثلاً وہ لکھتے ہیں:

کسی در سے استعانت خلاف اسلام ہے۔سورۂ فاتحہ میں اسی سے استعانت اور اسی کے حضور سربسجودی ہے۔یہ اعلان اس انداز سے کیا گیا ہے۔

اضـــرع لـــربك أن يبيد عـدونـا و يــكف شـــر اولـــئك الاوغـــاد

(اللہ سے گڑگڑاتے ہوئے دعا کرو کہ ہمارے دشمنوں کو خاک میں ملادے اور کمینوں کے شر پر قدغن لگادے)(ص-55)

ڈاکٹر صاحب کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا اسلام کے خلاف ہے۔یعنی جو غیر اللہ سے مدد مانگے گا وہ اسلام سے خارج ہوجائے گا۔اب قارئین حضرات ڈاکٹر اصلاحی صاحب کے ترجمے کے ساتھ ہاشم رفاعی کے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں:

فـكـن شـفـيـعـي رسـول الـلـه و أملي و اطـلـب مـن الـلــه ستراً لي وللأمم

(اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے شفاعت گزار بن جائیں اور میری خواہش کو پار لگائیں، میں اپنے اور اپنی قوم کے لئے اللہ سے پردہ پوشی کا طالب ہوں)۔

ســألتهـم بــالـــلـه رفـقـاً و رحـمة وبــالـمـصـطـفى من قام للدين معربا

(میں اللہ تعالیٰ اور اس حضرت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رفق و رحمت کا سوالی ہوں، جنہوں نے دین اسلام کو ظاہر و باہر بنا کر قائم کیا)۔(ص-66)

پہلے شعر میں ہاشم رفاعی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان

کے شفیع اور مراد برلانے والا بن جائیں یعنی ان کی شفاعت فرمائیں اور ان کی مراد پوری کریں۔

دوسرے شعر کے ترجمے میں ڈاکٹر صاحب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ضمیر واحد غائب (اس) کا استعمال کیا اور اسی جملے میں آگے ضمیر جمع غائب (جنہوں) کا استعمال کیا۔ یہاں ''اُس'' لفظ زائد ہے۔ اس شعر میں شاعر ہاشم رفاعی جو چیز اللہ عزوجل سے مانگ رہے ہیں۔ ٹھیک وہی چیز حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگ رہے ہیں۔ یعنی شاعر رفق ورحمت اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہی سے مانگ رہے ہیں۔ ایسی صورت میں ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب کی مزعومہ وحدانیت کا کیا ہوگا جو انہوں نے شاعر ہاشم رفاعی کے اندر تلاش کی تھی، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

اس قصیدے کے آخر میں دشمنان اسلام کے شر وفتن سے بچنے کے لئے اللہ کے حضور اس انداز میں گڑگڑا رہے ہیں۔ اس تضرع میں وحدانیت ہے۔ یہی بندے کا آخری پڑاوَ ہے۔ اسی پڑاوَ سے اس کی وابستگی، حفظ وامان کی ضمانت ہے، کسی در سے استعانت خلاف اسلام ہے۔ (ص-55)

اس ضمن میں مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب کا فتویٰ بھی دیکھتے چلیں:

مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب نے غیر اللہ سے مدد مانگنے کو شرک بتایا ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم صفحہ-6 پر ہے: ''سو غیر اللہ سے مدد مانگنا اگرچہ ولی ہو یا نبی شرک ہے۔'' اور مولوی محمود حسن صاحب دونوں جہان کی حاجتیں انہیں (مولوی رشید) سے مانگ رہے ہیں۔ قبلۂ حاجات انہیں کو کہہ رہے ہیں۔ مرثیہ رشید احمد صفحہ-10۔

حوائج دین و دنیا کی کہاں لے جائیں ہم یارب گیا وہ قبلۂ حاجاتِ روحانی و جسمانی

(المصباح الجدید ہندی۔ص-9، از مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ)

وسیلہ قرآن سے ثابت: قال اللہ تعالیٰ:

وابتغوا الیه الوسیلة و جاهدوا فی سبیله لعلکم تفلحون۔(35/6)

اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اسکی راہ میں کوشش کرو کہ تم مراد کو پہنچو۔

اولٰئك الذین یدعون یبتغون الیٰ ربهم وسیله۔ (57/15)

وہ ہیں کہ دعا کریں اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔

(حیات اعلیٰ حضرت جلد چہارم، از علامہ مفتی ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ، ص-358)

غیر اللہ سے استعانت حدیث شریف سے ثابت:-

امام طبرانی سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فرماتے ہیں:**اذا ضل احدکم شیئا و ارادَ عونا و ھو بارض لیس بھا انیس فلیقل یا عباداللہ اعینونی یا عباداللہ اعینونی یا عباداللہ اعینونی فان اللہ عبادا لا یـراھـم**۔ جب تم میں کوئی شخص سنسان جگہ میں بہکے، بھولے، یا کوئی چیز گم کرے اور مدد مانگنی چاہے،تو یوں کہے: اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، کہ اللہ کے کچھ بندے ہیں،جنہیں یہ نہیں دیکھتا۔ راوی حدیث نے فرمایا :**قد جرب ذالک**۔(یہ مجرب ہے)۔

من البجر۔(ص-68)

من البحر ہونا چاہئے۔

جب ہم لوگوں کے بحرزخار میں گھسے۔(ص-68)

''جب ہم لوگ بحرزحار میں گھسے'' ہونا چاہئے۔

''اوران کے نمازوں کا انحصار۔(ص-81)

''کے'' کی بجائے''کی'' ہونا چاہئے۔

پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب کا مضمون ''حضرت آسی کی نعتیہ شاعری'' عمدہ ہے۔اس میں انہوں نے حضرت علامہ آسی علیہ الرحمہ کی اردواور فارسی نعتیہ شاعری کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ان کے مضمون میں کہیں کہیں کمپوزنگ کی اور زبان کی خامیاں درآئی ہیں۔

ان کے فکروفن کے مختلف جہات۔(ص-86)

لفظ''جہات'' مؤنث ہے جب کہ یہاں مذکر کے طور پر استعمال ہوا ہے۔یہاں''کے'' کی جگہ ''کی'' ہونا چاہئے۔

ان کی فنکارانہ بصیرت سب سے زیادہ صنف نعت میں بروئے کار آیا ہے۔(ص-87)

''آیا ہے'' کا مرجع''بصیرت'' ہے جو مؤنث ہے اور یہاں اس کا استعمال بطور مذکر ہوا ہے۔ لہٰذا''آیا'' کی بجائے''آئی'' ہونا چاہئے۔

کچھ کہنے کے بجائے۔(ص-87)

''کے'' کی جگہ''کی'' ہونا چاہئے۔

گنہ گار ہوں میں واعظو!تمہیں کیا فکر
مرا معاملہ چھوڑو شفیع محشر پر

یہ شعر بحر مجتث محذوف پر ہے جس کے اوازن:

مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن ہیں۔ یہاں ’’گنہ گار‘‘ لفظ کی وجہ سے پہلا مصرعہ ساقط الوزن ہو رہا ہے۔’’گناہگار‘‘ لفظ رکھنے پر وزن صحیح ہوگا۔لہٰذا ’’گنہ گار‘‘ کی جگہ گناہ گار ہونا چاہئے۔ وہ گل ہیں لب ہائے نازک ان کے ہزاروں جھرتے ہیں پھول جن سے (91) دوسرے مصرعے میں ’’جھرتے‘‘ کی بجائے ’’جھڑتے‘‘ ہونا چاہئے۔

محسنؔ کاکوروی کے قصیدۂ لامیہ پر تبصرہ یک طرفہ (One sided) ہے۔اس میں ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب کو خوبی ہی خوبی نظر آ رہی ہے۔اس میں شاعر نے بطور تشبیب کرشن اور ان کی گوپیوں، راس لیلا اور ہندوؤں کے تیوہاروں کا جو بیان کیا ہے اسے ڈاکٹر صاحب بنظر تحسین دیکھ رہے ہیں اور جن نقادوں نے اس تشبیب کو نعت میں استعمال کرنے کو غیر مناسب قرار دیا انہیں ادب ناشناس کہہ رہے ہیں۔ڈاکٹر صاحب کا تبصرہ مندرجہ ذیل شعر پر ملاحظہ فرمائیں:

دیکھئے ہوگا سری کرشن کا کیوں کر درشن   سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل

اس شعر میں ’’سینۂ تنگ میں دل کا بیکل ہونا‘‘ اور سری کرشن کے درشن کے لئے بے چینی۔‘‘ دونوں کیفیات زمانۂ شباب سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کا بیان کرنا از روئے قواعد شعری تشبیب میں مستحسن ہے۔محسنؔ نے اسے بدرجۂ اتم نبھایا ہے۔(ص-103)

دیکھا آپ نے ایک فحش اور عریاں شعر کی تعریف و تحسین میں ڈاکٹر صاحب کیسا رطب اللسان ہیں۔

اصل میں بات یہ ہے کہ محسنؔ کاکوروی نے اپنی تشبیب کی اگر چہ تاویل کی لیکن ان کا دل مطمئن نہ تھا۔اسی لئے گریز سے قبل کہتے ہیں:

ہاں یہ سچ ہے کہ طبیعت نے اڑایا جو غبار   ہوئی آئینۂ مضمون کی دو چنداں صیقل

نعت میں ہندو دیوتا سے متعلق بطور تشبیب محسنؔ نے جو مضمون باندھا اس کو ’دل کا غبار‘‘ کہا۔ یہ مضمون باندھ کر اپنی تحسین نہیں کی۔

مندرجہ بالا شعر کے دوسرے مصرعے میں ’’مضمون‘‘ چھپ گیا ہے، ’’مضموں‘‘ ہونا چاہئے۔

’’اس کے بالراست اثرات۔‘‘(ص-95)

’’راست‘‘ فارسی لفظ ہے، عربی نہیں۔فارسی لفظ کے پہلے ’’ال‘‘ نہیں لگاتے، عربی میں اسم معرفہ کی صورت میں ’’اسم‘‘ کے پہلے ’’ال‘‘ لگاتے ہیں۔ جیسے کتاب (اسم نکرہ)، الکتاب (اسم معرفہ)

’’ہندوئی اصلاحات پر ہونے والے اعتراضات سے شاید امیرؔ مینائی بخوبی واقف تھے۔‘‘(ص-97)

امیرؔ مینائی کی جگہ محسنؔ کاکوروی ہونا چاہئے۔

''حضرت امیر مینائی نے اس شعر کی تضمین یوں کی ہے۔'' (ص-105)
امیؔر مینائی کی جگہ محسؔن کاکوروی ہونا چاہئے۔
محسؔن کے زیر بحث قصیدے کی تشبیب کا جواز پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب رقمطراز ہیں:

عمدہ تر سند اس کے جواز کی یہ ہے کہ حضرت سرور کائنات خواجۂ ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں قصیدۂ بانت سعاد، جس کی تشبیب بھی مشروع نہیں ہے پڑھا گیا اور حضرت رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے اس کی تحسین فرمائی۔ (97)

قصیدہ بانت سعاد کی تشبیب میں اور محسؔن کاکوروی کے قصیدۂ لامیہ کی تشبیب میں فرق ہے۔ محسؔن کے قصیدے کی تشبیب میں مشرکین کے دیوتا اور ان کی گوپیوں کا بیان ہے۔ جب کہ کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے قصیدہ ''بانت سعاد'' میں مشرکین کے دیوتاؤں یا معبودوں کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

اس میں کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کی محبوبہ ''سعاد'' کے حسن و جمال اور بے وفائی کا ذکر ہے۔ دوستوں کی بے وفائی کا ذکر ہے۔ ایمان لانے سے قبل جب کعب بن زہیر کے قتل کا حکم دربار رسالت سے جاری ہوا تو ان کی محبوبہ سمیت تمام دوستوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ اپنے بھائی بجیر بن زہیر رضی اللہ عنہ کی فہمائش پر بارگاہ رسالت میں معافی کی التجا کے ساتھ قصیدہ ''بانت سعاد'' لے کر حاضر ہوئے۔ اس میں کل 59 اشعار ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول　　متیم اثرھا لم یفد مکبول

میری محبوبہ سعاد مجھ سے جدا ہوگئی۔ آج میرا دل مریض ہے، ذلیل وخوار ہے اور ایسا اسیر محبت ہے جس کی رہائی ناممکن ہے۔

کانت مواعید عرقوب لھا مثلاً　　و ما مواعیدھا الّا الا باطیل

اس کے وعدے عرقوب کے وعدے کی طرح ہیں۔ اس کے وعدے باطل کے سوا کچھ نہیں ہیں۔

مهلاً ھداك الذی اعطاك نافلۃ ال　　قرآن فیھا مواعیظ و تفصیل

یا رسول اللہ! مجھے معاف فرما دیجئے آپ کو اس ذات نے ہدایت بخشی جس نے آپ کو نبوت کے ساتھ قرآن عطا فرمایا۔

قارئین حضرات آپ نے دیکھا کہ قصیدہ ''بانت سعاد'' میں کوئی فحش اور عریاں شعر نہیں ہے۔ لہٰذا محسؔن کاکوروی کے قصیدے کی تشبیب کو ''بانت سعاد'' کی تشبیب کے حوالے سے جواز فراہم نہیں ہوسکتا۔

ڈاکٹر ناصرالدین انصار کا مضمون غور طلب ہے۔ حسنین عاقؔب کی فارسی نعت کا مندرجہ ذیل

مصرعہ ملاحظہ فرمائیں:

خامہؑ کار دیگر، چہ کند جز نوشتن مدحت شاہ امم (ص-151)

یہ شعر بحرِ رمل محذوف پر ہے، جس کے اوزان: فاعلاتن فاعلاتن فاعلن ہیں۔ پہلے مصرعے میں ''چہ می کند'' ہونا چاہئے۔ کمپوزنگ میں ''می'' چھوٹ گیا ہے۔

حسنین عاقبؔ صاحب کی مندرجہ ذیل انگریزی نعت ملاحظہ فرمائیں: (ص-152)

And God was very considerate and kind
And He made up His mind,
To Arab, He sent his last messenger
Who was the entire world's purifier
From Almighty, Let me say and mind,
He was a gift to the whole mankind.

ترجمہ: اور اللہ عزوجل بہت مہربان اور رحم والا تھا اور وہ متوجہ ہوا،
عرب کی طرف، اس نے اپنے آخری پیغمبر کو بھیجا
وہ تمام عالم کے لئے تقدیس کار (ہادی) تھے
قادرِ مطلق کی جانب سے۔ مجھے کہنے دیں اور غور کرنے دیں،
وہ تمام بنی نوع انسان کے لئے تحفہ تھے۔

''اللہ عزوجل بہت مہربان اور رحم والا ہے'' ہونا چاہئے (was) ''تھا'' کہنا غلط ہے۔ لہٰذا پہلے مصرعے (Verse) میں "Was" کی جگہ "is" ہونا چاہئے۔ ''اور وہ متوجہ ہوا، عرب کی طرف'' ایسا کہیں سے ثابت نہیں۔

چوتھے مصرعے میں "who was" کی جگہ "who is" ہونا چاہئے۔

آخری مصرعے میں "He was" کی جگہ "He is" ہونا چاہئے۔

تیسرے مصرعے میں "his" کی جگہ "His" ہونا چاہئے کیونکہ His ضمیر (Person) اللہ عزوجل (God) کے لئے آیا ہے۔

حسنین عاقبؔ صاحب کی ایک دوسری نعت کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ ان اشعار میں بھی انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں فعلِ ناقص (Auxiliary verb) was کا

استعمال کیا ہے۔ اس طرح کے اشعار پڑھ کر مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے، جب کہ مضمون نگار صاحب شاعر کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اشعار ملاحظہ فرمائیں: (ص-152)

This is the part of my faith and my belief
That on tree of prophet hood, he was the last leaf.
His pious teachings were the sign of salvation.
It were for worlds complete reformation.
Before he left the world, his work he had done.

ترجمہ: یہ میرے ایمان وایقان کا جز ہے،
کہ شجر نبوت کی وہ آخری پتّی تھے۔
ان کی مقدس تعلیمات نجات کی علامت تھیں۔
دنیا کے لئے یہ مکمل اصلاحات تھیں۔
اپنے وصال مبارک سے قبل، انہوں نے اپنے کام مکمل کر لئے۔ دوسرے verse میں he was کی جگہ "He is" ہونا چاہئے۔ تیسرے اور چوتھے verse میں "were" کی جگہ "are" ہونا چاہئے۔ پھر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیمات نجات کی علامت ہیں نہ کی نجات کی علامت تھیں۔

حسنین عاقبؔ صاحب کے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں:

"Of all sacred religions," Leo Tolstoy says,
"In prophets teachings, we find essences."
IN "Genuine Islam" G.B.Shaw writes with heed,
"For the future Europe, acceptable will be Mohammad's Creed.

(ص-153)

ترجمہ: ''تمام مقدس ادیان میں''، لیوٹالسٹائے کہتا ہے۔
''پیغمبر کی تعلیمات میں، ہم ماہیت پاتے ہیں۔''
(اپنی کتاب) ''حقیقی اسلام'' میں جی. بی. شا (جارج برنارڈ شا) غور وفکر کے بعد رقمطراز ہے:
مستقبل میں یورپ کے لئے دین محمدی قابل قبول ہوگا۔ آخری مصرعے میں For the

future کی جگہ IN the future ہونا چاہئے اور لفظ Europe کے پہلے for ہونا چاہئے۔
متعدد علمی شہرت یافتہ ۔(ص-150)
''علمی'' کی جگہ ''عالمی'' ہونا چاہئے۔
ان کے مزاج کے ہم آہنگی ۔(ص-150)
دوسرے ''کے'' کی بجائے ''کی'' ہونا چاہئے۔
رشید اختر خاں صاحب کا مضمون عمدہ اور معلوماتی ہے۔انہوں نے اپنے مضمون میں حمد و نعت کے موضوع پر ہندوستانی یونیورسٹیوں میں ہونے والے تحقیقی کاموں کا ذکر کیا ہے۔ان کے مضمون میں کمپوزنگ کی خامیاں در آئی ہیں۔اوقات عالم ایک ثانیہ۔(ص-158)
''عالم'' کے بعد لفظ ''کا'' ہونا چاہئے۔
اس لمحوں ۔(ص-158)
''اس'' کی بجائے ''ان'' ہونا چاہئے۔
یہ ذکر لبوں پر اور آواز کے دائروں میں اور دلوں کی دھڑکنوں میں قلوب کی فضاؤں، پلکوں کے جگنوؤں میں اور شعر و سخن کے لحموں پر جاری ہے اور رہے گی ۔(ص-158)
''رہے گی'' کا مرجع ''ذکر ہے'' جو مذکر ہے۔لہٰذا ''گی'' کی جگہ ''گا'' ہونا چاہئے۔
دنیا اور آخرت کے ہر معراج ۔(ص-158)
''کے'' کی جگہ ''کی'' ہونا چاہئے۔
لبوں پر گنگانے ۔(ص-158)
''گنگانے'' کی جگہ گنگنانے'' ہونا چاہئے۔
اس محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اندھیروں میں جلائی ہے قندیل ۔ص-158)
''اس'' کی جگہ ''اسم'' ہونا چاہئے۔
انسانیت کی پوری تاریخ میں کسی نبی کا نام معجزۂ الٰہی کے درجہ پر فائز نظر نہیں آتا۔ص-158)
''کسی نبی کا نام معجزۂ الٰہی کے درجہ پر فائز نظر نہیں آتا'' یعنی اللہ عزوجل نے کسی نبی کو معجزہ عطا نہیں فرمایا۔ جب کہ اللہ عزوجل نے تمام انبیاء کو معجزہ عطا فرمایا ہے۔اگر اس جملے سے مضمون نگار صاحب کی مراد یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے کسی نبی کو معجزہ عطا نہیں فرمایا تو یہ قرآن مقدس کی تکذیب ہے اور اللہ عزوجل پر بہتان ہے۔

صلی اللہ کی آواز کانوں سے قلب وقرطاس پر محوسفر ہے۔ جو رنگ ونسل، جغرافیہ حدود قیود ملک و قوم لسانی امتزاج زمان ومکان سے ماوراا اور محدود کی طرف منتقل ہوتا جارہا ہے۔(ص-158)

''جارہا ہے'' کا مرجع ''آواز'' ہے جو مؤنث ہے۔لہٰذا ''جارہا ہے'' کی جگہ ''جارہی ہے'' ہونا چاہئے۔''صلی اللہ'' کی آواز کا سفر محدود سے لامحدود کی طرف جارہی ہے۔اس کا کیا مطلب ہے؟

آیا تیرا ہی ذکر زباں پر جہاں گئے۔(ص-158)

''تیرا'' کی بجائے ''ترا'' ہونا چاہئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوّلین جھلک۔(ص-159)

''کے'' کا مرجع لفظ ''جھلک'' ہے، جو مؤنث ہے۔لہٰذا ''کے'' کی بجائے ''کی'' ہونا چاہئے۔

مطمع نظر مدینہ ہو۔(ص-159)

''مطمع'' کی بجائے ''مطمح'' ہونا چاہئے۔

اپنی شاندار ماضی کو کسب ضیاء کرتے ہوئے۔(ص-159)

''اپنی'' کا مرجع ''ماضی'' ہے جو مذکر ہے۔لہٰذا ''اپنی'' کی بجائے ''اپنے'' ہونا چاہئے۔''کو'' کی جگہ ''سے'' ہونا چاہئے۔

خوار بیمار خطاوار اور گنہگار ہوں میں   رافع و نافع و شافع لقب آقا ترا   (احمد رضاؔ)

(ص- 159)

پہلے مصرعے میں ''اور'' کی جگہ ''وٗ'' اور دوسرے مصرعے میں ''ترا'' کی جگہ ''تیرا'' ہونا چاہئے۔

''احمد رضا'' لکھنا خلاف ادب ہے، ''اعلیٰ حضرت'' لکھنا چاہئے۔

تازہ میرے ضمیر پر معرکہ کہیں ہوا   عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولہب   (اقبالؔ)

(ص-160)

پہلے مصرعے میں ''میرے'' کی جگہ ''مرے'' ہونا چاہئے، کیونکہ یہ شعر مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن (بحر رجز مطوی مخبون) پر ہے۔ تقطیع کرنے پر ''تازہ مرے'' بروزن مفتعلن ہوگا۔

سفا سے کیوں نہ اگتا پھر کوئی سورج   شرار بولہب منظر یہ منظر تھا (ص-160)

''سفا'' کی بجائے ''صفا'' اور ''یہ'' کی بجائے ''بہ'' ہونا چاہئے۔اظہار وابلاغ کے نئے آفاق کی تسخیر عزم نو ولولہ کے ساتھ جو شیلے انداز میں شروع ہوا۔

''ہوا'' کا مرجع ''تسخیر'' ہے۔ جو مؤنث ہے۔لہٰذا ''ہوا'' کی جگہ ''ہوئی'' ہونا چاہئے۔''عزم نو

ولولہ‘‘اس میں دو لفظ ہیں لہٰذا انہیں حرف عطف ’’وٗ یا‘‘ ’’اور‘‘ سے جوڑنا چاہئے۔اسے یوں لکھنا چاہئے، ’’عزم نو و ولولے کے ساتھ۔‘‘

’’اردو زبان اپنی ابتدا سے ہی مومنہ وکلمہ گو رہی ہے۔(ص-161)

کوئی زبان ایمان والی اور کلمہ گو نہیں ہوتی۔

’’اردو‘ دنیا میں گیند کی طرح اچھلتا رہا۔(ص-161)

’’اچھلتا رہا‘‘ کا مرجع لفظ ’’اردو‘ ہے، جو مؤنث ہے۔لہٰذا ’’اچھلتا رہا‘‘ کی جگہ ’’اچھلتی رہی‘ ہونا چاہئے۔’’اردو‘ بمعنی لشکر، مذکر ہے اور ’’اردو‘ بمعنی زبان مؤنث ہے۔

اردو(ت۔ا۔مذ)(۱)لشکر۔لشکر گاہ۔(۲)(مؤنث) پاک و ہند کی وہ زبان جو مختلف زبانوں سے مل کر بنی ہے۔(فیروز اللغات کلاں،ص-82)

حضرت کی والدہ ماجدہ نے بھی نعت گوئی کو انس جاں بنایا۔

اُنس۔(ع۔ا۔مذ) محبت، پیار، اختلاط، رغبت، میل جول۔’’اُنس جاں بنایا‘‘ کا مطلب ہوگا، ’’جان کی محبت بنایا‘‘۔لہٰذا ’’انس جاں‘‘ کی بجائے ’’حرز جاں‘‘ ہونا چاہئے۔

حرز جاں بنایا۔(ا-محاورہ)(بہت عزیز سمجھنا، بے حد احتیاط سے رکھنا۔(فیروز اللغات کلاں، ص-544)

نعت اور مدح نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اردو شاعری کا معیار سخن ٹھہرا۔(ص-161)

’’ٹھہرا‘‘ کا مرجع ’’نعت‘‘ اور ’’مدح‘‘ ہے۔ یہ دونوں الفاظ مؤنت ہیں۔لہٰذا ’’ٹھہرا‘‘ کی بجائے ٹھہریں ہونا چاہئے۔

’’سرنگو ہے۔‘‘(ص-161)

’’نگو‘‘ کی بجائے ’’نگوں‘‘ ہونا چاہئے۔

’’اس قیمتی ذخیرہ کی تحفظ۔(ص-162)

’’کی‘‘ کی بجائے ’’کے‘‘ ہونا چاہئے۔

’’المدائع النبویہ‘‘ (۱۶۲)

’’المدائع‘‘ کی بجائے ’’المدائح‘‘ ہونا چاہئے۔

’’اردو نعت گوئی سے شدید وابستگی اس بات کی غمازی کرتا ہے۔(ص-162)

’’وابستگی‘‘ مؤنت ہے اور ’’غمازی کرتا‘‘ کا مرجع لفظ وابستگی ہے۔لہٰذا ’’کرتا‘‘ کی بجائے

''کرتی'' ہونا چاہئے۔

''ارباب'' ہیں۔(ص-162)

''باریاب'' ہونا چاہئے۔

''اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے صدقہ میں۔''(ص-162)

''صدقہ'' کی بجائے ''صدقے'' ہونا چاہئے۔

''بانت سعد''(ص-163)

''سعد'' کی بجائے ''سعاد'' ہونا چاہئے۔

متوجہ کراتے ہیں۔(ص-165)

''کراتے'' کی بجائے ''کرتے'' ہونا چاہئے۔

یہ حسین سلسلۂ عاشقین رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تخلیقاتی متاع گرانمایہ عظیم ورانہ آنکھوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔(ص-166)

وَر(س۔صفت) زبر غالب، برتر، فائق۔(فیروز اللغات کلاں،ص-1407)

''ور'' کے معنی کے اعتبار سے ''عظیم ورانہ'' کی ترکیب غلط ہے۔

''گرانمایہ'' اور ''عظیم'' دو الفاظ ہیں انہیں حرف عطف ''واؤ'' سے جوڑنا چاہئے۔لہٰذا یہ جملہ یوں ہونا چاہئے۔''متاع گرانمایہ وعظیم''۔

عظم کارنامہ۔(ص-166)

''عظم'' کی بجائے ''عظیم'' ہونا چاہئے۔

فروغ اسم محمد ہو بستیوں میں منیر پرانی یاد تازہ ہو نئی مسکنوں سے(ص-166)

یہ شعر بحر مجتث مخبون مقصور مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان پر ہے۔دوسرا مصرع ساقط الوزن ہے۔لفظ ''مسکن'' مذکر ہے۔لہٰذا ''نئی مسکنوں'' کی بجائے ''نئے مسکنوں'' ہونا چاہئے۔

بنگلہ نعتیہ شاعری کار ''مدینہ'' نے ایک تحریک پیدا کر دیا ہے۔(ص ۱۶۶)

''بنگلہ نعتیہ شعرا نے ایک تحریک پیدا کر دی ہے'' ہونا چاہئے، کیونکہ ''تحریک'' مؤنث ہے اور لفظ ''مدینہ'' زائد ہے۔

ان تمام مجموعے(پانڈولپی) نگر بندی پرچارنی بنارس میں موجود ہیں۔(ص-166)

''پانڈولپی (قلمی نسخے) کے یہ تمام مجموعے ناگری پرچارنی سبھا بنارس میں موجود ہیں۔'' ہونا

چاہئے۔ پانڈولپی (قلمی نسخہ) Manusctirpt کو کہتے ہیں۔ (رام چندر شکل) مُلّا داؤد اور ملک محمد جائسی کی نعت وحمد (ہندی) ترجمہ کے ساتھ مرسل ہے۔ (ص-167)

''ملا داؤد اور ملک محمد جائسی کی حمد و نعت رام چندر شکل کے ہندی ترجمے کے ساتھ موجود ہیں۔''

ہونا چاہئے۔

الحاج سید محمد مفیض الدین قادری صاحب کے مضمون ''روہیل کھنڈ یونیورسٹی کے جدید نصاب میں نعت'' کو پڑھنے سے معلوم ہوا کہ مذکورہ یونیورسٹی میں کلام اعلیٰ حضرت وکلام مولانا حسن رضا خاں بریلوی علیہما الرحمہ کو ان کے مجموعۂ کلام ''حدائق بخشش'' اور ''ذوق نعت'' سے منتخب کر کے داخل نصاب کیا گیا ہے۔ اس خبر کو پڑھ کر ہمیں بے حد مسرت ہوئی۔

سید صاحب کا مضمون بہت عمدہ ہے۔ بعض مقامات پر کمپوزنگ کی خامیاں ہیں۔

مدیح الخر المرسلین۔ (ص-170)

''مدیح الخیر المرسلین'' ہونا چاہئے۔

یعنی ہم نے آپ کو دونوں جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ (ص-179)

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ترجمہ کنز الایمان مندرجہ ذیل ہے:

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔'' (پارہ-17، آیت-107)

محمد علی صدیقی شیدا علیگ کا مضمون عمدہ ہے۔ کہیں کہیں کمپوزنگ کی اور دیگر خامیاں در آئی ہیں۔

جب اسلام عرب سے عجم میں داخل ہوا تو فارسی زبان میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا لکھنے والوں کا ایک زبردست کارواں نظر آتا ہے۔ (ص-182)

''داخل ہوا'' ''ماضی'' ہے اور ''نظر آتا ہے'' ''حاضر'' ہے۔ دونوں جملے ماضی میں ہونے چاہئے۔ لہٰذا ''آتا ہے'' کی بجائے ''آنے لگا'' ہونا چاہئے۔

مطمع نظر۔ ص-184) مطمح نظر ہونا چاہئے۔

شہرت کی لالچ۔ (ص-185)

''لالچ'' مذکر ہے۔ اس لئے ''کی'' کی بجائے ''کا'' ہونا چاہئے۔

ان کو سوچتے رہنا تو ایک عبادت ہے   اور یہ عبادت بھی ہم نے دم بدم کی ہے

(سید صبیح رحمانی، ص-186)

یہ شعر بحر ہزج اشتر: فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن پر ہے۔ اوزان کے اعتبار سے پہلا

مصرع ساقط الوزن ہے۔

مخصوص مسلک یا نظریے حامل ناقدین۔(ص-186)

''کے حامل'' ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر آصف آدر کا مضمون عمدہ ہے۔ان کی نثر اچھی ہے مگران کے اشعار میں زبان کی خامیاں ہیں۔

انہیں کی بوسے مہر قمر لیں انہیں سے رعنائی پھولوں کی ہے
الاپ صل علیٰ ہے جاری جو چاشنی ہو کے نغموں کی ہے
(ص-201)

پہلے شعر کا پہلا مصرع مہمل ہے۔ مِہَر نہیں ہے مُہر ہے۔

دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں ''الاپ صلی علیٰ'' کی ترکیب غلط ہے۔لفظ ''الاپ'' ہندی ہے اور ''صلی علیٰ'' عربی ہے۔ ہندی اور عربی لفظ کو ملا کر ''مرکب'' بنانا غلط ہے۔

حرف شیریں کا اثر بول پڑے سنگ ریزے

کرنِ انگشت سے مہتاب نکھرتا جائے۔(آدر،ص-201)

پہلے مصرعے میں لفظ ''سنگ'' میں حرف ''گ'' گر رہا ہے۔سنگریزے کا کلمہ ''پڑھنا حرف شیریں کا اثر'' نہیں تھا، بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔

''کرنِ انگشت'' کی ترکیب غلط ہے۔ یہ مصرع بھی مہمل ہے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگشت مبارک کے اشارے سے مہتاب (چاند) دو ٹکڑے ہوا تھا۔

بے نور تھی نظر مری بے نور تھا خیال دیکھی ہیں جب سے جالیاں مائل چمک یہ ہیں
(آدر،ص-202)

دوسرا مصرعہ مہمل ہے۔

کشید شدہ۔(ص-202) کشیدہ ہونا چاہئے۔

''غنائیت''۔(ص-202) عنایت ہونا چاہئے۔

گداز مند مخمل۔(ص-202) گداز مخمل ہونا چاہئے۔

نعت کا کسی خوش لحن ثنا خوان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا جانا آپ کو اس قدر گم سم کر دیتا ہے کہ آپ مالاء اعلیٰ کی سیر کے مزے اٹھاتے ہیں۔(ص-202)

"مالاء اعلیٰ" کوئی چیز نہیں ہے، "مَلَاِ الاعلیٰ" ہونا چاہئے۔

آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیں:

مَا كَانَ لِی مِن عِلمٍ بِالمَلَاِ الاعلیٰ اِذ یَختَصِمُون۔(پارہ-24،آیت69)

ترجمہ: مجھے عالم بالا کی کیا خبر تھی جب وہ جھگڑتے تھے۔(کنزالایمان)

مَلَاِ الاعلیٰ (عالم بالا) کی سیر (عالم تصور میں بھی) ناممکن ہے۔

جام حب تو مستم بہ زنجیر دل بستم نمی گویم کہ من ہستم سخن داں یا رسول اللہ

(ص-203)

پہلا مصرع یوں ہونا چاہئے:

بہ جام حب تو مستم بہ زنجیر تو دل بستم

عنائیات کی رجم جھم

''عنایات کی رم جھم'' ہونا چاہئے۔

اشعار کی نورانی آبشار۔(ص-203)

''کی'' کی بجائے ''کے'' ہونا چاہئے۔

شمع دل مشکوٰۃ پن سینہ زجاجہ نور کا

''پن'' کے بجائے ''تن'' ہونا چاہئے۔

ماہتاب کے سینے میں ضیاء جس کی رچی ہے۔(ص-204)

''ماہتاب'' کی جگہ ''مہتاب'' ہونا چاہئے۔

اور وہ چنیدہ احباب۔(ص-204)

''چنیدہ'' کی بجائے ''چیدہ'' ہونا چاہئے۔

سیر کرواد یتے۔(ص-204)

''سیر کرادیتے'' ہونا چاہئے۔

شاید قدر مددگار ہو۔(ص-205)

''قدر'' کی جگہ ''قدرے'' ہونا چاہئے۔

اب جون ایلیا کے بھی اسی طرح کا شعر دیکھئے۔(ص-205)

''جون'' کی جگہ ''جان'' اور ''کے'' کی جگہ ''کا'' ہونا چاہئے۔

علامہ اقبال نے اپنی کتاب بال جبریل کے شروع میں ہندوستان سے ایک منجھے ہوئے شاعر

بھرتری کا ترجمہ شعر میں لکھا ہے۔(ص-205)

''سے'' کی جگہ ''کے''''بھرتری'' کی جگہ ''بھرتھری ہری'' اور ''لکھا کی جگہ ''کیا'' ہونا چاہئے۔

کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤ داب تو دے۔(ص-208)

''پاؤ'' کی جگہ ''پاؤں'' ہونا چاہئے۔

ایمانداری کے عوامل میں ملحوظ خاطر رہیں۔(ص-209)

''میں'' زائد ہے۔

بہتر ہے کہ اس بزم سے اٹھ آئے محسن۔(ص-209)

''آئے'' کی جگہ ''آیئے'' ہونا چاہئے۔

تمام نعت خواں حضرت کو۔(ص-209)

''حضرت'' کی جگہ ''حضرات'' ہونا چاہئے۔

حمیت کی چاشنی کو عام لٹانے والے۔(ص-209)

''عام کی جگہ ''سرعام'' ہونا چاہئے۔

مرزا ساجد حسین صاحب کا مضمون عمدہ ہے، مگر اس مضمون کی کچھ خامیوں کی نشاندہی ضروری ہے۔مضمون کا عنوان ہے، آیت قرآنی میں نعت محبوب رب العالمین۔(ص-211)

''آیت'' عربی لفظ، واحد اور مونث ہے۔صرف آیت لکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ نعت محبوب رب العالمین قرآن کی صرف ایک آیت میں ہے۔جب کہ مضمون نگار نے نعت محبوب خدا کے سلسلے میں متعدد آیتوں کا حوالہ دیا ہے۔پھر یہ کہ عربی قواعد کے مطابق مضاف اور مضاف الیہ کی جنس ایک ہوتی ہے۔اس لئے آیت قرآنی کی ترکیب غلط ہے۔''آیت قرآنیہ'' صحیح ہے۔لیکن یہاں جمع میں ''آیات قرآنیہ'' عنوان ہونا چاہئے۔

زیادہ تر مقالات پر ایک کے بعد ایک آنے والی آیات ہم قافیہ ہیں۔(ص-211)

''مقالات'' کی جگہ ''مقامات'' ہونا چاہئے۔

ہمیں کیا حق جاتا ہے۔(ص-211)

''جاتا'' کی جگہ پہنچتا'' ہونا چاہئے۔

قَبْلَ اَن تَنفَدَ کَلِمَاتِ رَبّیِ۔ (سورۃ الکھف آیت-101)

"کلماتِ" کی جگہ **"کلماتُ"** ہونا چاہئے۔

آیت 101 کی جگہ آیت 109 ہونا چاہئے۔

کلام اللہ سے چند ایسی آیتیں ایراد کی ہیں۔

ایراد (ع-ا-مذ) اعتراض، عیب جوئی۔ (فیروز اللغات کلاں، ص-144)

''ایراد'' کی جگہ ''منتخب'' ہونا چاہئے۔

''وردِ مسعود'' (ص-213) ''ورودِ مسعود'' ہونا چاہئے۔

بہم تھے دامن رحمت سے جب تو چین سے تھے۔

جدا ہوئے ہیں تو اب جان پر بنی ہوئی ہے۔ (افتخار عارف، ص-215)

یہ شعر بحر مجتث مخبون ابتر: مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن پر ہے۔

اوزان کے اعتبار سے دوسرا مصرعہ یوں ہونا چاہئے۔

جدا ہوئے ہیں تو اب جان پہ بن آئی ہے۔

اولاد سے جان سے سرکار کو تم اولیٰ سمجھو۔

ورنہ رکھا رہ جائے گا ایمان کا یہ دعویٰ سارا (ساجدؔ، ص-215)

یہ شعر کسی بحر پر نہیں ہے۔ اگر کسی بحر پر ہو تو مجھے مطلع فرمائیں، کرم ہوگا۔

"واخفض جناحك للمؤمنين۔ (سورۂ حجرات: 88)

حوالہ غلط ہے۔ ''حجرات'' کی جگہ ''الحجر'' ہونا چاہئے۔

ترجمہ: (اے میرے حبیب) مومنین کو اپنے دامن رحمت میں لے لو۔ (فتح محمد جالندھری) (ص-214)

میں یہاں جناب عبداللہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ ضرور پیش کرنا چاہوں گا۔

Lower thy wings (in gentleness) to the Belevers.

یعنی مومنوں کے لئے نرمی سے اپنے پیروں کو جھکا دو۔ (ص-214)

"belevers" کی جگہ "believiers" ہونا چاہئے۔

''پیروں'' کی جگہ ''پروں'' ہونا چاہئے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اور مسلمانوں کو اپنے رحمت کے پروں میں لے لو۔

خَـفَـضَ۔ خـفـضاً و خَفّضَ۔ کم کرنا، نیچا کرنا، کمی کرنا، پست کرنا، اتارنا، گھٹانا، (القاموس

الجدید،ص-247)

"Lower thy wings in gentleness."

''نرمی سے اپنے پروں کو جھکا دو۔''

عبداللہ یوسف علی کے اس ترجمے سے یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پر تھے؟ عربی میں ''جناح'' ''پر'' کو کہتے ہیں۔لیکن "اخفض جناحك" عربی محاورہ ہے، جس کے معنی ''اپنے بازو شفقت سے بچھاؤ'' کے ہوتے ہیں۔

پندرہویں پارے، سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 23 ہے: **وَخَفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذّلِّ۔**

ترجمہ: اوران کے لئے عاجزی کا بازو بچھا۔(کنزالایمان)

لفظ خَفَض کے معنی نیچا کرنا، پست کرنا، اتارنا کے ہیں، اس لئے لفظ "Lower" جس کے معنی ہیں "to let down" یعنی فرو کرنا، نیچے کرنا۔لیکن لفظ "wings" کی جگہ لفظ "arms" ہونا چاہئے، جیسا کہ پارہ 15 میں لفظ ''جناح'' کا ترجمہ ''بازو'' کیا گیا ہے۔اسی طرح عبداللہ یوسف علی صاحب کے ترجمہ میں "wings" کی جگہ "arms" ہونا چاہئے تھا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے ترجمے کا انگریزی ترجمہ ناچیز کے نزدیک یوں ہوسکتا ہے:

and take the believers in thy wings of mercy.

یہاں قابل غور یہ امر ہے کہ اللہ جل شانہٗ اپنے محبوب گرامی سے اپیل کررہا ہے کہ اپنے عاشقوں سے انتہائی شفقت ورافت کا اظہار کرو۔(ص-214)

''اپیل کررہا ہے'' کا مطلب ''گذارش کررہا ہے'' یہ جملہ اللہ عزوجل کی شان کے خلاف ہے۔ لہٰذا ''فرمارہا ہے'' ہونا چاہئے۔

ان کی حیات طیبہ میں ہی ایک وافر تعداد نعت گو صحابہ کی تھی،جن میں حضرت ابوطالب، حضرت حسان بن ثابت الخ (ص-218)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فہرست میں ابوطالب کو شامل کرنا غلط ہے۔ابوطالب ایمان نہیں لائے تھے۔ان کے نام کے پہلے ''حضرت'' لکھنا غلط ہے۔

لا اقسم بهذا البلد و انت حل و هذا البلد۔(سورہ البلد-1)(ص-221)

"**وهٰذا البلد**" کی جگہ "**بهٰذا البلد**" ہونا چاہئے۔

و ما كان الله ليعذبهم و انت فيهم۔(سورۂ انفال-33)

ترجمہ: اور خدا ایسا نہ تھا کہ جب تک تم ان میں تھے انہیں عذاب دیتا۔ (ص-221)

قارئین حضرات ذرا غور فرمائیں۔ اللہ عزوجل کے لئے کہا گیا ''خدا ایسا نہ تھا۔ اللہ عزوجل ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ (آمین) اللہ عزوجل ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔''

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے، جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔ (کنزالایمان)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کہنا کہ ''جب تک تم ان میں تھے۔'' شان رسالت کے خلاف ہے۔

ان کے لئے جو بول کہنے سے پہلے تو لو۔

تیر آئے گا نہ واپس نکلا ہوا کماں سے (ص-223)

پہلے مصرعے میں ''بول'' کی جگہ ''بولو'' ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر عبداللہ امتیاز احمد صاحب نے اپنے مضمون میں اقبال سہیل اعظمی کی نعت و منقبت نگاری پر مبسوط تبصرہ فرمایا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ انہوں نے 17 مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتی اسماء نہ لکھ کر آپ کا صرف نام ''محمد'' لکھا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُم كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضاً۔ (پارہ-18، سورہ النور۔ آیت-63)

ترجمہ: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔ (کنزالایمان)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: بجائے نام اقدس (محمد) صلی اللہ علیہ وسلم، اسمائے صفاتی ہوں تو بہتر ہے، خصوصاً ندا کے وقت، یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ ضروری ہے۔ نام اقدس لے کر ندا بھی حرام ہے۔ ساقیِ کوثر، آفتاب رسالت، شفیع المذنبین وغیرہ کہنا اور لکھنا چاہئے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، جلد سوم، ص-127-128)

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری کا مضمون عمدہ ہے۔ انہوں نے فتح پور کے اہم شعراء کا ذکر کیا ہے اور ان کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے۔ بعض مقامات پر کمپوزنگ کی خامیاں ہیں:

20 سالوں۔ (ص-239)، بیس سال ہونا چاہئے جیسا کہ اسی صفحہ پر ''639 سال پرانی'' لکھا ہوا ہے۔

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا است

مصرعے کے آخر میں ''است'' زائد ہے۔

میرے مضمون میں کہیں کہیں کمپوزنگ کی خامیاں در آئی ہیں:

''ناقد'' کی بجائے ''صادر'' ہونا چاہیے ۔(ص-455)

''ناقد'' کی جگہ ''نافذ'' ہونا چاہیے۔

ابنی نعتوں (ص-455)

''ابنی'' کی جگہ ''اپنی'' ہونا چاہیے۔

بحر خفیف مسدس مجنون ابتر ۔(ص-455)

''مجنون'' کی جگہ ''مخبون'' ہونا چاہیے۔

جھوڑئے ۔(ص-459) چھوڑئے ہونا چاہیے۔

امین ۔(ص-459) آمین ہونا چاہیے۔

ستارے سے ہے۔(ص-462) ''ستارے ہے'' ہونا چاہیے۔

بذّات ۔(ص۴۶۴) بالذّات ہونا چاہیے۔

اشترمقبو۔(ص-473)، ''اشترمقبوض'' ہونا چاہیے۔

اننی فی بحر غم مرق۔ ''مرق'' کی جگہ ''مغرق'' ہونا چاہیے۔

''استعارہ تخلیہ'' (ص-473) ''تخلیہ'' کی جگہ ''تخیلہ'' ہونا چاہیے۔

''مجھ'' (ص-477) ''مجھ'' کی جگہ ''تجھ'' ہونا چاہیے۔

پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب نے دبستان نعت شمارہ 2 پر اچھا تبصرہ کیا ہے۔ بعض مقامات پر کمپوزنگ کی اور دیگر خامیاں در آئی ہیں۔

اپنی بہاریں دل کھا رہی ہیں۔(ص-493)

''دکھا رہی ہیں'' ہونا چاہیے۔

نام تک لے کر پکارا نہیں قرآں میں کہیں ۔(ص-494)

''کر'' کی جگہ ''کے'' ہونا چاہیے۔

کیوکہ یہ مصرعہ بحر رمل مخبون ابتر فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن پر ہے۔ اوزان صحیح ہونے کے لئے ''کر'' کی جگہ ''کے'' ہونا چاہیے۔

یہ کہنا غلط ہے کہ اللہ عز وجل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر قرآن میں کہیں نہیں پکارا۔

اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر پکارنے سے منع فرمایا ہے۔قرآن مقدس میں تین مقامات پر اسم اقدس ''محمد'' صلی اللہ علیہ وسلم آیا ہوا ہے۔

1-وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔پارہ-4،سورہ آل عمران،آیت-44)

2-مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ۔(پارہ-22،الاحزاب،آیت-40)

3-مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔(پارہ-26،الفتح،آیت-29)

رعشۂ خوف بن گیا رقص بتان آذری۔(ص-498)

''آذری'' کی جگہ ''آزری'' ہونا چاہئے۔

والد کا نام مولوی ذکریا ہے۔(ص-510)

''ذکریا'' کی بجائے ''زکریا'' ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب نے دبستان نعت شمارہ نمبر 2 کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ان کا مضمون عمدہ ہے،مگر میں ان کی تمام باتوں سے متفق نہیں ہوں۔

''رہی احمد رضا صاحب کی بات تو انہیں ان کے ماننے والوں نے ''اساطیری'' شخصیت بنا دیا ہے جس پر کسی بھی تنقید کو برداشت نہیں کیا جاتا ہے جب کہ ان کا کلام بھی کلام بشری ہے۔ہاں اگر ان میں سے ہی کوئی کلام رضاؔ پر اعتراض کرتا ہے تو اسے انگیز کر جاتے ہیں۔مثلاً صابر سنبھلی رضا صاحب کا ایک شعر پیش کر کے لکھتے ہیں۔

''تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسان عجم
تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزاران عرب''

''بے دام اور بے دام میں صنعت ہے جو بہت پہلے سے استعمال ہوتی آئی ہے۔اس صنعت کے استعمال پر شاعر (اعلیٰ حضرت) کی بہت زیادہ تحسین نہیں کی جا سکتی۔(ص-519)

ڈاکٹر انجم صاحب نے ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کے مضمون سے اپنے مقصد کی عبارت پیش کر دی، بقیہ عبارت چھوڑ دی جن سے اعلیٰ حضرت کی تعریف روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

اس لئے کہ اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔لیکن جو خاص بات ہے وہ قاری کو تب معلوم ہوتی ہے جب وہ دونوں مصرعوں میں بے دام صفت کے ہر دو موضوعات پر غور کرتا ہے۔یعنی غلام ہیں تو مفت کے ہیں اور بندی یعنی قیدی ہیں تو بغیر بندھن کے ہیں۔(دبستان نعت شمارہ-1،ص-58)

ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے کلام پر اعتراض نہیں کیا ہے بلکہ ان کی

تعریف وتوصیف کی ہے، مگر ڈاکٹر انجم صاحب نے ان کی ادھوری عبارت کو پیش کر کے اسے اعتراض پر محمول کر دیا۔ اتنے ہی سے جی نہیں بھرا تو اس میں اپنی طرف سے یہ اضافہ فرما دیا:

''میں یہ نہیں کہتا کہ حضرت موصوف دنیا کے بہت بڑے نعت گو ہیں۔ یہ دعویٰ بھی نہیں ہے کہ اردو میں ان سے بہتر نعت گو کوئی نہیں ہوا۔ (ص-519)

جب آپ ان کی ہجو پر کمر بستہ ہو گئے تو آپ کیسے انہیں دنیا کے بہت بڑے نعت گو کہہ سکتے ہیں؟ پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اردو میں ان سے بہتر نعت گو کوئی نہیں ہوا لیکن آپ کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اعلیٰ حضرت سے بہتر اردو کے کسی شاعر کا نام معلوم ہے۔ لہٰذا آپ اس عظیم اردو نعت گو شاعر کا نام ہمیں بھی بتا دیں۔

تعلّی فرما گئے ہیں۔ (ص-522)

تعلّی کی بجائے ''تعلیٰ'' ہونا چاہئے۔

سقیم اشعار کے بنا پر۔ (ص-528)

لفظ بنا مؤنث ہے۔ لہٰذا ''کے'' کی بجائے ''کی'' ہونا چاہئے۔

دیگر یہ کہ نعت میں ''سگ'' کلب اور کتے'' کے ذکر سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔

قادری صاحب برا نہ مانیں تو ایک بات پوچھوں۔

''کتا اگر اتنا ہی عزیز ہے تو سنّی حضرات بھی اپنا نام کلب احمد، کلب رسول، کلب عمر، کلب ابوبکر کیوں نہیں رکھتے؟ (ص-533)

اطلاعاً عرض ہے کہ دیوبندی حضرات بھی کتّے کو عزیز رکھتے ہیں۔ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

1 جو یہ نصیب نہ ہو، اور کہاں نصیب مرے — کہ میں ہوں اور سگان حرم کی تیرے قطار

2 جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں — مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مرغ و مار

(قاسم نانوتوی)

(دبستان نعت شمارہ-3، ص-11)

3 جو چھو بھی دیوے سگ کوچہ تیرا اس کی نعش — تو پھر تو خلد میں ابلیس کا بنائیں مزار

(مولوی قاسم نانوتوی)

(قصائد قاسمی، ص-77)

ڈاکٹر انجم صاحب نے اودھو مہاجن کے مصرعے ''بند کر کے نگاہوں کو جائے گا جو طیبہ'' کے

بارے میں میری توجہ دلائی ہے۔اس ضمن میں عرض ہے کہ میں نے لکھا تھا کہ:

''پہلا مصرع ساقط الوزن ہے۔طیبہ کے بعد لفظ ''کو'' ہونا چاہئے۔'' لیکن کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے ''کو'' کی جگہ ''جو'' چھپ گیا۔لیکن میں نے دبستان نعت شمارہ-2 کے صفحہ 602 پر تقطیع ''بند کر کے نگاہوں کو جائے گا جو طیبہ کو'' پر کی ہے۔جس میں ''نون'' کو گرتے ہوئے دکھایا ہے۔انجم صاحب نے ''د'' کو گرایا ہے۔دونوں صحیح ہے۔لفظ ''بند'' وتد (سہ حرفی) ہے،جس کا وزن ''فاع'' ہوا۔ جب کہ یہاں ''فع'' کی ضرورت تھی۔''بند'' کے۔''ن'' کو گرائیں تو ''بد'' بروزن ''فع'' ہوا اور ''د'' کو گرائیں تو ''بن'' بروزن ''فع'' ہوا۔نہ جانے کیوں ڈاکٹر انجم صاحب نے میری تقطیع کو نظر انداز کر دیا۔

دبستان نعت شمارہ-3،صفحہ-484-483 پر میں نے لکھا ہے:صفحہ-602 پر ادھو مہاجن بسمؔل کا ایک مصرعہ کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے پھر غلط چھپ گیا ہے۔

بند کر کے نگاہوں کو جائے گا جو طیبہ

یہ مصرع یوں ہونا چاہئے:

بند کر کے نگاہوں کو جائے گا جو طیبہ کو

(دبستان نعت شمارہ-3،ص-384-383)

رحمی بمن سوختہ بے سروپا کن (دبستان نعت شمارہ-1،ص-55)

یہ مصرعہ بحر ہزج مقصور محذوف: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن پر تقطیع کرنے سے ساقط الوزن ہو رہا ہے۔لیکن ڈاکٹر انجم صاحب فرماتے ہیں:اعظمی صاحب سے یہاں بھی چوک ہوگئی ہے۔میرے خیال میں مصرع تو بحر میں ہے موصوف اسے صحیح پڑھ نہیں سکے ہیں،مصرع یوں ہے۔ے

رحمی بمن سوختۂ بے سروپا کن (ص-535)

ظاہر ہے کہ ''سوختۂ'' لکھا ہوا ہے تو کوئی ''سوختۂ'' کیسے پڑھے گا۔جو لکھا ہے،وہی میں نے پڑھا۔ڈاکٹر انجم صاحب نے ''سوختۂ'' لکھ کر وزن صحیح کیا۔دبستان نعت شمارہ-2،صفحہ-605 پر میں نے لکھا تھا کہ ''رحمے بمن سوختہ جاں بے سروپا کن'' ہونا چاہئے۔لیکن دیوان حافظ مترجم مولانا قاضی حسین مطبوعہ پروگریسو بکس لاہور،صفحہ-337 پر یوں ہے:

رحمے بمن سوختۂ بے سروپا کن

ڈاکٹر انجم صاحب مزید فرماتے ہیں:''اقبال اعظمی صاحب نے اس شعر کے پڑھنے میں بھی غلطی کی ہے۔ے

دارد دل درویش تمنائے نگاہے زاں چشم سہ مست بیک غمزدہ رواکن

''انہوں نے ثانی مصرع کو بحر سے خارج قرار دیا ہے جب کہ اس میں بھی کمپوزنگ کی خامی ہے۔''غمزدہ واکن''،''غمزدہ رواکن'' کمپوز ہوگیا ہے۔جس کی بناء پر بحر اور معنی دونوں میں خلل واقع ہوگیا ہے۔دوسرا مصرع دراصل یوں ہے۔ ؎

''زاں چشم سیہ مست بیک غمزدہ واکن''

یا پھر مصرعہ یوں ہوگا:''زاں چشم سیہ مست بیک غمزہ رواکن''(ص-536)

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ کمپوزنگ کی خامی کی وجہ سے بحر اور معنی دونوں میں خلل واقع ہوگیا ہے۔جب کہ یہی بات میں نے بھی کہی کہ دوسرا مصرع بحر سے خارج ہے۔صرف یہ نہ لکھا کہ کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے بحر سے خارج ہے۔یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کمپوزنگ ہی کی خامی ہے۔یہ بھی امکان ہے کہ مضمون نگار ہی نے ایسا لکھا ہو۔کسی بھی وجہ سے خامی ہو، خامی تو بہر حال خامی ہے۔ڈاکٹر انجم صاحب نے دوسرے مصرعے کے دو متبادل بتائے۔لیکن دیوان حافظ مترجم مطبوعہ لاہور صفحہ-337 پر دوسرا مصرعہ یوں درج ہے:

زاں چشم سیہ مست بیک غمزہ رواکن

لفظ بند کا''د'' ساقط الوزن ہے۔(ص۵۳۵)

حرف''د'' مؤنث ہے۔لہٰذا''کا'' کی بجائے''کی'' ہونا چاہئے۔

مولانا مدنی کے شان میں۔(ص-530)

''کے'' کی بجائے''کی'' ہونا چاہئے۔

ہر کوئی حیران ہے اس پر مجھے کیا مل گیا نعل پاک مصطفیٰ کا ایک ذرّہ مل گیا۔

صابر صاحب کو یہ تک تو معلوم نہیں ہے کہ نعل لوہے سے بنائی جاتی ہے، مٹی سے نہیں کہ اس کا '''ذرّہ'' نہیں مل جائے نعل کی مناسبت سے''ٹکڑا'' کہنا چاہئے تھا۔درحقیقت صابر صاحب نے ''نعلین'' کو''نعل'' کہہ دیا ہے جب کہ نعل گھوڑے کے کھروں میں ٹھونکی جاتی ہے۔(ص-537)

نعل۔(ع-ا-مؤنث) (۱) جوتا، کفش۔ پاپوش۔ (۲) گھوڑے، بیل وغیرہ کے کُھر میں لگانے کا آہنی حلقہ۔(فیروز اللغات کلاں،ص-1366)

ڈاکٹر انجم صاحب کہتے ہیں کہ''نعل لوہے سے بنائی جاتی ہے، مٹی سے نہیں۔'' ڈاکٹر انجم صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جب''نعل'' کہا جائے گا تو اس کا مطلب لوہے کی''نعل'' ہوگا جو

گھوڑے کے کھروں میں ٹھونکی جاتی ہے۔ان کے نزدیک ''نعل'' کے معنی جوتا، کفش، پاپوش نہیں ہوں گے۔صاحب فیروز اللغات نے یہ معانی غلط لکھے ہیں۔جب ''نعلین'' کہیں گے تب اس کے معانی جوتا، کفش اور پاپوش کے ہوں گے۔اگر انہیں کے الفاظ میں کہا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب کو یہ تک نہیں معلوم کہ لفظ ''نعلین'' عربی ہے اور نعلین'' ''نعل'' کا تثنیہ ہے، جس کے معنی ''دو جوتے'' کے ہوتے ہیں۔لیکن عربی میں کبھی کبھی واحد بول کر تثنیہ مراد لیتے ہیں۔قرآن مقدس میں ہے:

اِنِّیٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ۔(پارہ-14،سورہ طٰہٰ،آیت-13)

ترجمہ: بے شک میں تیرا رب ہوں تو تو اپنے جوتے اتار ڈال۔(نعلیک تثنیہ ہے)

جناب تنویر احمد پھول صاحب نے اپنے مضمون میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی ایک نعت تحریر کی ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

کاش! ہو جاتا مدینے کی میں خاک   نعل بوسی ہوتی کافی آپ کی (ص-112)

جو بات ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کے بارے میں کہی کیا انجم صاحب وہی بات مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ:

''درحقیقت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے ''نعلین'' کو ''نعل'' کہہ دیا ہے جب کہ نعل گھوڑے کے کھروں میں ٹھونکی جاتی ہے۔''

قاری محمد رفیق قاضی فائض فتح پوری صاحب کا مضمون تبصرہ بر تبصرہ عمدہ ہے۔کمپوزنگ کی اور دیگر خامیاں اس میں در آئی ہیں۔اربابان حل وعقد (ص-558)۔رب کی جمع ارباب اور ارباب کی جمع اربابان۔یعنی جمع الجمع ہے۔لہٰذا صرف جمع یعنی ''ارباب'' ہونا چاہئے۔

محمد الرسول اللہ۔(ص-565) محمد رسول اللہ ہونا چاہئے۔

''سیدنا ابوطالب سے لے کر حضرت چندر بھان خیال صاحب۔(ص-567)

کفار کے ناموں کے پہلے ''سیدنا'' اور ''حضرت'' نہیں لکھنا چاہئے۔

قول بیان کرنے کے بجائے۔(ص-569)'' کی بجائے'' ہونا چاہئے۔

جناب فائز صاحب کو میرا مضمون پسند آیا، میں ان کا شکر گزار ہوں۔

نزع چلا آرہا ہے۔(ص-569)

لفظ ''نزع'' ''مؤنث'' ہے۔اس لئے ''چلا آرہا ہے'' کی بجائے ''چلی آرہی ہے۔'' ہونا چاہئے۔

جناب مقصود بستوی صاحب کا مضمون: دبستان نعت: ایک سرسری جائزہ عمدہ مضمون ہے۔میرا

مضمون انہیں پسند آیا، میں ان کا شکر گزار ہوں۔

وہ رنگ ہے ترے کردگار کار سولوں میں۔(اظہر عنایتی،ص-608)

''کردگار'' کی جگہ ''کردار'' ہونا چاہئے۔

آپ ہیں ختم رسل اور آپ ہیں خیر البشر آپ کی بعثت سے ہوئی زندگانی معتبر

(انجنا کشش فتح پوری،ص-612)

دوسرا مصرع ساقط الوزن ہے۔

رحمت للعالمین آپ دنیا کے لئے

آپ کی نسبت سے مہکے زیست کے شام وسحر

(ص-612)

رحمت للعالمیں ہیں آپ دنیا کے لئے۔ہونا چاہئے۔

ہو گئے سب سرنگوں دشمن نبی کے سامنے

آپ کے لہجے میں شیرنی گھلی تھی اس قدر۔(ص-612)

''شیرنی'' کی جگہ ''شیرینی'' ہونا چاہئے۔

مجھے کسی وسیلے کی حاجت نہیں رہی

مدہوشؔ مل گیا جو وسیلہ رسول کا

(مدہوشؔ بلگرامی،(ص-613)

''مجھے'' کی جگہ ''مجھ کو'' ہونا چاہئے۔

مشکل پڑی ہے سر پہ تو ہمت نہ ہار تو

ہم بیکسوں کے واسطے مشکل کشا ملے

(سید شاہ نہالؔ مخدومی،ص-615)

پہلے مصرعے میں ''تو'' اور دوسرے مصرعے میں ''ہم'' ہے۔

یہ شتر گربہ کا عیب ہے۔''ہار تو'' کی جگہ ''ہارئے'' ہونا چاہئے۔

کچھ لوگ فقط سوئے حرم دیکھ رہے ہیں

ہم بس کہ ترے نقش قدم دیکھ رہے ہیں

(ڈاکٹر جعفر جری،ص-616)

دوسرے مصرعے میں ’’کہ‘‘ حشو ہے۔

کب میں نے جھکایا ہے درِ غیر پہ سر کو
بس آپ کے دربار میں خم دیکھ رہے ہیں

(ص-616)

پہلے مصرعے میں ’’میں نے‘‘ اور دوسرے مصرعے میں ’’دیکھ رہے ہیں۔‘‘ ہے۔اس شعر میں شتر گربہ ہے۔

میں نعت سنا تا رہا ان کو تو جری وہ
حیرت سے میرا زورِ قلم دیکھ رہے ہیں

(ص-616)

’’سنا تا رہا‘‘ ماضی ہے اور ’’دیکھ رہے ہیں‘‘ حاضر ہے۔ دونوں مصرعوں میں زمانے کا فرق ہے۔

ابوبکر و عمر ہیں جہاں حضور کے ساتھ
مواجہ شہ والا میں کس طرح بھولوں

(الحاج عبدالرحمٰن حبیب، ص-618)

یہ شعر بحر مجتث مخبون ابتر: مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن پر ہے۔

اوزان کے اعتبار سے پہلے مصرعے میں ’’ابوبکَر‘‘ استعمال ہوا ہے، جب کہ لفظ ’’ابوبکْر‘‘ ہے۔لہٰذا پہلا مصرع ساقط الوزن ہے۔

دل وجد میں ہے اب تک اور جسم بھی روشن ہے
واللہ اب ملنے کے آثار نظر آئے

یہ شعر بحر ہزج اخرب: مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن پر ہے۔ اوزان کے اعتبار سے دوسرے مصرعے میں ’’اب‘‘ کی بجائے ’’جو‘‘ ہونا چاہئے۔

میرے لکھنے کا مقصد افہام و تفہیم ہے، مجادلہ نہیں۔ میری تحریر سے اگر کسی بھائی کو تکلیف پہنچے تو مجھے معاف فرمائیں گے۔ اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کے باوجود ’’دبستان نعت‘‘ میں جو کچھ میں لکھتا ہوں وہ صحت الفاظ و زبان کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے اللہ عزوجل و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں لوجہ اللہ لکھتا ہوں۔

☆☆☆

پروفیسر فاروق احمد صدیقی (مظفر پور)

دبستان نعت شمارہ ۳ پر ایک نظر

دبستان نعت کا تیسرا شمارہ زیب نگاہ بنا۔ صوری اور معنوی ہر دولحاظ سے بہت ہی اچھا ہے۔ ''اداریہ میں آپ نے بڑی قیمتی معلومات فراہم کی ہیں لیکن یہ کچھ زیادہ ہی طویل ہو گیا ہے۔ اختصار میں جامعیت کا حسن باقی رہے تو بہتر ہے۔ جناب متینؔ امروہوی کی حمد باری تعالیٰ بے حد پسند آئی۔ سوال و جواب کے پیرائے میں غالبؔ کی زمین میں انہوں نے پختگی فکر وفن کا اچھا مظاہرہ کیا ہے۔ خاص طور پر آخری شعر بہت ہی خوب ہے۔

فرش سے عرش پر جو آیا تھا　　　اس سے پوچھو مرا پتا کیا ہے

میرے نزدیک یہ شعر'' الکنایۃ ابلغ من التصریح '' کا عمدہ نمونہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ پروفیسر ابو سفیان اصلاحی کا مقالہ ''ہاشم رفاعی کی نعتیہ شاعری'' بہت ہی پُر مغز، روح پرور اور بصیرت افروز ہے۔ ہاشم رفاعی کے اس خوبصورت قصیدے کے انتخاب کے لیے اصلاحی صاحب قابل مبارک باد ہیں۔ ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط نے حضرت محسنؔ کاکوروی کے قصیدۂ مدیح خیر المرسلین کی ہندوی اصطلاحات پر فاضلانہ گفتگو کی ہے۔ جناب تنویر پھولؔ نے ہندو پاک میں میں فروغ نعت کی کوششوں کا اچھا جائزہ لیا ہے۔ ڈاکٹر راہی فدائی نے نعتیہ کلام میں غلو کی حقیقت کو بڑی عمدگی سے بے نقاب کیا ہے۔ ان دنوں ہر طفل دبستان نعتیہ اشعار سُن کر یہ اعتراض جڑ دیتا ہے کہ یہاں شاعر نے رسالت کا ڈانڈا الوہیت سے ملا دیا ہے۔ اس پس منظر میں محترم راہی صاحب نے ناپختہ ذہن وشعور کے حاملین کی خوب خبر لی ہے ملاحظہ ہو:

''غلو یا مبالغہ کے سلسلے میں ایک اہم بات عرض کرنی یہ ہے کہ جس مقدس و منور شخصیت کی تعریف و توصیف میں غلو یعنی حد سے تجاوز کرنے کا جو خدشہ ظاہر کیا جاتا ہے، اس کی ذات اقدس کی شانِ رفعت و شوکت رسالت کے حدود کون جانے؟ اگر کوئی نعوذ باللہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ کمال بلندیٔ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حقیقت محمدی کا واقف کار ہے تو وہ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹا ہے۔ یہ اس لیے کہ وہی شخص اس طرح کی بے ہودہ گوئی کر سکتا ہے جو رسالت ماب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نعوذ باللہ خود کو بلند و برتر سمجھتا ہے۔''

(دبستان نعت ص:۱۴۱)

مرزا ساجد حسین نے آیت قرآنی کے حوالے سے حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خداداد عظمتوں کا اچھا احاطہ کیا ہے۔ جناب فیروز احمد سیفی نے اپنے مضمون ''مرغوبؔ ترچنا پلوی، دکن کے ایک گمنام نعت گو شاعر'' کو بڑے سلیقے سے روشناس خلق کیا ہے۔ مبارک باد۔

''زاویۂ نگاہ نگاہ'' کے تحت جناب اقبال اعظمی نے دبستان نعت ۲ پر واقعی ایک عمیق نظر ڈالی ہے مگر کہیں کہیں ان کی نظر اپنی سطحیت کا بھی اشتہار دے گئی ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''تجدید ایمان اس وقت کیا جاتا ہے جب کفریہ کلمات منھ سے نکل جائیں یا کسی وجہ سے کفر کے مرتکب ہو جانے کے بعد کوئی شخص دوبارہ ایمان لاتا ہے تو اسے تجدید ایمان کہتے ہیں۔''

(ص:۴۶۳)

ہرگز نہیں! تجدید ایمان تو ایمان کی شان بلکہ ایمان کی جان ہے۔ حدیثِ پاک ہے: **جدّدو ایمانکم** عرض کیا گیا کیسے ایمان تازہ کریں یا رسول اللہ فرمایا "**اکثرو امن قول لااله الّا اللّٰه**" اپنے ایمان کو **لااله الّا اللّٰه** کی کثرت سے تازہ کرتے رہو۔

جب کہ آپ نے یہ تاثر دیا ہے کہ کفریہ کلمات منھ سے نکل جانے یا کسی وجہ سے کفر کے مرتکب ہو جانے کے بعد کوئی شخص دوبارہ ایمان لاتا ہے تو اسے تجدید ایمان کہتے ہیں۔ تجدید ایمان کا یہ بہت محدود تصور ہوا۔ بحرالکاہل میں کودنے سے پہلے اپنی ہمت شناوری کا صحیح ادارک واحساس کر لینا چاہیے خواہ مخواہ اعتراض کرنے کو اہل علم وفہم، خردہ گیری کا نام دیتے ہیں اسی طرح آپ نے میرے اس جملے:

''میرے نزدیک اس غزل کا ہر شعر ایک مقام سے ہے''

پر یہ اعتراض جڑ دیا ہے کہ ''مقام سے ہے'' کا کیا مطلب ہے؟ جناب من! آیئے اس کا مطلب ناخدائے سخن میر تقی میرؔ کے حوالے سے آپ کو سمجھا دوں۔

سہل ہے میرؔ کا سمجھنا کیا ہر سخن اس کا اک مقام سے ہے

اگر آپ میرؔ صاحب کی زبان کی بھی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ کے حوصلے کی داد دونگا۔ ایک جگہ اور آپ نے میرے تعلق سے یوں خامہ فرسائی کی ہے:

صفحہ ۵۷۳ پر پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب قصائد کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

'' ان کی محدود نگاہی کی انتہا تو یہ کہ قصائد کے ناپاک دفتر تک کو بھی انہوں نے صنف سخن کا مرتبہ دے دیا۔'' (۵۷۳)

مطلقاً قصائد کو ناپاک نہیں کہنا چاہیے۔اس میں عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں کہے گئے نعتیہ قصائد بھی شامل ہیں۔''

محترم! یہاں نعتیہ قصیدے سرے سے زیر بحث ہے ہی نہیں ۔ یہاں ان قصیدوں کی بات ہو رہی ہے جن میں سلاطین ونوابین زمانہ کی مبالغہ آمیز تعریف اور مدلل مدّاحی کی گئی ہے اور جن کے بارے میں مولانا حالیؔ بہت پہلے کہہ گئے ہیں۔

وہ شعر و قصائد کا ناپاک دفتر　　عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بد تر

کیا حالی نعتیہ قصائد کے بارے میں ایسی غیر ذمہ دارانہ رائے قائم کر سکتے تھے۔ ہرگز نہیں! تو میرے بھی حاشیۂ خیال میں اس کا تصور تک نہیں تھا۔ یہاں آپ نے خواہ مخواہ اندیشہ ہائے دور دراز سے کام لیا ہے جو آپ کے شایان شان نہیں۔

اسی طرح آپ نے یہ بھی لکھا ہے:

''ہیئت کے تعیّن کی بنیاد ڈھونڈیں'' ص ۴۸۲

لفظ تعین مونث ہے لہذا کہ کی بجائے کی ہونی چاہیے۔''

جناب والا! لفظ تعیین ڈنکے کی چوٹ پر تذکیر ہے جیسا کہ میں نے لکھا ہے تانیث نہیں جیسا کہ آپ کا خیال ہے۔لغت سے حوالہ دینے کی ضرورت نہیں کہ عیاں راچہ بیاں۔مجھکو لگتا ہے کہ آپ نے تعیّن کو تعین سمجھ لیا ہے اسی لیے اعتراض کا شوق پیدا ہو گیا۔آپ نے میرے اس جملے کو بھی نشان تنقید بنایا ہے ''نعت وہ مہتم بالشان صنف ہے، مہتمم کی بجائے مہتم ہونا چاہیے۔'' اگر آپ کے نزدیک میری علمی حیثیت کا معیار یہی ہے کہ میں مہتمم اور مہتم میں فرق نہیں کر پایا تو پھر آپ اپنی قابلیت پر جس قدر ناز کریں کم ہے۔آپ بڑی آسانی سے اسے کمپوزنگ کی چوک پر محمول کر سکتے تھے۔مگر جب اَنا ولا غیری کا جنون کسی پر سوار ہو جائے تو وہ مرض لا علاج بن جاتا ہے۔خدا ہر شریف آدمی کو اس بلائے بے درماں سے محفوظ رکھے۔آمین

ڈاکٹر اشفاق انجم نے حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کے تعلق سے بڑی ناروا بات کہی ہے کہ'' انہیں ان کے ماننے والوں نے اساطیری شخصیت بنا دیا جس پر کسی بھی تنقید کو برداشت نہیں کیا جاتا ہے۔''

یہ جملہ حضرت رضاؔ بریلوی کے تعلق سے ان کے خبثِ باطن کا مظہر ہے۔ حضرت رضاؔ کے سچے قدر دانوں اور صاحبانِ فکر ونظر نے کبھی ان کو اساطیری شخصیت نہیں قرار دیا ہے۔ وہ ہرگز معصوم نہیں مگر زَلّتِ قلم سے محفوظ ضرور ہیں ایسے ہی برگزیدہ شخصیت کو **مُؤیّد مِنَ اللّٰہ** کہتے ہیں۔

آپ کہیں نہ کہیں، آپ مانیں نہ مانیں، حضرت رضاؔ بریلوی یقیناً اردو نعت کے سب سے بڑے شاعر ہیں، کوئی بھی ان کا مقابل نہیں۔ ہاں آنکھیں اگر ہوں بند تو پھر دن بھی رات ہے۔ یہ جوشِ عقیدت میں میرا نعرۂ مستانہ نہیں بلکہ خدا لگتی بات ہے۔ میں آپ کے علم ومطالعے کی وسعت و گہرائی کا قائل ہوں لیکن رضاؔ شناسی کے تعلق سے آپ کے فکر وفہم نے سخت ٹھوکریں کھائی ہیں۔

اسی طرح انجم صاحب نے راشد طراز کی مشکبار غزل پر میرے تجزیاتی مضمون کو، شاعر سے میری قرابت یا عقیدت پر محمول کیا ہے۔ جو صریحاً غلط ہے۔ اسی لیے قرآن نے گمان کو گناہ قرار دیا ہے **انّ بعض الظن اثم**۔ راشد طراز سے نہ میری قرابت ہے نہ عقیدت۔ بس میرا جرم یہ ہے کہ میں فن کو پہلے دیکھتا ہوں اور فن کار کو بعد میں۔ راشد طراز کے غزلیہ اشعار میں مجھے حبّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشبو محسوس ہوئی اس لیے میں اس پر دل دے بیٹھا کہ حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ کوئی بھی کرے میں اس کو ارشادِ نبوت کے مطابق مومن کی متاع گم شدہ سمجھ کر اپنا لیتا ہوں۔ اگر کسی کو گلاب کے پھول کی خوشبو سے الرجی ہو تو میں کیا کرسکتا ہوں؟

بھائی سراج احمد قادری صاحب! آپ کے کمپوزر نے میری نعت کے چھٹے شعر (۵۹۸) کے قافیہ کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ قافیہ ذِہَن نہیں، دَہَن ہے اور لفظِ ذہن تو درست ہے بھی نہیں، صحیح تلفظ ذِہن ہے جزم کے ساتھ، جس کا یہاں موقع نہیں۔

☆☆☆

پروفیسر مجید بیدار (حیدرآباد)

ہندوستانی کتابی سلسلہ ''دبستانِ نعت''
کا تیسرا خصوصی شمارہ

مدحت رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عقیدت میں ڈوب کر لکھی جانے والی شاعری کو ''نعت'' کا مؤقف حاصل ہوتا ہے۔قرآن مجید کی تکمیل عربی زبان میں ہوئی۔خود اس روحانی کتاب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے چہیتے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدحت کی خاطر کبھی یا ایھا المزمل اور کبھی یا ایھا المدثر جیسے بلیغ اشاروں کے ساتھ عقیدت کے پھول نچھاور کئے ہیں، یہی نہیں بلکہ قرآن مجید کی آیات سے خود تعریف و توصیف کا حق ادا ہوتا ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق پیغمبر اسلام کی تمام تر زندگی اور سیرت کی نمائندگی قرآن مجید کے توسط سے ہوچکی ہے، اس طرح رب کائنات نے سب سے پہلے مدحتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حق قرآن مجید کے توسط سے ادا کیا۔اپنے برگزیدہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کی تکمیل کے ذریعہ خداوند قدوس نے خود نعت گوئی کا حق ادا کر کے اس طرز کی بنیاد رکھی اور یہ بھی سچ ہے کہ خدا کے بعد دنیا کی سب سے بزرگ ترین ہستی کا مؤقف پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور سے ہی مدحت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سلسلہ شروع ہوا، اور جیسے جیسے پیغمبر اسلام اور ان کے عمدہ خصائل اور خوارقات کے علاوہ متبرک خصوصیات کو دنیا کے انسانوں کے روبرو نمائندگی کا موقع حاصل ہوتا گیا، ویسے ویسے دنیا کی ہر زبان میں خدا کے چاہنے والے عقیدت مند بندوں نے اوصاف رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شعری اظہار کا سلسلہ شروع کیا، جس کے نتیجہ میں نعت شریف کی لازوال روایت قائم ہوئی، جو قیامت تک جاری و ساری رہنے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔آزادی کے بعد ہی نہیں بلکہ اُس سے قبل بھی

ہندوستان کی مختلف آبادیوں اور زبانوں میں اسلام کے چاہنے والوں نے نعت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ عقیدت کا بھرپور اظہار کیا اور اس صنف شاعری کو وقار کا درجہ بخشا۔ اُردو زبان کی ابتداء سے ہی اس کے شعری وصف کو استعمال کرنے والے شاعروں نے کمال کا اظہار کیا۔ اُردو کے آغاز کا ابتدائی دور یعنی دکنی زبان میں بھی نعت گوئی کا وصف بدرجہ اتم موجود رہا ہے۔ ملک کی آزادی کے بعد اسلامی اصولوں پر قائم پڑوسی ملک میں نعت گوئی کے بے مثل کارنامے انجام دیئے گئے، اس کے باوجود ہندوستان کی سرزمین سے بھی نعت کے فن پر خصوصی توجہ دی گئی۔ نعت گوئی جیسی شعری صنف پر پہلا تحقیقی مقالہ لکھنے کا شرف ہندوستان کی سرزمین کو حاصل ہوا۔ اُردو شاعری کے ابتدائی دور میں ہی خواتین نے نعت گوئی پر خامہ فرسائی کر کے ثابت کر دیا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عقیدت کے اظہار کے معاملہ میں مرد حضرات سے خواتین کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔ ان حقائق کا جائزہ اُردو کا ہر قاری لے گا کہ نعت کی شروعات اور نعت کی پذیرائی ہی نہیں بلکہ نعت گوئی میں عقیدت کو سمونے کا سلیقہ سب سے پہلے ہندوستان کی سرزمین میں دکھائی دیتا ہے، اگر چہ پڑوسی ملک میں بسنے والے باشندوں نے ''نعت رنگ'' کی شروعات کے ذریعہ اس صنف کی پذیرائی پر توجہ دی، تو ہندوستان بھی اس مرحلہ میں پیچھے نہیں رہا۔ حالیہ دور میں ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ادارت میں شائع ہونے والے کتابی سلسلے ''دبستانِ نعت'' کے تیسرے شمارے کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ بلاشبہ نعت کے موضوعات اور نعت گوشعراء اور شاعرات ہی نہیں، بلکہ اس شعری صنف کے امکانات کو وُسعت دینے میں ''دبستانِ نعت'' کے مدیران اور اُن کے سرپرستوں کی خدمات کو کسی اعتبار سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ فروغ حمد و نعت کے کتابی سلسلے کے مجموعے ''دبستانِ نعت'' کا تیسرا شمارہ جنوری تا ڈسمبر 2018ء کے دور کی نمائندگی کرتا ہے، جس کے سرپرست سید صبیح رحمانی بانی و مؤسس نعت ریسرچ سنٹر انٹرنیشنل کراچی مقرر کئے گئے ہیں، جبکہ یہ شمارہ فیروز احمد صفی نیویارک کی نگرانی میں شائع ہوا اور ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ادارت میں باضابطہ 640 صفحات کی نمائندگی کرتا ہے۔ کتابی سلسلہ ''دبستانِ نعت'' کی مجلس مشاورت میں پروفیسر ابوالکلام قاسمی علی گڑھ، پروفیسر ڈاکٹر مقصود احمد بڑودہ، ڈاکٹر آصف آور گلاسکو، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری، رشید اختر خاں دھنباد، ڈاکٹر رضوان انصاری سیتاپور، ڈاکٹر شعار اللہ خاں وجہی رامپور اور قاضی اسد ثنائی حیدرآباد کے نام شامل ہیں اور کراچی کے نعت ریسرچ سنٹر کے علاوہ ہندوستان کے نعت ریسرچ سنٹر کے درمیان آپسی تعاون کا ثبوت ملتا ہے جسے فال نیک قرار دیا جائے گا اور اسے عصری ضرورت کا درجہ حاصل ہے، یہ جریدہ

سرپرست، نگرانی اور ادارت کا مثلث قائم رکھتا ہے۔ اس کتابی سلسلے کو ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری کے نام معنون کیا گیا ہے، جنہیں نعت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تحقیق وتنقید سے نوازتے ہوئے اولین نعت کے محقق ہونے کا موقف حاصل ہوگیا ہے، جس کے بعد حبیب تلونڈوی کے دو نعتیہ اشعار کے بعد فہرست موضوعات کو ’’نور ونکہت‘‘ کے عنوان سے نمائندگی دی گئی ہے۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری کے اداریہ کے بعد ’’تحمید وتقدیس‘‘ کے عنوان سے حضرت سید علی حسین اشرفی کچھوچھوی، متین امروہی نئی دہلی اور رشیدہ عیاں نیوجرسی کے حمدیہ کلام شامل کئے گئے ہیں۔ ’’دبستانِ نعت‘‘ میں شامل مضامین کے دوسرے عنوان کو ’’تابشِ فکر ونظر‘‘ کی حیثیت دی گئی ہے، جس میں 11 مقالات کے ذریعہ صنف نعت اور مختلف اشخاص کی نعت گوئی پر تحقیقی مقالات کو شامل کیا گیا ہے، ڈاکٹر محمد آصف حسین مرادآباد، پروفیسر ابوسفیان اصلاحی علی گڑھ، پروفیسر فاروق احمد صدیقی مظفرپور، ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط مہاراشٹرا، تنویر پھول نیویارک، ڈاکٹر عزیز احسن، ڈاکٹر راہی فدائی بنگلور، ڈاکٹر ناصر الدین انصار امراوتی، رشید اختر خاں دھنباد، سید محمد مفیض الدین قادری، محمد علی صدیقی شیداء بستوی اور ابن فرید رامپور کے علاوہ ڈاکٹر آصف آور گلاسکو نے علاقوں میں نعت جیسے روہیل کھنڈ اور اودھی میں نعت کی صنف کا جائزہ لیا ہے اور مختلف شاعروں کی نعت گوئی کی امتیازات کی حقیقت واضح کی ہے، انگریزی ادب میں نعت گوئی اور نعتیہ کلام میں غلو کی حقیقت کو بھی ان مقالات کا وصف بنایا گیا ہے۔ ہندوستان میں حمد ونعت کی تحقیق وتنقید کے علاوہ حسن نعت کے مختلف پس منظر اور پیش منظر کے رُجحانات کو اس ضخیم کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ ’’دبستانِ نعت‘‘ کی فہرست ’’ ’’نور ونکہت‘‘ کا تیسرا موضوع ’’افکار روشن‘‘ کی نشاندہی کرتا ہے، جس میں 24 مقالات کی ہمہ جہت نمائندگی ہوتی ہے۔ افکار روشن کے ذریعہ مختلف نعت گو شعراء اور اُن کے نعتیہ کلام کے تجزیاتی عمل کو نمائندگی دی گئی ہے، یہ کارنامے انجام دینے والے نعت کے محققین اور ناقدین میں مرزا ساجد حسین امروہہ، ڈاکٹر عبداللہ امتیاز احمد ممبئی، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری، یوپی، ڈاکٹر مقبول سلیم شیخ مہتاب، بیڑ مہاراشٹرا، علیم صبا نویدی، چنائی، ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی لکھنو، فراغ روہی، کلکتہ، پروفیسر محمد عبدالحمید اکبر، گلبرگہ، ڈاکٹر محمد شفیع سیتاپوری، یوپی، ڈاکٹر منظور احمد دکنی، گلبرگہ، پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی، بھاگلپور، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری، ڈاکٹر وسیم افتخار انصاری، برہان پور، ڈاکٹر جعفر جری، حیدرآباد، غوثیہ سلطانہ نوری، شکاگو، ڈاکٹر فراز حامدی، جے پور، فہیم بسمل، شاہ جہاں پور، فیروز احمد سیفی، نیویارک، شبیر شاہد پاکستان، ڈاکٹر مجیب شہزر، علی گڑھ، محمد کاشف رضا شاد مصباحی، گلبرگہ، صبیحہ تحسین، گلبرگہ، ڈاکٹر رضوان انصاری، سیتاپور،

ڈاکٹر سراج احمد قادری مدیر مجلّہ ان تینوں موضوعات کے احاطہ کے بعد ''دبستانِ نعت'' کی مجلس مشاورت نے یہ ضروری سمجھا کہ اس جریدہ کے دوسرے شمارہ کو پسند کرنے والے علمی وادبی اشخاص کے خیالات کونمائندگی دی جائے، چنانچہ ''زاویہ نگاہ'' کے عنوان سے ''دبستانِ نعت'' شمارہ۔۲ پر تنقید وتبصرہ کا حق ادا کیا گیا ہے۔ 9 ممالک کے نامور ادیبوں نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے، جن میں ''دبستانِ نعت'' کے دوسرے شمارے کی ادبی خصوصیت کی نمائندگی پر توجہ دیتے ہوئے اقبال اعظمی، گھوسی، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، مظفر پور، ڈاکٹر اشفاق انجم، مالیگاؤں، ڈاکٹر عزیز احسن، کراچی، تنویر پھول، نیویارک، قاری محمد رفیق قاضی، راجستھان، شہیر رضوی، کھیری یوپی، مقصود بستوی، جھانسی اور سلطان آزاد، پٹنہ کے خیالات شامل ہیں، جس کے بعد ''گلہائے عقیدت'' کے موضوع کے تحت 28 شاعروں کی نعتوں کو یکجا کیا گیا ہے، جن کے نعتوں کے مصرعے لکھ کر بھرپور نمائندگی دی گئی ہے۔ اس کتابی سلسلے کے مجلّے میں فارسی اور اُردو نعتوں اور نعتیہ رباعیات کے ساتھ ساتھ شہر مدینہ اور شہر مکہ کے روحانی جلوؤں کو بھی شاعری میں سمیٹ لیا گیا ہے۔ عبدالقادر بے دل، قیصر امین پوری، محمد حسین کشفی، ڈاکٹر عزیز احسن، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، شاہ حسین نہری، فیروز ناطق خسرو، خان حسنین عاقب، یاور وارثی، مجاہد سید، محمد علی صدیقی شیدا بستوی، حاجی نثار احمد عارف خیر آبادی، شارق عدیل مارہروی، اظہر عنایتی رامپور، سہیل کاکوروی، عرش صہبائی جموں، ریحانہ عاطف خیر آبادی سیتاپور، انجنا کشش فتح پور، مدہوش بلگرامی، ڈاکٹر عزیز خیر آبادی، ڈاکٹر شاہ نہال مخدومی، نندلوری، ڈاکٹر جعفر جری، اسلم عمادی، الحاج حبیب عبدالرحمٰن حبیب، ڈاکٹر وحید انجم، حلیم صابر، مولانا عابد رضا اور پروفیسر طرزی کے نعتیہ کلام میں ڈوبی ہوئی عقیدت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ''دبستانِ نعت'' کے کتابی سلسلے میں عقیدت کی حدت ہی نہیں بلکہ جذبہ کی شدت اور اظہار کی روشنی بھی دکھائی دیتی ہے، اس لیے اس کتابی سلسلہ کے آخری حصہ میں ''ستائش نامے'' کے زیرِ عنوان 12 اہم علم وفن کے دانشوروں کے تاثرات کو شامل کیا گیا ہے، جن میں آفاق فاخری جلال پور، شارق عدیل مارہرہ، پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد اللہ مہاراشٹرا، شہیر رضوی کھیری، سلطان آزاد پٹنہ، مفتی توفیق احسن برکاتی اعظم گڑھ، پروفیسر ڈاکٹر عبدالحق نئی دہلی، حاجی سید محمد مفیض الدین قادری شاہ جہاں پور، پروفیسر ڈاکٹر علی بیات تہران، ڈاکٹر وحید انجم گلبرگہ، عرش صہبائی جموں، پروفیسر مقصود احمد بڑودہ، کے مکتوبات کو شامل کیا گیا ہے، اس وقیع اور دل کی دنیا کو سنوارنے والے شمارے کا ہدیہ صرف پانچ سو روپے مقرر ہے، جسے حاصل کرنے کے لیے نعت ریسرچ سنٹر انڈیا محلّہ بنجریہ ویسٹ خلیل آباد، ضلع سنت کبیر نگر، خلیل آباد، پن

کوڈ-272175، اتر پردیش، انڈیا سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔راست رابطہ قائم کرنے کے لیے موبائل نمبر 9450875761 اور 8423837205 سے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ دو ای میل آئی ڈی : drsiraj123@gmail.com اور anees11435@gmail.com کے توسط سے اپنے خیالات اور نظریات کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ ہندوستان کی سرزمین سے مخصوص مذہبی طور پر شہرت رکھنے والی صنف شاعری پر خصوصی شمارہ شائع کر کے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ اس جمہوری ملک میں خدا نے ڈاکٹر سراج احمد قادری اور فیروز احمد سیفی ہی نہیں بلکہ سید صبیح رحمانی کے دلی جذبات کو وسعت دینے کا موقع فراہم کیا ہے، جس کی وجہ سے نہ صرف آخرت کے سنور نے کے امکانات شدید ہو جاتے ہیں، بلکہ ایمان کی تازگی کا موقع بھی حاصل ہو جاتا ہے، غرض ’’دبستانِ نعت‘‘ کا خصوصی شمارہ ایمان کی جلا بخشنے اور ہر مومن کو گناہوں سے نجات دلانے کا بہت بڑا وسیلہ ثابت ہوگا۔اس جریدہ کے کارپردازوں کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے توقع کی جاتی ہے کہ مستقبل میں بھی اس سلسلہ کو جاری رکھ کر حبِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حق ادا کرنے اور خدا سے راست رابطہ جوڑنے کے اس وسیلہ سے ساری دنیا کی امت محمدی میں نئی سرگرمی اور جدید فکر کی خصوصیات کے ساتھ ساتھ اتحاد کی فضاء بھی ضروری پیدا ہوگی اور اس کتابی سلسلے کا مطالعہ بخشش کا وسیلہ بن جائے گا۔

☆☆☆

فاروق جائسی (کان پور)

دبستان ت شمارہ ۳ پر طائرانہ نظر

ہر ایک کے لئے یہ گل نہیں کھلا ہوا ہے
جسے یہ فیض ملا ،بس اسے ملا ہوا ہے

قابلِ مبارکباد ہیں جناب فیروز احمد سیفی اور ڈاکٹر سراج احمد قادری کہ اللہ نے ان کے حصہ میں خدمتِ نعت ودیعت فرمائی۔ ویسے تو بے شمار صاحبان ثروت ہیں مگر خدمتِ ترویج و اشاعت نعتِ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سعادت کسی کسی کو حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور ''دبستانِ نعت'' کے معاونین کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

''دبستان نعت'' کا متذکرہ ضخیم شمارہ ۶۴۰ صفحات پر جلوہ فگن ہے۔ یہ شمارہ اور بھی پروقار ہو گیا ہے کہ اس پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب کے توصیفی کلمات شامل ہیں۔ اس شمارہ کی دیگر خصوصیات کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جہاں جہاں عربی اور فارسی اشعار یا متون آئے ہیں وہاں وہاں سلیس اردو میں ان کا ترجمہ شامل کر دیا گیا ہے تا کہ قاری کو تفہیم میں کوئی دشواری نہ ہو۔

دبستان نعت کے مدیر ڈاکٹر سراج احمد نے پرمغز اداریہ سپردِ قلم کیا ہے۔ ان کی تحریر سے یہ اطلاع فراہم ہوتی ہے کہ ہندوستان کی کئی یونیورسٹیز میں نعت کو بطور مضمون شامل کر لیا گیا ہے جن میں روہیل کھنڈ یونیورسٹی شامل ہے۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ نعت کے سلسلہ میں بنیادی تنقیدی اصول وضوابط کو اہل نظر طے کریں تا کہ اردو نعت بحیثیت صنف سخن اور بھی نکھرتی رہے۔ مدیر موصوف نے نعت کے تنقیدی اصولوں پر روشنی ڈالتے ہوئے حمد و نعت کی شرعی تنقید، حمد و نعت میں استعمال روایت و واقعات کی تنقید، حمد و نعت میں استعمال ہونے والے الفاظ کی تنقید اور حمد و نعت کی فنی تنقید کو بنیادی اہمیت دئے جانے کی وکالت کی ہے اور ان میں ان تبدیلیوں کا خیر مقدم بھی کیا ہے جو حمد و نعت کی تنقید میں مثبت پہلوؤں کی حامل ہوں۔ ''دبستان نعت'' اپنے موقر مضامین اور معیاری نعتوں کے حوالہ سے بین الاقوامی اہمیت کا حامل ہو گیا ہے۔ جس کی بازگشت ہندوستان اور پاکستان کے شہروں اور قریوں سے نکل کر نیو

جرسی، نیویارک اور شکاگو تک میں سنی جارہی ہے۔ وہاں مقیم شاعروشاعرات اردو مراکز سے دور رہ کر بھی حمد ونعت کی شمعیں روشن کئے ہوئے ہیں۔ ان میں نیوجرسی میں مقیم شاعرہ رشیدہ عیاں بھی شامل ہیں۔

ہر چند کہ صبیح رحمانی صاحب کی ادارت میں شائع ہونے والا مجلّہ ''نعت رنگ'' بہت منفرد ہے مگر ''نعت رنگ'' کو جو آسانیاں پاکستان میں حاصل ہیں وہ ہندوستان میں ''دبستان نعت'' کے پاس نہیں ہیں۔ اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ ''دبستا نعت'' کی اشاعت زیادہ مشکل ہے جسے محترم فیروز احمد سیفی اور ڈاکٹر سراج احمد قادری آسان بنائے ہوئے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے نعت کہنے والے اور نعت پڑھنے والے حضرات اس طرف اپنی توجہ مزکور کریں تا کہ سعادتِ دارین کے مستحق بن جائیں۔

شمارہ کی ابتدا میں متین امروہوی کی نعت بھی شامل ہے، جو غالب کی زمین میں ہے۔ سوال کے طور پر ایک شعر؛۔

''یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔۔۔۔۔ تو کہاں ہے ترا پتا کیا ہے'' کے بعد جواب کے طور پر بارہ اشعار کی حمد موجود ہے جس میں اللہ کی نشانیوں کا ذکر ہے، جن پر غور کرنے سے اس کے ہونے کی دلیلیں صاف نظر آتی ہیں۔

جو بھی مضامین شامل اشاعت ہیں ان پر تبصرہ کے لئے پورا پورا مضمون چاہئے۔ اجمالی طور پر میں کہہ سکتا ہوں کہ ڈاکٹر محمد آصف حسین کا مضمون ''اردو کا اوّلین ناقد؛ تمنا مرادآبادی''، نعت کی تنقید کے سلسلہ میں تاریخ کے کئی ابواب وا کرتا ہے اور اس سلسلہ میں ابتدائی تنقیدی اصولوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ہاشم رفاعی متوفی ۱۹۳۶ء کی عربی نعت اپنے زمانہ اور اپنے علاقہ کی نعت گوئی کا منظر نامہ پیش کرتی ہے۔ پروفیسر ابوسفیان اصلاحی نے اردو زبان میں اس نعت کا ترجمہ کر کے اسے اردو والوں کے لئے بھی افادیت کا حامل بنا دیا ہے۔

پروفیسر فاروق احمد صدیقی نے حضرت آسی غازی پوری کے اشعار پیش کرتے ہوئے کچھ نقادوں کے انداز بیان پر گفتگو کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نعت سے عناد رکھنے والے لوگ صاف ستھرے اشعار میں ذرا سی تبدیلی سے شعر کو قابل اعتراض بنا دیتے ہیں اور پھر اس پر منفی تنقید کا محل تعمیر کرنے لگتے ہیں جیسے آسی غازیپوری کا شعر ''وہی جو مستویِ عرش ہے خدا ہو کر۔۔''

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط نے اپنے مضمون ''محسن کے قصیدۂ مدیح خیر المرسلین کی ہندوئی اصطلاحات'' کو جائز ٹھہراتے ہوئے کئی قصائد کا حوالہ دیا ہے جن میں علاقائی اصطلاحات کو شامل کیا گیا ہے۔ تشبیب میں اس طرح کے مضامین کی شمولیت ابتداء سے ہوتی آئی ہے۔

تنویر پھول نے ''ہندوپاک میں فروغ نعت کی کوششوں کا اجمالی جائزہ'' لیا ہے۔

ڈاکٹر راہی فدائی نے ''نعتیہ کلام میں غلو کی حقیقت'' پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور اس پیرایہ بیان سے بچنے کی وکالت کی ہے جس سے عام قاری تذبذب کا شکار ہوسکتا ہے۔ ہر چند کہ اس سلسلہ میں قدماء کا جو کلام قابل اعتراض بتایا جاتا ہے اس میں کوئی جان نہیں نظر آتی۔ جب کوئی یہ ہی نہیں بتا سکتا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علوئے مرتبہ کیا ہے تو اس بات کا تعین کیسے کیا جاسکتا ہے کہ اب غلو کی سرحدیں شروع ہوگئی ہیں۔

ابن فریدِ رام پوری کا مضمون ''اودھی میں ایک نیا رجزیہ'' بڑے مزے کی تخلیق ہے جسے مائل صاحب نے تخلیق کیا ہے۔ ہر چند کہ اس سے قبل اودھی زبان میں ملک محمد جائسی کی مشہور تصنیف ''پدماوت'' موجود ہے جس میں رجزیہ بھی شامل ہے۔ اودھی زبان میں مائل صاحب کا ''حمزہ کانڈ'' اسی وزن میں ہے جس وزن میں آلھا اودل کے ''آلھا'' تخلیق کئے گئے ہیں۔ یہ دونوں بھائی اپنی شجاعت کے لئے بہت مشہور ہوئے۔ آلھا میں انہیں دونوں سپہ سالاروں کی بہادری کا بیان ہوتا ہے۔ میں نے اپنے بچپن میں آلھا کی محفلوں کا لطف لیا ہے۔ میں آلھا گانے والوں کی یادداشت اور ان کے طرزادا سے بہت متاثر ہوں۔ آج بھی میرے ذہن میں یہ دو مصرعے گونجتے ہیں:۔

آلھا اودل نے للکارا دشمن کھبردار ہوئی جائے
اک کا مارن دوی کا مارن تسرا کھوپھ کھائے مری جائے

بہرحال ''حمزہ کانڈ'' جو عہد نبوی اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت کا آئینہ دار ہے بڑی مزے کی تخلیق، اس کی روانی اور ان میں اودھی لفظیات کا خلاقانہ استعمال اس رزمیہ کی جان ہے۔ میں ابن فرید کی اس رائے سے متفق ہوں کہ اودھی زبان کے ساتھ عہد مغلیہ میں معاندانہ رویہ اپنایا گیا جس سے یہ شیریں زبان تنزل کا شکار ہوگئی۔ میں مائل صاحب کی زیر تصنیف رجزیہ ''غزوۂ احد'' کی اشاعت کا منتظر رہوں گا۔

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری کے میرے استاذ علامہ کوثر جائسی مرحوم سے گہرے مراسم تھے۔ یہ نعت کے سلسلہ میں بہت فعال رہے ہیں، اگر میں یہ کہوں کہ ''عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں'' تو مبالغہ نہ ہوگا۔ ڈاکٹر موصوف نے فتحپور کے شعراء نیاز احمد شمیم، وحیدالدین خاں متین، علامہ شارق ایرایانی، غلام مرتضیٰ راہی، طاہر فتح پوری، حباب ہاشمی، جلیل فتحپوری، ظفر اقبال ظفر، قمر صدیقی، ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد، شاعر فتحپوری، اختر شاہی، مظفر حنفی، طارق ایرایانی، وارث انصاری، کنور فاروق، سہیل احمد

سہیلؔ وغیرہ کی شخصیت اور کلام کا بہترین تعارف پیش کیا ہے۔

فراغؔ روہوی کا مضمون "**طلع البدر علینا**" عبدالمنان طرزی کے مجموعہ کلام کے سلسلہ میں عمدہ تحریر ہے۔

فہیم بسملؔ نے شاہجہاں پور کے چار شعراء کو دبستان نعت کے قارئین سے روشناش کرانے کا مستحسن کام انجام دیا ہے۔ شاہجہاں پور کے شعراء ہر دور میں بہترین شعری اور نثری تخلیقات سے اردو ادب کو مالا مال کرتے رہے ہیں۔ انہیں شعراء میں حنیفؔ اسدی، خیالؔ مینائی، نظیرؔ شاہجہاں پوری اور کوثرؔ شاہجہاں پوری خصوصیت کے حامل ہیں۔

عبدالرؤف خیر اور حافظ کرناٹکی کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حضرات ایک خاص عقیدہ رکھتے ہیں جو عام سنی العقیدہ شعراء اور ادباء سے میل نہیں کھاتا، پریشانی کی بات یہ ہے کہ یہ اپنے موقف سے سرِ مو ہٹنے کے لئے تیار بھی نہیں ہوتے خواہ کتنی بھی دلیلیں دی جائیں۔ حدیث قدسی "**لولاك لما خلقت الافلاك**" کے سلسلہ میں اقبال اعظمی صاحب نے سات کتابوں سے سندیں دی ہیں مگر مجھے امید نہیں کہ رؤف صاحب اسے اب بھی حدیث قدسی مان لیں گے۔

اقبال اعظمی، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، ڈاکٹر اشفاق انجم، ڈاکٹر عزیز احسن تنویر پھول اور قاضی محمد رفیق فائزؔ فتح پوری صاحبان نے دبستان نعت۔۲ کا عمیق مطالعہ کیا اور کمپوزنگ کی وہ اغلاط بھی دائرۂ تحریر میں لانے سے نہیں چوکے جن سے صرف نظر کیا جاسکتا تھا، اپنا اور قارئین کا وقت اور دبستاں نعت کے بہت سے اوراق بچائے جاسکتے تھے، بالفاظ دیگر ان حضرات نے بال کی کھال نکال لی ہے۔ بہت سے مقامات پر میں ان حضرات سے متفق نہیں ہوں۔ بس اقبال اعظمی صاحب کی تحریر سے ایک دو مثالیں دوں گا کہ انہوں نے بہت ہی شستہ اور مہذب پیرایہ بیان اختیار کیا ہے۔ دیگر حضرات کی تحریریں شمشیر براں نظر آتی ہیں:-

اقبال اعظمی صاحب صفحہ۳۵۴ پر رقمطراز ہیں:-

''علامہ اقبال کا شعر: (اداریہ، ص۔۱۱)

نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

دوسرے مصرعے میں ''ش'' مکسور ہے ساکن ہونا چاہئے''۔

مجھے عرض کرنا ہے کہ یہ ساکن ہی نظم ہوئی ہے۔ یہاں اس شعر کا بحر اور وزن بتانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

(صفحہ۴۵۴ پر) ''اس کے جائز مقام و مرتبے کا تعین ہے۔ (اداریہ، ص۔۱۲)''۔

تعین کو اقبال اعظمی صاحب مذکر بتاتے ہیں اور فیروز اللغات کا حوالہ دیتے ہیں۔ میرے سامنے بھی فیروز اللغات ہے اس میں لفظ ''تعین'' کو صاف طور پر مذکر لکھا گیا ہے۔ (مطبوعہ فیروز سنز، لاہور)۔ میں سمجھتا ہوں اعتراض برائے اعتراض کی روش اختیار کی گئی تو ہم اپنی اس منزل مقصود و ثواب سے دور جا پڑیں گے جس کے حصول کے لئے یہ رسالہ جاری کیا گیا ہے نیز یہ رسالہ نقادوں کے لئے اپنی اپنی قابلیت دکھانے کا میدان بن کے رہ جائے گا۔ قاری محمد رفیق فائزؔ فتح پوری کی تحریر بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ بہت ہی متوازن، با مقصد، مدلل اور معلوماتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ مندرجہ بالا مصنّفین سے پروف ریڈنگ کی درخواست کی جائے اور کچھ کچھ حصوں کے پروف ریڈنگ کی ذمہ داری ان بالغ نظر حضرات کو سونپ دی جائے اگر یہ حضرات اس کار خیر کی طرف توجہ دیں گے تو ''دبستان نعت'' کمپوزنگ کی اغلاط سے پاک ہو جائے گا۔

وہ سارے حضرات جو ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں اپنے قلم کی روشنائی اور غور و فکر میں اپنا خونِ جگر صرف کرتے ہیں، قابل احترام ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ ہماری پریشانی یہ ہے کہ جہاں کسی غیر مسلم شاعر کی نعت سامنے آئی پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے۔ ہمیں کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے ان ثناخوانوں کو انعامات سے نوازیں گے یا نہیں۔ ان حالات میں ''احسان کا بدلہ احسان ہے'' والی آیت ہمارے سامنے رہتی ہے۔ پھر ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمت اللعالمین ہیں صرف رحمت للمسلمین نہیں۔ کیا پتہ کہ حضرات دلو رام، سرکشن پرساد شادؔ، کالیداس گپتا رضاؔ، کرشن کمار طورؔ، کرشن بہاری نورؔ، تلک راج پارسؔ اور چندر بھان خیالؔ جیسے غیر مسلم شعراء جن کے نعتیہ مجموعات میں ایک سے ایک بڑھ کر نعتیں ہیں، کے کلام کو اللہ تعالیٰ شرف قبولیت بخش دے۔

دبستان نعت۔۲ کا ''عمیق مطالعہ'' کرنے والے ایک صاحب نے حضرت ابو طالب کے نام کے ساتھ ''حضرت'' لکھنے پر بھی اعتراض کیا ہے کیا ستم ہے کہ مسلم اور غیر مسلم شاعروں اور عزت مآب شخصیتوں کے نام سے قبل تو حضرت لکھا جائے اور اس عظیم شخص کے نام کے ساتھ حضرت نہ لکھا جائے جس نے اپنی پوری زندگی ہی نہیں اپنا سب کچھ اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اس کے دین پر قربان کر دیا ہو۔ یہ حضرت ابو طالب ہی ہیں جن کے نعت کا پورا دیوان موجود ہے۔ ان کے نام کے ساتھ جو ''حضرت'' لکھنے پر اعتراض کرے اس سے زیادہ شقی القلب اور احسان فراموش کون ہوسکتا ہے۔

''دبستانِ نعت'' کا شعری حصہ بھی بہت خوب ہے مگر اس معیار کی نعتیں فراہم کرنے میں ابھی کامیابی نہیں حاصل ہوئی ہے جس معیار کا نثری حصہ ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ ہندوستان میں عمدہ نعت تخلیق کرنے والوں کا فقدان ہے۔ اس سلسلہ میں ابھی اور کوشش کی جانی چاہئے۔ متذکرہ شمارہ میں محترم یاور وارثی، محمد علی شیدا بستوی، اسلم عمادی، پروفیسر طرزی، ڈاکٹر عزیز خیر آبادی اور اظہر عنایتی کی نعتیہ تخلیقات دل کو چھوتی ہیں۔ شارق عدیل کی صرف دو رباعیات نے نعتیہ رباعیات کے لئے تشنگی بڑھا دی ہے۔

مندرجہ ذیل اشعار میں کمپوزنگ کی اغلاط ہیں جس سے مصرعے بحر سے خارج ہو گئے ہیں؛۔

بصد ادب استغاثہ اپنا یہ بارگاہِ کریم میں ہے بروز محشر بحق سرور ہو مومنوں ۔۔ ذہن گلابی
(پروفیسر فارق احمد)

مجھے کسی وسیلے کی حاجت نہیں رہی مدہوش مل گیا جو وسیلہ رسول کا
(مدہوش بلگرامی)

آپ ہیں ختم رسل اور آپ ہیں خیر البشر آپ کی بعثت سے ہوئی زندگانی معتبر
(انجنا کشش)

دل وجد میں ہے اب تک اور جسم بھی روشن ہے واللہ اب ملنے کے آثار نظر آئے
(عابد رضا)

عابد رضا بھی ان کا ادنیٰ سا ہے شیدائی دونوں ۔۔ جہاں جن کے غم خوار نظر آئے
(عابد رضا)

اے بنا ۔۔ وجہِ امکاں الصلوٰۃ والسلام مہبطِ آیاتِ قرآں الصلوٰۃ والسلام
(پروفیسر طرزی)

نا تواں کے ہیں زور دست و پا اے انیس بے انیساں الصلوٰۃ والسلام
(پروفیسر طرزی)

یا محمد کا کیا ورد تو طوفان تھما، میں نے ساحل سے لگا اپنا سفینہ دیکھا
یک بیک یوں ہوا خوشبو سی فضا میں پھیلی جسم اطہر۔ جو رفقا نے پسینہ دیکھا
(ڈاکٹر وحید انجم)

☆☆☆

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم (نئی دہلی)

دبستان نعت (۳) ایک مطالعہ

دبستان نعت کا تیسرا شمارہ راقم کے پیش نظر ہے اس شمارہ میں تحمید وتقدیس، تابش فکر ونظر، افکار روشن اور زاویہ نگاہ کے عنوان سے ارباب دین ودانش کے نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے عالمانہ، ناقدانہ اور مفکرانہ نگارشات پیش کی ہیں، گلہائے عقیدت کے عنوان سے شعرا کے منظوم کلام ہیں، ستائش نامے جس میں اس دبستان نعت کے مدیر ڈاکٹر سراج احمد بستوی کی کاوشوں کو سراہا گیا ہے اس کے لئے آخر کے صفحات مخصوص ہیں، اس طرح یہ شمارہ ۶۴۰ صفحات پر پھیل گیا ہے۔ اس شمارہ کا انتساب ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری سے کر کے مدیر مجلّہ نے جس اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے وہ قابل ستائش ہے، ڈاکٹر سید رفیع الدین ناگپوری سے میں اسی وقت سے واقف ہوں جب بیسویں کی نویں دہائی میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں زیر تعلیم تھا وہ ہمارے شعبہ عربی میں ممتحن بن کر اکثر آیا کرتے تھے، لمبی شیروانی پر لال ترکی ٹوپی خوب جچتی تھی اور اسی سے وہ مشہور تھے اور یہی ان کی شناخت تھی، اس شمارہ کے ذریعہ معلوم ہوا کہ وہ ۲۷ر نومبر ۲۰۱۷ء کو اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے اللہ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا فرمائے، آمین۔

اس شمارہ کے بالاستیعاب مطالعہ کا موقع تو فراہم نہ ہو سکا البتہ جستہ جستہ جتنے مقالات ومضامین میری نظر سے گذرے ہیں سب ہی یا تو محققانہ ہیں یا پھر ناقدانہ سب سے بڑھ کر تو اداریہ ہے جس میں مدیر دبستان نعت نے تمام مطبوعہ مضامین کا عرق کشید کر لیا ہے جس کی بنیاد پر وہ یہ کہنے میں بلاشبہ حق بجانب ہیں۔

> ''دبستان نعت کا یہ شمارہ مشک وعنبر سے کہیں زیادہ خوشبودار اور گل تر سے بھی زیادہ تر وتازہ ہے۔'' (ص ۲۰)

داکٹر محمد آصف حسین کا مضمون اردو نعت کا اولین ناقد۔تمنا مرادبادی، بلاشبہ معلوماتی ہے انھوں نے دیوان حمد اور دیوان نعت لکھ کر دنیا کے شعر وسخن میں بلاشبہ ایک تاریخ رقم کی ہے ان کی شاعرانہ عظمت

کے اعتراف میں ڈاکٹر حبیب الرحمان رحیمی کی یہ تحریر کچھ کم اہمیت کی حامل نہیں وہ فرماتے ہیں۔

''ان (تمنؔا مرادبادی) کے نعتیہ دیوان نے اردو ادب میں نعت کی فضا کو مزید عام کیا اور ایسا ماحول پیدا کیا کہ ان کے بعد امیؔر مینائی اور محسؔن کاکوروی جیسے شعرائے نعت کو اپنا موضوع سخن بنایا اور اسے ایک صنف کا درجہ دلوایا''

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی کا تحقیقی مقالہ ''ہاشم رفاعی کی نعتیہ شاعری'' مصر کے دور جدید کے شعرا کی فہرست میں ہاشم رفاعی بحیثیت نعت گو کافی شہرت کے حامل ہیں چوں کہ زبان عربی ہے اس لئے برصغیر پاک وہند کے شعرا ان کی شاعرانہ عظمت سے زیادہ واقف نہیں، دبستان نعت میں اس مقالہ کی اشاعت بلاشبہ اردو نعت گو شعرا کے لئے اس لئے اہم ہے کہ اس سے ان کے افکار و نظریات سمجھنے میں مدد ملے گی، مقالہ کی خوبی یہ ہے کہ پروفیسر ابوسفیان اصلاحی نے بطور نمونہ ان کے نعتیہ اشعار ہی کو لکھنا صرف کافی نہیں سمجھا بلکہ ہر شعر کا اردو زبان میں ترجمہ کر کے غیر عربی داں شعرا کے لئے مزید آسانیاں پیدا کردی ہیں۔ اس مضمون سے اس بات کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ عرب شعرا اور غیر عرب شعرا کے موضوعات قدرے مختلف ہوتے ہیں اگرچہ دونوں شعرا کے یہاں مرکزی حیثیت رسول اکرم کی ذات گرامی ہی ہوتی ہے لیکن تعبیرات وتلمیحات میں نمایاں فرق رہتا ہے۔

پروفیسر فاروق احمد صدیقی نے حضرت آسؔی کی نعتیہ شاعری پر اپنی نگارشات پیش کی ہیں، یہ تو سب ہی جانتے ہیں حضرت آسی عالم ربانی اور صوفی باصفا پہلے اور شاعر خوش فکر بعد میں ہیں، مثل مشہور ہے "**كل شئى يترشح من الاناء بما فيه**" (برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو برتن میں ہوتا ہے)۔ ان کی شاعری مضامین تصوف سے لبریز ہے اسی لئے ان کے بعض اشعار آج بھی ارباب فہم وفراست کی گرفت سے باہر ہیں، اسی وجہ سے نہ جانے کس قدر ان پر طعن وتشنیع اور کفر وشرک کے تیر برسائے گئے اس ایک شعر ''اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفےٰ ہوکر'' کے تعلق سے حضرت آسؔی نے تو پہلے سے ہی پیش گوئی فرمادی تھی انھوں نے دیوان آسؔی ''عین المعارف'' کے مولف حضرت سید شاہد علی سبز پوش سے فرمایا تھا:

''میاں شاید جہلا اس شعر پر اعتراض کریں گے مگر ان کے اعتراض کا جواب مصرعہ اولیٰ ہی میں موجود ہے مکمل شعر اس طرح ہے۔

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہوکر　　اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفےٰ ہوکر

اس شعر کے تعلق سے لوگوں نے اپنی کم فہمی کی بنیاد پر ''وہی جو مستوی عرش ہے'' کے بجائے ''وہی جو مستوی عرش تھا'' پڑھ کر مفہوم کو داغدار بنادیا ہے پہلی صورت میں مطلب بالکل واضح ہے کہ

خداوند قدوس جو عرش پر مستوی ہے اس کا مدینے میں اتر نا باعتبار نزول صفات کے ہے، جیسے کہ آفتاب آئینے میں اترتا ہے آفتاب کا عکس پانی میں نظر آنا، یا آئینہ میں نظر آنا اس بات کی دلیل ہرگز نہیں ہوسکتی کہ آفتاب اپنے وجود سے محروم ہوگیا ہے بلاشبہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ذات الٰہی کا پرتو ہے جس کا ذکر اکثر علماء وفقہاء نے اپنی کتابوں میں کیا ہے اسی مفہوم کو حضرت آسیؔ غازیپوری نے شعر کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے جسے کم فہم حضرات آئے دن اپنی کم فہمی کی بنیاد پر شاعر کو اپنی طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے رہتے ہیں۔

دبستان نعت کے مدیر نے جس تحقیقی اور ادبی مقالات سے اس دبستان کو زینت بخشی ہے ان میں کا ہر ایک مقالہ قابل مطالعہ اور معلومات میں اضافہ کا باعث ہے چاہئے تو یہ تھا کہ ہر مقالہ کو پہلے انہماک کے ساتھ پڑھا جاتا پھر اس پر کوئی رائے قائم کی جاتی مگر ہر مضمون پر رائے دینے کا حوصلہ اور وقت کہاں سے لاؤں اور پھر بھی یہ کام تو اہل نقد ونظر کا ہے ہمیں تو اس کے مطالعہ سے اپنی معلومات میں اضافہ مقصود ہے بس! جسے میں گاہے گاہے کرتا رہتا ہوں اور اہل علم وادب نے اس طرف توجہ بھی کی ہے۔ اقبال اعظمی، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، ڈاکٹر اشفاق انجم (مالیگاؤں) ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی) تنویر پھول (نیویارک) محمد رفیق قاضی فائزؔ فتح پوری (راجستھان) اور شہیرؔ رضوی (کھیری) نے ''دبستان نعت شمارہ ۲ کا نہ صرف عمیق مطالعہ پیش کیا ہے بلکہ طویل ناقدانہ تبصرے بھی کئے ہیں۔

جملہ مقالات کے عناوین سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دبستان نعت میں بڑی جامعیت ہے، نعت نگاری اور ہندوستان بھر کے قدیم وجدید نعت گو شعرا کے افکار وابعاد پر مقالہ نگار حضرات نے جس بصیرت کے ساتھ اپنے خیالات کا جامہ پہنایا ہے وہ یقیناً قابل ستائش ہے اور لائق داد ہے، چوں کہ ضلع کی جغرافیائی تقسیم کے بعد اب راقم ضلع سدھارتھ نگر کا باشندہ ہوگیا ہے مگر وطنی تعلق تو پہلے ضلع بستی سے ہی تھا اس لئے دبستان نعت میں مدیر ''دبستان نعت'' کا مقالہ میری دلچسپی کا موضوع بنا اور اسے انہماک سے پڑھنے کے بعد اپنے ہی ضلع کی ادبی سرگرمیوں کا علم ہوا جس کے لئے مدیر مجلّہ بلاشبہ داد وتحسین کے ساتھ ساتھ شکریہ کے بھی مستحق ہیں۔ بسملؔ بستوی، افتخار علی عزیزؔ، ڈاکٹر اخترؔ بستوی، علامہ اسلمؔ بستوی، صابر القادری نسیمؔ بستوی، محمد علی شیداؔ بستوی، قمر الحسن قمرؔ بستوی، مجیب اللہ مجیبؔ بستوی، عتیق الرحمان عتیق آثرؔ، معین الاسلام صوفیؔ بستوی، طاہر القادری کلیمؔ فیضی کے ذکر اور ان کے سخنورانہ صلاحیت سے واقفیت ہوئی، ان میں بیشتر شعرا سے ملاقات تو پہلے سے ہی ہے البتہ جو دوایک قدیم شعرا ہیں ان کے بارے میں میری معلومات ناقص تھی، جہاں تک رہی بات ڈاکٹر اختر بستوی اور علامہ

اسلم بستوی کی تو ان دونوں حضرات سے راقم کے نہ صرف ادبی مراسم تھے بلکہ ضلع بستی کا نام ادبی دنیا میں متعارف کرانے میں ہم تین ارواح ثلاثہ کا ایک معاہدہ بھی تھا اور منصوبے کے مطابق سب نے کام شروع بھی کر دیا تھا، راقم کی کتاب ''تذکرہ علمائے بستی'' جو ۱۹۸۷ء میں ٹانڈہ ضلع فیض آباد سے شائع ہوئی تھی اسی مہم کا ایک حصہ اور اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی، یہ بات اس وقت کی ہے جب راقم السطور قلمی دنیا میں غلام یحییٰ انجم بستوی سے متعارف تھا مگر جب یہ دونوں حضرات ضلع بستی کے ادبی افق پر ایک عرصہ تک روشن و تابندہ رہنے کے بعد نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور راقم السطور بھی جغرافیائی تقسیم کے باعث ضلع بستی سے جدا ہو گیا تو وہ سارے کے سارے منصوبے طاق نسیاں کی زینت بن گئے اور بستوی کا لاحقہ بھی نام سے نہ جانے کب جدا ہو گیا اس کی جدائیگی کے بعد نام نے کوئی لاحقہ قبول نہ کیا۔ مشاہدی، مصباحی اور ادریسی کا لاحقہ بھی احباب کی کوششوں کے باوجود بھی نام کا حصہ نہ بن سکا۔

مسئلہ یہاں لاحقہ اور سابقہ کا نہیں بلکہ ضلع کی ادبی سرگرمیوں کا ہے جس کی طرف ڈاکٹر سراج احمد بوری طرح منہمک ہیں اور ایسے نایاب موتی تلاش کر کے لاتے ہیں جس کی تابانی سے طبیعت باغ باغ ہو جاتی ہے۔ اگر اس طرح ہر ضلع میں کچھ حضرات تلاش و جستجو کر کے گمنام شعرا کو منظر عام پر لائیں اور دبستان نعت کے ذریعہ ارباب علم و ادب کے مطالعہ کے میز تک پہنچائیں تو یہ نہ صرف بڑا کام ہوگا بلکہ اس طرح ادبی سرمایہ کا بڑا ذخیرہ ضائع ہونے سے بچ جائے گا ہمارے خیال سے دبستان نعت کے قارئین اس پہلو پر بھی سنجیدگی کے ساتھ غور کریں گے۔

☆☆☆

علامہ عتیق اثر ندوی (سنت کبیر نگر)

''دبستانِ نعت'' ایک قاموسی مجلّہ

مدیر دبستانِ نعت ڈاکٹر سراج قادری حفظہ اللہ سے میری پہلی ملاقات حافظ عبدالاحد (اسراشہید) کے واسطے سے ان کی آفس میں ہوئی۔ آپ محکمۂ پولیس کی ایس۔ پی۔ آفس میں برسرِ ملازمت ہیں۔ حیرت ہوئی کہ یہاں کی اخلاق واطوار کی اس بحرانی فضا میں ایک شخص اسلامی وضع قطع میں اپنی شرطوں کے ساتھ جی رہا ہے، بلکہ وقار اور سنجیدگی کے ہالہ میں مخصوص شناخت کے ساتھ اپنے فرض کی انجام دہی میں مصروف ہے اور پھر اس کے بعد خلیل آباد میں آپ کی قیام گاہ پر بھی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ خوش خلقی اور خوش طبعی کے ایک غیر مصنوعی رچاؤ اور ادبی، علمی اقدار کی پاسبانی کے اعتبار واعتماد کی سچی مثال دیکھنی ہو تو حضرت سراج قادری سے ملئے۔

میدانِ کار کے اس صحرائے ریگزار میں ادب والفت کی تراوش اور اپنی تازہ کارء زبان وبیان سے اصحابِ ذوق کے دل ونگاہ کی آبیاری بس انہیں کا کام ہے۔ اس محکمہ کے انتہائی غیر ادبی اور تہذیبی ماحول میں اپنی ادبی اور تہذیبی مثالی سرگرمیوں کو علاحدہ رکھ کر جینے اور کچھ کرگزرنے کا ہنر آپ ہی کو آتا ہے۔

کتابوں کی تصنیف کے علاوہ علمی سیمیناروں میں شرکت کے اسفار اس پر مستزاد ہوا کرتے ہیں، نیز مخلص دوستوں سے ملاقات کا وقت بھی ان کے قیمتی اوقات کی ترتیب میں شامل رہتا ہے، اسی ذیل میں ہماری جامعہ میں بھی ایک بار اپنے شرفِ حاضری سے ہمیں نواز چکے ہیں۔

نعت نبی سے والہانہ شیفتگی کس مسلمان کو نہ ہوگی مگر اس باب میں جوشِ عقیدت اور طغیانی محبت کا ہی کرشمہ ہے کہ موصوف نے اس صنفِ پاکیزہ پر ایک تفصیلی کار پردازی کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیا ہے۔ ان کے ہمراہ ایک معتبر ٹیم ہے جو مختلف ممالک میں مقیم افراد پر مشتمل ہے۔ بالخصوص نعت ریسرچ سینٹر (کراچی) کے مؤسس سید صبیح رحمانی صاحب، صاحبِ ''نعت رنگ'' اور اس کے

سرپرست ڈاکٹر سید حسین احمد صاحب، اس کے نگراں فیروز احمد سیفی (نیویارک) اور پوری باوقار مجلس مشاروت کی رہنمائی اور معیت میں یہ کارِ مبارک جس حوصلے اور خوبصورتی سے آگے بڑھ رہا ہے اپنی مثال آپ ہے اور لائق صد مبارک باد بھی کیوں کہ کوئی بھی فنی اور ہنرورانہ کام بجائے خود ایک سعی محمود ہوسکتا ہے لیکن ناکامی کی صورت میں اس کی محنت کی رایئگانی اور دنیوی ناپزیرائی پر اخروی کامیابی کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی مگر نعتِ رسول کی شاہراہ کے راہی کو نہ کوئی تعب ہوتا ہے اور نہ درماندگی، اسے یقین واعتماد ہمیشہ مطمئن اور مسرور رکھتا ہے کہ کچھ اور نہ سہی اس کی عاقبتِ حسنہ کا خزانہ تو معمور ہو ہی رہا ہے اور ہم خرما وہم ثواب کا مژدۂ جانفزا سامنے ہوتا ہے۔ آپ نے دبستانِ نعت شمارہ دوم کے اداریہ میں لکھا بھی ہے کہ'' درحقیقت دبستانِ نعت کے جاری کرنے کا مقصد صرف ادب کے مطلع سے ایک ادبی جریدہ کا اجراء ہی نہیں بلکہ ایوانِ ادب میں ایک تحریک اس فکری شعور کے ساتھ پیدا کرنا ہے کہ''

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

[اقبال]

اس سے پہلے اگرچہ پاکستان سے رسالہ ''نعت رنگ'' کے شماروں نے مقبولیت کی زمین پھیلائی ہے اور اسے ادبی اعتبار فراہم کیا ہے لائق صد شکر ہیں اس کے مرتبین اور ان دونوں رسالوں کے شرکاء جو اس بات کے مستحق ہیں کہ تاریخ ادب نعت میں ان کے نام حروفِ زَر سے لکھے جائیں۔ مرورِ ایام اس کوششِ مبارک کی تابانی میں اضافے پر اضافہ کرے گا انشاءاللہ کیوں کہ یہ اثاثہ ایسی عالمی ملکیت ہے جو زمانہ کی قید سے آزاد ہے، اس کی شعائیں کائناتی ہیں۔

دبستانِ نعت یعنی حمد ونعتِ پاک کے اس قاموسِ اعظم (انسائیکلوپیڈیا) میں عربی، فارسی کی ابتدائی نعت نگاری سے لے کر تا حال اردو کے نعت گوشعرا تک کا احاطہ کیا جارہا ہے، یہ اصلاً ایک کتابی سلسلہ ہے جس کی تین ضخیم جلدیں اب تک منظر عام پر آچکی ہیں، جس کی پہلی جلد پر ششماہی تحریر ہے مگر بعد کی جلدوں سے ششماہی ہٹا دیا گیا ہے اور ان میں ماہ وسال کی تعیین سے سالنامہ کا اندازہ ہوتا ہے مگر ایسا کچھ تحریر نہیں ہے۔

پہلی جلد جس کی ضخامت چار سو صفحات پر مشتمل ہے اور شمارہ جنوری تا جون 2016ء تحریر ہے اور اس کتاب کا انتساب علامہ عبدالرحمٰن جامی سے کیا گیا ہے۔ ٹائٹل کی رسمیات کے بعد

مشہور نعتِ سعدی کے اشعار کو جلی قلم سے نمایاں کیا گیا ہے۔ جس کی معنویت پر ہزار جانِ نعت نگاراں فدا ہونے کو تیار ہو گی۔

بلغ العلیٰ بکمالہ　　کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ　　صلوا علیہ وآلہ

اس شمارہ میں ابواب کچھ اس طرح ہیں: تحمید وتقدیس (حمد ونعت) گنجینۂ نقد ونظر، رحمت بیکراں، مقالات، گوشۂ علامہ جامی، گلہائے عقیدت اور پیامِ مدحت۔ اداریہ میں لائبریریوں میں محفوظ مخطوطات وغیرہ اور دیگر گمشدہ نعت نگاری کے تفحص کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ ان مجلّات میں غیر مسلم نعت گویوں کے علاوہ خواتین شعرا کی بھی پذیرائی کی گئی ہے اور مشمولات میں ان کی حصہ داری فراخدلانہ کی گئی ہے۔ عالمی پیمانہ کی کوششوں میں گنجائشیں رکھنا اور مزید شمولیت کا حوصلہ خوش آئندر ہے گا ان شاء اللہ۔ پہلی جلد اور دوسری تیسری جلدوں کے صفحات کے فرق سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ابتدا میں کام کو اتنے وسیع پیمانے پر اٹھانے کا خیال نہ رہا ہو گا مگر اس کی برکت نے حوصلوں کو مہمیز کیا اور کارِ مبارک پھیلتا گیا ہے۔

دوسری جلد شمارہ جنوری تا دسمبر 2017ء کی ضخامت: 767 صفحات پر مشتمل ہے جو نسبتاً ضخیم ہے۔ ٹائٹل کے بعد سعدی ہی کا مشہور شعر زیبِ قرطاس کیا گیا ہے۔

یارب تو کریمی ورسولِ تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

انتسابِ کتاب علامہ آزاد بلگرامی سے کیا گیا ہے جنہیں علم وادب کا گنجینۂ بے گمان کہا جائے تو بے جا نہیں اور پھر حافظ شیرازی کے یہ اشعار لائے گئے ہیں جس پر نعت گوئی کا گویا اختتام ہی ہو جانا چاہیے تھا مگر اس کی وسعت مزید استحقاق کی متقاضی رہی ہے اور رہے گی۔

یاصاحب الجمال ویا سید البشر　　من وجھك المنیر لقد نورالقمر
لایمکن الثناء کما کان حقه　　بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

ابواب کچھ اس طرح ہیں: تحمید وتقدیس، تابشِ فکر ونظر، افکارِ روشن، گوشۂ حسان الہند، تعارف وتبصرہ، زاویۂ نگاہ، گلہائے عقیدت، ستائش نامے۔

انہیں ابواب سے اس مجلّہ میں کاروانِ نعت کی مہم سر کرائی گئی ہے اور پھر اداریہ ہے جس میں ادبِ نعت کے گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اداریہ میں نعت کی ادبی صنفیت کے تعیین پر زور دیا

گیا ہے اور بھی مفید ترین گفتگوؤں کے درمیان یونیورسٹیوں میں اس کی نصابی قبولیت پر معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

تیسری جلد شمارہ جنوری تا دسمبر 2018ء جس کی ضخامت: 640 صفحات پر مشتمل ہے۔اس جلد کے ٹائٹل پر "**وانك لعلى خلق عظيم**" کی ربانی نعت سے آرائش کی گئی ہے۔اوراس کا انتساب معروف نقاد و محققِ نعت ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگوری سے کیا گیا ہے۔ابواب وہی ہیں جو شمارۂ دوم کے ہیں۔اداریے میں تنقید و تحقیق کے سفر کے متعلق بڑی مخلصانہ گفتگو کی گئی ہے۔

مجلّات ثلاثہ کے بعض مضامین بڑی دقتِ نظر سے تحریر کئے گئے ہیں جوان شماروں کی قدر و قیمت کے ضامن ہیں، اہلِ نظر و نقد کی جانب سے انہیں نمایاں کرنے کی کوشش مطلوب ہے، مگر دیگر مضامین پر تنقیدِ محض سے گریز اولیٰ ہے جیسا کہ بعض حضرات ناقدین کا وطیرہ ہوا کرتا ہے۔

یہ آرزو بے جا نہیں ہے کہ نعت بطورِ صنفِ شاعری اردو شعری سرمایے میں اپنی شناخت قائم کرے مگر میری نظر میں نعت محبت رسول کے جذبۂ بے پناہ کا ایسا ذریعۂ اظہار ہے جس کو کسی خود ساختہ صنف کے بندھے ٹکے اصولوں میں محصور کیا جانا سمجھ میں نہیں آتا، نعتیں اکثر غزل کے فارم میں لکھی جاتی رہی ہیں یا بطورِ مثنوی لکھنے کا رواج رہا ہے اور کبھی بصورتِ قصیدہ بھی نعت لکھی جاتی رہی ہے، مرثیہ کی مسمطی شکل میں ترکیبِ بند، ترجیع بند کی صورتوں میں نعتیں لکھی جاتی رہی ہیں اور قطعہ و رباعی میں بھی عقیدت و محبتِ رسول کا اظہار کوئی نئی بات نہیں ہے، نعتیں گیت رنگ میں بھی تحریر کی گئی ہیں۔ یعنی حبِّ نبوی کا جذبۂ بے پناہ کسی بھی صنف میں اپنی راہ ڈھونڈ ھ لیتا ہے اس بے ساختگی کے لئے کسی صنفِ خاص کی تعیین میری نگاہ میں لازم نہیں ٹھہرتی ہے۔نعت پاک کی یہی ہمہ گیری اور ہمہ رنگی ہی اس کا امتیاز ہے اور یہی اس کی صنفی شناخت بھی ہے۔حقانی القاسمی نے لکھا ہے: ''حقیقت یہ ہے کہ عقیدت ایک ہیئت میں قید نہیں ہوسکتی بلکہ اظہار کے مختلف رنگ اور راستے تلاش کرتی ہے'' ویسے اہلِ نظر کے اپنے اپنے نظریات ہیں ان کی قدر سے ہم غافل نہیں ہیں۔

باعثِ اطمینان ہے یہ بات کہ یونیورسٹیوں کے اردو نصاب میں نعت کا خصوصی مطالعہ شامل کیا جارہا ہے اور بعض جامعات میں پچاسوں تحقیقی مطالعے اس موضوع پر سندوں کے حصول کے لئے لکھا ئے جا چکے ہیں اور اسے مزید فروغ دینے کی ضرورت ہے۔

حمد و نعت پر تنقید کے حوالے سے ہم ڈاکٹر سراج احمد قادری کے اس خیال کے مؤید ہیں کہ نعت کی تنقیدی ضرورت کے لئے بنیادی عوامل یا اقسام کا تعین ضروری ہے اور انہوں نے جو اقسام طے کئے

ہیں وہ نہایت وقیع اور توجہ طلب ہیں، امامانِ فن پر اس باب میں اضافۂ مفید کی راہیں کھلی ہیں تاہم ان نکات اور خطوط پر حمد و نعت کو پرکھنا فن کو مجلّا کرنے کی سعی ہوگی۔

مجھے یہ کہنے میں تأمل نہیں کہ ایسی آفاقی اور عالم گیر انداز کی نعتیہ، ہنر ورانہ کوشش ایک ایسے دیار کے فرزند کے ہاتھوں انجام پا رہی ہے جسے اس معیار کے لئے موزوں ترین خطۂ ارض نہیں جانا جارہا تھا مگر اب اس حوالے سے اس دیار کا وقار و اعتبار ادب کی سند ثابت ہوگا اور ہمیں فخر ہے کہ ہم بھی یہیں کہیں حاشیئے پر جینے کا نام کر رہے ہیں۔ میری تہی دامنی اس سے زیادہ کچھ لکھنے سے مانع ہے آئندہ اگر حضرتِ سراج قادری کی اجازت ہوئی تو اس مقدس کاز کی رعایت سے چند اوراقِ پریشان کو خوشبوئے نسبت سے فیضیاب کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

☆☆☆

قاری محمد رفیق قاضی فائز (راجستھان)

تنقید یا لغزش قلم

دبستانِ نعت شمارہ سوم اپنے سابق تزک و احتشام کے ساتھ دستیاب ہوا۔ مشتملاتِ شمارہ قارئین کرام کے قلوب و اذہان کو متاثر و منور کرنے کے پورے لوازمات سے مملو ہے۔ تمام غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تخلیقات کے حوالے سے اپنی پر خلوص غلامی کا ثبوت دیا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

''قابل تحسین قدم''

قابلِ تحسین قدم کے حوالے سے مجلّہ کے مدیرِ محترم اور نگراں محترم فیروز احمد سیفی صاحب قابلِ صد مبارکباد ہیں کہ انہوں نے مرحوم نعت گو شعراء کو یاد کیا۔ اور انہیں نامِ بنام خراجِ تحسین پیش کی۔ چنانچہ مجلّہ کے مدیرِ محترم ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری، مختار عاشقؔی جونپوری، علامہ اختر رضا خاں اختر ازہری، ڈاکٹر اظہار مسرت یزدانی وغیرہم کو یہ کہتے ہوئے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں کہ (ان کی یادیں آج بھی ہمارے تارِ نفس کو گرمی عطا کرتی رہتی ہیں اور ہم یہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ انہیں کی تابشِ فکر کا نتیجہ ہے، ان کی پاکیزہ ارواح کو خراجِ تحسین پیش کرنا ہمارا فرضِ اوّلین ہے) اور نگرانِ مجلّہ محترم جناب فیروز احمد سیفی صاحب نعت کے حوالے سے نعت خواں شعرا حضرات کی توقیر و تمکنت اجاگر کرنے اور ان کے انوار و تجلیات سے مملو کلام سے ہمارے قلوب و اذہان کو، اپنی تحریر ضوفشاں کے ذریعے یہ کہتے ہوئے منور و تاباں فرماتے ہیں۔ (حدی خوانوں کا یہ کارواں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے جاری رہ کر تا ہنوز روز بہ روز ارتقا پذیر ہے اور عصرِ حاضر میں اس کے ارتقائی فروغ کا یہ حال ہے کہ اس نے دنیائے شعر و سخن کو اس طرح اپنی گرفت میں لے رکھا ہے کہ دیگر اصناف اس کے عروج و ارتقاء کو دیکھ کر سسکیاں لیتی نظر آ رہی ہیں۔ اسی کارواں کے ایک معتبر مسافر کا نام ''مرغوب ترچناپلوی'' ہے جن کا دیوان ''چمنستانِ مرغوب'' کے نام سے

ہے..... چونکہ وہ امیر مینائی، داغ دہلوی، حالی اور آزاد کے معاصرین سے ہیں اس لئے جو زبان و بیان، اور کلام کی خوبی ان اساتذہ کی ہے وہی زبان و بیان حضرت ترچناپلوی کا بھی ہے)۔

دوسروں سے رقابت نہ رکھ کر ان کی عظمت و بزرگی تسلیم کرنا، اور انہیں خراجِ عقیدت پیش کرنا خود اس انسان کی عظمت و بزرگی کا بین ثبوت ہے جو دوسروں کی عظمت تسلیم کرتا ہے۔ اس جذبے کی، اور یہ جذبہ رکھنے والے انسانوں کی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مقدس میں ان الفاظ میں تحسین فرمائی ہے۔ (وَالَّذِیْنَ جَاؤُا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلاًّ لِّلَّذِیْنَ آمَنُوْا......) اور وہ لوگ جو بعد میں آئے، وہ اپنے سے پہلے والوں کے لئے کہتے ہیں، اے ہمارے رب۔ ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرمادے جو ایمان میں ہم پر سبقت لے گئے، اور مومنوں کے لئے ہمارے دلوں میں کوئی کینہ نہ پیدا فرما)۔

اگر چہ اس آیت کا شانِ نزول اور اس خطاب کا پس منظر کچھ اور ہے۔ مگر یہ آیت جذبۂ خیر خواہی کی تحسین فرمارہی ہے اس مناسبت سے میں نے یہاں نقل کر دی۔ اور اس آیت کی عمومیت ایسا کرنے سے مانع بھی نہیں ہے۔ بہر حال اپنے اسلاف کی خیر خواہی، اور ان کی عزت وتوقیر کرنا زندہ قوموں کی علامت اور حیاتِ مستعار کا مثبت پہلو ہے جس پر متذکرہ اسماء دونوں حضرات شرحِ صدر کے ساتھ عمل پیرا ہیں۔

ان کے علاوہ دیگر تخلیقات میں بعض اچھی ہیں جب کہ اکثر تخلیقات بہت اچھی ہیں جو اپنے اندر معلومات کے جہان، اور علوم وفنون کے سمندر سموئے ہوئے ہیں۔ ان کی الگ الگ نشاندہی کرنا ایک تو طوالت، دوسرے جن کی نشان دہی نہ کی جائے گی ان کی دل شکنی کا سبب ہوگی۔

''زاویۂ نگاہ'' کے عنوان سے تنقید وتبصرے جس ترتیب سے پیش کئے گئے ہیں وہ اسی ترتیب کے مستحق ہیں۔ اور جو ناقد ومبصر جس طرح کی تنقید وتبصرے کا عادی ہے وہ اسی روش پر گامزن ہے۔ مگر بعض مقامات پر بعض ناقدین نے تنقید سے زیادہ طعن کیا ہے جس کی نشاندہی آگے کی جائے گی۔ مجلّہ میں تنقید وتبصرے کا سب سے المناک پہلو یہ ہے کہ بعض عناصر مثبت کے بجائے منفی پہلو اختیار فرمالیتے ہیں جب کہ مجلّہ کا مزاج یہ نہیں ہے۔ اگر چہ ہم سب یہ جانتے ہیں کہ مجلّہ کے قلمکاروں میں، قارئین میں حتیٰ کہ پورے عالم اسلام میں اختلافِ مُسلِمِ مُسلّم ہے۔ ہم دیوبندی، بریلوی، سنی، وہابی، حنفی، سلفی، الگ الگ عقائد اور مسلکوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ مگر مجلّہ ہٰذا میں ہم اپنے اپنے مکاتبِ فکر کے نمائندہ کے طور پر نہیں۔ بلکہ غلامانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طور پر اپنی اپنی تخلیقات لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ حق تو ہر کسی کو ہے کہ وہ بڑھ چڑھ کر اپنی غلامی کا ثبوت دے۔ مگر یہ حق کسی کو حاصل

نہیں کہ دوسروں کی دل آزاری کرے۔ یا مجلّہ کے وقار کو مجروح کرے۔

میں نے ان باتوں کی طرف تیسرے شمارے میں اپنے مضمون ''تبصرہ بر تبصرہ'' کے ذریعے سے بھی قلمکاروں کو متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر سوئے اتفاق تیسرے شمارے میں بھی کچھ تحریریں یہ تاثر دے رہی ہیں کہ قلمکار نقد و تبصرے کے حوالے سے کم، اور اپنے مکتبِ فکر کے حوالے سے بات زیادہ کر رہا ہے یہ رجحان مجلّہ، قلمکارانِ مجلّہ، اور قارئین مجلّہ ہر سہ حوالوں سے غیر صحت مند ہے۔ جب یہ رجحان قلمکاروں کے درمیان بُعد پیدا کرنے کا سبب ہوسکتا ہے تو قارئین اور بین المسلمین کے اتحاد کا ذریعہ کیسے متصور کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ مجلّہ کے عزائم۔ غلامانِ مصطفیٰ کو درِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب کرنا۔ اور تمام مکاتبِ فکر کے درمیان مفاہمت کا ذریعہ بننا ہے یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ بے شک ہمارے نقاد و مبصرین زبان و فن پر دسترس رکھتے ہوں گے مگر (معذرت کے ساتھ) علومِ دینیہ میں وہ مہارت نہیں رکھتے جو ائمہ دین اور جید علماء رکھتے ہیں۔ ہم شعرا ادباء دینی حقائق پر گفتگو کی صلاحیت نہیں رکھتے لہٰذا ''جس کا کام اسی کو ساجھے'' پر عمل کرتے ہوئے خصوصی امورِ دینیہ کو علماء دین کے لئے مختص کرتے ہوئے ان کی گہرائی اور گیرائی میں جانے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ متذکرہ حضرات اپنے آپ کو زبان و فن تک محدود رکھیں۔

امورِ دینیہ کے حوالے سے اگر کوئی صاحبِ علم کسی تحریر میں قباحت محسوس کرے تو علمی تقاضے کے مطابق اس کا باحوالہ ردّ کرے صرف زبانی ردّ دل آزاری کا سبب ہوتا ہے۔ میں یہ باتیں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ دوسرے اور تیسرے شمارے میں یہی ہوا ہے۔ میری ان باتوں کا پس منظر ملاحظہ فرمائیے۔

"حدیث لولا هو ما خلقتك"

حدیث "**لــــولاك**" میں نے دبستانِ نعت کے پہلے شمارے کے ایک مضمون ناعت پر فیضانِ منعوت لکھا تھا، اس مضمون کا محور و مرکز یہی حدیث قدسی "**لولا هو**" ہے۔ اس وقت میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس نیم ادبی نیم دینی جریدے ''دبستانِ نعت'' میں اس حدیث کی اشاعت پر کچھ لوگ یوں مشتعل ہوں گے کہ کوئی کہے گا (**لـولاك لـمـا خلقت الافلاك** جیسی موضوع روایت آج ہر کس و ناکس کے دل و دماغ پر مسلط ہے) اور کوئی کہے گا (ابھی "**لــــولاك**" والا مسئلہ حل نہیں ہوا ہے۔ صفحہ-529۔ اور **لـولاك لـمـا خـلقت الافلاك** جیسی موضوع روایت صفحہ-527) میں نے مضمون میں کسی قسم کا دجل و فریب نہیں کیا تھا اس حدیث پر محققین نے جو نقد کیا تھا وہ بھی حدیث کے ساتھ نقل کیا تھا۔ معترضین۔ اگر اس حدیث کے ساتھ اس نقد کو بھی غور سے پڑھ کر سمجھنے کی کوشش

کرتے تو اعتراض کے لئے انہیں ''موضوع'' حدیث کو ''موضوع حدیث'' لکھ کر اپنا علمی افلاس تشت از بام نہ کرنا پڑتا۔ معترضین کی فہمائش کے لئے اُنہیں محترم جناب اقبال اعظمی صاحب نے بھی وہی مشورہ دیا ہے جو میں نے اوپر لکھا ہے، اعظمی صاحب لکھتے ہیں۔ (احادیث کے متداول ذخیرے پر نظر رکھنے والے قرآن وسنت کے متبحر عالم ''خیر صاحب'' کو یہ حدیث کہیں نہیں ملی۔ دبستانِ نعت کا پہلا شمارہ جنوری تا جون، جس میں صفحہ 120-121-122 پر قاضی محمد رفیق فائز فتح پوری نے حدیثِ مذکورہ پر سیر حاصل گفتگو کی ہے کیا یہ مضمون ''خیر'' صاحب کی نظر سے نہیں گزرا۔ نہیں گزرا تو اب ملاحظہ فرمالیں)۔ اور یہی مشورہ صاحب فہم وفراست محترم جناب پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب مظفر پور، نے دیا ہے (ڈاکٹر رؤف خیر نے حدیثِ پاک ''لولاک لما خلقت الافلاک'' کو موضوع قرار دے کر مسترد کر دینے کا ادبی فتویٰ جاری کیا ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنی محدثانہ حیثیت بھی منوانے کی کوشش کریں گے۔ اس سلسلے میں ''دبستانِ نعت'' پہلا شمارہ میں ''ناعت پر فیضانِ منعوت'' کے عنوان کے تحت قاضی محمد رفیق فائز فتح پوری خاصا مواد فراہم کر چکے ہیں، رؤف صاحب نے شاید جی لگا کر اس کو نہیں پڑھا۔ تو اب پڑھ لیں۔ قبولِ حق کا جذبۂ پر خلوص رکھتے ہوں تو ان کا ذہن صاف ہو جائے گا)۔

پھر پروفیسر صدیقی صاحب نے علامہ اشرف علی صاحب تھانوی کی کتاب ''نشر الطیب......'' صفحہ 41 سے اردو میں پوری حدیث نقل کرنے کے بعد اس حدیث پر اسی صفحہ سے نقد بھی نقل فرمایا ہے۔

(روایت کیا ہے اس کو بیہقی نے اپنے دلائل میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی روایت سے اور کہا کہ اس کے ساتھ عبدالرحمٰن منفرد ہیں اور روایت کیا اس کو حاکم نے اور اس کی تصحیح کی، اور طبرانی نے بھی اس کو ذکر کیا ہے) تیسرے شمارے سے یہ دو حوالے نقل کرنے کے بعد کچھ حوالے شمارہ دوم سے اشارۃً ملاحظہ فرمائیں جو اس مضمون کی تحسین فرما رہے ہیں۔ (1) ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی (2) پروفیسر فاروقی احمد صدیقی (3) ڈاکٹر سید شمیم گوہر (4) ڈاکٹر سید منیر محی الدین قادری صاحب صفحہ 619- تا 621 پورے دو صفحوں پر تحسینی تبصرہ (5) خان حسنین عاقب مہاراشٹر (6) مفتی توفیق احسن برکاتی ممبئی (7) طاہر حسین طاہر سلطانی کراچی پاکستان نے دور اندیشی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے پہلے ہی فرمادیا تھا۔ (مضمون کی بنیادی باتیں اوّل ''فیضانِ نعت، دوم حدیثِ قدسی......(ہے) مگر دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے)(8) محمد ابرار حنیف مغل لاہور پاکستان (9) محمد نظام الدین نوری (10) مدیر مجلّہ ہٰذا ڈاکٹر سراج احمد قادری شمارہ اوّل صفحہ 14-۔ متذکرہ ان دس اشخاص نے مضمون کی تحسین فرمائی ہے۔ مضمون کا مرکز ومحور وہ حدیثِ قدسی ہی ہے۔ مضمون کی پسندیدگی کا سبب وہ حدیث ہی ہے لہٰذا

ان سب نے اس حدیث کی ثقاہت تسلیم کی ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ یہ حضرات محدث یا عالم نہیں ہیں تو جواب یہ ہے معترضین کا سلسلہ سندِ علم کون سے محدث یا کون سے مرکزِ علم سے ملتا ہے؟

پھر بھی معترضین اگر نفس مضمون نگاری پر تنقید فرماتے تو قابلِ قبول ہوسکتا تھا حدیث نبوی پر یوں جری ہوا جائے تو کیونکر قابلِ قبول ہوسکتا ہے۔لہٰذا ضروری ہوگیا ہے کہ اس حدیث کے حوالے سے مقدور بھر گفتگو کی جائے شاید معترضین کی تشفی ہو سکے۔اور معترضین کے دل ٹھنڈے!

معترضین نے محدثانہ یا عالمانہ اعتراض نہیں کیا بلکہ سنی سنائی کے تحت عامیانہ انداز میں اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث ''موضوع'' ہے۔ یہ اندازِ نقد و جرح نہیں انکارِ حدیث ہے۔ ورنہ معترضین کو چاہیۓ تھا کہ مضمون میں منقولہ احادیث میں سے جو حدیث ان کے نزدیک موضوع ہے اس کا تعین کرتے ، پھراس کے راوی ''وضاع'' کا حال بیان کرتے اور یہ بتاتے کہ اس راوی کو فلاں ،فلاں ناقد حدیث نے ''وضاع'' کہا ہے۔ یہ معترضین کے کرنے کا کام تھا۔ پھر یہ دیکھا جاتا کہ اس راوی کو وضاع کہنے والا یا والے متشدد ہیں یا میانہ رو۔ پھر یہ بھی دیکھا جاتا کہ وہ ناقدین عنداہلسنہ مقبول ہیں یا نہیں،اوران کی اہلسنّت میں سے کس نے موافقت کی ہےاور کس نے مخالفت۔ کیونکہ کسی حدیث پر بلا دلیل حکم لگانا علمیت نہیں ہے چہ جائیکہ موضوع کا۔محدثین کرام کے نزدیک تو جرح مبہم بھی مقبول نہیں ہے جب تک کسی راوی کے عیب کی نشاندہی نہ کی جائے۔ پھر سنی سنائی باتوں سے کسی حدیث کو موضوع کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ ہمیں یہ امر بھی سمجھنا ضروری ہے کہ جس حدیث پر ہم بڑی آسانی سے حکم لگادیتے ہیں اس حدیث کو ہم تک پہنچانے کے لیے کتنے لوگوں نے اپنی زندگیاں صرف کی ہیں!

ایک صاحب نے اس حدیث کو ''موضوعاتِ ملّا علی قاری'' کی حدیث کہا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ ملا علی قاری کا نقد میں نے اس حدیث کے ساتھ مضمون میں نقل کر دیا تھا۔ پھر بھی یہ وضاحت کر دیتا ہوں کہ جن کتابوں میں موضوع حدیثیں جمع کی گئی ہیں ان میں ساری حدیثیں موضوع نہیں ہوتیں۔ان کتابوں میں ایسی حدیثیں بھی قصداً نقل کی گئی ہیں جن کو ایک سند سے موضوع کہا گیا ہو۔اور وہ دوسری اسناد سے صحیح ہیں! اس حوالے سے ''الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ'' مؤلف علامہ محمد بن علی شورکانی سے تمثیلاً ایک آدھ حدیث اوراس کا نقد نقل کرتا ہوں!

صفحہ-413 حدیث نمبر 167/1208 یہ حدیث اوراس کا نقد دیکھیۓ۔

حدیث: "**احبوا العرب لثلاث لانی عربی و کلام اهل الجنة عربی والقرآن عربی" رواه العقیلی عن بن عباس مرفوعاً، وقال لا اصل له، وقد ذکره ابن**

الجوزی الموضوعات وقال فی اللآلئی۔ الحدیث اخرجه الطبرانی۔ والحاکم فی المستدرک و صحه، والبیهقی فی شعب الایمان، وتعقبه الذهبی فقال یحییٰ بن یزید ضعفه احمد وغیره۔ والعلا بن عمروالحنفی لیس بعمده، و محمد بن فضل متهم فلیس یصلح للمتابعات وقال أظن الحدیث موضوع، وله شاهد رواه الطبرانی فی الاوسط عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انا عربی والقرآن عربی و لسان اهل الجنة عربی۔"

گرچہ ایسی بحثوں کا لطف اردو ترجمہ سے زائل ہو جاتا ہے مگر تمام قارئین عربی داں نہیں ہوتے اس لیے ترجمہ بھی ناگزیر ہے۔

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین وجوہ سے عرب سے محبت کرو۔ میں عربی ہوں، جنتیوں کی زبان عربی ہے اور قرآن عربی ہے۔ یہ حدیث امام عقیلی نے ابن عباس سے مرفوعاً روایت کی اور کہا اس کی اصل نہیں ہے۔ اور اس حدیث کو ابن جوزی نے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ (اور امام جلال الدین سیوطی نے) ''اللآلئی'' میں کہا۔ یہ حدیث امام طبرانی نے بھی روایت کی ہے اور امام حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کو (دوسری روایت سے) صحیح کہا ہے اور امام بیہقی نے یہ حدیث ''شعب الایمان'' میں روایت کی ہے۔ ذہبی نے (امام سیوطی کا) تعاقب کیا اور کہا۔ اس حدیث کے راوی یحییٰ بن یزید کو امام احمد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، اور علا بن عمرو حنفی قابل اعتماد نہیں ہے اور محمد بن فضل متہم ہے تو یہ سند متابعت نہیں کر سکتی۔ اور کہا میرا گمان ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ (علامہ شوکانی اس کتاب کے مؤلف نے کہا) اس حدیث کی شاہد وہ حدیث ہے جو امام طبرانی نے معجم الاوسط میں ابوصریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں عربی ہوں، قرآن عربی میں ہے اور جنتیوں کی زبان عربی ہے! اس پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ایک حدیث کئی ائمہ کئی اسناد سے روایت کرتے ہیں، لہٰذا کسی امام کی کسی سند میں ایک آدھ راوی ایسا بھی آ جاتا ہے جو ضعیف، یا وضاع ہوتا ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حدیث کے تمام طرق موضوع یا ضعیف ہیں۔ کیونکہ اس حدیث کو دوسرے ائمہ دوسرے طریق سے روایت کرتے ہیں جس میں ضعیف یا موضوع راوی نہیں ہوتا!

وہی کتاب صفحہ-417 حدیث نمبر 179/1220، حدیث : **"اتخذوا السودان، فان فیهم ثلاثة من سادات الجنة، لقمان الحکیم، وانجاسی، وبلال۔ رواه ابن حبان عن انس مرفوعاً قیل لا یصح، فی اسناده من لا یحتج به، وقد ذکر ابن**

الجوزی فی موضوعات، و قد اخرجه الطبرانی، وله شاهد اخرجه الحاکم فی المستدرک من حدیث واثلة مرفوعاً۔ خیرالسودان ثلاثة، لقمان الحکیم وبلال، و مهجع مولی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم، و قال صحیح الاسناد"

ترجمہ: ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کالے رنگ والوں کو دوست رکھو کیونکہ ان میں تین اشخاص جنتیوں کے سرداروں میں سے ہیں، لقمان حکیم، نجاسی اور بلال۔ یہ حدیث ابن حبان نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت کی ہے۔ کہا گیا (صیغہ غیر معروف) ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اس کی سند میں ایسا راوی ہے جو قابلِ حجت نہیں ہے اور ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ مؤلف کتاب ہٰذا علامہ شوکانی کہتے ہیں، یہ حدیث امام طبرانی نے بھی روایت کی ہے اور اس حدیث کی شاہد وہ حدیث ہے جسے امام حاکم نے مستدرک میں واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت کی ہے کہ کالے رنگ والوں میں تین اشخاص سب سے بہتر ہیں۔ لقمان حکیم، بلال اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام مہجع، اور امام حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔''

واضح ہو کہ ابنِ جوزی متشدد ناقد ہے، میانہ روا کثر محققین ان سے اتفاق نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی ایک سند سے اس حدیث کو موضوع کہتے ہیں جب کہ وہی حدیث متعدد الاسناد ہوتی ہے اس حدیث کے نقد پر غور کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ جنہوں نے اس کے راوی کو حجت نہیں مان کر حدیث کو صحیح نہیں کہا تو اول تو یہ کہ احادیث کے صحیح کے علاوہ بہت درجات ہیں۔ دوسرے یہ کہ ''قیل'' غیر معروف صیغہ ہے تو صحیح نہ ماننے والے غیر معروف لوگ ہیں۔ دوسرا حکم ابن جوزی نے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں حکم ابن حبان کی روایت پر ہیں جب کہ ابن حبان کے علاوہ دیگر ائمہ کی روایات ان احکام سے بری ہیں۔ یہی حال دیگر روایات کا ہے جو مختلف فیہ ہے۔

"لو لا هو ماخلقتك" "لولاك لما خلقت الافلاك" "ما خلقت الدنیا" "ما خلقت الجنة والنار" متذکرہ علیہ کئی احادیث کے ٹکڑے ہیں۔ یہ ایک حدیث نہیں ہے۔ اس کی تحقیق کے لیے نہ تو سب کے پاس کتابیں ہیں اور نہ ہی سب لوگ بتحقیق سمجھنے کے مجاز ہیں۔ آسانی کے لیے میں یہاں دو لنک بتا دیتا ہوں۔ http://youtub/ozfn3xlwk-y یہ اردو زبان میں ایک ویڈیو کلپ ہے جس میں اس حدیث کا خلاصہ ہے۔ اس میں متذکرہ حدیث کو تصنیفاً و تالیقاً 140 ائمہ و صلحائے اہلسنّت نے ذکر کیا ہے اس کے باوجود کئی لوگوں نے یہ فریب دینے کی کوشش کی ہے کہ انہیں یہ حدیث اہل تشیع کی کتاب ''اصولِ کافی کے علاوہ اہلسنّت کی کسی کتاب میں نہیں ملی!

دوسرا لنک ہے۔"**لولاك لما خلقت الافلاك، دراسة تأصيلية**" یہ آپ کو یو،ایس بی بروزر پر۔تحریر شدہ ایک عربی رسالہ ملے گا۔ جو علامہ عبدالفتاح بن صالح قدیش الیافعی،صنعا یمنی، نے لکھا ہے۔قارئین مجلّہ ''دبستان نعت'' میں سے جو حضرات عربی سے شغف رکھتے ہیں وہ اس لنک کے ذریعے پورا رسالہ پڑھ لیں۔اور جو عربی نہیں پڑھ سکتے،ان کے لیے میں اس رسالے کا مختصر خلاصہ پیش کرر ہا ہوں تا کہ وہ اس رسالے سے مستفید اور حقائق سے باخبر ہو سکیں۔

علامہ عبدالفتاح نے متذکرہ ٹکڑوں کی احادیث پر دو مبحث میں سیر حاصل گفتگو اور تحقیق کی ہے۔پہلی بحث میں اسنادِ حدیث۔یعنی روایانِ حدیث کے تعلق سے ائمہ ناقدین کے اقوال، اور متخرجین ائمہ احادیث کی اسناد اور خود ان کے اقوال نقل فرمائے ہیں۔دوسری بحث میں ان احادیث کو حجت مان کر اپنی کتابوں میں ان احادیث کو دلیل بنانے والے ائمہ، اور ان کی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

اس دوسرے لنگ میں آپ ''حکم القول لولاک لما خلقت افلاک دراسۃ تأصیلیۃ'' پر کلک کریں گے تو وہ پورا رسالہ سامنے آ جائے گا۔اس کے بحثِ اوّل میں پہلی حدیث ابن عساکر کی ہے جو ''سلمان'' سے دو اسناد سے مروی ہے۔اس طویل حدیث کا خلاصہ یہ ہے۔

ایک دیہاتی آدمی آ کر پوچھتا ہے تم میں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں ہوں! اس نے کہا میں نے آپ کو دیکھے بغیر ایمان قبول کیا۔ آپ سے ملے بغیر آپ سے محبت کی۔آپ کا چہرہ دیکھے بغیر آپ کی تصدیق کی۔اب میں کچھ باتیں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو تیرا دل چاہے وہ پوچھ لے۔اس نے کہا، آپ پر میرے ماں باپ قربان کیا موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے باتیں نہیں کیں، اور کیا روح القدس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا نہیں کیا۔اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل نہیں بنایا اور کیا آدم کو منتخب نہیں فرمایا؟ علیہما السلام۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں بے شک تو ٹھیک کہتا ہے۔تو اس شخص نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کون سی فضیلت سے نوازا ہے؟

اس سے پہلے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس شخص کی باتوں کا جواب دیتے حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا جواب لے کر حاضر ہو گئے کہ اسے بتایئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے آپ کو فلاں فلاں فضیلتوں سے نوازا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔"**ولقد خلقت الدنيا واهلها لا عرفهم كرامتك...... و منزلتك عندى و لولاك يا محمد يا خلقت الدنيا**"۔

اس حدیث کو ابن جوزی نے اپنی سند سے ''الموضوعات'' میں ذکر کیا ہے اور اپنی سند سے روایت کردہ حدیث پر حکم لگایا ہے کہ اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ اس سند میں ابوالسکین اور ابراہیم ابن الیسع ضعیف اور مجہول راوی ہیں۔ اور صالحی نے "**سبل الھدی والرشاد**" میں ابن عساکر کی سند کو واہی کہا ہے! واضح ہو کہ ابن جوزی نے اپنی سند والی حدیث کو موضوع کہا ہے نہ کہ ابن عساکر کی سند کو۔ ابن عساکر کی روایت کو صالحی نے واہی کہا ہے نہ کہ موضوع۔

(2) دوسری حدیث: ابن عساکر سے مسند الفردوس میں مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا "**وعزتی و جلالی لولاك ما خلقت الجنة و لولاك ما خلقت الدنیا۔**"

اس حدیث کے تقدس میں ملا علی قاری نے کہا صغانی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے "**لکن معناہ صحیح**" یعنی یہ حدیث معناً صحیح ہے۔

(3) تیسری حدیث: عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آدم سے جب لغزش ہوئی تو کہا۔ اے رب میں تجھے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے فریاد کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تو نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا، جب کہ میں نے ابھی ان کو پیدا ہی نہیں کیا؟

کہا اے رب جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے اپنا سر اٹھایا اور میں نے دیکھا کہ عرش کے ستونوں پر لکھا ہوا ہے۔ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' تو میں نے جان لیا کہ جن کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے وہ تجھے مخلوق میں سب سے محبوب ہیں! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدم تو نے سچ کہا۔ وہ مجھے مخلوق میں سب سے محبوب ہیں تو نے مجھے ان کے وسیلے سے فریاد کی ہے تو میں تجھے معاف کرتا ہوں اور میں محمد کو پیدا کرنا نہ چاہتا تو تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔ ملخصاً''

"**قال الحاکم ھذا حدیث صحیح الاسناد**" اور امام سیوطی نے "**الدر المنثور**" میں کہا اس حدیث کو طبرانی، ابونعیم، بیہقی، ابن عساکر اور حاکم نے روایت کیا ہے!

(4) چوتھی حدیث کو ابنِ عباس سے "**السنة للخلال**" میں روایت کیا گیا ہے جس میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کر اور اپنے امتیوں کو حکم دے کہ ان میں سے جو کوئی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پائے وہ ان پر ایمان لائے کیونکہ **فلولا ھو ما خلقت آدم و لولا محمد ما خلقت النار۔** اور جب میں نے

پانی پر عرش پیدا کیا تو وہ ہلنے لگا تو میں نے اس پر "**لا اله الا الله محمد رسول الله**" لکھا تو وہ ٹھہر گیا۔ اس حدیث کو امام حاکم نے اپنی سند سے بھی روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث بخاری مسلم کی شرط پر صحیح ہے مگر انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ محدث صالحی نے "**سبل الهدی والرشاد**" میں کہا، اس حدیث کو ابو الشیخ نے "**طبقات الاطبهانیین**" میں روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور امام سبکی نے ''شفاء السقام'' اور امام بیہقی نے اپنے فتوؤں میں یہ حدیث نقل کی ہے، اور ذہبی نے اس کے راوی عمرو بن اوس کے بارے میں کہا معلوم نہیں یہ کون ہے؟ عمر بن خطاب والی حدیث کی بعض دوسری حدیثیں شاہد ہیں جو حاکم نے روایت کی ہیں۔

اس پہلی بحث کے آخر میں یہ رسالہ لکھنے والے علامہ عبدالفتاح لکھتے ہیں۔ اس در بارے میں یہ چار حدیثیں ہیں جن میں بعض صحیح ہیں اور اگر بالفرض ان چاروں کو ضعیف بھی مان لیا جائے تو ایک دوسری کی شہادت سے یہ درجۂ حسن میں تسلیم ہوتی ہیں جیسا کہ اصولِ حدیث میں بیان کیا جاتا ہے۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ اس باب میں صرف ایک حدیث ہوتی اور وہ بھی ضعیف ہوتی، تب بھی وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل میں مقبول ہوتی۔ کیونکہ محدثین، فقہاء و اصولیین میں سے جماہیر کا اجماع ہے کہ فضائل میں ضعیف حدیث بھی مقبول ہے۔

''دوسری مبحث''

دوسری بحث میں رسالہ نگار نے یہ بتایا ہے کہ ان احادیث سے کن کن علماء وائمہ نے استدلال کیا ہے میں اختصار کے لیے ان ائمہ کے نام، اور ان کتابوں کے نام لکھتا ہوں۔

(۱) امام واقدی نے "**فتوح الشام**" میں۔ (۲) امام ہارون بن عباس نے "**السنة للخلال**" میں کہا جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل کا انکار کرے وہ زندیق ہے۔ (۳) امام ابو طالب مکی "**قوة القلوب**"۔ (۴) امام ابن حجر الہیثمی "**فتاویٰ حدیثیه**"۔ (۵) امام ابن تیمیہ نے "**مجموع الفتاویٰ**" میں دو جگہ اور "**اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان**" میں ایک جگہ۔ (۶) امام ابنِ دحیہ کلبی "**تنبیه البصائر**"۔ (۷) امام صالحی "**سبل الهدی والرشاد**"۔ (۸) ملا علی قاری نے "**مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح**" میں دو جگہ اور "**الردوحدة الوجود**" میں ایک جگہ۔ (۹) امام ثعلبی "**الکشف والبیان**"۔ (۱۰) امام آلوسی "**تفسیر آلوسی**" میں تین جگہ۔ (۱۱) امام رازی "**تفسیر الفخر الرازی**"۔ (۱۲) امام نیساپوری "**تفسیر**

نیساپوری"۔(۱۳)امام ابن شطادمیاطی"**اعانة الطالبین**"۔(۱٦)امام ابن جوزی"**بستان الواعظین و ریاض السامعین**"۔ (۱۷)امام ابن رجب حنبلی"**لطائف المعارف**"۔ (۱۸)امام شربینی"**مغنی المحتاج**"۔ (۱۹)امام سیوطی"**الخصائص الکبریٰ**" (۲۰)امام قسطلانی"**المواهب الدنیه**" (۲۱)امام حلبی"**السیرة الحلبیه**" (۲۲)امام ابن عجیبہ نے "**البحر المدید**" میں تین جگہ تصدیق وتوثیق فرمائی ہے۔

متذکرہ احادیث کے حوالے سے ان ائمہ وعلماء کے تائیدی وتوثیقی دلائلِ ظاہرہ و باہرہ نقل کرنے کے بعد محترم جناب پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب مظفر پور کا مقولہ ہی دوبارہ نقل کرتا ہوں کہ اگر معترضین (قبولِ حق کا جذبۂ پرخلوص رکھتے ہوں تو ان کا ذہن صاف ہو جائے گا) ورنہ دوسرا پہلو میں ''فائز فتح پوری بیان کر دیتا ہوں کہ جن کو نہ ماننا تھا انہوں نے چاند کے دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھ کر۔ اور خود ہی کے کفِ دست میں کنکریوں کے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلمۂ پڑھنے کے بعد بھی نہیں مانی۔ اور جن کو ماننا تھا وہ واقعۂ معراج کے بغیر دیکھے سنے شہادت دے کر ابوبکر سے ''صدیق'' اور بغیر دیکھے شہادت دے کر خزیمہ بن ثابت انصاری ذوالشہادتین ہوگئے۔ رضی اللہ عنہما۔''

''تخلیق پر تنقید یا کردار کشی''

اصولاً دیکھا جائے تو ''مجلّہ'' میں مطبوعہ تخلیقات پر ہی تنقید ہونا چاہئے۔ مگر یاللعجب جس بات کا مطبوعاتِ مجلّہ تو کیا، مجلّہ سے ہی تعلق نہیں، ان پر بھی مجلّہ کے حوالے سے، اور مجلّہ میں ہی تنقید ہو رہی ہے۔

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بڑی ناگوار گزری ہے

چنانچہ ملاحظہ فرمائیے (صفحہ-52......حافظ کرناٹکی صاحب کا کلام اور مضامین اکثر رسائل میں نظر سے گزرے ہیں لیکن مجھے متاثر نہیں کر سکے) کسی کے تاثرات سے مجلّہ ہٰذا و دیگر رسائل کا کیا لینا دینا؟ اور کسی کے تاثرات معیارِ ادب کب سے ہوگئے؟ (صفحہ-528......آجکل علیم صبا نویدی صاحب بے طرح لکھ رہے ہیں اور کتابوں پر کتابیں شائع کئے جا رہے ہیں فی الحال ''بسیار گو یا وہ گو'' کی ان سے بہتر مثال شاید ہی کہیں مل سکے۔......علیم صاحب نے اپنی دستار کا طرہ بلند کرنے کے لئے جتنی بھی اصناف ان کے علم میں آئیں ہر ایک میں کوشش کی ہے پھر چاہے وہ چینی جاپانی اصناف ہی کیوں نہ ہو) ''مجھے گورا رنگ اسے پیلئے کا روگ'' ورنہ ان باتوں کا مجلّہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور جب مجلّہ سے تعلق نہیں ہے تو یہ باتیں مجلّہ میں بیان کرنا............؟

(صفحہ-527......"لولاك لما خلقت الافلاك" جیسی ''موضوعی'' روایت کو فاروق صاحب نے ''امت کے اجتماعی عقیدے'' کا نام دے کر بہت غلط کیا ہے اسے امت کی ''اجتماعی غلطی'' کہنا چاہئے) عبارت کے تیور بتا رہے ہیں کہ موصوف کے سامنے اگر فاروق صاحب ہوتے تو معلوم نہیں وہ فاروق صاحب کا کیا حشر فرماتے؟ جب کہ خود موصوف صاحب کا یہ حال ہے کہ ''موضوع روایت'' کا الزام فاروق صاحب کے سر منڈھ رہے ہیں ماروں گھٹنہ پھوٹے آنکھ والے محاورے کے لیے اس سے بہتر شاید ہی کوئی موقع ہو؟ فاروق صاحب نے جو لکھا وہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے شمارہ اوّل صفحہ-527 (قاضی محمد رفیق فائز فتح پوری کا مقالہ ''ناعت پر فیضانِ منعوت'' بے حد اہم، فکر انگیز، اور چشم کشا ہے، انہوں نے حدیث پاک ''لولاک لما'' سے بڑی عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے۔ بار بار پڑھنے کے لائق ہے) موصوف اس عبارت میں ''امت کا اجتماعی عقیدہ'' والے الفاظ۔ جو نہیں ہیں۔ وہ تلاش کرنے کے لیے ہمیں بھی وہ خوردبین عطا فرمادیں جس سے انہوں نے اس عبارت میں تلاش فرمالیے۔ یا وہ ''ہنر'' ہمیں عطا فرمادیں جس سے علمی بددیانتی کے زیر اثر الزام، گڑھ کر کسی کے سر منڈھا جاتا ہے۔"سبحان اللّٰہ ھذا بھتان عظیم" اور ستم بالائے ستم یہ کہ امت کے اجتماعی عقیدے کو ''امت کی اجتماعی غلطی'' فرمارہے ہیں جس کا صاف واضح منطقی نتیجہ یہ ہے کہ جن امور میں امت کا اتحاد و اجتماع ہے وہ امت کی اجتماعی غلطی ہے۔

ایسی ضد کا کیا ٹھکانا دینِ حق پہچان کر
ہم ہوئے مسلم تو وہ مسلم سے کافر ہوگیا

خیر اس سے پہلے ہی بہت کم امور ہیں جن پر امت متفق ہے وہ بھی موصوف کے نزدیک ''امت کی اجتماعی غلطی'' ....؟ جب کہ از روئے شرع و فرمانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت کا گمراہی، یا ''غلطی'' پر مجتمع ہونا ناممکن ہے۔ اسی لیے عند اہلسنہ والجماعہ اجماعِ امت نصوصِ اربعہ میں سے 'نص' ثالث ہے۔ اس کو امت کی اجتماعی غلطی کہنا ایمانی خودکشی کے مترادف ہے۔

صفحہ-529 پر موصوف رقمطراز ہیں (......ابھی "لولاك لما" والا مسئلہ حل نہیں ہوا ہے) حالانکہ شمارہ اوّل میں مضمون کے ساتھ اس حدیث کی وضاحت بھی موجود ہے۔ اور مضمون ہٰذا میں بھی دو ''لنک'' لکھ دیئے ہیں پھر بھی اگر کوئی نہ مانے تو یہ ذمہ داری تو اللہ تعالیٰ نے رسولوں پر بھی نہیں ڈالی تھی کہ وہ منوانے کے بھی پابند ہیں۔ البتہ نہ ماننے والے بھی متذکرہ احادیث کے راوی، یا راویوں کے عیوب و نقائص کے حوالے سے ائمہ کرام کے اقوال نقل فرمائیں تو یہ صحت مند اور عین عالمانہ طریقہ ہوگا۔

’’لغزش قلم‘‘

’’شہہ زور اپنے زور میں گرتا ہے مثل برق وہ طفل کیا کرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے‘‘

لغزش، خطاء، اور غلطی اسی سے ہوتی ہے جو کچھ کرتا ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ کوئی کچھ نہ کرے سوائے......؟ خطا کرنے کا یہ مصرعہ طرح ابوالبشر سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا عنایت فرمودہ ہے لہٰذا تا قیام قیامت ان کی زریت کو اس طرحی مصرع پر غزل کہتے رہنا ہے اور زعماء کو بھی اولادِ آدم ہونے کا ثبوت فراہم کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا ان سے بھی اس عمل کا صدور ہو ہی جاتا ہے۔ محاورہ مشہور ہے۔ ’’تیراکی کی بھی رانڈ ہو جاتی ہے۔‘‘ ملاحظہ فرمایئے (صفحہ-520......ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتح پوری کا مضمون ’’فارسی ادب کا اوّلین قدر آور نعت گو شاعر‘‘ عمدہ مضمون ہے لیکن فارسی اشعار کی کمپوزنگ کی خامیوں نے مضمون کا ’’تیا پانچہ‘‘ کر کے رکھ دیا۔) ان سطور میں زبان و بیان کی کئی غلطیاں ہیں۔(۱) پانچہ، غلط املا کیا گیا ہے صحیح املا ’’پانچا‘‘ ہے۔(۲) تیا پانچا، ادب کی زبان نہیں بازاری زبان ہے جو نعت پر تنقید کے حوالے سے زیبا نہیں ہے۔(۳) یہ موصوف کے عندیے پر دال بھی نہیں ہے کیونکہ موصوف کا عندیہ یہ ہے کہ کمپوزنگ کی خامی نے مضمون میں عیوب و نقائص پیدا کر دیئے۔(صفحہ-521......مطلع کی تشریح میں نشیط صاحب نے کئی صفحات صرف کر دیئے اور اس کے ڈانڈے چشمۂ زمزم سے لے کر **"لولاک لما خلقت الافلاک"** اور حالی کے ’’مسد‘‘ کے بند وہ نبیوں میں امی لقب پانے والا‘‘ سے جوڑ دیا ہے) اس عبارت میں ’’ڈانڈے‘‘ اور ’’جوڑ دیا‘‘ میں کمپوزنگ کی غلطی نہیں ہے جو واضح ہے (صفحہ-527...... **"لولاک لما خلقت الافلاک"** جیسی ’’موضوعی روایت‘‘......) ایک مبتدی طالب علم بھی ’’موضوع روایت‘‘ کو ’’موضوعی‘‘ لکھا دیکھ کر ہنسے گا نہیں تو مسکرائے گا ضرور۔(صفحہ-531...... کے ترجمے پر کچھ کہنا چاہوں گا کہ بعض جگہ شعر فہمی میں وہ ’’غچہ‘‘ کھا گئے......صفحہ-534......لیکن بعض مقامات پر وہ خود بھی ’’غچہ‘‘ کھا گئے ہیں) ’’غچا‘‘ کا صحیح تلفظ وہ نہیں جو موصوف نے لکھا ہے موصوف نے ’’غچہ‘‘ بروزن ’’بچہ‘‘ زچہ، لکھا ہے جب کہ اس کا صحیح تلفظ بروزن اچھا، سچا، ہے، اور یہ ادب کی زبان بھی نہیں ہے چہ جائیکہ ایسے الفاظ نعتیہ ادب کے حوالے سے ایسے موقر مجلّہ میں استعمال کئے جائیں۔ ٹیپ کے بند کے طور پر موصوف کا ایک شعر بھی ملاحظہ فرمالیں جو انہوں نے فخریہ پیش کیا ہے۔

تہذیب و ثقافت کا چشمہ پھوٹا ہے عرب کے صحرا سے
یہ حسن ثقافت حسن جہاں صدقہ ہے مرے صحرائی کا

اس شعر میں نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صحرائی کہا گیا ہے۔ کیا آپ کو صحرائی کہنا

درست ہے؟ اس شعر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صحرائی کہنا ادبِ رسالت و نبوت کے بھی خلاف ہے اور حقیقت کے بھی خلاف ہے آپ اردو عربی کی کسی بھی لغات میں دیکھ لیں ،صحرائی، کے معنی جنگلی اور بیابانی لکھے ہوئے ہیں تو کیا صاحبِ نبوت ورسالت کو جنگلی کہنا درست ہے؟ وہ بھی ایک امتی کو؟

لہٰذا یہ ادبِ رسالت و نبوت کے خلاف ہے۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ شریف میں پیدا ہوئے جو پورے عرب کا محور و مرکز تھا اور بلحاظِ آبادی گنجان تھا جسے کسی بھی اعتبار سے صحرا نہیں کہا جا سکتا اور یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ امراء و رؤسا صحرا میں نہیں ہوئے جب کہ اہالیانِ مکہ کی امارت و ریاست کی شہادت سے کتبِ تاریخ بھری ہوئی ہیں تو کیا مکہ شریف کے حوالے سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صحرائی کہا جا سکتا ہے؟ اور مدینہ شریف کے حوالے سے تو قطعی نہیں۔ کیونکہ مدینہ کے معنی ہی شہر ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ شریف تشریف لے جانے سے قبل ہی وہاں بنو اوس بنو خزرج اور یہود آباد تھے یہ بات دیگر ہے کہ وہ پہلے یثرب کہلاتا تھا بعد میں مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا جانے لگا مگر صحرا وہ اس وقت بھی نہیں کہلاتا تھا چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صحرائی کہنا حقیقت کے بھی خلاف ہے۔

اور آپ کا فخریہ طور پر پیش کردہ یہ شعر معنی و مفہوم کے اعتبار سے بھی محلِ نظر ہے۔ کیونکہ اس کے مصرعۂ ثانیہ میں تضاد ہے کہ تہذیب کا حسن اور دنیا کا حسن نعوذ باللہ بقول آپ کے ایک جنگلی کا صدقہ ہے دوم یہ کہ صحرائی ہے تو تہذیب کا فقدان ہوگا اور اگر مہذب ہے تو صحرائی کیسے کہا جائے گا؟

''اختتامیہ''

میں نے اپنے ایک مضمون ''تبصرہ بر تبصرہ'' جو شمارہ سوم میں شائع ہوا ہے میں مدیرِ محترم اور نقاد و مبصرین کو متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ تنقید و تبصرہ میں سخت و کرخت لہجہ استعمال کرنے کے بجائے زبانِ شیریں کا ''پریوگ'' کریں اور اب بھی التماس گزار ہوں کہ یہ نعتیہ رسالہ ہے اس میں اشاعت کی غرض سے لکھی جانے والی تحاریر تسنیم و کوثر سے نہیں تو کم از کم ادب کی سیاہی سے تو رقم فرمائیں۔ ورنہ یہی حال رہا تو خدا نہ کرے مستقبل میں قارئین کرام ایسی تنقید و تبصرے کے پیش نظر کہیں یہ نہ سوچنے لگیں۔''

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

جب کہ ناقدین و مبصرین کے قلم کو یہ دعوت دینا چاہئے۔

''گر بتادیں گے بادشاہی کے ہم فقیروں سے گفتگو کرلو''

☆☆☆

شہیر رضوی (کھیری، یوپی)

''دبستان نعت'' جلدنمبر۳/اپنے آئینے میں

''دبستان نعت'' اپنے مقصد کی حصول یابی کی طرف مسلسل بڑھ رہا ہے۔اس کے جملہ متعلقین کو اس بات کا بحسن وخوبی علم ہے کہ محبّ گرامی فیروز احمد سیفی (امریکہ) کی نگرانی میں ڈاکٹر سراج احمد قادری اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی اور تمام تر مصروفیات کے باوجود نعت پاک کو نصاب میں شامل کرانے کے لیے کامیاب کوشش کر رہے ہیں۔نعت گوشعراء کی ادبی خدمات،نعت پر تنقیدی و تحقیقی مضامین اور نعتیہ ادب پر Ph.d کرنے والوں کی رہنمائی وغیرہ عنوانات پر ''دبستان نعت'' میں لکھا جارہا ہے۔ڈاکٹر سراج احمد قادری کی آواز پر خاکسار پہلے ہی لبیّک کہہ چکا ہے۔میں اپنے محبان اردو سے پُرزور گزارش کرتا ہوں کہ نعت پاک کو نصاب میں شامل کرانے کی حتی الامکان کوشش کرتے رہیں۔

''دبستان نعت'' جلدنمبر۳ کے سرِ ورق وَ اِنّکَ لَعلیٰ خُلُقٍ عَظِیم (پ۲۹ سورہ قلم،آیت نمبر۴) پر نظر پڑتے ہی ڈاکٹر سراج احمد قادری کی قرآن سے محبت کا اندازہ لگ گیا صفحہ نمبر۲ پر

یا رسول اللہ انظر حالنا یا حبیب اللہ اسمع قالنا
انّنی فی بحر غم مغرق خُذ یدی سھّل لنا اِشکالنا

انتخاب بھی قابلِ داد ہے۔اب کے ''دبستان نعت'' کو اردو کے اوّلین محقق نعت ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری کے نام منسوب کیا گیا ہے۔قادری صاحب ادب کے سمندر میں غوطہ لگا کر یہ ہیرا ڈھونڈ کے لائے ہیں۔

صفحہ نمبر۴ پر حبیب تلونڈی کا نعتیہ قطعہ بہت ہی اچھا ہے ۔

نعت کیا ہے جگر کے ٹکڑے چند
ایک لڑی میں پرو کے لایا ہوں

دوسرے مصرعے میں ایک کی بجائے ''اک'' ہونا چاہئے تھا۔صفحہ ۵ سے ۹ تک ابواب کا تعین کیا

گیا ہے۔ صفحہ ۱۰ ار پر نعت کے دیوانے (جسے نعتیہ ادب کی دنیا ڈاکٹر سراج احمد قادری کہتی ہے) کا اداریہ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلواہ افروز ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

''''نعت'' ادب۔۔۔۔نہیں ہوسکا''

بیشک نعت کے تئیں ڈاکٹر صاحب بہت حساس ہیں۔ موصوف حوصلہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ماضی میں نہ کردہ کی تلافی ممکن ہے۔''

اسی میں آگے ہے کہ:

''ویسے تو۔۔۔۔فنی تنقید''

مذکورہ نکات سے میں میں متفق ہوں جنہیں اس میں تنسیخ و ترمیم کرنی ہے وہ حضرات آگے آئیں۔ حضور تاج الشریعہ، ڈاکٹر اظہار مسرتؔ یزدانی اور مختار عاشقی کو خراج عقیدت پیش کرنا اخلاقی ذمہ داری تھی۔

باب'' تحمید و تقدیس'' میں صفحہ نمبر ۲۱ پر کولکاتہ کی نغمہؔ نور کا قطعہ نظر نواز ہوا:

میرے اللہ مری فکر، عنایت تیری میری
ہر سانس ، مری ذات امانت تیری

پہلے مصرعے کا آخری لفظ ''میری'' دوسرے مصرعے کے ''ہر'' سے پہلے کا ہے۔ یہ کمپوزنگ کی غلطی ہے۔ حضرت سید علی حسین اشرفی کچھوچھوی کی حمد کے سبھی اشعار دل کو محظوظ کر رہے ہیں۔ متینؔ امروہوی نے مرزا اسداللہ خان غالبؔ کی زمین پر نئے آہنگ سے نعت کہنے کی کوشش کی ہے۔ حمد یہ اشعار کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ سوال دوسرا حصہ جواب۔ جواب والے حصے کے چوتھے شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ ''میں'' کمپوزنگ کی وجہ سے زیادہ ہو گیا ہے۔ رشیدہ عیاںؔ (نیو جرسی) نے بھی جدت سے کام لیکر مرصع حمد کہی ہے۔

باب'' تابش فکر و نظر'' کی ابتدا محمد حسین بھٹکلی کے شعر سے ہوئی ہے۔ شعر اپنے مفہوم و موضوع کے اعتبار سے اچھا ہے۔

فکر و فن کی پاک دامنی ہے معراج سخن
اپنا انداز تغزل بہ وضو ہے دوستو

مصرعہ اولیٰ میں ''دامنی'' کی جگہ ''دامانی'' وزن میں آرہا ہے۔ ڈاکٹر محمد آصف حسین مراد آبادی نے بہت بڑا کام کیا کہ اردو نعت کے اوّلین ناقد مولوی محمد حسین تمنّاؔ مراد آبادی کو روشناس کرایا۔

مقالے سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے بہت محنت کی اور وقت دیا۔ تمنّا صاحب کی ادبی اور ذاتی دنیا چھان کر ایک عظیم اور طویل مقالہ لکھا۔ تمنّا مرادآبادی کی ۱۲؍ تصانیف میں ۵؍ نعتیہ دیوان ہیں۔ بہت اہمیت کی بات ہے۔ ڈاکٹر محمد آصف حسین نے تمنّا مرادآبادی کی ادبی خدمات کے حوالے سے ان کے حمدیہ اور نعتیہ اشعار بھی لکھے ہیں۔ تمنّا مرادآبادی صاحب کے کلام میں تمام تر شعری محاسن کے ساتھ ساتھ شرعی اور فنی اغلاط بھی در آئی ہیں۔ صفحہ نمبر ۳۰ پر:

ع ''عدم سے بھی تو پھینکا دورِ آنحضرت کے ہمسر کو''

نبی کے لیے ''پھینکا'' لفظ جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہمسر بتایا جبکہ کوئی ہمسر نہیں۔

ع ''جو اہلِ سخن نعت نہیں کہتا تمنّا'' (صفحہ ۳۲)

اس میں کہتا کی جگہ کہتے زیادہ مناسب ہے۔

ع ''آتشِ قہرِ پیمبر کی جو گرمی پھیلی'' (صفحہ ۳۶)

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمت اللعالمین ہیں۔ اس لیے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا قہر تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کی دلیل میں تمنّا صاحب خود کہتے ہیں:

''وہ رحمت خدا ہیں نہ ہو ان سے نا امید''

صفحہ ۴۳ پر ع ''دیکھا حضرت نے جن آنکھوں سے دیدارِ خدا'' اس میں کمپوزنگ کی غلطی ہے۔

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی نے ہاشم رفاعی پر گفتگو کی ہے۔ مقالہ بتارہا ہے کہ ہاشم رفاعی عربی شاعری کے بے تاج بادشاہ کا نام ہے۔ اصلاحی صاحب نے لکھا ہے کہ ''اسی طرح جاری رہا'' ''رہا'' کی جگہ ''رکھا'' ہونا چاہیے تھا۔ صفحہ ۵۲ پر ''خوشبو اُٹھتی ہے'' کی بجائے ''خوشبو نکلتی ہے'' زیادہ مناسب ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی تقصیر اور کوتاہیوں کا احساس ہے (معاذ اللہ) اصلاحی صاحب نے بہت سی عربی لغات ملاحظہ کی ہونگی ہر لغت میں ''نبی'' کا معنیٰ معصوم ہے (جس سے کوئی گناہ ماضی میں ہوا ہو، نہ ہو رہا ہے اور نہ مستقبل میں ہوگا) اور ایسا سوچنا بھی کفر ہے۔ آگے صفحہ ۵۳ پر ترجمہ:

''اے نفس تمہاری'' کی بجائے تیری درست ہے۔ ''آسائش ہیں'' ''ہے'' ہونا چاہیے۔

''دست بدعا'' کو ''دست بادعا'' لکھنا چاہیے۔

حضرت علامہ عبدالعلیم آسی غازی پوری علیہ الرحمہ کی نعتیہ شاعری پر کرم فرما پروفیسر فاروق احمد صدیقی نے بہت خوب تحریر کیا ہے۔ حضرت آسی کے نعتیہ دیوان ''عین المعارف'' کے کچھ اشعار کے

مطالب بھی بیان کیے۔

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر
اُتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر
(آسیؔ غازی پوری)

اس شعر کے مصرعہ اولیٰ میں '' ہے '' کی جگہ '' تھا '' لکھ کر اعتراض کرنے والوں نے اعتراض کا بہانہ نکالا۔ پروفیسر صاحب نے اس کی بہت اچھی تشریح کی ہے۔

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیطؔ نے محسنؔ کاکوروی کے قصیدے '' مدیح خیر المرسلین '' کی ہندوئی اصطلاحات پر سیر حاصل تو نہیں معقول و مناسب لکھا ہے۔ زبان، لفظیات اور تمدن کا تذکرہ کرتے ہوئے دکنی شاعر کی مثنوی میں سیاح لامکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف کو بیان کیا جو ازحد قابلِ تحسین ہے۔ قصیدے میں استعمال ہندوئی اصطلاحات، کاشی، متھرا، ورنداون، بھادوں، جوگی، بھبھوت، کنہیا اور اندر وغیرہ کی توضیح کی ہے جو اردو والوں کے یہاں دور تک نظر نہیں آتی۔

جناب تنویر پھولؔ (نیویارک) کا مقالہ '' ھندو پاک میں فروغ نعت کی کوششوں کا اجمالی جائزہ '' تمام ادبی اور فنی خوبیوں سے بھرا ہوا ہے۔ انہوں نے قارئین کو بڑی جانکاری دی کہ نعت سب سے پہلے عبرانی زبان میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہی جس کا مختصر اردو ترجمہ بھی پیش کیا۔ اردو نعت پر پاک و ہند میں جو کام ہوا اور ہو رہا ہے اسے مفصل پیش کیا ان کی تحریر بتا رہی ہے کہ ھندوستان کے مقابلے پاکستان میں زیادہ کام ہو رہا ہے۔

نعتیہ ادب کے ماہر ڈاکٹر عزیز احسن (پاکستان) نے اپنے عنوان کو نباہا ہے جتنی داد دی جائے کم ہے۔ نعت کی متنی کثیر المعنویت پر عمدہ بحث کی ہے، مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ ڈاکٹر اقبالؔ کے ذریعے داغؔ و غالبؔ کا موازنہ ان کی منصف مزاجی کا ترجمان ہے۔

ڈاکٹر راہی فدائی ایک منجھے ہوئے ادیب ہیں اپنے مقالے میں غلو کا معنیٰ، تشریح و توضیح کا بیان بہت خوب کیا ہے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فارسی مکتوب کے اردو ترجمہ سے ثابت کیا کہ شریعت کی پابندی بہت ضروری ہے۔ حضرت بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قصیدۂ بردہ شریف کے نو اشعار کا ترجمہ پیش کر کے اردو والوں کے علم میں اضافہ کیا ہے۔ فارسی کے حافظ شیرازی، فخر الدین عراقیؔ خاقانیؔ جامیؔ اور حضرت امیر خسروؔ کے بھی اشعار ترجمے کے ساتھ کوڈ کئے۔ اردو کے قلی قطب شاہ، سلطان ثانی، ولی اورنگ آبادی، داؤد اورنگ آبادی شاقربی، فی الحال قادری،

علامہ باقر، محمد علی جمیل اشرفی، ڈاکٹر اقبال رضا بریلوی علامہ فدوی، اور اسد ثنائی کے اشعار لکھے۔ غلو سے بچنے کی کامیاب کوشش کی۔ واہ۔۔۔ واہ۔۔۔ ڈاکٹر ناصر الدین انصار صاحب نے تو بالکل نئے آہنگ اور نئی جہت میں لکھا۔ مجھے تو بہت اچھا لگا کہ خان حسنین عاقبؔ کو متعارف کرایا۔ عاقبؔ صاحب نے نعت کے لیے ایک لفظ پروفیھیم تلاش کیا نظریں جب صفحہ۱۵۴ پر پہونچیں تو دیکھا کہ عاقبؔ صاحب نے Poem اور Prophet کو یکجا کر کے Prophiem کی اصطلاح ایجاد کی۔ عاقبؔ صاحب کو تہہ دل سے مبارک باد۔ صفحہ ۱۵۵ پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ مجھ سے پہلے مبارک باد دینے والوں میں امریکہ کی عمر رسیدہ شاعرہ Lorrain Colon اور Giorgia کی Asmss Ussidieg انگلینڈ کے David Words اور نائجیریا کی sololman walkar Akaiabar وغیرہ ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جناب حسنین عاقبؔ پر اور مزید لکھا جائے اور حسنین عاقبؔ اپنے بارے میں نعتیہ شاعری کی حیثیت سے آئندہ Volumes میں لکھتے رہیں۔

دھنباد سے رشید اختر خاں نے ''ہندوستان کی یونیورسٹیز میں حمد و نعت کی تحقیق و تنقید سمت ورفتار'' کو موضوع سخن بنا کر حمد یہ ادب کی روایت کو قدیم مصری، قدیم چینی اور قدیم ہندوستانی لکھا۔ سفیران رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کارواں دنیا کے مختلف حصوں میں پہنچتا گیا۔ نعت گوئی کا سلسلہ بھی دراز در دراز ہوتا گیا۔ ہندوستان میں نعت کا آغاز آٹھویں صدی ہجری تسلیم کیا گیا ہے۔ ہندوستان کے ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاقؔ ناگپوری نے ۱۹۵۵ء میں نعتیہ شاعری پر مقالہ لکھا۔ ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ اس سے پہلے ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ کی بیش بہا تصنیف ''اردو کی نعتیہ شاعری'' کی اشاعت ۱۹۷۴ء میں ہو چکی تھی۔ یہ اچھی تحقیق ہے۔ رشید اختر خاں نے ای۔ کے کٹی، ایم محمد، ڈاکٹر غلام دستگیر، محمد طفیل اور سید صبیح رحمانی کا بھی ذکر کیا یہ موصوف کی ایماندارانہ روش پر دال ہے۔ ہندوستان میں عربی شاعری پر ہونے والے کام کو پروفیسر اصلاحی کا مرہون منت مان کر اپنی ناقص تحقیق کا مظاہرہ کیا ہے۔ اصلاحی صاحب سے پہلے نہ جانے کتنوں نے عربی شاعری پر کام ہی نہیں کیا بلکہ نمایاں خدمات کی بنا پر عربی شاعری میں ایک خاص مقام بنایا جس میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزوؔ اور علمائے کرام ہیں۔ حضرت علامہ سید میر غلام علی آزادؔ بلگرامی نے عربی میں سات دواوین اور سترہ ہزار اشعار دیکر پہلے حسان الہند کہلائے۔ میر محمد مرتضٰی زبیدی نے تو وہ کام کیا کہ عرب والے بھی آپ کو عجمی نہیں بلکہ عربی ہی سمجھتے رہے۔ ان عبقری شخصیات کے علاوہ میر عبدالجلیل نامی بلگرامی، میر طفیل وغیرہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ ''دبستان نعت''

کے صفحات کا خیال رکھتے ہوئے اتنے ناموں پر ہی اکتفا کر رہا ہوں۔ رہا یہ کہ موصوف کا مقالہ فکر وتجسس اور محنت ولگن کی عکاسی کر رہا ہے۔

''روہیل کھنڈ یونیورسٹی کے جدید نصاب میں نعت'' کے تحت حاجی سید محمد مفیض الدین قادری نے نئی معلومات فراہم کیں۔ وہاں کے نصاب (ایم۔اے اردو پرچہ اوّل) میں حضرت مولانا احمد رضا، حضرت حسن رضا بریلوی کی نعتیں اور مرزا محمد رفیع سوداؔ اور محسنؔ کاکوروی کے قصائد کے کچھ اشعار شامل ہیں۔

محمد علی شیدؔا صدیقی ''نقدِ نعت کا اجمالی جائزہ'' لیکر آئے۔ آپ نے سچ لکھا کہ ''تم فرماؤ۔۔۔۔ مکمل نہیں ہوگا۔'' (صفحہ ۱۸۱)

اور صفحہ ۱۸۳ تنقید نگاروں کی کلاس لیکر بتا دیا کہ ''ہر نقاد۔۔۔۔کر دی ہے۔'' صفحہ ۱۸۴ پر بھی ایسے ہی تنقید نگاروں کو آئینہ دکھایا ہے۔

ابن فرید کا ''اودھی میں ایک نیا رجزیہ'' پسند آیا۔ ڈاکٹر آصف آذرؔ نے شاعری کی تمام اصناف اور نعت کا موازنہ کیا، اچھا لگا۔ نعت پر ان کے یہ بھی جملے ''جذب و مستی۔۔۔۔ پاتے ہیں۔'' بہت مناسب ہیں تمثیل میں حضرت جامیؔ کا یہ شعر سونے پر سہاگہ، کا کام کر رہا ہے۔

ایں قدر مستم کہ از چشم سراب آید بروں
از دل پُر حسرتم دود کباب آید بروں

''یہ جو گفتگو۔۔۔۔ محل بنتا جاتا ہے۔'' (صفحہ ۲۰۳) بہت خوب ہے۔ صفحہ ۲۰۴ پر آذرؔ صاحب نے اپنے اشعار لکھے ہیں ان میں دوسرے شعر کے پہلے مصرعے کے آخر میں ''جبیں'' کے بعد ''ہے'' کی کمی ہے۔ چوتھا شعر لکھا :

اب تک ہے ہرا شجر جو مس ان سے ہوا تھا
دائم رہے ہر شئے جو بھی دامن سے لگی ہے

مصرعہ اوّل میں ''شجر'' بہ وزن فعل کے استعمال ہوا ہے اور دوسرے مصرعے میں تسلسل نہیں ہے۔

''باب افکار روشن'' کی ابتدا مولانا محمد علی جوہرؔ کے شعر سے کی گئی، اچھا ہے۔ مرزا ساجدؔ امروہوی ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ فتح پوری، ڈاکٹر مقبول سلیم، علیم صبا نویدی، ڈاکٹر وسیم افتخار انصاری اور محمد کاشف وغیرہ نے بہت اچھا لکھا ہے۔ میرے شفیق فیروز احمد سیفی (نیویارک) ''مرغوب ترچنا پلوی'' کو گمنامی کے چاہ سے نکال کر افلاکِ شہرت کی بلندیوں کا سفر کامیابی کے ساتھ کراتے ہوئے نظر

آ رہے ہیں۔ ڈاکٹر مجیب شہزر نے حسن رضا اطہر پر لکھا، پسند آیا۔ حسن رضا اطہر اس دور کے نعت گو شعراء میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ان کے یہاں محنت و لگن کاوشِ فکر، بلند خیالی، جدّت اور ندرت بیانی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ڈاکٹر رضوان انصاری نے مستند و معتبر، استاذ فن قادر الکلام شاعر فیاض ٹانڈوی کی حمدیہ شاعری کو موضوعِ قلم بنایا۔

حضرت مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر Ph.d کرنے والے، اپنی ملازمت کو ایمان داری سے برتنے والے، نظم و نثر نگار کی حیثیت سے اپنی پہچان بنانے والے اور ''دبستان نعت'' کو ایڈٹ کرنے والے ڈاکٹر سراج احمد قادری، ضلع بستی کے مشہور و معروف شعرأ کی سوانح عمری اور کلام لیکر جلوہ افروز ہیں۔ قادری صاحب نے جن شعرأ کے کلام اور سوانح پر قلم اُٹھایا ان کو جس نے بھی پڑھا ہوگا، اگر بہت اچھا نہیں تو اچھا ضرور کہا ہوگا۔ اسی باب ''افکار روشن'' میں کچھ قلم کاروں نے قارئین کو عمدہ مواد نہیں دیا صرف بھرتی ہی بھرتی ہے۔

آیئے مجلّہ کی شان سب سے زیادہ مشکل شعرأ و نثر نگاروں کا آئینہ یعنی ''دبستان نعت'' کا باب ''زاویۂ نگاہ'' ملاحظہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر قادری نے اس باب کے قلمکاروں کی جو ترتیب دی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ سب سے پہلے اقبال اعظمی کا تاثر شامل کیا ہے، میں نے جب آپ کا تاثر پڑھنا شروع کیا تو ایک ایک سطر اپنی طرف مائل کرتی ہوئی سمجھا سمجھا کر ذہن و دل میں اترتی چلی گئی۔ ''دبستان نعت'' کے Valume No 2 سے سطر سطر کی شہادت ملتی گئی، پڑھتا گیا آگے بڑھتا گیا، یہاں تک کہ آخری صفحہ ۴۹۰ پر پہنچ کر کہنا پڑا:-

دیئے تجھ کو قدرت نے لاکھوں خزانے

پتہ چلتا ہے کہ اقبال صاحب نے Valume No 2 کا بہت گہرائی سے مطالعہ کیا، ایک ایک حرف کو تنقید کی ترازو پر رکھا اور لکھا۔ میری سمجھ سے اتنا اچھا تاثر و تبصرہ اردو دنیا کا کوئی بھی مبصر نہیں کر سکا۔ آپ کے یہاں لفظیات، فصاحت و بلاغت حتیٰ کہ نثر کی تمام تر خوبیاں اپنی رعنائیوں کے ساتھ موجود ہیں۔ دینی، علمی سماجی، فنی اور عروضی علم پر آپ کو عبور حاصل ہے۔

شعری نشست ہو یا نثری تقریب، اخبارات و رسائل ہوں یا صحیفے و کتب پروفیسر فاروق احمد صدیقی تنقید و تبصرہ یا تاثر کے لیے جب قلم اُٹھاتے ہیں تو ان کے اصولوں کو بحسن و خوبی نباہتے ہیں۔ ''دبستان نعت'' جلد نمبر ۲ میں کرشن کمار طور کا حمدیہ مصرعہ:

بے نشاں بے شمار میرا رب

اس کی اصلاح میں پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب فرماتے ہیں کہ رب ایک ہے، بے شمار نہیں۔ پروفیسر ابوسفیان اصلاحی کے اس اقتباس سے'' پاکستانی۔۔۔۔زد پر ہیں۔'' صدیقی صاحب متفق ہیں دوسرے اقتباس کا محاسبہ کر کے انہیں حبط اعمال کا آئینہ دکھا کر بہترین اصلاح کر دی۔ شاہ اجمل فاروق ندوی کا اعتراض کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ''تم''، ''تو''، ''تیرا'' جیسی ضمائر جائز نہیں۔ صدیقی صاحب اس پر مختصر مگر جامع لکھ کر اور اکابر بزرگ شعراء کے اشعار کی مثال دیکر ثابت کر دیا کہ مذکورہ ضمائر جائز ہیں۔ ڈاکٹر حافظ کرناٹکی نے نعت کی لفظیات میں جتنا جو بھی غلط لکھا، پروفیسر صدیقی نے قرآن وحدیث کی روشنی میں تنقید فرمائی۔ پروفیسر مولا بخش کے ''اقبال سہیل اور موج کوثر''، ڈاکٹر بی محمد داؤد محسن ''نعتیہ شاعری افادیت ومقصدیت'' اور ڈاکٹر رؤف خیر کے ''نعت گوئی کے بنیادی تقاضے'' پر بھی صدیقی صاحب نے اصلاحی نظر کی۔ ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب اپنے تبصرے میں جہاں جہاں پلیٹ فارم سے ہٹے پروفیسر فاروق احمد صاحب نے انکی بہترین رہنمائی فرمائی۔

''دبستان نعت'' شمارہ نمبر۲ کے تنقیدی جائزے میں ڈاکٹر اشفاق انجم نے لکھا کہ ''اس شمارے میں غیر معیاری تخلیقات کافی جمع ہو گئی ہیں۔'' اور ''اکثر لوگ۔۔۔۔سہارا لیتے ہیں۔'' انجم صاحب کی میں تائید کرتا ہوں۔ ڈاکٹر انجم صاحب لکھتے ہیں کہ ''رہی۔۔۔جاتے ہیں۔'' امام احمد رضا کو ان کے ماننے والوں نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے اساطیری شخصیت بنا دی۔ آگے لکھتے ہیں کہ ''میں یہ۔۔۔شاعر ہیں۔'' امام احمد رضا کے علاوہ اردو کا دوسرا بڑا شاعر ہو تو ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب قارئین کے علم میں اضافہ کریں۔ ڈاکٹر انجم صاحب اور ایک اقتباس میں لکھتے ہیں کہ ''محسن کا کوروی کو مولانا کا قصیدہ پسند نہ آیا ہو اور اپنے قصیدے کی بے حرمتی کے خیال سے نہ سُنایا ہو۔'' ابھی تک ''نظر کا چشمہ'' سُنتا اور پڑھتا آیا ہوں لیکن انجم صاحب ذہن ودل کے کئی چشمے رکھتے ہیں یا مطالعہ بہت کمزور ہے یا من میں جو بھی آیا لکھتے گئے۔ ڈاکٹر صاحب دوسروں کو ''معیاری'' کا درس دیتے ہیں لیکن خود اس کا خیال نہیں رکھتے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ محسن کا کوروی کو امام احمد رضا کا قصیدہ اتنا پسند آیا کہ اپنا قصیدہ نہیں سُنایا۔ ڈاکٹر انجم صاحب نے من گڑھت لکھا کہ ''محسن نے اپنے قصیدے کی بے حرمتی کے خیال سے نہیں سُنایا۔'' ڈاکٹر صاحب بے حرمتی کی وضاحت کریں کہ امام احمد رضا کو قصیدہ سُنانے سے کیوں اور کیسے بے حرمتی ہوتی۔ ہاں ڈاکٹر صاحب کو بھی معلوم ہوگا کہ بہتان لگانے کی وعید کیا ہے؟

پروفیسر فاروق احمد صدیقی نے ''راشد طراز کی ایک مشکبار غزل'' کا تجزیہ کیا۔ اس پر انجم صاحب کا اعتراض درست نہیں ہے۔ ڈاکٹر رؤف خیر کے پیش کردہ شعر کا مصرعہ:

ہجر وہ غم ہے کہ خدا سے بھی اُٹھایا نہ گیا

اور جملہ ''یہ حدیثِ اقبال بھی حدیثِ قدسی کا درجہ رکھتی ہے۔'' (معاذ اللہ) مندرجہ مصرعے اور جملے پر ڈاکٹر صاحب کی تنقید و اصلاح کی میں تائید کرتا ہوں۔ کرامت علی کرامت کے مصرعہ: ع

راس آئی ہمکو احمد مرسل کی دھول (معاذ اللہ)

اس پر بھی ڈاکٹر انجم صاحب کی تنقید درست ہے۔

مضطرؔ تجھے نہ بھولے گا اسلامی مورخ
لکھے گا جب اسمائے ثنا خوانِ محمد ﷺ

مندرجہ بالا شعر پر ڈاکٹر انجم صاحب کا کہنا ہے کہ'' اگر کمپوزنگ کی خامی نہیں ہے تو دونوں مصرعے بحر سے خارج ہیں۔'' اس شعر میں نہ تو کمپوزنگ کی کوئی خامی ہے اور نہ بحر سے خارج ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ ڈاکٹر انجم صاحب نے مصرعہ اوّل کا آخری لفظ ''مورخ'' کو ''مو+ رِخ'' پڑھا اور مصرعہ ثانی کے ''اسمائ'' کا پہلا ''الف'' حزف نہیں کیا۔

صفحہ ۵۳۳ / پر سگ، کلب اور کتے کے ذکر سے ڈاکٹر انجم صاحب کو وحشت ہوتی ہے کیونکہ وہ نجس ہے، قرآن شریف میں ''خنزیز'' آیا ہے اس سے موصوف کو کیا ہوتا ہے؟

ڈاکٹر عزیز احسن صاحب'' تنویر پھول اور قاضی محمد رفیق فائز فتح پوری کے تبصرے پسند آئے۔ مقصودؔ بستوی اور سلطان آزادؔ، پٹنہ کو شاید وقت نہیں مل پایا ورنہ اتنا مختصر تبصرہ اور وہ بھی ''دبستانِ نعت'' جیسے ضخیم Valume کا۔

باب ''گلہائے عقیدت'' کے لیے سرشار صدیقی کا شعر برمحل ہے۔ محمد علی شیدؔا صدیقی بستوی کا چوتھا شعر:

میں چوم لیا کرتا ہوں اس خامہ کے لب کو
جب مدحت سرکار میں لکھتا ہوں قلم سے

مصرعہ اوّل و ثانی دونوں میں لفظ ''میں'' آیا ہے اور پہلے مصرعے کا ''مَیں'' ہے دوسرے مصرعے میں ''مَیں'' یا ''میں'' دونوں اپنے اپنے متن کے اعتبار سے صحیح ہیں لیکن ''مَیں'' ہی ہے تو اس شعر کا حسن ختم ہوجاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب کی بجائے جس قلم سے لکھتا ہوں کا محل ہے۔

''جا بخش دیا تجھ کو محمد کے کرم سے''

اس میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرم سے نہیں بلکہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے ہونا چاہئے۔

عارفؔ خیر آبادی نے پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں "اللہ" لکھا ہے "واللہ" کا محل ہے۔

ع: مومنوں کا قبلۂ جاں دل اس کا ہو گیا۔

اس کی کی بجائے "اُسی" ہونا چاہیے۔ ریحانہ عاطفؔ نے کلام میں محنت و ریاض نہیں کی۔

ع: نبی ذات اقدس ہے وہ جس پر

اس میں "اقدس" کی جگہ مقدس ہونا چاہیے۔ صفحہ ۶۱۶ پر ڈاکٹر جعفر جریؔ کا درج ذیل مصرع:

ہم بس کہ ترا نقشِ قدم دیکھ رہے ہیں

"ہم ہیں" ہونا چاہیے۔

مقطع: میں نعت سُنا تا رہا ان کو تو وہ جریؔ

حیرت سے مرا زورِ قلم دیکھ رہے ہیں

"سُنا تا رہا" فعل ماضی اور "دیکھ رہے ہیں" فعل حال ہے۔ دونوں مصرعے دو وقت کی گفتگو، یہ فنی غلطی ہے۔

پروفیسر عبد المنان طرزیؔ کا صلوٰۃ و سلام بہت خوب ہے لیکن ضمائر کا استعمال درست نہیں ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ کلام کہنے کے بعد بغیر نظرِ ثانی کیے اشاعت کے لیے ارسال کر دیا ورنہ ایک پروفیسر اور یہ غلطیاں؟ ایک ہی شعر کے دونوں مصرعے میں جُدا جُدا ضمائر کا استعمال ہے جیسے آپ کے ساتھ آئے، "تو" وغیرہ۔ اس کے علاوہ اور بھی عروضی غلطیاں ہیں۔

ڈاکٹر عزیز احسن پروفیسر فاروق احمد صدیقی، حسنین عاقبؔ، مجاہد سید، شارق عدیلؔ مارہروی، اظہرؔ عنایتی، سہیلؔ کاکوروی، عرشؔ صہبائی، حاجی عبد الرحمٰن حبیبؔ حیدر آباد، ڈاکٹر وحید انجم گلبرگہ، حلیم صابر کولکاتا، مولانا عابدؔ کا کلام بہت اچھا ہے۔

"ستائش نامے" کی ابتدا جگرؔ مراد آبادی صاحب کے شعر سے کی گئی ہے، بہت ہی موزوں ہے۔ "ستائش نامے" کے بعد تاریخی دستاویز "دبستان نعت" کا آئندہ کے لے اختتام کیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے جناب فیروز احمد سیفی اور ڈاکٹر سراج احمد قادری کو ایمان کی مضبوطی کے ساتھ سلامت رکھے اور "دبستان نعت" اپنی تمام تر جلوہ آرائیوں کے ساتھ شائع ہوتا رہے۔ (آمین)

☆☆☆

حلیم صابر (کولکاتا)

فروغِ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ ''دبستانِ نعت''

حمد و نعت گو شعراء کی تعداد دیگر اصناف سخن کے مقابلے میں ہر عہد میں کم رہی ہے لیکن اس کے باوجود اُردو حمد یہ و نعتیہ ادب کا بہت بڑا ذخیرہ اُردو ادب میں موجود ہے اور روز بروز اس میں اضافہ بھی ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن محققین اور ناقدین نے اس کی جانب خاطر خواہ توجہ نہیں فرمائی جس کے سبب اس کا بہت بڑا حصہ اُردو قارئین کی نگاہوں سے اوجھل رہا ہے۔ اسی کمی کے پیش نظر نعتیہ ادب کو فروغ دینے کے علاوہ تحقیق و تنقید پر بھی شعرا و ناقدین کو راغب کرنے کے لئے اور ان کی گراں قدر تخلیقات و تصنیفات کو وسیع پیمانے پر متعارف کرانے کے لئے ''دبستانِ نعت'' کا کتابی سلسلہ زیر نگرانی فیروز احمد سیفی، نیویارک امریکہ، ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ادارت میں خلیل آباد، یوپی سے شائع کیا گیا جس کی مجلسِ مشاورت میں مشاہیر ادب پروفیسر ابوالکلام قاسمی، ڈاکٹر پروفیسر مقصود احمد، ڈاکٹر آصف آدر، ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری، رشید اختر خاں، ڈاکٹر رضوان انصاری، ڈاکٹر شعائراللہ خاں اور اسد ثنائی ہیں۔

دبستانِ نعت کا یہ تیسرا شمارہ پچھلے سال منظر عام پر آیا اس سے قبل دو شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ دبستانِ نعت نے کئی برسوں کے اندر عالمی سطح پر نعتیہ ادب کا ذوق رکھنے والے قارئین بھی پیدا کر لئے جس سے اس مجلّے نے بین الاقوامی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ زیر نظر اس کتابی سلسلے کی کڑی مضبوط کرنے اور عالمی اردو بستیوں تک اسے متعارف کرانے میں اس کے مدیر سراج احمد قادری کے علاوہ اس کے نگراں فیروز احمد سیفی کا بہت بڑا کردار نظر آتا ہے جو امریکہ میں رہ کر پوری دنیا میں آباد اُردو کے قلمکاروں اور قارئین سے رابطہ قائم کر کے اس کارِ خیر کو انجام دے رہے ہیں جس کے سبب یہ رسالہ آج اوجِ مقبولیت پر نظر آ رہا ہے۔

640 صفحات پر مشتمل ''دبستانِ نعت'' ایک ایسا ضخیم رسالہ ہے جو نہ صرف ہند و پاک بلکہ پوری دنیا کے قلم کاروں کو اس میں شرکت کی دعوت دیتا ہے۔ اس رسالے کی اہمیت اس لئے بڑھ گئی ہے کہ حمد و نعت کے تعلق سے اس میں ہر طرح کے مضامین شامل کئے گئے ہیں اور بطور خاص نعت کے تعلق سے

تنقیدی مضامین بڑی اہمیت کے حامل ہیں جس سے شاعروں کو فنی تقاضوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اور یہ ضروری بھی ہے کہ حمد و نعت کے تعلق سے چھپے ہوئے گوشوں کی نہ صرف تحقیق کی جائے بلکہ ان پر تنقید کی بھی روشنی ڈالی جائے تا کہ جن شعراء کی نعتیں عمدگی کا نمونہ پیش کرتی ہوں ان کی پزیرائی کی جائے اور جو شعراء جوشِ عقیدت میں تجاوز کر گئے یا اُن سے چوک ہو گئی اُن کو اپنے کلام کا جائزہ لینے کے لئے آمادہ کیا جائے۔

ڈاکٹر محمد آصف حسین نے اپنے مضمون ''اردو نعت کا اولین ناقد: تمنا مراد آبادی'' سے قارئین کو متعارف کرانے کا فریضہ بحسن و خوبی ادا کیا ہے جو گمنامی کی دھند میں کھوئے ہوئے تھے۔ اس مضمون کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> ''سرزمین مراد آباد پر بہت سے باکمال ادیب و شاعر پیدا ہوئے جنہوں نے اردو ادب کی گراں قدر خدمات انجام دیں لیکن افسوس کہ مراد آباد کی کوئی ادبی تاریخ آج تک مرتب نہیں ہو سکی جس کی وجہ سے اکثر شعراء کرام اور ادیبوں کی خدمات منظر عام پر نہیں آ سکیں۔ سردست ایک ایسے شاعر کا تذکرہ مقصود ہے جس نے نعت گوئی کے حوالے سے مراد آباد کو منفرد شناخت عطا کی اس لئے نہیں کہ اس نے پانچ نعتیہ دیوان ادب کو دیئے اور نہ اس لئے کہ سب سے پہلا حمدیہ دیوان اُس کا شائع ہوا بلکہ اس لئے کہ اُسے اردو نعت کا اولین ناقد ہونے کا شرف حاصل ہے جن کا انتقال 90 سال کی عمر میں 1900ء میں ہوا۔''

دبستانِ نعت میں متفرق مضامین کے انبار ہیں جن کے مطالعہ سے جہاں تحقیق کے ذریعہ بہت سارے روپوش گوشے واضح طور پر ظاہر ہوتے ہیں وہیں نعت گوئی کے تعلق سے تنقیدی عوامل بھی سامنے آتے ہیں جو نعت گو شعراء کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ نعت گوئی کے عمل سے گذرتے ہوئے انہیں سامنے رکھیں۔ کیونکہ شاہِ امم کی مدح سرائی کسی بادشاہ وقت کے طرز پر نہیں کی جاسکتی۔ اس کی تشریح ڈاکٹر راہی فدائی نے اپنے مضمون ''نعتیہ کلام میں غلو کی حقیقت'' میں مؤثر انداز میں کی ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تئیں عقیدت کی شدت کہیں کہیں نعت میں غلو کی صورت میں سامنے آتی ہے جو حد سے تجاوز کے مترادف ہے۔ اسی لئے نعت میں معجزۂ رسول یا جوشِ عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے حزم و احتیاط سے کام لینا چاہئے کیونکہ بقول عرفی نعت کہنا تلوار کی دھار پر قدم رکھنا

ہے۔ راہی فدائی کہتے ہیں: ''اس حقیقت کے باوجود قدیم وجدید سیکڑوں شعرا نے اپنے نعتیہ کلام کو ایسے بلند و بالا تصور اور ایسے ارفع واعلیٰ تخیل سے زینت بخشی ہے کہ شعروادب کے بہت سے عالموں اور زبان و بیان کے کئی ماہروں نے ان اشعار کو پڑھ کر یہ فتویٰ دے دیا کہ اُن میں ''غلو'' کارفرما ہے جس سے احتراز کرنے کی سخت ضرورت ہے۔''

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط نے ''محسن کے قصیدۂ مدیح خیر المرسلین کی ہندوئی اصطلاحات'' کے عنوان سے ایک عمدہ اور معلوماتی مضمون سپرد قلم کیا ہے جس سے غیر مسلم ممالک میں آباد شعراء کو روشنی ملتی ہے کہ وہ اپنے ملک کی تہذیبی، ثقافتی اور مذہبی تصورات کا ذکر بھی قصیدۂ درمدح سرور کائنات میں شامل کرکے اسے کس طرح آفاقی حیثیت کا حامل بنادیتے ہیں۔ مثال کے طور پر انھوں نے محسن کاکوروی کے قصیدے کی تشبیب کے حصے کا پہلا شعر جس میں کاشی، متھرا اور گنگا جل کا ذکر ہے پیش کیا ہے جو یوں ہے:

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل

اس شعر پر شدت سے اعتراض بھی کیا گیا لیکن جتنی تنقید اس پر کی گئی یہ قصیدہ اتنا ہی مشہور ہوا۔ اس کے تعلق سے ڈاکٹر یحییٰ نشیط رقم طراز ہیں:

> ''جہاں یہ قصیدہ بعض لوگوں کے اعتراضات کا ہدف بنا وہاں یہ کافی مقبول بھی ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر متعدد تضمین بھی وجود میں آئیں۔ اس قصیدے میں محسن نے جن ہندوئی اصطلاحات کو برتا ہے ان کی تاریخی، تمدنی، تہذیبی اور ثقافتی اہمیت تو ہے ہی، لیکن ہندو مذہب میں ا نہیں خاص مقام حاصل ہے۔''

''دبستانِ نعت'' میں بعض قلم کاروں نے اپنے علاقوں کے ان شاعروں کا تعارف اور ان کی نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے جس سے ان کی نعتیں مطالعے کی روشنی میں آئیں۔ جیسے ہاشم رفاعی پر وفیسر ابوسفیان اصلاحی اور حضرت آسی کی نعت پر پروفیسر فاروق احمد صدیقی کا مضمون، مزید برآں ''اقبال سہیل کی نعت ومنقبت نگاری'' ڈاکٹر عبداللہ امتیاز احمد، ''فتح پور کے شعرائے نعت'' ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری، ''سید وحید اشرف-تجلیات کے آئینے میں'' علیم صبا نویدی، ''ارشد مینا نگری کی نعت گوئی'' ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی، ''حضرت سرور مرزائی صوفی منش نعت گو'' ڈاکٹر منظور احمد، ''امان خاں دِل کی نعتیہ شاعری'' پرفیسر مناظر عاشق ہرگانوی، ''سید نورالحسن نور کی نعتیہ شاعری'' ڈاکٹر محمد

اسمٰعیل آزاد،''عشق،نعت اور رضاؔ حسنؔ بریلوی'' ڈاکٹر وسیم افتخار انصاری،''شاہجہاں پور کے چار معتبر نعت گو'' فہیم بسمل،''مرغوبؔ تر چناپلوی - دکن کے ایک گمنام نعت گو'' فیروز احمد سیفی،''تلک راج پارس شخصیت اور نعت گوئی'' شبّیر شاہد،''حسن رضا اطہرؔ کا نعتیہ کلام'' ڈاکٹر مجیب شہزر،''صغریٰ عالم کی نعتیہ شاعری'' صبیحہ تحسین،''فیاض ٹانڈوی کی حمدیہ شاعری'' ڈاکٹر رضوان انصار اور''ضلع بستی کے چند نعت گوشعراء'' ڈاکٹر سراج احمد قادری (مدیر مجلّہ)۔

مذکورہ بالا نعت گوشعراء پر مضامین کے علاوہ نعتیہ شاعری کے رموز و نکات کے تعلق سے جن قلم کاروں کے مضامین مجلّے کی زینت بنے ان میں عنوانات کے ساتھ ان کے اسمائے گرامی بھی پیش کئے جاتے ہیں:''ہندو پاک میں فروغ نعت کی کوششوں کا اجمالی جائزہ'' تنویر پھول،''نعت کی متنی کثیر المعنویت کے مظاہر'' ڈاکٹر عزیز احسن، انگریزی ادب کو پروفیم (نعتوں) کا تحفہ دینے والے شاعر: خان حسنین عاقب'' ڈاکٹر ناصر الدین،''حمد و نعت کی تحقیق و تنقید ہندستان کی یونیورسٹیوں میں سمت و رفتار'' رشید اختر خاں،''روہیل کھنڈ یونیورسٹی کے جدید نصاب میں نعت'' الحاج سید محمد مفیض الدین قادری،''نقد نعت کا اجمالی جائزہ'' محمد علی صدیقی شیدا علیگ،''اودھی میں ایک نیا رجزیہ'' ابن فرید، ''حسن نعت - پس منظر و پیش منظر بولتے ہوئے رجحانات'' ڈاکٹر آصف آدر۔

علاوہ ازیں''افکار روشن'' کے صفحات پر چند ایسے مضامین پڑھنے کو ملے جن کے مطالعہ سے نعت گوئی کے ضمن میں فنی تقاضوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ان کے عنوانات بھی مضمون نگار کے نام کے ساتھ درج کئے جارہے ہیں ملاحظہ فرمائیں:''آیت قرآنی میں نعتِ محبوب رب العالمین'' مرزا ساجد حسین،''اردو نعتیہ کلام اور تحقیق'' ڈاکٹر مقبول سلیم شیخ مہتاب،''نعتیہ شاعری، جواز اور تقاضے''''نعت کے رنگ امریکہ میں'' غوثیہ سلطانہ نوری،''اک چرغ اور جلا جلۂ درویشی میں'' ڈاکٹر فراز حامدی، ''اردو نعتیہ کلام میں محاوروں کا استعمال'' محمد کاشف رضا شاد مصباحی اور''طلع البدر علینا عقیدت و محبت کا خزینہ'' فراغ روہوئی۔

زاویہ نگاہ کے خانے میں بعض قلمکاروں میں شہپر رضوی، مقصود بستوی اور سلطان آزاد کے تاثرات دبستان نعت 2 کے حوالے سے پیش کئے گئے ہیں جبکہ تنقید نگاروں میں اقبال اعظمی، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، ڈاکٹر اشفاق انجم، ڈاکٹر عزیز احسن، تنویر پھول کے تبصرے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔نعت گوشعراء کو اُن کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔ہمارے بعض نعت گوشعراء ناواقفیت کی بنا پر کبھی مدینہ کے بجائے یثرب استعمال کرتے ہیں جس کی ممانعت سختی سے کی گئی ہے تو کبھی روضہ مصطفیٰ کو

رشک ارم قرار دیتے ہیں جبکہ ارم شداد کی بنائی ہوئی اس مصنوعی جنت کا نام ہے جسے زمین میں دھنسا کر اللہ نے نیست و نابود کر دیا۔ ہم اُن ناقدین حضرات کو سلام پیش کرتے ہیں جنھوں نے نعتوں پر تنقیدی مضامین سپردِ قلم کیے جن سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوا۔ زیرِ نظر مجلّہ کے اواخر میں تقریباً 30 سے زائد نعتیہ کلام بھی متاثر کرتے ہیں جبکہ ابتدا میں حمدیہ کلام بھی شامل ہیں۔ الغرض ''دبستانِ نعت'' حمدیہ و نعتیہ شاعری اور مضامین کے اعتبار سے ایسا پاکیزہ گنجینۂ ادب ہے جس سے حمدیہ و نعتیہ ادب تخلیق کرنے والے اور ان پر تحقیق و تنقید کی خاطر قلم اٹھانے والے صاحبانِ فکر و نظر کو استفادہ کرنے کا شرف حاصل ہوگا۔ دبستانِ نعت کے مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری، اس کے نگراں فیروز احمد سیفی اور اس کے معاونین کی خدمات پر ہم انہیں مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

☆☆☆

کائناتِ نعت

(نعتیہ مجموعوں پر تبصرے)

ان کی نعت پاک اے فاروقؔ کہنے کے لئے
جذبِ صادق، خامہ پُرکار ہونا چاہیے

پروفیسر فاروقؔ احمد صدیقی

کلیات صبیح رحمانی

نام شاعر: سید صبیح الدین صبیح رحمانی مبصر: پروفیسر مجید بیدار

حمد و نعت اور سلام و مناقب کے توسط سے دلی عقیدت اور روحانی سرشاری کو پیش کرنے والے سرزمین پاکستان کے شاعر سید صبیح الدین صبیح رحمانی کو اس وجہ سے اہم مقام حاصل ہے کہ انہوں نے پاکستان کی سرزمین سے طمغۂ امتیاز حاصل کر کے نعت گوئی کی روایت کو فروغ دینے کے علاوہ ''نعت رنگ'' رسالہ کی مدیر کی حیثیت سے عالمی شہرت حاصل کی ہے۔ ان کے عقیدت سے وابستہ کلام کو ڈاکٹر شہزاد احمد نے مرتب کر کے شائع کیا ہے اور اس کلیات کی تدوین میں اس حقیقت کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ صبیح رحمانی کا تحریر کردہ کلام ابتداء سے 2018ء تک یکجا کر دیا جائے۔ اس طرح یہ شعری مجموعہ اپنے انداز سے منفرد حیثیت کا حامل ہے' کیونکہ اس کے ابتدائی حصے میں اردو کے اہم محققین اور ناقدین کے مضامین کو شامل کر کے صبیح رحمانی کے شعری رجحان کی نمائندگی کی گئی ہے' جس کے بعد صبیح رحمانی کے نعتیہ کلام پر تاثرات اور تبصرے لکھنے والے افراد کے خیالات کو نمائندگی دی گئی ہے' جس کے بعد ان کے لکھے ہوئے شعری مجموعوں پر تبصروں کے بعد نعتیہ کلام کا آغاز ہوتا ہے۔ ڈاکٹر شہزاد احمد نے کلیات صبیح رحمانی کی ترتیب و تدوین میں اختیار کئے جانے والے رویے کی نمائندگی کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ نعت کے اس سرمایہ کو اس لئے بھی پیش کیا جا رہا ہے کہ صبیح رحمانی کے نعتیہ مجموعہ ''جادۂ رحمت'' کا انگریزی ترجمہ جسٹس ڈاکٹر منیر احمد مغل نے پیش کیا ہے اور ان کے دوسرے نعتیہ مجموعے کی شہرت ''سرکار کے قدموں میں'' کے ذریعے بھی اور اس کا انگریزی ترجمہ سارہ کاظمی نے انجام دیا۔ یہ دونوں انگریزی ترجمے 2009ء میں دیدہ زیب سرورق اور مثالی کتابت کے ساتھ شائع ہوئے۔ اس طرح

اردو کے ایک ایسے شاعر جس نے نعت گوئی کی وجہ سے ادب میں مقام بنایا اوران کے نعتیہ مجموعے کو انگریز زبان میں بھی ترجمہ کیا گیا' ایسے پرگوں اورنعت نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا حق ادا کرنے والے شاعر کے کلام کو مدون کرنا بھی بلاشبہ کسی کارنامے سے کم نہیں۔ڈاکٹرعزیز احسن کا مضمون ''صبیح رحمانی کی نعت ادبی سفر'' اور پروفیسر انوار احمد زئی کا مضمون ''حدیث جاں سے حدیث جہاں تک'' اور ڈاکٹرشہزاد احمد کے تحقیقی وتنقیدی مضمون ''صبیح رحمانی کی ہمہ جہت نعتیہ خدمات'' کےآغاز کے ذریعے ان کی نعتیہ شعری جہات کو نمائندگی دی گئی ہے' جس کے بعد ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا مضمون ''شہرعلم کا ثناخواں'' شامل اشاعت ہے' جس کے بعد ڈاکٹر اسلم فرخی' افسر ماہ پوری' پروفیسر آفاق صدیقی' احمد حمدانی' ڈاکٹرمحمداسحاق قریشی' ڈاکٹرمحمد انعام الحق کوثر' پروفیسر سحر انصاری' مظفر وارثی' سرشار صدیقی' صہبا اختر' پروفیسر محمد اقبال جاوید' ڈاکٹر تحسین فراقی' راجارشید محمود' ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی' ڈاکٹر سید شمیم گوہر (بھارت)' محسن بھوپالی' ڈاکٹر ہلال نقوی' شکیل عادل زادہ' ڈاکٹرعبدالنعیم عزیزی (بھارت)' جاذب قریشی' ریاض حسین چودھری' رشید وارثی' شفیق الدین شارق کے تاثرات اور تبصرے شامل کئے گئے ہیں۔ان کے شعری مجموعہ ''جادہء رحمت'' کے مبصرین میں تابش دہلوی' محشر بدایونی' حافظ لدھیانوی' حنیف اسعدی' ڈاکٹر ریاض مجید' سحر انصاری' شبنم رومانی اور جاوید قریشی شامل ہیں۔کتاب کے تیسرے حصے میں ان کے دوسرے نعتیہ مجموعے ''سرکار کے قدموں میں'' سے انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ ہر شعری انتخاب سے پہلے اس کی تفصیلات بھی درج کی گئی ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ صبیح رحمانی کے پہلے نعتیہ شعری مجموعے کی اشاعت 1993ء میں ہوئی' جبکہ دوسرے نعتیہ مجموعے ''سرکار کے قدموں میں'' کی اشاعت 2012ء عمل میں آئی' جس کے بعد دیگر نعتوں ومنقبتوں کو بھی اضافے کے طور پر شامل کرکے آغاز سے لے کر موجودہ دور تک ان کی نعتیہ شعری کائنات کو منظرعام پر لایا گیا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ صبیح رحمانی جیسا نعت گوشاعر بہت کم دستیاب ہو' کیونکہ انہوں نے پابند شاعری ہی نہیں' بلکہ نظم اور آزاد و معریٰ نظم میں بھی نعت کی خصوصیات کو نمائندگی دی ہے۔ نعتیہ شاعری کے علاوہ منقبت کے توسط سے بھی وہ عقیدت کی شاعری کے سرتاج قرار دیئے جاتے ہیں۔ان کا یہ کلیات دارالسلام پاکستان سے شائع ہوا ہے۔ازابتداء سے آخر تک اس مجلد کتاب میں 284 صفحات شامل ہیں اور آخر میں مختلف شاعروں کے دواوین کا اشتہار نامہ بھی شامل کیا گیا ہے۔اس مجلد اور خوبصورت کاغذ کے علاوہ عمدہ طباعت سے آراستہ نعتیہ شعری مجموعے کے ذریعے نہ صرف قطعات تاریخ درج کی گئی ہے' بلکہ ان کے پہلے مجموعے ''ماہ طیبہ''

کے شامل نعتوں کے علاوہ آزاد نعتیہ نظمیں اور مناقب کی بھی نمائندگی کی گئی ہے' یہی صورتحال ان کے جادہء رحمت اور سرکار کے قدموں کے دوران اختیار کی گئی ہیں۔

غزل کی ہیئت میں قافیہ پیمائی اور اس کے ذریعے کیفیت کو اجاگر کرنا صبیح رحمانی کی نعت گوئی کی امتیازی خصوصیت ہے۔ وہ سادہ لفظیات کے ساتھ عقیدت کو اس انداز سے بکھرتے ہیں کہ پڑھنے والے کے دل پر شدید تاثر پیدا ہوجاتا ہے۔ان کی ایک نعت کے چند اشعار میں قافیہ کے تکلف کے ساتھ مختصر بحر میں ردیف کو نبھانے کا انداز ملاحظہ ہو۔

وہ قافلے کب بھٹک رہے ہیں جو سبز گنبد کو تک رہے ہیں
ازل بھی ان کا ابد بھی ان کا سب آئینوں میں جھلک رہے ہیں
تمام اسمِ گرامی ان کے بساطِ جاں پر چمک رہے ہیں
وہ سوزِ عشقِ نبی ہے دل میں ہزار الاؤ دہک رہے ہیں
قدم اٹھے ہیں سوئے مدینہ تمام رستے مہک رہے ہیں

لفظوں کی بندش کو حسبِ حال استعمال کرنا اور اس کے توسط سے عقیدت کے پھول نچھاور کرنا بہت مشکل ہی نہیں' بلکہ فنی دل آویزاں کا کام ہے' جس میں کامیابی حاصل کرتے ہوئے صبیح رحمانی نے اپنے کلام کے جوہر دکھائے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری میں موجود گداز پن اور اس کے توسط سے پیدا ہونے والی کیفیت کو خود اس بات کی دلیل ہے کہ صبیح رحمانی کو خدا کی طرف سے یہ عنایت حاصل ہوئی ہے کہ وہ لفظوں کے ذریعے نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حق ادا نہیں کرتے' بلکہ روحانی فیوضات کے ذریعے کیفیت کو نمائندگی دینے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔طویل بحروں میں بھی انہوں نے نعت لکھ کر فنکارانہ صلاحیت کا اظہار کیا ہے۔شاعر کا کمال یہی ہے کہ اس نے عربی اور فارسی تراکیب سے اجتناب برتتے ہوئے موجودہ کی انتہائی سادہ لفظیات اور پر پیچ تراکیب سے گریز برت کر شاعری کا ایسا ایوان سجایا ہے کہ جس کی وجہ سے ہر شعر دل کی آویز اور روح کی گرمی کی شدت کو نمائندگی دیتا ہے۔
ایک طویل بحر کے نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہو:

لب پہ نعت پاک کا نغمہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے
میرے نبی سے میرا رشتہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے
پست وہ کیسے ہوسکتا ہے جس کو حق نے بلند کیا
دونوں جہاں میں اس کا چرچہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے

اور کسی جانب کیوں جائیں اور کسی کو کیوں دیکھیں
اپنا سب کچھ گنبدِ خضریٰ کل بھی تھا اور آج بھی ہے

طئے کرتے ہیں نام سے ان کے دشت حیات کی ہر منزل
راہِ زیست میں ان کا سہارا کل بھی اور آج بھی ہے

طویل ردیف کو نبھاتے ہوئے کیفیت کا ہنر ظاہر کرنا اور اس کے ساتھ ہی عقیدت کی گرمی کو اجاگر کرنا صبیح رحمانی کی نعت گوئی کی امتیازی خصوصیت ہے۔ صرف صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری پر بے شمار مقالے لکھے گئے' بلکہ ان کی جانب سے شائع ہونے والے ''نعت رنگ'' کے شمارے پر بھی تحقیقی و تنقیدی کام انجام دیئے گئے' جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صبیح رحمانی کے نعتیہ تقدس پر جامعاتی سطح پر بھی کام ہوا ہے اور ان کے کلام کو اعزازات سے نوازا گیا' جس کی طویل فہرست موجود ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نعت گوئی کا حق ادا کرنے کی وجہ سے صبیح رحمانی کی خوش نصیبی ان کے دروازے پر دستک دیتی ہے اور پاکستان کے سب سے بڑے اعزاز یعنی ''طمغہ ءامتیاز'' سے بھی انہیں نوازا گیا۔ ان کو پیش ہونے والے اعزازات اور یادگاری شیلڈ کی طویل فہرست ہے۔ انہوں نے حمدیہ اور نعتیہ نظم لکھنے کے دوران آزاد شاعری کے طرز کو بھی فروغ دیا ہے اور منقبت لکھنے کے دوران بھی اس تصور کو نمائندگی دی ہے۔ کلام میں موجود برجستگی اور اظہار کی تازگی کے علاوہ موسیقی ریز ترنم خود یہ بتاتا ہے کہ صبیح رحمانی کو شاعری کی تمام اصناف پر پوری طرح عبور حاصل ہے' یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حمدیہ ہائیکو ہی نہیں' بلکہ نعتیہ ہائیکو بھی لکھے۔ نعتیہ شاعری کی کے حوالے سے ہر صنف شاعری کے ذریعے عقیدت کو نچھاور کرنا اور لوگوں کے دلوں کو متاثر کرنا صبیح رحمانی کی فکر کی خصوصیت قرار دیا جائے گا۔ جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ انہوں نے مختصر بحروں کے علاوہ طویل بحروں میں بھی حمد و نعت اور منقبت کے علاوہ نظموں اور نظم کے دوسرے رجحانات کو بھی نعت گوئی کے لئے منتخب کیا ہے۔ مردف اور غیر مردف شاعری کے ذریعے بھی نعت کے ایوان کو سجاتے ہوئے دل کے ارمان کو پیغمبر اسلام کی مدحت کے لئے استعمال کرنا صبیح رحمانی کی فطری خصوصیت ہے۔ اگر ان کے کلام سے انتخاب پیش کیا جائے' تو بلا شبہ مضمون کی حیثیت مقالے کی ہو جائے گی۔ اسلامی نظام اور پیغمبر اسلام کی سیرت کو ہی دنیا اور آخرت میں کامیابی کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے انہوں نے آزاد نظم ''اک عالمگیر نظام'' کے ذریعے آٹھ مصرعوں میں کیفیت کی بھرپور نمائندگی کی ہے' اظہار کی تپش اور عقیدت کی سلامتی کو محسوس کرنے کے لئے اشعار پیش ہیں۔

مارکس کے فلسفۂ جہد شکم سے ہم کو
کوئی مطلب ہی نہیں
کیا غرض ہم کو کہ لینن نے دیا کیا پیغام
ہم فرائیڈ کے پجاری ہیں نہ ہیگل کے غلام
ہم تو یہ جانتے ہیں
امن و سکون کی خاطر
صرف درکار ہے دنیا کو
محمد کا نظام

آزاد نظم کے ذریعے بھی صبیح رحمانی نے قلبی تاثر کی نمائندگی کی ہے اور ان کی بے شمار آزاد نظمیں مدحت رسول کے ساتھ ساتھ خدا کی وحدانیت کی علمبردار بن جاتی ہیں۔ انہوں نے آزاد نظم میں سلام بھی لکھا اور پابند شاعری کی طرح آزاد نظم میں منقبتیں بھی لکھیں۔ میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی ان کی نظمیں موجود ہیں' خدا کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کر کے اس دنیا سے گزر جانے والے خدا کے بندوں پر بھی ان کی منقبتیں موجود ہیں۔ انہوں نے حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی کے علاوہ حضرت فاطمۃ الزہرا اور امام حسین اور سلمان فارسی ہی نہیں بلکہ حسان بن ثابت' غوث اعظم دستگیر' خواجہ معین الدین چشتی' بابا فرید الدین گنج شکر' شاہ عبداللطیف بھائی' سچل سرمست اور شاہ مشرف حسین کے کارناموں پر بھی منقبتیں تحریر کیں ہیں۔ ان کے اشعار سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ صبیح رحمانی نے حضرت شاہ انصار حسین الہ آبادی کو اپنا مرشد کامل قرار دیا ہے۔ ان کی نظموں اور شاعری کے ذریعے عقیدت کا دلفریب انداز نمایاں ہوتا ہے' چونکہ کلیات صبیح رحمانی ہندوستان میں دستیاب نہیں اور اس کی شاعری کے تمام نمونے پیش کرنا سخت مشکل ہے۔ اس کلیات کے آخری حصے میں ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق نے صبیح رحمانی کے نعتیہ اظہار کے اہم نقوش پر روشنی ڈالی ہے۔ اس ضخیم کتاب کی اشاعت جون 2019ء میں عمل میں آئی ہے اور کتاب کی قیمت 500 روپے اگر چہ مالی حیثیت سے بہت زیادہ ہے' لیکن عقیدت کے پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ رقم مدحت نبوت کے سلسلے میں حددرجے حقیر ہے۔ غرض ''کلیات صبیح رحمانی'' کی اشاعت پر ڈاکٹر شہزاد احمد کو مبارکباد پیش کی جاتی ہے۔ انہوں نے اس کلیات کو صرف حروف تہجی سے وابستہ نہیں کیا اور ہر شعری خصوصیت کے ساتھ تواریخ بھی درج نہیں کئے' البتہ تمام تر شعری ورثہ کو یکجا کرنے کی وجہ

سے اسے کلیات یعنی کل سے استفادے کی دلیل قرار دیا جائے گا۔ غرض ضرورت اس بات کی ہے کہ آنکھیں بچھا کر عقیدت کا اظہار کرنے والے صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری کو ہندوستان کی سرزمین میں فروغ دینے اور ان کے جذبات اور احساسات کو عالمگیر ادب میں شامل کرنے کے لئے نہ صرف ان کا نعتیہ کلام ہندوستان کی سرزمین سے شائع ہونا چاہئے' بلکہ روحانی تصرفات کے ذریعے اپنے کلام کو عقیدت مندی سے جوڑنے کی وجہ سے ان کے کلام کی معنویت اور اثر انگیزی اپنی جگہ مسلمہ ہے' اس لئے توقع ہے کہ ہندوستان کے کتب فروش نہ صرف اس اہم نعتیہ مجموعے کے ہندوستانی ایڈیشن کی اشاعت پر توجہ دیں گے۔ توقع ہے کہ جن اشخاص نے صبیح رحمانی کے نعتیہ کلام کو مطالعہ کے ذریعے تحقیق وتنقید کی روشنی میں پیش کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے' انہیں بھی مبارکباد دی جاتی ہے کہ انہوں نے حق پرستی کو اپنا شعائر بنا کر صبیح رحمانی کی خدمات کو قبول کیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوستان سے وابستہ محققین اور ناقدین بھی صبیح رحمانی کے کلام سے مستفیض ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کریں تو بلاشبہ عقیدت کے پس منظر میں پیش کردہ اس شاعری کو ہندوستان گیر شہرت کا موقع حاصل ہو جائے گا۔

☆☆☆

کلیاتِ عزیزؔ احسن

شاعر: ڈاکٹر عزیزؔ احسن مبصر: ڈاکٹر رضوان انصاری قادری

زیرِ نظر کتاب ''کلیاتِ عزیزؔ احسن تقدیسی کلام پر مبنی ہے۔ یہ کلیات کل ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ عزیز احسن صاحب کے کل ۴ تقدیسی کلام جو مختلف عناوین سے ماقبل میں شائع ہو چکے ہیں جن کو اِس کلیات میں شامل کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر عزیز احسن کی ولادت ۳۱ /اگست ۱۹۴۷ء کو راجستھان (بھارت) میں ہوئی اور مئی ۱۹۴۸ء کو والدین کے ہمراہ پاکستان جا کر مستقل مقیم ہو گئے۔ یہیں ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت ہوئی۔ اس کلیات میں ۱۴۳۹ھ/۲۰۱۷ء تک کے تقدیسی کلام شامل کئے گئے ہیں۔

ڈاکٹر عزیز احسن صاحب نے اپنی شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا اور نعت و منقبت پر آ کر ٹھہر گئی۔ آپ اب اپنا تمام تر وقت تقدیسی شاعری کے لئے وقف فرما چکے ہیں۔ ان کے متعدد تخلیقی کارنامے صرف تقدیسی شاعری کے موضوعات پر ہیں۔

ڈاکٹر عزیزؔ احسن اردو اور فارسی زبان و ادب کے عظیم دانشور ہیں۔ مگر ان کی بیشتر تخلیقات اردو ادب کے بیش بہا اثاثے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اردو نعتیہ ادب کا بہر پہلو جائزہ لے چکے ہیں۔ تقدیسی صنف پر آپ کو کمال تامہ حاصل ہے۔ جناب سید صبیحؔ رحمانی صاحب نے کلیاتِ عزیزؔ احسن میں بڑی وقیع بات تحریر فرمائی ہے:

> ''نعت اور مطالعۂ نعت آج نہ صرف عزیز احسن کے لئے ذاتی فکر و انبساط کا ذریعہ ہے۔ بلکہ پیرایۂ اظہار میں نظر کی گہرائی اور فکری رویے کی بدولت وہ دوسروں کے لئے بھی ذہنی بالیدگی اور علمی تسکین کا حوالہ ہیں۔ عزیز

احسن نے مطالعۂ نعت کے لیے جب ایک بار خود کو وقف کیا تو اپنی تمام تر توانائی اور توجہ اسی شعبے میں تسلسل اور التزام کے ساتھ بروئے کار لانے لگے۔ چنانچہ تنقید نعت کی عمومی صورت حال کو اس سے خاطر خواہ فائدہ پہنچا۔ صرف ان معنوں میں نہیں کہ یہ کام اپنی جگہ وقیع تھا بلکہ اس لیے بھی کہ اس نے فضا کو تحرک دیا اور دوسروں کے لیے تحریک کا ذریعہ بنا۔ یہ کام نہ صرف تفہیم نعت کے لیے مفید اور گراں قدر ثابت ہوا بلکہ اس نے مطالعۂ نعت کے منہاج اور اسالیب کے تعین اور فروغ میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ اہلِ نظر نے عزیز احسن کے تنقیدی کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس شعبے کو اختیار کرنے والے نئے لوگوں نے اس سے پورا استفادہ کیا۔"

(کلیاتِ عزیز احسن چند معروضات۔ صفحہ: ۲۵)

محترم سید صبیح رحمانی صاحب ایک دانشور ناقد اور ادیب ہیں۔ وہ نعت کے حوالے سے عالمی شہرت یافتہ مفکر ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹر عزیز احسن کی تنقیدی بصیرت پر اردو نعت کے ضمن میں بڑی واضح بات کہہ دی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اعلیٰ تعلیم اور فکر بلیغ کے حامل دانشور شاعر ہیں۔ وہ آفاقی شعور رکھتے ہیں۔ ان کی نعتیں روایتی نہیں ہیں ان میں حقیقت اور فکر و آگہی کا دریا رواں ہے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں ان میں عالمی پیغام ہے۔ جب وہ عالمی منظر نامہ پر نظر رکھ کر سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور عرض کرتے ہیں:

عرب، اردن، عراق و شام و مصر و ترکی و ایران
زمیں پر جب وطن ابھرے مٹی خوئے مسلمانی

(شہپرِ توفیق، صفحہ-۹۵)

ڈاکٹر عزیز احسن قوم مسلم کی تباہ حالی و بربادی اور پریشانی کی اصل وجہ اسوۂ رسول ترک کرنے کو قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

امت کی مشکلات کا حل صرف ایک ہے   اپنائیں ذوق و شوق سے سب اسوۂ نبی

اسوۂ رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روگردانی اور اخلاق نبوی سے بیزاری کے بعد جو اہل اسلام کی ذلت و رسوائی ہو رہی ہے وہ اہلِ علم کی نظروں سے مخفی نہیں۔ جب یہی قوم اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل پیرا تھی تو دنیا نے اسے اپنی آنکھوں پر بیٹھا کر عزت و توقیر عطا کی۔ ایک حساس دل اور بیدار دماغ کے حامل شاعر ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کے لفظوں میں:

چمک جب تک رہی اعمال میں اس پاک سیرت کی
یہ امت مستحق بھی تھی زمانے بھر میں عزت کی

......

اسوۂ ختم رسل جب نظر انداز ہوا اہل اسلام کے ادبار کا آغاز ہوا

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے اہل عالم کو کیا ملا۔ڈاکٹر صاحب ایک شعر میں یوں گویا ہیں:

آپ آئے تو زمانے میں اجالے پھیلے علم و حکمت کے نئے دور کا آغاز ہوا

ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کا دل حالات حاضرہ بالخصوص مسلمانوں کی زبوں حالی سے بے حد پریشان و مضطرب ہے۔وہ دربار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اپنے دل کی کیفیت کو کبھی فریادی کی حیثیت سے تو کبھی ایک امتی کے اعتبار سے عرض گذار نظر آتے ہیں۔وہ ریا اور ظاہری باتوں سے یکسر پرہیز کرتے ہیں۔ان میں روایتی نہیں،حقیقی عشقِ رسول ہے۔چنانچہ ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کے کلیات میں بے شمار ایسے اشعار ہیں جو ان کے احساس دروں اور اضطرابی کیفیت کے عکاس ہیں وہی کیفیت جو کبھی میر تقی میر کو مضطرب رکھتی تھی مگر اس کی جہتیں یہاں بدلی ہوئی ہیں۔ملاحظہ فرمائیں:

بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں حالت کچھ اضطراب کی سی ہے

ڈاکٹر صاحب کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تہذیب سوختہ ہے تعلیم بے جہت ہے اسلام سو رہا ہے اجسام کے کفن میں

......

اک نام آپ کا ہے تسکین دینے والا اک یاد آپ کی ہے تارنفس بدن میں

......

لِلّٰہ!اپنے رب سے امت کی ہو سفارش ایماں کی سانس لینا آساں ہو اس گھٹن میں

چند اشعار روح کو بالیدگی عطا کرنے والے ملاحظہ ہوں:

ان عاشقانِ نبی پر ہوں جان و دل قرباں جو دور رہ کے انہیں بے نقاب دیکھتے ہیں

......

سرورِ کونین کی الفت کا یہ فیضان ہے سبز گنبد سے ہے تصور میں پیہم رابطہ

......

سبز گنبد نگاہوں میں بستا گیا دل کی دنیا بھی ہوتی گئی ضوفشاں

......

یا نبی آپ کے اوصاف سے دوری کے سبب ہم جہاں بھر کی فقط خاک چھانتے ہیں

......

کوئی نہیں نبی کے سوا جس کو کہہ سکیں ہستی سما و ارض کے مابین ہے عظیم

......

رمزِ درودِ پاک سمجھنے کے واسطے اک رہنما کتاب جلالین ہے عظیم

حاصلِ مطالعہ یہ ہے کہ ''کلیات عزیز احسن'' علم وعرفان کا ایک عظیم گلدستۂ اسرار ومعارف ہے۔ جس میں موصوف نے حمد ونعت اور منقبت کو روایتی دنیا سے نکال کر حقیقی معانی ومفاہیم کی سیر کا شعور عطا کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے پورے نعتیہ کلام میں ایک شعر میں بھی ''تو'' اور ''تم'' کا استعمال نہیں فرمایا ہے۔ بلکہ ''آپ'' اور ''ان'' سے خطاب کیا ہے۔ یہ بہت اہم خوبی ہے۔ بے شمار کتابوں کے مصنف اور متعدد بار اعزازات عظیمہ سے نوازے گئے شاعر کے کلیاتِ ذخیمہ میں ایک بھی شعر شانِ رسالت کے ذرّہ برابر خلاف نہیں۔ ہر شعر میں ادب ملحوظ خاطر اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عنصر غالب ہے۔ صوری ومعنوی خوبیوں کا حامل ایمان وروح کو تقویت عطا کرنے والا یہ کلیات لاجواب ہے۔ جو بار بار مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔ ''کلیات عزیز احسن'' اردو ادب کے ساتھ تقدیسی ادب میں ایک اہم اضافہ ہے۔ جس کے لیے محترم صبیح رحمانی صاحب اور ڈاکٹر عزیز احسن صاحب مبارکباد کے دائمی مستحق ہیں اور رہیں گے۔ اپنی بات کو ڈاکٹر صاحب کے درج ذیل شعر پر تمام کرتا ہوں۔

اُس ایک نام کی خوشبو سے جسم و جاں مہکے اُس ایک رنگ کی نسبت سے دل گلاب ہو

☆☆☆

دیوانِ وجیہ

شاعر: حضرت وجیہ رام پوری   مبصر: مرزا ساجد حسین ساجد امروہوی

پچھلے کئی ہفتہ ایک بے بہا تصنیف ''دیوانِ وجیہ'' میرے زیرِ مطالعہ رہی۔ حالانکہ میں نے اس کتاب کے مصنف کو نہیں دیکھا۔ نہ اُن کی حیات میں میری اُن سے ملاقات ہوئی مگر مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر میں اُن سے روحانی رابطہ قائم ہوتا ہوا محسوس ہوا" **یؤتی الحکمة من یشاء ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیرًا کثیرا** " یعنی وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملی بے شک اُس کو بڑی نعمت ملی۔

اللہ رب العزت کی اس نعمت عظمیٰ یعنی دانائی کے حامل، عشقِ الٰہی و محبوب الٰہی سے واصل، تفہیم و معرفت و عرفانِ ذات احد میں کامل، واقفِ آدابِ شریعت، رہنمائے راہِ طریقت، نکتہ شناسِ کتابِ حقیقت، اردو، فارسی عربی زبانوں میں اعلیٰ شعر کہنے پر قدرت رکھنے والے شاعرِ فطرت، حضرت خطیب اعظم، علاّمہ شاہ وجیہ الدین احمد خاں سے اس آیت کریمہ کے ترجمہ و تفسیر کے ذریعہ اُن کی ذات مقدس سے شناسائی حاصل ہوئی۔

حضرت خطیب اعظم کے افکارِ عالیہ سے فیض حاصل کرنے کے لئے دیوانِ وجیہ کا مطالعہ جنت نگاہ ثابت ہوا ۔

شمار سبحہ صد دانہ نافع ہے مگر زاہد   ہزاروں ذکر پنہاں ہیں غلافِ دانہ دل میں

غلافِ دانہ دل کی تراکیب کی ایجاد اور پھر اُس میں ہزاروں اذکار و افکار کا پنہاں ہونا جدت طرازی کی بے پناہ مثال ہے۔

حمد و نعت، نظم، غزل اور یہ سب اردو، فارسی اور عربی زبانوں میں یکساں چابک دستی سے نظم کرنا حضرت

قبلہ خطیب اعظم کی دقیقہ شناسی کا اعجاز ہے۔نعت کے مندرجہ ذیل شعر میں اُن کی فکرِ فلک رس ملاحظہ ہو ۔

آپ کو اللہ نے مالک بنایا ہے حضور قیمتی کر دیجئے سرکار ارزانی مری

محبوب رب کائنات کے حضور یہ عرض داشت پیش کرنا کہ میری بے قیمتی کو بیش قیمت بنادیجئے، کیسی متنوع گزارش ہے ۔ یہ اس لئے ہے کہ آپ کو اس پر قدرت حاصل ہے ۔ اللہ نے آپ کو اس قدرت پر کامل اختیار بخشا ہے۔ایک نعت میں فرماتے ہیں ۔

ہے ہے وہ ''اُمتی'' کی صدا اور دعائے شب'' سوتا نصیب جس نے جگایا تمہیں تو ہو

اپنی امت کے لئے حضور کی آہ وزاری کا اظہار '' ہے ہے'' کے ذریعے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اشکوں کا ایک سیلاب ہے جو اُبلا پڑا ہے۔ پھر دوسرے مصرعہ میں سونے اور جگانے میں صنعتِ تضاد کی بے مثل مثال ہے۔

جس صورت سے قرآن پاک میں ''سبع مثانی'' (سورۂ فاتحہ) کو سراہا گیا ہے اسی طرح حضرت خطیب اعظم نے قرآن کریم کی مدح میں سات نظمیں کہی ہیں۔اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ دنیا کی سب سے معتبر کتاب قرآن حکیم ہی ہے ۔ دراصل قرآن مجید ایک ادبی معجزہ ہے، اس کی فصاحت و بلاغت کی مثال دنیا کی کسی بھی زبان کے ادب میں نہیں ملتی ۔ مدحِ قرآن میں مولانا فرماتے ہیں ۔

خدا نے بھر دیا دریائے رحمت ایک کوزہ میں یہ وہ کوزہ ہے جس سے شانِ اعجازی نمایاں ہے

جس طرح خطیب اعظم نے نعت محبوب رب العالمین میں گلہائے عقیدت کھلائے ہیں، اسی طرح غزل کی صنف کو بھی مالا مال کر دیا ہے۔درحقیقت کوئی بھی شاعر غزل گوئی سے ہی اپنی شاعری کا آغاز کرتا ہے۔غزل کا میدان بہت ہی وسیع ہے ۔اس کی سب سے وقیع وجہ یہ ہے کہ غزل کا ہر شعر اپنی جگہ ایک مکمل فلسفہ لئے ہوتا ہے۔مثلاً ۔

باغِ حیات عشق کے ہاتھوں ہوا تباہ گلشن پہ خاک ڈال دی اِک خار کے لئے

عشق کی دو جہات ہیں، عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی۔خطیب اعظم کے مندرجہ بالا شعر میں اس کی کوئی ایک توجیہ نہیں ہے۔یہی اس شعر کی خوبی ہے کہ خاک ڈالنے کا محاورہ بڑی خوبی سے نظم کیا ہے۔ ضرررساں شے ''خار'' کی اہمیت کی نہایت عمدہ وضاحت فرمائی ہے۔مندرجہ ذیل شعر ہے تو غزل کا مگر اس میں ایک جہانِ معرفت سمایا ہوا ہے ۔

کبھی شانِ جلالی ہے کبھی حالِ جمالی ہے کبھی خورشید ہو جانا کبھی مہتاب ہو جانا

محبوبِ حقیقی کے حسن کی کیا حسین تصویر کشی کی ہے کہ دل پھڑک جاتا ہے۔عشق مجازی کے سلسلہ

میں یہ شعر بڑا ہی سحر آفریں ہے ؂

نہیں معلوم دل کس نے چرایا مگر اِک زلفِ پیچاں پر گماں ہے

کیا اچھوتا انداز ہے۔ زلف پیچاں کو صریحًا چور کہنے سے شاعر بچ رہا ہے کہ کہیں محبوب کو نا گوار نہ گزر جائے۔

رہے گا تا ابد خالی نہ پڑھ تسبیح اے دانا نہ دیکھا درمیاں میں تو نے یہ ہر دانہ خالی ہے

کچھ لوگ دکھانے کے لئے مستقل تسبیح ہاتھ میں لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ شاعرانہ انداز میں مولانا نے اس ریا کاری پر بھر پور طنز کیا ہے۔ ''دانا'' اور'' دانہ'' کی تکرار کس قدر بلاغت لئے ہوئے ہے حالانکہ معنیٰ الگ الگ ہیں۔ مستزاد برآں یہ بتانا کہ ہر دانۂ تسبیح اندر سے خول ہے۔ اسی طرح تیرا یہ انداز ریا کارانہ ہے۔ یہ زہد و ورع سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

اس کے علاوہ حضرت خطیب اعظم کے مندرجہ ذیل اشعار ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کی بہترین مثال ہیں ؂

بھولے بھالے تجھے کیا ہو گیا اُلجھا ہے کہاں دلِ عاشق کی تمنّا کہیں بر آتی ہے
اُلجھا ہوا ہے گیسوئے پیچاں میں بال بال بے سود آ رہے ہو سلاسل لئے ہوئے
نظر کو چرانا مگر مسکرا کر وہ دشمن نہ دیکھے جو ہم دیکھتے ہیں
ہم بھی اِک آس لگائے ہوئے بیٹھے ہیں وجیہؔ اسی امید میں جینے کا مزہ آتا ہے
کر گئی تر مجھے وہ بارشِ الطاف و کرم کام کچھ مجھ کو مرے خشک عمل نے نہ دیا
جہاں کی آرزوئیں اور امیدیں کچھ نہیں باقی مرے دل میں سما جا جانِ جاں یہ خانہ خالی ہے
بھیک دے مجھ کو تری مست نگاہوں کے نثار لے کے آیا ہوں میں ٹوٹا ہوا اک پیمانہ
صبح وصال خواب میں بھی بھول جایئے فرقت کی شب کو دن میں بھی بُھولا نہ کیجئے

میں نے اپنی پسند کے چند شعر نذرِ قارئین کئے ورنہ مولانا کی ساری غزلیں دلکش و دلفریب ہیں۔ حضرت خطیب اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی کلام نے مجھے متحیّر کر دیا۔ فارسی زبان پر اُن کی دسترس اردو زبان سے بہتر نہیں تو کمتر بھی نہیں ہے۔ مدینہ منورہ کی حاضری میں اُن کے نعتیہ اشعار نہایت پُر کیف ہیں۔ فرماتے ہیں ؂

خاکِ در تو سحابِ رحمت نازم بہ درت بہ جبہ سائی
اے ساقیِ تشنگانِ محشر یک جرعہ طفیل دلربائی

خوفے نہ کنم کہ تو ضیائی دارم بدلم ہزار ظلمت
پُر سند اگر کہ از کجائی ؟ شاہا ، بجواب من چہ گویم
آیم ز درِ خدا نمائی گر اذن شود وجیّہ گوید

اُن کی فارسی کی غزلیں فارسی کے کلاسیکی غزل گو شعراء سے کسی طرح بھی کم نہیں ہیں۔

نقش و نگار ہیچ بہ پیشِ نگار ما زاہد ز حور بگزرو بیں روئے یار ما
در ایں امید کہ گوشِ من و مقال شما چہ حالِ زار بہ پُرسی کہ شد عجب احوال

شاعر کو خود اس بات پر تعجب ہے کہ وہ اپنا حال زار نہ بتا کر اس امید میں ہے کہ محبوب اس سے بات کرے اور اس کے کان سنیں۔شعر پڑھ کر عجیب لطف کا احساس ہوا کہ شاعر اپنے حال زار کا علاج محبوب کی آواز میں ڈھونڈ رہا ہے۔محبوب کے حضور کیا درخواست گزاری ہے! سبحان اللہ

بردرت خستہ جگر صبح و مسا می گزرد اے شہِ حسن بہ فرما نظرِ لطف بہ من

مندرجہ ذیل مطلع کی ترنم ریزی ملاحظہ کریں ۔

در دے کہ دارم در دلم اے یارِ من از من مپرس
سوزے کہ سوزد جانِ من، اے جانِ من از من مپرس

اس کے علاوہ پوری پوری غزلیں کیف سے پُر ہیں ایک غزل جس کا مطلع ہے ۔

بہ دلت نمی گزرم گہے، من و یاد روئے تو اے صنم ہمہ خلق و مشغلہ سکوں، من و گشت کوئے تو اے صنم

از اول تا آخر کیف و سرور سے لبریز ہے۔

دیوان کے آخری حصہ میں عربی زبان میں نعت شریف ہے۔اس کے علاوہ اور اشعار بھی ہیں۔ عربی زبان و ادب کے سلسلہ میں مجھے اعتراف ہے کہ میں اس سلسلہ میں بالکل بے بہرہ ہوں۔ویسے بھی میرا مطالعہ نامکمل، میرا علم تقریباً لاعلمی میری فکر ناپختہ اس پر بھی میرے کرم فرما ڈاکٹر شعائر اللہ خاں صاحب وجیہی مدظلہ العالی کے حکم کے نتیجہ میں کچھ الفاظ مہیّا کر پایا ہوں، اس کی وجہ میری خرابیٔ صحت ہے۔امید ہے ڈاکٹر صاحب میرے اس تجاہل کو درگزر فرمائیں گے۔

آخر میں حضرت خطیب اعظم مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب قادری مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے درگاہِ رب العزت میں دعا گو ہوں کہ وہ حضرت مولانا کے درجات میں اضافہ فرمائے۔ قارئین سے میں اپنی صحت اور پختگیٔ ایمان کے لئے دعا کا خواستگار ہوں۔

☆☆☆

اَزہارمدینہ

نام شاعر: پروفیسر فاروق احمد صدیقی مبصر: ڈاکٹر رضوان انصاری

زیر نظر نعتیہ مجموعہ کلام پروفیسر فاروق احمد صدیقی کا پہلا تقدیسی گلدستہ ہے۔اس سے قبل آپ کی تقریباً نصف درجن تخلیقات تنقید وتحقیق کے موضوع پر شائع ہو چکی ہیں۔جن کو دانشورانِ ادب نے بے حد پسند کیا اور داد وتحسین سے نوازا۔ پروفیسر فاروق احمد صدیقی بی.آر.اے. یونیورسٹی مظفر پور (بہار) کے پی.جی کالج میں صدر شعبۂ اردو کے معزز عہدے سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔آپ نے اس حقیقت کا اعتراف ''اظہار حقیقت'' میں خود فرمایا ہے کہ تقدیسی کلام سننے اور سنانے کا ذوق وشوق بچپن میں اپنے گھر اور بستی میں ہونے والی میلادِ پاک کی محفلوں سے ملا۔

پروفیسر صدیقی صاحب کا دل ودماغ عشقِ رسولِ دوعالم سے ہمہ دم سرشار رہتا ہے۔یہ وہی عشق ہے جس کی جانب ڈاکٹر اقبال نے جابجا اظہار کیا ہے۔رب العالمین نے ان کے عشق کو مزید جلا عطا فرماتے ہوئے حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مشرف فرمایا۔

پروفیسر صاحب کا اسلامیات پر مطالعہ بہت وسیع ہے فارسی اور اردو کے دانشور ہیں۔پھر جس کا رہنما عشق ہو اس کے کلام کے محاسن کا کیا کہنا۔معراج شریف پر پروفیسر صدیقی صاحب کی ندرتِ فکر ملاحظہ ہو:

جو مسجد اقصیٰ میں ہوئی تھی شبِ معراج دنیا میں کہیں ویسی امامت نہ ملے گی (ص:۶۳)

ہے زبانِ حق پہ پیہم اُدن منی یا نبی لامکاں میں سرورِ عالم کی صورت دیکھ کر (ص:۶۱)

وقت آمد کا ہو یا معراج کا نوری سفر رب ہب لی کی دعا ان کے لبوں پر دیکھئے (ص:۵۹)

معراج کی شب عالم بالا کا سفر ہے امت کی مگر فکر ہے، پلکوں پہ گہر ہے (ص:۱۹)

اردو کے تمام تر ثنا خوانِ ماہ نبوت اپنے کلام کو صنائع وبدائع سے مزین کرتے رہے ہیں۔بحمدہٖ

تعالیٰ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ تقدیسی کلام میں قرآن پاک اور احادیث کو شعر میں داخل کر کے محاسن اور اہمیت پیش کرنا شعراء کا حسن عمل رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کا اردو کلام اس خوبی سے آراستہ ہے۔ پروفیسر فاروق صاحب کا مجموعۂ کلام بھی اس خوبی سے مزین ہے۔ اکثر اشعار میں قرآنی تلمیحات جلوہ بار ہیں۔ شعر دیکھئے:

والشمس ضحیٰ عارضِ سرکار کا عالم　　والیل ان کے گیسوئے خمدار کا عالم

......

اسریٰ میں ہویدا ہوا رفتار کا عالم　　ما ینطق ہے آپ کی گفتار کا عالم

......

ہے ذکر کی رفعت پہ رفعنا لک شاہد　　کیا سمجھے کوئی عظمتِ سرکار کا عالم　(ص:۲۹)

وہی ہیں مزمل و مدثر، وہی ہیں یٰسین اور طٰہٰ
ہر ایک آیت میں مدح سرور، خدا کی روشن کتاب میں ہے
(ص:۱۷)

چونکہ پروفیسر فاروق احمد صاحب اردو کے دانشور ہیں۔ اردو کی کلاسیکل کتابیں پیش نظر رہی ہیں۔ میرؔ و اقبال نے عشق کا جو تصور پیش کیا ہے۔ اس کا اثر پروفیسر صدیقی صاحب کے تقدیسی کلام میں جا بجا نظر آتا ہے۔ آیئے عشق پر مبنی چند اشعار سے روح کو تازگی بخشیں:

چراغِ عشق فروزاں ہو دل میں، لب پہ درود　　سفر ہو طیبہ کا اس طرح اہتمام کے بعد　(ص:۴۰)

نبی کے عشق اور حسنِ عمل سے جو مزین ہو　　وہی تحریر اور تقریر پُر تاثیر بنتی ہے　(ص:۹۹)

آقا کی محبت تو بس اللہ کی عطا ہے　　ملتی نہیں یہ شے کہیں دینار و درم سے　(ص:۹۵)

جو دل بیگانۂ عشق و محبت ہو، وہ کیا جانے
کہاں کھولے ہیں گیسو آپ نے، خوشبو کہاں تک ہے
(ص:۲۴)

پروفیسر صدیقی صاحب نے مختلف موضوعات پر بڑے والہانہ اشعار کہے ہیں۔ ان اشعار میں روانی ہے۔ فکر میں ندرت بھی۔ علامہ شیخ سعدی کے ایک خیال کو آپ نے نہایت خوش اسلوبی سے یوں بیان کیا ہے:

یہ کہہ کے بلبل سدرہ نے ساتھ چھوڑ دیا　　نہیں ہے تاب تجلی اب اس مقام کے بعد　(ص:۴۰)

یہ مقام سدرہ کی بات ہے، کہا جبرئیل نے آپ سے
میں یہاں سے آگے بڑھوں ذرا، مری تاب ہے نہ مجال ہے

(ص:۷۵)

پورے نعتیہ مجموعۂ کلام میں صرف دو اشعار ایسے ہیں جو لفظوی تغیر کے متقاضی ہیں۔ شعر اوّل صفحہ-۱۴ پر آخری شعر ہے۔ جس میں لفظ ''کالی کملی'' کا استعمال ہوا ہے۔ دراصل کملی کمبل کی تصغیر ہے جو کو تقدیسی کلام میں نظم کرنا ممنوع ہے۔ تفصیلی مطالعہ کے لیے بدر ملت مولانا بدرالدین قادری علیہ الرحمہ کا رسالہ ''نورانی مقالہ'' دیکھئے۔

دوراشعر صفحہ-۴۰ پر ہے۔ پروفیسر صاحب نے اجل کے ساتھ چلنے کا ذکر شعر میں یوں فرمایا ہے:

اے اجل میں ساتھ چلتا ہوں مگر اک شرط ہے جان دوں گا سرور عالم کی صورت دیکھ کر

دراصل اجل کوئی ایسی شے نہیں ہے جس کے ساتھ چلنا ممکن ہو۔ اس لئے یہ شعر اصلاح طلب ہے۔

حاصل مطالعہ یہ ہے کہ پروفیسر فاروق احمد صدیقی کا تقدیسی مجموعۂ کلام صوری و معنوی خوبیوں کا بیش بہا گنجینہ ہے۔ اس میں عشقِ رسالت سے سرشار روح کو تازگی اور چشم بصیرت کو تابندگی عطا کرنے والے تمام اشعار ہیں۔ ایمان و عقیدہ کو پختگی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں لبریز رہ کر زندگی گزارنے کا دوسرا نام اَزہار مدینہ ہے۔ شاعر کی یہ آرزو رب العالمین پوری فرمائے:

بروئے کار الٰہی یہ دعا آئے زباں پہ نعت ہو، مری قضا آئے

آمین

☆☆☆

نفیرِ حرم

شاعر: مولانا فروغ احمد اعظمی تبصرہ نگار: مفتی توفیق احسنؔ برکاتی

اصنافِ سخن میں نعتیہ شاعری انتہائی دل سوز طرزِ اظہار کا نام ہے، جس میں زبان وبیان، اسلوب واظہار، سخن وری ونغمہ سنجی ایک خاص عروج اور مہارت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ نعت لکھتے وقت ایک شاعر جس نازک کیفیت کا شکار ہوتا ہے وہ دیگر اوقات میں کم نظر آتی ہے۔ نثری لہجے میں اظہارِ محبت ایک خاص خوش سلیقگی چاہتا ہے اور نظم میں یہی طرزِ ادا عجب بانکپن مانگتی ہے اور نظم نگار خود کو محبوب کی گلیوں میں موجود پاتا ہے، وہ محبوب کے دیار میں بہتی ندی میں وضو کرتا ہے، دل کا قبلہ درست کر کے نمازِ عشق ادا کرتا ہے تب ''نعت'' ہوتی ہے۔ فروتنی اور تواضع اس کی ذات میں گم جاتے ہیں تب نعت ہوتی ہے۔ عشقِ حقیقی دل ودماغ کو ہم رشتہ کر دیتا ہے تب نعت ہوتی ہے۔ محبت کے طاق میں الفاظ وعبارات کا دیا جلا کر رکھا جاتا ہے تب نعت ہوتی ہے۔ شاعر کی فکر صادق اور جذبۂ عشق قلزمِ نور میں نہا جاتے ہیں تب نعت ہوتی ہے۔ ادب کی چٹان سے لفظ وعبارت کا شیریں چشمہ ابلتا ہے تب نعت ہوتی ہے۔ نعت گوئی ایک نازک راہ ہے جو کسی پل صراط سے کم نہیں مگر جو شاعر شریعت کا لباس پہن کر، ادب کا عمامہ باندھ کر، شعر وفن کی خوشبو لگا کر اس پل کو عبور کرتا ہے وہ بآسانی پار اتر جاتا ہے اور خوشیاں اس کا استقبال کرتی ہیں۔

یہ ایک گہرا سمندر بھی ہے جس میں ماہر غواص غوطہ زن ہوتا ہے تو ایسے ہیروں اور جوہروں کو ساتھ لاتا ہے جس کی روشنی سے کائنات عشق منور ہو جاتی ہے اور عاشقوں کا خرمن جگمگا اٹھتا ہے۔ یہ ایک پنگھٹ بھی ہے کہ محبت کی فضاؤں میں پرواز کرنے والا طائرِ فکر جب تشنہ لب اس پر اترتا ہے تو

ادب کے شیریں پانی میں نہا کر نہال ہوجاتا ہے۔نعتیہ شاعری میں شاعر کا محبوب اللہ کا محبوب ہے،اس کی رضا اللہ کی رضا ہے، اس کی ناراضی اللہ کی ناراضی ہے ، اس کا اتباع رب کا اتباع ہے، وہ "**مـاینـطق عـن الهـویٰ ، ان هو الا وحی یوحیٰ** " کا مخاطب ہے،اس کی عظمت وشان پر "**ورفعناك ذكرك**" شاہد ہے، پورا قرآن اس کی نعت ہے،صحابہ کا بیان اس کی نعت ہے،فرشتوں کی زبانوں پر اس کی نعت ہے،عرش اعظم پر اس کی عظمتوں کا چرچا ہے، آسمانوں میں اس کا نام ہے، آبشاروں میں اس کی نکہتیں ہیں، لالہ زاروں میں اس کی رونقیں ہیں، پرندوں کی زبان پر اس کے نغمے ہیں۔ مدحت سرائی میں شاعر اکیلا نہیں ہے۔ یہ اس سلسلے میں خود کو جوڑ رہا ہے جو ازل سے قائم ہے اور ابد تک باقی رہے گا۔

''نفیرحرم'' کا شاعر ایک سلجھا ہوا انسان ہے، دین کا عالم ہے،معرفت نفس رکھتا ہے،ادب کا رمز شناس ہے،اسلوب بیان اور طرز اظہار محبت میں انتہائی ذمہ دار ہے،شریعت وشعریت کی ہم آہنگی کا جلال وجمال رکھتا ہے،سیرت وشمائل کے بسیط علمی خوان سے خوشہ چینی کا سلیقہ بھی رکھتا ہے،اس کے پاس نور میں نہایا ہوا قلم ہے،خوشبوؤں میں بسا ہوا کاغذ ہے، دیارِ محبوب کی فضاؤں میں اڑتی فکر بھی ہے۔کاغذ پر قلم چلا، روشنائی کا نقش ابھرا اور ''نفیرحرم'' جیسا علمی وشعری خوان سج گیا،اب شائقین کی بھیڑ ہے، عاشقوں کا جھرمٹ ہے جو اس خوانِ محبت سے غذائے دل حاصل کر رہا ہے۔

''نفیرحرم'' کی کل کائنات میں حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی ایک فارسی حمد کا اردو منظوم ترجمہ، ایک عارفانہ حمد باری، ۷۱ نعتیں، ایک استغاثۂ مہجور اور ایک سلام کے علاوہ اٹھارہ مناقب اور پانچ نظمیں موجود ہیں اور متفرق صفحات میں چند نعتیہ قطعات بھی ہیں۔ یہ ایک زندہ دل شاعر کا شعری اثاثہ ہے جسے انتہائی دیانت داری کے ساتھ شاعر نے شائقین کی خدمت میں پیش کردیا ہے۔خواجہ صاحب کی فارسی حمد کا منظوم ترجمہ جس مہارت ونفاست سے کیا گیا ہے وہ شاعر کے شعری وفکری کمال کا پتہ دیتا ہے۔ پہلے اس فارسی حمد کے دو شعر دیکھیں:

ربود جان و دلم را جمال نام خدا نواخت تشنہ لباں را زُلال نام خدا
وصال حق طلبی ، ہم نشیں نامش باش بہ بیں وصال خدا در وصال نام خدا

اب ترجمہ ملاحظہ کرلیں:

جمال نام خدا پر فدا ہے جان وَ دل زلال نام خدا وجہ سیریِ کامل
وصال نام خدا میں وصال ذات خدا خدا کے نام سے حق کو تلاش لے واصل

شاعر کا کمال یہ ہے کہ وہ دو زبانوں کے سمندر میں اتر گیا ہے اور اس مہارت سے ان دونوں کو قریب کیا کہ اس کلام کو اصل و ترجمہ کا مجمع البحرین بنا دیا ہے۔ کچھ نعتیہ اشعار بھی ملاحظہ کریں اور شاعر کی شعری بنت کا اندازہ لگائیں۔ یہاں ادب کا جمال بھی نظر آتا ہے اور فکر کا کمال بھی، طرزِ ادا کا بانکپن بھی ہے اور اسلوب کا انوکھا پن بھی، خوش رنگ استعارات بھی ہیں اور حقیقت رنگ مجازات بھی، قافیہ کی جدت طرازی بھی ہے اور روی و ردیف کی ترنم ریزی بھی۔ ملاحظہ کریں:

دولت عشقِ مصطفیٰ دولت بے بہا فقط
فکر و غم حیات کی تنہا یہی دوا فقط

منزلِ عشق بھی یہی ، جادۂ عشق بھی یہی
نقش قدم حضور کا اپنا ہے رہنما فقط

تجھ کو ملی ہیں غیب سے رحمتِ حق کی کنجیاں
تیرے فروغ کے لیے کافی ترا دیا فقط

نہ ہو جس میں حبِ بطحا، وہ جگر جگر نہیں ہے
جو تجھے نہ دیکھ پائے وہ نظر نظر نہیں ہے

وہ خدا نہیں یقیناً کہ خدا تو ایک ہی ہے
مگر اے فروغ ان سا، کوئی بھی بشر نہیں ہے

فروغ اپنے شبستاں میں یہ کیسی روشنی چمکی
یہاں شاید انھیں کی یاد کے کچھ دیپ جلتے ہیں

مسجد اقصیٰ تھی نازاں بخت پر
چومنے کو ان کے نقش پا ملے

شہر یار اپنے کو سمجھوں گا فروغ
ان کی چادر کا اگر ٹکڑا ملے

یہاں ندرت فکر بھی ہے اور امتیاز ادا بھی، نوری گلشن میں کھلے ہوئے گلاب بھی ہیں اور فضائے ادب میں اڑتے ہوئے پرندے بھی۔ جس کا مطالعہ و مشاہدہ ایک طالب و سالک کی وجدانی کیفیت کو اوج کمال تک پہنچا دے گا۔ امید ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔

☆☆☆

گلہائے عقیدت

انتہائے شوق کردے بے نیازِ آستاں
میں وہاں پہنچوں تو کچھ ہوشِ جبیں سائی نہ ہو

خلیقؔ فیض آبادی

صلی اللہ علیہ وسلم

پھر جنوں کہتا ہے خود کو پا بجولاں دیکھیے
چلیے اُٹھیے اب کے پھر وحشت میں زنداں دیکھیے

اپنے ہی سینے میں کیجیے اپنے دلبر کی تلاش
مصر میں کیا جایئے کیا چاہِ کنعاں دیکھیے

از رہ بندہ نوازی چشم پُرانوار سے
دیکھیے میری طرف ختم رسولاں دیکھیے

دیکھیے سیمائے انور، دیکھیے رُخ کی بہار
مہر تاباں دیکھیے ماہِ درخشاں دیکھیے

دیکھیے وہ عارض اور وہ زُلف مشکیں دیکھیے
صبح روشن دیکھیے شام غریباں دیکھیے

جلوہ فرما ہیں جبین پاک میں آیات حق
مصحف رُخ دیکھیے تفسیر قرآں دیکھیے

یہ نعیم زار کیسا ہجر میں بیتاب ہے
دیکھیے اس کی طرف اے شاہِ شاہاں دیکھیے

علامہ سید محمد نعیم الدین نعیم مرادآبادی

صلی اللہ علیہ وسلم

یہ دیار سرورِ کونین طیبہ چھوڑ کر
گنبد خضریٰ کا منظر پیارا پیارا چھوڑ کر

ان سنہری جالیوں کا یہ نظارہ چھوڑ کر
سوئے جنت کون جائے در تمہارا چھوڑ کر

چلنے والے تو چلا کرتے ہیں دھارا چھوڑ کر
میری طوفاں میں چلی، کشتی کنارا چھوڑ کر

ان کی رحمت راہبری میری رہی ہر گام پر
جب مدینے کو چلا میں باب کعبہ چھوڑ کر

دوستو جاؤ مجھے تو موت ہی لے جائے گی
میں تو جیتے جی نہیں جاؤں گا روضہ چھوڑ کر

آبروئے عیش ہو گی راحتِ خلدِ بریں
پھر یہ دل کیسے لگے گا میرا طیبہ چھوڑ کر

بے نیازِ دہر تم نے اپنا سائل کر دیا
در بدر پھرتا ہے نجدی در تمہارا چھوڑ کر

اے تعالیٰ اللہ دنیا اس کے پیچھے پیچھے ہے
جو تمہارے در پہ آیا ساری دنیا چھوڑ کر

تو جو مل جائے تو میں کس کی کروں پھر آرزو
ہر تمنا چھوڑ دی تیری تمنا چھوڑ کر

سارے رشتے منقطع ہو جائیں گے روزِ حساب
اک غلاموں سے نبی کا پاک رشتہ چھوڑ کر

وہ شفیع المذنبیں ہیں بخشوائیں گے ضرور
ان کی رحمت جا نہیں سکتی بلکتا چھوڑ کر

ہم تجھے پہچانتے ہیں منکر شان نبی
تو کسی چولے میں آئے اپنا چولا چھوڑ کر

سب کو پیچھے چھوڑ کر پہنچے حریم قدس میں
فرش کو بھی عرش کو بھی اور سدرہ چھوڑ کر

رحمت للعالمیں کی دستگیری کے طفیل
میں نے منزل اپنی پائی ہر سہارا چھوڑ کر

فضل سے ان کے وہاں بھی مہکے گا ریحاںؔ رضا
جب سوئے جنت چلے گا باغ دنیا چھوڑ کر

علامہ ریحان رضا خاں ریحانؔ بریلوی

ﷺ

جب زباں پر مری نام شہِ بطحا آیا
عمرِ رفتہ پلٹ آئی کہ مسیحا آیا

جس قدر روادیٔ غربت میں چبھے تھے کانٹے
پھول سب ہوگئے جس وقت مدینہ آیا

سایۂ قد کو جو قدرت نے اٹھا رکھا تھا
کام امت کے وہی حشر میں سایا آیا

کاش آئے یہ مجھے حکم کہ آ یثرب میں
میں پکاروں مرے مولا مرے آقا آیا

یا نبی کہہ کے جو کشتی کا اٹھایا لنگر
وجد موجوں نے کیا جوش میں دریا آیا

ہوگئی بے خدیٔ شوق میں طے راہِ دراز
آنکھ کھولی تو نظر گنبدِ خضریٰ آیا

صرف حبِ نبوی حشر میں کام آئی جلیلؔ
طاعتیں آئیں نہ زہد آیا نہ تقویٰ آیا

حافظ جلیل حسن جلیلؔ

1946 - 1864

صلی اللہ علیہ وسلم

گر رسول ہاشمی دیکھیں پریشانی مری
دور ہو جائے ابھی آشفتہ سامانی مری

رحمتِ عالم ہو تم اور نعمتِ باری ہو تم
دیکھ لو شانِ کریمی سے پشیمانی مری

قربِ حق کی منزلیں زائد سے زائد ہیں کٹھن
آپ کے قبضے سے کب باہر ہے آسانی مری

آپ کو اللہ نے مالک بنایا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
قیمتی کر دیجے سرکار ارزانی مری

سر سے پا تک نور ہو اور ہر طرف نورِ خدا
نور کے صدقہ میں کر دو روح نورانی مری

دامنِ امید پھیلا ہے کرم کی آس ہے
کاش آقا دیکھ لیں کوتاہ دامانی مری

زینت اعمال سے عریاں ہوں پردہ ڈال دو
حشر میں رسوا نہ کردے مجھ کو عریانی مری

مصطفیٰ و مجتبیٰ شاہ و گدا کے پیشوا
شافع روزِ جزا کیجئے نگہبانی مری

یہ وجیہؔ بے نوا درخواست کرتا ہے شہا
ظلمتوں سے پاک کردو شمع ایمانی مری

حضرت شاہ وجیہ الدین احمد خاں وجیہؔ رام پوری

ﷺ

ہو سلام آپ پر اے شہِ بیکساں آپ کو رحمت حق بنایا گیا
شاہ لولاک بس آپ ہی کے لئے کائنات جہاں کو سجایا گیا

ہر پیمبر ہوئے صاحبِ مرتبہ میرے آقا مگر ایک تیرے سوا
کون ہے ناز کے سوسو انداز سے عرشِ اعظم کی جانب بلایا گیا

نور اوّل ترا نورِ آخر ترا ذرّے ذرّے میں جلوہ ترا ہے شہا
تو ہی ہے ابتدا تو ہی ہے انتہا تجھ کو مقصود فطرت بنایا گیا

تم کو محبوبِ رب جہاں نے کہا اُدنُ منی حبیبی کا مُژدہ ملا
عرش وکرسی ہی کیا اور اس کے سوا تم کو معراج کی شب دکھایا گیا

غم کے ماروں کو بھی شہرِ یاروں کو بھی دردمندوں کو بھی بے سہاروں کو بھی
بخش دیتا خدا پھر بھی لیکن شہا آپ کے در پہ سب کو بُلایا گیا

ہم خطا کار ہیں ہم جفا کار ہیں ہم کو اقرار ہے ہم گنہ گار ہیں
کچھ بھی ہیں پر تمہارے ہی سرکار ہیں تم کو تاج شفاعت پنہایا گیا

ساری انسانیت کی تمہیں لاج ہو سارے نبیوں کے آقا ہو سرتاج ہو
میری قسمت کے ہر کل کا تم تاج ہو، دست رحمت سے تم کو بنایا گیا

رہبؔر غمزدہ بس ترا ہے شہا اس کو در پر بلا اور روضہ دکھا
واسطہ غوث کا دے کے کہہ دیں رضؔا تجھ کو جنت کا مژدہ سنایا گیا

علامہ عبدالجبار رہبؔر اعظمی (اعظم گڑھ)

ﷺ

مل گئی جس کو سعادت صل علیٰ کی دید کی
اُس کو ہوگی کیا ضرورت جام کی جمشید کی

کفر لازم ہوگیا لے گی جہنم خود حساب
اُسوہء حسنہ کی جس نے خواہ مخواہ تردید کی

احتساب زندگی لازم ہے مومن کے لئے
خود رسول اللہ ﷺ نے ہر دم یہی تاکید کی

نفس نے جب سر اُبھارا، پڑھ لیا لاحول بس
کتنی پیاری ہے روش ایمان کی تجدید کی

کہہ دیا اللہ اکبر مسئلے سب حل ہوئے
اب ضرورت کیا رہے گی پھر کسی تمہید کی

بندگی کا حق فرشتوں نے نبھایا بے محل
آدمِ خاکی پہ شیطاں نے مگر تنقید کی

بوجہل اور بولہب محرومِ نعمت ہوگئے
کافروں نے اُمّی لقب کی دل کھول کر تائید کی

ایک اللہ اک پیمبر اور دلوں میں بُت بسے
ہے ضرورت آج شدت سے فقط توحید کی

موت کعبہ میں ہو فقط بیدآر کی مولا میرے
اُس کی خواہش پر فرشتوں نے بڑی تہنید کی

پروفیسر مجید بیدآر (حیدرآباد)

''والعصر......''

نعتیہ نظم

''قسم ہے وقت کی!
یقیناً آدمی نقصان میں ہے''
زمانہ شاہدِ عادل
تمام انساں ہیں گھاٹے میں ازل سے،
وہ فاسق ہو کہ عابد
وہ فاجر ہو کہ زاہد
وہ جاہل ہو کہ عالم
وہ غافل ہو کہ عاقل
ولی ہو یا پیمبر
سبھی ہیں وقت کے محکوم، وقت ان کا ہے حاکم،
ٹھہرتے کب یہ روز و شب،
کوئی ساعت، کوئی لمحہ
کسی کے بس میں ہرگز ہو نہیں سکتا
سبھی مجبور و عاجز وقت کے ہاتھوں
وہی حاوی، وہی غالب
وہی فائق وہی سابق

اسی کا سکّہ رائج ہے
زمینوں، آسمانوں میں
قسم ہے وقت کی!
ہیں گھاٹے میں سبھی انساں
مگر وہ لوگ جو ایمان لائے،
عمل صالح کئے،
قیامِ حق و ایماں کی
کئے باہم دگر
ہر دم جو فہمائش،
سدا کرتے رہے
پابندیٔ اعمال کی تلقین،
نہیں چلتا ہے ان پر وقت کا جادو،
زمانہ ان سے ڈرتا ہے،
انہیں کا حکم سنتا ہے،
ذرا سوچو!!
جو ناممکن بظاہر تھا
وہ ممکن پھر ہوا کیسے؟
ہوا ہے یہ کرشمہ رونما کیوں کر؟
ذرا اس وقفۂ نوری کو پھر سے یاد کر لینا!
کہ جب لمحہ ہوا ساکت،
اچانک نبض عالم رک گئی تھی،
یہ عصر و دہر سب کچھ تھم گیا تھا؟
وہ نوری ذات اقدس لامکاں کے سیر کو نکلی،
زمانہ اس کی پابوسی کی خاطر منتظر تھا،
غلامی وقت نے کی اس کی ''اسرا'' میں

وہی آقا، وہی مولا، وہی خیر البشر
وہی کونین کا سردار وحاکم،
وہی شاہِ رسل، شاہِ زماں، شاہِ ہدیٰ
وہی بے شک ہے وجہ کن فکانِ رب
اسی کی ذات کے صدقے میں
حاصل ہوگیا اہلِ ایماں، اہل طاعت کو
تفوّق، برتری، غلبہ
اُسی کی شان میں
''والعصر'' ہم پڑھتے ہیں
ہر دم جھوم اٹھتے ہیں۔

ڈاکٹر راہی فدائی (بنگلور)

ﷺ

صدائے صلِ علیٰ صبح و شام اُن ﷺ کے لئے
خدا کے بعد ہے اعلیٰ مقام اُن ﷺ کے لئے

وہی محمد ﷺ و محمود ہیں ، ہُوا ثابت
'تمام مدح و ثنا اُنؐ کے نام اُن ﷺ کے لئے'

اذاں میں نام خدا کے ہے بعد اُنؐ کا نام
نماز میں ہے درود و سلام اُن ﷺ کے لئے

نبی ﷺ کا معجزہ زندہ بشکل قرآں ہے
خدا کا آخری آیا پیام اُن ﷺ کے لئے

نبی ﷺ کی شان میں رطب اللساں ہیں اہلِ زمیں
فلک پہ اُنؐ کی ثنا ہے مدام اُن ﷺ کے لئے

وہی ہیں صاحب لولاک ﷺ، مقصد تخلیق
ازل سے شمس و قمر کا نظام اُن ﷺ کے لئے

نبی ﷺ کا رتبہ شہیدوں سے ہے بہت اعلیٰ
ہمیں یقیں ہے، بقائے دوام اُنؐ کے لئے

ملا یہ حکم ہے چھبّیسویں سپارے میں ا
رکھو نظر میں ہر اِک احترام اُنؐ کے لئے

صبا ! تو پھولؔ کا پیغام لے جا طیبہ میں
تڑپ رہا ہے نبی ﷺ کا غلام اُنؐ کے لئے

ا سورۃ الفتح اور سورۃ الحجرات

تنویر پھولؔ (نیویارک)

صلی اللہ علیہ وسلم

تخیل میں رچی مَدحَ سرائی مصطفےٰ کی ہے
دہن میں چاشنی جو آ سمائی مصطفےٰ کی ہے

مجھے محسوس ہو قدسی لبوں کو چومنے آئے
ثناء جب سے لبوں نے گنگنائی مصطفےٰ کی ہے

کئے ارسال جب گجرے سلاموں کے درودوں کے
پلٹ کر چاندنی جو دل میں آئی مصطفےٰ کی ہے

کواکب میں قمر میں پھول کی ندرت نزاکت میں
حسیں جو روشنی، خوشبو سمائی مصطفےٰ کی ہے

کنول میں لالۂ صحرا میں چنپا کی ملاحت میں
سبھی شائستگی و نرمَلائی مصطفےٰ کی ہے

تلاوت آپ کرتے جب فِدا جبریل ہوں سن کر
غضب رشکِ عنادل خوش نوائی مصطفےٰ کی ہے

مہِ کامل کی ساری جھلملاتی کرنیں کہتی ہیں
ضیاء جس سے یہ دنیا جگمگائی مصطفےٰ کی ہے

حجر بھی پرنیاں ہو کر سمولیں نقشِ پا من میں
حجر جانیں شجر جانیں بڑائی مصطفےٰ کی ہے

محبت معرِفت کی کیمیا لیکن کریں کس سے؟
خدا نے ذات جو ہم کو بتائی مصطفےٰ کی ہے

مئے توحید کی مستی بلا کی ہے مگر رب نے
نشاط آور محبت جو ملائی مصطفےٰ کی ہے

فنا سے یا بقا سے، مے کشوں کو کچھ نہیں مطلب
جنوں کے میکدے میں بس دہائی مصطفےٰ کی ہے

''محمد شمعِ محفل بود شب جائے کہ من بودم''
جنوں کے میکدے میں بس دُہائی مصطفےٰ کی ہے

زمانے کے طبیبوں سے نہیں ممکن علاجِ غم
دلائے یاد جو غم سے رہائی مصطفےٰ کی

جسے چاہیں شفاعت کی سند خود سے عطا کر دیں
عطا کے شہر پر فرمانروائی مصطفےٰ کی ہے

غریبوں کو ضعیفوں کو یتیموں بے نواؤں کو
جو آئی راس وہ مشکل کشائی مصطفےٰ کی ہے

سہارا بے کسوں کو دیں کریں چارہ گری سب کی
عطا وہ جس پہ خَلقت مسکرائی مصطفےٰ کی ہے

شہنشاہوں میں حاتم بھی سکندر بھی بہت دیکھے
مگر بے مثل تو حاجت روائی مصطفےٰ کی ہے

مدینے میں سحر کو شام کو اتریں فرشتے جو
کریں وہ جس ڈیوڑھی کی صفائی مصطفےٰ کی ہے

سخی کے آستاں پر بھیک بِن مانگے ملے سب کو
درونِ دل سوالوں تک رسائی مصطفےٰ کی ہے

ملے ٹھنڈک نہ کیوں دل کو مدینہ کی فضاؤں میں
سکوں کے شہر میں جلوہ نمائی مصطفےٰ کی ہے

نظر ٹھہری ہوئی ہے سبز گنبد کے تصور پر
مِری رگ رگ مِری جاں التجائی مصطفےٰ کی ہے

کوئی آیا نہ آئے گا بشر شاہِ مدینہ سا
جو، رشکِ زُہدِ عیسیٰ، پارسائی مصطفیٰ کی ہے

ہزاروں نظریئے لے کر ہزاروں عقل داں آئے
مگر جو فکر ہر دم ارتقائی مصطفیٰ کی ہے

قدُس بھی اولیاء و انبیاء حتیٰ پیمبر بھی
سرِ تسلیم خم ہیں پیشوائی مصطفیٰ کی ہے

شرف سب اُمّتوں پر افضیلت کا ہمیں بخشا
نیازِ خُلق، سجدوں کی کمائی مصطفیٰ کی ہے

پیمبر ملتجی تھے شرفِ امت کے لئے جس کی
رسالت،خاص جس نے شان پائی،مصطفیٰ کی ہے

لبِ کافور سے جبریل نے چوما کفِ پا کو
وہ شاں جس سے ظہورِ کبریائی مصطفیٰ کی ہے

جبیں جبریل بھی جس پر گھسا کر ناز کرتا ہے
بچھونا سادگی کا وہ چٹائی مصطفیٰ کی ہے

نگاہِ عشق سے دیکھو شبِ اسریٰ کا منظر بھی
قدُس نے نعل جو سر پر اُٹھائی مصطفیٰ کی ہے

بچھیں جب منزلیں زیرِ قدم، جبریل بولے یوں
خدا کے بعد ساری ہی بڑائی مصطفیٰ کی ہے

شبِ اسریٰ زمیں بے جان گُم سُم ہوگئی کیونکہ
کرے بسمل جو عالم کو، جدائی مصطفیٰ کی ہے

امیرِ قدسیاں سہمے ہوئے بہرِ ادب جھک کر
کہیں سدرہ سے آگے بس رسائی مصطفیٰ کی ہے

مہ وخورشید سے کھیلیں سواری آپ کی رفرف
رہِ قوسین سے بھی آشنائی مصطفیٰ کی ہے

کسے ہے تاب دیکھے برملا نورِ الٰہی کو
نگہِ مازاغ جو نہ لڑکھڑائی مصطفیٰ کی ہے

جھکا ہے چرخ بھی اکنار سے بہرِ ادب، کیونکہ
دنیٰ پر مسندِ رفعت سجائی مصطفیٰ کی ہے

زمامِ برق مہر و ماہ بھی جس کے تصرف میں
یدِ رحمت مجلیٰ وہ کلائی مصطفیٰ کی ہے

خدا کے فضل سے اپنی ہتھیلی پر جہاں دیکھیں
بصر جس میں یہ عالم مثلِ رائی، مصطفیٰ کی ہے

قضا حضرت علی کی عصر جب ہوئی تو مغرب سے
ادا جو شمس کو بھی موڑ لائی مصطفیٰ کی ہے

لعابِ پاک سے آشوبِ آنکھوں کا صحیح کردیں
علی مَن کُنتُ مولا ، مرتضائی مصطفیٰ کی ہے

’’بتانِ رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا‘‘
لبِ اقبال پر جو بات آئی مصطفیٰ کی ہے

بہک سکتا نہیں ہرگز فریبِ وہمِ شیطاں سے
جسے پیہم میسر رہنمائی مصطفیٰ کی ہے

نکیروں نے لحد میں جب سوالِ زندگی پوچھا
مِرے جو بندگی پھر کام آئی مصطفیٰ کی ہے

لحد میں شکلِ نوری جب مِرے پیشِ نظر آئی
وہاں پھر نعت جو میں نے سنائی مصطفیٰ کی ہے

نہیں مطلب کسی شاہِ زمانہ سے مجھے کیونکہ
سرِ میزاں ثمر آور گدائی مصطفیٰ کی ہے

چمکتے چاند سی ہو گی سرِ محشر جبیں اُس کی
محبت قلب میں جس نے بسائی مصطفیٰ کی ہے

یقینِ دید سے آدر بڑا ہے مطمئن، جب سے
سنا ہے حشر کے دن رونمائی مصطفیٰ کی ہے

ڈاکٹر آصف آدر (گلاسگو)

جدید فارسی نعتیہ غزلیں

مشہور اور مقبول معاصر شاعر حسین منزوی مترجم: ڈاکٹر علی بیات، ایسوسی ایٹ
پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف تہران، ایران

1- حسین منزوی (2004ء-1946ء)

ای برگزیدۂ ہمہ انتخاب ہا قرآن تو، کتاب تمام کتاب ہا
اندیشۂ تو تیشہ بہ اصل بدی زدہ ای ریشۂ ہمیشہ ترین انقلاب ہا
فخر فلک بہ تو ست کہ فانوس گشتہ بود در کوچہ ہای آمدنت آفتاب ہا
سرمشق آسمان و زمینی کہ نام توست برلوح شب نوشتہ بہ خط شہاب ہا
من تکیہ کردہ ام بہ تو وپایمردی ات در روز چون وچند و چہ، روز حساب ہا
سرگشتہ در مضایق وصف تو ماندہ ام چندان کہ دادہ ام بہ سخن آب وتاب ہا
خورشید مکہ، ماہ مدینہ، رسول من ای خاکسار مدحت تو بو تراب ہا
شمع زبان بریدہ چہ لافد ز آفتاب؟ گنگم کہ درھوای تو دیدست خواب ہا

ترجمہ: پہلے شعر میں شاعر آنحضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو مخاطب کر کے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو تمام منتخب پیمبروں میں، منتخب کہہ کر، آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر وحی الٰہی کے ذریعہ نازل کیے گئے قرآن کو تمام کتابوں کی کتاب کہتے ہیں۔

دوسرے شعر میں: آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی فکر کو ایسی فکر کا نام دیتے ہیں جس سے تمام برائیوں کی جڑ پر بسولا چلایا گیا اور در اصل آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی فکر سب سے جاوید انقلاب کی جڑ ہے۔

تیسرے شعر میں کہتے ہیں کہ: فلک کا فخر اس بات پر ہے کہ اس کے تمام سورج ان لالٹینیں جیسی

تھے جنھوں نے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی تشریف فرمائی کے لیے فلک کو چراغ کیا ہوا تھا۔

چوتھے شعر میں: خطاطی کی اصطلاحات کو استعمال میں لاکر کہتے ہیں: آسمان وزمین کے لئے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا نام سرمشق اور نمونہ ہے جس کو شب کی لوح پر کہکشاؤں کی طرح خطاطی کی گئی ہے۔

پانچویں شعر میں یہ کہا گیا ہے کہ: آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہی روز حساب میں، جب کہ چندو چون اور کیا کا وقت آتا ہے، سہارے کے طور پر، میں آپ کا سہارا لوں گا۔

چھٹے شعر میں کہتے ہیں: میں جس قدر بھی اپنے کلام کو آب وتاب کے ساتھ بیان کرتا ہوں، پھر بھی آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی نعت وتوصیف کی دشواریوں میں پڑا رہتا ہوں۔

ساتویں اور آٹھویں شعر میں کہتے ہیں: اے مکّے کا سورج، مدینہ کا چاند، میرے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! جب تمام بوتراب (ع) آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی نعت و مدحت کے خاکسار ہیں اور جب میں، شمع کی طرح بریدہ زبان ہوں، تو آپ کا وصف کس طرح کروں؟ میں وہ الکن ہوں کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی زیارت میں کئی خواب دیکھے ہیں۔

2-ڈاکٹر علی موسوی گرمارودی — عید مبعث 1403 قمری

(پیدائش: 1941ء) — بہار 1362

جان سحر جسم سمن بوی توست	آپ (ص) کا یاسمین بوجسم [اطہر]، سحر گہ کی جان ہے
شام، غلام سر گیسوی توست	اور شام کی سیاہی آپ (ﷺ) کی گیسو کا غلام ہے
ماہ کہ خم کردہ سر خویشتن	آپ (ﷺ) کے گوشہ ابرو پر بوسہ دینے کے لئے
بوسہ زن گوشۂ ابروی توست	چاند نے اپنا سر خم کیا ہوا ہے
ای سمن باغ خداوندگار	اے خداوند متعال کے باغ کا یاسمین!
سرو، غلام قد ناژوی توست	سرو کا درخت، آپ (ﷺ) کے صنوبر جیسے قد کا غلام ہے
صبح ازل، پرتو پیشانی ات	صبح ازل، آپ (ﷺ) کی پیشانی کی ایک جھلک ہے
شام ابد طرّۂ دلجوی توست	شام ابد، آپ (ﷺ) کے دل موہنے والے کاکل ہی ہے
آنچہ زگل، نیک تر آمد بہ باغ	باغ میں جو پھولوں سے بھی خوبصورت چیز در آئی

باغ گل خُلق تو وخوی توست	آپ (ﷺ) کے خُلقِ حَسَن کا پھول ہے
زمزمۂ زندگی کائنات	کائنات میں زندگی کی رونق کے ترنّم
ہمہمۂ شور وہیا ہوی توست	آپ کے وجود کا جوش وخروش ہے
عقل تو سرمایۂ سنگین وحی	وحی الٰہی کے لئے آپ (ﷺ) کی عقل بھاری سرمایہ ہے
عقل جہان کم بہ ترازوی توست	اور آپ (ﷺ) کے ترازو میں دنیا جہاں کی عقل کم ہے
عِقدِ ثریا بہ کف آسمان	آسمان کی ہتھیلی میں موجود خوشہ پروین
پیشکش گردن بانوی توست	نذرانہ زوجۂ مکرم نبوی (ﷺ) ہے
کاش کہ فریاد دلم می شنید	کاش آپ کے (ﷺ) دولت کدے کی دستک کا حلقہ
حلقۂ آن در کہ سرکوی توست	میرے دل کی فریاد سن لے!
شاخۂ طوبی ندھد در بہشت	بوسہ کے لئے آپ (ﷺ) کے بازو کے خم سے وہ چیز ملتی ہے
آنچہ درآن چنبر بازوی توست	جو جنت میں شاخۂ طوبی سے بھی نہیں ملتا ہے
ہی ہی از این عشق خوش احمدی	عشقِ خوش احمدی (ﷺ) کا کیا کہنا!
ذکر لبم، نالۂ ہو ہوی توست	میرے لب کا ذکر ہی آپ (ﷺ) کا نام ہے

☆☆☆

صلی اللہ علیہ وسلم

زمیں نہ ہوتی فلک نہ ہوتا وجودِ شمس و قمر نہ ہوتا
خدا کو اپنے حبیب کا مرتبہ دکھانا اگر نہ ہوتا

اگر وہ محبوب رب نہ ہوتے جو بعد رب وہ ہی سب نہ ہوتے
تو سدرۃ المنتہیٰ کے آگے مرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر نہ ہوتا

دیار اقصیٰ بھی محترم تھا، پسندِ خاطر مگر حرم تھا
جو خواہشِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتی اِدھر سے قبلہ اُدھر نہ ہوتا

ظہورِ نورِ خدا وہی ہیں، حبیبِ رب علیٰ وہی ہیں
اگر وہ نوری صفت نہ ہوتے تو عرش بھی رہگزر نہ ہوتا

روش زمیں کی بگڑ چکی تھی، سدھار کی آس مر چکی تھی
اگر وہ شاہِ ہدیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ آتے، بشر کوئی راہ پر نہ ہوتا

خدا کے احکام پر جو چلتے، جو سنتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈھلتے
تو دشمنوں کا کوئی بھی حربہ کسی طرح کارگر نہ ہوتا

ہوئیں ہیں مقبول جو دعائیں، درود پڑھنے کی برکتیں ہیں
نہ اول آخر درود پڑھتے تو پھر دعا میں اثر نہ ہوتا

بھلا کہاں نعت پاک کہتا، بھلا کہاں نعت پاک پڑھتا
حبیب رب صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مجھ پہ فاروقؔ خاص لطف وکرم نہ ہوتا

فاروقؔ جائسی (کان پور)

صلی اللہ علیہ وسلم

نور کے حرف چنوں، رنگ کا پیکر باندھوں
نعت لکھنی ہو تو مہر و مہ و اختر باندھوں

شاید اس طرح کوئی نغمۂ دلکش اُبھرے
آنکھ کے موتی کو جبریل کے پَر باندھوں

ایک ہی بار تو بنتا نہیں اس کا منظر
حُسن کے سارے ہی اظہار مکرّر باندھوں

لب کا پیرایہ تو بے حد ہے ثقیل و جامد
میں ترا اسم کہیں بوسے کے اندر باندھوں

ویسے تو حجرۂ رحمت ہے تمثّل سے وریٰ
بہرِ تفہیم اسے عرش کے اوپر باندھدوں

نسبت و نام تو پہلے ہی ہے حاصل مقصوؔد
تاجِ نعلین جو مل جائے تو سر پر باندھوں

مقصود علی شاہ مقصوؔد (برطانیہ)

ﷺ

محبت کی علامت ہے، وفا کا استعارا ہے
مدینہ روحِ تخلیقِ دو عالم، دل ہمارا ہے

فلک بولا، مدینہ عرشِ اعظم کا ستارا ہے
زمیں بولی کہ یہ اعزاز، یہ تمغہ ہمارا ہے!

مدینہ ہے وہ خوش قسمت، امینِ ملبۂ رحمت
چراغِ جاودانی جس کی مٹّی میں اُتارا ہے

جو ''ابن الارض'' بنتے ہیں، مدینے کی طرف دیکھیں
کہ یہ ''تقدیسِ ہجرت'' کی طرف واضح اشارا ہے

خدا میرا صمد بھی ہے، سو بعدِ ہر دعا شبنم
خدا کے بعد سرکارِ مدینہ کو پکارا ہے!

شبنم رومانی (پاکستان)

ﷺ

وہ خار بھی گلشن کا گل تر بھی وہی ہے
قطرہ بھی وہی اور سمندر بھی وہی ہے

ہر دل میں ہے موجود وہ احساس کی صورت
احساس میں چبھتا ہوا نشتر بھی وہی ہے

دُکھ درد ملے ہیں جنہیں معلوم ہے اُن کو
راحت کا چھلکتا ہوا ساغر بھی وہی ہے

ہر بات مرے نام سے منسوب ہے لیکن
حق یہ ہے کہ بت بھی وہی آزر بھی وہی ہے

دل میں ہے وہ اک گہری خموشی کی علامت
ہونٹوں پہ مگر صرفِ مکرر بھی وہی ہے

اُس کا نہ کرم ہو تو اُجالے بھی اندھیرے
پھر ایسے میں انوار کا پیکر بھی وہی ہے

وہ رنگ دکھاتا ہے تڑپ جاتی ہیں نظریں
تسکین کا باعث ہے جو منظر بھی وہی ہے

دُنیا کے کرشمات کا خالق بھی وہی عرشؔ
دُنیا کے کرشمات کا مظہر بھی وہی ہے

عرش صہبائی (جموں)

ﷺ

اے کاش مجھے ہو سکے دیدار مدینہ
اِک بار پھر سے دیکھ لوں انوار مدینہ

جو ذرہ بھی ہے اس کا ہے تعریف کے قابل
دنیا سے مختلف ہے یہ بازار مدینہ

اعمال مرے جیسے ہوں کرنا نظر انداز
اتنی ہے مری التجا سرکار مدینہ

وہ جسم کی صورت ہو کہ ہو روح کی صورت
ہر لمحہ میں کرتا رہوں دیدار مدینہ

کچھ بھی نہیں ہے اور بشیرؔ آرزو میری
ہو مرنے سے پہلے پھر مجھے دیدار مدینہ

بشیر الحق بشیرؔ (جموں)

صلی اللہ علیہ وسلم

کہیں اُن کی مدحت میں رمزِ رَمیٰ ہے
کہیں قاب قوسین ہے اور دنیٰ ہے
کہیں شانِ اقدس میں قل انما ہے
کہیں مثلکم میں قصیدہ چھپا ہے

کہیں ہے سراجاً منیرا کی مدحت
کہیں دیکھو والنجم حرفِ ضیاء ہے
کہیں والقمر کی قسم ہے سہانی
کہیں ذکر والشّمس ہے والضحیٰ ہے

کہیں ہے لعمرک قسم زندگی کی
کہیں رب قلم کی قسم کھا رہا ہے
کہیں انت حل بھذا البلد ہے
کہیں عظمتِ شہر ام القریٰ ہے

کہیں ہے ید اللّٰہ فوق کی آیت
کہیں ہاتھ وہ ہاتھ رب کا ہوا ہے
کہیں ہے رفعنا کہیں اِذ رمیت
کہیں اُن کی مدحت میں طٰہٰ لکھا ہے

کہیں شانِ معراجِ بعبدہ ہے
کہیں سیر اسریٰ کا بھی تذکرہ ہے
کہیں چشم مازاغ کی مدحتیں ہیں
کہیں شانِ رفعت وہ سب سے جدا ہے

کہیں ہے رضیت لکم کی بشارت
کہیں رب نے کوثر کا وعدہ کیا ہے
کہیں ہیں ولو انّھم کی نویدیں
کہیں عفوِ عصیاں کا مُژدہ ملا ہے

کہیں یٰعبادی کی خوش خبریاں ہیں
کہیں اختصاصِ حبیبِ خدا ہے
کہیں ہے لقد جائکم زیبِ قرآں
کہیں اُن کی شفقت کا چرچا ہوا ہے

کہیں دیکھو تنزیہہ لا ترفعوا ہے
کہیں شانِ دربارِ خیرالوریٰ ہے
کہیں راعنا ہم کو کہنے سے روکا
کہیں حکم انظرنا نازل ہوا ہے

کہیں اُن کی عظمت میں لا تجعلوا ہے
کہیں اختیارِ شہہ انبیاء ہے
کہیں سمع وطاعت کے آداب ہیں تو
کہیں سلموا حکم صلِّ علیٰ ہے

کہیں ہے لتشقی محبت کا لہجہ
کہیں عہد و میثاق کل انبیار ہے
کہیں اذن اقرا ہے اُمی لقب ہے
کہیں قل اطیعوا کا اک سلسلہ ہے

کہیں القلم میں ہے خلق عظیم
کہیں رحمت عالمیں کی ثناء ہے
کہیں ہے من اللّٰہ نورٌ اشارہ
کہیں عززروہ لکھا برملا ہے

کہیں تاجِ انّا فتحنا کی زینت
کہیں فتح کا مژدۂ جانفزا ہے
کہیں ہے فترضیٰ بشارت خدا کی
کہیں انتہائے عطائے خدا ہے
کہیں ہے محمّد کہیں اسم احمد
کہیں النّبی رب نے اُن کو کہا ہے
کہیں تو بلایا ہے یٰسین کہہ کر
کہیں تو رؤوفٌ رحیمٌ کہا ہے
کہیں ہے مسیحی بشارت نبی کی
کہیں دیکھو ابعث خلیل دُعا ہے
کہیں ہے تقلّب کا ذکرِ مبارک
کہیں وہ ادا جس سے قبلہ بنا ہے
کہیں انت فیهم سے ڈھارس بندھی ہے
کہیں فضلۂ نے دلاسہ دیا ہے
کہیں ما عنتم حریصٌ علیکم
کہیں جاء وك سے بڑا حوصلہ ہے
کہیں ہے بیوت النّبی کی فضیلت
کہیں درسِ تکریمِ سنّت شہا ہے
کہیں حرمت وعزِ ازواجۂ ہے
کہیں ہے لکھا اُن کا اعزاز کیا ہے
کہیں کیا ہے سارا ہی قرآن نشتؔر
شہہ دیں کی مدحت میں مدحت سرا ہے

ڈاکٹر مبشر احمد نشتؔر (حیدر آباد)

مخزن آیات

رمیٰ	سورہ انفال-۸-آیت-۱۷-
قاب قوسین	سورہ النجم-۵۳-آیت-۹-
اوادنیٰ	النجم-۵۲-آیت-۹-
قل انما	الکھف-۱۸-آیت-۱۱۰-
مثلکم	الکھف-۱۸-آیت-۱۱۰-
سراجاً منیرا	الاحزاب-۳۲-آیت-۴۶-
والنجم	النجم-۵۳-آیت-۱-
والقمر	المدثر-۷۴-آیت-۳۲-
	الانشقاق-۸۴-آیت-۱۸-
والشمس	الشّمس-۹۱-آیت-۱-
والضحیٰ	الضحیٰ-۹۲-آیت-۱-
لعمرك	الحجر-۱۵-آیت-۷۲-
والقلم	القلم-۶۸-آیت-۱-
انت هل بھٰذا البلد	البلد-۹۰-آیت-۲-
ام القریٰ	الانعام-۶-آیت-۹۲-
	الشوریٰ-۴۲-آیت-۷-
یداللّٰه فوق ایدیهم	الفتح-۴۸-آیت-۱۰-
ورفعنا لك ذکرك	الانشراح-۹۴-آیت-۴-
اذ رمیت	الانفال-۸-آیت-۱۷-
طٰهٰ	طٰہٰ-۲۰-آیت-۱-
بعبده	الاسراء/ بنی اسرائیل-۱۷-آیت-۱-
اسریٰ	الاسراء/ بنی اسرائیل-۱۷-آیت-۱-
مازاغ	النجم-۵۳-آیت-۱۷-
رضیت لکم	المائدہ-۵-آیت-۳-

الکوثر	الکوثر-۱۰۸۔آیت-۱۔
ولو انھم	النساء-۴۔آیت-۶۴۔
یٰعبادی	الزمر-۳۹۔آیت-۵۳۔
لقد جائکم	النور-۹۔آیت-۱۲۸۔
لاترفعوا اسواتکم	الحجرات-۴۹۔آیت۲۔
لا تقولوا راعنا	البقرۃ-۲۔آیت-۱۰۴۔
انظرنا	البقرۃ-۲۔آیت-۱۰۴۔
لاتجعلو	النور-۲۴۔آیت-۶۳۔
وسلمو	الاحزاب-۳۲۔آیت-۵۶۔
لتشقیٰ	طٰہٰ-۲۰۔آیت-۱۔
میثاق	آل عمران-۳۔آیت-۸۱۔
اقرأ	العلق-۹۶۔آیت-۱۔
الامتی	الاعراف-۶۔آیت-۱۷۔
قل اطیعوا	آل عمران-۳۔آیت-۳۲۔
خلق عظیم	القلم-۶۸۔آیت-۴۔
رحمة للعالمین	الانبیاء-۲۱۔آیت-۱۰۷۔
من اللّٰه نور	المائدہ-۵۔آیت-۱۵۔
عزروہ	الاعراف-۷۔آیت-۱۵۷۔
انا فتحنا	الفتح-۴۸۔آیت-۱۔
فترضیٰ	الضحیٰ-۹۳۔آیت-۵۔
محمد	محمد-۴۷۔آیت-۲۔
	الفتح-۴۸۔آیت-۲۹۔
اسمہٗ احمد	الصّف-۶۱۔آیت-۶۔
النبی	المائدہ-۵۔ ۸۱۔ الاعراف-۷۔۱۵۷۔ الانفال-۸،

۶۴، ۶۷، ۷۰۔التوبہ-۱، ۶۱، ۷۳، ۱۱۳، ۱۱۷۔الاحزاب-۱۳، ۳۲۱۔الاحزاب-۳۳۔۲۸، ۳۰، ۳۲، ۳۸،

۴۵،۵۰،۵۳،۵۶،۵۶۔الحجرات-۴۹-۲۔الممتحن -۶۰،۱۲۔الطلاق-۶۰-۱۔التحریم-۶۹-۱،۳،۸،۹۔

یٰسین	۳۸۔آیت-۱۔
رؤف رحيم	التوبہ-۹۔آیت-۱۲۸۔
وابعث	البقرۃ-۲۔آیت-۱۲۹۔
تقلب وجهك	البقرۃ-۲۔آیت-۱۴۴۔
انت فيهم	الانفال-۸۔آیت-۳۳۔
فضله	التوبہ-۹۔آیت-۵۹۔
ماعنتم حريص عليكم	التوبہ-۹۔آیت-۱۲۸۔
جاء و ك	النساء-۴۔آیت-۶۴۔
بيوت النبى	الاحزاب-۳۳۔آیت-۵۳۔
ازواجه	الاحزاب-۳۳۔آیت-۶۔

☆☆☆

ﷺ

قلم نے جب بھی کیئے نعت کے گہر روشن
تو خود بخود نظر آئی سطر سطر روشن

ہوئی ہے یادِ نبیﷺ جب بھی جلوہ ریز خیال
تو ہوگئے ہیں دماغ و دل و نظر روشن

تمام حسن و تجلی حضورﷺ کی صورت
رسولِ پاکﷺ کی سیرت تمام تر روشن

زمین پر ہی نہیں آپﷺ کی ضیاء پھیلی
نقولِ پا ہوئے آقاﷺ کے چرخ پر روشن

بتادیا حق و باطل میں امتیاز ہے کیا
کیا ہے آپﷺ نے ہر فرقِ خیر وشر روشن

خدا ہی جانے کہ انساں کا حال کیا ہوتا
نہ ہوتی شمعِ ہُدیٰ آپﷺ کی اگر روشن

وہ سارے فتنے جو اٹھیں گے اب قیامت تک
حدیثِ پاک میں ان سب کی ہے خبر روشن

تمام راستے دنیا کے ہوں گے جب تاریک
رہے گی بس مرے آقاﷺ کی رہگذر روشن

رئیس مدحِ نبیﷺ ہے قلم کا سرمایہ
اسی سے ہے مرا سب علم اور ہنر روشن

رئیس احمد نعمانی (علی گڑھ)

صلی اللہ علیہ وسلم

مجھے حاجتوں سے سوا مِلا یہ سخاوتیں ہیں رسول کی
ہے جو مطمئن مِری زندگی یہ عنایتیں ہیں رسول کی

کوئی دور رہ کے اویس ہے کوئی پاس رہ کے بلال ہے
یہ محبتوں کے ہیں سلسلے یہ اطاعتیں ہیں رسول کی

مِرے لب پہ ذکرِ رسول ہے یہی روز و شب کا اصول ہے
بڑی کام آئیں گی قبر میں یہ جو نسبتیں ہیں رسول کی

ہو جو سایہ آپ کا سر بسر ہمیں آخرت کا نہ ہوگا ڈر
یہ کہے گا حشر میں ہر کوئی یہ شفاعتیں ہیں رسول کی

شبِ اسریٰ ایک ہی جست میں گئے فرش سے سرِ عرش تک
میں بیاں کروں بھی تو کیا کروں وہ جو رفعتیں ہیں رسول کی

مِرا دل نفاق سے دور ہے مِری سانس سانس میں نور ہے
ہے جو روشنؔ آئینہ روح کا یہ عنایتیں ہیں رسول کی

ڈاکٹر سعید روشنؔ (جے پور)

ﷺ

تکتا رہا میں گنبد خضریٰ کو دھیان سے
''نکلا نہ ایک لفظ بھی میری زبان سے''
کعبہ پہ جب نگاہ پڑی بت سا ہو گیا
''نکلا نہ ایک لفظ بھی میری زبان سے''
سب کچھ عیاں ہے جب مرے آقا پہ سوچ کر
''نکلا نہ ایک لفظ بھی میری زبان سے''
سر میرا حکم شرع پہ خم ہو کے رہ گیا
''نکلا نہ ایک لفظ بھی میری زبان سے''
سب کچھ عطا بغیر طلب کردیا تو پھر
''نکلا نہ ایک لفظ بھی میری زبان سے''
ان کی عطا پہ آنکھ سے آنسو نکل پڑے
''نکلا نہ ایک لفظ بھی میری زبان سے''
حُسن جمال یار میں گم ہو کے رہ گیا میں
''نکلا نہ ایک لفظ بھی میری زبان سے''
چشتیؔ کی نعت سن کے مرا منھ کھلا رہا
''نکلا نہ ایک لفظ بھی میری زبان سے''
چشتیؔ حضور'' آپکا ہے'' اتنا کہہ کے پھر
''نکلا نہ ایک لفظ بھی میری زبان سے''

سید محمد فاروق چشتیؔ (دیوہ شریف، بارہ بنکی)

ﷺ

نظر میں اتنی بصارت نہیں تو کچھ بھی نہیں
رسول پاک ﷺ کی الفت نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہی تو آیتیں قرآن کی بتاتی ہیں
جو مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت نہیں تو کچھ بھی نہیں

انہیں کے نور سے تخلیق کائنات ہوئی
یہ اعتراف حقیقت نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہزار کہتے رہو لا الہ الا اللہ
اگر نبی ﷺ سے محبت نہیں تو کچھ بھی نہیں

نبی پاک ﷺ کے اصحاب باصفا کی قسم
نبی ﷺ کی آل سے الفت نہیں تو کچھ بھی نہیں

ملیں گے شاہِ مدینہ ﷺ انہیں کی نسبت سے
ہمارے خواجہؒ سے رغبت نہیں تو کچھ بھی نہیں

اے راہؔی چشتی درود و سلام کی خوشبو
اگر شریکِ عبادت نہیں تو کچھ بھی نہیں

سید عبدالمنان راہؔی چشتی (اجمیر)

صلی اللہ علیہ وسلم

میں کروں ثناءِ احمد ہوا غیب سے اشارا
نہ قلم میں تاب و طاقت نہ زبان کو ہے یارا
مرے ذہن ونطق حیراں، کہ کہوں تو کیا کہوں میں
کروں کیسے مدح اس کی جو خدا کو خود ہے پیارا
یہی فخر میری عزت، تری ذات سے ہے نسبت
مری زندگی کا حاصل ترے عشق کا شرارا
وہ نبی تمام رحمت، جو ہے غمگسارِ امت
کئے ہم پہ اتنے احساں نہ اٹھے گا سر ہمارا
نہیں کوئی اس جہاں میں جو شریکِ رنج وغم ہو
ہے خدا کے بعد اے دل، اسی ذات کا سہارا
ہو قبول نعت میری، مجھے اذن حاضر ہو
درِ قدس کے ہوں جلوے، یہ نظر ہو اور نظارا
کروں جان و دل نچھاور جو نصیب ہو حضوری
کرے روح وجد میری، جو طلب کا ہو اشارہ
ہے دُعا کہ روز محشر کہیں مجھ سے میرے آقا
یہ ہراس کیوں ہے نوریؔ تو نہیں ہے بے سہارا

سیدہ مسرّت جہاں بیگم شفیق نوریؔ

ﷺ

محمد سے الفت جتاتے رہیں گے
زمانے کو ہمدم بناتے رہیں گے

محمد کے نغمے سُناتے رہیں گے
خیالوں میں ان کو سجاتے رہیں گے

تمنا ہماری ہے تجھ سے خدایا
محمد کو دل میں بساتے رہیں گے

زمانہ رہے لاکھ ان کا مخالف
انہی سے محبت نبھاتے رہیں گے

عدم تک رہے یاد سب میں خدایا
سَدا جشن احمد مناتے رہیں گے

ولادت کے دم میرے آقا کی خوشیاں
مناتے رہے ہیں ، مناتے رہیں گے

منور رہے دل محمد سے اکبر
محبت کی لو ہم بڑھاتے رہیں گے

ڈاکٹر سید چندا حُسینی اکبر (گلبرگہ)

ﷺ

ہو کاش عطا مجھ کو وہ صہبائے مدینہ
آنکھوں میں بسے دل میں اتر جائے مدینہ
اس حُسنِ تصور سے ہمہ دم رہوں سرشار
جب بند کروں آنکھ نظر آئے مدینہ
پہلے تو نگاہوں کو تھی بس دید کی حسرت
اب دل یہ کہے چھوڑ کے کیوں جائے مدینہ
مملوک ہیں یہ جن و بشر شمس و قمر سب
کرو بیاں ہیں ناصیہ فرسائے مدینہ
آؤں در اقدس پہ میں سرکار دوبارہ
پھر اذن عطا کیجیے آقائے مدینہ
نیرنگی عالم سے ہے بیگانگی دل کو
جس دم سے بسا سر میں ہے سودائے مدینہ
خورشید و قمر چومتے رہتے ہیں ادب سے
ہر شام و سحر گنبدِ خضرائے مدینہ
دامن کشِ دل جذبۂ بیتاب ہے حیدؔر
آنکھوں میں ٹھہر جلوۂ زیبائے مدینہ

الحاج قاری حیدر علی حیدؔر بر ہانی (فیض آبادی)

صلی اللہ علیہ وسلم

اے دل اگر ہے تجھ کو محبت رسول کی
شیوہ بنا لے اپنا اطاعت رسول کی

وہ سر کٹے نہ جس میں ہو سودا رسول کا
وہ دل مٹے نہ جس میں ہو عزت رسول کی

ظلمت جہاں میں کفر سے کافور ہوگئی
روشن ہوئی جو شمع رسالت رسول کی

اسلام کے فروغ کا اے مدّعی سبب
خنجر نہیں خلق و مروت رسول کی

گھبرائیں کیوں گناہ کے بارگراں سے وہ
کافی ہے عاصیوں کو شفاعت رسول کی

بس اور کوئی خواہش و حسرت نہیں رہی
اللہ جو دے تو دے مجھے الفت رسول کی

پیدا ہمیں بھی کرتا خدا ان کے عہد میں
اے کاش ہم بھی کرتے زیارت رسول کی

ہے آرزو کہ قبر مری بھی وہیں بنے
ہے جس زمین پاک میں تربت رسول کی

عاصی ہوں رُوسیاہ ہوں جو کچھ بھی ہوں مگر
بندی خدا کی اور ہوں امت رسول کی

دُرِ شہوار نرگس

ﷺ

میرے رسول کا چہرہ نظر میں بستا ہے
اُسی کے نور سے دل کا چراغ جلتا ہے
مرے حضور سے کہہ دو حجاب وا کردیں
زمانہ چہرۂ انوار کو ترستا ہے
حضور لوٹ کے آجایئے زمانے میں
ہوائیں روتی ہیں دریا بھی سر پٹکتا ہے
سکون پائے گا زنداں میں جسم کے کیسے
دِوانہ دل یہ مدینے میں گاتا پھرتا ہے
سنائی دیتی ہیں لبیک کی صدائیں مجھے
عجیب سلسلہ غارِ حرا سے ملتا ہے
یہی ہے آرزو دیدار حق ہو شائستہؔ
کوئی شرارہ مری روح میں مچلتا ہے

ڈاکٹر شائستہ یوسف (بنگلور)

ﷺ

ہے ردّ عمل میرا جو حمد سرائی ہے
آقا کے لئے دنیا مولا نے بنائی ہے

اللہ تو سب کا ہے اور اس کی خدائی ہے
سرکار کی مختاری مولا کی اکائی ہے

بھٹکے ہوئے لوگوں تک پیغام خدا پہنچے
سرکار نے دنیا میں یہ رسم نبھائی ہے

جو خوف خدا کا ہے، امّت کو سنوارے گا
مولا نے چنا تجھ کو، تقدیر جگائی ہے

حق کی جو کمائی ہے وہ تیری عبادت ہے
سرکار نے سجدے کی یہ راہ دکھائی ہے

تو بخشنے والا ہے بخشے گا ہمیں مولا!
جو شافع محشر ہے، یہ اس کی دہائی ہے

اک تو ہی وسیلہ ہے اب عبد و خدا کے وسط
مکہ سے مدینہ تک تیری ہی رسائی ہے

یہ آنکھ برستی ہے جب تیری جدائی میں
اشکوں سے مدینے کی تصویر بنائی ہے

اک بار ترے در پر بس نازؔلی آجائے
یہ چاہ زیارت کی اب دل میں بسائی ہے

ڈاکٹر نلنی وبھا نازؔلی (ہمیر پور، ہماچل پردیش)

ﷺ

نفس نفس ہے پریشاں و بے قرار حضور ﷺ
''ہوس کے ہاتھوں میں آیا ہے اقتدار حضور'' ﷺ

جہاں میں پھر سے وہی انقلاب آجائے
ہزار سال سے جس کا ہے انتظار حضور ﷺ

ہے سارے اہل حرم کو جب آپ سے نسبت
پھر ان کی صف میں ہے کیسا یہ انتشار حضور ﷺ

کلی کلی ہے فسردہ، روش روش ہے اداس
چمن میں لوٹ کے آئے گی کب بہار حضور ﷺ

نہیں ہے چھوڑی ابھی میں نے دامنِ امید
گناہگار ہوں لیکن ہوں شرمسار حضور ﷺ

بتانِ رنگ و نسب توڑ کے حقیقت میں
بڑھایا آپ نے انسان کا وقار حضور ﷺ

ستاتی رہتی ہیں طیبہ کی وہ حسیں یادیں
ضیاؔء اسی لیے رہتے ہیں سوگوار حضور ﷺ

ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ضیاؔ مدنی (کیرلا)

صلی اللہ علیہ وسلم

ہر سو چمک رہے ہیں جو انوار رات دن
کرتی ہوں یاد آپ کو سرکار رات دن

ہے زندگی میں میری اجالا بھرا ہوا
ہر ظلم سے میں رہتی ہوں بیزار رات دن

اُلفت نبی کی دل میں بسا کر خوشی خوشی
کرتی ہوں ہر گھڑی میں تو دیدار رات دن

پیارے اُصول یاد ہیں سرکار آپ کے
خوشیوں کی ہر طرف ہے جو بھرمار رات دن

ہے آنکھ میں ازل سے مدینہ بسا ہوا
آتا نظر ہے مجھ کو وہ دربار رات دن

کہنے لگی ہوں آپ کی مدحت میں رات دن
خوشبو سے اب مہکتا ہے گلزار رات دن

اللہ کو پیار ہے نبی سے مرے بہت
نسرینؔ پہ کھل رہے ہیں یہ اسرار رات دن

نسرینؔ

ﷺ

وہ بزم دین و دنیا میں کسی قابل نہیں ہوتا
نبی کے عشق کا سودا جسے حاصل نہیں ہوتا

جسے کہتے ہیں دل وہ فی الحقیقت دل نہیں ہوتا
کہ جب تک اس میں عشقِ مصطفیٰ داخل نہیں ہوتا

جو دامن تھام لے راہی مرے شاہِ مدینہ کا
وہ دنیا میں کبھی آوارۂ منزل نہیں ہوتا

نہیں جس کو بھروسہ مصطفیٰ کی ناخدائی پر
مقدر میں کبھی اس شخص کے ساحل نہیں ہوتا

جو منکر ہوگیا سرکار کی شانِ رسالت سے
کبھی حق بات سننے کے بھی وہ قابل نہیں ہوتا

فقط توحید پر ایمان رکھنا ہی نہیں ایماں
اگر دل میں رسالت پر یقیں کامل نہیں ہوتا

اثر اس وقت تک پیدا نہیں ہوتا دعاؤں میں
وسیلہ مصطفیٰ کا جب تلک شامل نہیں ہوتا

وہی مشتاقؔ پائے گا بہارِ خلد کی خوشبو
شریعت سے جو آقا کی کبھی غافل نہیں ہوتا

مشتاقؔ سیوانی

صلی اللہ علیہ وسلم

ہے یہی آرزو مری ہے یہی مدعا فقط
نعت نبی زباں پہ ہو ان کا ہو تذکرہ فقط

مجھ کو ولائے شاہ میں ایسا گماں دے اے خدا
میری نظر میں ہر گھڑی جلوہ ہو آپ کا فقط

حشر میں نفسی نفسی کا شور جو ہوگا ہر طرف
لب پہ مرے حضور کے ہوگا انا لہا فقط

نار سقر جلا سکے اس کی یہ کیا مجال ہے
لب پہ ہو جس کے ہر گھڑی صلی علیٰ صدا فقط

ان کے درِ کریم تک ہوتی رسائی گر مری
پلکوں سے میں بہارتا روضۂ مصطفیٰ فقط

کوئی سمجھ سکے گا کیا میرے نبی کا مرتبہ
ربِّ کریم جانے ہے مرتبہ آپ کا فقط

یوں تو ہزاروں انبیاً آئے ہیں اس جہان میں
بعدِ خدا بزرگ تر مرتبہ آپ کا فقط

کوچ ہو جب نظاؔم کا دنیا سے اے مرے خدا
آخری دم زباں پہ ہو نغمۂ مصطفیٰ فقط

مولانا نظام الدین نظاؔم بستوی (لسوٹھو، افریقہ)

ﷺ

کہاں مجھ میں وہ طاقت ہے کہ میں نعتِ نبی لکھوں
محمد مصطفیٰ کو میں سراپا روشنی لکھوں
مری تحریر کا ہو خاتمہ بس ذکر اقدس پر
دمِ آخر نبیؐ کا نام لفظِ آخری لکھوں
کوئی محتاج پرور پرور آج تک ایسا نہیں دیکھا
میں صدقِ دل سے آقاؐ کو غنی لکھوں سخی لکھوں
بھٹکتے تھے جو گمراہی میں راہِ راست پر آئے
حبیبؐ کبریا کی اس کو شانِ رہبری لکھوں
میں ان لمحوں کو جن میں آپؐ ہی کا ذکر ہوتا ہے
متاعِ بندگی لکھوں متاعِ زندگی لکھوں
وسیلہ آپؐ ہی کا روزِ محشر کام آئے گا
قلم عاجز ہے میرا کیا میں شانِ سروری لکھوں
رسول اللہ کو ہے انبیاء پر برتری زہراؔ
خدا کے بعد افضل تر ہے ذاتِ احمدی لکھوں

ڈاکٹر فاطمہ زہرا (بنگلور)

سلام

(بہ زبان مارواڑی)

تھاں پر لاکھ ہجار سلام تھاں پر پڑھاں پُکار سلام
تھاروں دِل سے بنو گلام تھارو پلّو لینو تھام
تھارو نبی محمد نام
مہارو کرو کبول سلام
تھاں سوکھا لک رکھے پیار میں بھی تھاں پرچھوں بلہار
تھارو عالی چھے دربار مہاں پر نجر کر واک بار
تھارو نبی محمد نام
مہارو کرو کبول سلام
تھاں کی جگ میں مچی دُہائی تھاری پیت مورے من بھائی
تھاں نے اچھی کری کمائی تھاں پر صدکے سبھی کھدائی
تھارو نبی محمد نام
مہارو کرو کبول سلام
تھیں چھوراجن کے پت راج تھیں چھو پرتھی کے سرتاج
تھارو سبھی ملک محتاج تھارے ہاتھ مہاری لاج
تھارو نبی محمد نام
مہارو کرو کبول سلام

تھارو درسن کبھو نپایو مہاں نے مُکھڑا نا دِکھلایو
تھارو نیہہ کلیجہ کھایو تھارو نام مور سے من بھایو
تھارو نبی محمد نام
مہارو کرو کبول سلام
تھارو بنو خلیلؔ دیوانہ جیسے دیوے پر پروانہ
یا کو روجہ پر بلوانا یا کو اپنو دیس دکھانا
تھارو نبی محمد نام
مہارو کرو کبول سلام
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ یَا رَبِّ صَلِّ عَلَیْہِ وَ سَلِّمْ

شاہ خلیل الرحمٰن خلیلؔ بانسوی

ستائش نامے

کافی ہے مرے دل کی تسلی کو یہی بات
آپ آ نہ سکے آپ کا پیغام تو آیا

شکیلؔ بدایونی

ڈاکٹر محمد شعائراللہ خاں وجیہی (رام پور)

مکرمی! سلام مسنون

دبستان حمد ونعت کا تیسرا شمارہ موصول ہوا۔ **جزاکم اللّٰہ خیرالجزاء**۔ چونکہ میں خود رسالہ ضیاء وجیہ گزشتہ تیس سال سے ہر ماہ مرتب کرتا آیا ہوں اس لئے علمی اور ادبی رسائل کی راہ کی دشواریوں سے اچھی طرح واقف ہوں اور آپ کی ہمت اور لگن کی داد دیتا ہوں۔

اس شمارہ کے مضامین بہترین مواد کے حامل ہیں خواہ وہ تمحید وتقدیس کے تحت ہوں یا تابش فکرو نظر کے زمرہ میں آتے ہوں۔ افکار روشن کے لبادہ میں ہوں یا زاویۂ نگاہ کی چادر میں روپوش ہوں۔ نعت اور نعت گوئی کا مقام واحترام، گلستان نعت کے خوش نوا طیور کے افکار ونظریات کا جائزہ، ایک سے بڑھ کر ایک مضمون اپنے مغز ومواد کی بدولت دل ودماغ کو معطر کرتا ہے اور سکون بخشتا ہے۔

دبستان نعت کے سابقہ شماروں پر اکابرین ادب کی آراء کو زاویۂ نگاہ کے تحت شامل کر کے آپ نے دیانت کی مثال قائم کی ہے۔ اسی طرح ستائش نامے بھی داد وتحسین کے ساتھ ساتھ اصلاحات وتجاویز پیش کرنے میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ مجلّہ کو خوب سے خوب تر بنانے میں یہ عمل حد درجہ معاونت کرتا ہے۔

گل ہائے عقیدت کے تحت عصرِ حاضر کی معیاری نعتوں کی شمولیت نے اس شمارہ کا مرتبہ بہت بلند کر دیا ہے۔ بہت بہت مبارکباد۔ رب کریم جس سے جو کام لیتا ہے وہ یقیناً اُس کا اہل ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دبستان نعت کا گلشن سنوارنے اور سجانے کے لئے فیروز وسراج کی کامیاب اور بافیض جوڑی کو منتخب فرمالیا ہے۔ اس بابرکت جوڑی کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ بے شک۔ ؎

یہ اُس کی دین ہے جسے پروردگار دے

سلمان کبیرنگری

محترم جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دبستان نعت شمارہ نمبر ۳ دسمبر تا جنوری ۲۰۱۸ء نگاہوں سے گزرا جسے پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا بے شک آپ کی یہ کاوش قابل مبارک باد ہے اس کتابی سلسلہ کا ہر مضمون اپنی جگہ قابل ستائش

ہے آپ نے ہندوستان بھر کے دانشوروں سے مضامین لکھوا کر نعت کے ہر گوشے پر روشنی ڈالی ہے، میں آپ کی اس گراں قدر کوشش و بے بہا خدمات کو لائق تحسین سمجھتے ہوئے آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور اس کی تحقیق و تنقید سے متعلق اس خاص رسالے کی ترویج و ترقی میں آپ کو کامیابی سے ہم کنار فرمائے، سراج احمد قادری صاحب کی اس کاوش کے حوالے سے میں کہنا چاہوں گا کہ آج کے اس پرآشوب دور میں جہاں اردو زبان کے ساتھ ہر میدان میں سوتیلا سلوک کیا جا رہا ہے، ہر میدان میں اس زبان کے ساتھ جانب دارانہ رویہ اختیار کیا جا رہا ہے اردو زبان کو قابل گردن زدنی سمجھ کر تختۂ مشق بنایا جا رہا ہے نیز یہ کہ اردو پر اتنے ظلم و ستم ڈھائے جا رہے ہیں کہ آج اردو اپنے زوال اور اپنی بدحالی پر اشک فشانی کرنے پر مجبور ہے اور اپنے ہی گھر میں بے گانوں کی طرح ماری ماری پھر رہی ہے ستم بالائے ستم یہ کہ محبان اردو کو بھی ٹیڑھی نظروں سے دیکھا جا رہا ہے، ایسے ناموافق حالات میں شیرینیٔ اردو کے متوالے آج بھی خال خال نظر آ ہی جاتے ہے۔ سراج احمد قادری صاحب کی شخصیت انھیں میں سے ایک ہے، سراج احمد صاحب کا یہ قدم بے شک ایک جرٔات مندانہ قدم ہے جو قابل ستایش ہے، میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ سراج احمد قادری صاحب جیسی چند شخصیات اگر سامنے آ جائیں تو انشاء اللہ اردو کے مقدر کے ستارے کو ادب پر ضوفشاں ہونے میں دیر نہیں لگے گی، میں سراج احمد قادری صاحب کے اس جرأت مندانہ اقدام اور ان کی کاوشوں کو سلام کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ادب سے دلچسپی رکھنے والی شخصیات اردو کے اس متوالے کی قدر دانی اور حوصلہ افزائی ضرور فرمائیں گی۔ اللہ موصوف کی کاوشوں کو قبولیت عام سے سرفراز کرے اور ان کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

قاری محمد رفیق قاضی فائزؔ فتح پوری (فتح پور، راجستھان)

صاحبِ فضل و کمال مدیر محترم جناب سراج احمد صاحب

سلام اللہ علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

امید مزاج بخیر ہوں گے؟ مؤقر مجلّہ دبستانِ نعت شمارہ سوم کے مضامین، تنقیدات و تبصرات کے حوالے سے اور حدیث "**لولاک لما خلقت الافلاک**" کے حوالے سے گفتگو پر مشتمل تبصرہ بعنوان ''تنقید یا لغزشِ قلم'' ارسالِ خدمت کیا ہے امید ہے کہ میری یہ کاوش مجلّہ کے مزاج کے مطابق ہی ہے جو متعلقین مجلّہ کے لئے کئی لحاظ سے سودمند بھی ہے۔

اور میرے سابقہ مضمون ''بارگاہِ رسالت میں عقیدۂ صحابہ اور تجلیات نعت'' کو میں نے نئے سرے سے تحریر کیا ہے معذرت خواہ ہوں کہ اس مضمون کو نئے سرے سے ہی کمپوز کرنا پڑے گا۔تاہم مضمون اچھا اور ہر لحاظ سے مجلّہ کے موافق، اور قابلِ اشاعت ہو گیا ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ یہ دونوں مضامین اشاعت پذیر نہ ہوں۔الا یہ کہ بیک وقت دو مضامین کی اشاعت کا مجلّہ ہی متحمل نہ ہو۔

بہر حال میں تو اپنی طرف سے دونوں مضامین کی اشاعت کی ہی گزارش کروں گا۔کیونکہ مجھے امید ہے کہ ناعت پر فیضانِ منعوت کی طرح میرے یہ مضامین بھی اہل علم سے پذیرائی حاصل کریں گے۔اور میری یہ گزارش بھی ہے کہ یہ مضامین کمپوز کرنے کے بعد میرے واٹس اپ پر ارسال فرمانے کی زحمت بھی فرمائیں تاکہ کمپوزنگ میں سہو کی نشاندہی کر کے آپ کو دوبارہ بھیج دوں۔

بشمولیت آپ، آپ کے اہل خانہ واہل خاندان واراکین مجلّہ کے لئے ترقی وخوشحالی کے لئے دعا گو ہوں۔اور میری خصوصی دعا ہے کہ آپ جیسی محبت، خلوص وللّٰہیت اللہ تبارک وتعالیٰ بلاتفریقِ مذہب وملت ہر انسان کو عطا فرمائے۔آمین۔

عرش صہبائی (جموں)

۱۵؍فروری ۲۰۱۹ء

ملتجی ومکرمی! ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

آداب ونیاز

دُعا گو ہوں کہ آپ خوش وخرم رہیں ''دبستان نعت'' بابت جنوری - دسمبر ۲۰۱۸ء نظر نواز ہوا۔ میرے علاوہ اور کئی کرم فرما شدت سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔آپ یقین جانیے اس سے کئی کرم فرما فیض یاب ہوں گے۔سب آپ کی خدمات کو سراہتے ہیں۔آپ اس کے حق بجانب بھی ہیں۔یہ رسالہ ایک ایسی ادبی دستاویز ہے جس کی نوعیت الگ تھلک ہے اس کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ اس سے اُردو زبان کو بھی فروغ مل رہا ہے۔ایسا صرف آپ کی محنت کے سبب ہے۔زیرِ نظر شارہ میں شامل تمام مضامین قابل ستائش ہیں۔میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ شاعری کی کسی صنف میں بھی عقیدت الگ چیز ہے اور فنی لوازمات الگ۔کوئی کچھ بھی کہے شاعری کو فنی لوازمات سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے استعمال سے شعر میں شعریت پیدا ہوتی ہے اور وہ قاری کے دل میں اُتر جاتا ہے۔آج کے دور میں اگر کسی شاعر کے کسی شعر میں کسی فنی خامی کا اظہار کیا جائے تو وہ ایسا کرنے والے کو اپنا دشمن قرار دیتا

ہے لیکن وہ دشمن نہیں اُس کا خیرخواہ ہوتا ہے۔ کسی خامی کی طرف اشارہ کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ سرزد نہ ہو۔ یہ ایک تعمیری نظریہ ہے۔

اس شمارہ میں بعض نعتوں میں کہیں فنی خامیاں بھی ہیں جناب یاوروارثی صاحب کی نعت پر جب نظر جاتی ہے تو اس شعر پر رُک جاتی ہے۔

خاکِ طیبہ کی طلب نے نہیں دیکھا مڑ کے　　آئی جب بادِ صبا جوئے گُلِ تر لے کر

یہاں خط کشیدہ الفاظ توجہ طلب ہیں۔ اس نقطہ کو اہل فن ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جناب محمد علی صدیقی صدیقی شیدا بستوی کی نعت کا یہ شعر دیکھئے۔

محدود نہیں جب مرے سرکار کی عظمت　　پھر کیسے تعین کریں ہم اپنی فہم سے

یہاں مصرعۂ اول میں ''مرے'' کا استعمال ہے اور دوسرے مصرعہ میں ''ہم'' کا۔ اسے شترگربہ کہتے ہیں یہ فنی سقم آپ کو اکثر شعرا کے کلام میں مل جائے گی۔ اسی نعت کا یہ منظر

کہہ دے گا یقیناً یہ خدا حشر میں مجھ سے　　جا بخش دیا تجھ کو محمد کے کرم سے

یہ تقابل ردیف کی زد میں آتا ہے۔

جناب عارف خیرآبادی صاحب کی نعت کا یہ مطلع دیکھئے۔

چارہ گر حیران ہے للہ یہ کیا ہوگیا　　ذکر طیبہ کر دیا، بیمار اچھا ہو گیا

یہاں ذکر طیبہ کر دیا'' کی جائے'' ''ذکر طیبہ کرنے سے'' یا ذکر طیبہ کیا گیا بہتر صورت ہے۔

جناب بشیرالحق بشیر صاحب کا کلام بھی ارسال ہے۔ اُمید ہے کہ پسند خاطر ہوگا۔

زیادہ اظہار خلوص۔

بشیرالحق بشیر (کشمیر)

محترم المقام جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم

اُستادِقوم جناب عرش صہبائی کے توسط سے دبستان نعت کے تیسرے شمارے کا پہلی بار مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا یقین جانیں بڑی مسرت ہوئی یوں کہئے جیسے اندھیرے میں روشنی کی کرن نظر آئی۔

آپ کا یہ فرمانا بجا ہے کہ ''اُردو ادب کی ابتداء علماء اور صوفی حضرات سے ہی ہوئی ہے۔'' مگر افسوس کا مقام ہے کہ اِن ہی حضرات میں سے اکثر کو شرک کے دائرے میں لا کر حمد و نعت اور منقبت کو

ادب میں کوئی مقام نہیں دیا جا رہا ہے۔ ایسا صرف عقیدتی ادب اور شریعت کی روح سے ناواقفیت کی وجہ سے ہو رہا ہے اِن حالات میں ایسے ادیبوں کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی جو عقیدتی ادب کو حقیقی تحقیق وتنقید کے دائرے میں لا کر اس کی اہمیت کو اجاگر کر کے ادب میں اِس کا مقام متعین کریں۔ الحمدللہ آپ نے بڑی حد تک اِس کمی کو پورا کر کے عالم ادب پر ایک عظیم احسان کیا ہے جس کے لئے آپ یقیناً تعریف وتحسین کے مستحق ہیں۔

آپ نے عقیدتی ادب کے حوالے سے جس طریق کار کو متعین کیا ہے وہ نہ صرف مناسب بلکہ قابل عمل بھی ہے۔ اللہ آپ کو اس کے لئے جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

میں نے ابھی پوری کتاب کا مطالعہ نہیں کیا ہے اس لئے مکمل تبصرہ نہیں کر سکتا۔

ادھر سے اُستادِ محترم جناب عرش صہبائی صاحب کا حکم تھا کہ فوری طور اپنے تاثرات آپ تک پہنچاؤں وہ آپ کے کام سے بہت مطمئن ہیں اور ہر طرح سے آپ کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے فوری طور یہ چند سطور قلمبند کر کے بھیج رہا ہوں۔ باقی انشاء اللہ آئندہ۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد اللہ (جلگاؤں)

محبی و مشفقی

السلام علیکم

امید ہے بفضل خدا مع متعلقین بخیر ہوں گے۔

کل دبستان نعت شمارہ-۳، موصول ہوا۔ بے حد خوشی حاصل ہوئی۔ آپ کی نوازش کا شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں پا رہا ہوں۔ بہرحال شکریہ قبول فرمائیے۔ صوری و معنوی دونوں اعتبار سے اس شمارہ کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ ہر انصاف پسند کی نظر میں یہ پاکیزہ شمارہ قابل تعریف قرار پائے گا۔ گذشتہ شماروں کے بارے میں صاحبانِ دانش وبینش نے آپ کی خدمت میں جو مراسلات تحریر فرمائے وہ میری رائے کی تصدیق ہی کرتے ہوں گے۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان سے عقیدت ہر بندۂ مومن کا فریضہ ہے۔ اللہ کا پیغام انہیں کے ذریعے تو ہم تک پہنچا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے فرشتے حضور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتے ہیں اور اللہ نے بھی ان پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت کا اظہار ہمارا بڑا اہم عمل ہے۔ آپ نہایت عقیدت ومحبت کے ساتھ حضور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

تعریف وتوصیف کے بیان یعنی صنف نعت کی خدمت فرمارہے ہیں۔اللہ جزائے خیر دے گا۔اس شمارے کوآپ نے محبی و مشفقی عالی جناب مرحوم ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کے نام کرکے نہ صرف مذہبی بلکہ اہل دردمند کی مسرتوں میں اضافہ فرمادیا ہے۔مرحوم حضرت سے میرے ۱۹۶۵ء سے ۱۹۸۴ء تک ناگپور یونیورسٹی سے میرے تعلق کے زمانے میں نہایت گہرے تعلقات رہے ہیں۔وہ میرے رہنما بھی تھے کرم فرما بھی اور نہایت محبت کرنے والے بھی۔میں ان کے اوراپنے روابط پرآپ کی معلومات کے لئے علاحدہ کاغذ پر چندسطریں تحریرکرکے منسلک کررہا ہوں۔جو محض آپ کی معلومات کی خاطر ہیں۔

میں ڈاکٹر صاحب کے تحقیقی کام سے بخوبی واقف ہوں۔ان کے مقالے کی اوریجنل اردو ٹائپ میں حیدرآباد میں تیار کی ہوئی کاپی میری لائبریری میں بطور ایک قیمتی سرمایہ محفوظ ہے۔۱۹۸۴ء میں امراوتی یونیورسٹی کے قیام کے بعد میرا تقرر اِس یونیورسٹی کے جیوری ڈکشن میں ہونے کے بعد بھی میرے ان کے تعلقات رہے جب میں ناگپور گیا ان سے شرف ملاقات اور رہنمائی حاصل کرتا رہا۔ ان کے آخری دنوں میں البتہ ملاقات نہ ہوسکی۔ان کا انتقال موت العالم موت العالم کی مثال بن گیا۔

اس شمارہ کی مشمولات کا مطالعہ کرنے کے بعد کچھ اظہار خیال کرسکوں گا۔

مشمولات پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہایت مقتدر ادیبوں نقادوں اور شعراء کے رشحات قلم شامل کئے گئے ہیں۔جن کا مطالعہ نہایت اہم معلومات فراہم کرتا ہے۔

میں گذشتہ چار پانچ ماہ سے ٹائیفائڈ اور دیگرکئی امراض کا شکاررہا ہوں۔امراض کے اثرات ابھی زائل نہیں ہوئے۔ اس کے علاوہ اب مختلف یونیورسٹیوں کے کام بھی کم ہوگئے ہیں پھر بھی مہاراشٹر اور باہر کی کچھ یونیورسٹیوں کے کام کرتا رہتا ہوں۔اللہ کا شکر ہے۔

میری جانب سے تمام ہم کاران وکرم فرماؤں کی خدمت میں سلام ودعا عرض فرمائیں۔

شارق عدیل مارہروی (مارہرہ، یوپی)

محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

سلام مسنون

جس روز ’’دبستانِ نعت‘‘ کا تیسرا شمارہ دستیاب ہوا، اس کے دوسرے دن محترم فیروز سیفی صاحب سے دیر تک فون پر گفتگو ہوئی، تو اُن کی باتوں سے محسوس ہوا کہ موصوف کا دل رسول اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کی محبتوں میں پوری طرح شرابور ہے۔

دل پھر کسی بھی رنگ کو کرتا نہیں قبول وہ رنگ گھولتی ہے محبت رسول کی

موصوف دل سے چاہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کو اردو ادب میں صنفی حیثیت حاصل ہونی چاہئے اور اس کے لئے وہ دل و جان سے کوشاں بھی ہیں، اور میرے خیال میں ''دبستانِ نعت'' کی اشاعت کا منشاء بھی یہی ہے۔ اور آپ بھی ''دبستانِ نعت'' کے اداریوں میں یہ بات لکھتے آ رہے ہیں۔

اور یہ سوال مسلسل دہرا رہے ہیں کہ جب قصیدہ اور مرثیہ صنف کی حیثیت سے ادب میں اپنے ہونے پر شروع سے اصرار کر رہے ہیں تو نعت کو اس منصب سے کیوں محروم رکھا گیا ہے۔ یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے اور جواب کا طالب ہے۔ جہاں تک یہ سوال ہے کہ نعت کی اپنی کوئی مخصوص ہیئت نہیں ہے تو قصیدہ اور مرثیہ بھی کسی مخصوص ہیئت میں تخلیق نہیں کئے جاتے۔

گزرے ہوئے زمانوں میں بھی ان کی تخلیق کے لئے کوئی مخصوص ہیئت نہیں تھی، اس لئے ہیئت کی تو یہاں کوئی بحث ہی نہیں ہے۔ اور تخلیقی اعتبار سے بھی قصیدہ اور مرثیہ نعت کے مقابلے میں اقلیت کی منزل میں ہی نظر آتے ہیں۔ تو پھر نعت کو صنفی حیثیت سے ادب میں کیوں شامل نہیں کیا گیا؟ اربابِ فکر و نظر کو مل بیٹھ کر اس سوال پر غور کرنا چاہئے۔ اور اس پر علمی بصیرتوں کے ساتھ اظہارِ خیال کرنا چاہئے۔ تاکہ نعت ایسی ایمان افروز اہم شعری صنف کو ادب میں صنفی حیثیت سے باقاعدہ پڑھایا جائے۔ علمائے دین کا خیال ہے کہ نعت ایک مشکل ترین شعری صنف ہے۔ اس کا حق ہر شاعر ادا نہیں کر سکتا، تو اس پر تنقید بھی ہر ناقد نہیں کر سکتا، اس لئے نعت کی تنقید کے لئے قرآن، حدیث، اور سنت کی روشنی میں کچھ اصول وضع کرنے ہوں گے۔ تاکہ عقائد کی بحث سے بچا جا سکے۔ اور اس مقام پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام کی محبتوں کو بھی نظر میں رکھنا ہوگا۔ اور یہ کام ہمارے علماء بہترین انداز میں انجام دے سکتے ہیں، کون جانے مسالک کی جنگ میں ملوث یہ قوم نعت کی تخلیقی برکت سے ایک دوسرے کے صادق احساسات کا احترام کرنے لگے۔ مذکورہ شمارے کے اداریے میں بھی نعت کی تنقید کے حوالے سے کچھ مشورے دیئے گئے ہیں ان پر بھی غور کیا جانا چاہئے۔

''تابشِ فکر و نظر'' کے عنوان تلے جو مضامین شائع کئے گئے ہیں ان کا مطالعہ دل و دماغ دونوں کو روشن کر دیتا ہے اور تنویر پھول صاحب کا مضمون نعت کے تخلیقی تعلق سے اتنا معلوماتی ہے کہ مطالعے کے دوران قاری پلک جھپکنے سے بھی محروم رہتا ہے۔

''افکارِ روشن'' کے باب میں بھی جو مضامین کا سلسلہ ہے اس پر اظہارِ خیال کرنے کی خاکسار میں علمی جرأت نہیں ہے۔ لیکن اتنا تو کہہ سکتا ہے کہ اب خالص نعت گو شعراء کا تذکرہ مدّھم ہونے

والانہیں ہے۔زاویۂ نگاہ کے عنوان سے جن مضامین کو شائع کیا گیا ہے۔وہ دبستان نعت کے دوسرے شمارے پر ردّعمل کی صورت میں تحریر کئے گئے ہیں، جو ۱۳۰ رصفحات تک پھیلے ہوئے ہیں۔

اور نعت کے تنقیدی معاملات پر دوٹوک گفتگو کرنے کے ساتھ اختلافِ رائے کو بھی زندگی عطا کرتے ہیں۔اور بہت ہی شائستگی کے ساتھ اخلاقی درس بھی دیتے ہیں۔لیکن تنقید میں لہجے کی تند فضا کبھی کبھی دل آزاری کا سبب بن جاتی ہے۔اس کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔اور مذکورہ مضامین سے یہ سبق بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔کہ نعت کو تخلیق کرتے ہوئے کس قدر احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔اس مقام پر خاکسار تو صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہے۔

محمد مصطفیٰ ﷺ کی نعت لکھنے کے ارادے سے اٹھاتا ہوں قلم جب بھی تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
عجب سی کیفیت اک دل پہ نازل ہونے لگتی ہے قلم قرطاس پر چلنے سے پہلے رکنے لگتا ہے
مجھے آگاہ کرتا ہے کہ پہلے تم عقیدت میں خلوص و مہر کی سچائیوں کے رنگ تو بھر لو
پھر اس کے بعد تم نعتِ محمد مصطفیٰ لکھنا تمہیں بھی رشک آئے گا مجھے جنبش عطا کر کے
مجھے بھی فخر ہوگا پھر تمہارا ساتھ دینے میں

دبستان نعت کا تیسرا شمارہ اس خیال کو مزید پختگی عطا کرتا ہے۔کہ یہ نعت کے تخلیقی حوالے سے ایک مشن ہے جو اپنے مقاصد میں ضرور کامیابی حاصل کرے گا۔آمین

ایک مشورہ ہے ادارے کو دستیاب ہونے والے حمد و نعت کے مجموعات پر مختصر انداز میں ہی سہی لیکن تبصرے ضرور شائع کئے جائیں، اور تخلیقی کاوشوں کے لئے بھی صفحات میں اضافے کی ضرورت ہے۔

آزاد نظم کے فارم میں ایک حمد آپ کی نظروں کے سامنے رکھ رہا ہوں مطالعہ فرمالیجئے اور اس کی اشاعت کی خوشی سے باخبر کیجئے۔رہے نام اللہ کا۔

ڈاکٹر آفاق فاخری (جلال پور)

۲۴ رمئی ۲۰۱۹ء

برادر محترم ڈاکٹر سرج احمد قادری صاحب

سلام مسنون

امید کہ آپ بخیر ہوں گے۔

''دبستان نعت'' کا شمارہ نمبر ۳ بابت ماہ جنوری تا دسمبر ۲۰۱۸ء باصرہ نواز ہوا۔شکر گذار ہوں۔ ''فروغِ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ 'دبستان نعت'' کی اشاعت کے لئے محترم نگراں جناب فیروز احمد سیفی

(نیویارک) کا اخلاص کریمانہ لائقِ ستائش ومبارک باد ہے۔اداریہ معنویت اور مقصدیت سے لبریز ہے۔

اس مجلّہ کے صفحہ۲ر پر جو عربی قطعہ درج کیا گیا ہے اُس کے آخری مصرع میری دانست میں "اِشکالنا" کی جگہ پر "اثقالنا" ہونا چاہئے میں نے بہت پہلے کسی کتاب میں "اثقالنا" تحریر کیا ہوا دیکھا تھا۔(واللہ اعلم)

''تابشِ فکر ونظر'' کے تحت تمام مضامین عمدہ، معیاری اور اہمیت کے حامل ہیں۔ جناب تنویر پھولؔ (نیویارک) نے ''ہندوپاک میں فروغِ نعت کی کوششوں کا اجمالی جائزہ'' پیش کیا ہے۔ پاکستان میں فروغِ حمد ونعت کے سلسلے میں ممتاز نعت گو شاعر حسین علی ادیبؔ رائے پوری (مرحوم) کا تذکرہ پڑھ کر مجھے اپنا وہ ماضی یاد آ گیا جب ۱۹۸۴ء میں مسلم انسٹی ٹیوٹ آف،لندن کی دعوت پر ایک عالمی مشاعرہ اور سمینار میں مرحوم ومغفور ادیب رائے پوری سے شرفِ مُلاقات حاصل ہوا تھا۔اس عالمی مشاعرہ میں ہندوستان سے اس خاکسار کے ساتھ حضرت بیکلؔ اتساہی (مرحوم) بھی تھے۔لندن میں ہم لوگوں کا قیام تقریباً دو ماہ رہا تھا۔اس موقع پر ادیب رائے پوری نے اپنی کتاب ''مدارج النّعت'' عنایت فرمائی تھی جو آج بھی میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔

ڈاکٹر ناصرالدین انصار (امراوتی) کا مضمون بعنوان انگریزی ادب کو پروفیم (نعتوں) کا تحفہ دینے والے شاعر عمدہ اور پُر از معلومات ہے۔اس لفظ کی ایجاد کا سہرا بہرحال خان حسنین عاقبؔ کے سر بندھتا ہے۔

''افکارِ روشن'' کے تحت تمام مضامین گرانقدر اور معیاری ہیں۔ گویا روحانیت اور مقصدیت کا ایک گل دستہ پیش کیا گیا ہے۔صفحہ ۱۳۷ کے ایک مضمون میں علامہ اقبال کے مشہورِ زمانہ مصرع

''نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر''

کو غلط ڈھنگ سے شائع کیا گیا ہے۔دکن کے ایک گم نام شاعر مرغوبؔ ترچناپلوی پر حضرت فیروز احمد سیفی کا مضمون ایک تحقیقی دستاویز ہے۔حضرت فیاضؔ ٹانڈوی کی حمدیہ شاعری پر ڈاکٹر رضوان انصاری نے پُرمغز مقالہ قلمبند کیا ہے۔انہوں نے فیاضؔ ٹانڈوی کی حمدیہ شاعری کو پیش کر کے ان کی تقدیسی شاعری کے ایک نئے گوشہ کو روشن کر دیا ہے۔

آپ نے ضلع بستی کے نعت گو شعرا کا تعارف اور منتخب کلام پیش کر کے ضلع بستی کی شاعرانہ فضا کو منور کر دیا ہے،مبارک باد پیش کرتا ہوں۔'' زاویۂ نگاہ'' میں ہر طرح کا زاویہ نظر آتا ہے۔جس میں کبھی کبھی کہیں کہیں خوش نگاری ہے تو کہیں کہیں کم نگاہی، بہرحال خیال اپنا اپنا اور زاویۂ نگاہ بھی اپنا اپنا۔

''گلہائے عقیدت'' سبحان اللہ، ماشاءاللہ۔

مختصر طور پر فروغِ حمد و نعت کا یہ کتابی سلسلہ ''دبستانِ نعت'' شمارہ ۳ ایک دستاویزی حقیقت ہے جسے عصرِ حاضر میں نعتیہ شعر و ادب کا خوبصورت منظر نامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

سمیعہ ناز اقبال (لیڈز، انگلینڈ)

۱۵/جولائی ۲۰۱۹ء

محترم جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔

مجھے اب تک ''دبستان نعت'' کے دو شمارے موصول ہو چکے ہیں جس کے لیے آپ کی اور محترم جناب آذر صاحب کی تہِ دل سے مشکور ہوں۔ کافی علیل رہی ہوں جس کی وجہ سے بروقت کوئی مراسلہ ارسال نہ کر سکی۔ ''نعت رنگ''، کراچی جیسے وقیع مجلّے کے بعد ''دبستان نعت'' دوسرا نعت کا ایسا مجلّہ ہے جس کو دیکھ کر پڑھ کر دل کو از حد طمانیت اور خوشی کا احساس ملا ہے کہ اللہ کریم جسے چاہتا ہے اپنے حبیب کی مدح کے لیے مخصوص فرمالیتا ہے اور بے شک آپ بھی انہی چنیدہ لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جن کے ذمہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت کے حوالوں سے کام لیا جاتا ہے، سبحان اللہ!

یہ ایک سعادتِ عظمیٰ ہے اللہ کریم آپ اور نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا کے کے تمام ممبران کو اجر عظیم عطا فرمائے، آمین ثم آمین!

دبستان نعت شمارہ نمبر ۳ خوبصورت سرِ ورق کے ساتھ نہایت دیدہ زیب ہے۔ پہلے ہی صفحہ پر نعتیہ رباعی ''یارسول اللہ انظر حالنا'' جگمگا رہی ہے تمام تر عقیدتوں اور نسبتوں کا مظہر ہے۔ (میرے شیخ معظم قبلہ حضور سیدنا عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

''نور و نکہت'' میں اتنے سارے نام جگمگا رہے ہیں کہ اگر ان کے مضامین پر بات شروع کروں تو خط طویل ہو جائے گا۔ اس کتابی سلسلے کا ہر مضمون اپنی جگہ قابلِ ستائش ہے۔ مختصراً اتنا عرض کرتی چلوں کہ ''دبستان نعت'' بھی ''نعت رنگ''، کراچی، پاکستان کی طرح ایک وقیع دستاویز کی حیثیت اختیار کرتا جا رہا ہے بہت ہی عمدہ اور جامع کوشش ہے۔ آپ اور نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا کے تمام عہدے داران کی کاوشوں کو سلام پیش کرتی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ اللہ کریم

آپ کی خوبصورت کاوشیں اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے، سلامتیوں سے نوازے اور آپ تمام احباب کی توفیقات میں برکتیں عطا فرمائے، آمین ثمّ آمین! نعت ریسرچ سینٹر۔ یوکے کی تمام ٹیم کی جانب سے آپ سب کو بہت مبارباد۔

رشید اختر خاں (دھنباد)

۲۲رجولائی ۲۰۱۹ء

برادرم جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب زادکم اللہ فضلکم

سلام مسنون

الحمدللہ! رمضان اور شوال کے دونوں مہینوں سخت محنت، تلاش وتحقیق کے بعد یہ مضمون تیار کر پایا ہوں۔ آپ کے منع کرنے کے باوجود معذوری بھی ایسی ویسی نہیں بستر سے اُٹھنا محال، چلنا دوبھر پھر بھی حاضر وناظر ہوکر لگا رہا، آپ یقین مانیں کل ۵رگھنٹے لگا تار بیٹھا رہا۔ اللہ تعالیٰ اور آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرم ہے کہ ''خواتین شاعرات کی نعت گوئی'' ہندوستان کے حوالے سے اور جس کا تذکرہ پاکستانی تذکروں میں نہیں ہوا ہے فوکس (Focus) کیا گیا ہے اور تقریباً ۴۱ سے ۶۷ شاعرات نعت گویاں ایک اہم کارنامہ ہے جس کے لیے جناب سیفی صاحب اور آپ کا شکر گذار ہوں کہ نہ صرف ہمت بندھایا بلکہ کتابوں اور مشوروں سے نوازتے رہے یہ آپ لوگوں کی کوششوں کا ثمرہ ہے اللہ اور آقا علیہم السلام اس کا اجر عظیم عطا فرمائیں۔ حسبِ وعدہ جولائی کے آخر میں ۴۲رصفحات جو کتابی سائز میں ۲۵رصفحہ میں ہوگا آپ کی خدمت میں حاضر ہے تاکہ ''دبستانِ نعت'' شمارہ نمبر۴ میں شامل ہوجائے ان شاءاللہ دو صفحے کا مضمون اگلے ہفتہ میں بھیج رہا ہوں۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم (نئی دہلی)

جناب ڈاکٹر سراج احمد بستوی صاحب

سلام ورحمت

حکم کے مطابق دبستان نعت پر اپنا مختصر خیال بھیج رہا ہوں اپنے مطابق کر کے اسے شامل اشاعت کر لیجئے۔

مولانا مجاہد حسین رضوی دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کے مجموعہ کلام ''وسیلہ نجات'' پر میں نے پیش

لفظ لکھا تھا ان کو ارسال کر دیا ہے آپ کو بھی بھیج رہا ہوں کسی طرح استعمال کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

صدر جمہوریہ ایوارڈ ملنے پر میرے تعلق سے ایک رائٹپ تیار کیا گیا تھا وہ بھی میں آپ کو بھیج رہا ہوں اگر کہیں استعمال کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

الحاج سید محمد مفیض الدین قادری (شاہ جہاں پور)

۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۵/ اگست ۲۰۱۹ء

عالی مرتبت مولانا ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاہ

''دبستانِ نعت'' کا تیسرا شمارہ موصول ہوا، بیش از بیش شکریہ! اوّل تا آخر مطالعہ کیا تمام مضامین اسلوب بیان کے اعتبار سے منفرد ہیں، قلم کار مبارک باد کے مستحق ہیں کہ ایسے تحقیقی مواد سے روبرو کرایا۔ ہندوستان میں جب نعت گوئی کی تاریخ رقم کی جائے گی تو ''دبستانِ نعت'' کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی، یہ آپ کا ایسا کارنامہ ہے جو صدیوں تک یاد رکھا جائے گا۔ باری تعالیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں آپ کو مزید حوصلہ عطا فرمائے، آمین۔

اسی کے ساتھ ہی مضمون تاخیر سے حاضر ہے معاف فرمائیں۔ تمام پُرسانِ احوال کی خدمت میں سلام مسنون، برادرم ہادی میاں سلمہٗ بھی سلام گذار ہیں۔

ڈاکٹر سید چندا حسینی اکبرؔ (گلبرگہ)

۱۸/ اگست ۲۰۱۹ء

مکرمی جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

سلام مسنون!

جناب فیروز احمد سیفی کے توسط سے آپ کا غائبانہ تعارف ہوا اور ساتھ ہی آپ کا ارسال کردہ ۲۰۱۸ء کا شمارہ ''دبستانِ نعت'' بھی نظر نواز ہوا۔ ماشاء اللہ آپ کی ادارت میں ''دبستانِ نعت'' ایک ضخیم مجلّہ نکل رہا ہے جس میں اہلِ قلم کے تجزیے، تبصرے اور مبسوط مضامین شامل ہیں، دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی۔ واقعی آپ کی کاوشوں کی ستائش قابلِ تحریر ہے۔ وقتِ واحد میں ''دبستانِ نعت'' کا مطالعہ ناممکن ہے۔ اس ضخیم شمارہ کے مشمولات سے چیدہ چیدہ مضامین و تبصرے نظر نواز ہوئے۔ سبھی

دانشورانِ اہلِ قلم کے مضامین، تجزیے وغیرہ گراں قدر اور معنی خیز ہیں۔

تاہم اس سے قبل کا شمارہ دیکھنے سے رہا۔ خیر آپ حضرات کی لگن اور کاوشیں صد آفریں ہیں۔ اس ضمن میں جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ حقیقتاً مجلّہ ''دبستان نعت'' عمدہ اور معیاری ہے۔ اس کے لیے ڈاکٹر صاحب آپ کے ساتھ جناب فیروز احمد سیفی صاحب کو بھی مبارک باد دیتا ہوں کہ ان کی زیرِ نگرانی یہ ضخیم مجلّہ پابندی اور اپنی آن بان کے ساتھ جاری وساری ہے۔

اللہ کرے اس کا اجر وثواب آپ حضرات کو ضرور ملے اور آئندہ بھی پوری تقویت کے ساتھ مجلّہ ''دبستانِ نعت'' جاری رہے۔ صنفِ شاعری پر یوں تو بہت سارے تحقیقی وتنقیدی کارنامے انجام دیئے جا چکے ہیں، مگر صنفِ نعت پر اس طرح کا کام پہلی مرتبہ نظر نواز ہوا۔ بلاشبہ یہ کام صرف محبانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پختہ وابستگی ضروری ہے۔

اس ضمن میں محترم جناب ڈاکٹر طاہر القادری صاحب قبلہ رقم طراز ہیں:-

> ''نعت ادب کی وہ صنف ہے جو قلب و روح کو ایسی طمانیت عطا کرتی ہے جس کا تصور فکرِ انسانی سے بالاتر ہے۔ اس کیفیت کو قوتِ مدرکہ ہی محسوس کر سکتی ہے۔''

بہر کیف ''دبستانِ نعت'' کے مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب اور نگران کار جناب فیروز احمد سیفی صاحب اور اس مجلّے سے جُڑے سبھی حضرات مبارک باد کے مستحق ہیں۔ ڈاکٹر صاحب آپ کی خدمت میں دو عدد کتب کے علاوہ اپنا نعتیہ کلام بھی ارسال کر رہا ہوں کسی شمارے میں شامل کر لیں۔

امید کرتا ہوں کہ ''دبستانِ نعت'' کا اگلا شمارہ ارسال کریں گے۔

امجد جاوید (یو۔ کے)

۵ر ستمبر ۲۰۱۹ء

محترمی ومکرمی ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج عالی بخیر ہوں گے۔

۶۴۰ صفحات پر مشتمل ''دبستان نعت'' کا شمارہ نمبر ۳ ملا۔ اس گراں قدر عنایت پر کن الفاظ سے شکریہ ادا کروں۔ آپ کی نظرِ عنایت کا بے حد شکریہ دیدہ زیب وخوشنما ''دبستان نعت'' اپنے اندر جن

معلومات کو سموئے ہوئے ہے اس پر مجھ نا چیز جیسا کیا اظہار خیال کر سکتا ہے۔تنقید و تائید، ایک نیا اسلوب، اصنافِ نعت اور تذکرہ و تعارف نعت گو حضرات، کیا نہیں ہے اس ''دبستان نعت'' میں۔

آپ نے اداریہ میں جن باتوں کی نشان دہی فرمائی ہے وہ واقعتاً توجہ طلب ہیں جیسے ادب حمد و نعت میں ابھی تک ایسی کوئی کامل کتاب شائع نہیں ہوئی جس میں نعتیہ ادب کی تمام اصنافِ سخن کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا گیا ہو۔یہ کام اتنا آسان تو نہیں لیکن اہم ضرور ہے۔

''اردو نعت کا اولین ناقد'' بہت معلوماتی مضمون ہے اور سچ بتاؤں تو اس پھول سے ''دبستانِ نعت'' کے ذریعہ پہلی مرتبہ آگاہی ہوئی۔''دبستانِ نعت'' میں اپنی نوعیت کا یہ انفرادی مضمون ہے۔ ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں نعت پر لکھے گئے ۵۰/مقالہ جات کا جو آپ نے ذکر کیا ہے امید ہے فرداً فرداً ان میں سے کسی ایک مقالے پر اس طرح کے مضامین ضرور شامل کریں گے۔ ہاشم رفاعی علیہ الرحمہ کی نعتیہ شاعری پر مضمون قابلِ مطالعہ اور متاخرین عرب نعت گو شعراء پر معلومات افزا بھی، اگر متقدمین میں سے کسی پر مضمون ہو جائے تو ''دبستانِ نعت'' کی رونق مزید دوبالا ہوگی۔

حضرت آسی کے شعر کی وضاحت نے ذہنی خلجان دور کیا اور بہت عمدہ طریقے سے بہت مدت سے یہ عقدہ حل نہیں ہو رہا تھا، کیونکہ ''جامِ نور'' وغیرہ میں اس شعر پر مضامین نظر سے گذرے تھے۔شاہ جہاں پور اور ضلع بستی کے نعت گو شعرأ کے تذکرے و تعارف کا سلسلہ میرے خیال میں ''دبستانِ نعت'' ہی کا کمال ہے۔اس طرح کی ندرت کم ہی نظر آتی ہے۔علاقائی سطح پر شعرأ کا تعارف ایک عمدہ سلسلہ ہے جو آپ نے شروع کیا ہے اس کو جاری رکھیں۔

''دبستانِ نعت'' ۲ پر ایک عمیق نظر جناب اقبال اعظمی صاحب اور ''دبستانِ نعت'' شمارہ ۲ تنقید کی میزان میں مکرمی پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب دونوں مضامین بہت عمدہ اور خصوصاً نعت کے حوالے سے کچھ سیکھنے کے لیے اپنے اندر بے شمار معلومات سمیٹے ہوئے ہیں۔اسی طرح محترم ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب کا مضمون بھی۔کس کس خوبی کا ذکر کروں اور سب سے بڑھ کر خوبی آپ کی ہے جو اتنا خوبصورت، دیدہ زیب کتابت وطباعت کے لحاظ سے نہایت عمدہ ''دبستانِ نعت'' مرتب کیا ہے۔اللہ کرے اور زورِ قلم زیادہ۔

آپ نے اداریہ میں ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری، علامہ اختر رضا خان اختر ازہری اور مختار عاشقی جون پوری صاحبان کے احوال وآثار اور انتقال پُر ملال کا ذکر کیا ہے اگر یہ گوشہ آخر میں وفیات کے تحت ذکر کیا جائے تو کیسا رہے گا۔

☆☆☆

P.G. Annual Pattern

DR. H. S. GOUR UNIVERSITY, SAGAR (M.P.)

ANNUAL EXAMINATION

PROSPECTUS/SYLLABUS FOR M.A. URDU PREV. & FINAL

There shall be four papers for M.A. Prev and Final examination of each.

Each paper will carry 100 marks. There shall be the following papers for Prev. and Final examination.

M.A. PREV EXAM 2008

PAPER

I- GHAZAL

II- ASNAF-E-SHAIRY

III- ASNAF-E-NASR

IV- TAREEKH-E-ZABAN-O-ADAB AUR TANQEED

M.A. FINAL EXAM 2009

PAPER : V-DASTAN NOVEL, AFSANA, DRAMA

VI- NAZM NIGARY

VII- IQBAL : KHUSOOSI MUTALIA (SPECIAL STUDY)

VIII- URDU SAHAFAT (JOURNALISM) AUR ADBI MAZMOON (ESSAY)

ANNUAL EXAMINATION
PAPER-I-GHAZAL

غزل

NOTE: All units carry equal marks.

Each unit shall consist of internal option. one question is to be solved from each unit compulsarily.

یونٹ نمبر:۱-

i- غزل (کلاسیکی) ہیئت اور اجزاء ترکیبی تاریخ وارتقاء ۱۸۵۷ء تک

ii- غزل کے مختلف رجحانات، حالؔی کی اصلاحی تحریک تا دورحاضر۔

یونٹ نمبر:۲-

i- ولؔی: شخصیت اور شاعری

ii- میرؔ: شخصیت اور شاعری

یونٹ نمبر:۳-

i- آتشؔ: شخصیت اور شاعری

ii- غالبؔ: شخصیت اور شاعری

یونٹ نمبر:۴-

i- حسرتؔ موہانی: شخصیت اور شاعری

ii- جگرؔ: شخصیت اور شاعری

iii- فراقؔ: شخصیت اور شاعری

یونٹ نمبر:۵-اشعار کی تشریح:

داخل نصاب غزلوں کے دس میں سے پانچ اشعار کی تشریح:

نصابی کتاب:

۱- ولؔی: انتخاب ولی، ظہیر الدین مدنی (مکتبہ جامعہ لمیٹڈ)......شروع کی آٹھ غزلیں
۲- میرؔ: انتخاب کلام میر۔عبدالحق (انجمن ترقی اردو ہند دہلی)......شروع کی آٹھ غزلیں
۳- آتشؔ: انتخاب کلام آتش۔سید اعجاز حسین (اتر پردیش اکادمی)......شروع کی آٹھ غزلیں
۴- غالبؔ: دیوان غالب۔ردیف نون ......شروع کی آٹھ غزلیں
۵- حسرتؔ: حسرت کی شاعری۔یوسف حسین خاں (مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی) ابتدائی دس غزلیں
۶- جگرؔ: آتش گل۔(مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی) ابتدائی دس غزلیں۔
۷- فراقؔ: انتخاب غزلیات۔(مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی) ابتدائی آٹھ غزلیں

امدادی کتب:

۱- مقدمہ شعرو شاعری۔حالؔی
۲- اردو غزل۔یوسف حسین خاں
۳- اردو غزل کے پچاس سال۔عبدالاحد خاں خلیل
۴- اردو شاعری پر ایک نظر۔کلیم الدین احمد
۵- غزل کا نیا منظر نامہ۔شمیم حنفی
۶- مطالعہ ولی: شارب ردولوی
۷- نقد میرؔ۔سید عبداللہ
۸- میر تقی میر: حیات اور شاعری۔خواجہ احمد فاروقی
۹- غالب اور آہنگ غالب۔یوسف حسین خاں
۱۰- نقد غالب۔مختار الدین احمد
۱۱- مقدمہ کلام آتش۔خلیل الرحمٰن اعظمی
۱۲- حسرت موہانی: شخصیت اور کارنامے احمر لاری
۱۳- جگر: حیات و شخصیت۔محمد اسلام
۱۴- فراق گورکھ پوری: شخص اور شاعر۔شمیم حنفی
۱۵- غزل کی سرگزشت۔اختر انصاری
۱۶- اردو غزل۔کامل قریشی

ANNUAL EXAMINATION
PAPER-II-ASNAF-E-SHAIRY

اصناف شاعری

(قصیدہ،مرثیہ،مثنوی،نعت)

NOTE: All units carry equal marks.

Each unit shall consist of internal option. one question is to be solved from each unit compulsarily.

یونٹ نمبر:۱-صنف قصیدہ،مرثیہ،مثنوی اور نعت کا فنی جائزہ وتاریخی ارتقاء

یونٹ:۲-

(الف)-i-سوداؔ کی شخصیت اور قصیدہ نگاری

ii- ذوقؔ کی شخصیت اور قصیدہ نگاری

(ب)-مولانا احمد رضا خاں بریلوی:حیات وشخصیت اور نعت گوئی

یونٹ نمبر:۳-

i- انیسؔ:حیات وشخصیت۔مرثیہ نگاری اور عہد و ماحول

ii- دبیرؔ:حیات وشخصیت۔مرثیہ نگاری اور عہد و ماحول

یونٹ نمبر:۴-

i- میر حسنؔ کی مثنوی نگاری اور مثنوی سحرالبیان کا مطالعہ

ii- پنڈت دیاشنکر نسیمؔ کی مثنوی نگاری اور مثنوی گلزارِ نسیم کا مطالعہ

یونٹ نمبر:۵-تشریح: چار حصوں میں سے کوئی دو کی تشریح:

i- سوداؔ کا قصیدہ۔''سوائے خاک نہ کھینچوں گا منّت دستار''۔انتخاب قصائد۔ابومحمد سحرؔ

ii- ذوقؔ کا قصیدہ''ساون میں دیا پھر مہ شوال دکھائی''۔انتخاب قصائد۔ابومحمد سحرؔ

۳- حدائق بخشش حصہ اوّل (صفحہ-۸۹تا صفحہ-۹۴)۔مولانا احمد رضا خاں بریلوی

۴- انیسؔ کا مرثیہ''بہ خدا فارس میدان تہوّر تھا حر''۔انتخاب مراثی۔حکم چندنیّر۔اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ

۵- دبیرؔ کا مرثیہ''پیدا شعاع مہر کی مقراض جب ہوئی''۔انتخاب مراثی۔حکم چندنیّر۔اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ

۶- مثنوی سحرالبیان۔میر حسنؔ (رشید حسن خاں۔مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی)

۷- مثنوی گلزار نسیم۔پنڈت دیا شنکر نسیمؔ۔(رشید حسن خاں۔مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی)

امدادی کتب:

۱- اردو میں قصیدہ نگاری۔ابومحمد سحرؔ

۲- اردو میں قصیدہ نگاری۔امّ ہانی اشرف

۳- اردو مرثیہ نگاری۔امّ ہانی اشرف

۴- اردو مرثیے کا ارتقاء۔مسیح الزّماں

۵- اردو مثنوی۔علی جواد زیدی

۶- اردو مثنوی کا ارتقاء۔عبدالقادر سروری

۷- اردو کی تین مثنویاں۔خان رشید

۸- اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ۔محمود الٰہی

۹- اردو مرثیہ۔سید سفارش حسین رضوی

۱۰- موازنہ انیس و دبیر۔مولانا شبلی نعمانی

۱۱- میر ببر علی انیسؔ خصوصی شمارہ کتاب نما دہلی

۱۲- مرزا سلامت علی دبیرؔ نمبر۔عبدالقوی دسنوی۔خصوصی شمارہ کتاب نما دہلی

۱۳- خلق پیغمبری۔سید جمیل الدین

☆☆☆

Dabistan-e-Naat Yearly
Registered with the registrar of News Paper for India
RNI - Title Code : UP URDU 05427

Issue No.: 4
Jan. to Dec. 2019

Prof. Dr. H. A. Mannan Tarzi
Superannuated
Awarded by the Honorable President of India
Mob. 9431085811

پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالمنّان طرزیؔ
(متقاعد)
عزت مآب صدر جمہوریۂ ہند سے اعزاز یافتہ

Moh. Faizullah Khan, P.O.-Lalbagh, Dist. Darbhanga, Pin-846004 ● محلہ فیض اللہ خان، پوسٹ لال باغ، ضلع دربھنگہ، پن-846004

Date .... تاریخ..........................

منظوم تاثرات

دبستانِ نعت کا شمارہ ۲ پڑھنے کے بعد

دولتِ بے بہا ہے دبستانِ نعت
دفترِ دلکشا ہے دبستانِ نعت

جامِ حُبِّ نبی کا ہی پاتے جہاں
ایسا اِک میکدہ ہے دبستانِ نعت

اُسوۂ پاک کا ترجماں ہر ورق
تحفۂ ایماں فزا ہے دبستانِ نعت

روشنی پھیلی عالم میں توحید کی
رُوح پرور فضا ہے دبستانِ نعت

جس سے صالح عقیدے کا ہوتا فروغ
ایسی محکم بِنا ہے دبستانِ نعت

سیرتِ مصطفیٰ کی بیاضِ حسیں
دردِ دل کی دوا ہے دبستانِ نعت

اُس کی نعتوں کو پڑھتے بھی شام و سحر
دافعِ صد بلا ہے دبستانِ نعت

عشق بھی کچھ اسی سے جِلا پا گیا
نور کا دائرہ ہے دبستانِ نعت

پڑھئے با چشمِ نم، دیکھئے پھر اثر
مصطفیٰ کی ثنا ہے دبستانِ نعت

اللہ اللہ وہ جلوہ ساماں نیاں
حشر جس سے بپا ہے دبستانِ نعت

مرحبا مرحبا سعیِ سیفی سراج
خواب سچ ہوگیا ہے دبستانِ نعت

ہیں یہ دیوانے دونوں بڑے کام کے
جس نے ثابت کیا ہے دبستانِ نعت

جس سے تکمیلِ شانِ نبوت ہوئی
وہ ضیا کا حرا ہے دبستانِ نعت

پڑھ کے عالم بھی طاری ہے اک وجد کا
جب سے طرزیؔ ملا ہے دبستانِ نعت

● پروفیسر عبدالمنّان طرزیؔ دربھنگوی

Dr. Siraj Ahmed Quadri *Editor*
Naat Research Center-India, Mohalla Banjaria West, Khalilabad
Distt. Sant Kabir Nagar-272175, U.P.
Printed at : Habibi Offset Press, Khalilabad, Distt. Sant Kabir Nagar, U.P.